الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (صحیح بخاری)

آدمی اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے

تذکرہ نقشبندیہ خیریہ

اکابر مشائخ نقشبند کا سلسلہ وار تعارف

اشاعت دوم

مؤلف

محمد صادق قصوری

ترتیب و تدوین

صوفی محمد اسرائیل الخیری

ناشر: کتب خانہ خیریہ

دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (صحیح بخاری)

آدمی اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے

تذکرہ نقشبندیہ خیریہ

اکابر مشائخ نقشبند کا سلسلہ وار تعارف

اشاعت دوم

مؤلف

محمد صادق قصوری

ترتیب و تدوین

صوفی محمد اسرائیل الخیری

کتب خانہ خیریہ

دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر

نام کتاب	تذکرہ نقشبندیہ خیریہ
مصنف	محمد صادق قصوری
ترتیب وتدوین	صوفی محمد اسرائیل الخیری
اشاعت	نومبر 2007ء
تعداد	**1000**
کمپوزنگ	عرفان قریشی
مطبع	آر۔زیڈ۔پیکجز
ناشر	دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور
ہدیہ	-/400روپے

ملنے کے پتے

دربار عالیہ مرشد آباد شریف (کوہاٹ روڈ) پشاور شہر۔ 091-2321484

آستانہ خیریہ نزد ستارہ مارکیٹ سیکٹر G/7/2/4 اسلام آباد 051-2204812

وکٹری بک ڈپو اردو بازار، لاہور 042-7244800, 7120088

انتساب

پیکرِ رُشد وہدایت، شہنشاہِ ولایت امام العارفین، قدوۃ السالکین، حضرت خواجۂ خواجگان

پیر خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین نقشبندی مجددی مدظلہٗ

سجادہ نشین دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور کے نام

جن کا ہر لمحہ

ذکر وفکر، دینِ اسلام کی اشاعت اور ترویج وترقی کے لیے وقف ہے

محمد صادق قصوری

هو الصمد

فصلى المليك ولي العباد
ورب العباد على أحمد

مالک الملک بادشاہِ عالم بندوں کا والی
اور پروردگار احمد مجتبیٰ پر درود بھیجے۔

فکیف الحیاة لفقد الحبیب
وزین المعاشر في المشهد

اب کیسی زندگی جب حبیب ہی بچھڑ گیا
اور وہ نہ رہا جو زینتِ دو عالم تھا

کلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
بخط
خورشید عالم گوہر قلم
۱۴۲۱ھ
۲۰۰۱ء

مشکلاتِ ما ہمہ ہرگز نیاید در عدد
المدد یا خواجۂ مشکل کشائے نقشبند

ترجمہ ہماری تمام مشکلات ہرگز گنتی میں نہیں آسکتیں۔ اے خواجہ مُشکل کُشائے نقشبند ہماری مدد کو آئیں

توتیائے چشم سازم خاکِ پائے نقشبند

تا بیابم سِرِّ حق از لطفِ سائے نقشبند

ترجمہ :- میں حضرت نقشبند کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا چاہتا ہوں تاکہ میں حضرت نقشبند کے سایۂ کرم سے رازِ حق پاؤں ۔

رو بدرگاہ بہاؤ الدین نظر کن زانکہ ہست

نُہ فلک ماشند درباں در سرائے نقشبند

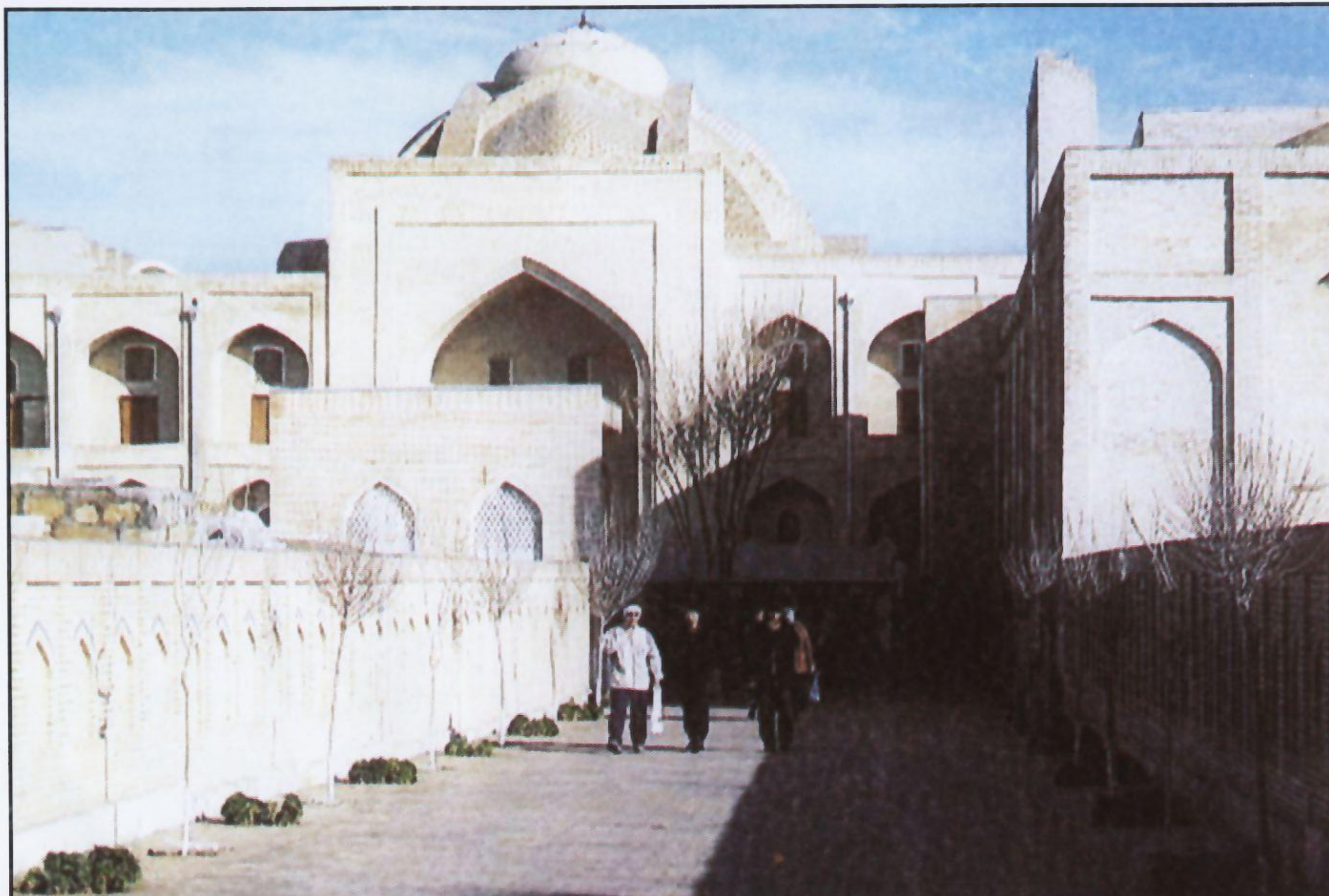
ترجمہ:۔ (اے مخاطب) تو حضرت بہاؤ الدین نقشبند کی درگاہ میں جا اور اس کا نظارہ کر (اس لیے کہ) نو کے نو
آسمان حضرت نقشبند کے گھر کے دروازے کی حیثیت رکھتے ہیں۔



حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند؂ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ

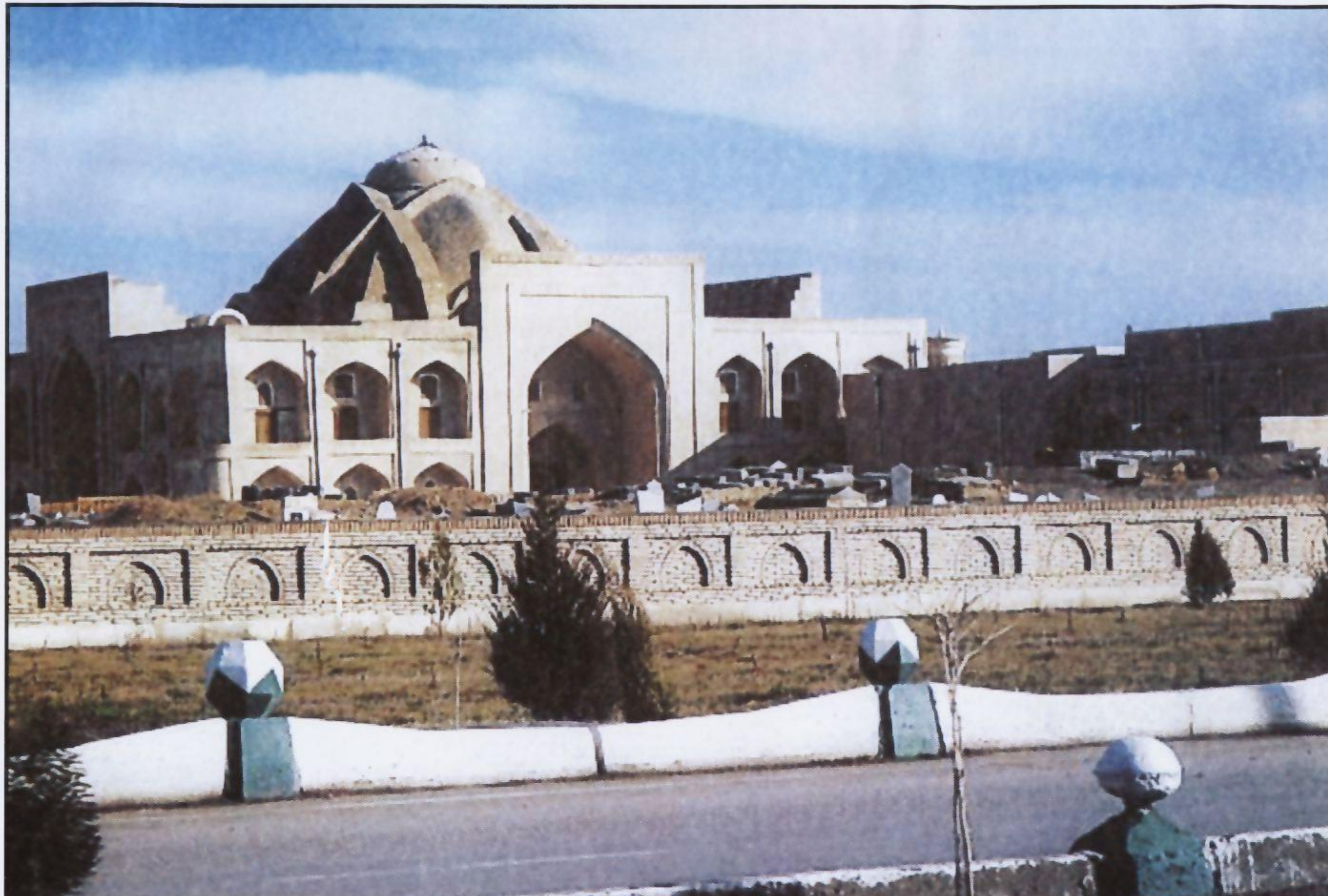


حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے مزار شریف میں ایک کتبہ جس پر ہاتھ سے ''دست با کار دل بایار'' کندہ ہے



حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند ؒ کا مزار شریف (بخارا)

C



حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے مزار شریف کا بیرونی منظر

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	تقاریظ	
1	عرض مولف	1
5	مقدمہ (تحریراز مورخِ سرحد محترم جناب پروفیسر محمد شفیع صابر صاحب ایم۔اے)	2
7	کلمات خیر (تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر پیر طریقت رہبر شریعت خواجہ بدر عالم جان صاحب (مدظلہ العالی) کے تاثرات)	3
14	''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر شیخ طریقت حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے تاثرات''	4
16	تقدیم (از: مورخ پاکستان ملک التحریر محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب)	5
19	''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر ممتاز مذہبی سکالر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد جناب صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب (مدظلہ العالی) کے تاثرات''	6
21	ابرِ کرم (ضیاء الامت جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔اے)	7
23	کلماتِ طاہر (تحریراز: مفکر اسلام نابغۂ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)	8
25	حرفِ اوّل (کچھ تذکرہ نقشبندیہ خیریہ کے بارے میں)	9
30	تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر ایک نظر	10
33	تذکرہ نقشبندیہ خیریہ میری نظر میں	11
36	ارشاداتِ مقصود	12
38	فرموداتِ معصومیہ	13
40	ملفوظات مدرار	14
49	سخنے چند	15
51	سرِ سخن	16

عرض حال

کتاب ''تذکرہ نقشبندہ خیریہ'' کی پہلی اشاعت پیرِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلۂ العالی سجادہ نشین دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور شہر کے ارشاد پر ستمبر 1988ء میں ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے لیے کافی مواد دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر سے بھیجا گیا تھا۔ مؤلف نے کتاب کے دوسرے صفحے کی پہلی سطر پر مندرجہ ذیل فقرہ نمایاں لکھا ہوا ہے کہ

''جملہ حقوق بحق خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلۂ العالی محفوظ ہیں۔''

لیکن افسوس ہے کہ مؤلف موصوف نے کتاب مذکورہ کے آخر میں معمولی ردوبدل کر کے کتاب مذکورہ کو دربار عالیہ مرشد آباد شریف سے اجازت لیے بغیر دوبارہ شائع کر لی جو کہ علم دوستی سے انحراف ہے۔

دربار شریف کے معتقدین اور مریدین کو اس پر نہایت افسوس اور قلق ہوا۔ لہٰذا متعلقین اور پیر بھائی حضرات کے اصرار پر کچھ اضافے کے ساتھ کتاب مذکورہ کی دوبارہ اشاعت کر دی گئی ہے۔

احقر العباد

محمد اسرائیل الخیری

خادمِ دربار عالیہ مرشد آباد شریف

پشاور شہر

عرضِ مؤلّف

عرصہ سے قلبی آرزو تھی کہ حضرات مشائخ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حالاتِ طیّبات پر جدید تقاضوں کے مطابق ایک کتاب لکھوں تا کہ نئی نسل کو یہ بتایا جا سکے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے تبلیغِ اسلام کے لیے کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ خوابیدہ دلوں کو کس طرح بیدار کیا اور ظالم و جابر حکمرانوں کے سامنے کس طرح کلمۂ حق بلند کیا اور عظمت و سطوتِ خداوندی کا سکّہ بٹھایا۔

1984ء کے آخر میں جناب محمد آصف آصفی الخیری نے اپنے مکتوب گرامی میں راقم کو تحریر فرمایا کہ پیرِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ مُرشد آباد شریف پشاور کی خواہش ہے کہ تُم آستانہ عالیہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب "سلسلہ خیریہ مع تذکرہ نقشبندیہ" کو نئی ترتیب، تحقیق اور کاوش کے ساتھ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی خدمت سرانجام دو تا کہ نئی آب و تاب سے شائع کر کے شائقین تک پہنچایا جائے۔

چونکہ یہ خواہش پہلے ہی میرے دل میں چنگاری کی طرح سلگ رہی تھی لہٰذا میں نے بلاحیل و حجت اسے تائیدِ ایزدی سمجھتے ہوئے قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ صوفی محمد اسرائیل الخیری مدظلہٗ ناظم اعلیٰ دربار عالیہ مُرشد آباد شریف نے 14 جولائی 1985ء کو دوبارہ رابطہ فرمایا۔ احقر نے پھر اثبات میں جواب دیتے ہوئے اپنی خدمات پیش کر دیں اور ضروری کتابوں کی تلاش و حصول کے بعد 28 ربیع الثانی 1406ھ بمطابق 10 جنوری 1986ء بروز جمعۃ المبارک اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا جو تقریباً ایک سال میں بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہو گیا اور اب تذکرہ نقشبندیہ خیریہ نئے حسن و جمال کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں مجھے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ ایک الگ باب کی متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کا فضل و کرم میرے شاملِ حال رہا اور مرشدی و مولائی سنوسیِ ہند امیرِ ملّت حضرت پیر حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری قدس سرہ کی روحانی امداد ہر وقت اور ہر آن میسر رہی اور اس طرح یہ منزل ہفت خواں طے ہو گئی۔ میں نے سعیِ بلیغ کی ہے کہ کتاب کو ہر لحاظ سے جامع بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں قرآنی آیات کے حوالے اور ترجمہ، اہم مقامات پر اشعار کا ترجمہ، پیرا بندی، جدید تحقیق کے مطابق نئی نئی معلومات کا اندراج ہر شخصیت کے تمام پہلوؤں کا ذکر،

مولد و مدفن کی تحقیق، ولادت و وفات کے سنین کی تصحیح، زبان کی سادگی اور واقعات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کرنے کا پورا پورا التزام کیا ہے مگر باوجود اس کوشش کے ممکن ہے کہ غلطیاں اور خامیاں رہ گئی ہوں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر اس کتاب میں خامیاں ہیں تو اُن کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہے اور اگر کچھ خوبیاں ہیں تو وہ میرے رب کی دین ہے۔

نکتہ چیں کو اگر کچھ خامیاں نظر آئیں تو یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ فکر وتلاش کے اس وسیع اور رنگا رنگ چمن میں کہیں کہیں سبزۂ خودرو یا خس و خاشاک کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ کون لکھنے والا ہے جس کی ہر کتاب ہر مبصر کے محکِ امتحان پر زرِ خالص عیار ثابت ہو۔ میں حضرت امیر مینائیؒ کے الفاظ میں بلا تکلف کہہ سکتا ہوں۔

ے مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ میرے سخن میں رہے

اگرچہ میں نے تلاش و جستجوئے بسیار کے بعد اس کتاب میں بعض ایسی چیزیں شامل کی ہیں جو شاید کسی اور تذکروں میں نہ مل سکیں گی اور ندرت و تنوع کے اعتبار سے یہ کتاب ممتاز ہے مگر پھر بھی مجھے افسوس ہے کہ اپنی خواہش کے باوجود اسے معنوی لحاظ سے اتنا معیاری نہ بنا سکا جتنا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ میری علمی بے مائیگی اور معلومات کی عدم فراہمی ہے لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مشائخِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حالات طیّبات پر اتنا جامع تذکرہ شاید ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہو۔

ع میرے گل میں جو بُو ہے وہ کسی گُل میں نہیں

بڑی ناشکری ہوگی کہ اگر میں ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی عنایت، کرم فرمائی اور نوازش کے بغیر یہ کتاب مکمل نہ ہو سکتی تھی۔ پیرِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی کی شبانہ روز دعاؤں کی بدولت یہ تذکرہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ حضرت صوفی محمد اسرائیل الخیری قبلہ کی مسلسل حوصلہ افزائیوں، رابطوں اور یاددہانیوں نے میرے کام کو کافی حد تک آسان کر دیا اور یوں اس بحرِ معرفت کی غواصی میں کامیاب و کامران ہو سکا۔

سیدی و سندی حضور فخرِ ملت حضرت پیر سید حافظ افضل حسین شاہ صاحب مدظلہٗ زیبِ آستانہ عالیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ کی ہمہ وقت روحانی امداد اور حضور مہر الملّت مبلغِ مشرق و مغرب حضرت پیر سید منور حسین شاہ صاحب قبلہ علی پوری کے بے پایاں کرم کی بدولت ہی یہ کام سرانجام پا سکا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ے ممنونِ التفاتِ نگاہِ جمال ہوں
مجھ کو نظر اٹھانے کے قابل بنا دیا

استاذی حکیم اہلِ سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ کی قدم قدم پر راہنمائی کے بغیر میرے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ علم و ادب کے اس وسیع و عریض میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کر سکتا۔ یہ اُن کی نگاہِ عنایت اور ان کے قدموں سے وابستگی کا اثر ہے کہ مذہب و ملت کی کچھ خدمت کرنے کے قابل ہو سکا۔

جب تک بکا نہ تھا کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

عالمِ اسلام کے نامور مفکر، دانش ور، ماہرِ تعلیم اور منفرد اہلِ قلم حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ (سندھ) کی مسلسل راہنمائی اور حوصلہ افزائی میرا سرمایۂ حیات ہے۔ ان کی شفقت، محبت اور عنایت کے باعث میں اس قابل ہوسکا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ عظام پر قلم اٹھاسکوں ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔ مجھے تو

فخر اپنی نیاز مندی پر
ناز اُن کی نوازشوں پر ہے

جناب محمد نذیر رانجھا صاحب راولپنڈی نے مواد کی فراہمی میں کافی مدد کی۔ ملک کے نامور نعت گو شاعر حضرت صابر براری مدظلہ، کراچی نے بعض ''تاریخی مادے'' مرحمت فرمائے اور قطعۂ تاریخ اشاعت عطا فرمایا۔

حضرت اقدس جناب سید انور علی انور قبلہ ایڈووکیٹ کراچی، جناب حکیم سید امین الدین احمد صاحب لاہور، جناب جی۔ اے حق محمد صاحب اسلام آباد، جناب بہاُ الحق صاحب ایم۔ اے اور جناب قاضی ظہور اختر صاحب ایم۔ اے کے تحقیقی مضامین ''تصوف، اس کی اصل اور غرض و غایت''، ''تصوف چیست؟''، تصوف اسلام کی فکری و عملی تحریک''، ''تصوف۔ اس کی اصل اور غرض و غایت'' اور ''تبلیغ اسلام اور سلسلۂ نقشبندیہ''[1] ماہنامہ ''نور اسلام'' شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ (پنجاب) کے اولیائے نقشبند نمبر حصّہ اوّل بابت ماہ مارچ، اپریل 1979ء سے نقل کیے گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان مضامین کی شمولیت سے کتاب کی اہمیت، حیثیت اور افادیت دہ چند ہوگئی ہے۔ اس لیے میں مضامین نگار حضرات کے علاوہ فخر المشائخ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ سجادہ نشیں آستانہ عالیہ شرقپور شریف اور ان کے مرید باصفا، فنافی الشیخ حضرت صوفی غلام سرور نقشبندی مجددی مدظلہ، نیا مزنگ لاہور کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے مقدور بھر علمی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام محسنوں اور کرم فرماؤں کو خوش و خرم رکھے اور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

آخر میں اس حقیقت کا اظہار جزوِ ایمان سمجھتا ہوں کہ میں عالم ہوں نہ ادیب اور نہ مورخ ہوں نہ صاحبِ قلم کہ اتنی عظیم کتاب لکھ سکتا۔ یہ تو سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ مدینے کی گلیوں کی خاک مقدس میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔

ع سرمہ ہے مری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

میرے دل کی دھڑکنیں سبز گنبد کا طواف کرتی رہتی ہیں اور عالمِ تصور میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

1۔ اصل عنوان ''تبلیغ اسلام اور سلاسلِ اربعہ'' تھا مگر ہم نے اپنے موضوع کی رعایت سے عنوان بدل کر صرف سلسلہ نقشبندیہ سے متعلق مضمون ہی نقل کیا ہے۔ (قصوری)

سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کرتا رہتا ہوں کہ "یا رسول اللہ ﷺ! میری لاج رکھیو! میں سیاہ کار ہوں، نابکارو ناہنجار ہوں، آپ کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ خدارا میری لاج رکھیو!" چنانچہ سبز گنبد کے مکین صلی اللہ علیہ وسلم نے لاج رکھی ہے اور میں یہ کتاب مکمل کر سکا ہوں۔

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

محمد صادق قصوری
برج کلاں ضلع قصور
9 ربیع الثانی 1407ھ
12 دسمبر 1986ء بروز جمعۃ المبارک
بعد نماز فجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

تحریر از مورخِ سرحد محترم جناب پروفیسر محمد شفیع صابر صاحب ایم۔اے

گولڈ میڈلسٹ پرنسپل فارورڈ ہائی اسکول پشاور (صوبہ سرحد)

اللہ اللہ!.........اللہ والوں کی کیا باتیں ہیں.........سلطنتیں مٹ جاتی ہیں، حکومتیں وجود میں آتی اور بگڑتی رہتی ہیں، شہر بستے اور تباہی کا شکار ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر دوام ہے تو اللہ کے نام کو اور مردانِ خدا کے کام کو۔ قرآن حکیم انھیں

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ[1]

کی سندِ دوامی عطا کرتا ہے۔ وہ انسانوں کے جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ ان کا نقش مردمانِ عارف کے قلب و روح پر تا ابد کندہ رہتا ہے۔ یہی وہ پاک طینت لوگ ہیں جو اللہ کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور اللہ انھیں اپنا دوست بنالیتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب اللہ کے انھی برگزیدہ بندوں کے ذکرِ خیر پر مبنی ہے۔ کتاب کے مؤلف وطنِ عزیز کے مشہور اہلِ قلم جناب محمد صادق قصوری ہیں جو ''اکابر تحریک پاکستان'' مرتب کر کے اپنا لوہا منوا چکے ہیں اور ایک وسیع النظر اور قادر الکلام سوانح نگار کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ جہاں صادق صاحب کی یہ مخلصانہ کاوش قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہے وہیں اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہمارے شکریہ کے مستحق دورِ حاضر کے عظیم مبلغ اسلام اور قدر شناس اولیائے کرام، پیرِ طریقت، مخزنِ شریعت حضرت ابوالخیر، الحاج محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی نقشبندی مجددی سجادہ نشین آستانہ عالیہ مُرشد آباد شریف، پشاور شہر ہیں جن کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ فروغ و اشاعتِ اسلام کے لیے وقف رہتا ہے اور جنھیں اس سے پیشتر بھی کئی اسلامی کتابوں کی اشاعت کا فخر حاصل رہا ہے۔

آج کے اس پُر آشوب دور میں جب آدمی مادیت کے سیلاب کی زد میں ہے، لادینی نظریات کی بھرمار نے ذہنوں کو مفلوج بنا کے رکھ دیا ہے اور تہذیب مغربی کی چکا چوند نے ہماری بصیرت اور بصارت کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ اللہ اور اللہ والوں کی باتیں سننے کا نہ شوق باقی ہے اور نہ ان پر عمل کرنے کا حوصلہ اور یارا۔ ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کی اشاعت

1۔ ترجمہ: انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ پارہ: ۱۱: سورہ یونس، رکوع ۱۲، آیۃ: ۶۴

نہایت برمحل اور برموقع ہے۔ اولیائے ربانی اور علمائے حقانی کی سیرت طیبہ اور سوانح حیات کا مطالعہ صرف نہ ہمیں روحانی سکون اور طمانیت عطا کرنے کا موجب ہے بلکہ خود ہمیں اپنی زندگی کا راستہ متعین کرنے میں بے حد ممد و معاون بھی ہے۔

سوچا جائے تو انسان کی سب سے بیش بہا متاع اس کی سیرت ہے۔ تعلیم و تربیت کا منشائے حقیقی بھی انسان کی سیرت اور کردار کی تعمیر ہے۔ اصل علم وہی ہے جو ہماری سیرت کو سنوارے اور اس دنیا اور حیات بعد الممات میں ہمارے لیے فائدہ مند اور نفع بخش ثابت ہو......... سیرت سازی محض نوشت و خواند کے ذریعے ممکن نہیں کہ

حرف تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

کوئی انسان اس وقت تک اپنی سیرت کو صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر نہیں کرسکتا جب تک اس کے سامنے انسانی سیرت و کردار کے اعلیٰ نمونے موجود نہ ہوں۔ انبیائے کرام کا اصل کام انسان سازی یا تعمیرِ سیرت ہی تھا۔ ہر مومن و متقی کے لیے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] کا فرمانِ الٰہی نہ صرف مشعلِ راہ بلکہ مقصد و مدعائے حیات ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ رحمۃ اللعالمین، سید المرسلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا طریق تربیت نظامِ صحبت ہی تھا جو کوئی قرب و صحبت نبوت سے زیادہ مستفیض ہوا، اتنا ہی واجب الاحترام اور واجب التعظیم قرار پایا، اتنا ہی کامل و اکمل ٹھہرا......... اتنا ہی اللہ پاک کی بارگاہ میں مقبول و معزز سمجھا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو امت کی تربیت کا یہی فریضہ صحابہ کبار (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) نے سنبھال لیا کہ وہ بارگاہ نبوت ﷺ کے براہ راست تربیت یافتہ ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ تاہم تبلیغ و تربیت اسلامی کا یہ مشن دائمی اور ابدی تھا، اسے قیامت تک جاری رہنا تھا اس لیے یہ جاری و ساری رہا۔ اگر سیرت سازی کا یہ کام صحابہ کرام؇ تک محدود رہتا تو ہم یہ عذر پیش کر سکتے کہ صحابہ کرام؇ تو حضور ﷺ کی نظرِ شفقت اور نظامِ تربیت و صحبت کی بدولت اتنے ارفع و اعلیٰ درجے تک پہنچ گئے۔ ہم عاجز لوگ بھلا ان کی ہمسری کیسے کر سکتے ہیں؟ لیکن مقامِ شکر ہے کہ صحابہ کرام؇ کے بعد بھی امت مسلمہ میں ہر دور میں ایسے علمائے حق اور صاحبِ دل بزرگ سامنے آتے رہے، جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے نور سے لوگوں کو منور کیا اور آنحضرت ﷺ کے دین کی اپنے عمل سے صحیح تفسیر و تشریح کی۔ اسلامی تاریخ کا کوئی دور بھی ایسے نفوسِ قدسیہ کی درخشاں مثالوں سے خالی نہیں۔ خود حضور خاتم النبین ﷺ کی حدیث شریف ہے کہ ''میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اوّل حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔''

اگر صرف یہی سمجھا جائے کہ ساری عظمتیں، ساری شوکتیں اور ساری کرامتیں صرف اگلوں کا حصہ تھیں اور پچھلوں کو اس سے کوئی علاقہ نہیں تو یہ ہماری ناسمجھی ہوگی۔ ہمارا ایمان ہے کہ سلسلۂ نبوت و وحی ختم ہو چکا ہے تاہم فیضِ ربانی کے دروازے کھلے ہیں اور تا ابد کھلے رہیں گے......... طالبان فیض کو یہ نعمت علمائے حقانی اور اولیائے ربانی کی بدولت

1۔ ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔ پارہ: ۲۱: سورہ الاحزاب رکوع: ۱۹، آیۃ: ۲۱

ہاتھ آتی رہے گی۔ جو مومن و متقی ان نفوس قدسیہ کی قربت وصحبت اختیار کرے گا، فوز وفلاح پائے گا، جو محض اپنی عقل و استدلال پر بھروسا کرتے ہوئے غیر اسلامی نظریات کو اپنائے گا، خسارے میں رہے گا۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ بڑے غور وفکر اور مطالعہ ومشاہدہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ دور میں ملت اسلامیہ کے انحطاط کا اصل سبب بزرگانِ دین سے بدگمانی ہے چنانچہ علامہ اقبالؒ اولیائے کرام کی پاک سیرتوں کو نمونۂ عمل بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے محمد دین فوقؔ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

''زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کی (اولیائے کرام) کی حیرت انگیز زندگی کو زندہ کیا جائے.......... میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسنِ ظن کا دور ہو جانا ہے۔''

حقیقت ہے بھی یہی، آج کے مادی دور میں مغربی ملحدانہ افکار وخیالات نے ذہنوں کو اس حد تک بگاڑ دیا ہے کہ ان میں حق و باطل کی تمیز تک کی استعداد باقی نہیں رہی۔ کسی ولی اللہ یا صوفی بزرگ کا ذکر آتے ہی ناپختہ ذہن میں ایک تارک الدنیا مجذوب و مخبوط الحواس.......... از کار رفتہ بوڑھے کی تصویر ابھر آتی ہے اور اولیائے کرام کی عزت وتکریم تو ایک طرف ایسا مغرب زدہ شخص اُن کے نام تک سننے کا روادار نہیں ہوتا۔ موجودہ پُرفتن دور کا سب سے بڑا تحفہ یہی تشکک اور بے یقینی ہے۔ اسی بے یقینی نے تمام موجودہ پریشانیوں کو جنم دیا ہے اور اسی تشکک وبدگمانی کی وجہ سے دُنیا ایک جہنم میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اُسی ماحول کو دیکھ کر اقبال یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

ع غلامی سے بتر ہے بے یقینی

اور وہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو پکار پکار کر کہتے ہیں.......... ''یقیں پیدا کر اے غافل!''.......... کیونکہ ان کے نزدیک دولتِ اسلام اور وجاہت اور غلبہ تبھی نصیب ہوگا جب اسلام اور اسلام کے زریں اصولوں پر یقین محکم ہو۔

بسا اوقات حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان نوجوان معاندین کے جادو اثر پروپیگنڈے سے اس درجہ متاثر ہو چکا ہے کہ وہ خود اپنی سوچ سے کام تک نہیں لیتا.......... آنکھیں تک نہیں کھولتا.......... ورنہ آنکھیں کھول کر دیکھے اور صحیح تناظر میں اپنے ماحول کا جائزہ لے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ شہنشاہ اکبر جیسے جابر وقہار کے نام نہاد ''دین الٰہی'' کے ملحدانہ نظریات کا رد کس نے کیا! کیا وہ ذاتِ گرامی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کے علاوہ کسی اور کی تھی۔ خود صوبہ سرحد میں کئی سو سال تک خالی ہاتھوں جن مردانِ خدا نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد بالسیف کیا وہ صوفیائے کرام نہ تھے؟ .... اخون صاحب سواتؒ حضرت پیر بابا بونیریؒ، حاجی صاحب ترنگ زئیؒ حضرت حاجی محمد امین[1] صاحب ملا صاحب کوٹہؒ، ہڈہ ملا صاحبؒ، سرتور ملا صاحب اور ملا صاحب چکنورؒ سب کے سب صاحبانِ طریقت بزرگ نہ تھے؟

سادہ لوح لوگوں کو کون سمجھائے کہ ان صوفیائے کرام کی زندگیاں تو سراپا ''جہاد'' تھیں۔ انھوں نے جہاد بالنفس بھی کیا، جہاد بالمال بھی کیا، جہاں کہیں موقع آیا ''جہاد بالسیف'' میں عملی حصہ لیتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی دیا۔ قید و

1۔ حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہ مرشد آباد شریف پشاور کو ایک واسطہ سے حضرت حاجی محمد امین صاحب سے چاروں سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل ہے۔ (انوار الخیر)

بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں اور ''ترکِ جان وترک مال وترکِ سر'' کی تابندہ مثالیں بھی پیش کیں۔آج کل افغانستان میں لادینی حکومت کے خلاف جہاد کرنے والوں کی اکثریت مجددی حضرات ہی پر مشتمل ہے۔

علامہ اقبال ؒ سے بڑھ کر روشن خیال، روشن دماغ، جدید وقدیم علوم پر حاوی، دردمند اور مخلص مسلمان اس دور میں کون ہوگا۔وہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے احیائے اسلام کے کارناموں کے پیش نظر انھیں ''ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان'' قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد ؒ کے حوالے سے تصوف کے بارے میں یوں اظہار، خیال کرتے ہیں۔

''حضرت مجدد الف ثانی ؒ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائرِ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے .... اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی .... راقم الحروف (اقبال) اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو، عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے۔''

(انوارِ اقبال)

مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال ؒ نہ صرف خود حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ کے دلی عقیدت مند تھے اور ان کے مرقد مبارک پر حاضری کو اپنی عین سعادت سمجھتے تھے بلکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو دوسرے سلسلوں پر اس لیے بھی فوقیت دیتے تھے کہ ان کے نزدیک سلسلہ نقشبندیہ ''حرکی'' یا (DYNAMIC) تحریک ہے جب کہ دوسرے سلاسل ''سکونی'' یا (STATIC) نظریات کے حامل ہیں۔علامہ اقبال ؒ کی نظر میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ اسی ''حرکیّت'' کا نقطۂ کمال تھے۔انھوں نے اپنے دور کے مسلمانوں کے ذہنی جمود کو توڑا اور اپنے زورِ عمل سے انھیں دوقومی نظریے کے حق میں اور اکبر کے ملحدانہ خیالات کے خلاف صف آرا کردیا۔

علامہ اقبال ؒ نے نہ صرف حضرت مجدد الف ثانی کی اسلامی خدمات اور روحانی کمالات کے قائل تھے بلکہ ان کے علمی کمالات کے دلی معترف بھی تھے۔حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب ؒ گولڑوی کو ایک مکتوب میں انھوں نے لکھا کہ:

''میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بڑی مقبول ہوئی۔

علامہ اقبال ؒ کے خیال میں حضرت مجددؒ ایسے مقام رفیع پر فائز ہیں کہ مفکرین مغرب کو بھی صحیح راہ پر لا سکتے ہیں۔ حضرت مجدد کی رفعتِ علمی کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے، مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کرسکوں، کیونکہ اس قسم کی زبان ہی موجود نہیں۔''

اسی طرح علامہ اقبال ؒ حضرت مجدد الف ثانی، امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کو عرفان وسلوک کا مجتہد

1 حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی خزینۃ الرحمۃ کا سلسلۂ فیضان روم (ترکی) شام (مصر) مغرب (مراکش) خلیجی ممالک چین، ماوراء النہر تک بھی پہنچا ہے۔تاریخ اولیا فارسی (صفحہ 107)

اعظم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا، اس سے سلوک و عرفان کا ایک نیا طریقہ وضع ہوا.......... اُن سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج تھے وہ یا تو وسطِ ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انھی کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رُخ کیا اور جواب بھی پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، افغانستان، ہندوستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے[1]

وطنِ عزیز پاکستان آج کل جن حالات سے دوچار ہے وہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات اور اس کے بزرگان کرام کے حالات پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالی جائے، اس لیے کہ نقشبندی حضرات اور بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو پاکستان سے خاص مناسبت ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان کی خشتِ اوّل جناب مجددؒ ہی نے رکھی تو اس میں کوئی مبالغہ قطعاً نہیں ہوگا۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی تھے۔ جنھوں نے شہنشاہ اکبر کے متحدہ قومیت کے نظریہ پر پہلا وار کیا.......... اُس دور میں جب لوگوں کو یہ باور کرایا جا رہا تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک ہیں اور رام اور رحیم ایک ہیں تو حضرت مجدد نے بلاخوف اور بلا جھجک یہ اعلان کیا کہ نہیں یہ بات غلط ہے۔ مسلمان اپنا الگ قومی وجود اور تشخص رکھتا ہے، اس کا اپنا طریقِ حیات اور الگ دستور العمل ہے۔ مُسلم قوم ہر اعتبار سے ایک الگ تہذیب و ثقافت اور معاشرت کی علمبردار ہے.......... رام اور رحیم اس لیے ایک نہیں ہو سکتے کہ رام ایک انسان ہے اور رحیم اللہ واحد کا صفاتی نام.......... حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کی ہندووانہ وضع قطع، طور طریقوں اور درباری کے آداب پر کڑی نکتہ چینی کی۔ ان کے مشرکانہ رسم و رواج اور رہن سہن کے خلاف آواز اٹھائی۔ قید و بند کی صعوبتیں اور سختیاں قبول کیں لیکن جہانگیر کی بے راہ روی کے سامنے گردن نہ جھکائی.......... اس طرح انھوں نے متحدہ قومیت اور مشترکہ تہذیب و ثقافت کے پُر فریب نعروں کا طلسم توڑا، مشرکانہ نظریات کے سیلاب کے آگے بند باندھا اور برصغیر میں ایک قومی نظریے کا بت پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

یہی نہیں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی، امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے اپنی خداداد بصیرت اور روحانی طاقت کی بنا پر یہاں تک بتا دیا کہ شہر لاہور ہی اشاعتِ دین کا سب سے بڑا مرکز ثابت ہوگا اور اسی خطۂ ارض سے ایک بار پھر اسلام کا بول بالا ہوگا.......... انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں اُس دور کے گورنر پنجاب میرزا محمد قلیچ خان کو، جو ان کا انتہائی عقیدت مند بھی تھا، لکھا کہ:

''آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے لاہور میں بہت سے احکام شرعی مروج ہو گئے ہیں اور دین کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک ہندوستان کے دوسرے شہروں کے مقابلے میں لاہور ارشاد و ہدایت کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اس شہر کی برکت دوسرے شہروں میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ اگر یہاں دین کی اشاعت کی جائے تو دوسرے شہروں پر بھی اس کا اثر مرتب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ مخالفین دین پر غالب رہے گا اور دین حق پر قائم رہے گا اور جو شخص ان کی امداد چھوڑ دے گا، وہ ان

کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔"

آپ کو چونکہ حضرت خواجہ باقی باللہ ؒ سے محبت تھی اس لیے آپ کو یہ کلمات لکھنے کی خواہش ہوئی:

یہ پیش گوئی نہیں تو اور کیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے سینکڑوں برس پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ برصغیر میں نفاذِ شریعت اسلامیہ کی آواز اسی شہر سے بلند ہوگی۔ یہی خطۂ ارض احیائے اسلام کی کوششوں اور کاوشوں کی جولان گاہ بنے گا اور دنیا نے دیکھا کہ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان اسی شہر لاہور میں منظور ہوئی اور پاکستان کی آزاد اسلامی حکومت کا قیام مسلمانانِ برصغیر کے دلوں کی دھڑکن اور نصب العین بن گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ اور ان کی لڑی کے دوسرے سربرآوردہ حضرات نے ہر دور میں مشرکانہ رسوم، ضلالتوں، بدعتوں، گمراہیوں اور کج رویوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس خطۂ ارض کو دین اور سنتِ رسول ﷺ کی نورانی قندیلوں سے منور کیا اور یہاں کے علمی، فکری، اخلاقی، روحانی اور سیاسی نظام کو اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ایک ایسی طاقت ور جان دار ارتاریخ ساز تحریک برپا کی جس کے اثرات معاشرے کے ہر طبقے اور ہر شعبے نے محسوس کیے۔ حضرت مجدد اور ان کے پیروکاروں کی یہی کاوش اور یہی تحریک بالآخر پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔ اگر آج بھی ہم علیحدگی پسندی، صوبہ پرستی، گروہ بندی، لادینی اثرات اور اسی قسم کے منفی رجحانات سے اس اسلامی مملکت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں نقش بندی اکابر کے نقشِ قدم پر چلنا اور اُن کی تعلیمات کو اپنانا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب ہم ان حضرات کے اتباع میں صرف اور صرف اسلامی نظریات اور اصولوں پر کاربند رہیں اور ہر قسم اور ہر طرح کے غیر اسلامی نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ قربِ خداوندی کے حصول کا واحد ذریعہ صرف اور صرف اتباع شریعت کو سمجھیں اور جان لیں کہ طریق نقشبندیہ میں طریقت، حقیقت اور معرفت سب شریعت محمدیہ ﷺ کے خادم ہیں۔

"تذکرہ نقشبندیہ خیریہ" کی اشاعت اہلِ ایمان کے لیے اس لیے بھی باعثِ خیر و برکت ہوگی کہ وہ یہ جان سکیں گے کہ اولیائے نقشبند ؒ ہر دور میں نفاذِ شریعت اسلامیہ کی مہم میں پیش پیش رہے ہیں۔ مشہور دانش ور ڈاکٹر محمود حسین کے الفاظ ہیں۔ "جہانگیر کے زمانے سے اب تک جو اسلامی مفکر اس برعظیم میں پیدا ہوئے اور جتنی بھی اسلامی تحریکیں یہاں اٹھیں اُن کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانی کے کام سے مسلم ہے۔ شاہ جہان کی اسلام دوستی، عالمگیر کی حکمت عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور خود تحریک پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد ؒ کی تعلیمات سے جا ملتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ معترف ہیں کہ آج جو مساجد میں اذانیں دی جا رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں، ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بارِ منت ہے۔ اگر حضرت مجدد الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامے انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے۔ الا ماشاء اللہ۔

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کی اہمیت ایک مسیحی بشپ کے نزدیک یہ ہے:

''سلسلہ نقشبندیہ کی تاریخ صرف اس لیے دلچسپ نہیں کہ اس نے اسلامی فکر کی تعمیر میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس نے ہندوستان کے سیاسی انقلابات کو بے حد متاثر کیا۔''

گرامی مرتبت ابوالخیر حضرت پیر عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی کو اللہ جزائے خیر دے کہ انھوں نے ''تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ'' کی اشاعت کا اہتمام کر کے اس سلسلۂ عالیہ کے فیوض کو عوام تک پہنچانے کی بھرپور کاوش کی ہے۔ صحبتِ شیخ منزل تک پہنچنے کے لیے سالک راہ کے لیے ناگزیر ہے۔ تاہم بزرگانِ کرام کا تذکرہ بھی صحبت شیخ کا نعم البدل ہوتا۔ خود سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ ''اولیا اللہ کے ملفوظات و حالات پڑھنے، لکھنے اور سننے میں ان گنت فائدے ہیں .... ان کا کلام ایک غیبی لشکر ہے۔ جب ہم ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں تو اس لشکر سے ہمارا دل اچانک قوی ہو جاتا ہے اور کام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔''

اسی نکتے کو حضرت مولانا عبدالرحمان جامیؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ ''مشائخ کی باتیں، اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔'' زندگی سنوارنے اور اسے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق گزارنے کے لیے ہمیں جیتی جاگتی اور سچی سیرتوں کی ضرورت ہے، زیرِ نظر کتاب ایسی ہی سچی اور جیتی جاگتی سیرتوں پر مشتمل ہے۔

ایسی پاکیزہ کتاب کا مطالعہ نہ صرف ہماری زندگیوں کو روشن تر بنانے اور مشکل حالات میں ہماری ڈھارس بندھانے کا موجب ہے بلکہ بزرگان کرام کے روشن کارناموں کا پڑھنا اللہ والوں اور اللہ سے ہمارے تعلق کو تقویت بخشنے کا سامان بھی ہے۔ مشائخ نقشبندیہ سے نسبت اُن سے عقیدت اور ان کی متابعت دین و دنیا دونوں ہی میں باعثِ سعادت ہے۔ ہم عاجزوں کی تو بساط ہی کیا مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عظیم شخصیت ان عظیم ہستیوں سے اپنی ارادت پر اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''یہی نسبت اور ارادت کی ایک دولت ہے جو ہم بے مایگان کار اور تہی دستانِ راہ کے لیے توشۂ آخرت اور وسیلہ نجات ثابت ہو۔ اگر اس کے دامن تک ہاتھ نہ پہنچ سکا تو اس کے دوستوں کا دامن پکڑ سکتے ہیں .... اللہ اس راہ میں ثبات واستقامت ورزی عطا فرمائے اور اس کے دوستوں کی محبت وارادت سے ہمارے قلوب ہمیشہ معمور و آباد رہیں۔'' (تذکرہ)

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کو اپنی اور اپنے مقربین کی سچی محبت عطا فرمائے اور انھیں عمل کی توفیق ارزانی فرمائے اور فاضل مؤلف اور حضرت ابوالخیر مدظلہٗ العالی کی مخلصانہ کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے۔

وَآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

خاک پائے اولیائے نقشبند
محمد شفیع صابر
3/2 خالد لین، فورٹ روڈ، پشاور صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات خیر

’’تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر پیر طریقت رہبر شریعت خواجہ بدرعالم جان صاحب (مدظلہ العالی) کے تاثرات‘‘

اولیاء کرام آئمہ ومشائخ عظام اور علماءِ راسخ العلم کے تذکار کو عام کرنا علمی خدمت ہی نہیں بلکہ یہ سنت الٰہیہ پر عمل پیرا ہونا ہے۔اس اعتبار سے یہ عمل ہمارے لیے عبادت اور سامانِ بخشش بھی ہے۔قرآنِ کریم جو محبوب مکرم رسول محتشم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا گیا،اس میں جہاں علوم عقائد وعلومِ احکام جو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں اور اصلاحِ فکر وعمل کی طرف راغب کرنے کے لیے اس میں قصص الانبیاء کے نام سے گذشتہ بعض انبیاء اور اُن کی اُمتوں کے احوال بھی بیان ہوئے ہیں اور ان واقعات کو اللہ عزوجل نے اپنے علیم وحکیم ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔تذکارِ صُلحا کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے اسے زندہ کیا اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس نے اس کی زیارت کی اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔‘‘

(الایمان بالتوبخ صفحہ نمبر 70)

حضرت امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السماویؒ اپنی کتاب ’’تاریخ التاریخ‘‘ میں صفحہ 60 میں اسی طرح ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

’’جو اللہ کی رضا کی خاطر محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا ذکر تاریخ میں کرے گا وہ روزِ قیامت اس کا ہم درجہ ہوگا اور جو کسی ولی اللہ کا نام کارناموں کے ساتھ تاریخ میں مطالعہ کرے گا تو گویا اس نے اس ولی اللہ کی زیارت کی۔‘‘

گویا کہ صُلحا کے تذکرے کرنا مصطفیٰ ﷺ کا ایک پسندیدہ عمل ٹھہرا،ویسے بھی کوئی قوم اُس وقت تک اپنے امتیاز کے ساتھ دنیا میں باقی وممتاز رہ سکتی ہے جب تک وہ اپنے شعائر اور اسلاف کے دامن کو نہیں چھوڑتی۔یوں تو سرزمینِ تصوف ایک ایسا مردم خیز فکر واقع ہوئی ہے کہ تمام سلاسل میں ایسے خوشنما اور معطر پھول کھلے جنھوں نے اپنی سیرت اور اخلاق حسنہ سے ملت کو معطر ومنور کر دیا اور ان سلاسل میں خصوصی امتیاز سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ان پاک طینت اور پاکباز،علم وعمل کے یگانہ روزگار شخصیات کو حاصل ہوا ہے۔جنھوں نے ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔جن پر سینکڑوں تذکرے تحریر کیے گئے۔ہر ہر بزرگ کا الگ الگ ذکرِ خیر ہوا۔لیکن ان تمام تذکار میں عموماً خوارقِ عادت پر زیادہ زور دیا گیا اور ان کی سیرت کے پہلوؤں کو تشنہ کام چھوڑ دیا گیا اور ان کے اقوال کی طرف توجہ کم دی گئی اور خانقاہ ومدرسہ اور ان کے آثار کو ضبطِ تحریر میں نہ لایا گیا،تذکرہِ خیریہ نقشبندیہ،کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس میں جہاں خوارق وعادات اور بزرگوں کی سیرت کو اجاگر کیا گیا ہے اور اقوال کو نمایاں جگہ دی گئی اور ہر ایک بزرگ کی خانقاہ،مدارس اور آثار کو باتصویر پیش کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تقاریظ اہلِ علم میں خواجہ خواجگان کے لیے تعریف وتحسین کا ایک دبستان کھلتا ہے۔

حضرت پیر کرم شاہؒ صاحب تعریف وتوصیف کے بعد ایک تاریخی جملہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''ایسی ہستیاں ملت کے شاندار مستقبل کی ضمانت ہوتی ہیں۔''

ڈاکٹر مسعود صاحب فرماتے ہیں کہ:

''خواجہ محمد عبداللہ جان صاحب کا عظیم مشن وتربیت وجامع عرفان ہے جو ہمہ وقت پیمانِ گردش میں رہتا ہے۔ پیشِ نظر کتاب اس مشن کی ایک کڑی ہے۔''

گولڑہ شریف کے مفتی حضرت علامہ مفتی فیض احمد صاحبؒ نے تذکرہ نقشبندیہ خیریہ کی تعریف وتوصیف میں قبلہ عالم کی کاوش پر وہ مشہور مقولہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار با گوید'' تحریر فرماتے ہیں۔

پروفیسر ذاکر حسین شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حضرت والا شان ایک عظیم صوفی ہیں جو ایک طرف قوم کی ہمہ گیر تربیت فرماتے ہیں اور دوسری طرف علماء کرام کی علمی پیاس بجھانے کے لیے اپنے ساتھی عظیم علماء سے تقاریر کے ساتھ ساتھ علمی تحریر سے بھی ان کی آبیاری فرماتے رہتے ہیں یہ 'تذکرہ' بھی اسی سلسلے کی ایک عظیم کڑی ہے۔''

ان تمام علماء کرام کی نگارشاتِ قلم کو ضبطِ تحریر میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت والا شان اہلِ علم واہلِ قلم کی نظر میں ایک عظیم ہستی ہیں۔ خود کوشش، محنت اور جدوجہد کر کے اہل علم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے دین کا کوئی کام لیتے ہیں 'تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ شب وروز ورق گردانی سلسلہ عالیہ پر مواد اکٹھا کر کے مولانا مذکور کے حوالے کر دیا اور یوں 'تذکرۂ خیریہ' سلسلہ عالیہ نقشبندیہ پر ایک انسائیکلوپیڈیا کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل مرتب کیا گیا۔

اور آخر میں ان حضرات کے شکر گذار ہیں جنہوں نے 'تذکرہ نقشبندیہ خیریہ' کی اشاعت دوم میں کمال اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور یہی دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ متلاشی شریعت وطریقت کے لیے اس کتاب کے فیوض وبرکات کو اسی طریقے سے قائم ودائم رکھے۔ (آمین)

نگہ بلند سُخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

(اقبال)

خادم شریعت وطریقت
خواجہ بدر عالم جان
دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور

10 رجب المرجب 1428ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر شیخ طریقت حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم صاحب دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور کے تاثرات''

خواجہ ابوالخیر حضرت قبلہ عبداللہ جان صاحب بہت خوبصورت آدمی ہیں۔ ایسا نورانی اور جاذب نظر چہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے کہ دیکھ دیکھ کر طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ کئی دفعہ ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کی روئے زیبا کے دیدار سے لطف اُٹھایا۔ اگرچہ ان کے ارادتمند نظر بھر کر ان کی طرف نہیں دیکھتے اور ادب و احترام سے نگاہیں جھکائے رکھتے ہیں۔ تاہم میں یہ جسارت کر لیتا ہوں اور وہ بھی میری اس بے باکی کو نظر انداز کئے رکھتے ہیں۔

گفتگو ایسی دلکش کرتے ہیں کہ جی چاہتا ہے وہ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ہر موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں اور مخاطب کو مطمئن کر کے چھوڑتے ہیں، مادری زبان پشتو ہے اس لیے ان کی اردو میں بھی پختون لب ولہجہ جھلکتا رہتا ہے۔ اس طرح انکی تقریر تاثیر کے اعتبار سے دوآتشہ ہو جاتی ہے اور سامعین کے دلوں کو گرما دیتی ہے۔

عمدہ اور بلند پایہ علمی کتابیں جمع کرنے کے رسیا ہیں، خصوصاً نایاب نسخے اور قلمی کتابیں اکٹھی کرنا تو ان کا خاص شغف ہے۔ مے کشان معرفت کے لیے دو خمخانے بنا رکھے ہیں۔ ایک مرشد آباد پشاور میں دوسرا استارہ مارکیٹ اسلام آباد میں اور دونوں ہی آستانے ہر وقت ذکرِ الٰہی اور یادِ حق سے آباد رہتے ہیں اور سالکین کے مستانہ وار نعروں سے گونجتے رہتے ہیں۔

اچھی کتابوں کی اشاعت ان کا ایک اضافی شوق ہے۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ اسی سلسلے کی دلآویز کڑی ہے۔ یوں تو مشائخ نقشبندیہ پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں مگر جس محنت، لگن اور شوق سے یہ تذکرہ ترتیب دیا گیا اور ظاہری و باطنی حسن سے جس طرح اسے آراستہ کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بزرگانِ کرام کے مزارات مقدسہ کی تصاویر نے کتاب کی دلکشی اور جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ جانے یہ نادر و نایاب تصاویر حضرت صاحب نے کہاں سے اور کیسے حاصل کیں۔

غرض یہ کہ بحیثیت مجموعی اس کتاب کے بارے میں بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ ؎

''ایں کتابے نیست، چیزے دیگر است''

امید ہے کہ بزرگانِ نقشبندیہ سے محبت رکھنے والے اہل دل حضرات اس بیش قیمت تذکرے کی اشاعت میں

زیادہ سے زیادہ حصہ لیں گے اور نہ صرف یہ کہ اسے الماریوں کی زینت بنائیں گے بلکہ اس کے مندرجات کے نقوش لوحِ دل پر اُتارنے کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔

آخر میں گذارش ہے کہ میں کوئی اچھا ادیب اور قلمکار نہیں ہوں، علمیت بھی بہت محدود ہے اور آدابِ فقر سے بھی پوری شناسائی نہیں اس لئے اس تذکرے کے شایانِ شان تقریظ نہیں لکھ سکا، نہ ہی لکھ سکتا ہوں۔ محض حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے یہ چند بے ربط سی سطور سپردِ قلم کر دی ہیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ میری علمی کم مائیگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحریر کی خامیوں سے درگزر فرمائیں۔ شکریہ!

والسلام

قاضی عبدالدائم دائم

15 اپریل 1999ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم

تقدیم

از: مورخ پاکستان ملک التحریر محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

خواجہ محمد عبد اللہ جان نقشبندی مجددی ایک فعال شخصیت کا نام ہے۔ خود بھی متحرک ہیں اور دوسروں کو بھی متحرک رکھتے ہیں۔ ماشاء اللہ خانقاہ بھی متحرک ہے۔ گویا وہ ڈاکٹر اقبال ؒ کے خوابوں کی تعبیر ہیں........... امورِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ایسے مشائخ کے لیے تابندہ مثال ہیں جو مریدوں سے اپنی آرزوئیں وابستہ کر کے عملاً ان کو پیر بنا لیتے ہیں اور خود مریدوں کے مرید بن جاتے ہیں۔

اس وقت ہمارے مشائخِ عظام کو منظم طور پر اور مثبت انداز میں متحرک ہونا چاہیے۔ بدلتے ہوئے حالات میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں......... حرص و طمع، عجب و غرور، خودنمائی و خودستائی، قطع رحمی و بے تعلقی جیسے مصائب سے اپنے عقیدت مندوں کو دور رکھنا چاہیے......... وہ پیشوا ہیں اور پیشوا اپنی قوم کے لیے ایک مثال ہوتا ہے......... ہم بہتر مثالیں پیش کریں گے تو بہتر افراد پیدا ہوں گے۔ پھر جب ان بہتر افراد کی جماعت تیار ہو گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ محیّر العقول کام کر گزرے گی......... ہماری تحریکوں میں کردار سازی کا عنصر مفقود ہے......... ہم جذبات کے سہارے جیتے ہیں، اس لیے پانی کے بلبلے کی طرح اٹھتے ہیں اور پھر بیٹھ جاتے ہیں......... جب تک کردار سازی کا کام ہمہ گیر پیمانے پر نہ ہو گا کوئی تحریک نہ کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ قائم رہ سکتی ہے......... کردار سازی کا کام اہلِ اللہ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا......... ان کی خانقاہیں بہترین تربیت گاہیں ہیں......... مگر ہماری سادگی کا عالم یہ ہے کہ ہم ان حضرات سے کردار سازی کی توقع رکھتے ہیں جو خود کردار سازی کے محتاج ہیں......... ہمیں عقل و شعور سے کام لینا چاہیے اور اپنے جذبات و احساسات کی لگام صحیح سمت موڑنی چاہیے......... جب تک ہم خود گر و خودنگر و خودگیر نہ بنیں گے، کام نہ بنے گا......... اہل اللہ کی صحبت میں انسان خودگری، خودنگری اور خودگیری سیکھتا ہے......... وہ خود کو بناتا ہے، خود کو سنوارتا ہے، خود پر نگاہ رکھتا ہے اور خود پر قابو پاتا ہے......... سیرت کو ایسا توازن بخشتا ہے کہ بڑے سے بڑا حادثہ بھی اس کے

پائے استقامت کو جنبش نہیں دے سکتا......... یہی توازن کائنات اکبر کی جان ہے اور یہی توازن کائنات اصغر (انسان) کی روح ہے......... شریعت وطریقت انسان کے ظاہری اور باطنی قویٰ کو متوازن کر کے اس کو اتنا قوی بنا دیتی ہے کہ دنیا کا قوی سے قوی ترین انسان بھی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا......... اور شریعت وطریقت پر عمل کا سلیقہ حضرات اہل اللہ کی صحبت میں آتا ہے، جو ان کی صحبت سے محروم رہا وہ زندگی کی لذت سے محروم رہا.........

حضرات اہل اللہ کی ذوات عالیہ اور ان کے حالات مقدسہ بے پناہ قوت کے سرچشمے ہیں۔ یہ راز دورِ جدید کے ساحروں نے پالیا ہے۔ اسی لیے تقریباً تین صدیوں سے ان چشموں کو خشک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے......... ہمارے اندر ہی دشمنوں نے اپنے وفادار پیدا کر لیے ہیں جو بڑی تن دہی کے ساتھ علماءِ سو کے روپ میں، صوفیاءِ خام کے روپ میں، مصلحین کے روپ میں، مجاہدین کے روپ میں، ادیبوں کے روپ میں، شاعروں کے روپ میں اور نامعلوم کس کس روپ میں ان چشموں کو پاٹنے میں لگے ہوئے ہیں مگر وہ سوکھنے کا نام نہیں لیتے......... جن کے ذکرِ جمیل کی حق تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے تشہیر کی ہوس کی مجال ہے کہ ان کے دامنِ عصمت کو ہاتھ لگا سکے!......... وہ قوتوں کے امین ہیں......... ان کی تعلیم وتربیت سے کمزور قوی ہو جاتے ہیں......... کھوئے ہوئے انسان ان کی صحبت میں خود کو پا لیتے ہیں، جو خود کو پالیتا ہے وہ خدا کو پالیتا ہے اور جو خدا کو پالیتا ہے وہ ساری دنیا پر چھا جاتا ہے......... وہ فقیروں کو غنی بنا کر گداگروں کی نگری کو داتا کی نگری بنا دیتے ہیں......... وہ ضعیف انسانوں کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں......... تعمیر وتربیت ان کی زندگی کے مقاصد عالیہ میں ایک بڑا مقصد ہے.........

خواجہ محمد عبداللہ جان مدظلہٗ العالی کا عظیم مشن یہی تعلیم وتربیت ہے......... وہ جام عرفاں ہیں۔ ہمہ وقت پیمانہ گردش میں رہتا ہے......... پیش نظر کتاب ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ'' اسی مشن کی ایک کڑی ہے......... یہ حضور انور ﷺ سے لے کر خواجہ محمد جان عبداللہ مدظلہٗ العالی تک تمام مشائخ سلسلہ کا جامع تذکرہ ہے......... اس کے مطالعہ سے دلوں کو سرور اور آنکھوں کو نور میسر آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ......... پاکستان کے ایک کہنہ مشق قلم کار برادرم جناب محمد صادق قصوری نے اس کو مرتب کیا ہے۔ وہ گزشتہ اٹھارہ برس سے برابر لکھ رہے ہیں۔ ''اکابر تحریک پاکستان'' کی دو مجلدات ان کا ایک اہم کارنامہ ہے......... ان کا اہلِ سنت پر بڑا احسان ہے......... مولا تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو اہلِ طریقت میں بالخصوص مقبول فرمائے۔ آمین

احقر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج
ٹھٹھہ (سندھ) پاکستان

20 ستمبر 1987ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر ممتاز مذہبی سکالر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد پیر طریقت رہبر شریعت جناب صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب (مدظلہ العالی) کے تاثرات''

سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ بگھار شریف

برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی شمع کو فروزاں کرنے میں صوفیۂ کرام کی خدماتِ جلیلہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو طمع وخوف سے بے نیاز محض رضائے الٰہی کے لیے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ انسان سازی کے لیے وقف کیے ہوتے ہیں۔ انسان سازی مقصدِ بعثتِ نبوت ہے۔ یہ شیوۂ پیغمبری ہے اور (صوفیاء) کی جماعت انبیاء کے بعد اس مقصودِ حقیقی کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لاتی ہے۔ دوا، دُعا، تعلیم، تربیت، تجلیہ، تصفیہ کے مراکز خانقاہ کہلاتے ہیں۔ جہاں کوئی مردِ حق نورِ نبوت سے مستنیر اپنے کردار اور 'گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود' کا مصداق بن کر خلقِ خدا کی دنیا وآخرت کو سنوار رہا ہوتا ہے۔

بلاشبہ مسلم فکر کے ارتقاء اور تطہیر میں صوفیائے نقشبندیہ نے مثالی کردار ادا کیا۔ انہوں نے حقوق وفرائض کی کماحقہ، ادائیگی اور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم کو چوم کر زندگی کا سفر طے کرنا ''راہِ سلوک'' قرار دیا۔ ان کا واضح اعلان رہا کہ:

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید
ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اقبال کے الفاظ میں 'ہند میں سرمایہ ملت کے نگہبان'...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ کا اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے نام مکتوبِ گرامی کا درج ذیل اقتباس' نقشبندی سلوک کا راہنما اصول ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''بیٹا! صوفی کی تمام کیفیات حال، وجد، عدم، معارف اور دیگر جتنے بھی رموز ہیں، اگر سنت مصطفیٰ ﷺ کے مطابق ہیں تو بہتر ورنہ سراسر عتابِ ربانی کا سرمایہ ہوگا۔''

اس سلسلہ کے اکابر صوفیاء کے حالات، واقعات، ملفوظات یکجا اور انفرادی صورت میں قلمبند کرنے کی اہل علم و فضل نے لائق صد تحسین کوششیں فرمائیں۔ اس وقت پیش نظر حضرت پیر ابوالخیر عبداللہ جان مجددی کی خواہش اور نگرانی میں

ترتیب دیا جانے والا 965 صفحات پر مشتمل مولانا محمد صادق قصوری کا مرتبہ ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' ہے۔ یہ غالباً دوسرا ایڈیشن طباعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں دیگر جلیل القدر اصحابِ فکر و دانش کے علاوہ جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مولانا فیض احمد فیض اور جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری جیسی نابغہ روزگار شخصیات کی تقاریظ شامل اشاعت ہیں۔ بلاشبہ ان حضرات کی تقاریظ اس تذکرے کے وقیع ہونے کے لیے سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ صفحہ 73 تا 197 ملک کے نامور اہل علم کے مقالات شامل اشاعت ہیں جن میں تصوف سے متعلق ضروری مباحث کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی انتہائی فعال شخصیت حضرت ابوالخیر پیر عبداللہ جان مجددی کی عمر دراز فرمائے۔ آپ صاحب علم وفضل اور روحانی مقام ومراتب کے ساتھ ساتھ انتہائی وضع دار شخصیت ہیں۔ آپ کے لبوں پر مسکراہٹ، چہرے کی متانت، صوفیاء کبار سے محبت کا اظہار اور خوئے دل نوازی وہ اعلیٰ قدریں ہیں جو کسی بھی میر کارواں کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ میرے انتہائی عزیز آپ کے فرزندِ ارجمند صاحبزادہ بدر عالم اپنے والد گرامی کے اوصافِ حسنہ کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ اللہ رب العزت اس نقشبندی خانقاہ کی قدر و منزل میں اضافہ فرمائے۔ دین حق کی ترویج واشاعت کے لیے اس خانقاہ کے توسط سے جو کوششیں ہو رہی ہیں، اللہ جل شانہٗ انہیں مقبولیت کی خلعت سے سرفراز فرمائے۔

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

سجادہ نشین، خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ بگھار شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابرِ کرم

ضیاء الامت جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب ایم۔اے (جامعہ ازہر)
پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف ضلع سرگودھا

حامداً ومصلیاً ومسلماً

محترم جناب محمد صادق صاحب قصوری ہمارے ملک کے ممتاز محقق، قابل اعتماد مورخ اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ ان کی تحقیقی نگارشات علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ طلبہ اور علماء بڑے شوق سے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کرتے ہیں.......... لیکن "تذکرہ نقشبندیہ خیریہ" لکھ کر انھوں نے اپنے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

طریقت اور معرفت کے گہرے سمندر میں غواصی بڑے حوصلے کا کام ہے۔ اس کی تہہ سے آب دار موتیوں سے جھولی بھرنا بڑے مقدر کی بات ہے، پھر ان کو آراستہ و پیراستہ کر کے حق کے متلاشیوں اور متوالوں کے ذوقِ لطیف کی تسکین کا سامان بنا دینا بہت بڑی سخاوت ہے۔

اس کتاب کی تالیف کی توفیق ارزانی فرما کر رحمت الٰہی نے جناب قصوری صاحب کو ان ساری خوبیوں سے مالا مال فرما دیا ہے۔

تذکرہ نگارہ ہماری درخشاں ماضی کا ایک قیمتی باب ہے۔ خلفاً، سلاطین، فاتحین، محدثین، مفسرین، فقرأ، اولیاء، علماء، شعرأ، ادباء، اطبأ، حکمأ الغرض ہر عہد کے تذکرہ نگاروں نے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے ملت کے قابل قدر افراد کے علمی اور عملی تحقیقی اور تخلیقی کارناموں کو اپنے اسفارِ جلیلہ میں بڑی امانت اور سلیقے سے محفوظ کر لیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے اسلاف کے زریں کارہائے نمایاں کو یاد بھی رکھیں اور اپنے مضمحل قویٰ اور افسردہ ذہنی صلاحیتوں کو ان سے تازہ خون مہیا کر کے نئی زندگی سے بہرہ ور کرتی رہیں تاکہ وہ رزمگاہِ حیات میں اپنا ملی فریضہ حسن وخوبی سے انجام دے سکیں۔

ان تذکروں میں اولیائے کرام کے تذکروں کی شان ہی نرالی ہے۔ ان کا مطالعہ شیخ کامل کی صحبت کا نعم البدل ثابت ہوتا ہے۔ محبت الٰہی کے خشک سوتے ازسرِنو ابلنے لگتے ہیں۔ غافل دلوں میں یادِ الٰہی کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔ ان

بندگانِ خدا کے حالات کے مطالعہ کی برکت سے نفس امارہ کی سرکشی پر قابو پانے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ عبادت و اطاعت کی منزل کا سست گام مسافر، برق رفتار بن جاتا ہے۔ ان مسیحا نفس حضرات کی تاباں سیرت کے مطالعہ سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

ہمارے اکابر کو ان پاک نہاد حضرات کے تذکار کی ان برکات کا پوری طرح احساس تھا اسی لیے انھوں نے تصوف کے مختلف طریقوں کے ہزارہا مشائخ کے حالات، کمالات خصوصاً ان کی تعلیمات کو بڑی جاں فشانی سے جمع کیا۔ پوری علمی دیانت کے ساتھ بڑے دلآویز پیرایہ میں ان کو صفحہ قرطاس پر ثبت کر دیا تا کہ ان کے حیات بخش فیضان سے ملت کے افکار، نظریات، بیرونی زہریلے اثرات سے محفوظ رہیں اور گلشن اسلام سدا بہار رہے۔

کچھ عرصہ سے ملت کے دوسرے علمی شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی زوال و انحطاط کی زد سے نہ بچ سکا۔ جو تذکرے لکھے گئے ان میں چند مستثنیات کے علاوہ کمالات اور کرامات پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ کرامات کے بیان کرنے میں بھی احتیاط کے تقاضوں کو اور روایات کی شرائط کو عام طور پر نظر انداز کیا جانے لگا۔ ہر وہ حکایت جس میں تعجب انگیزی کا پہلو زیادہ ہوتا، اتنا ہی اس کو اچھالا جاتا۔ حتیٰ کہ بے سند روایات اور غیر معتبر کرامات کی دھن میں فلک معرفت کے تابندہ ستارے چھپ گئے۔ ان سے رشد و ہدایت کا مقصد فوت ہو گیا۔ اس سے دوہرا نقصان ہوا۔ جو لوگ پہلے ہی صوفیاء سے بدگمان تھے اور تصوف کو افیون یا عجمی سازش سمجھتے تھے انھیں مزید اس چشمۂ ہدایت سے دور بھاگنے اور نفرت کرنے کے بہانے مل گئے اور جو لوگ صوفیاء اور اولیاء سے عقیدت رکھتے تھے وہ ان کے کمالات سے تو آگاہ ہوئے لیکن ان کی روح آفریں اور ایمان پرور تعلیمات کے فیض سے محروم رہے۔ یہ محرومی کوئی معمولی محرومی نہ تھی۔ اسی کے باعث شیر، روباہ مزاج اور شاہین زاغ صفت بن گئے۔

محترم جناب قصوری صاحب نے اپنے تذکرہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ رضوان اللہ علیہم کے جہاں کمالات و کرامات کا ذکر کیا ہے، وہاں ان کی تعلیمات کو بھی شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ انھیں اپنے پیران عظام سے جو قلبی وابستگی اور ان کی تعلیمات سے جو دلی لگاؤ اور ان کے نظام رشد و ہدایت کی اشاعت و توسیع کا جو بے پایاں جذبہ ہے اس کا انھوں نے حسنِ انداز میں مظاہرہ کیا ہے۔

جَزَاهُ اللّٰهُ وَاَحْسَنُ الْجَزَاء عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ السَّالِكِيْنَ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ.

یہ حقیقت ہے کہ چار دانگ عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ان پاک نہاد اور پاک باز بندوں کو مرحمت فرمائی جنھوں نے زندگی کی ساری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دنیا کی جملہ عشوہ طرازیوں سے دامن دل چھوڑ کر اپنی حیاتِ مستعار کا لمحہ لمحہ اپنے خالق کریم جل مجدہ کی محبت اور اس کے محبوب کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ واکمل تسلیم کے عشق میں بسر کیا۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں کفر و شرک کے مستحکم قلعے تھے۔ یہ درویش دور دراز کی

مسافتیں طے کر کے وہاں پہنچے اور لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب خیبر شکن سے ان کو منہدم کیا وہاں توحید کا چراغ روشن کیا جسے پھر کوئی آندھی نہ بجھا سکی وہاں اسلام کا پرچم اس شان سے لہرایا کہ کوئی طوفان، کوئی خونیں انقلاب اسے سرنگوں نہ کر سکا............ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آفتاب سے بھی تابندہ تر ہے۔ کوئی دل کا اندھا ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔

آخر میں اس اولوالعزم ہستی یعنی حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین نقشبندی مجددی سجادہ نشیں دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اس گرانی کے زمانہ میں اتنی ضخیم کتاب کی کتابت، طباعت اور اشاعت کے بارِ گراں کا متحمل ہونا ان کے جذبۂ صادقہ پر شاہدِ عدل ہے۔ انھیں اپنے سلسلہ کے مشائخ کبار سے جو عقیدت ہے اس کی یہ روشن دلیل ہے۔ اس مادیت گزیدہ دور میں نوجوانانِ ملت کی ذہنی اور روحانی تربیت، ان کے عقائد واعمال کی اصلاح کا جو بے پایاں جذبہ انھیں ہر وقت بے چین رکھتا ہے وہ اسلام کے خادموں کے لیے مایہ ناز بھی ہے اور حوصلہ افزا بھی۔ ایسی ہی ہستیاں ملت کے شاندار مستقبل کی ضامن ہوتی ہیں۔

ہماری دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ظلِ عاطفت کو تادیر سلامت رکھے۔ ان کے حوصلوں کو بلندی، ان کے عزائم کو پختگی اور ان کے نیک ارادوں کو لازوال کامیابیوں سے سرفراز فرماتا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الی یوم الدین۔

خاک راہ صاحب دلاں

(جسٹس) پیر محمد کرم شاہ الازہری

سجادہ نشیں آستانہ عالیہ امیریہ

بھیرہ۔ ضلع سرگودھا

25 رجب المرجب 1408ھ

15 مارچ 1988ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ طاہر

تحریراز: مفکر اسلام نابغۂ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تصوف روحِ شریعت اور اخلاص فی العمل کا وہ نقطۂ کمال ہے جس کا وظیفۂ عمل خالق و مالک کائنات کے ساتھ انسان کے تعلق بندگی کو درجۂ احسان پر فائز کر کے اس کے فکر و عمل کے پیمانے کو غیر کے تصور سے کلیتاً پاک کر دینا ہے۔ اس اعتبار سے تصوف ایک ایسی ہمہ گیر فکری و عملی تحریک کا نام ہے جو منشائے شریعت کی تکمیل اور اسرار دینی کی عملی تشکیل سے عبارت ہے۔ چنانچہ گلستانِ تصوف میں سلاسل طریقت کی حیثیت ان گلہائے رنگارنگ کی سی ہے جو اپنی اپنی امتیازی خوشبو اور جداگانہ عطر بیزی کے باوجود باغبانِ حرم کے ذوقِ وحدت کے آئینہ دار ہیں۔

سلسلہ عالیہ قادریہ ہو یا نقشبندیہ، سلسلہ چشتیہ ہو یا سہروردیہ یہ تمام سلاسل طریقت گلستانِ مصطفوی ﷺ کے وہ سدابہار پھول ہیں جن کی مہک سے گلشنِ امت مہک رہا ہے۔ بلاشبہ کارزارِ حیات میں ان سلاسل جلیلہ کی حیثیت آسمانِ ہدایت کے ان ستاروں کی سی ہے جن کی تابندگی اور ضوفشانی سے اقلیم عمل کے بحر و بر روشن ہیں۔

صوفیائے کرام نے ہر دور میں ملت اسلامیہ کی فکری و عملی اور ظاہری و باطنی راہنمائی کے سلسلے میں جو گراں قدر اور بے مثال خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہیں، چنانچہ مادیت پرستی اور ایمانی زوال کے اس دور میں ان مقدس نفوس کی روحانی و دینی خدمات سامنے لانا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اس اعتبار سے برادر محترم محمد صادق قصوری صاحب لائق مبارک باد ہیں کہ انھیں رب العزت نے سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم خانوادے ''سلسلہ نقشبندیہ خیریہ'' کا تعارف اس کی دینی و روحانی خدمات اور اس سلسلہ جلیلہ کے عالی مرتبت مشائخ کے تذکار پر مشتمل ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ''، سپرد قلم کرنے کی سعادت و توفیق فرمائی۔

موصوف نے ابتدا میں تصوف پر بعض فکری و نظری مباحث بھی سپردِ قلم کیے ہیں جن سے بعض مقامات پر فنی اختلاف کے باوجود موصوف کی کاوشوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، موصوف کی سعی حد درجہ لائق تحسین اور قابلِ مبارک باد ہے۔ رب العزت اسے اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے۔

سلسلہ نقشبندیہ خیریہ کی ہمہ نوع دینی و روحانی خدمات جہاں اپنی جگہ ایک مسلم مقام و اہمیت کی حامل ہیں وہیں اس سلسلے نے عصرِ حاضر میں غافل دلوں کو بیدار کرنے کے لیے ذکر الٰہی کا جو مخصوص روحانی ذوق اور منفرد اسلوب و انداز

عطا کیا ہے وہ اس سلسلہ جلیلہ کا طرہ امتیاز ہے۔

رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب ﷺ کے طفیل اس سلسلہ کے موجودہ ہدی خواں حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان کی مساعی جمیلہ اور ان کے فیوض و برکات میں بیش از بیش اضافہ فرمائے اور مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے کمالِ محبت اور اخلاص کے ساتھ یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

(ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم

حرفِ اوّل

''کچھ تذکرہ نقشبندیہ خیریہ کے بارے میں''

تحریراز: حضرت علامہ پروفیسر سیّد محمد ذاکر حسین شاہ صاحب ایم۔اے

پرنسپل انوار القرآن صدر، راولپنڈی

انسانیت نے جب سے سوچنا شروع کیا ہے اس کا مطمحِ نظر حصولِ کمال رہا ہے، زندگی مختصر ہے، اس کے اطوار لاتعداد ہیں، کیا اس کی سب کیفیات ایک مختصر سی زندگی میں سما سکتی ہیں؟ اس سوال کے جواب میں فلاسفہ، مصلحین، سیاست دانوں، معلمینِ اخلاق اور علمبر دارانِ تہذیب نے اپنے اپنے انداز سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی، لیکن ان میں سے کوئی بھی دعوؤں سے آگے بڑھ کر عمل کی زندگی میں ''انسانِ کامل'' ثابت نہ ہوا۔ ان میں سے ہر ایک نے زندگی کے کسی ایک انداز اور حیات کی کسی ایک ادا کی ترجمانی ضرور کی لیکن پوری زندگی پر ان کے عمل کو چھاپ نہیں لگ سکی۔ اسی بات نے غالباً علامہ اقبالؒ کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ:۔

؎ کر پہلے مجھ کو زندگی جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا

جب زندگی ہی مختصر ہو تو اس میں جامعیت کیسے پیدا ہوگی۔ ''انسانِ کامل'' کیسے ظہور پذیر ہوگا؟ پھر محبت میں وسعتیں کہاں سے آئیں، پھر اقبالؒ کو کہنا پڑے گا۔

ع کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا

جب سوچنے والے تھک گئے، جب عقل ''انسانِ کامل'' نہ تلاش کر سکی، نہ بنا سکی تو فضلِ خداوندی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اللہ کریم نے انسانیت کو اپنا محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عطا فرما دیا، ان کے تعارف میں فرما دیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝[1] (ہم نے تمھیں صرف اور صرف سب دنیاؤں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)

قران پاک نے انھی کے اسوہ کو سب کائنات کے لیے واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ ان کی ہر ادا کو تکمیلِ انسانیت کے لیے معیار ٹھہرایا۔ ان کی حیاتِ طیبہ کی قسم خالقِ کل جل مجدہ کے کلام میں آئی۔ مسئلہ حل ہو گیا کہ ''انسانِ کامل'' جو هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ہو، جو رحمۃ اللعالمین ہو، وہ صرف اور صرف سیدِ کل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔

انسانوں نے دیکھا کہ یہ حیاتِ طیبہ اس ظاہری دنیا میں تریسٹھ سال سے بھی کچھ کم ہے اور اس میں انسانی عظمتوں کی تبلیغ کا سارا عرصہ تیئس سال سے بھی کچھ کم ہے اور یہی تیئس سال کا عرصہ ہے جو ساری کائنات کو سنوارتا ہے، نکھارتا ہے، اجالتا ہے اور بناتا ہے۔

انسان نے سوچا، طویل زندگیاں ''انسانِ کامل'' نہیں بن سکیں اور تیئس سالہ زندگی کامل گر بن گئی ہے، اس مختصر سے عرصہ نے پوری تاریخ کو بدل دیا ہے، تمدن کو سدھار دیا ہے، علم کو نتھار دیا ہے، عمل کو سنوار دیا ہے، بے خدا کو با خدا بنا دیا ہے، راہ روؤں کو اولیائ بنا دیا ہے۔ گمراہوں کو تاجِ اصفیائ پہنا دیا ہے اور خدا نے بھی اس گل سر سبد انسانیت کے لیے فرما دیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.[2]

فرما دیجیے: اگر اللہ سے محبت کے طلب گار، ہو تو میرے پیچھے ہو لو، اللہ تم سے محبت فرمانے لگے گا۔

ان آیاتِ طیبات اور قرآن و سنت کے دیگر فرامین سے پتہ چلا کہ ''کامل زندگی'' صرف ایک ہے۔ ''انسانِ اکمل'' صرف ایک ہے، مرجع وہی ہے، ماویٰ وہی ہے، اصل وہی ہے، روح وہی ہے حیات وہی ہے، اب انسان کیا کریں؟ صرف اس ذاتِ اقدس کی اداؤں کو تلاش کریں اور ساری زندگی ان کی اداؤں پر فدا رہیں۔ پروانے بن کر اس شمعِ خداوندی پر قربان ہوتے رہیں۔ جو ان سے دور ہوا، اللہ اس سے روٹھ گیا۔ جو ان کا ہو گیا، اللہ اُس کا ہو گیا۔

میری اس التماس سے یہ ثابت ہوا کہ تصوف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو تلاش کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ تجھے ان سب علمی بحثوں کا علم ہے۔ جو لفظِ تصوف، اس کی اصلیت، اس کی اہمیت اور اس کی غرض و غایت پر عظمائے ملت نے کی ہیں، وہ سب حق ہیں۔ چونکہ اہلِ اللہ کی زبانوں سے نکلی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عمل صرف وہی مقبول ہے جو عمل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو اور جب عمل ان کے عمل کے تابع نہ ہو تو اسے دوام نہیں ملتا۔ تصوف اگر اللہ کریم کی طرف لے جانے والا راستہ ہے تو اسے تاجِ دوام اتباعِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کہیں نہیں ملے گا۔ لہٰذا تصوف صرف اور صرف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نام ہے۔

انھیں اداؤں کے سہارے زندگی کی کشتی چلانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدانِ حیات کے سمندر میں اترتے

---

1. پارہ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیۃ: ۱۰۷، رکوع: ۷
2. پارہ: ۳، سورۃ آل عمران، آیۃ: ۳۱، رکوع: ۱۲

ہیں۔ وہ اپنی ساری روایات، اپنے سارے نظریات، اپنے سارے معتقدات، اپنی ساری سیاست بھول کر فنا فی الرسول ﷺ ہو جاتے ہیں۔ اب انھیں تاجِ دوام پہنایا جاتا ہے۔

؎ اقبالؒ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

اِسی حیاتِ طیبہ کی طرف صحابہ عالی مقامؓ ساری کائنات کو اس کی بہتری و کامرانی کی خاطر دعوت دیتے ہیں۔ ان داعیوں میں امت کے اندر جن دو حضرات کو دوام ملتا ہے وہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ اور مولائے کائنات حیدرِ کرارؓ ہیں۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا مرکزی نقطہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ ہیں اور باقی سلاسل خاتم الخلفأ مولا مرتضیٰؓ سے وابستہ ہیں۔

صدیقی پاکیزہ سلسلے کا تعارف کرانے کے لیے ہمارے واجب الاحترام دوست مولانا محمد صادق قصوری نے قلم تھاما ہے اور حضور صدیق اکبرؓ سے لے کر محسن اہلِ سنت حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان مدظلہ السامی تک سب مشائخ نقشبند کا تذکرہ.............. ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کے نام نامی سے سپردِ قلم فرما دیا ہے۔

یہ تذکرہ کیا ہے! مشائخ عالی مقام کے انفاسِ قدسیہ، اذکارِ سامیہ، انوارِ ساطعہ اور لمعاتِ نوریہ کا حسین گلشن ہے۔ یہ مقدس زندگیاں اس تذکرہ میں اپنا حسن و جمال بکھیرتی نظر آتی ہیں۔ ان سب کی دعوت مشترک ہے اور وہ دعوت سرکار ﷺ کی طرف راہنمائی کی دعوت ہے۔ سب ہی کائنات کو مصطفیٰ ﷺ کی اداؤں کی نقل کی دعوت دیتے ہیں۔ سب ہی اندازِ حضور ﷺ کی تابانیوں کو جذب کرنے کے مبلغ ہیں۔ ان حضرات کی زندگیاں دراصل سیدِ کل ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عکس ہیں۔ کتنا روشن عکس، کتنا جمیل عکس، کتنا نتھرا ہوا عکس۔ یہ عکس بتا رہا ہے کہ عکس والے ﷺ کی مبارک زندگی کتنی جمیل تھی، کتنی حسین تھی، کتنی لطیف تھی اور کتنی نظیف تھی یعنی بات وہی ہے کہ:

؎ مصطفیٰ آئینۂ روئے خداست
منعکس دروے ہمہ خوئے خداست

جی ہاں یہی وہ زندگی ہے جسے دیکھنا بھی عبادت ہے کہ

ع کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

ہمارے فاضل تذکرہ نگار نے ہر صاحبِ تذکرہ کے ذکر سے پہلے بڑے اہتمام سے ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کے حساب سے ذکر کی ہے۔ ان کے مقامِ ولادت اور مقامِ مزار کا ذکر بھی کیا ہے یہ وہ خلا ہے جو اکثر تذکروں میں ملتا ہے۔ اس کمی کو جس بھرپور انداز سے فاضل محترم نے پورا کیا ہے وہ اس پر ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔ یہ بڑا ہی محنت طلب کام ہے۔ خصوصاً ہجری اور عیسوی سنوں کی تلاش ایک مشکل مرحلہ ہے۔ ہمارا اعظیم مصنف جس کاوش سے اس مرحلے سے گزرا ہے وہ مؤرخین کے لیے ایک خاصے کی شے ہے۔

ہمارے مصنف نے ایک اور حسین اضافہ یہ فرمایا ہے کہ تاریخ وفات کے لیے کسی ایک حسبِ حال جُملے، مصرعے

یا مفرد لفظ سے استخراج فرمایا ہے۔اس طرح صاحبِ تذکرہ کی حیاتِ طیبہ کا ایک حسین تصور بھی سامنے آجاتا ہے اور تاریخ وفات کا علم بھی ہو جاتا ہے۔حضور سید العالمین ﷺ کے لیے تاریخ وصال لفظ ''ھوُ'' گیارہ سے نکالنا کتنے مفاہیم کو قاری کے ذہن میں ڈال دیتا ہے۔لفظ ''ھوُ'' ضمیر ہے جس کا مرجع ذاتِ ربانی ہے، پھر یہ ضمیر ذاتِ خداوندی کے لیے صوفیائے کرام کے ہاں اس کثرت سے استعمال ہوئی ہے کہ اسم علم کے مترادف ہوگئی ہے۔ پھر اس کا عدد گیارہ ہے۔ گیارہ میں اکائی دو دفعہ آئی ہے یعنی 1+1 ہے۔اگرچہ اس کا مجموعہ دو ہے مگر اس کو آپ دو اکائیوں (11) کی صورت میں لکھتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ پہلی اکائی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی مظہر ہے اور دوسری اکائی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی ترجمان ہے اور یہی دو اکائیاں اسلام کا منبع ہیں۔

ہمارا محقق مصنف، صاحب تذکرہ کی حیاتِ طیبہ کا مختصر حال، ان کی ملی خدمات، ان کے ارشاداتِ عالیہ، ان کی کرامات، ان کی اولادِ امجاد اور ان کے علمی و عملی کمالات کو معتبر تواریخ، مسلمہ تذکروں اور قابلِ اعتبار راویوں سے بڑے عالمانہ انداز سے نقل کرتے ہوئے ہمارے سامنے سوچ کی شاہراہ کھول دیتا ہے۔ان عملی زندگیوں کا مطالعہ ہمیں دعوتِ فکر کے ساتھ ساتھ دعوتِ عملی بھی دیتا ہے اور ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی عظمتیں بھی اجاگر کرتا چلا جاتا ہے۔

کیوں کہ منبع انوار اور مراکزِ اسرار حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ پاک ہے۔لہٰذا صرفِ آغاز یہیں سے ہوتا ہے اور پورے چھتیس (36) واسطوں کے بعد یہ سلسلہ دورِ حاضر کے عظیم شیخ ترجمانِ سنتِ رسول ﷺ حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان مدظلہٗ الکریم پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

مصنف نے حضرات نقشبندیہ خیریہ کا شجرہ شریف بھی دیا ہے، کچھ علمی مفید مقالہ جات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔یہ اضافہ طالبانِ تصوف کے لیے ایک مفید اضافہ ہے۔فن کی اصطلاحات کے تذکرے سے اکثر کتبِ تصوف خالی ہیں۔ان اصطلاحات کے مطالب و مفاہیم کا ذکر کر کے مصنف نے اپنے ہر قاری کی مشکل حل کر دی ہے۔

پچھلے دنوں حضرت جناب عالی مقام حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان نے مجھے ایک جلسہ میں خطاب کے بعد اس عظیم تذکرے کا مسودہ عطا فرمایا اور پیش لفظ کا حکم صادر فرمایا تو میرے خیال میں ایک ایسا تذکرہ آیا جو مولویانہ خشک انداز سے لکھا گیا ہوگا اور جسے پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا لیکن جب تذکرہ پر نگاہ پڑی تو اس کی رعنائیاں سامنے آئیں۔اس کی تحریر کی شگفتگی نے دعوتِ نظارہ دی۔اس کے اندازِ تحریر کو پا کر زبان نے کہا: اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ.

حضرت ابوالخیر ان اولیائے امت میں سے ہیں جو قوم کی ہمہ گیر تربیت فرمایا کرتے ہیں۔آپ ایک طرف تو عظیم صوفی ہیں اور تصوف کے گلشنِ سدا بہار کی قوم کو سیر کرا رہے ہیں اور دوسری طرف علمائے گرامی کی علمی پیاس بجھانے کے لیے اپنے عظیم ساتھی علماءً سے تقاریر کے سلسلے کے ساتھ ساتھ قلمی تحریر سے بھی ان کی آبیاری فرماتے رہتے ہیں۔یہ تذکرہ بھی اسی سلسلے کی ایک حسین کڑی ہے، جس پر میں حضرتِ اقدس ابوالخیر محمد عبداللہ جان کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

صوبہ سرحد کی سنگلاخ زمینوں پر کچھ غلط قسم کے تصرفات ایک طویل عرصہ سے جاری ہیں۔ سنیت کے لیے اس صوبے کو مزید سنگلاخ بنانے کی کوشش ایک لمبے وقت سے کی جا رہی ہے۔ اب حضرت ابوالخیر مدظلہٗ العالی، ان کے غلاموں اور کئی اور عالی مقام قائدین اہلِ سنت کی کوششوں سے ہوا کا رخ بدل رہا ہے۔ ان کے انفاسِ قدسیہ کی برکات سے ان شاءاللہ العزیز مستقبل میں سرحد کی چٹانوں پر ولایت وعلم کے عقابوں کے نشیمن ہوں گے کیوں کہ

؎ زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

(علامہ اقبالؒ)

حضرتِ گرامی جس انداز سے ذکر وفکر کی محافل گرمائے بیٹھے ہیں، ان کا پھل ان شاءاللہ جلد ہی اہلِ سنت کو ملے گا۔ فیضانِ اولیأ کی بہار آئے گی، علم پر نکھار آئے گا عمل میں نتھار آئے گی اور بے قرار دلوں کو قرار آئے گا۔ (وما ذلك على الله بعزيز)

اللہ کرے نگاہوں کے یہ سودے چلتے رہیں اور عشق و مستی کے تاجر گر گر کر سنبھلتے رہیں۔

ع نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

مبارک ہیں وہ ہاتھ جنھوں نے حضرت ابوالخیر مدظلہٗ العالی کا مقدس ہاتھ پکڑا اور اس ہاتھ کے طفیل چھتیس (36) واسطوں سے سید کل ﷺ کا دستِ نور حضور تھام لیا۔ بقول حضرت خواجہ غلام فخر الدین چشتی سیالوی۔

؎ شکر کہ دستِ پاک ازلی را
دوستِ خدائے لم یزلی را
دست بدست از دور گرفتم
صلی اللہ علیہ و سلم

غبارِ راہِ اولیأ
فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ نقشبندیہ خیریہ پر ایک نظر

تقریظ از۔ جامع المعقول والمنقول بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی فیض احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ، خطیب ومفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف راولپنڈی

الحمد للہ و کفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد

قارئین حضرات کے لیے حضرت الحاج پیر محمد عبداللہ جان مدظلہٗ کی ذاتِ گرامی محتاج تعارف نہیں، پشاور اور پاکستان کے مرکز اسلام آباد کے علاوہ مختلف مقامات سے آپ کے حلقہ ہائے ذکر کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ لاہور میں خواجہ ابوالخیر اکیڈمی میں آپ کی مساعی سے مختلف سلسلہ ہائے طریقت کے بزرگوں کے حالات وتعلیمات پر کافی کام ہو رہا ہے کیونکہ اصل مقصد میں سب متفق ہیں۔

چانچہ زیر نظر کتاب ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو کہ بمقتضائے مشہور مقولہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' اپنی افادیت پر خود گواہ ہے۔ تاہم آپ کے حسب ایماء کچھ لکھنے کی جسارت کی جاتی ہے ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَالْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْہُ یعنی اہل فضل وکمال کو ارباب کمال ہی کماحقہ پہچان سکتے ہیں۔ اور یہ بھی انھیں حضرات کی برکت وتوجہ کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مجھ جیسے بے بضاعت کو ان حضرات کے روحانی کمالات اور دینی خدمات پر خامہ فرسائی کا موقع میسر آ جاتا ہے۔

چنانچہ اپنی تالیف مہر منیر کے بارے میں راقم کا یہی نظریہ ہے کہ جو حضرت پیر طریقت رہبر شریعت فاتحِ قادیانیت فخرِ اہل سنت قبلہ سیدی ومرشدی مہر علی شاہ گیلانی قادری چشتی گولڑوی قدس سرہٗ کے حالات وتعلیمات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت الحاج (خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی) موصوف نے بھی گولڑہ شریف ملاقات کے موقعے پر کتاب مذکور کو پسند فرماتے ہوئے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی جو حضرت (خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہ العالی) موصوف کی تصوف اور صوفیائے کرام سے گہری دلچسپی کی دلیل ہے چنانچہ آپ ہی کے حسب ارشاد جناب محترم محمد صادق صاحب قصوری نے مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ کے حالات وتعلیمات کو کتاب ہٰذا میں جس نئے انداز اور تحقیق سے پیش کیا ہے یہ ان کی علمی کاوش ومحنت کا نتیجہ اور جن حضرات کا تذکرہ ہے ان کے ساتھ مؤلف موصوف کے قلبی تعلق کا ثبوت اور حضرت (خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی) موصوف کی مساعی کا نتیجہ ہے اور جس شخص کو بھی ان

حضرات سے کچھ نسبت ہوگی وہ اس کتاب کے مطالعہ سے محظوظ ومتاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔اللہ تعالی مؤلف اور اس کارِ خیر میں حصہ لینے والے سب حضرات کو بہتر جزا عطا فرمائے۔آمین۔

بزرگانِ دین کے حالات وتعلیمات سے دلچسپی رکھنے والوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ جو حضرات حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور سچی اتباع کی نعمت سے مشرف ہوئے ہیں۔وہ حسب ارشادالٰہی فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ۔اللہ تعالی کی محبوبیت سے سرفراز ہوکر کائنات کے بھی محبوب ہوجاتے ہیں۔مسلم شریف کی یہ صحیح حدیث شاہد ہے کہ جب اللہ اپنے کسی خاص بندے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے عالم ملکوت و سماوات میں ندا کرادی جاتی ہے کہ سب اُس سے محبت کریں اور پھر زمین میں بھی اس کی مقبولیت ومحبوبیت کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔پھر دنیائے فانی کے بڑے بڑے نامور سلاطین وامراء وغیرہ کے نام اور ذکر تو مٹ سکتے ہیں لیکن مقبولانِ خدا کا ذکر دائم وقائم رہتا ہے۔کہنے والوں نے کیا ہی خوب فرمایا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
کشتگان خنجر تسلیم را!!
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس موقع پر مجھے حضرت قبلہ مرشد گولڑوی قدس سرہٗ کے چند ارشادات یاد آرہے ہیں جنھیں یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔فرمایا [1] عمدہ ترین مسلک دلپسندیدہ ترین مشرب میرے نزدیک یہ ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔[2] بے شک تمھارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی بہترین نمونہ ہے۔

نیز فرمایا [3] بعض آدمیوں کے دل میں یہ خیالِ فاسد جاگزیں ہوا ہے کہ صوفیوں میں اتباع نہیں ہوتا یہ خیال مشائخ کی محبت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں راہ پا گیا ورنہ حق تو یہ ہے کہ صوفیائے کرام کشتگانِ عشق محمدی اور سوختگانِ محبت احمدی ہیں۔"صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ان کی مانند اتباع کسی فرقہ میں نہیں ہے البتہ جب وہ وادی شریعت کو طے کر کے حقیقت کی منزل میں پہنچتے ہیں تو ان کا قدم بزمِ ہستی سے بلند تر ہوجاتا ہے کیونکہ فی الحقیقت عشق کی پائے گاہ مذہب سے بلند ہے اور عشق کے بغیر ایمان معرض خطر میں ہوتا ہے۔

---

[1] ملفوظاتِ مہریہ، صفحہ نمبر ۱۰۱، مطبوعہ ۱۹۷۴ء [2] پارہ: ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیۃ: ۲۱، رکوع: ۱۹

[3] ملفوظاتِ مہریہ، صفحہ نمبر ۶۸

وہ لوگ جو قال و مقالِ اربابِ کمال کے سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے اور قابلیت سے معذور اور کوشش سے بہت دور ہوتے ہیں وہ سرشارانِ بادۂ حق اور جانبازان رمزِ اَلست سے آگاہ نہیں ہوتے اس لیے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کے حق میں اعتقاداتِ فاسدہ کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی تائید زیرِ نظر کتاب میں حضرت سلطان العارفین ابویزید بسطامی قدس سرہٗ کے حالات میں آپ کے بعض مشہور اقوال مثلاً سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ کے متعلق حضرت ابوعلی جوز جانی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ہم بایزیدؒ کے حال کو تسلیم کرتے ہیں شاید وہ الفاظ اُن سے غلبۂ حال یا حالت سکر میں صادر ہوئے ہیں۔ جو شخص بایزیدؒ کا مقام حاصل کرنا چاہے اُسے بایزیدؒ کی طرح مجاہدہ نفس کرنا چاہیئے تب وہ بایزیدؒ کے کلام کو سمجھے گا۔ اسی طرح حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے حالات میں اُن کے بعض اقوال کی توجیہہ اسی کتاب کے حاشیہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات سے نقل کی گئی ہے۔ بلکہ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں آپ کے بعض اقوال کے بارے اسی کتاب میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمتہ اللہ علیہ سے جو نقل کیا گیا ہے وہ اسی کا مؤید ہے۔ البتہ محق اور مبطل کے کلمات میں فرق ضروری ہے جیسا کہ مکتوبات جلد ثانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوب نمبر 95 بنام نور محمد انبالوی میں ہے کہ ایسے کلمات محق کے لیے آبِ حیات ہیں اور مبطل کے لیے زہرِ قاتل مثل آبِ نیل جو بنی اسرائیل کے لیے خوشگوار اور قبطی کے لیے خونِ ناگوار تھا۔ مکتوب کے آخر میں ہے کہ منصور باوجود انا الحق کہنے کے ہر رات قید خانہ میں بھاری زنجیر کے ساتھ پانچ سو رکعت نماز ادا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت محقق گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ایک مکتوب میں اجمالاً اسی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔ ’’درویش واقعی سے کسی وقت انا الحق کا سرزد ہونا اور ہے اور غیر درویش متصنع کا کہنا اور اس میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا بیت ہے۔

آں انا را رحمتہ اللہ در قضا
ویں انا را لعنتہ اللہ از خدا

(فتاوی مہریہ صفحہ 51)

یعنی حضرت منصورؒ سے انا الحق سرزد ہوا اور فرعون نے بھی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی [1] کہا مگر حضرتِ منصورؒ کے قول کا منشاء رحمت الٰہیہ تھی اور فرعون کی انا لعنت خداوندی کا نتیجہ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضرات اہل عشق و محبت کاملین صوفیا کرام کی سچی محبت سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

راقم الحروف نیاز مند اہل اللہ فیض احمد عفی عنہ
خطیب و مفتی آستانہ عالیہ گولڑہ شریف

11 رجب المرجب 1407ھ

[1] یعنی ’’میں تمہارا سب سے اُونچا رب ہوں‘‘۔ پارہ: ۳۰، رکوع: ۳، سورۃ النّٰزعٰت، آیۃ: ۲۴۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ نقشبندیہ خیریہ میری نظر میں

تقریظ از۔شجاع الملّت حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری صاحبؒ

جج وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد

نحمده و نصلی و نسلم علی حبیبه الکریم

محبِّ مکرم حضرت برادر محترم مولانا جمیل احمد نعیمی زید مجد ہم علماء اہل سنت و مشائخِ اہلِ سنت سے ملاقات کرنے اوران کے احوال وکوائف سے واقفیت حاصل کرنے کا بہت اشتیاق رکھتے ہیں،اوراس کی تکمیل ان کی وسیع معلومات کا سبب ہے۔پچھلے دنوں جب وہ اسلام آباد تشریف لائے تو مجھ سے حضرت ابوالخیر محمد عبداللہ جان زید مجد ہم کا ذکر خیر فرمایا۔ اسلام آباد اور مرشد آباد پشاور میں مسلک اہل سنت کے لیے حضرت کے بے لوث خدمات ومساعی کا حال سن کر میرے دل میں حضرت سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی کی معیت میں حضرت صاحب سے آستانہ خیریہ اسلام آباد میں شرف ملاقات ہوا،اور جو کچھ حکایت تھی محکی عنہ کواس کا پورا پورا مصداق پایا۔جس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا وہ حضرت صاحب کا علمی دنیا سے گہرا رابطہ اور ملک کے جید علماء سے مسلسل تعلق اور لگاؤ ہے، نیز امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے علمی انداز میں خدمت کرنا ہے۔آپ کے علمی کارناموں کی تفصیلات کے لیے ایک الگ مضمون کی حاجت ہے،حضرت صاحب بیعت وارشاد، ذکر وفکر تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے ساتھ اپنی محنت اور اپنی دولت سے بھی مسلک کی خدمت میں ایک بے باک سپاہی ہیں،اور یہ وہ کردار ہے جو سجادہ وخانقاہ کے ماحول میں خال خال ہی نظر آتا ہے،تب سے حضرت صاحب سے مسلسل کسی نہ کسی عنوان سے رابطہ قائم ہے۔اس رمضان المبارک میں حضرت صاحب کی دعوت افطار بہت سے دینی معاملات میں گفتگو کا بہترین موقعہ بن گئی، اثناء گفتگو میں حضرت صاحب نے اپنی نئی علمی پیشکش ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ'' کا ذکر فرمایا' اور حسن ظن کی بنا پر یہ بھی فرمایا کہ میں اس کتاب پر بطور تقریظ کچھ لکھ دوں، اس حسین و جمیل پر لطف محفل میں جو کٹھن گھڑی اور واحد ثقیل مرحلہ میرے لیے آیا وہ حضرت صاحب کا یہ فرمان تھا جس کا ایک تو سبب میری علمی بے بضاعتی اور اس پر مستزاد میری عدالتی ذمہ داریاں، پھر یہ ترکیب سمجھ میں آئی کہ حضرت صاحب سے دریافت کروں کہ آیا اس کتاب پر کچھ اور بزرگوں نے بھی تقریظات کہی ہیں! تا کہ اُن سے استفادہ کر کے کم از کم اس کار خیر میں اپنا حصہ بٹا سکوں، میرا یہ وار خالی نہ گیا اور حضرت صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔اب میرے سامنے اصل کتاب اور

افاضل علماء اہل سنت کی محققانہ تقریظات ہیں، ان تقریظات کے بلند علمی معیار تحقیق نے میرے حوصلے مزید پست کر دیے ہیں، پھر اصل کتاب کے مقدمہ میں شامل مقالات نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی، حقیقت تصوف، اہمیت تصوف، افادیت تصوف، کتاب وسنت میں تصوف کا مقام مشائخ نقشبند کا طریقہ مبارکہ، غرض ہر ایسی چیز جس کی کتاب کے قاری کو کتاب کے مطالعہ کے وقت ضرورت پیش آسکتی ہے ان مقالات میں موجود ہے تقریظات، مقالات اور کتاب کے مواد پر کچھ اضافہ کرنا میرے بس کی بات نہیں، مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ تصوف اللہ کے دین میں کوئی نئی چیز نہیں، ادیان سابقہ میں اس کو ''رھبانیۃ'' سے تعبیر کیا گیا، اور جن لوگوں نے دعوائے رھبانیت کے بعد اس کے تقاضوں کو نہ بنایا اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی، فرمان الٰہی ہے

وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. (پارہ:۲۷، رکوع:۲۰، سورۃ الحدید، آیۃ:۲۷)

اور وہ رھبانیت جس کو انھوں نے ازخود اختیار کر لیا، ہم نے یہ ان پر فرض نہ کی تھی، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں تو انھوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔

''لا رھبانیۃ فی الاسلام'' اسلام میں رھبانیت نہیں کا یہی مفہوم ہے کہ جو رھبانیت یہود ونصاریٰ کی من گھڑت ہے اس کا اسلام میں کوئی مقام نہیں، قرآن وسنت میں تصوف کا مفہوم، تقویٰ، زہد، عفاف، احسان، جہاد علی النفس، وغیرہ کلمات سے ادا کیا گیا ہے جب کہ صوفیہ کرام کو اولیاء اللہ عباد اللہ، حزب اللہ، المتقون، الصالحون وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا ہے اور سورۃ فاتحہ میں ان کے نقش کف پا کو ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' (راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ سورۃ فاتحہ، آیۃ:۶) سے تعبیر فرما کر، نماز کی ہر رکعت میں اس پر چلنے کی دعا کو تکمیل نماز کی شرط لازم قرار دیا ہے۔

حضور اکرم ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم میں کئی مقتدر ہستیاں تصوف میں شہرۂ آفاق تھیں، چونکہ تصوف کی بنیاد نفلی عبادات اور مستحبات پر ہے جن کے اختیار کرنے کی ہر مسلمان کو آزادی ہے، اس لیے سلاسل تصوف میں وحدت مقصود کے باوجود راہ سلوک میں اختلاف فطری امر تھا، کسی نے نفلی نماز کی کثرت تو کسی نے نفلی روزوں کی کثرت کو کسی نے ذکر بالجہر کو کسی نے ذکر بالسر کو اور کسی نے کسی طریقہ کو اور کسی نے کسی طرز کو اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا، اسی قسم کے اختلافات کے باعث سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ وجود میں آئے۔

تصوف کی قدامت وحقانیت کے باعث دنیائے اسلام کی اکثریت ہمیشہ اس کی گرویدہ رہی ہے اگر آج بھی بلاد اسلامیہ کے اعداد وشمار اس اعتبار سے اکٹھے کیے جائیں تو یہ خوشگوار حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ چار دانگ عالم کے مسلمانوں میں 90 فیصد مسلمان مسلک تصوف سے وابستہ ہیں اور یہی سواد اعظم ہے جس کی اتباع وپیروی کا حکم ہر دور کے مسلمانوں کو دیا گیا ہے، یہ کہنا غلط ہے کہ ''برصغیر پاک وہند'' میں اسلام صوفیاء کرام کی مساعی سے پھیلا ہے، یہ ''دعوت و

ارشاد'' کی تحریکات سے تاریخی ناواقفیت کا ثبوت ہے، کیا اویس قرنی ، بایزید بسطامیؒ، معروف کرخیؒ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہ ہندوستان کے رہنے والے تھے! صحیح بات یہ ہے کہ جہاں جہاں اسلام موجود ہے وہ کسی نہ کسی صوفی بزرگ کی دعوت حق کا نتیجہ ہے۔

یہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ ہماری مراد وہ صوفیاء ہیں جنھوں نے تصوف کا حق ادا کیا ورنہ ان کا حکم انھی راہبوں جیسا ہوگا جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے

''فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا''[1]

محترم جناب محمد صادق قصوری صاحب کے شگفتہ اور محققانہ قلم نے مشائخ نقشبند رحمہم اللہ اجمعین کے عظیم کارناموں کا جس حسین انداز میں ذکر کیا ہے وہ طالبان حق کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، سلسلہ نقشبندیہ وہ مبارک سلسلہ ہے، جس نے امت مسلمہ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت عطا فرمائی۔ مجھے حیرت ہے کہ تصوف کو ''چنیا بیگم'' افیون وغیرہ کہنے والے لوگ اس عظیم مجاہد کے باطل شکن کارناموں کی کیا تشریح وتعبیر کرتے ہوں گے، مجدد صاحب کا ذکر خاص طور پر اس لیے آ گیا ہے کہ وہ صوفیائے نقشبند میں ''مہر نیمروز'' کی طرح درخشندہ وتابندہ ہیں، اور ہر مسلمان، فرد ہو یا جماعت، جب بھی کفر والحاد سے پنجہ آزمائی کا تصور کرے گا اس کو حضرت مجدد الف ثانی کے نقش قدم کی پیروی کرنا ہوگی، لیکن ہمارے اس دور پُر آشوب میں بھی اس سلسلہ مبارکہ کے کئی بزرگ ایسے ہیں جنھوں نے اپنے تن من دھن کی بازی اسلام کی ترویج ونشاۃ ثانیہ کے لیے لگا رکھی ہے، شکر اللہ ما علیھم ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خیریہ'' کی تالیف کا مقصد بھی ان حضرات قدسی صفات کے کارناموں سے امت مسلمہ کو آگاہی بخشا ہے جناب محمد صادق قصوری نے، حضرت علامہ نور بخش توکلی مرحوم کی کتاب ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' سے کہیں زائد اور محققانہ مواد فراہم کر دیا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صوفیاء کرام کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(ناچیز)

سید شجاعت علی قادری صاحب جج، وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد پاکستان

27 مئی 1987ء

---

[1] یعنی ''پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا''۔ پارہ: ۲۷، رکوع: ۲۰، سورۃ الحدید، آیۃ: ۲۷۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ارشاداتِ مقصود

تقریظ از۔ خطیب العصر، منظورِ نظر حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ حضرت
علامہ محمد مقصود احمد صاحب، خطیب جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخشؒ۔ لاہور

الحمد للہ الخبیر والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ البصیر و علی آلہ و صحبہ محبی القدیر اما بعد.

دنیا کے ہر کام، ہر فن اور ہر پیشہ کی طرح فنِ روحانیت یعنی سلوک الی اللہ طے کرنے اور حق تعالیٰ کا قرب و معرفت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت ہے۔ علم تصوف کی اصطلاح میں ایسے استاد کو شیخ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے لفظ شیخ کی اصل یہ حدیث نبوی ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَبِیْلَتِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (اپنے قبیلہ میں شیخ اسی طرح ہے جس طرح ایک نبی اپنی امت میں ہے)

قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے ضرورتِ شیخ کو یوں بیان فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[1] (اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو وسیلہ اس تک رسائی کے لیے) اس آیت مبارکہ سے دو باتوں کا حکم نازل ہوا۔ اوّل حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا دوم اس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ تلاش کرنا۔ وسیلہ سے مراد وہ ہادی، مرشد، شیخ یا پیر ہے جس نے راہِ سلوک طے کیا ہوا ہو۔ راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہو اور خدا رسیدہ ہو۔ بعض لوگ لفظِ وسیلہ سے مراد ایمان لیتے ہیں لیکن تمام مفسرین خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین کے نزدیک وسیلہ کا مطلب شیخ طریقت ہے کیونکہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کا خطاب ان لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلویؒ جو اہلِ طریقت میں مقبول ہیں، وسیلہ سے مراد شیخ لیتے ہیں۔

نیز قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے منصب نبوت کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔

[2] ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ. (اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں کے درمیان پیغمبر انھی میں سے جو پڑھتا ہے ان لوگوں کے سامنے اللہ کی

[1] پارہ ۶، رکوع ۹، سورۃ المائدۃ، آیۃ ۳۵۔ [2] پارہ ۲۸ سورۃ الجمعہ، رکوع ۱ آیۃ ۲

آیات اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت) کتاب کے ساتھ معلم یعنی سکھانے والے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ نسخہ کے ساتھ طبیب کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کی موجودگی میں شیخ کی کیا ضرورت ہے۔ ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کی موجودگی میں نبی یا رسول کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ جس طرح اُس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ضرورت تھی۔ آج بھی ہمیں وہی ضرورت درپیش ہے۔ جس طرح اُس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہدایت ناممکن تھی اب بھی نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہدایت ناممکن ہے۔ حیرت ہے کہ علمائے ظاہر لوگوں کے درمیان تو اپنی ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن ایک ایسے شیخ کامل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے جو ان سے کئی گناہ زیادہ عبادات، مجاہدات وریاضات کر کے ذاتِ حق کے قرب ومعرفت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ پہلے تصوف اور صوفیائے کرام کی مخالفت میں مشغول تھے لیکن بعد میں حضرت بشر حافیؒ کی صحبت میں رہ کر حلاوتِ ایمان نصیب ہوئی تو جو شخص احکامِ شریعت ان سے دریافت کرنے آتا تو خود بتادیتے لیکن جب کوئی شخص راہِ حقیقت دریافت کرنے آتا تو حضرت شیخ بشر حافیؒ کے پاس بھیج دیتے یہ دیکھ کر ان کے شاگردوں کو غیرت آئی اور عرض کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر لوگوں کو ایک صوفی کے حوالہ کیوں کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ (مجھے اللہ کے احکام کا علم ہے اور ان کو خود اللہ کا علم ہے) اس لیے طالبانِ حق کو ان کے پاس بھیج دیتا ہوں۔

جناب محترم محمد صادق قصوری صاحب نے انتہائی محنت وجانفشانی اور وقتِ نظر سے ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کی تالیف کے ذریعے شائقین عرفان الٰہی کے لیے جو روحانی غذا فراہم کی ہے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے بارہ میں جو تحقیقی مواد اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ شاید ہی کسی کتاب میں ہو۔

اس بے مثال علمی شاہکار کا سہرا حضرت خواجہ خواجگان، مرشدِ باصفا، زاہدِ باوفا منبع معرفت وحقیقت، رہبرِ طریقت، متبع شریعت حضرت پیر خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کے سر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب محمد صادق صاحب نے جو عظیم الشان علمی شاہکار پیش کیا ہے وہ حضرت خواجہ خواجگان کے روحانی تصرف کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یہ خواجہ صاحب کی خاص کرامت ہے کہ جناب محمد صادق صاحب قصوری نے ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' مرتب کر کے علمی دنیا میں ایک نمایاں اعزاز حاصل کیا ہے۔

دُعا ہے اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان کتاب کے ذریعے طالبانِ حق کو اپنے مقاصد عالیہ کے حصول میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے اور حضرت خواجہ صاحب کی اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں عظیم الشان خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

محمد مقصود احمد

خطیب جامع مسجد داتا دربار، لاہور

26 اگست 1987ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرموداتِ معصومیہ

تحریر از۔ آفتاب شریعت ماہتاب طریقت، نبیرۂ حضرت قبلہ عالم موہرویؒ

حضرت الحاج صاحب زادہ محمد حفیظ الرحمٰن معصومی دربار عالیہ موہری شریف گجرات

آج فقیر کے پاس محترم صوفی ساجد حسین صاحب تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ کا مسودہ لے کر پہنچے۔ جس کو فقیر نے بلاستیعاب بڑے غور وخوض کے ساتھ پڑھا۔

فاضلِ مؤلفِ محترم جناب محمد صادق قصوری نے بڑے علمی اور تاریخی انداز میں اس کتاب کو مرتب کر کے سالکانِ راہ تصوّف کی بالعموم اور متوسّلین سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی بالخصوص، دینی وروحانی تشنگی کو پورا کر دیا ہے۔

کتاب ہٰذا میں سلسلہ عالیہ رسولیہ، صدیقیہ، نقشبندیہ مجددیہ، معصومیہ، نُوریہ، کریمیہ، نوابیہ اور خیریہ کو بڑی وضاحت وفصاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حقیقب بھی یہی ہے ''ہمہ شیرانِ جہان بستہ این سلسلہ اند، حضور سید عالم نور مجسم امام الانبیاء حبیب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے افضل الخلق بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا محمد بہاؤ الدین بخاری شاہ نقشبند، امام ربانی، حبیب یزدانی، عارف حقانی، حضرت الشیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی، عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم قیومِ ثانی حضرت بابا نور محمد چوراہی، حضرت بابا فقیر محمد چوراہی غوث زمان حضرت حافظ محمد عبدالکریم صاحب اور پھر قطب الاقطاب، زریں زربخت سلطان الاولیاء حضور قبلہ عالم حضرت الحاج خواجہ صوفی نواب الدین صاحب تاجدار دربار عالیہ نقشبندیہ مجددیہ موہری شریف کو سینہ بسینہ تجلیات ربانیہ اور جمالیاتِ مصطفویہ کی روشن قندیلیں حاصل ہوئیں۔ جن کی ضیاء پاشیوں سے ایک جہان منور ہوا۔ اور عشق مصطفیٰ ومحبت اولیاء کی دولت عام ہوئی۔ پیکرِ صدق وصفاء، مجسمۂ علم وحیا، سراپا اخلاص وتقویٰ منبعٔ رشد وہدایت، فخر خاندان موہروی حضرت الحاج خواجہ ابوالخیر صوفی محمد عبداللہ جان صاحب زید مجدہٗ مرشد آباد شریف۔ پشاور حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر واعاظم خلفاءٔ کرام میں سے ہیں۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب زید مجدۃ الکریم سے بے پناہ اور والہانہ محبت تھی ہر وقت مُشفقانہ نگاہ سے فیض یاب فرماتے۔ اور شریعت وطریقت میں انتہائی تربیت فرما کر تصوّف اور سلوک کی اعلیٰ منازل پر فائز فرمایا۔ آپ کی برقی اور روحانی باطنی توجہ حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب زید مجدہٗ الکریم کے ہر وقت شامل حال ہے جو

کہ میدان حشر تک رنگ لاتی رہے گی۔

خواجۂ خواجگان، مبلغ اسلام، قیوم زماں حضرت الحاج خواجہ محمد معصوم صاحب مدظلہ سجادہ نشین دربار عالیہ موہری شریف، حضرت خواجہ ابوالخیر زید مجدہ الکریم پر اُسی طرح خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب زید مجدہ الکریم کے والد ماجد سراپا اخلاص محترم جناب حاجی محمد جان صاحب کا دربار عالیہ موہری شریف سے بہت پرانا تعلق ہے۔ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی معاون اور رفیق کار کی حیثیت سے خدامات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

مولائے کریم انھیں صحت عاجلہ وشاملہ اور درازی عمر نصیب فرمائے۔ آمین۔

آج فقیر کو "تذکرہ نقشبندیہ خیریہ" کی تقریظ لکھتے ہوئے قلبی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ دربار عالیہ موہری شریف سے فیض یاب، نیر شریعت، بدر طریقت حضرت الحاج خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب زید مجدہ نقشبندی مجددی کی مساعی جمیلہ اور اُن کی تبلیغی وروحانی جدّ وجہد سے طالبانِ چشمۂ معرفت سیراب ہو رہے ہیں۔

میری قلبی دعا ہے کہ مولائے کریم حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب زید مجدہ الکریم کے علم وعرفان میں مزید برکتیں فرمائے اور کتاب ہذا سے زیادہ سے زیادہ احباب کو مستفیض فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقط | دعا گو
5 صفر المظفر 1408ھ | فقیر محمد حفیظ الرحمٰن معصومی غفرلہ
29 ستمبر 1987ء | دربار عالیہ موہری شریف ضلع گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملفوظاتِ مدرار

تقریظ از۔ ادیب سرحد حضرت علامہ مولانا مدرار اللہ مدرار صاحب نقشبندی

ڈسٹرکٹ خطیب مردان (صوبہ سرحد)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّابَعْدُ

میں اپنے لیے یہ امر باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہوں کہ میں آج ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' پر تقریظ لکھنے بیٹھا ہوں۔ جو جناب محمد صادق قصوری کی تصنیف ہے اور جس میں حضراتِ مشائخ نقشبندیہ کے حالات وسوانح اور ان کے علمی اور روحانی کارنامے بڑے محققانہ انداز میں لکھے گئے ہیں اور آخر میں اس سلسلۂ عالیہ کے چشم و چراغ اور آسمانِ نقشبند کے آفتاب و ماہتاب پیر طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین دامت و برکاتہم العالیہ زینت افزائے دربار عالیہ مرشدِ آباد شریف پشاور کے کوائفِ زندگی اور ان کے علمی، عملی اور روحانی کارنامے بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں جن کو پڑھ کر قاری کے دل میں یہ جذبہ موجزن ہونے لگتا ہے کہ کاش میں بھی حضرت خواجہ صاحب کے رنگ میں رنگ ہوکر شریعت وطریقت کے مدارجِ عالیہ پر فائز ہو جاؤں ع

یا رب این آرزوئے دل چہ خوش است

حضرت خواجہ صاحب علمی اور عملی اعتبار سے ایک جامع شخصیت کے حامل ہیں آپ دینی اور عصری علوم میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں دین اسلام، مخلوقِ خدا کی اصلاح وتربیت اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی خدمت او رفروغ کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں۔ آپ حامل لوائے اسلام، جامعِ شریعت وطریقت اور رازدانِ اسرارِ معرفتِ الٰہیہ ہیں اور شب وروز دینی مشاغل ذکر وفکر یادِ خدا اور خدمتِ خلق میں منہمک رہتے ہیں۔

بجز ذکرِ خدا کارے ندارد
ہمیشہ در عبادت ہست شاغل
ز ذاتش فیضِ دائم ہست جاری
مرادِ دو جہاں بخشد بہ سائل

ممدوح دوام ذکر کثرتِ طاعت اور مراقبات میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے

مناسبت رکھتے ہیں حضرت باقی باللہ قدس سرہٗ کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد حجرہ شریف میں تشریف لے جاتے اور مراقبہ فرماتے جب ضعف معلوم ہوتا تو اُٹھ کر وضو کرتے اور دُوگانہ گزار کر پھر مراقب ہو جاتے اور اسی طرح ساری رات گزار دیتے۔

حضرت خواجہ صاحب دامت فیوضہم بھی نماز عشاء کے بعد مراقبہ کرتے ہیں اور اس میں اس قدر از خود رفتہ و منہمک ہو جاتے ہیں کہ یہ سلسلہ اذان صبح گاہی تک جاری رہتا ہے۔ جیسا کہ زیرِ تقریظ کتاب ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کے آخر میں واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ ابوالخیر کو حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارَھم کے ساتھ اتنا تعلق خاطر اور محبت ہے کہ آپ ان کے حالات و کمالات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے ایک دفعہ پہلے بھی ''سلسلۂ خیریہ مع تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' تصنیف پروفیسر ڈاکٹر خالد امین مخفی الخیری پرنسپل نیو لاہور کالج کو شائع کرا چکے ہیں اور اب زیرِ تقریظ کتاب ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کو شائع کر رہے ہیں۔

حدیث مبارک میں جہاد کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ''۔[1]

مشرکوں اور کافروں کے ساتھ اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کے تین درجے ہیں۔ جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد باللسان۔ جہاد باللسان میں جہاد بالقلم بھی آتا ہے۔ جب کہ موجودہ زمانے میں دشمنانِ اسلام اور ملحدین مسلمانوں کے ایمان اور اسلام پر ڈاکا ڈالنے کے لیے اپنی پُرفریب اور مغالطہ انگیز تحریری سرگرمیوں کے ذریعے قسم قسم کے فتنے پھیلا رہے ہیں۔ جن میں فتنہ تحریفِ قرآن، فتنۂ انکارِ حدیث، فتنۂ تجدد فی الاحکام، فتنۂ انکارِ تقلید، فتنۂ ثقافت و تہذیب اور فتنۂ اختلاطِ مرد و زن و عریانیت کے نام خاص طور پر لیے جا سکتے ہیں۔ ان کے انسداد اور دفاع کے لیے اہل درد اور اہل قلم علمائے دین جہاد بالقلم میں مصروف ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ حضرت خواجہ صاحب کو ان فِتَن کا دردمندانہ احساس ہے اس لیے وہ مسلمانوں کو حضراتِ مشائخ نقشبندیہ کے علمی اور عملی کارناموں سے آگاہ کر رہے ہیں۔ تا کہ مسلمان کفر و شرک بدعات اور فتن کا مقابلہ حضراتِ مشائخ نقشبندیہ کے عملی نمونے کو پیش نظر رکھتے ہوئے باحسن وجہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کو ان کی دینی خدمات کا اجرِ عظیم فی الدارین عطا فرمائے۔ ع

وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا

موجودہ پُرفتن دور میں ہمارا معاشرہ ناگفتہ بہ اخلاقی زبوں حالی میں مبتلا ہے جس کا یہ اہم تقاضا ہے کہ ہم جس

[1] سُنَنِ ابُو داوٗد شریف، جلد:۱، صفحہ:۳۴۶، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، دہلی۔

قدر جلد ممکن ہو۔ اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں لائیں۔ اس سلسلے میں بزرگانِ دین کے ساتھ ساتھ حکومت اور مسلم عوام پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مبارک مقصد کے لیے اپنے اپنے دائرۂ کار کے اندر ایسی تدبیریں اور ایسے اقدامات کریں کہ یہ تباہ کن اخلاقی خرابیاں دور ہو کر صحیح اسلامی معاشرہ روبعمل آئے۔

اس ذیل میں یہ امر بھی پیش نظر رہنا اشد ضروری ہے کہ ہم اولیائے امت اور بزرگانِ دین کی تعلیمات، ارشادات اور اسلامی اخلاق واطوار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان حضرات کی پاکیزہ تعلیم وتربیت اور اعمال حسنہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔ تاکہ ان مقدس ہستیوں نے رشد وہدایت کے جو فانوس روشن فرمائے ہیں، ان کی روشنی کو نہ صرف اپنے ملک بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچادیں اور خود اپنے قلب وروح کو اس روشنی سے اس طرح منور کریں کہ دوسروں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہونے لگیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بہ میداں در نمی آید سواراں راچہ شد

اولیائے عظائم اور صوفیائے کرام نے ہر زمانے اور ہر نازک دور میں اسلامی معاشرے کی اصلاح، مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت نیز اسلام کی تبلیغ واشاعت کے فرائض ایسی خوبی کے ساتھ انجام دیے کہ غیر مسلم قومیں بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بصد ذوق وشوق اور جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کی خیر وبرکت سے مستفیض ہوئیں۔ تاریخ اس امر کی گواہِ عادل ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اسلام کی روشنی انھیں نفوس قدسیہ کی مساعی جمیلہ سے پھیلی ہے۔

ہر گلِ نو کہ شد چمن آرا
اثر و رنگ و بوئے صحبت اوست

ان نفوس قُدسیہ میں بحمد اللہ حضرت خواجہ ابوالخیر دام فیضہم بھی شامل ہیں جن کے دستِ حق پرست پر کئی غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

تصوف کی اصل تقویٰ اور احسان ہے

تصوف کسی کی خانہ ساز اور طبع زاد چیز نہیں ہے بلکہ اس کی اساس قرآن وحدیث کے ارشادات پر مبنی ہے۔ تصوف کی اصل تقویٰ اور احسان ہے جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ کفر وشرک اور معاصی سے اجتناب کیا جائے اور خدا اور رسول کے اوامر واحکام کا اتباع کیا جائے اور دنیوی زندگی نہایت احتیاط کے ساتھ گزاری جائے۔ ایک مرتبہ امیر المومنین خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ”اَمَا سَلَکْتَ طَرِیْقًا ذَا

شَـوۡكٍ ''کیا آپ کو کبھی ایسے راستے پر چلنے کا اتفاق نہیں ہوا جو خاردار ہو! جس پر کانٹے بچھے ہوئے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں ایسے راستوں سے گزرا ہوں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا۔ تو ایسے راستے پر آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا انھوں نے کہا۔ ''شَمَّرۡتُ وَاجۡتَهَدۡتُّ ''میں نے اپنے دامن کو سمیٹ لیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزرا کہ کہیں میرے کپڑے کانٹوں میں نہ الجھ جائیں۔ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔۔۔ ''فَذَاكَ التَّقۡوىٰ ''یعنی تقوی اسی کیفیت کا نام ہے۔ اس دنیا میں فسق و فجور اور طرح طرح کی برائیوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں ان برائیوں سے بچ کر نکل جانا ہی تقویٰ ہے۔

تقویٰ کا یہ مفہوم تصوف کے عینِ مراد ہے۔ بزرگانِ دین اپنے پیروکاروں کی عملی زندگی میں تقویٰ کا مذکورہ مفہوم ہی جاری و ساری کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ انھیں متقین کے اعلیٰ زمرے تک پہنچا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متقین ہی اولیاء اللہ کا دوسرا نام ہے اور صوفیائے کرام ہی متقین کا مصداق ہیں۔

اور احسان کے بارے میں حدیثِ جبریل علیہ السلام ہماری راہنمائی کر رہی ہے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بشری صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مقدس میں حاضر ہوئے اور ایمان و اسلام اور احسان وغیرہ امور کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات پوچھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ احسان کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا ''وَمَا الۡاِحۡسَانُ ''اور احسان کسے کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ''اَلۡاِحۡسَانُ اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ''یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو نہ دیکھے تو یہ تصور کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد تصوف کی روح اور جان ہے۔

بزرگانِ دین اپنے پیروکاروں کے قلب و دماغ اور رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایسا داعیہ پیدا کرتے ہیں کہ ان کی نظروں سے ماسوی اللہ معدوم ہو جاتا ہے اور وہ ہر لحظہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور مشاہدہ حق میں مشغول رہتے ہیں اور سالکانِ طریقت اپنے مرشدِ کامل کے روئے انور میں نورِ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ عارفِ رومیؒ کیا خوب فرما گئے ہیں۔

فیضِ حق اندر کمالِ اولیاء
نورِ حق اندر جمالِ اولیاء

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
اونشیند در حضورِ اولیاء

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء
در حقیقت گشتہء دور از خدا

آج گوناگوں مصائب و آلام اور پریشانیوں میں گھری ہوئی دنیا کے لیے فلاح ونجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ بزرگانِ دین کا دامن پکڑیں۔ اور ان کے توسل سے اللہ کریم کی پناہ میں آجائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکیم افلاطون نے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کو کمان فرض کیا جائے اور مصائب و آفات کو اس کمان سے چلنے والے تیر شمار کیا جائے اور خدا کو تیر انداز تصور کیا جائے تو ان مصائب و آفات کے تیروں سے بچاؤ کی کیا صورت ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مصائب و آفات کے تیروں سے بچاؤ کی بہت آسان صورت ہے اور وہ یہ کہ ''آدمی تیر انداز کے پہلو میں آکھڑا ہو۔ نہ تیر لگے گا نہ اثر کرے گا'' اور پہلوئے خداوندی ذکر اللہ اور یاد حق ہے۔ جس میں محو ہو کر آدمی اپنے کو کلیۃً خدا کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ تفویض اور محبت ہی عاشق کا وہ کام ہے جس سے ہر تلخ اس کے لیے شیریں بن جاتا ہے اور اس کی صدا یہ ہو جاتی ہے کہ ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

اور پھر اس تفویض اور جان سپاری کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی از روئے قرآن بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بھاگنے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ میں خدا کی طرف سے تم کو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ آیۃ کریمہ ملاحظہ ہو۔

''فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ'' (سورۃ الذٰریٰت، آیۃ: ۵۰ رکوع ۲ پارہ ۲۷)

اور یہی خدا کی طرف فرار اور خدا کی پناہ میں آنا تصوف کی روح اور عطر ہے اور یہی دعوت ہے جو بزرگانِ دین لوگوں کو اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے دے رہے ہیں۔

طریقہ نقشبندیہ کی خصوصیتیں اور فضیلتیں

زیر تقریظ کتاب کی مناسبت سے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ کی ان خصوصیات اور فضائل کو بیان کروں جن کے سبب اس کو دوسرے سلاسل اور طُرق پر فوقیت حاصل ہے۔ اگرچہ جملہ سلاسل طریقت موصل الی اللہ یعنی اللہ کو پہنچانے والے ہیں۔ مگر طریقہ نقشبندیہ میں بعض ایسی خصوصیتیں اور فضیلتیں ہیں جن کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ع

لیکن تو چیزے دیگری

یہ طریقہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے اور وہ اس کے سالارِ کارواں ہیں چنانچہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شیخ بایزید بسطامیؒ تک اسے صدیقیہ کہتے تھے اور خواجہ بایزید بسطامیؒ سے خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ تک طیفوریہ اور خواجہ عبدالخالقؒ سے خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ تک خواجگانیہ کہلاتا تھا اور خواجہ نقشبندؒ سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تک نقشبندیہ کے نام سے موسوم تھا خواجہ علاؤالدین عطارؒ خواجہ نقشبندؒ کے مریدِ خاص تھے اور اپنے وقت کے قطبِ ارشاد تھے اس لیے ان کی نسبت سے اس طریقے کو علائیہ بھی کہتے رہے ہیں اور حضرت مجددؒ کے زمانے سے اب تک نقشبندیہ مجددیہ کہلاتا ہے۔

نقشبند کی وجہ تسمیہ

روایت ہے کہ جب حضرت خواجہ بہاؤالدینؒ بادشاہ ہرات کی استدعا سے ہرات میں بادشاہی محل میں داخل ہوئے۔ خدم حشم، امیر و وزیر جس پر نگاہ کرتے سب بے تاب ہو جاتے۔ دوسری مرتبہ جب حضرتؒ حج کو جانے لگے تو مولانا زین الدین قدس سرہٗ سے ملاقات کے واسطے ہرات گئے اور تین روز تک ان سے صحبت گرم رہی۔ ایک دن نماز صبح کے بعد مولانا نے حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایہ۔

"برائے ماہم نقشبند"

یعنی ہماری طرف بھی توجہ فرما۔ حضرت خواجہؒ نے بر سبیل تواضع فرمایا۔

"آمدیم تا نقش بریم"

یعنی اس لیے آئے ہیں کہ نقش لے جائیں۔

غالباً اسی روز سے حضرت خواجہؒ کا لقب نقشبند ہوا اور یہ طریقہ بھی انھی کی وجہ سے "نقشبندیہ" کہلانے لگا۔ جن خصوصیات کی بناء پر طریقہ نقشبندیہ کو دوسرے طریقوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1- کہ اس طریقہ عالیہ کا مدار اتباعِ سنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طریقہ میں جس قدر اتباعِ سنت اور بدعت سے اجتناب زیادہ ہوگا اسی قدر اس میں انوارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ ہوں گے۔ اور اسی قدر وہ نسبت قوت و رفعت میں ممتاز ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضراتِ نقشبندیہ کمال متابعتِ سنت ہی کی بدولت دوسروں سے سبقت لے گئے ہیں اور کمال متابعت کی وجہ سے ہی کمالِ متابعت ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔

2- اس طریقے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حاملین عمل بر عزیمت کو حتی المقدور ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور رخصت پر عمل تجویز نہیں کرتے۔

3- تیسری خصوصیت یہ کہ حضرات نقشبندیہ احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع رکھتے ہیں اور اذواق و معارف کو علوم شریعت کے تابع سمجھ کر جواہر نفسیہ شرعیہ کے عوض میں وجد و حال کے متاع بے مایہ کو نہیں لیتے اور صوفیہ کے ترہات پر مغرور نہیں ہوتے۔ اسی واسطے ان کا وقت و حال، دوام و استمرار پر ہے نقشِ ماسوا ان کے دل میں سے

اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ اس کے حاضر کرنے میں اگر ہزار بار کوششیں کی جائیں تو حاضر نہ ہو سکے۔

4- اس طریقے کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے مثلِ برق کے ہے ان بزرگوں کے لیے دائمی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ، شیخ محمد مکی رحمتہ اللہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''تجلی ذاتی نزد اکثر مشائخ برقی است ونزد اکابر نقشبندیہ دائمی۔

فَيَكُوْنُ كَمَالُ هٰؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ فَوْقَ جَمِيْعِ الْكَمَالَاتِ وَنِسْبَتُهُمْ فَوْقَ جَمِيْعِ النِّسَبْ

یعنی اکابرِ نقشبندیہ کے نزدیک تجلی ذاتی دائمی ہے اور دوسرے مشائخ کے نزدیک برقی ہے پس بدیں وجہ ان اکابر کا کمال تمام کمالات کے اوپر اور ان کی نسبت دوسری تمام نسبتوں پر فائق ہے۔

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ، اسی مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''در طریقہ ایں اکابر نہایت در بدایت است۔ واقتداء ایشاں دریں امر بصحابہؑ رسولِ خدا است علیہ السلام کہ اوشاں ببرکتِ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در اول مرتبہ مے یابند کہ دیگر اولیائے امّت را در نہایت کار میسر گردد فلہٰذا ولایت ایں بزرگوارانِ نقشبندیہ فوق جمیع ولایاتِ اولیاء ست۔''

یعنی اکابر نقشبندیہ کے طریقے میں ابتدا ہی میں وہ درجہ ولایت حاصل ہوتا ہے جو دوسروں کو انتہائے کار میں مل جاتا ہے اور اس امر میں ان کا قدم صحابہؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ابتدا میں ہی مرتبہ ولائیت حاصل کر لیتے تھے اس لیے بزرگانِ نقشبندیہ کی ولایت تمام اولیاء کی ولایت پر فائق وعالی ہے''۔

الغرض صحابہؑ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نسبت رکھنے کی بدولت اس طریقے کو شرفِ امتیاز حاصل ہے۔ ولنعم ما قیل۔

گرچہ	خوردیم	نسبتے	است بزرگ
ذرّہ	آفتاب	تا	بانیم

حضراتِ نقشبندیہ کے نزدیک وہ حضور اعتبار سے ساقط ہے جس کے پیچھے غیبت یعنی حجاب ہو۔ یہ حضرات اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط (پارہ:۱۸، رکوع:۱۱، سورۃ النور، آیۃ:۳۷)

یعنی وہ مرد کہ غافل نہیں کرتی ان کو سوداگری اور نہ خرید وفروخت خدا کی یاد سے۔

5- اس طریقے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں افادہ اور استفادہ یعنی فائدہ پہنچانے اور فائدہ اٹھانے کی

شرط شیخ کی صحبت و محبت قرار پائی ہے جس کو جس قدر شیخ طریقت سے محبت و صحبت زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کو فیوض و برکاتِ شیخ زیادہ حاصل ہوں گے۔ اور یہی بعینہٖ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معاملہ تھا۔

6- اس طریقے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کمالات نبوت سے حصہ وافر حاصل تھا اور یہ طریقہ ان سے شروع ہوتا ہے اس سبب سے اس طریقے سے کمالاتِ نبوت کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''نزد فقیر یک گام دریں طریقہ زدن برابر بہزار گام طریق دیگر است راہے بکمالاتِ نبوت بطریق تبعیت و وراثت کشادہ میشود در مخصوص بایں طریق عالیست، منتہائے طُرقِ دیگر تا نہایت کمالاتِ ولایت است، ازانجا راہے بکمالاتِ نبوت نہ کشادہ اند''؟

یعنی اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے ہزار قدم کے برابر ہے وہ راستہ جو بطریق تبعیت و وراثت کمالاتِ نوبت کی طرف کھلتا ہے۔ اس طریق عالی سے مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی نہایت کمالاتِ ولایت کی نہایت تک ہے۔ وہاں سے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی راستا کھلا نہیں ہے۔

یہ طریق یقیناً موصل الی اللہ ہے۔ عدمِ وصول کا احتمال یہاں نہیں پایا جاسکتا۔ کیونکہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے جو وصول کی دہلیز ہے۔ سالک کے وصول کا مانع یا جذبِ محض ہے جس میں سلوک نہ ہو یا سلوکِ محض بغیر جذبہ کے۔ یہاں دونوں مانع نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ اس طریق میں نہ سلوک خالص ہے نہ جذبِ محض بلکہ جذبہ ہے متضمن سلوک لہٰذا اس طریقہ عالیہ میں وصول کا سدراہ سوائے طالب کی سستی کے اور کوئی چیز نہیں۔ طالب صادق کہ پیر کامل کی صحبت میں رہے۔ اور شرائطِ طلب کو جو اکابر سلسلہ نے قرار دی ہیں۔ بجالائے تو امید ہے کہ البتہ واصل ہوگا۔

اگر پیر ناقص سے کسی کا پالا پڑ جائے تو چونکہ وہ خود واصل نہیں دوسروں کو کیسے واصل بنا سکتا ہے۔ اس صورت میں طریق کا کیا قصور ہے؟ چنانچہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب نمبر 260 میں اپنا طریق یوں بیان فرماتے ہیں۔

''یہ ہے بیان اس طریق کا بدایت سے نہایت تک۔ جس کے ساتھ حق سبحانہٗ نے اس فقیر کو ممتاز فرمایا ہے۔ اس طریق کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جو متضمنِ اندراجِ نہایت در بدایت ہے اس بنیاد پر عمارتیں اور محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا' بخارا و سمرقند سے بیج زمین ہند میں جس کا مایہ خاک طیبہ وبطحا سے بویا گیا ہے اور اس کو سالوں آب فضل سے سیراب رکھا گیا اور تربیت احسان سے پرورش کیا گیا۔ جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل لائی۔''

الغرض طریقہ عالیہ نقشبندیہ بے شمار خصوصیات و فضائل کا حامل ہے۔ جس کی طرف ہمارے آقا و مولیٰ اور شیخ الکامل حضرت مولانا محمد عبدالمالک صاحب صدیقی عزت افزائے خانیوال شریف قدس اللہ سرّہٗ دعوت دے رہے تھے۔

اور اب شیخِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین مدظلہم العالی اس سلسلے کی شایانِ شان خدمت کر رہے ہیں۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس طریقۂ عالیہ میں داخل ہو گئے ہیں اور اس کی خدمت واشاعت میں کوشاں ہیں۔

مقالہ نگار حضرات کا شکریہ

میں یہ بھی گزارش کردوں کہ زیرِ تقریظ کتاب ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' کی ابتداء میں تصوف کی تعریف۔غرض و غایت، تاریخی پس منظر اور اس کے مالہ وعلیہ پر ملک کے نامور اہل علم اور ادیبوں نے نہایت جامع اور پُر مغز مقالات لکھے ہیں جن سے کتاب کی اہمیت اور افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے ان مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

1- جناب سید انور علی انور ایڈووکیٹ کراچی۔
ان کے مقالے کا عنوان ہے ''تصوف اس کی اصل اور غرض وغایت''

2- جناب حکیم امین الدین احمد شاد باغ لاہور
ان کے مقالے کا عنوان ہے ''تصوف چیست؟''

3- جناب بہاؤالحق ایم۔اے۔
ان کے مقالے کا عنوان ہے ''تصوف اس کی اصل اور غرض وغایت''

4- جناب جی۔اے حق محمد ایم۔اے اسلام آباد
ان کے مقالے کا عنوان ہے ''تصوف، اسلام کی فکری وعملی تحریک''

آخر میں بارگاہ ربُّ العزت میں میری عاجزانہ اور نیاز مندانہ دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حضراتِ مشائخ نقشبندیہ اور تمام بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے اور حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین دام فیضہم کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور معتقدین پر آپ کا سایۂ عاطفت ہمیشہ قائم رکھے۔آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

الراقم

مدرار اللہ مدرار نقشبندی عفی عنہ

ڈسٹرکٹ خطیب مردان

10/4/87

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخنے چند

تقریظ از مجاہد اہلسنت عاشقِ رسول جناب سید ریاست علی قادری صاحب۔ کراچی

پیش نظر کتاب ''تذکرہ نقشبندیہ خیریہ'' مؤلفہ جناب محمد صادق قصوری کا مسودہ پڑھا۔ پڑھ کر مؤلف کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ مؤلف نے واقعی بڑی محنت و جانفشانی سے حضرات مشائخ نقشبندیہ کے حالات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اس کتاب سے نئی نسل خاص طور پر مستفید ہوگی۔

بزرگان دین کے حالات سے لوگوں کو باخبر رکھنا ان کے دینی و ملی کارناموں کو اُجاگر کرنا اور ان کے پیغام محبت و اخوت کو دوسروں تک پہنچانا ایک عظیم عبادت ہے۔ صوفیاء اور مشائخ کی تاریخ ہوسِ زر کے اس دور میں روشنی کا بلند مینار ہے۔ جس نے اقوام عالم میں ہمارے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس طرح ان بزرگوں نے اپنی ہستی مٹا کر اسلام کی روح کو زندہ و پائندہ رکھا بالکل اسی طرح انھوں نے معاشی و معاشرتی میدان میں بھی ہمارے لیے وہ ڈھانچا جوں کا توں محفوظ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین علیہم اجمعین نے قائم کیا تھا۔ ان بزرگوں کا سرمایۂ حیات، خدا خوفی، صبر، توکل، تقویٰ، فقر، محاسبہ، تزکیۂ نفس، اخلاص، امانت، دیانت اور اعلاء کلمۃ الحق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور انسانوں کی خدمت ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ انھیں اپنے اس مقدس مشن سے کس قدر عشق تھا اس کا ثبوت بت کدۂ عالم کے تاریک ماحول میں روشنی پھیلانے والے بزرگوں کی وہ کوششیں اور کاوشیں ہیں۔ جو انھوں نے رسم پرستانہ معاشرے میں ظالمانہ و جابرانہ حکومتوں کی طرف سے رکاوٹوں کے باوجود جاری رکھیں اور جس کے نتیجے میں دنیا کے چپے چپے پر اسلام کا نور پھیلا۔ ان نفوس قدسیہ کی شبانہ روز محنتوں اور پاکیزہ روحانی زندگی سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونیوالوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ دنیا میں اسلام کی اشاعت کا کام دراصل ان ہی لوگوں کا کارنامہ ہے۔ فاتحین و سلاطین تو ان کی کاشت کی ہوئی کھیتیوں سے فائدہ اٹھاتے اور تاریخ میں اپنا نام لکھواتے رہے۔ اولیاء اللہ کے پاس نہ تو کوئی سلطنت تھی نہ سرکاری عہدے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ اکثر اوقات اختیاری طور پر رعایا کے عام افراد سے بھی زیادہ تنگ دست اور مفلوک الحال رہتے تھے لیکن ان کے اقتدار کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس میں سما جائے تو ایک قطرۂ سمندر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ انسانی دل و دماغ پر حکمرانی کرنے والے یہ لوگ بیک وقت لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی عقیدت کا مرکز تھے اور بڑے

بڑے فرعون صفت سلاطین وحکمران ان سے خوف محسوس کرتے تھے اوران کے دربار میں عاجزانہ حاضر ہوتے اوران کے نگاہ کرم کواپنی سعادت سمجھتے تھے۔

اسلام کے عالمگیر پیغام سے انسانیت کو روشناس کرانے اور اسلام کی عالمگیر اور ابدی سچائیوں کوانسانی اذہان میں راسخ کرنے کے لیے جو کارنامہ ان بزرگوں نے انجام دیا اور سنت نبوی کے مطابق کہنے سے زیادہ کرنے اور بتانے سے زیادہ عملی نمونہ پیش کرنے کی جوصورت ان صوفیائے کرام نے اختیار کی اُس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔

کسی بھی قوم کی ترقی وخوشحالی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اُس کے ارباب علم وفن اسلاف کے کارناموں کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے میں کہاں تک اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔بحمداللہ مؤلف کتاب نے بڑی خوش اسلوبی سے اس ذمہ داری کو عملی جامہ پہنایا جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مجھے یہ جان کرانتہائی مسرت ہوئی کہ جناب محمد صادق قصوری صاحب کی یہ ولی آرزو تھی کہ حضرات مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حالات جدید تقاضوں کی روشنی میں لکھے جائیں جس کو کتابی صورت میں پیش کرکے انھوں نے نہ صرف اپنی قلبی طمانیت کا سامان مہیا کیا بلکہ اہل علم وفن کے قلوب کو بھی منوروتاباں کردیا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مؤلف کتاب کو اجرعظیم عطا فرمائے۔آمین

مزید برآں حضرت پیر طریقت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان نقشبندی، مجددی مدظلہ، العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور کی بھی خواہش تھی کہ آستانہ عالیہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ''سلسلۂ خیریہ مع تذکرہ ''مشائخ نقشبندیہ'' کونئی ترتیب وتحقیق اور کاوش کے ساتھ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے شائع کیا جائے۔حضرت پیر طریقت کا یہ جذبہ قابل ستائش ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت پیر طریقت خواجہ محمد عبداللہ جان نقشبندی، مجددی مدظلہ، العالی کا سایہ ہمارے سروں پرتادیر قائم رکھے۔آمین۔وہ مسلک حقہ کی خدمت کے جذبے سے سرشار جس نہج پر قوم وملک کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل ہیں اور علمی وروحانی جہاد کررہے ہیں اس سے معتقدین اولیاء اللہ یقیناً مستفید ہوں گے۔

سید ریاست علی قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرِ سخن

از۔رئیس التحریر جناب حضرت مولانا کوثر نیازی صاحب سینیٹر اسلام آباد

طریقت کے کئی سلسلے ہیں لیکن ہمارے ہاں مشہور ومقبول چار ہیں، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ۔

ان چاروں سلسلوں میں بھی نقشبندیہ کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا آغاز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ والا صفات سے ہوا ہے اور اس میں سالک کے لیے کامل اتباعِ سنت کو شرطِ لازم قرار دیا گیا ہے، حضرت امام مجدد الف ثانیؒ نے جو یوں تو دوسرے سلسلوں سے بھی صاحبِ مجاز مرشد تھے مگر نقشبندیہ طریقے کو سب پر اہمیت اور فوقیت دیتے تھے۔ اپنی معرکتہ لآرا کتاب مکتوبات جلد اوّل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سلسلے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سُکر (مستی اور بے ہوشی) کے بجائے صحو (ہوش مندی) کا عنصر غالب ہے، سبب یہ ہے کہ اس کی نسبت فراستِ صدیقیہؓ سے ہے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو اسی سلسلے کو اکمال واتمام تک پہنچائیں گے۔ (مکتوب نمبر 251)

حضرت سرمدؒ کی مشہور رباعی ہے۔

سرمدؒ غم عشق درد منداں دانند
نے خودستاں و خود پسنداں دانند
از نقش تواں بسوئے نقاش شدن
ایں نقش غریب نقش بنداں دانند

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا دور، دورِ انحطاط ہے، دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح تصوف وطریقت میں بھی بہت سے جعل ساز دندنارہے ہیں مگر یہ بھی صحیح ہے کہ دنیا کسی وقت بھی اہل اللہ سے خالی نہیں ہوتی، آج بھی کچھ بندگانِ خدا ایسے موجود ہیں جن کی ذات اور صفات سے ان مبارک سلسلوں کی آبرو قائم ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ[1] ''سچوں کا ساتھ دو''۔

قرآنِ پاک ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ''صادقین'' ہر دور میں موجود رہیں گے اسی

[1] پارہ:١١، رکوع: ، سورۃ التوبۃ، آیۃ :١١٩۔

لیے ان کی رفاقت اور معیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اگر وہ بالکل ختم ہو جائیں تو پھر یہ آیتِ قرآنی ساقط العمل ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ قرآن کی شان کے خلاف ہے۔

پاکستان میں دوسرے سلسلوں کی طرح سلسلہ نقشبندیہ کے بہت سے ایسے بزرگوں سے بھی مجھے ذاتی نیازمندی کا شرف حاصل ہے جو یقیناً صادقین میں شامل ہیں اور انھی میں ایک نام حضرت خواجہ ابوالخیر عبداللہ جان مدظلہٗ العالی کا بھی ہے۔ان کی صحبت میں بیٹھ کر دل کی پژمردہ کلی کھل اُٹھتی ہے اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عاشق بھی ہیں اور عملی طور پر ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے علاوہ علمی طور پر بھی آپ کے افکار عالیہ کی تحقیق و تدوین میں لگے رہتے ہیں، حضرت مجددؒ پر بہت کم کسی کتب خانے میں اتنا مواد ہوگا جتنا حضرت ابوالخیر نے محفوظ کر رکھا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے اولیائے کرام پر اُردو زبان میں تھوڑا بہت کام پہلے بھی موجود ہے مگر یہ سہرا حضرت ابوالخیر کے سر بندھتا ہے کہ آپ نے اس کے لیے ایک جامع کتاب کی اشاعت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے جناب صادق قصوری کو ایک مبسوط تذکرے کی تالیف پر مامور کیا، میں نے اس کتاب کو جستہ جستہ دیکھا ہے، سوانح سے بھی زیادہ اس کا وہ حصہ زیادہ دقیع اور معتبر ہے جس میں بعض اہل علم نے تصوّف اور سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات پر قلم اٹھایا ہے۔مجھے امید ہے کہ حضرت ابوالخیر کی طرف سے پیش کردہ یہ علمی اور روحانی تحفہ، طالبانِ حق کے حلقے میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

کوثر نیازی

اسلام آباد

تصوّف، اُس کی اَصل اور غرض و غایت

(حضرت اقدس سید انور علی انور ایڈووکیٹ، کراچی)

تصوف کی اصل معلوم کرنے کے لیے فلاسفہ کے چند اصول پیش نظر ہیں جن کی رو سے اس کی اصلیت سامنے آ جائے گی۔

(1) مَادِی ہے یا غیر مَادِی

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ تصوف غیر مادی ہے۔ اس کا تعلق روحانی دُنیا سے ہے۔

(2) مسئلہ خیر و شر

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی شر نہیں، اُس کی تمام مخلوق خالی از حکمت نہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً[1]
(اے اللہ! تو نے کوئی چیز عبث نہیں بنائی۔)

(3) مسئلہ زمان و مکان

زمانہ بھی اسی کا ہے جو کہ ازل سے ابد تک اسی طرح ہے اور اسی طرح رہے گا۔ ہاں خیر القرون قرنی سے یہ ثابت ہو چکا کہ وہ معاشرہ بہترین تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔

اس کا مکان انسانیت کے اندر ہے۔ لہٰذا یہ متقین کے لیے مشعلِ راہ ہے جو اس کو نہیں اپناتا وہ اُس کی لذت نہیں پاتا۔

(4) مخلوق سے واسطہ

چونکہ تصوف کی رُوح اللہ کے بندوں سے پیار کرنا ہے، اس لیے ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق مان کر اس سے محبت لازم ہے۔ صرف وہی شخص صوفی کہلا سکتا ہے جس کے دل میں مخلوقِ خدا سے پیار ہو۔ جو شخص مخلوق سے محبت رکھتا ہو اور اس کی محبت بھی ہمدردی کی بنا پر ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیوں کر محبت نہ رکھے گا جو کہ خالق اور مالک ہے۔

غرض و غایت

موجودہ مادی دور میں انسان نجات کی راہ میں اگر کوئی گوشۂ عافیت پائے گا تو وہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[2] (خبردار! اطمینانِ قلب خدا کی یاد میں ہی ہے۔) ہی میں پائے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے اولیائے کرام نے

---

[1] پارہ:۴، رکوع:۱۱، سورۃ آلِ عمران، آیۃ:۱۹۱۔ [2] پارہ:۱۳، رکوع:۱۰، سورۃ الرعد، آیۃ:۲۸۔

اللہ کے بندوں کے سامنے رکھا۔

اسلام دینِ فطرت ہے اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِسے دینِ کامل کا نام دیا ہے۔ تصوف اسلام کی حقیقی رُوح کا نام ہے۔ جب مرُورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عمل کی روح کمزور ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے بندوں نے ذکر وفکر صفائی باطن اور تقویٰ کی تعلیم پر زور دیا اور اس کا نام تصوف رکھا۔

تصوف کی ابتدا

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تصوف عجمی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اِس کا نشان تک نہ تھا۔ صحابہ کرام کے دور میں بھی اس کا نام نہیں ملتا۔ پھر یہ کہاں سے وجود میں آیا۔

وہ لوگ ایسا کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شارع تھے، آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ تھی۔ اس لیے اس اصطلاح کی ضرورت پیش نہ آئی۔

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شمع رسالت کے پروانے تھے، اُن کی زندگی اسلام کی صحیح تصویر تھی۔ وہ آپ کی اتباع میں ہی اپنی نجات جانتے تھے اور عملاً اس کا ثبوت دیتے تھے۔

جب خیر القرون قرنی (بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے) ''حدیث'' کا دور گزر گیا۔ صحابہ کرام کے دور میں سلطنت کی حدود وسیع ہوگئیں۔ اسلام عرب سے نکل کر عجم پر بھی محیط ہوا۔ مسلمان قیصر وکسریٰ کے وارث بنے تو عمل برائے نام رہ گیا۔ سیرت طیبہ اور صحابہ کی تعلیم سے انحراف ہونے لگا تو اللہ کے بندوں نے مخلوقِ خدا اور مسلمانوں کو دعوتِ الی الحق دی۔ اسوۂ حسنہ کی مثال عملاً پیش کی۔ دوسروں کو اُسے اپنانے کی تلقین کی، اس دارِ فنا کو عارضی سمجھا اور توشۂ آخرت کو ہمیشہ مقدم رکھا۔

یہی تقویٰ کی منزل ہے۔ صادقین کا شعار ہے، سیرتِ طیبہ اور صحابہ کی زندگیوں کا نچوڑ ہے اور یہی اسلام کی حقیقی رُوح ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (پارہ:۱۱، رکوع ۳، سورہ توبہ، آیت:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور انعام یافتہ لوگوں کی نشاندہی یوں فرمائی:۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ. (پارہ:۵، النساء ۶۹)

اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر، صدیقین پر، شہداء پر اور صالحین پر انعام کیا۔

اس خالص اسلامی طریقِ زندگی اور اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[1] والے سلوک کا نام تصوف ہے۔

---

[1] یعنی ''اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں''۔ پارہ:۲، رکوع:۴، سورۃ البقرہ، آیۃ:۱۶۵۔

تصوف پر لُغوی بحث

بعض محققین نے اسے صوف سے مشتق بتایا ہے اور کہتے ہیں کہ صوفیہ کا لباس موٹا اور کھردرا صُوف کا ہوتا تھا= اس لیے موٹے اور کھردرے لباس پہننے والے کو صُوفی کہا گیا ہے۔

یہ قرینِ قیاس اس لیے نہیں کہ تمام صوفیہ کا لباس صُوف کا نہیں تھا بلکہ صوفیہ میں سے سلاطینِ زمانہ بھی ہو گزرے ہیں۔

بعض فلاسفہ اسے یونانی لفظ ''SOPHIST'' سے لیتے ہیں جو سراسر غلط ہے۔ تصوفِ اسلامی کا اس سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

بعض لوگوں نے اسے اصحابِ صُفّہ کے چبوترہ سے نسبت دی جو کہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ تصوّف کا لفظ عجمی ہے اور صحابہ کرام کے دور کے بعد وجود میں آیا۔ اس لیے صحابہ کرام۔ کے صُفّہ سے اسے نسبت دینا قرینِ قیاس نہیں۔

امام عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفی لفظ صوفانہ سے مشتق ہے جو کہ ایک قسم کی گھاس ہے۔ صوفیاء کی زندگی چونکہ دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی پر مشتمل ہے اور وہ جنگلوں میں زندگی بسر کرنا بہتر سمجھتے ہیں، بدیں وجہ انھیں صوفی کہا جاتا ہے یہ بھی دُرست نہیں کیونکہ صوفیہ سلاطین' بھی ہوئے ہیں جو محلوں میں زندگی بسر کرتے رہے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سب صوفیہ تھے۔

بعض لوگ اِسے صفا سے بتاتے ہیں جو کہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کیونکہ تصوف کا تعلق صفائی باطن سے زیادہ ہے۔

مولانا جامی قدس سرہٗ السامی کے مطابق دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم کو ملا۔ صوفیہ کے طریق کی وضاحت اور تشریح سب سے پہلے حضرت ذوالنون مصریؒ نے کی۔ پھر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقت کو وسعت دی اور اسے ضبطِ تحریر میں لائے۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقت کی باقاعدہ نشر و اشاعت کی۔ یحیٰی بن معاذ نے سب سے پہلے اپنے نام کے ساتھ صوفی لکھا۔

حقیقت اصل میں یہ ہے کہ کائنات اور اُس کی اشیاء کے جاننے کی آرزو انسان کے دل میں ہمیشہ چٹکیاں لیتی رہی ہے۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے اُسے پانے کی کوشش کی ہے۔ کسی نے فلسفی بن کر اس کی حقیقت کو جاننا چاہا۔ کسی نے صوفی بن کر افلاطون، ارسطو اور خیام و رازی کے فلسفے کی مدد سے حقیقتِ کائنات کے ادراک کی کوشش کی۔

حقیقتِ مطلق کا جاننا تو ناممکن ہے۔ ہاں البتہ نفسی کیفیت سے ہم اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ بعض نے اسے ''INTUTION'' اور بعض نے ''عشق'' کا نام دیا ہے۔ اِس عشق اور وجدان کے ذریعے حقیقت کو پانے کی کوشش دنیا بھر میں کی گئی ہے۔

آنا نکہ محیطِ جمع آداب شدند
در کشفِ دقیقہ شمعٔ اصحاب شدند

وہ لوگ جو علم کا سمندر تھے اور تحقیق و تجسس میں شمعٔ اصحاب تھے اس دقیق مسئلہ کو کھولتے رہے اور اپنی ہمت کے مطابق کام کر سکے۔

آغازِ تصوف

تاریخ تصوف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی تصوف کی مذہبی تحریک کا آغاز ہو گیا تھا۔ صوفیہ کرام کے نظریہ کے مطابق تصوف ایک خالص اسلامی تحریک ہے، جو 850ء کے قریب عراق میں ظہور پذیر ہوئی اور وہاں سے ایران پہنچی لہٰذا ایرانی مؤرخین کا یہ خیال غلط ہے کہ تصوف خالص ایرانی تحریک ہے۔ وہ اس کے ثبوت میں مانی کی دینی تعلیم کا حوالہ دیتے ہیں جس نے 215ء میں ساسانی بادشاہ شاہ پور کے زمانہ میں ایران کو ایک نئے مذہب سے رُوشناس کرایا۔

بعض محققین کا کہنا ہے کہ تصوف اہل ہند کے قدیم فلسفہ ویدانت کا پرتو ہے، یہ بھی غلط ہے کیونکہ ویدانت اور مانی کی تعلیم منفی فلسفے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُن کی تعلیم یہ ہے کہ ''دُنیا کو ترک کرو، جسم کو مسلسل ایذائیں دو۔ عالم بالا سے لَو لگانا اس کے بغیر ممکن نہیں۔'' اس کے برعکس تصوف کی حیثیت مثبت فلسفے کی ہے کہ حق کی جستجو کرو۔ نفس کی تربیت کے لیے جدوجہد کرو، دُنیا کے معاشرے میں رہتے ہوئے اہل دُنیا کے حقوق و فرائض پورے کرو۔

تصوف اور اشراقی تعلیم میں مشابہت ضرور ہے لیکن اِسے نوفلاطونیت قرار دے دینا بھی سراسر زیادتی ہے۔ فلسفہ افلاطون یہ ہے:۔

''جو کچھ ہے نفسِ مدرکہ کے اندر ہے، خارج میں کسی چیز کا وجود نہیں نفسِ مدرکہ خارجی مظاہر کو وجود دیتا ہے۔ وجودِ مطلق خدا کی ذات ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ مثالی ہے۔ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا خدا کو جاننا ہو تو اپنے نفس کا مطالعہ کرو۔''

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی اور دورِ حاضر میں حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیا اور اسے اقوام کے لیے زہر قاتل قرار دیا۔

راہب دیرینہ افلاطون حکیم	وہ قدیم راہب افلاطون حکیم
از گروہِ گوسفندان قدیم	پرانی بھیڑوں کے گروہ میں سے ہے
بر تخیل ہائے ما فرمانروا است	جو کہ ہمارے تخیل پر فرمانروا ہے
جامِ اُو خواب آور و گیتی رباست	اس کا فلسفہ خواب آور اور دنیا کو برباد کرنے والا ہے۔

اس کے برعکس تصوف کے اہم نکات یہ ہیں:۔

''خدا حسن مطلق ہے اس کی جُستجو انسان کا مقصود اولین ہے، اس جستجو کے لیے مجاہدۂ نفس اور ریاضت ضروری ہیں۔ صفائی قلب، تزکیۂ نفس، سادگی اور صلح کل اس تحریک کے اجزاء ہیں۔ بلکہ اسلام کے اندر اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوف کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک تصوف کا صرف یہی مفہوم ہے کہ ''اتباع کتاب وسنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسوۂ صحابہؓ کو دلیل راہ بنایا جائے، اوامر ونواہی کی پورے طور پر تعمیل کی جائے۔ قلب کا تعلق ماسوااللہ سے الگ کیا جائے، نفسِ امارہ کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:۔

''تصوف اپنی ابتدا میں کسی فلسفیانہ نظریہ کا نام نہ تھا بلکہ ایک دستور العمل تھا''۔

اسلام تو سراسر ایک پیغامِ عمل ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدمتِ خلق کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔

تصوف اسلام میں شروع سے موجود ہے۔ یہ سچ ہے کہ صوفی اور تصوف کی اصطلاح زمانۂ نبویؐ میں رائج نہیں تھی کیونکہ صحابی کا لقب سب سے زیادہ دقیع تھا۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ، ابو ہاشم کوفی رحمتہ اللہ علیہ، ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ، معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ جیسے لوگ نہ فلسفۂ یونان سے باخبر تھے نہ فلسفۂ اشراق سے۔ وہ تو یادِ خدا اور مطالعہ قرآن میں محو رہتے تھے۔ یہ سب لوگ پابندِ شرع تھے۔ اگر نویں صدی میں اسلامی تصوف کی صورت مسخ ہوگئی تو نہ اُس کی ذمہ داری اُن بزرگوں پر عائد ہوتی ہے اور نہ ہی اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تصوف کا مآخذ بجائے قرآن وحدیث کے وہ غیر اسلامی عناصر ہیں جو اس میں رفتہ رفتہ داخل ہوئے۔

تصوفِ اسلام ان روحانی اور صوفیانہ عناصر کی ارتقائی صورت ہے جو قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہیں جن کی تصریح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے طرزِ عمل سے فرمائی ہے۔ ابن خلدون رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں

''تصوف اُن مذہبی علوم سے ہے جو اسلام کی بدولت ظہور میں آئے صوفیانہ طریقوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے ہمیشہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا''۔

صوفیہ کی زبانی تصوف

ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ ''رسالہ قشیریہ'' میں فرماتے ہیں کہ تصوف صفا سے بنایا گیا ہے اور یہ کدورت (جس کے معنی ''میلا'' ہونا ہے) کی ضد ہے۔ صفا محمود سے ہے اور کدورۃ مذموم۔ اس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے:۔

''دُنیا کی صفائی چلی گئی اور اُس کی میل رہ گئی۔''

جو لوگ شرعی تعلیم سے اور تزکیہ باطن کے ساتھ اس میل اور گندگی کو صاف کر لیتے ہیں۔ ان کو صوفی کہتے ہیں اور جو لوگ علم تصوف کی تربیت حاصل کرتے ہیں، اُن کو ''متصوفہ'' کہتے ہیں۔

ابو محمد جویری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ ''ہر بلند مرتبہ میں داخل ہونے اور ہر خسیس اور گھٹیا چیز سے نکلنے کا نام ہے''۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی آیت شریفہ بھی دلالت کرتی ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (پارہ 15 سورہ بنی اسرائیل آیت 80)

اور یوں عرض کرو اے رب! مجھے حقیقی مقام میں داخل فرما اور مجھے نکلنے کی جگہ سے نکال لے اور میرے لیے ایسی دلیل بنا جو مددگار ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے اوصاف سے مار کر اپنے اوصاف کے ساتھ تجھ کو زندہ کرلے''۔

ایک حدیث شریف بھی اس کی تائید میں پیش ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۴۲۶، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ۔ کراچی)

جس چیز سے انسان کو محبت ہوگی اُسی کے ساتھ اُسے اٹھایا جائے گا۔

حسین بن منصور رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے ''صوفی وہ ہے جو تنہائی پسند ہو اس حد تک نہ ہو کہ اس کو کوئی قبول نہ کرے اور نہ وہ کسی کو پسند کرے''۔

ابوحمزہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''صوفی صادق کی علامت یہ ہے کہ غناء کے بعد محتاج ہو اور عزت کے بعد ذلت کو پسند کرے اور شہرت کے بعد مخفی ہو۔

عمر بن عثمان مکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''صوفی وہ ہے جو ہر وقت میں وہی کام کرے جو اولیٰ و افضل ہے''۔

محمد بن علی قصاب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تصوف اخلاقِ کریمہ کا نام ہے جو کریم وقت میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوں''۔

سمنون رحمتہ اللہ علیہ سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''تو چیز (نفس) کا مالک ہو، تیری مالک کوئی چیز نہ ہو''۔

رویم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تصوف کیا ہے تو اُنھوں نے فرمایا: ''اپنے نفس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز میں چھوڑنا جس کا وہ ارادہ کرتا ہے''۔

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری اتباع کی جائے، آپؐ کے افعال، اوامر اور سنن سب میں''۔

حضرت ابوعلی فضیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر دنیا اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ مجھے دے دی جائے اور اس پر کسی محاسبہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تب بھی میں اسے ایسا ہی ناپاک سمجھوں گا جیسے تم مردار کو ناپاک سمجھتے ہو''۔

بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''او بایزید! تو اپنے پندار انا سے اسی وقت نکل سکتا ہے جب میرے

محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور اس مٹی کو جس پر ان کے نقوشِ پا مرتسم ہیں اپنے لیے سرمۂ چشم قرار دے''۔

ابوسلیمان الدارائی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بھوک یا گرسنگی خزائنِ آخرت کی کلید ہے اور شکم سیری دنیا کی کلید ہے''۔

شہنشاہِ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سلوکِ ما بر جادۂ مصطفویہ ومتابعتِ سنت باشد وحق از باطل متمیز گردد۔

ہمارا سلوک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور اُن کی سنت کی اتباع ہے اور حق کو باطل سے الگ کرتا ہے۔

گزشتہ تعریفات سے اہل علم ایک حد تک تصوف سے متعارف ہو چکے ہوں گے۔ مشائخ صوفیہ کے حالات و سیر سے اور ان کی متداول اصطلاحات سے مسئلہ کا صرف ایک ہی رُخ نظر کے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جانبازوں کا یہ گروہ اپنے خیالات وافکار کے لحاظ سے اُونچا ہے، سیرت کے لحاظ سے بلند ہے اور اس کا زندگی کے بارے میں خاص زاویہ نظر ہے اور ان بزرگوں کی تگ ودو اور توجہات کا مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسلامی تصوف مندرجہ ذیل رجحانات سے ترتیب پاتا ہے۔ یہ عناصر کل چھ ہیں۔

(1) انفرادیت

اس سے مراد خلوت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ راہرو معرفت اپنی تمام تر توجہات کو اللہ تعالیٰ پر مرکوز کر دے۔

(2) تخصیص

اس سے مراد صوفیہ کی امتیازی خصوصیت ہے جس میں اُنھیں مرتبۂ اختصاص حاصل ہوتا ہے۔

(3) اخلاص

اعمال وحسنات میں یہ خوبی تصوف کی جان ہے۔

(4) معرفت

اس کے تین درجے ہیں:

(ا) اپنے گرد وپیش کی جزئیات کا جزوی علم۔

(ب) منطقی قضایا کو ترتیب دینا اور جزئیات سے بطور استقراء کے نتائج مستنبط کرنا۔

(ج) بغیر ترتیب قضایا کے ذہن انسانی پر بعض حقائق کا دفعتہً انکشاف۔

(5) ترجیح آخرت

یہ حضرات آخرت کو اس درجہ اہم، ضروری اور حقیقی سمجھتے ہیں اور اس کے ہجوم و افکار میں اس درجہ مستغرق اور مشغول رہتے ہیں کہ دنیا کی جھوٹی اور عارضی رعنائیوں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور نہ ہی اُن کو دیکھنے کی فرصت ہوتی ہے۔

(6) ترجیح معانی

یہ وہ ہمہ گیر عنصر ہے جو دنیا بھر کے متصوفانہ ادب میں پایا جاتا ہے، اس کا تعلق ان کے مخصوص اندازِ تعبیر سے ہے۔

امامِ ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرّہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو یا اُس کے باطن کو دُنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو''۔

المختصر، تصوف تو یہی کچھ ہے کہ ہر ایک شے کی قیمت بقدرِ جنس ہے دُنیا دار دُنیا کے لیے کتنی محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ یہ گزشتنی ہے۔ اہل آخرت دُنیا کی لذتوں کو اس اُمید پر ترک کرتے ہیں کہ آخرت میں اس سے بڑھ کر نعمت ملے گی۔ جو جاودانی ہے۔ طالبِ حق کو دُنیا اور آخرت دونوں ترک کرنا پڑیں گی۔ بقول حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے — سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
خفتہ دل را یک دمے بیدار کن — صد کتاب و صد ورق در نار کن

تصوفِ اسلامی کے ماخذ

اب قرآن مجید سے وہ آیات دیکھیئے جو تصوف کی تعلیم دیتی ہیں۔ تصوف کا متعلق اور مقصود تقویٰ ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید نے بار بار متقین کی تعریف کی ہے اور اُن کے لیے جزائے خیر اور درجاتِ اعلیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اسی کو بہترین زادِ راہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (پارہ:۲، سورۃ البقرہ، آیۃ:۱۹۷) (بہترین توشہ (آخرت) تقویٰ ہے)۔ متقین کے بارے میں قرآن یوں گویا ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (پارہ:30، سورۃ النبا، آیۃ:۳۱) بے شک متقین کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔

اسی طرح متعدد آیات متقین، صالحین، صادقین اور زاہدین کے بارے میں قرآن مجید میں جابجا ملتی ہیں جو کہ صوفیاء کے احوال کو ظاہر کرتی ہیں۔

صوفیہ ذکر الٰہی کو اول مقام دیتے ہیں یہاں تک کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' اب اس کے تحت قرآنی آیات

ملاحظہ فرمائیں:۔

فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَاتَكْفُرُوْنِ (البقرہ۔152)

تم میرا ذکر کرو میں تمھیں یاد کروں گا میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

صوفیہ، خدا کو شہ رگ سے بھی نزدیک جانتے ہیں جو کہ ایک قرانی حقیقت ہے

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پارہ:26، سورۃ ق، آیۃ:16۔)

ہم شہ رگ سے بھی نزدیک تر ہیں۔

صوفیہ بیعت کرتے ہیں اور اسے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت بتاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (پارہ:26، فتح۔10)

بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

صوفیہ کے نزدیک نیکی وہی قابل قبول ہے جس میں خلوص ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ ط (الِ عمران آیت۔92)

تم ہرگز نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک اس چیز سے خرچ نہ کرو جو تمھیں بہت پسند ہو۔

صوفیہ، توبہ پر زور دیتے ہیں جس کا قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط (پارہ:28، سورۃ تحریم، آیت:8)

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔ یعنی خدا کی بارگاہ میں صاف دل سے جھک کر توبہ کرو۔

صوفیہ دُنیا کو ہیچ جانتے ہیں۔ اس بارے میں قرآنی ارشاد ملاحظہ ہو:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۵ (پارہ:27، سورہ الحدید آیت۔20)

دنیا کی حیاتی سامان دھوکا وفریب ہے۔

صوفیہ لوگ شب بیداری کو اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں ارشادِ ربانی ہے:۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (سورۃ سجدہ، آیت:16)

اُن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (پارہ:15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت:79)

اور رات کو تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے نفع بخش ہے۔

صوفیہ، محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی اصل ایمان جانتے ہیں اور یہ آیت پیش کرتے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پارہ:3، سورۂ آل عمران، آیت:31)

آپ فرما دیں کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اور صوفیہ، درود شریف کو اپنا حرزِ جان بناتے ہیں اور یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ:22، سورۃ الاحزاب، آیت:56)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

تصوف کا دوسرا ماخذ حدیث شریف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معرفتِ نفس کے بارے میں فرمایا:

من عرف نفسه فقد عرف ربه.

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

ذکر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَایَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًامِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.[1]

اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو ہمیشہ تر رکھو۔

ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ذکر خفی کو ترجیح دی۔ حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

خیر الذکر الخُفی

بہترین ذکر، ذکرِ خفی ہے۔

ذکر سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الذکر خیر من الصدقة

ذکر صدقہ سے بھی بہتر ہے۔

نماز کے بارے میں فرمودۂ رسولِ انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں ہے۔

الصلوة عماد الدین من اقامها فاقام الدین ومن هدمها فقد هدم الدین

نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا جس نے اسے گرادیا اس نے دین کو ختم کردیا۔

باہمی احترام کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده . (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمانصفحہ۱۲، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

تقویٰ، عبادات، حقوق العباد، آخرت اور توبہ کے بارے میں کتب احادیث میں کئی ابواب ملتے ہیں۔ شیخ

[1] مشکوٰۃ شریف، باب ذکر اللہ عزوجل فصل ثالث، صفحہ 198، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

''جس کسی نے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ کے خلاف راستہ اپنایا وہ کبھی بھی منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باونہ رسیدی تمام بو لہبی است

''اپنے آپ کی رسائی بارگاہِ مصطفوی تک کر کیونکہ اُن کی ذات مقدس ہی تمام دین ہے۔ اگر تو ایسا نہ کر سکا تو تُو ابولہب کی طرح ہے۔''

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

تصوف چیست؟

(حکیم امین الدین احمد۔۔۔شاد باغ لاہور)

حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ اعتقاداتِ صحیحہ اور فرائض وسنن کی پابندی کے ساتھ تمام اخلاق رذیلہ سے علیحدہ ہونے اور جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف ہونے کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام تعلقات سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہنے کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت مرتعش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقائق ومعارف کو حاصل کرنے اور اہلِ دنیا سے کلیتہً نااُمید ہو جانے کا نام تصوف ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفس کو لوازم عبودیت کی مشق کرنا ہی تصوف ہے۔

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے نہایت مختصر الفاظ میں تصوف کی یہ تعریف کی ہے کہ اخلاقِ حسنہ کا نام تصوف ہے۔

ابوحفص حداد نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ظاہر وباطن میں آدابِ شرعیہ کے ساتھ قائم ہونے کو تصوف کہتے ہیں۔ اس طرح کہ ان کا اثر ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر پر پہنچ جائے۔

حضرت بشر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق برتنے اور مخلوقات کے ساتھ خلق برتنے کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اخلاق ومعاملات کو مہذب بنانے اور اپنے باطن کو شرک وکفر کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک کرنے کا نام تصوف ہے۔

لفظ صوفی کے ماخذ کے متعلق بھی مختلف اولیاء کرام کے نظریات مختلف ہیں۔ چنانچہ بشر بن الحارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی خاطر پاک وصاف ہو''۔ بعض کا قول ہے کہ انھیں ''صوفی'' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ خدائے عزوجل کے حضور میں پہلی صف میں ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو ''صوفی'' اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اُن کے اوصاف اُن اہل صفہ کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں۔ جو عہدِ رسالت میں تھے۔

کسی نے اس کو صفا سے مشتق کہا ہے تو کسی نے اس کا تعلق یونانی لفظ ''سُوف'' سے قائم کیا ہے جس کے معنی ''عرفان'' کے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اور اس رائے سے ابن خلدون بھی متفق ہیں کہ انھیں صوف پہننے کی وجہ سے صوفی کہا

گیا ہے چونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُون کی موٹی کھردری کملی اوڑھتے تھے۔ اس لیے عاشقانِ رسول انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی لباس کو اختیار کیا۔

لفظ صوفی اور تصوف کی اصطلاح کی تاریخ کے متعلق بھی اقوال مختلف ہیں اگرچہ بعض کا قول ہے کہ اسلام میں تصوف ایک زائیدہ لفظ ہے اور صوفی کا لقب اہل بغداد کی ایجاد ہے۔

مگر علامہ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطّوسی رحمتہ اللہ علیہ اس لقب کو اہل بغداد کی ایجاد نہیں سمجھتے بلکہ اُن کو نہایت قدیم زمانہ میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ موصوف اپنی تصنیف منیف ''کتاب اللمع'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ نام مشہور تھا جنھوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جماعت کا زمانہ پایا تھا۔ موصوف یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ میں نے طواف میں ایک صوفی کو دیکھا اور اُن کو کچھ دینا چاہا مگر انھوں نے نہیں لیا۔ نیز موصوف بیان کرتے ہیں کہ ایک کتاب میں جس میں اخبار مکہ جمع کیے گئے ہیں۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں سے یہ روایت ہے کہ اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا' یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا۔ اس وقت کسی دُور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا۔ اور اس کی طرف اہل اصلاح منسوب کیے جاتے تھے۔ لیکن جہاں تک تاریخی روائیتوں سے ثابت ہے، اسلام میں سب سے پہلے ابوہاشم صوفی کو یہ خطاب ملا جنھوں نے 150ھ میں وفات پائی۔

امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کے علاوہ اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ شرفِ صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا''۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صحبت کو وہ عظمت اور خصوصیت حاصل ہے کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی اُس کو کوئی دوسرا خطاب جو اس سے بھی بڑھ کر ہو، نہیں دیا جا سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، زہاد، عُباد متوکلین فقراء، صوفیاء، اہل رضا، اہل صبر اور اہل تواضع کے امام ہیں اور اُن کو یہ رُتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ اس لیے زمانۂ باسعادت میں مومن کے لیے کوئی لفظ ''صحابی'' سے زیادہ افضل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے افاضل اسی لقب سے موسوم ہوئے۔ اس کے بعد ان صحابیوں سے صحبت یافتہ حضرات کے لیے ''تابعین کی اصطلاح وضع ہوئی اور اُن کی صحبت پانے والے ''تبع تابعین'' کہلائے۔

اس کے بعد جب اُمت زیادہ پھیلی تو بزرگان دین زاہد اور عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد وعبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو تھا۔ یہاں تک کہ اہل بدعت کو بھی تھا۔ اُس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رہتا تھا۔ اپنے لیے ''اہل تصوف'' کی اصطلاح قائم کی اور صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔

لیکن بعض تنگ نظر حضرات زمانہ باسعادت کے بعد ہونے کی وجہ سے اس طریقہ کو بدعت کہتے ہیں۔ اس

اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:

''اگر تصوف، صوفی اور دوسری اصطلاحات، بدعت کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے بدعت ہی میں داخل سمجھی جائیں تو پھر تفسیر، اصول تفسیر فقہ، اصولِ فقہ و کلام کے آج جو ماشاء اللہ دفتر کے دفتر موجود ہیں عہد رسالت میں یہ کہاں تھے اور سب کو جانے دیجیے براہ راست سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو لیجیے آج حدیث کے متون ہی کا کتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ پھر ان کی شرحیں ہیں۔ ان کی تسہیل کے لیے مستقل لغات ہیں۔ رجال کا ایک مستقل فن ہے۔ احادیث کے جانچنے پرکھنے، روایت و درائت کے قانون اور ضابطے ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں مصطلحاتِ فن ہیں، ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں یہ کچھ بھی نہ تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادہ اور معمولی روزمرہ کی گفتگو حدیث تھی اور آپ کا ہر چھوٹا بڑا عمل سنت۔ تو کیا اب کوئی اس بنا پر حضرات محدثین کی ساری کاوشوں اور کوشش کو بدعت کہہ دینے کی جرأت کرے گا؟

اسی طرح حضرات فقہا کی ساری مُوشگافیاں، قیاس و اجماع کی بحثیں استقراء اور استنباط کا عقیدہ' اجتہاد کے مسائل، عبارت و اشارت اور دلالت النص کی قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں دورِ نبویؐ میں کہاں تھیں اور کیسے ہو سکتی تھیں۔ تو کیا بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ کی طرح ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شافعی، مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم نخعی رحمۃ اللہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی جانفشانیوں کو بھی ضائع قرار دینے اور بدعت کے حکم میں لانے کی جرأت کر کے شریعت ہی کے بہت بڑے حصے سے انکار دیا جائے گا؟ اور تو اور خود قرآن مجید اس مکتوبی شکل میں اعراب و علامات وقف سے مزین پاروں، سورتوں، رکوعوں اور آیتوں کے ساتھ مدون عہد رسالت میں یکجا کہاں موجود تھا؟''

آگے چل کر مولانا عبدالماجد دریا آبادی مزید فرماتے ہیں:

''غرض یہ کہ جو حال فقہ کا ہے، حدیث کا ہے، تفسیر کا ہے، جملہ علومِ ظاہری شرعی کا ہے کچھ ایسا ہی حال علومِ باطن یعنی سلوک و تصوف کا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بے شک نہ لفظ تصوف رائج تھا نہ صوفی اور نہ ذکر و شغل، حال و مقام، مکاشفہ اور مراقبہ کی وہ سینکڑوں اصطلاحیں مروج تھیں جن سے آج کتب فن بسر یز ہیں۔ لیکن خود مرشد اور شیخ اور بیعت و مسترشد بھی اس اصطلاحی معنی میں ناپید تھے۔ لیکن اس اصطلاحی معنی میں خود فنِ حدیث ہی کہاں موجود تھا نہ کوئی اسماء الرجال کے نام سے آشنا تھا۔ نہ جرح و تعدیل کے اصول و ضوابط سے، نہ ضعیف اور موضوع اور متواتر اور مشہور اور صحیح اور حسن کی اصطلاحیں مقرر ہوئی تھیں، نہ کسی دماغ میں مدلس اور

طبقات المداسین کا مفہوم تھا۔

لیکن اگر لفظ واصطلاح کی بحث سے گزر کر نفس حقیقت اور اصل مغز تک پہنچنا مقصود ہے۔تو جس طرح صحابی رضی اللہ عنہ یا بزم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ اور دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر باش اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے درجۂ ظرف اور بساط واستعداد کے موافق مفسر تھا، محدث تھا فقیہ تھا، متکلم تھا۔اسی طرح اور اسی نسبت سے صوفی وسالک بھی تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مریدین ومسترشدین تھے اور اُن سب کے شیخ اور مرشد وہی جو ساری دنیا کے لیے معلم و مزکی ومطہر ہو کر آئے تھے۔''

بہرحال لُغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے لحاظ سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے ملتا ہو، اس میں شکل نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم جزو ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے۔

یہ تو اس دور کی سنت ہے جب سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اس غارِ حرا میں تصوف کا جو مقدس پودا لگایا گیا تھا وہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متبرک تعلیمات کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا اور ایک تناور درخت بن کر صبر وشکر، عزیمت واستقامت اخلاصِ نیت، اطاعت الٰہی اور اتباع سنت کی صورت میں برگ وبار لایا اور اس عظیم الشان درخت کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کو سکونِ دل اور اطمینانِ قلبی میسر آیا۔

تصوف کے معنی تزکیۂ نفس اور جلائے قلب کے ہیں اور اگر کلامِ پاک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی نفوسِ انسانی کا تزکیہ ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے جو دُعا فرمائی اس کا مقصد بھی یہی بیان فرمایا:

''اے رب ہمارے تُو اُن میں اُنھی میں سے ایک رسول بھیج جو کہ اُن کو تیری آئتیں پڑھ کر سنائے اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے۔بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'

اس کے بعد جب حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے تو اس کی غرض وغائیت بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمائی۔

''جیسا کہ ہم نے تُم میں ایک رسول تمھی میں سے بھیجا جو تُم کو ہماری آیتیں سناتا ہے اور تمہارا تزکیۂ نفس کرتا ہے۔''

اسی طرح سورۂ جمعہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض وغایت بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے

حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ان الفاظ پر احسان کا اظہار فرمایا ہے:

''وہ خدا ہے جس نے اُمیوں یعنی بنی اسماعیل میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آئتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کا تزکیہ کرتے ہیں۔''

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا اصل مدعا اس چیز کو قرار دیا گیا ہے:

''یعنی فرعون کے پاس جاؤ' وہ سرکش ہو گیا ہے اور اُس سے کہو کہ ہے تیرے اندر کچھ رغبت کہ تو تزکیہ حاصل کرے۔''

نیز قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ آخرت میں انسان کی نجات و فلاح کا انحصار تزکیۂ نفس پر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اُس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کی گندگیوں پر پردہ ڈالا۔''

اسی طرح دوسری جگہ فرمانِ خداوندی ہے:۔

''اس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔''

اسی تزکیۂ نفس کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

''خبردار! انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر اس کی اصلاح ہو گئی تو تمام جسم کی اصلاح ہو گئی۔ اگر وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور خبردار! وہ لوتھڑا قلب (دل) ہے۔''

یہ حدیث پاک بتاتی ہے کہ انسان کی اصلاح دل کی پاکی سے ہوتی ہے اور دل کی پاکی اللہ تعالیٰ کی ہدایتوں پر اسوۂ حسنہ کی روشنی میں عمل سے ہوتی ہے اور دل کی پاکی یہ ہے کہ مومن کی ہر حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو۔

عبادت کا یہی جامع مفہوم ہے کہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بسر کی جائے اور اصل میں عبادت کا مقصد بھی تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور اُن لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ اور احادیث پاک سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ تزکیۂ نفس جو تصوف کی اصل اور روح ہے۔ یہی تمام دینِ شریعت کی غایت اور تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا حقیقی مقصود ہے۔ اور دین میں جو اہمیت اس چیز کو حاصل ہے وہ کسی اور چیز کو میسر نہیں۔ دوسری چیزیں ذرائع اور وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ چیز غایت و مقصد کی

حیثیت کی حامل ہے۔

دوسرے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصوف کہیں یا تزکیہ نفس اس کا سرچشمہ اور منبع ومصدر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کی تعلیم سے تزکیہ کا آغاز ہوتا ہے اور پھر اسی کے حقائق اور دقائق اور اسرار ورموز ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اور وسیلہ سے واضح ہو کر تزکیہ کی تکمیل کرتے ہیں۔

شیخ سراج اپنی کتاب ''کتاب اللمع'' میں ظاہری اور باطنی علوم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ جب تک اس (علم) کا تعلق زبان واعضاء سے ہوتا ہے اسے علم ظاہر سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا نام شریعت ہے۔ مثلاً عبادات میں' طہارت' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض اور قصاص وغیرہ۔ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہے تو اس کو علم باطن کہتے ہیں یا طریقت سے موسوم کرتے ہیں یہاں عبادات واحکام کی بجائے مقامات واحوال کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ مثلاً تصدیق، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت اور عشق وغیرہ اور اس تفریق دوگانہ کی سند قرآن مجید سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ
(پارہ:21، لقمٰن:20)

اس نے اپنی تمام نعمتیں تم پر پوری کر دیں ظاہر بھی اور باطن بھی۔

مندرجہ ذیل حدیث شریف سے طریقِ تصوف کی اصل ثابت ہے۔ حدیثِ جبرائیل علیہ السلام جو بخاری اور مسلم کی روایت سے مشکوٰۃ کے شروع میں کتاب الایمان میں منقول ہے۔ جس کے مبارک الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ.

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان، فصل اول، حدیث اوّل صفحہ ۱۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت عمر ابن الخطاب فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ ناگاہ ایک شخص مسافرانہ شکل میں بڑے سفید کپڑوں والا آیا اس نے ایمان اور اسلام کی بابت سوال کر کے یہ سوال کیا۔ یا حضرت! احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تُو اللہ کی عبادت اس طرح کیا کر گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو کم از کم یہ بات ذہن نشین رکھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

عالمِ علوم دینیہ شہنشاہِ باطن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جنھیں اگر صوفیہ کرام اپنے سر کا تاج سمجھتے ہیں تو علماء عظام، مایہ ناز اور فخر علماء مانتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

''شریعت اور حقیقت بالکل ایک ہی ہیں۔ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے اور استدلال اور کشف کا ہے۔یعنی جو بات ظاہری علوم شرعیہ میں بالا جمال اور بالاستدلال ملتی ہے وہی طریقت میں باتفصیل اور مشاہدہ سے نظر آتی ہے۔'' (جلد اوّل مکتوب 84)

ایک شخص نے حضرت خواجہ، خواجگان شاہِ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سیر وسلوک یعنی تصوف سے کیا مطلب ہے۔آپ نے ارشاد کیا کہ ''اجمالی معرفت تفصیلی ہوجائے اور جو امر عقلی یا نقلی دلیل سے سمجھا جائے وہ کشفی طور سے مشاہدہ میں آجائے۔''

ایک دوسرے مقام پر شاہِ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''درمیانِ علماء اور صوفیہ کے صرف اتنا ہی فرق ہے کہ علماء استدلالاً اور علماً جانتے ہیں اور صوفیہ کشفاً اور ذوقاً پاتے ہیں یعنی از روئے کشف وذوق کے اس کی حالت کو پالیتے ہیں۔''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''ہمارا سارا طریقہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند ہے جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم نہیں اُس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں۔اس لیے کہ ہمارے اس سارے علم سلوک کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں۔''

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں۔

''تصوف نام ہے قولاً فعلاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور اس پر مداومت سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہوجاتے ہیں، حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور ہر شے میں اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اُن سے محبت کرنے لگتا ہے۔''

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی ہوکر حق میں زندہ وباقی ہو اور مادیت سے گر کر حقیقت تک رسائی حاصل کرچکا ہو۔''

حضرت شیخ سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''صوفیہ کی اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ان کا مطلوب ومقصود تمام تر اللہ ہی ہوتا ہے۔ماسویٰ اللہ اور لایعنی مشغلوں سے انھیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔اس کا لازمی اثر اُن کی عملی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ قناعت کو اپنا شیوہ بنالیتے ہیں۔اللہ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں۔نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوصِ نیت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہیں۔بلاءِ الٰہی پر راضی رہتے ہیں اور اُس کو یاد رکھتے ہیں مجاہدہ اور مخالفتِ خواہش نفس میں مشغول رہتے ہیں اور اس بات کو یاد رکھتے ہیں کہ کلامِ

پاک میں نفس کو ''اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ'' (برائی کا حکم دینے والا۔ پارہ:۱۳،سورۃ یوسف،آیۃ:53) سے تعبیر کیا گیا ہے۔''

مشہور صوفی حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''تمام علوم میں سے میں نے چار چیزوں کا علم حاصل کرلیا ہے اور باقی علوم سے بے نیاز ہوگیا ہوں۔ اوّل یہ کہ رزق کی ایک مقدار مقسوم ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے میں اضافہ کی طلب گاری سے نجات پا گیا۔ دوسرے یہ کہ خدا کی جانب سے میرے ذمہ فرض ہے کسی اور پر نہیں۔ اس لیے اس کی ادائیگی میں مشغول ہوگیا ہوں۔ تیسرے یہ کہ میرے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے جس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں ہے اس لیے اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا ہوں۔ چوتھے یہ کہ خدا میرے حال کو دیکھتا ہے اس لیے اُس سے شرم کرتا اور ممنوعات سے بچتا رہتا ہوں۔''

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو خواہشات پیدا نہیں ہوتیں۔ آپ نے فرمایا کہ ''میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات ہونے تک دن خیر سے گزر جائے۔'' لوگوں نے کہا کہ دن تو خیریت سے گزرتے ہی رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ''میں خیریت اُسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو۔''

شریعت کی تعلیم کے ساتھ تزکیۂ نفس (سلوک و معرفت) کی تعلیم بھی نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ اسی بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو تزکیہء نفس کی خاص طور پر تعلیم کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ مسجد نبوی سے متصل ایک وسیع دالان اس کام کے لیے مخصوص فرمایا گیا اور چند وہ لوگ منتخب کئے گئے جن میں ذوقِ سلیم بھی تھا اور یہ جماعت درسِ قرآن کے ساتھ اصلاحِ باطن میں مصروف ہوئی۔ جو لوگ قران مجید کو حفظ کر لیتے اور کتاب اللہ کے مطالب و حقائق کو آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری طرح سمجھ لیتے اور مجاہدات و ریاضت کے مراحل کو طے کر کے تعلیمات اسلامی کا کامل نمونہ بن جاتے وہ اصحابِ صُفّہ کہلاتے تھے۔۔۔۔ زمانہ باسعادت میں چار سو اصحابِ صُفّہ نے فراغت حاصل کی اُن میں سے اکثر کی میزبانی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ اور بعض اصحابِ ثروت و استطاعت بھی اُن کی ضیافت کیا کرتے تھے۔ انھی اصحابِ صُفّہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سپرد یہ کام تھا کہ جو امداد ان لوگوں کے لیے آتی اُس کی حفاظت اور مناسب تقسیم کا انتظام فرماتے۔

اصحاب صُفّہ کی زندگی عبادت، تعلیم قرآن و حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کرنے کے لیے وقف تھی اُن کا سرمایۂ حیات، صبر و توکل عزتِ نفس، ریاضت و مجاہدہ اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو جانا تھا۔ اس خوش قسمتی کا کیا کہنا کہ اپنا بہت زیادہ وقت اُس نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گزارتے تھے۔

امام ابوبکر بن ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ انھی اصحابِ صُفّہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

''یہ لوگ بہ ظاہر اجسام ہیں مگر روحانی ہیں، زمین پر ہیں مگر آسمانی ہیں، یہ مخلوق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ربانی ہیں، خاموش ہیں مگر سب کچھ دیکھتے ہیں۔ غائب ہیں مگر بارگاہ رب العزّت میں حاضر ہیں۔ ان کے باطن صاف ہیں، صاحب صفا ہیں، صوفی ہیں، نوری ہیں، برگزیدہ ہیں اور مخلوق میں اللہ کی امانت ہیں۔ یہی لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اُن کے اہل صُفّہ تھے اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی امت کے بہترین لوگ۔''

اکثر اہل صُفّہ اُون کا لباس پہنتے تھے، اسی لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ ''صوف'' کی طرف نسبت سے اُن کو صوفیہ کہا گیا۔ پھر جس نے بھی اصحابِ صُفّہ کی روش اختیار کی اُس کو صوفی کہا جانے لگا۔ تصوف کے علم وعمل کو اس لیے اختیار کیا گیا کہ اس سے نفس میں تزکیہ اور قلب میں جلا پیدا ہوتی ہے اور اخلاق حمیدہ عالیہ مثلاً ارادہ ونیت اخلاص، اُنس، تبلیغ، تفکر، تفویض، تقویٰ، تواضع، توحید، توکل، خشوع، خوف، دُعا، رجا، رضا، زہد، شکر، شوق، صبر، صدق اور محبت کی حقیقتوں سے آگاہی اور اخلاقِ ذمیمہ رذیلہ مثلاً آفاتِ لسان، کذب، غیبت، اسراف، بخل، بغض، تکبر، حُبّ جاہ، حُبّ دُنیا، حرص، حسد، ریا، شہوت، عجب اور غضب سے نجات حاصل ہوتی ہے اور یہ مقاصد نہ تو صرف تفسیر وحدیث پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں اور نہ رسمی طور پر اوامر ونواہی کی پابندی سے میسر آسکتے ہیں۔

یہ مقصد کسی شیخ کامل کی صحبت اور اُس کی رشد وہدایت ہی سے حاصل ہوتا ہے جب ایک سالک تمام آدابِ سلوک کا عملی طور پر پابند ہو کر مجاہدہ اور ریاضت میں اپنی عمر کا ایک حصہ صرف کرتا ہے تو شیخ طریقت کے فیضان سے اس کا دل مزکی ہو جاتا ہے اور اسرارِ غیب اس پر منکشف ہوتے اور زبان حقائقِ علیہ کی ترجمانی کرتی ہے۔

صاحبِ کتاب اللمع لکھتے ہیں کہ

''قرآن مجید کے الفاظ' مقربون' صادقین' متوکلین' مخلصین ' سارعین' الی الخیرات، اولیاء ابرار اور شاہدین سے ''صوفیہ'' ہی مراد ہیں۔ اور اہل طریقت کی حقانیت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جناب خضر علیہ السلام سے یوں مستدعی ہونا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. (پارہ:15، سورۃ الکھف، آیۃ:66)

آیا میں آپ کی پیروی کروں اس شرط پر کہ آپ اپنے خداداد علم سے مجھے اصلاح وتقویٰ کی تعلیم دیں۔

کسی دنیاوی غرض پر مبنی نہ تھا۔ لہٰذا جس طرح علم شریعت کا حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح علم حقیقت ومعرفت کا حاصل کرنا بھی فرض ہے۔

صوفیہ اور اولیاء اللہ، ابدال واقطاب کا وجود موجبِ برکات اور وسیلۂ نجات از عذاب ہونا مندرجہ ذیل حدیث پاک سے ثابت ہے۔

''شریح بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رُوبرُو اہل شام کا ذکر آیا۔ کسی نے کہا، اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجیے۔ فرمایا! نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

سنا ہے، فرماتے تھے کہ ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء کی) شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص اُن میں سے مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی جگہ دوسرا شخص بدل دیتا ہے۔ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اور اُن کی دعا و برکت سے اہل شام سے عذاب ہٹ جاتا ہے۔'' (رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف)

نوٹ!

ملفوظات و مکتوباتِ صوفیہ میں ابدال اقطاب، اوتاد و غوث وغیرہم الفاظ اور اُن کے مدلولات کے صفات و برکات و تصرفات پائے جاتے ہیں۔حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے۔ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم و معلوم ہے۔ برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفاتِ تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

تصوف چیست! اخلاق است واحساں — تصوف بس ہمیں است و دگر ہیچ
تصوف چیست! عشق است و محبت — علاجِ بُغض و کینہ است و دگر ہیچ
تصوف چیست! اطمینانِ قلب است — کہ ایں ہم جزوِ دین است و دگر ہیچ
تصوف چیست! جمع خاطرِ تو — کہ دینِ احمدؐ ایں است و دگر ہیچ
تصوف چیست! فکرِ عرش پیما — نگاہِ دُور بین است و دگر ہیچ
تصوف دُوری از وہم و گمان است — تصوف دریقین است و دگر ہیچ
بحفظِ حُرمتِ دین جاں سُپر دن — تصوف خود چنیں است و دگر ہیچ
تصوف راہِ ایمان است و توحید — کہ این دینِ متین است و دگر ہیچ
تصوف راہ ہموار است و روشن — رہِ خلدِ بریں است و دگر ہیچ
شنید ستم کہ وجدِ صُوف پوشاں — زوجدِ ذوقِ دین است و دگر ہیچ

تصوف نیست چیزے جُز شریعت
ہمیں شرعِ مبیں است و دگر ہیچ

تصوف اور معرفت ایسا بحرِ ذخار اور بے پایاں سمندر ہے جس کا کوئی حد وحساب نہیں ہے۔اگر دفتر کے دفتر اس موضوع پر لکھے جائیں تو بھی یہ موضوع تشنۂ تکمیل رہے گا۔بس مختصر یہ ہے کہ اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے اور اوامر و نواہی کے تحقیق اور اُن کی روشنی میں ضمیر کی صفائی' اخلاق کی تطہیر نفس کے تزکیہ کا نام طریقت ہے اور ماسویٰ اللہ سے منقطع ہو کر روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے۔اس طرح شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا. (پارہ:15، سورۃ الکھف، آیۃ:10)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے کام میں ہمارے لئے راہ یابی کے سامان کر۔

تصوف، اسلام کی فکری و عملی تحریک

(جی اے حق محمد ایم، اے ——— اسلام آباد)

تصوف، اسلام کی فکری و عملی تحریک ہے جس کے مبلغین دُنیا کے ہر گوشے میں پہنچے۔ گھر بار کو خیر باد کہا، اہل و عیال کو چھوڑا، شہر شہر قریہ قریہ اسلام کے پیغام، امن و سلامتی کا پرچم لہرایا اور سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی خوشخبری **بدأ الاسلام غریبا سیعود غریبا فطوبی للغربا** کا مصداق بنے۔ ہر پودا جب پھوٹتا ہے تو اس کی کئی شاخیں نکلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کے بھی کئی سلسلے پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ سلسلہ صاحب صدق وصفا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے توسط سے ہادیٔ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ میں اپنے اس مختصر مقالے میں تصوف کی لغوی تحقیق اور اُس کے آغاز پر کچھ معروضات پیش کروں گا۔

لفظ تصوف اور صوفی کی لغوی تحقیق

مختلف اہل قلم اور صاحب علم لوگوں نے اس مسئلہ میں نکتہ آفرینی کی ہے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق اُس کی تشریح کی ہے بعض مفکرین کی رائے ہے کہ صوفی کا لفظ صوفانہ سے مشتق ہے۔ صوفانہ ملائم اور باریک گھاس کو کہتے ہیں۔ چونکہ صوفیہ جنگل کی زندگی کو اپناتے ہوئے اس گھاس پر گزر اوقات کرتے ہیں، اس لیے صوفیاء کہلاتے ہیں مگر اس خیال کو دوسرے محققین نے یوں رد کیا ہے کہ اگر صوفانہ سے مشتق ہوتا تو صوفانی ہوتا نہ کہ صوفی اور اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ صوفیا نے تبلیغ اسلام کے لیے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ ترکِ دُنیا کبھی اُن کا شیوہ نہیں رہا۔ اُنھوں نے ہندو جوگیوں کی طرح جنگلات یا مسیحی راہبوں کی طرح پہاڑوں کی غاروں کو ٹھکانا نہیں بنایا کیونکہ اس طرح وہ تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام نہ دے سکتے تھے۔

کچھ لوگ اس کی نسبت صوفۃ القفا کی طرف کرتے ہیں صوفۃ القفاسر کے پچھلے حصے پر اُگے ہوئے لمبے بالوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ یہ بال رکھتے تھے، اس لیے صوفیاء کہلانے لگے مگر یہ خیال بھی محض خیال ہے کیونکہ محض لمبے بالوں کو تصوف کا امتیاز نہیں کہا جاسکتا۔ جس طرح عوام الناس داڑھی والے کو صوفی کہہ دیتے ہیں، چاہے وہ تصوف کی ابجد سے بھی ناآشنا ہو۔ اس لیے ایک عالم اور محقق اس کو دلیل نہیں بنا سکتا۔ تصوف کا تعلق محض لمبے بالوں سے نہیں ہے۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ یہ لفظ صف سے مشتق ہے چونکہ یہ لوگ دل کی نورانیت اور عمل صالح کے معاملے میں صفِ اوّل میں ہوتے ہیں اس لیے صوفی کہلاتے ہیں مگر یہ نسبت بھی درست نہیں ہے' کیونکہ عمل صالح میں صف اوّل میں رہنے والے محض صفِ اوّل کی وجہ سے صوفی کہلانے لگے ہیں تو عملِ بد صفِ اوّل کے لوگ بھی صفِ اوّل کی نسبت سے

صوفی کہلائیں گے مگر ایسا نہیں ہے۔تاہم اس تاویل کو کلیتہً غلط قرار نہیں دے سکتے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ لفظ صوف (اُون) سے مشتق ہے۔اس جماعت میں علامتہ ابن تیمیہ، قاسم غنی، ڈاکٹر کامل مصطفیٰ الشیبی اور غیر مسلم مستشرقین شامل ہیں۔ نیز ابونصر عبداللہ بن علی السراج طوسی کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ لوگ ادنیٰ لباس پہنتے تھے جو انبیاء اور صدیقین کا لباس ہے۔اس لیے صوفی کہلاتے تھے۔وہ مزید کہتے ہیں کہ محدث وہ ہوتے ہیں جو حدیث میں ماہر ہوں، فقیہ وہ ہوتے ہیں جو فقہ میں ماہر ہوں مگر صوفیاء تمام علوم میں ماہر ہوتے ہیں وہ کسی اہل علم کے ساتھ منسوب نہیں کیے جاسکتے، اس لیے اُن کی خصوصیت اور امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لیے اُن کے ظاہری لباس کو اُن کا امتیاز ٹھہرایا گیا اور وہ صوفی کہلائے۔ یہ استدلال بھی کچھ عجیب سا لگتا ہے اُنھیں امتیاز تو اُن کی علمی اور ذہنی و فکری حیثیت سے حاصل ہوا مگر نام رکھتے وقت اس امتیاز کی بجائے ایسی چیز کو—— مابہ الامتیاز تصور کرلیا گیا جو ہر چھوٹا بڑا استعمال کرتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے زمانے میں جب کہ لاکھوں جدتیں پیدا ہوچکی ہیں، روئے زمین پر کروڑوں انسان ایسے ہیں جو موٹا لباس پہنتے ہیں آج سے سینکڑوں سال قبل نہ جانے اس کا تناسب کیا ہوگا، ایسی حالت میں محض موٹے لباس کو صوفیاء کا مابہ الامتیاز قرار دینا کچھ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر زکی مبارک نقل کرتے ہیں کہ ایک صوفی ابوحسین بن سمعون سے کہا گیا کہ آپ لوگوں کو زُہد وتقویٰ کی طرف بلاتے ہیں مگر خود بہترین کپڑے پہنتے ہیں اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو اُنھوں نے یہی جواب دیا کہ اصل بات معرفتِ حق اور خلوصِ باطن کے ساتھ عمل صالح ہے۔اگر یہ مقصد اچھے لباس پہننے اور عمدہ طعام سے حاصل ہوجاتا ہو تو کیا ہرج ہے۔

ڈاکٹر کامل مصطفیٰ الشیبی کا کہنا ہے کہ اسکندریہ (مصر) میں سب سے پہلے جس نے صوفی کا لقب پایا وہ ابوعبداللہ الصوفی الناثر الاندلسیؒ ہے مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ اُس نے صوف پہنا ہو۔ڈاکٹر شیبی کا خیال ہے کہ صرف کوفہ میں ایک جماعت پیدا ہوگئی تھی جس نے صوف پہننا اپنا شعار بنالیا تھا اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ کوفہ دارالخلافہ تھا۔خلفاء بہترین ریشمی لباس پہنتے تھے۔اُن کے خدام نانبائی تک ریشمی لباس پہننے لگے تھے۔اس لیے ردعمل کے طور پر عبادت گزار لوگوں میں صوف پہننے کا رواج ہوگیا۔شیخ نورالدین مالکی ابن الصباغؒ لکھتے ہیں کہ امامِ رضاؒ ایک بار نیشاپور گئے تو یہیں اُن کو ایک جماعت ملی جس نے موٹا کپڑا پہننا اپنا شعار بنا رکھا تھا۔وہ جماعت امام رضا کے پاس آئی اور کہا کہ امامت ایسے شخص کی محتاج ہے جو موٹا کھائے اور موٹا پہنے۔

ان شواہد سے ہم یہ فیصلہ نہیں دے سکتے کہ صوف اہل اللہ کا امتیازی نشان تھا یا تصوف کے لیے صوف کا استعمال ہی بنیادی چیز ہے کیونکہ خود امام رضاؒ نے اس جماعت کے اس اندازِ فکر کو رد کیا اور کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کے بیٹے تھے مگر انھوں نے اعلیٰ لباس پہنا اور بادشاہوں کے تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کی۔اللہ نے قطعاً یہ چیزیں حرام نہیں کیں بلکہ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. (پارہ نمبر 8 سورۃ الاعراف آیت 32)

پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو حرام کس نے کیا ہے۔

صوفیاء میں سے بعض بزرگوں نے اگرچہ موٹے لباس کو اپنایا مگر یہ خصوصی علامت کے طور پر رائج نہیں رہا بلکہ اکثر صوفیاء نے پوری پوری زندگی عام مسلمان شہریوں کی طرح گزاری اور تبلیغ اسلام و اصلاحِ معاشرہ کے فرائض سرانجام دیے۔

بعض مستشرقین مثلاً دون ہامر VON-HOMMER نے محض آوازِ تلفظ کی مشابہت سے لفظ صوفی کا اصل یونانی لفظ ''سوفیا'' قرار دیا ہے اور تصوف کا اصل ''تھوسوفیا'' بتلایا ہے۔ سوف کے معنی ہیں علم اور حکمت۔ اسی سے فلسفی اور فلاسفہ ہے۔ انگریزی میں (Philosophy) اور (Philosopher) کے الفاظ بھی اسی سے ملتے ہیں۔ چونکہ صوفیاء دُنیا کی ماہیت اور اللہ کی ذات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں، اس لیے یہ بھی حکمائے یونانی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے صوفیاء کہلائے۔ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم یونان کے حکمائے سبعہ ہندوؤں کی طرح یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ تمام اشیاء شئی واحد ہیں اور انسان کو جمادات پر اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ رُتبہ میں وہ علّتِ اولیٰ کے قریب ہے۔ بعض حکماء کا یہ خیال تھا کہ وجودِ حقیقی صرف وہی علّتِ اولیٰ ہے اس کے علاوہ دوسری تمام چیزیں اپنے وجود میں اس کی محتاج ہیں، اس لیے اُن کا وجود صرف خیال کا حکم رکھتا ہے۔ اس بحث کے بعد البیرونی اپنا فیصلہ ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

''وهذا رائی السوفية و هم الحكمافان سوف باليونانية الحكمة و بها سمی الفيلسوف ای محب الحكمة و لما ذاهب فی الاسلام قوم الی قريب من رايهم سموباسمهم.''

جرجی زیدان بھی اسی نظریہ کا قائل ہے مگر یہ نظریہ بھی محل نظر ہے۔ کچھ متشرقین اپنا مشن یہی بنا لیتے ہیں کہ اسلامی عقائد و نظریات کو رومی اور یونانی افکار کا چربہ ثابت کریں جس طرح کہ ہمیشہ سے وہ کہتے چلے آئے ہیں کہ اسلامی فقہ قانون، روما سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح تصوف کے بارے میں بھی اُن کی یہی کوشش ہے کہ اس کا سرچشمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والاصفات کی بجائے یونانی حکماء یا عیسائی راہبوں کو ثابت کریں۔ بعض مسلمان بھی آخری نتائج سے بے فکر انھی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔

اس نظریہ کی تردید کئی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ مثلاً نیکلسن Nicholson' لوئی ماسیوں (Louis Massignon) اور نولدیکہ (Noldeka) کا کہنا ہے کہ یونانی حرف (SIGMA) عربی میں ہمیشہ ''سین'' کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ ''صاد'' کی شکل میں کبھی نہیں لکھا گیا اور آرامی زبان میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جس کو

(SOPHOS) (سوفوس) اور صوفی کی درمیانی صورت میں سمجھا جا سکے۔

عربی لغت میں بعض الفاظ جامد ہوتے ہیں مشتق نہیں ہوتے۔ جس طرح ''لقب'' کا لفظ ہے یہ جامد ہے مشتق نہیں ہے۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوزان القشیریؒ کہتے ہیں کہ لفظ ''لقب'' کی طرح یہ لفظ بھی جامد ہے۔ حضرت علی الہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس لفظ کو جامد قرار دیا ہے اور اس کی لطیف توجیہ کی ہے جو آگے درج کروں گا۔

کئی علماء اور اکثر صوفیاء کا نظریہ ہے کہ لفظ تصوف عربی لفظ صفو سے مشتق ہے پہلے یہ عرض کر دوں کہ عربی میں جب کوئی لفظ کسی اور لفظ سے مشتق ہوتا ہے تو اُس اشتقاق کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

ا۔ مشتق اور مشتق منہ کے حروف ایک ہوں اور اُن کی ترتیب بھی ایک جیسی ہو تو اُس کو اشتقاقِ صغیر کہتے ہیں۔ بعض ماہرین اس کو اشتقاقِ اصغر کا نام دیتے ہیں۔

ب:۔ مشتق اور مشتق منہ کے حروف اصلی تو ایک جیسے ہوں مگر اُن کی ترتیب ایک جیسی نہ ہو جس طرح جذب سے جذاء مشتق ہے، اس کو اشتقاقِ کبیر کہتے ہیں۔

ج:۔ مشتق اور مشتق منہ کے حروفِ مادہ ایک نہ ہوں بلکہ مختلف ہوں البتہ دونوں کے حروف متحد المخرج ہوں جیسے نعق اور نہق ہے۔ عین اور ہا اقصی الحلق مخرج رکھتے ہیں۔

تصوف کا صفو سے اشتقاق دوسری قسم کا ہے۔ صفو کا لفظ کدر کی ضد پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کدرہ ایسے رنگ کو کہتے ہیں جو خالص نہ ہو بلکہ کسی دوسرے بھدے رنگ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ صفا کا مادہ ابتدائی لغت کی کتابوں کی تصریح کے مطابق بھی تین معانی میں آتا ہے، جو درج ذیل ہیں۔

(1) بغیر ملاوٹ کے ہونا۔

(2) دودھ والے جانور کا دودھ زیادہ دینا۔

(3) محبت میں اخلاص رکھنا اس کو باب تفعیل پر چڑھا کر تصوف بنایا گیا ہے۔ صاحبِ ہدایۃ الصرف کے مطابق بابِ تفعل کے اصولی خواص تو گیارہ ہیں مگر ذیلی اقسام کے پیش نظر یہ اُنیس تک ہو سکتے ہیں۔ ہماری بحث میں اِن میں سے اکثر خواص مراد لیے جا سکتے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ کریں۔

(1) پہلا خاصہ ہے مطاوعت یعنی فاعل نے تفعیل سے جو اثر مفعول پر ڈالا تھا یہ باب اس اثر کے قبول ہو جانے کو واضح کرتا ہے چونکہ یہ اثر دو قسم کا ہو سکتا ہے لہٰذا مطاوعت بھی دو قسم کی ہو گی۔ ایک یہ کہ مفعول نے جو اثر لیا ہے وہ زائل نہ ہو گا جیسے ''قطعتہ فتقطع''، یعنی ''میں نے اس کو کاٹا اور وہ کٹ گیا''۔ ظاہر ہے کہ کٹ جانے کا اثر زائل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قطع عربی میں ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو سخت ہو اور آلات سے کاٹی جائے۔ اس صورت میں یہ لفظ اس طرح استعمال ہو گا ''صوفتہ اللہ تعالیٰ فتصوف''، یعنی ''خدا نے اُس کو پاکیزہ کیا اور وہ پاکیزہ یک رنگ ہو گیا''۔

(2) دوسری قسم اثر لینا ہے جو زائل ہو سکتا ہو جس طرح ''ادبتہ فتادّب''، یعنی میں نے اس کو سمجھایا اور وہ سمجھ گیا۔ ادب، بے ادبوں کی صحبت اختیار کرنے سے زائل ہو جاتا ہے۔

پسرِ نُوح با بداں بنشست
خاندانِ نبوتش گم شُد

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بُرے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا تو اُس کی نبوت کا خاندان ختم ہو گیا۔

(1) ہم موضوع زیر بحث میں یوں کہیں گے ''صوفہ الصحبت فتصوف''، یعنی اچھی صحبت نے اُسے کو سنوارا اور وہ سنور گیا۔

(2) اس کا دوسرا خاصہ ہے تجنب یعنی اثر قبول نہ کرنا۔ جیسے تحوب یعنی وہ گناہ سے بچ گیا، یہ خاصہ تصوف میں صوفیاء کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا البتہ صوفیاء کے مخالفین پر یہ باب اس معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً ''تصوف الخوارج''، یعنی خوارج نے صفائی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے محروم رہ گئے۔

(3) تیسرا خاصہ ہے لُبس یعنی ماخذ مجرد کو لباس پہنا دینا اور اپنے آپ کو اس میں گم کر دینا جیسے تحسم یعنی اُس نے تلوار کو اپنا لباس بنا لیا۔ از روئے حقیقت اس خاصہ میں تصوف کو استعمال نہیں کر سکتے جب کہ اس کا مادہ صفو، صفاء یا صفوۃ قرار دیں کیونکہ یہ خاصہ ان الفاظ کے لیے ہے جو مصدر نہ ہوں بلکہ جامد ہوں۔ جس طرح قمیض سے قمقض یعنی اُس نے قمیص پہن لی اور شلوار تسرول یعنی ''اُس نے شلوار پہن لی''۔ اگر تصوف کا اصل مادہ صفاۃ بمعنی پتھر لیں یا صوف بمعنی پشم لیں یا صفہ بمعنی برآمدہ لیں تو یہ لفظ اس خاصے میں بھی مستعمل ہو گا۔ صفاۃ یا صفہ سے ماخوذ ہو تو لُبس بمعنی التزام ہو گا یعنی صفاۃ سے ماخوذ تصوف کا اخلاق صحیح طور پر رُہبانِ اہل کتاب پر ہو گا۔ کیونکہ انھی کا یہ وطیرہ تھا کہ آبادیوں سے بھاگ کر پہاڑوں کی غاروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے جا بسیرا کرتے تھے۔ اسلامی تصوف یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت سوائے خدمتِ خلق کے کچھ اور نہیں ہے۔
یہ تسبیح، سجادہ اور گوڈری کے ساتھ نہیں ہے۔

اگر صفہ کو اصل مادہ قرار دیں تو اس خاصے میں تصوف کا مفہوم ہو گا۔ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو اپنانا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل — دُنیا میں اس طرح گزر کرو جیسے کہ تم پردیسی ہو یا راہ چلتے مسافر ہو۔

(4) چوتھا خاصہ جس کے لیے لفظ کو اس باب پر لایا جاتا ہے تکلف ہے۔ تکلف کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مطلوب کے حصول کے لیے تکالیف برداشت کرنا جس طرح تعلم کیونکہ ضروری ہے۔ ع

پئے علم چوں شمع باید گداخت

علم کے حصول کے لیے شمع کی طرح پگھلنا چاہیئے۔

اس صورت میں تصوف کا معنی ہوگا محبوبِ حقیقی سے خالص محبت کی منزل تک پہنچنے کے لیے مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنا کیونکہ

متاعِ وصلِ جاناں بس گراں است
گریں سودا بجاں بُودے چہ بودے

محبوب کے وصل کی دولت بہت مہنگی ہے۔
اگر یہ سودا جان دے کر بھی مل جائے تو بڑی بات ہے۔

تکلف کا دوسرا معنی یہ ہے کہ فاعل میں ایک صفت حقیقتاً موجود تو نہ ہو مگر بناوٹی طور پر اس کو اپنے اندر موجود ثابت کیا جائے یا زبردستی کر کے اس صفت کو اپنانے کی کوشش کی جائے جیسے تعرب یعنی ''وہ بناوٹی طور پر عرب بن بیٹھا۔ اس صورت میں یہ سالکین کی منزلِ اولیٰ کا بیان ہوگا کہ پہلے بزور اپنے آپ کو کسی چیز کا جب کہ وہ مقصد اعلیٰ ہو پابند کیا جاتا ہے تا آنکہ یہ عادت بن کر طبیعتہ ثانویہ کا رُوپ دھار لے۔

جُھٹ مٹ کھیلے سچ مچ ہوئے
سچ مچ کھیلے ور لا کوئے

(5) اس باب میں لفظ کو لانے کا پانچواں مقصد یہ ہوتا ہے کہ فاعل یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے ماخذ اور اصل سے کام لیا ہے جس طرح تعمل۔ اس کی پھر تین صورتیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ ماخذ فاعل سے ملا ہوا تو ہو مگر اُس کا احساس جُداطور پر ہوتا ہے جیسے ''ترس''، یعنی ''اُس نے ڈھال بنایا۔''

دوم: یہ کہ ماخذ فاعل کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہو کہ جداگانہ طور پر اس کا احساس نہ ہوتا ہو۔

سوم: یہ کہ ماخذ اور فاعل کے درمیان یک قالبی نہ ہو بلکہ قُربِ مکانی ہو جیسے ''تخّیم''، یعنی ''اس نے خیمہ لگایا''۔

تصوف میں یہ تین صورتیں صفو کو ماخذ قرار دینے کی شکل میں صحیح نہ ہوں گی۔ باقی صورتوں میں درست ہوں گی۔

(6) اس بات کا چھٹا خاصہ اتحاد ہے، جس کے چار معانی ہیں۔ اوّل: خود ماخذ کو ساخت کرنا۔ دوم: ساخت شدہ ماخذ کو حاصل کرنا۔ سوم: فاعل کا کسی چیز کو ماخذ بنالینا۔ چہارم: کسی چیز کو ماخذ میں داخل کرنا۔ تصوف میں چاروں معانی مراد لیے جاتے ہیں۔ اوّل محبت الٰہی میں خلوص پیدا کرنا۔ دوم، صفائی حاصل کرنا وغیرہ

(7) بابِ تفعل کا ساتواں خاصہ تدریج ہے جو دو قسم کی ہے۔

اوّل: یہ کہ کوئی کام ایک ہی دفعہ ہوسکتا تھا مگر اُس کو ہمیشہ آہستہ آہستہ قطسوں میں کیا۔

دوم: یہ کہ ایک دفعہ وہ کام کرنا ممکن نہ تھا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے تصوف کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک ہی دفعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو فائز المرام فرمادیا اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تصوف کا مفہوم ہوگا کہ بندہ عبادات کرتے کرتے منزل بہ منزل اپنے مقصود کو پہنچا۔

(8) آٹھواں خاصہ تحول ہے یعنی فاعل کا عین ماخذ بن جانا' جیسے تبحر الرجل علماً یعنی آدمی علم کا سمندر ہی بن گیا۔ تصوف میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ بندہ عین اخلاص بن گیا۔

(9) نواں خاصہ ''میرورت''،یعنی'' کچھ کا کچھ ہو جانا ہے''۔تصوف میں اس کی مثال حضرت بلّھے شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ع

ہُن میں تاں ہوگیا کچھ ہور مینوں کون پچھانے گا

(10) دسواں خاصہ۔موافقت یعنی بابہائے اِفعال وغیرہ کا معنی دیناہے جن کا مقصد کسی اور کو ماخذ سے متصف کرنا ہوتا ہے یعنی صوفی دوسروں کو صفائی سے مزین کرنے لگتا ہے یہ مشیخت کا مقام ہے۔

(11) گیارہواں خاصہ ابتدا ہے۔اس کی دوقسمیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ مادہ مجرد کا وجود ہی نہ ہو، نیا مادہ گھڑ کے اس کو مزید بنایا جائے۔جیسے دھوپ میں کھڑے ہونے کو تشمس کہتے ہیں۔اس کی بہتر مثال تسمدّ ہے کیونکہ سمد بمعنی گانا عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔تصوف بمعنی صوفی بن گیا، اسی قبیلہ سے ہوگا۔

دوم: دوسری قسم یہ ہے کہ مادہ کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو اور اُس کو باب تفعل میں لاکر کوئی دوسرا معنی اس سے مراد لیا جائے جیسے تکلم ہے کہ مجرد کلم کا معنی ''زخمی کرنا ہے یا زخمی ہونا ہے''۔مگر تکلم کا معنی تقول یعنی بات کہنا ہے یعنی حال تصوف کا ہوگا کہ مادہ مجرد میں عام ہے مگر اس باب میں آکر، خصوصی آداب کا حامل ہو جاتا ہے۔

حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کے ماخذ میں چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔اول، جامہ صوف دارد۔ دوم، اندر صفِ اوّل باشد۔سوم' تولی باصحاب صفہ دارد۔چہارم، این اسم از صفا مشتق است۔اور پھر آپ نے ''صوفی'' کی حد تک لُغتِ عرب کے استعمال سے استدلال کر کے صفا سے اشتقاق کے احتمال کو محمود اور باقی احتمالات کو بعید قرار دیا ہے۔ اور یہ اس طرح بھی درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ ''صوفی'' ماضی مجہول کے صیغے ہو بابِ مصافاۃ میں شمار کیا جائے۔جس کا معنی ہے باہمی مخلصانہ محبت کرنا۔ ماضی مجہول واحد مذکر غائب کے صیغے میں ''صُوْفِيَ'' کا مفہوم ہوگا، وہ آدمی جسے ذاتِ خداوندی نے اپنی خصوصی عنایت کی بدولت اپنا مخلص محبّ بنالیا ہے اور حقیقت میں یہ مقام عطیۂ الٰہی ہے، بزورِ بازو نیست۔

ایک کہانی مشہور ہے کہ کسی امیر کو ایک فقیر کے ساتھ عقیدت تھی۔وہ امیر چاہتا تھا کہ اُس فقیر کو اپنے محل میں مدعو

کرے مگر فقیر اس پر راضی نہ تھا۔ ایک مرتبہ جب کہ فقیر اس امیر کے محل کے قریب سے عام راستے سے گزر رہا تھا، امیر کے حکم سے خدام نے اُوپر سے پالکی لٹکائی اور اُس فقیر کو اٹھا کر اُس پالکی میں ڈال دیا۔ اس طرح فقیر محل میں امیر کے سامنے لگایا گیا۔ فقیر نے کہا، تم خوامخواہ مجھے تنگ کرتے ہو۔ اُس امیر نے کہا آپ صرف اتنا بتلا دیں کہ رب العالمین کی حضوری کا یہ مقام آپ کو کس طرح نصیب ہوا فقیر نے جواب دیا، میں اُس مقام پر بالکل اسی طرح پہنچا ہوں جس طرح تمھارے محل میں، کیونکہ ؎

ہیچ کسے بہ خویشتن او بزد بسوے اُو
بلکہ بہ پائے خود برد ہر کہ رود بکوئے اُو
تانہ شود ازو طلب، طالبِ او کسے نہ شُد
ایں ہمہ جستجوئے ماہست ز جستجوئے اُو

حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے مزید ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہین کہ صوفی بمعنی متذکرہ۔ بالا لغوی طور پر کسی ماخذ سے اشتقاق کا محتاج نہیں کیونکہ یہ اس قدر عظیم معنی ہے کہ اس کی جنس نہیں ہو سکتی جس سے یہ مشتق ہو کیونکہ صاحبِ جنس کا جنس میں مندرج ہونا ضروری ہوتا ہے اور مندرج ہونے والی چیز اس کی نسبت لامحالہ چھوٹی ہوتی ہے جس میں وہ مندرج ہے اور اس صورت میں اصل عظمت اس جنس کو حاصل ہوگی نہ اس معنی کو۔ لہٰذا اس کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی جنس ہی نہ ہو۔ اشتقاق مجانست کا تقاضا ہے اور یہاں جو کچھ ہے وہ کدر ہے جو صفا کی ضد ہے۔ اس لیے صوفی کو نہ کسی عبارت سے بیان کر سکتے ہیں نہ کسی اشارہ سے البتہ محض تعبیریں کرنے والے تعبیریں کرتے رہتے ہیں۔

فکری و عملی تحریکِ تصوف کا آغاز

اس تحریک کے آغاز کے متعلق مختلف صاحبِ قلم اور اہل تحقیق حضرات نے اپنے اپنے ذوق اور نقطۂ نظر سے غور کیا ہے اور مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ میں اختصار کے ساتھ اِن آراء کو نقل کر کے ساتھ ہی اپنے رائے کا اظہار بھی کروں گا۔

(1) چند اصحاب کا دعویٰ ہے کہ تصوف آریائی ایرانی فکر کا عکس ہے۔ جو عربی اسلام کے جواب کے طور پر وجود میں آیا کیونکہ قادسیہ، اجلولہ اور حلوان و نہاوند کی جنگوں میں ایرانی مغلوب ہو کر اپنی شان و شوکت کھو بیٹھے، اگر چہ وہ بظاہر اسلام کے زیر اثر آ گئے مگر ایسا بحالتِ مجبوری ہوا کیونکہ ایرانی بحیثیت قوم طویل زمانے سے عربوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عربوں اور ایرانیوں کی معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی زندگی میں بالکل تضاد تھا۔

ایرانی جب سیاسی طور پر مغلوب ہوئے تو یہی تضاد افکار و نظریات کی کشمکش میں ظاہر ہوا۔ اسی ذہنی اور فکری کشمکش نے دو چیزوں کو جنم دیا، ایک شیعیت اور دوسرا تصوف۔

(2) ایک گروہ تصوف کی بنیاد فلسفہ نو فلاطونی اور فلسفۂ اشراق کو قرار دیتا ہے۔ ان کی ساتھ اسلامی تصوف کی جو تھوڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کو یہ لوگ بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور تاریخی شواہد سے استدلال کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ فلسفۂ یونان، ظہور اسلام سے قبل بھی اور بعد بھی مشرق میں پھیلا ہے اور یہ اسی کے اثرات کا ثمرہ ہے۔ گولڈز ہیر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

(3) کچھ اہل الرّائے، ہندی افکار کو اسلامی تصوف کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ مشہور مستشرق جونس (Tones) بھی ان میں شامل ہے۔

(4) کچھ محققین تصوف کو مسیحی رہبانیت کی ایک شکل بتلاتے ہیں۔ گولڈز ہیر اور کئی دیگر مستشرقین مثلاً مرکس (MERD) اور وون کریمر (VON-ICREMER) کا خیال بھی یہی ہے، بونت مورے (BONET MPYRY) اور میکڈولنڈ نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

ان تمام آراء کو صوفیاء کرام کے سامنے پیش کر کے ان کے متعلق فیصلہ خود انھی کے خیالات و تحقیقات سے حاصل کریں گے۔)

(5) ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلم اور مومن کے الفاظ استعمال ہوتے تھے بعد میں زاہد اور عابد کے لفظ مستعمل ہونے لگے مگر ایک زمانہ بعد ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی کہ دُنیا سے بے التفاتی اور زہد و عبادت ان کی خصوصیات تھیں۔ اس جماعت کو صوفیہ کہا جانے لگا'' مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا، جس سے بے التفاتی صوفیاء کرام کا شیوہ ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں جو عام لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چیست دُنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

پہلا شخص جو اس نام سے مشہور ہوا، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق غوث بن مرّہ تھا۔ اس کی والدہ کے ہاں کوئی بچہ نہ بچتا تھا، اُس نے نذر مانی کہ اگر غوث زندہ بچا تو اس کو کعبۃ اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دُوں گی۔ وہ بچہ زندہ بچ گیا اور اس کی والدہ نے اپنی نذر پوری کر دی مگر ایک دن سخت گرمی کی وجہ سے وہ بچہ بے ہوش ہوگیا اور اُس کی والدہ نے کہا کہ میرا بچہ تو صوفہ یعنی اُون کے بے جان کپڑے کی طرح ہوگیا ہے۔ پھر اُسی دن سے غوث بن مرّہ کا نام صوفہ پڑ گیا۔ بعد میں جن لوگوں نے اس طرح کی زندگی اپنائی وہ اُس کی نسبت سے صوفی کہلائے جانے لگے۔

ڈاکٹر غلاب اور کامل مصطفیٰ شیبی کی تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ لقب پایا وہ مشہور مسلم سائنسدان جابر بن حیان ہے۔ ابن خلدون کی تحقیق بھی یہی ہے کہ لفظ صوفی دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ بہر حال اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ تصوف خالص اسلامی فکر ہے اور اس کا آغاز مسلمانوں ہی سے ہوا ہے۔

(6) کچھ صوفیاء اہل صفہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تصوف کی پہلی کڑی قرار دیتے ہیں۔ اصلِ صفہ کم و بیش ستر آدمیوں کی جماعت تھی جو صفۂ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیام رکھتی تھی۔ علامہ ابنِ تیمیہ کے بقول

ہجرت کر کے آنے والے وہ مسلمان جن کا مدینہ میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا وہ اس صفہ میں قیام کرتے تھے اور جب وہ اپنا ٹھکانہ بنا لیتے تھے تو وہاں منتقل ہو جاتے تھے۔ اس طرح صفہ میں گاہے گاہے یا مستقل قیام رکھنے والے صحابہ کی تعداد چار سو سے زائد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُن کے خرد ونوش اور دیگر حاجات میں اُن کی معاونت فرماتے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوعبیدہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس کی تفصیل ''کشف المحجوب'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

صوفیاء کرام، تصوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث کے اسرار ورموز اور اولیاء اللہ کے کشف و مشاہدہ کا نتیجہ ہے۔ حضرت علی الہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم تین قسم ہے۔ علم من اللہ، علم مع اللہ اور علم باللہ، اس کی تشریح یوں ہے کہ علم باللہ، علمِ معرفت ہے تمام اولیاء اللہ تعالیٰ کو اس وجہ سے جانتے ہیں کہ جب تک خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اپنی معرفت کا القا نہ ہو اولیاء اُس کی پہچان حاصل نہیں کرسکتے کیونکہ حق تعالیٰ سے اکتسابِ مطلق کے تمام اسباب منقطع ہیں اور بندے کا علم حق تعالیٰ کی معرفت کے لیے علة نہیں ہوسکتا۔ حق تعالیٰ کی معرفت کی علة بھی خود ذاتِ الٰہی کی طرف سے القا کی جاتی ہے۔

علم من اللہ، علمِ شریعت ہے۔ جس کی بدولت اللہ کے احکام معلوم ہوتے ہیں اور علم مع اللہ طریقِ حق کے مقامات اور اولیاء اللہ کے درجات کا علم ہے۔ اس لیے معرفت بغیر شریعت کے درست نہیں ہوسکتی اور شریعت پر عمل صحیح مقامات جانے بغیر نہیں ہوسکتا۔

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تصوف شریعتِ اسلامی ہی کا ایک گوشہ ہے اس کو اسلام کے مقابل میں پیدا شدہ فکر کہنا غلط ہے۔ اسی طرح فلاسفہ کی افکار اس کی بنیاد نہیں کیونکہ فلاسفہ تو عقل کے بندے ہوتے ہیں جب کہ صوفیاء عقل کو عرفان کے لیے ناکافی تصور کرتے ہیں۔ غزالی رحمتہ اللہ علیہ جب فلسفی سے صوفی بنے تو عقل کی بے کسی پر صفحات کے صفحات لکھے۔ شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ تصوف کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے تو فلسفہ کے متعلق یوں فیصلہ لکھا۔

ز جائے دیگر است این گونہ اسرار
ندارد فلسفی با ایں سخن کار

چو عقل فلسفی در علّتہ افتاد
ز دینِ مصطفیٰ بیدولت افتاد

ورائے عقل مارا بارگاہ است
ولیکن فلسفی یک چشم راہ است

اسی طرح پیر جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ جب مولوی سے مولائے روم کے مقام پر فائز ہوتے ہیں تو کہتے ہیں۔

صد ہزاراں زاہل تقلید و نشاں
افگند شاں نیم وہمی در گماں
پائے استدلالیاں چو ہیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود
فلسفی کو منکرِ حنانہ است
از حواسِ اولیاء بیگانہ است
فلسفی را زہرہ نے تادم زند
دم زند قہر حقش برہم زند

ان حقائق سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ تصوف خالص اسلامی فکر ہے۔ غیروں کے کسی فلسفے کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے اور محض ظاہری اور وہ بھی انتہائی معمولی حد تک صوفیاء کی مسیحی راہبوں کے ساتھ مشابہت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ تصوف مسیحی رہبانیت ہی کی ایک شکل ہے۔ سراسر ناانصافی ہوگی۔ فقر اور توکل علی اللہ کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ یہ صفات عیسائی راہبوں سے لی گئی ہیں جس طرح کہ قمر گیلانی نے رائے ظاہر کی ہے۔ بہت عجیب بات ہے۔ فقر کی نسبت ''الفقر فخری'' کہنے والے محسن انسانیت کی طرف کیوں نہ کی جائے اور توکل علی اللہ کے لیے کلام الٰہی وَ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[1] کو کیوں پس پشت ڈالا جائے۔ قمر گیلانی نے مزید ایک صفت تمتع عن الزوج سے پرہیز کے متعلق بھی یہی کہا ہے کہ یہ صفت رُہبانیّت سے اخذ کردہ ہے۔ مگر یاد رہے کہ معدودے چند صوفیاء نے شادی کرنے سے پرہیز کیا ہے جب کہ وہ خود پر مکمل کنٹرول رکھ سکتے تھے اور رکھا۔ ورنہ اکثر صوفیاء نے نکاح کیے، صاحبِ اولاد ہوئے اور آج تک اُن کے سلسلہ ہائے نسب موجود ہیں۔

عیسائی راہبوں کی واقعی یہ خصوصیت تھی کہ وہ شادی نہ کرتے تھے، آبادیاں چھوڑ کر ویران جنگلوں میں بسیرا کرتے تھے۔ اگرچہ ایک خاص وقت میں انسان اس کی خواہش رکھتا ہے، جیسا کہ حضرت اقبالؒ کہتے ہیں۔ ع

دامن میں کوہ کے ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

مگر اللہ کا حکم یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت کی جائے، انھیں راہِ حق کی ہدایت کی جائے۔ اس لیے صوفیاء نے کبھی زندگی سے فرار اختیار نہیں کیا۔ ابتدائی مراحل میں قدرے خلوت کی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوائل عمر میں غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ مگر ہمیشہ کے لیے ہنگامۂ ہائے زندگی کو خیر باد کہہ دینا اسلام میں ممنوع ہے۔ صوفیاء اسی دنیا میں رہ کر اس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں کیونکہ یہی اللہ کا حکم ہے۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے شوال 545ھ میں ایک وعظ کے دوران میں فرمایا کہ ''اگر صبر نہ ہوتا تو میں تم لوگوں میں نہ ہوتا''۔

[1] ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اُسے کافی ہے۔ (پارہ: ۲۸، سورۃ الطلاق، آیۃ: ۳)

اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ دل مچلتا ہے کہ۔ ع

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

مگر اسی جاناں کا حکم ہے کہ میری مخلوق کی خدمت کرو۔ اس لیے صوفیاء کرام صبر سے کام لیتے ہیں اور اس دنیائے دوں کی تکالیف سہتے ہیں۔ ع

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل

کے مصداق ہوتے۔ عظمت تو یہی ہے کیونکہ

اس حسن مہہ وش کا دل سوختہ وہی ہے
شعلوں سے بھی جو کھیلے دامن کو بھی بچائے

شیخ ضیاء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہال کے ساتھ صحبت صبر، حُسنِ خُلق اور مدارات کے ساتھ ان کی سختی کو برداشت کرنے اور اُن کو بنظرِ رحمت دیکھتے ہوئے ہونی چاہیئے۔ صوفیائے اسلام نے کبھی رُہبانیت کو اچھا نہیں سمجھا۔ پھر ان کے فکر و عمل کے ڈانڈے ان راہبوں کے ساتھ ملانا قرین انصاف نہیں ہوسکتا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار ایک عجیب بات لکھتا ہے کہ پہلی تین صدیوں کے مفسرین مثلاً مجاہد اور ابو امامہ الباہلی سورہ الحدید کی آیت 27 وَرَهْبَانِيَّةً نِ ابْتَدَعُوهَا الخ ۔کو رہبانیت کے لیے جواز بطور دلیل استعمال کرتے تھے۔ بعد میں زمخشری نے رہبانیت کی مخالفت کی، گویا عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں رہبانیت اسلام کا حصہ تھی۔ حالانکہ اِن مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے وقت محض تاویلاً ایک خیال ظاہر کیا ہے کہ بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل حالات زمانہ سے متنفر ہو کر اللہ کی رضا جوئی کے لیے کچھ لوگوں نے رہبانیت کی طرح ڈالی مگر پھر وہ خود بھی اس کی مکمل رعایت نہ کر سکے۔ ایک بات تو ظاہر ہے کہ رہبانیت کی راہ اُنھوں نے خود ہی اپنالی تھی۔ ایسا کرنے کے لیے اُنھیں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا تھا البتہ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ چلو اُنھوں نے یہ راہ اپنالی تھی تو پھر اس پر کار بند بھی تو رہتے جب کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس سے تاویلاً اور ضمناً اتنا مفہوم نکل سکتا ہے کہ رہبانیت بذاتِ خود بُری شے نہیں بشرطیکہ اس کی مکمل رعائیت کی جائے اور اسی مفہوم کو ان مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدرِ اسلام میں رہبانیت کی اجازت تھی قرآن مجید کے تمام معاشرتی احکام اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے۔

حضرات صوفیاء کرام نے کبھی قرآن مجید کے احکامِ معاشرت اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے رُوگردانی نہیں کی۔ حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مُرشد کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تُو کسی کو دیکھے کہ ہوا میں اُڑتا ہے یا پانی پر چلتا ہے مگر فرائض اور سنتوں سے بے اعتنائی کرتا ہے تو جان لے کہ وہ جھوٹا ہے اور یہ اس کی کرامت نہیں بلکہ جادو ہے۔

پیر رومی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مثنوی کی چھٹی جلد میں ''مرغ کا صیاد'' کے ساتھ مکالمہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مُرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست
دینِ احمدؐ را ترھب نیک نیست
از ترھب نہی فرمود آں رسولؐ
بدعتی چوں برگرفتی اے فضول

صوفیاء کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور اسوۂ حسنہ ہر حال میں اپنے سامنے رکھا ہے۔ یہ لوگ خانقاہوں میں مجاہدات وعبادات کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو وعظ فرماتے ہیں۔ تشنگانِ علم کو علومِ ظاہریہ وباطنیہ کا درس دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درسِ علم ہی کا فیض ہے کہ مجھے مقامِ قطب پر فائز کیا گیا۔ **درست العلم حتی صرت قطباً۔**

کچھ ایسے لوگ ضرور رہے ہیں جو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو چھوڑ کر غلط افکار واعمال کو اپناتے ہیں مگر وہ متصوفین ہیں یعنی صوفیاء کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو دھوکہ دینے والے ہیں۔ ان کے خیالات اور دعاوی سند نہیں ہو سکتے امام قشیری، ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:۔

''جس شخص کو تو اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتے ہوئے دیکھے جو اس کو شریعت کی حد سے نکال دے تو تجھے اس شخص کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے''۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نباید داد دست

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی اپنے خلیفہ ارشد میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ایک خط میں صوفیاء کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے برادر! مکرر بشما گفتہ شدہ است کہ مدارِ ایں طریق بر دو اصل است، استقامت بر شریعت بحدّے کہ بر ترکِ اونائے آداب آں راضی نباید''۔

اب ان صوفیائے کے مسلک کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ اسلام کے جواب کے طور پر وجود میں آیا، یا یہ رہبانیت کی ایک شکل ہے، کسی قدر بے معنی بات ہوگی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ''ہمعات'' میں تصوف پر کافی بحث کی ہے۔ اُن کی تحقیق یہ ہے کہ تصوف کی اصل رُوح عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہؓ میں موجود تھی مگر اس کی جداگانہ امتیازی شکل جو بعد میں پیدا ہوئی نہیں تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ دین کی ظاہری حیثیت کی حفاظت تو فقہاء محدثین، مجاہدین اور قراء کرتے رہے لیکن اُن کے دین کے محافظین کا ایک اور گروہ بھی رہا ہے طاعت ونیک شعاری کے جن کاموں سے نفس پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور

دلوں کو اُن سے لذت ملتی ہے یہ بزرگ عامتہ الناس کو اُن کاموں کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ صوفیاء کے طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

''میں نے جانا کہ اِن کا طریقہ علم اور عمل دونوں سے پورا ہوتا ہے۔ان کے عمل کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ نفس کی دشواریاں قطع ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاقِ ذمیمہ اور صفاتِ خبیثہ سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔اور قلب غیر اللہ سے خالی ہو کر ذکرِ الٰہی سے روشن ہو جاتا ہے''۔

ایسے مستند اور محقق اہل علم حضرات کے فیصلوں کو معلوم کرنے کے بعد یہ واہمہ لازماً باطل ہو جاتا ہے کہ تصوف اسلام سے ہٹ کر کوئی چیز ہے۔ جب بھی کوئی فکر بڑھتا ہے وہ دنیا پر اثر انداز ہوتا ہے اور ساتھ ہی دُنیا سے کچھ اثر لیتا ہے۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر وحید قریشی کا خیال ہے کہ اگر چہ تصوف میں ہندی اثرات شامل ہیں مگر اُن کی حیثیت ضمنی اور ذیلی ہے۔ ہند میں تصوف جس راستے سے وارد ہوا اور وہ راستہ شریعت پر شدید اصرار کی منزل سے ہو کر گزرتا ہے۔ ویدانت کی تعلیمات نے کسی حد تک صوفیاء کو ضرور متاثر کیا ہے۔صوفیاء کے فلسفیانہ افکار پر مقامی اثرات کا عمل دخل ضرور ہوا ہے لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی فکری تاریخ کا عہد بہ عہد جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان اثرات کی حیثیت ضمنی اور ذیلی ہے۔ مسلمانوں نے ہر علاقے کی مقامی روایات کو اپنے وسیع تر فکری پیمانے میں مناسب قطع و برید کے بعد ہی شامل کیا ہے۔ اُنھوں نے ہمیشہ اس احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے کہ فکر و نظر کا اساسی نظام نو وارد عناصر سے مسخ نہ ہونے پائے تا کہ اسلامی نظامِ فکر کی ہیئت ترکیبی اپنے بنیادی مآخذ اور منابع سے سرتابی نہ کرتے ہوئے اپنے ملی ملحوظ کو برقرار رکھ سکے۔

بُعدِ زمانہ کی وجہ سے کیا کیا بیرونی اثرات تصوف میں شامل ہوئے یہ اِس وقت موضوعِ بحث نہیں۔ لیکن مندرجہ بالا شواہد سے اتنی بات ضرور تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس کی بنیاد عہدِ رسالت میں رکھی گئی اور سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس کے بانی ہیں یاد رہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط سے حضور سید عالمِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے، جیسا کہ حضرت داتا علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صفا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے دل سے خیالِ غیر کو محو کر دینا اور دل کو خلوص وعشقِ الٰہی میں محو کر دینا ہر لحاظ سے صفا کی یہ صفت آپ میں موجود تھی اور صوفی وہی ہوتا ہے جو معرفتِ حق تعالیٰ میں مرتبۂ کمال پر فائز ہو اور جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو ایک دُنیا اُس کے فیضِ نگاہ سے حصہ پاتی ہے۔ صوفیاء اس دُنیا کے احتیاج سے پاک ہوتے ہیں تو ان کے سامنے بڑے چھوٹے یا اپنے پرائے کا فرق مٹ جاتا ہے۔ توحید کے مبلغ سمندر میں اس طرح مستغرق ہوتے ہیں اور زبانِ حال اس طرح گویا ہوتی ہے۔

مجھے بے خودی یہ تُو نے بھلی چاشنی چکھائی
کسی آرزو کی دل میں نہیں اب رہی سمائی
نہ محلِ گفتگو ہے نہ مقامِ جستجو ہے
دل بے نوا نے میرے جہاں چھاؤنی ہے چھائی

تصوّف، اُس کی اصل اور غرض و غایت

بہاء الحق ایم اے

تصوف کے لغوی معنی خواہ کچھ بھی ہوں مگر در حقیقت اس سے مراد عرفانِ حق ہے۔ اور عرفانِ حق ایک علم ہے اور ہر علم ذوق وشوق، طلب ومحنت اور راہنمائی اور اس کا اتباع چاہتا ہے اور جب تک یہ سب یا ان میں سے کوئی چیز موجود نہ ہو تو حصولِ علم ممکن نہیں اس کے علاوہ ہر علم کے لیے چند مخصوص طریقے اور اصول ہوتے ہیں۔ مثلاً تجرباتی علوم کے لیے مخصوص قسم کی تجربہ گاہیں اور اُن میں کام آنے والے آلات کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک یہ تجربہ گاہیں اور آلات موجود نہ ہوں تو تجرباتی علوم کا حصول ممکن نہیں اس کے ساتھ ہی ان علوم کے ماہر اساتذہ، اُن کا مخصوص طریق تعلیم اور ان کا صحیح اتباع یہ بھی انتہائی اہم چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر تجربہ گاہیں اور آلات دونوں ہی بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اسی طرح پڑھنے لکھنے کی تعلیم کا اپنا مخصوص طریقہ ہے، جو حروفِ تہجی کی تعلیم سے شروع ہو کر جملوں اور پھر عبارتوں کی ساخت پر ختم ہوتا ہے اور اس میں بھی شروع سے آخر تک ایک ماہر اُستاد اور اس کی کامل اتباع کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کیفیت ہم اُن تمام علوم میں دیکھتے ہیں جو ظاہر ہیں اور جن کے لیے تفصیلی کتب بھی موجود ہیں۔ اور جن کا تعلق بہر حال ہماری مادی زندگی سے ہے۔ مگر وہ علوم جن کا تعلق ہماری مادی زندگی سے نہیں۔ مثلاً فلسفہ، منطق، مابعد الطبعیات وغیرہ۔ ان میں بھی بغیر اُستاد و راہنما اور اُن کے مخصوص اصولوں کی اتباع کے، اُن کا حصول ممکن نہیں۔

اِسی طرح تصوف بھی ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق بظاہر ہماری مادی زندگی سے نہیں اور نہ اُس کے لیے تفصیلی کتب موجود ہیں مگر ہر علم کی طرح اس کے بھی اپنے مخصوص طریقے اور اصول ہیں اور اس کے حصول کے لیے بھی تصوف کے ماہر راہنما اور اُن کا کامل اتباع ضروری ہے۔ پھر یہ ایک ایسا علم ہے جس کی اساس تمام تر احساس اور مشاہدہ پر ہے اور احساس و مشاہدہ کا تعلق بنیادی طور پر عمل اور تجربے سے ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ حقیقت ہے جس کو حرف و بیان کی قیود میں لا کر نہ سمجھا جا سکتا ہے نہ سمجھایا جا سکتا ہے اور دراصل یہ کیفیت ہر اُس چیز میں پائی جاتی ہے جس کا تعلق مادہ سے نہیں مثلاً حُسن، تازگی، عقل، فہم اور یاد وغیرہ

انسان بظاہر جسم و رُوح کا مرکب ہے مگر در حقیقت وجودِ اصلی اور دائمی محض روح کا ہے جسم کا نہیں، کیونکہ جسم تو ایک عارضی، مادی اور فانی چیز ہے۔ چنانچہ انسانیت کے تمام خواص مثلاً عقل و فہم، اخلاق، عمل، علم و ہنر اور اُن کی اچھائی، برائی کا تعلق رُوح سے ہے جسم سے نہیں۔ چنانچہ روحانی زندگی ہی دراصل انسانی زندگی ہے اور روحانی زندگی کو سمجھنے اور اُس کو بہتر بنانے میں نہ تو فلسفہ مددگار ہو سکتا نہ سائنس یا کوئی اور علم۔ بلکہ یہاں صرف مذہب اور مذہب بھی وہ جس کی بنیادی وحی الٰہی پر ہو کامل راہنما ہو سکتا ہے۔

مذہب اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کے لیے وضع کردہ آئینِ حیات ہے اور انسانی زندگی کی فلاح و بہبود اور کامیابی اسی آئین پر عمل کرنے میں ہے۔ اس آئین میں انسانی عقل اور عمل دونوں کے لیے راہنمائی موجود ہے اور اس آئین کا عملی نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کی کامیابی صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت میں ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں تین چیزیں نمایاں ہیں۔ ایک قول، دوسری فعل اور تیسری حال۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"الشریعة اقوالی و الطریقة افعالی والحقیقة احوالی"۔ شریعت میرے اقوال، طریقت میرے افعال اور حقیقت میرے احوال ہیں۔

چنانچہ اہل تصوف کے نزدیک جس نے فرمودۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کیا وہ اہلِ شریعت ہے، جس نے کردۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا وہ اہل طریقت ہے اور جس نے وہ کچھ دیکھا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا وہ اہل حقیقت ہے۔

انسانی زندگی کے عناصرِ ترکیبی تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ عقیدہ، عبادت اور اخلاق اور اِن تینوں عناصر سے متعلق جو احکامات اسلام نے دیے وہ شریعت کہلاتے ہیں اور اِن کا اتباع ہر اہل ایمان پر فرض ہے اور محض ان کے کامل اور پُرخلوص اتباع سے ہی زندگی کی کامیابی اور دُنیا و عقبیٰ کی فلاح ہوسکتی ہے۔

مگر انسانی ذہنوں میں ایک دو نہیں بیسیوں ذہن اپنی فطری صلاحیتوں اور ذوقِ تجسس کے سبب، احکاماتِ شریعت کی حقیقت کو بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں اور کائنات کی اصل کو بھی سمجھنے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ عرفانِ حق حاصل کرنے کے متمنی ہیں مگر عرفانِ حق کوئی مادی یا ظاہری چیز نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر روح سے ہے اور اس کے لیے شرطِ اول تزکیۂ نفس اور صفائے قلب ہے اور تزکیۂ نفس اور صفائے قلب کے لیے ایک مخصوص علم ہے، جس کو ہم علمِ تصوف کہتے ہیں اور اس علم کے ذریعہ عرفانِ حق کے حصول کو ہی طریقت کہا جاتا ہے اور عرفانِ حق جن لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے، وہی اہل حقیقت کہلاتے ہیں۔

اگرچہ طریقت کا راستہ کسی کے لیے بند نہیں ہے مگر اصل میں نہ یہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے اور نہ ہر انسان اس کا مکلف ہوسکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ صدیوں کے تجربے، علم اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیاس کی تسکین پانی سے اور بھوک کی سیری خوراک سے اور مرض کا علاج دوا سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اب ہر انسان آنکھ بند کر کے اور بلا مزید تحقیق یا تجربہ کے پیاس کی تسکین پانی پی کر کرسکتا ہے اور بھوک کی سیری خوراک کھا کر کرسکتا ہے۔ اور مرض کا علاج دواء استعمال کر کے کرسکتا ہے۔ چنانچہ یہی مثال شریعت کی ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاقیات کے جو اصول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مقرر فرما دیے ہیں ہر انسان اُن پر بلا جھجک اور بغیر کسی تامل، فکر و تردد اور مزید تحقیق و تفہیم کے عمل کر کے فلاحِ دارین حاصل کرسکتا ہے۔

لیکن اگرچہ آج بھی کوئی شخص پانی، خوراک اور دوا کی اصلیت معلوم کرنا چاہے تو اُس کے لیے اُس کی راہ بند نہیں ہے۔ مگر اُس کے لیے ضروری ہوگا کہ اُن علوم کو حاصل کرے جو ان سے متعلق ہیں مثلاً علم کیمیا، علم طب وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ان علوم کو اُن کے اپنے مخصوص طریقوں اور اُن کے ماہر اساتذہ کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہی مثال طریقت کی ہے، جو شخص بھی شریعت کے احکامات کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے اور عرفانِ حق کا اس مادی زندگی میں بھی متمنی ہے تو اس کے لیے علمِ تصوف کا حصول ضروری ہے۔

علمِ تصوف جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، ایک مخصوص، وسیع اور مشکل ترین علم ہے۔ اس کی بنیاد تمام تر احساس اور مشاہدہ پر ہے اور احساس اور مشاہدہ کا تعلق عمل اور تجربہ سے ہے اور عمل اور تجربے کی بنیاد کے لیے بنیادی طور پر عملی ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے محض تحریری بات سے کام نہیں بنتا۔ چنانچہ یہ علم، علم سفینہ نہیں بلکہ علم سینہ کی تعریف میں آتا ہے یعنی بات سینہ بہ سینہ چلتی ہے اور انتہائی رازداری اور پوری احتیاط کے ساتھ حقائق پیر کے قلب سے مرید کے قلب کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس میں استادِ کامل یعنی پیر طریقت کی راہنمائی اور اُس کا کامل اتباع نہایت ضروری ہے اور اس کے لیے برسوں کی کٹھن، صبر آزما اور مسلسل ریاضت لگن اور یکسوئی درکار ہے۔ بقول مشہور ''پیر کامل ہو، مرید عامل ہو اور فضلِ خدا شامل ہو تو تزکیۂ نفس اور صفائے قلب کا حصول ممکن ہوتا ہے'' اور یہ تصوف کی خشتِ اوّل ہے۔

دراصل اس کائنات میں ہر ایک چیز کی مانند، بندگی کے بھی دو رُخ ہیں۔ ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر میں بندگی، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے پوری ہو جاتی ہے مگر باطن میں بندگی کا تعلق اِن ارکان کی حقیقت سے ہے۔ اس میں ایمان محبت، خلوص، خوفِ خدا، رضائے الٰہی، توکل اور اسرارِ غیب و شہود کی تعلیم و تربیت اور اس پر عمل سے واسطہ پڑتا ہے اور بندگی ظاہر و باطن تکمیل کو پہنچتی ہے اور یہی منزل ''طریقت کی منزل'' کہلاتی ہے۔

اس بات کو ایک اور بات سے سمجھیے۔ نماز شریعت کا ایک حکم ہے اور اس کے لیے نیت، قیام، قرأت، رکوع و سجود، جلسہ و قعدہ وغیرہ سے متعلق تفصیلی اصول بتا دیے ہیں۔ چنانچہ جو شخص بھی نماز پڑھنا چاہے وہ ان تمام ارکان کو ادا کر کے نماز ادا کر سکتا ہے اور فی الحقیقت بشرطِ خلوص نماز ادا ہو جائے گی اور اس کے جو بھی دنیا و عقبیٰ کے فوائد ہیں وہ بھی ضرور حاصل ہوں گے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''نماز مومن کی معراج ہے'' اور ایک حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا کہ ''نماز کا اس طرح پڑھنا گویا نمازی بچشم خود باری تعالیٰ کا دیدار کر رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس احساس کو قائم رکھنا کہ باری تعالیٰ خود اُس کو دیکھ رہے ہیں''۔ احسان کی منزل ہے اور یہ ایمان و عمل یا بندگی کی ''اعلیٰ ترین منزل'' ہے۔ اور نماز میں باری تعالیٰ کا دیدار ہی مومن کی معراج ہے مگر نماز میں اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے تزکیۂ نفس اور صفائے قلب کی ضرورت ہے اور یہ نعمت، طریقت کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہی تصوف کی ''غرض و غایت'' ہے اور اس طرح اللہ رب العزت کو خالق و مالک بزرگ و برتر، قاضی الحاجات اور قادرِ مطلق ماننا ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے مگر اس ایمان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کے لیے جس اولوالعزمی، عالی ہمتی اور بے

خوفی و بیباکی کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے بڑی ریاضت اور مجاہدہ درکار ہے اور یہ ریاضت اور مجاہدہ، اصولِ طریقت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح باوجود آب وتاب، حرص وطمع اور عام رجحانات کے، دُنیا اور اُس کی زیب و زینت کو عارضی، بے سود اور لا حاصل تصور کرنا اور اپنے عمل سے اس تصور کو صحیح ثابت کرنا بڑے ایثار اور اس صبر و تحمل کا متقاضی ہے اور اس صبر و تحمل وایثار کی تعلیم طریقت ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ چیز ہمیں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور اُن کے بعد ہر دور کے اولیاء اللہ کی مبارک زندگیوں میں ملتی ہے اور اسی کا نام تصوف ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوحانی اور پھر نبوی زندگی کا آغاز ''غارِ حرا'' کی تنہائیوں سے ہوا، جہاں آپ دنیوی آرام وراحت سے دُور، برسوں شب وروز یادِ الٰہیٰ میں مصروف رہے اور جہاں سب سے پہلے وحیِ الٰہی کا نزول ہوا۔ اور اس کے بعد بھی زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ دنیوی زیب و زینت اور عیش و آرام سے دُور رہی۔ حالانکہ پورے عرب کی دولت وامارت آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے قدموں پر تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام حضرات، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب دُنیاوی لذتوں اور نام ونمود سے دُور رہ کر خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرتے اور مجاہدۂ نفس میں مشغول رہتے تھے۔ اُن کا جینا اور مرنا عملاً صرف خدا کے لیے تھا۔ اُن کے بعد اُن کی یہ میراث تابعین اور تبع تابعین کو ملی اور اُن سے ہر دور کے اولیاء اللہ نے پائی۔

تصوف کا ماخذِ حقیقی دراصل قرآن ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں طلبِ مغرفت، صبر و رضاء، مجاہدہ، توکل، عبادت، دنیا کی بے ثباتی، اسرار و معارف کا تجسس، کائنات اور اُس کی ابتداء وانتہاء کا علم، تخلیق اور اُس کے مقاصد کی تفہیم اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (پارہ:29، الدھر:25) — اللہ کے نام کا ذکر کرو۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پارہ:21، العنکبوت:45) — اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پارہ:13، رعد:28) — اللہ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ:152) — تم میرا ذکر کرو، میں تمھارا چرچا کروں گا۔

اور فرمایا کہ:۔

وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پارہ:6، مائدہ:35) — اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

اہل علم کی نشانی یہ بتائی کہ:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ — بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں

اَلَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (پارہ4 آل عمران:190)

اور شب و روز کی گردش میں عقل سلیم والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما اُس کی عظمت اور حسن کے جلووں) میں فکر کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ. (پارہ:14، الحجر:99)

اپنے رب کی عبادت کر جب تک کہ موت نہ آ جائے۔

اور فرمایا کہ:۔

اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ. (پارہ:11، ھود:3)

اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اُس کی طرف توبہ کرو۔

وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. (پارہ:18، النور:31)

اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے ایمان والو اس اُمید پر تا کہ تم فلاح پاؤ۔

فرمایا کہ:۔

اِعْلَمُوْآ اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ. (پارہ:27، الحدید:20)

جان لو کہ دنیا کی زندگی لہو ولعب ہے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (پارہ:27، الحدید:20)

حیاتِ دنیوی کی متاعِ فریب کے سوا کچھ نہیں۔

فرمایا کہ خبردار:۔

فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا. (پارہ:22، فاطر:5)

دنیا کی زندگی تمھیں فریب میں مبتلا نہ کردے۔

یہ بھی فرمایا کہ:۔

يٰٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا. (پارہ:4،آل عمران:200)

اے ایمان والو! صبر سیکھو، صبر کرو اور اللہ سے رشتہ استوار کرو۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (پارہ:25،الشوریٰ:43)

جو شخص صبر کرے اور بخش دے تو بے شک یہ عزم کا کام ہے۔

مزید ارشاد ہوا کہ:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ. (پارہ:19،الفرقان:58)

اللہ پر بھروسہ رکھ جو زندہ ہے اور جسے موت نہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (پارہ:4،ال عمران:122)

اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اللہ کے بندے جو ان احکامات پر پوری مستعدی اور خلوص کے ساتھ عمل کرتے ہیں، وہ صالحین کہلاتے ہیں اور اُن کے لیے ارشاد ہے کہ:۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ. (پارہ:9،الاعراف:196)

اللہ تعالیٰ صالحین کا دوست ہے۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے کہا گیا کہ:۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. (پارہ:11، التوبہ:100)

اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

قرآنِ حکیم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک طریقت کے اصولوں کو مرتب کرنے میں سنگِ میل ثابت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید اور رجوع الی اللہ کے بعد سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا تزکیۂ نفس ہے اور اس کے لیے ریاضت کے اصول اور آئین مقرر کیے۔ تفکر اور عبادت کے آداب سکھائے۔ دُنیا میں رہتے ہوئے، دُنیا کو برتتے ہوئے، دُنیا سے الگ رہنے اور اس سے بے نیازی کی تعلیم دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

ان مما اخاف عليكم من بعدى ما يفتح عليكم من ذهرة الدنيا و زينتها. (بخاری و مسلم)

اپنے بعد میں تُم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تُم پر کھل جائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

الدنيا سِجْنُ المؤمن و جنة الكافر. (ابن ماجہ)

دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر لوگوں کو زُہد کی ترغیب دی۔ ذکر، توکل، صبر، توبہ اور نوافل کے ذریعے قرب الی اللہ حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ ایک موقعہ پر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور دُنیا کی نفرت اُس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور دُنیا کے عیوب اُس کے سامنے کھول دیتا ہے"۔ (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"دُنیا سے نفرت کرو اللہ تُم سے محبت کرے گا۔" (ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی)

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ

"جب تُم کسی آدمی کو دیکھو، جو دنیا سے نفرت کرتا ہے تو اُس کا قرب حاصل کرو، وہ تمھیں حکمت بتائے گا۔" (ابن ماجہ، بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صلوٰۃ نور ہے، صدقہ بُرہان ہے اور صبر ضبط ہے"۔ (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُعا فرماتے تھے کہ:

"اے اللہ! علم سے میری مدد کر علم سے مجھے مزین کر، تقویٰ سے مجھے سرفراز کر اور صحت سے مجھے ہمکنار کر"۔ (کنزل العمال جلد اوّل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری ساری رات قیام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ دن میں ستر ستر بار توبہ واستغفار فرماتے تھے اور رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی زہد وورع اور کشف بدرجۂ اتم موجود تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"جس نے معرفتِ الٰہی کا مزہ چکھ لیا وہ ماسوائے اللہ سے بے پروا ہو جاتا ہے اور لوگوں سے اُسے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سادہ زندگی اور فقر و غنا، اُن کی دُنیا سے بے نیازی کا واضح ثبوت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ شہادت کے وقت بھی تلاوتِ قرآن میں مصروف تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی زُہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت سے عبارت تھی۔ اصحاب صفہ جن

کی زندگیوں نے اسلام کی رُوحانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے وہ سب دنیا و مافیہا سے بے پروا ہو کر اپنا سارا وقت عبادت و ریاضیت طلب علم اور مجاہدۂ نفس میں گزارا کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے بقول ابونعیم اصفہانی:۔

''اپنے آپ کو اہل وعیال اور مال وزر میں نہ پھنسایا، نہ خدا کے ذکر سے اُنھیں کاروبار روک سکا اور دُنیا میں اگر یہ کچھ کھوتے تھے تو اُنھیں ذرا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔''

ان کے علاوہ بھی اکثر صحابہ کرامؓ وقت کا بڑا حصہ عبادت اور ریاضت میں بسر کرتے تھے اور ایک پیسہ پاس رکھنے کے روادار نہیں تھے۔ مالداروں اور دولت مندوں سے چڑتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین میں بہت سے بزرگ زہد وعبادت ریاضت ومجاہدہ اور دُنیا سے بے تعلقی میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ مثلاً اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم۔ اُن کا تمام تر وقت ذکر الٰہی، حب دنیا سے بیزاری، کائنات کے مسائل پر غور وفکر، اہل دنیا سے استغنا اور انابت الی اللہ میں مصروف نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ہم صوفیائے کرام کے گروہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان تمام بزرگوں کا بھی یہی مسلک ہے یعنی دُنیا سے بے رغبتی اور رجوع الی اللہ۔

پھر جب اسلامی فتوحات نے دنیاوی دولت اور جاہ وحشم کو مسلمانوں کے قدموں میں لا ڈالا، تو دُنیا پرستی نے اپنا اثر دکھایا اور نفس کی پوجا شروع ہوگئی فساد کے اس دور میں پھر اہل اللہ کی ایک جماعت سرگرم عمل ہوئی اور خالص دین کا جھنڈا بلند کیا۔ یہ جماعتِ صوفیہ اور اولیاء اللہ ہی کی جماعت تھی اور یہی جماعت ہر دور میں دُنیا پرستی اور جاہ پسندی کے خلاف صف آراء رہی ہے۔ اسی جماعت کے بوریہ نشینوں نے محض اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر بڑے بڑے جابر بادشاہان وقت کو للکارا ہے اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے زمانہ میں اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھایا، کہ اسلام صرف ملک گیری یا ملک رانی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اصلاح وتربیت کا ایک مکمل نظام ہے، جو انسان کو ارتقائے روحانی کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہی گروہ ہے جس نے ہمیشہ مسلمان فرمانرواؤں کو اسلام کے احکام کو فراموش کر دینے سے روکا ایسے مواقع پر بھی نہ چوکے جب حاکمانِ وقت اپنے کو شامدیوں کے غول میں بیٹھ کر دادِ عیش دیتے تھے اور کسی کو اُن کے مزاج کے خلاف بات کہنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ یہی وہ اُولوالعزم لوگ ہیں کہ جنھوں نے اہل اقتدار کی گم کردہ راہی کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور اسلامی تعلیمات کو اپنی پاکیزہ زندگیوں کے ذریعے قائم رکھا۔

خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر کے ساتھ جب باوجود اجازت نہ ملنے کے خواجہ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے مکان میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے چراغ گل کر دیا۔ مگر اس کے باوجود جب خلیفہ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے مس ہوا تو فرمایا کہ ''کتنا نرم ہاتھ ہے، کاش دوزخ کی آگ سے بچ سکے''۔ ہدایت کی مزید درخواست پر فرمایا کہ ''ملک تیرا گھر ہے، رعایا تیری اولاد ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی بہن بھائیوں پر مہربانی کر، اگر مفلس بڑھیا بھی رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن تجھے اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔''

حضرت سُفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حج کے موقعے پر منٰی کے میدان میں خلیفہ منصور کو پکڑ کر کہا کہ ''تو نے اُمتِ محمدیہ کا بے شمار مال اُس کی اجازت کے بغیر صرف کر دیا ہے، تو اس کا اللہ کو کیا جواب دے گا۔ منصور نے حکومت کی ملازمت دینی چاہی تو روپوش ہو گئے۔''

امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور کے حکم کے خلاف قاضی القضات کا عہدہ لینے سے انکار کر دیا اور اس پر قائم رہے یہاں تک کہ کوڑوں کی سزا بھگتی اور اسی میں وصال کیا۔

حضرات بایزید بسطامی، ذوالنون مصری اور جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہم نے عقلیت اور وضعیت کے خلاف آواز اُٹھائی اور عشق الٰہی پر زور دیا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے یونانی فلسفہ اور علم الکلام کے مباحث کو غلط اور لاحاصل ثابت کیا۔ اُن کے علاوہ تبلیغِ دین کے سلسلہ میں اہل اللہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نجیب الدین سہروردی، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاء الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہم اور دیگر صوفیائے کرام نے تبلیغِ دین اور اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا۔

اس تمام تفصیل سے جو پچھلی سطور میں بیان کی گئی، یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف کا سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے دور سے ہی شروع ہو گیا تھا اور اس سلسلے کی دو شاخیں اسی زمانہ میں ظہور میں آ گئی تھیں۔ ایک وہ جس کی ابتدا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور اس کا نام ''سلسلہ نقشبندیہ'' مشہور ہوا، دوسری شاخ وہ ہے جس کی ابتدا اصحابِ صفہ سے ہوئی اور جس کے سربراہ حضرت حسن بصریؒ تھے جنھیں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے خلافت حاصل تھی۔ سیاسی انقلابات اور تبدیلی حالات و واقعات کے باوجود یہ دونوں سلسلے اہل اسلام کی باطنی تعلیم و تربیت کرتے رہے ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام کی بقا اور اسلامی اقدار کا تحفظ انھیں کے ذریعے ہوتا رہا ہے۔ ان دونوں سلاسل کی تعلیمات کے مختلف ادوار میں ''صاحبِ وقت'' کے نام کی رعایت سے مختلف نام پڑتے رہے، مگر اِن میں جو بظاہر اختلافات نظر آتے ہیں، وہ محض فروعی نوعیت کے ہیں ورنہ درحقیقت اصل بنیاد اور مقصد میں کوئی اختلاف نہیں۔

تبلیغِ اسلام اور سلسلۂ نقشبندیہ

قاضی ظہور اختر ایم اے

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی تبلیغ دین کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کشور کشائی کی نسبت تبلیغِ دین کو زیادہ اہمیت دی، سندھ میں سب سے پہلے چنّہ قوم نے اسلام قبول کیا۔ محمد بن قاسم نے دیبل فتح کرنے کے بعد وہاں چار ہزار مسلمان آباد کیے اور ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ ارور کی فتح کے بعد وہاں بھی ایک سجد تعمیر کروائی۔ صاحبِ تاریخ سندھ کے مطابق محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے پانچویں حصے سے ہر شہر اور قصبہ میں مساجد تعمیر کرائیں اور اِن مساجد کو آباد رکھنے کے لیے ہر شہر اور قصبہ میں مسلمان آباد کیئے۔

اُموی خاندان نے سندھ پر خصوصی توجہ دی۔ حضرت عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغ دین کا بڑا خیال تھا۔ اُنھوں نے سندھ کے چیدہ چیدہ امیروں کو بذریعہ خطوط دعوتِ اسلام دی چنانچہ ان ہی کی دعوت کے نتیجے میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے علاوہ بہت سے امراء نے دینِ حق قبول کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے سندھ کے اہم شہروں کی مساجد میں علماء اور خطیب مقرر ہوئے۔ اُس زمانے کے مشہور عالم الشیبانی کو سیہون شریف کی جامع مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔

ان علماء کی شبانہ روز محنت نے سندھ کو اسلام کی روشنی سے منور رکھا۔ حضرت ابوحفص ربیع بصری رحمۃ اللہ علیہ (جو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید تھے) نے سندھ میں احادیثِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا درس جاری کیا۔ اُنھوں نے جو شمع علم سندھ میں روشن کی تھی اُس کی ضوء سے پورا سندھ منور ہوگیا اور پھر سندھ نے بڑے بڑے نامور عالم پیدا کیے۔ ان علماء کی محنت شاقہ سے نے سندھ کو اسلام کی روشنی سے فروزاں کردیا۔ ابومعشر سندھی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعطا سندھی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعلی سندھی رحمۃ اللہ علیہ، جعفر محمد بن اسماعیل دیبلی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے فرزند ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اُس زمانے کے مشہور علماء تھے۔ ابومعشر سندھی، ابوجعفر محمد بن اسمٰعیل اور ابراہیم بن محمد رحمۃ اللہ علیہم کا شمار اُس زمانے کے جید محدثین میں ہوتا ہے۔ ابوعلی سندھی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ایک صاحبِ حال بزرگ تھے۔ حضرت ابو جعفر محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے فرزند بعد میں مکہ مکرمہ میں جابسے۔ اُن کا شمار بھی ایسے محدثین میں ہوتا ہے جن کا نام حدیث کے راویوں میں آتا ہے۔ ان لوگوں نے تبلیغِ دین کو بھی جاری رکھا اور اپنی مساعی جمیلہ سے دیبل تا ملتان اسلامی تہذیب و تمدن کی جڑیں مضبوط کردیں۔

مسلمان جہاں بھی جاتے تبلیغ دین کو اپنا اولین فریضہ خیال کرتے۔ مسلمان تاجروں کی محنت سے گجرات میں اسلامی اثرات کا نفوذ ہوا۔ چیمور کی بندرگاہ پر بلہرا نامی ایک ہندو راجا حکمران تھا۔ وہ مسلمانوں سے خندہ روئی سے پیش

آ تا۔ چیمور میں اہل اللہ کی تبلیغ سے بہت سے مقامی باشندے مسلمان ہو گئے۔ شہر میں مساجد تعمیر ہوئیں اور پانچوں وقت اذانیں ہونے لگیں۔ گجرات اور مہار شٹر کے درمیانی علاقے میں سندان کے مقام پر ایک ہندو راجا حکمران تھا۔ اس کا بیٹا بیمار تھا۔ اپین پروہتوں کے ذریعے بُتوں سے استمداد کا طالب ہوا۔ اپنے بیٹے کی وفات پر اُس نے تمام بُت مسمار کر دیے اور اسلام قبول کر لیا۔ وہاں بھی مساجد تعمیر ہوئیں اور دینی مشاغل کا اجراء ہوا۔ مالابار کے ساحل پر بھی مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ بستیاں وجود میں آ گئیں۔ جنوبی ہند میں بھی تبلیغ کی بدولت اسلام کی شمع روشن ہوئی۔

یوں تو اسلام کی ترویج و اشاعت میں مسلمان فاتحین، تجار اور علماء نے خوب خوب حصہ لیا ہے لیکن برصغیر پاک و ہند میں جو کامرانی و کامیابی بزرگانِ دین کو اس سلسلے میں نصیب ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکی۔ اُنھوں نے تبلیغ دین کے ساتھ تعلیم دین کا بھی اہتمام رکھا اور اپنے اپنے بے نظیر استقلال سے دونوں کاموں کو جاری رکھا۔ سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی سے بہت پہلے حضرت شیخ صفی الدین گازرونی رحمۃ اللہ علیہ بہاول پور کے مشہور روحانی مرکز اُوچ شریف میں آ کر مقیم ہوئے اُن کی تبلیغی کاوشوں کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سلطان محمود غزنوی کے ورودِ پاک و ہند کے بعد حضرت مخدوم علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی توجہ سے لاہور کا ایک مشہور جوگی معہ اپنے چیلوں کے مسلمان ہوا۔ آپ نے لاہور ہی میں کشف المحجوب قلم بند کی جو تصوف کے موضوع پر فارسی میں پہلی کتاب ہے۔ حضرت یوسف گردیزی رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی سعی جمیلہ پھل لائی اور اُن کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

اگرچہ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام نے اسلام کی بے بہا خدمات سرانجام دیں اور پاک و ہند میں اسلام کی جڑیں مضبوط کرنے میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے روحانی کمالات اور فیوض سے اطراف کو منور کیا تاہم دین کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے مزید محنت کی ضرورت تھی؛ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سلاسلِ اربعہ کے بزرگانِ دین سامنے آئے۔

اگرچہ سلسلہ سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ کے اولیائے کرام نے اپنے اپنے دور میں رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور ہزاروں فرزندانِ توحید اور بندگانِ خدا کے دلوں میں شمعِ ایمان روشن کی اور اپنے اپنے مخصوص انداز میں اسلام کی خدمت سرانجام دی لیکن سلسلہ نقشبندیہ نے تبلیغ اسلام اور سنت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ترویج و اشاعت میں اکبری الحاد کے دور میں جو مصائب برداشت کیے وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکے۔ اس سلسلے کے بزرگانِ دین، خالقِ حقیقی کی رضاجوئی اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاطر جان و مال اور ہر متاعِ عزیز پیش کرنے میں کوشاں رہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ پاک و ہند میں تبلیغ دین کے لیے وارد ہوئے۔ آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں خلافت اور سلسلہ نقشبندیہ کی برکات سونپ کر فرمایا:

''آپ ہندوستان تشریف لے جائیے کیونکہ وہاں آپ سے اس طریقہ عالیہ کو رواج ہوگا۔''

آپ نے دہلی کو تبلیغ کا مرکز بنایا اور اپنی تبلیغی کاوشوں سے اسلام کو فروغ دیا۔

آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی خدمات سے کون انکار کرسکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کو سمجھنے کی خاطر اکبر اور دینِ الٰہی کا مطالعہ ضروری ہے۔ اکبر، شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی کے مکمل نرغہ میں تھا۔ یہ گھرانہ باطنی طور پر غالی شیعہ تھا۔ اکبر کا ہندوؤں سے بھی خاص میل جول تھا۔ وہ دراصل بچپن ہی سے اس کی طرف مائل تھا، دکن کے ایک نومسلم بھاون کو اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ بھاون جب کبھی بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوتا تو اُس کے سامنے دقیق مسائل کی تشریح اپنے مخصوص رنگ میں بیان کرتا۔ علامہ عبدالقادر بدایونیؒ کا خیال ہے کہ اکبر کی گمراہی میں اُس کا بڑا ہاتھ ہے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اکبر ملحد ہوگیا۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اکبر کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''وہ ملحد ہوچکا تھا اور اُس نے زندیقوں جیسے طور طریقے اختیار کرلیے تھے''۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اکبر کی ان ہی مشرکانہ حرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص کلمہ پڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کام کرے یا کسی بُت کے آگے جھکے یا زنار باندھے وہ یقیناً کافر ہے۔''

''اکبر اور اُس کے دین الٰہی'' نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا۔ اُس زمانہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ

''اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہوکر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے رُکے ہوئے ہیں اور اُن کے بجالانے میں مذموم و مطعون ہیں۔''

رسومات کے بارے میں آپ'' لکھتے ہیں کہ'' مسلمان باوجود ایمان کے اہل کفر کی رسموں کو بجالاتے اور اُن کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی رسوم میں مسلمان سرگرم حصہ لینے لگے تھے۔ اس کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ ''اہل اسلام کے جہلاء دیوالی کے دنوں میں خصوصاً عورتیں اہل کفر کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور اس کو تہوار بنا کر مناتی ہیں''۔ اکبر کا دور اسلام کے لیے ابتلا کا دور تھا اور اس دور میں اسلام حد درجہ مظلوم تھا اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات اس قدر تنگ ہوچکا تھا کہ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت ظہورِ مہدی کے منتظر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تیرہ و تار دور میں اصلاحِ احوال کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب فرمایا۔ اِن دونوں بزرگوں نے امراء کی ایک جماعت کو، جسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

علیہ جرگہ ممدان دولتِ اسلامیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویجِ اشاعتِ شریعت کے لیے ترغیب دلائی۔

اکبر کی وفات کے بعد نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا تو اُس نے اپنے والد کی طرح سجدہ کو جاری رکھا اور دوسری تمام رسوم و آئین کو برقرار رکھا۔ دربار پر جہانگیر کی اہلیہ نور جہاں اور وزیر اعظم آصف جاہ چھائے ہوئے تھے۔ یہ دونوں شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اِن کے رُعب سے شیعہ ملت کو ترقی ہونے لگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین کو فوج میں تبلیغ دین کے لیے روانہ کیا اور خود امراء اور عہدے داروں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ہزاروں بندگانِ خدا نے راہِ حق کو اپنا لیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تبلیغی سرگرمیاں آصف جاہ کو ایک آنکھ نہ بھائیں۔ اُس نے جہانگیر کے کان بھرے اور دربارِ شاہی میں طلبی کے بعد گرفتار کر لینے کے مشورہ دیا۔ جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی بلایا۔ دربار میں پہنچ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہی آداب کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا اور بادشاہ کو مروّجہ سجدہ بھی نہ کیا۔ اس پر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ کے غضب کا نشانہ بنے۔ آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔

آپ نے گوالیار کے قلعہ میں محبوس غیر مسلموں پر توجہ دی۔ آپ کی ''سعی و کاوش'' سے صدہا قیدی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قلعہ کے ملازمین اور عہدے دار بھی آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوئے اور اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہو کر داخل سلسلہ عالیہ ہوئے قید کے دوران میں آپ نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور امراء اور فوجی عہدے داروں کو خطوط لکھتے رہے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ہزاروں لوگ تائب ہو کر دین حق کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر دو سال بعد جہانگیر نے خود ہی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔

مفتی غلام سرور لاہوریؒ لکھتے ہیں کہ ''دو سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت شیخ کو اپنے پاس طلب کر کے بہت زیادہ اکرام و احترام کیا اور بہت معذرت چاہی۔ حضرت شیخ سے اس قدر محبت کرنے لگا کہ کسی وقت آپ کی جُدائی گوارا نہ کرتا۔ شہزادہ خرم ''شاہ جہان'' کو حضرت شیخ کے حلقہ مریداں میں داخل کیا۔''

یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ شاہی دربار سے دین الٰہی کی جملہ بدعات و منکرات اور روافض کے عقائد فاسدہ کی ترویج و اشاعت کی رخصتی ہوئی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی بھر اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقدم رکھا۔ فرماتے ہیں:۔

''حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی اتباع ظاہر و باطن میں لازم ہے۔ نجاتِ اُخروی اور فلاحِ ابدی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت ہی واحد ذریعہ ہے۔''

آپ کے فرمان کے مطابق عقائد کی درستی کو اولیت حاصل ہے۔اس کے بعد تزکیۂ نفس کی باری آتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

''جب تک عقائد درست نہ ہوں، احکاماتِ شریعت کی پابندی نہ ہو،قلب کی صفائی ممکن نہیں اور اتباعِ شریعت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔قلب کو زندہ رکھنے کے لیے یہی سب سے بڑی اکسیر ہے''۔(مکتوبات شریف)

ریاضت اور مجاہدہ کو بھی شریعت کے مطابق لازمی قرار دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

''سالک جس قدر اتباع شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اُسی قدر ہوائے نفس سے زیادہ دور ہوگا۔پس نفسِ امارّہ پر شریعت اور امرونہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں اور صاحبِ شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں''۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہ کے پیر بھائی حضرت مرزا حسام الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی تبلیغ دین میں مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔مرزا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی کاوشوں سے تنگ آ کر چند معاندین نے جہانگیر کے کان بھرے۔جہانگیر اُس وقت کشمیر میں تھا۔آپ کو وہیں آنے کا حکم دیا۔جب آپ لاہور پہنچے تو اُن کو بشارت ہوئی کہ کشمیر کی بجائے دہلی جانا ہوگا۔چنانچہ چار روز کے بعد معلوم ہوا کہ جہانگیر فوت ہوگیا۔لاہور ہی سے آپؒ دہلی واپس روانہ ہوئے۔

اسی زمانہ میں نقشبندی خاندان کی ایک اور بزرگ ہستی حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ اسلام میں مصروف تھے۔آپ اکبری حکومت کے دورِ آخر میں ممالک اسلامیہ کی سیر وسیاحت کرتے ہوئے پاک وہند میں وارد ہوئے۔ابتداء میں آپ نے کشمیر کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔جہاں ہزاروں لوگ آپ کے دست فیض سے فیض یاب ہوئے۔

کشمیر میں اسلام کی ابتدا حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے ہوئی۔کشمیر میں جو مسلمانوں کی اکثریت ہے یہ انھی بزرگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔مغلیہ دور میں نازک شاہ بن فتح شاہ نے راجہ رنجن دیو کی وفات پر سلطنتِ کشمیر پر قبضہ کرلیا۔وہ مذہباً شیعہ تھا اور شیعیت پھیلانے میں کوشاں رہتا۔اس خاندان کے بادشاہوں نے شیعیت کو کشمیر میں کافی فروغ دیا۔جب حکومت چک خاندان میں منتقل ہوئی تو اس خاندان نے بھی شیعیت کو فروغ دینے کی بے حد کوشش کی اس خاندان کی شہ پر بیشتر سنی علماء وصلحاء شہید کردیے گئے۔سنی رعایا کا عرصہ حیات تنگ کردیا گیا۔

چک خاندان کے آخری بادشاہ یوسف شاہ بن علی شاہ کے زمانہ میں حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کشمیر میں وارد ہوئے۔اُس وقت خطۂ کشمیر میں شیعہ سنی فسادات کے باعث بڑا پُر آشوب زمانہ تھا۔آپ نے خانقاہِ فیض پناہ نقشبندیہ کا

اجراء کیا اور تبلیغ دین میں کوشاں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی بے شمار افراد آپؒ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں شامل ہوئے اہل بدعت وضلالت کی ایک کثیر تعداد آپ کے دستِ حق پر تائب ہوئی۔ اور اہل سنت و جماعت میں شامل ہوئی۔ خانقاہ میں درس وتدریس اور وعظ وہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ دُور دُور سے طالبانِ علم وہدایت خانقاہ میں حاضر ہوکر دینی و دنیوی فیوض و برکات سے مالا مال ہوکر جاتے۔ حاکمِ کشمیر کو آپ کا فروغ ایک آنکھ نہ بھایا اور آپ کو کشمیر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی ابھی پندرہ روز ہی گزرے تھے کہ حضرت بابا داؤد خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی درخواست پر اکبر بادشاہ نے کشمیر پر قبضہ کرلیا۔ تبلیغی سرگرمیوں کے پیشِ نظر آپ کو مقامی حکام سے اکثر مقابلہ کرنا پڑتا اور اسی سبب مختلف اوقات میں آپ پاک وہند کے دیگر علاقوں میں مصروفِ تبلیغ رہتے۔ یہی مقابلہ آپ کی نقل مکانی کا سبب بنتا رہا۔ آخرکار لاہور میں ہمیشہ کے لیے قیام فرمایا۔ اور یہاں بھی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ نو سال تک آپ کا فیضان جاری رہا۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔

حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ اوائل عمر ہی میں اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، اتباعِ قرآن وسنت اور رفع بدعت کے باعث مشہور زمانہ ہوگئے۔ دینی نصابِ تعلیم میں قرآن وحدیث کو مقدم قرار دے کر ہر طالب علم کے دل میں یہ بات نقش کر دیتے کہ جو شخص قرآن وحدیث میں اپنی رائے کو دخل دے وہ کفر کا مرتکب ہے۔ وہ علم، علم نہیں جو تقویتِ دین کا باعث نہ ہو۔

خاندانِ نقشبندیہ کے اس دور کے بعد خلفاء اور صاحب زادگان کا دور آتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند حضرت خواجہ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ محمد سعید رحمتہ اللہ علیہ نے تبلیغ کا بیڑا اٹھایا۔ سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی غیر موجودگی میں صاجزادگان ہی رُشد وہدایت کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جس قدر حقائق ومعارف مجھ پر منکشف ہوتے ہیں میرے بیٹے انھیں اخذ کرلیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے مضافاتِ سرہند میں تبلیغی سلسلہ جاری رکھا۔ آپ جہاں جاتے عقیدت مندوں اور مریدین کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ ہوتی۔ ایک دفعہ آپ لاہور تشریف لائے تو ایک عظیم جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ بعض مخالفین نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف شاہ جہان کو اُکسایا کہ شیخ کے ساتھ ایک عظیم فوج ہے۔ اگر بغاوت پر آمادہ ہوجائیں تو سلطنت خطرہ میں پڑسکتی ہے۔ شاہ جہان نے تحقیق کے لیے نوابِ سعد اللہ خان کو بھیجا۔ آپ نے نوابِ سعد اللہ خان کو پند ونصائح کے ذریعہ ترکِ دُنیا، ترکِ مال و جاہ اور منصب کی تلقین کی۔ وہ ناراض ہوا اور خدشہ کی تصدیق کردی۔ بادشاہ نے حضرت شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کو وطن جانے کا حکم دیا اور آپ نے رفع فساد کے پیشِ نظر مراجعت فرمالی۔ وہاں سے زیارتِ حرمین شریفین کو روانہ ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک اور مشہور خلیفہ شیخ محمد طاہر بندگی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اُنھوں نے لاہور کو اپنا تبلیغی مرکز بنایا۔ لاہور ہی میں ایک مدرسہ جاری کیا جہاں علومِ فقہ وحدیث اور تفسیر کی تعلیم دی جانے لگی۔ آپ عمر بھر وعظ وخطابت اور درس وتدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے خلفاء میں ابومحمد نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ، سید صوفی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ لکھن مست رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ ابوالقاسم نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ زیادہ مشہور ہیں۔ جنھوں نے تبلیغ اسلام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

شیخ بدیع الدین رحمتہ اللہ علیہ نے جہانگیر کے لشکر میں ہزار ہا لوگوں کو صراطِ مستقیم پر لگایا۔

حضرت شیخ نور محمد پٹنی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ حمید بنگالی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ مزمل رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ طاہر بدخشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ اسلام کا پرچم بلند رکھا۔

حضرت ایشاں رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادگان حضرت خواجہ احمد رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ بڑا وسیع کرلیا۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا کو راہ ہدایت دکھائی۔ خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کشمیر میں رُشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے والد ماجد کی تعمیر کردہ خانقاہ میں تمام عمر درس وتدریس میں مصروف رہے۔ آپ کے ہم عصر نقشبندی بزرگ حضرت نور محمد کلو کلاشپوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت ضیاء الدین رحمتہ اللہ علیہ نے بھی کشمیر میں اپنی تبلیغی کاوشوں سے ہزار ہا بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لگایا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے تیسرے دور میں حضرت عبدالاحد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت محمد سعید سرہندی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی رحمتہ اللہ علیہ، حصرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت نور الحق نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت محمد محسن رحمتہ اللہ علیہ، حضرت قطب الدین رحمت اللہ علیہ، حضرت نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ، حضرت نور الدین رحمتہ اللہ علیہ، علیہ المعروف بہ آفتاب کشمیر۔۔۔ اور حضرت خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ نے پنجاب، دہلی اور کشمیر کے علاقوں میں تبلیغ دین میں اپنی سعی وکاوش سے ہزار ہا لوگوں کو راہِ ہدایت پر لگایا اور عقائد باطلہ سے توبہ کروائی۔ روایت ہے کہ اسی دور کی تبلیغ سے متاثر ہوکر ضلع لدھیانہ کے جاٹ اور جالندھر کے گوجر مسلمان ہوئے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک برصغیر پاک وہند میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کے بعد صوفیہ اور علماء کی توجہ غیر مسلم اقوام میں تبلیغ کی بجائے مسلمانوں کی اصلاح کی طرف مبذول رہی۔ تاہم انگریزی عہد میں بھی برصغیر پاک وہند میں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوتے رہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے اُس زمانے کے بزرگوں نے بھی مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ رکھی احکامِ خداوندی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترویج واشاعت کو مقدم رکھتے اور مسلمانوں کو عقائد باطلہ سے بچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے اس دور میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید، حضرت حافظ سید محمد جمال اللہ رام پوری، حضرت خواجہ محمد عیسیٰ گنڈاپوری، حضرت شاہ غلام علی دہلوی، حضرت حاجی احمد سندھی،

حضرت شاہ حسین مکان شریفی، حضرت امام علی شاہ مکان شریفی، حضرت شاہ ابوسعید دہلوی، حضرت شاہ احمد سعید دہلوی، مولوی احمد یار بخاری امرتسری، حضرت بابا فیض محمد تیراہی، حضرت باباجی نور محمد چوراہی، حضرت باباجی خواجہ فقیر محمد چوراہی، حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیربلوی، حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری، حضرت مولانا خواجہ غلام دستگیر قصوری، حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مسعود دہلوی، شاہ رکن الدین الوری، حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی ٹنڈو سائیں داد (سندھ) رحمتہ اللہ علیہم صوبہ سندھ، صوبہ پنجاب، ریاست رام پور اور دہلی میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے اور ہزاروں بندگانِ خدا کو احکامِ حق تعالیٰ اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق گزارنے کا طریقہ بتاتے رہے۔ ان بزرگوں نے اپنی زندگی کا واحد مقصد دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت سمجھا اور اسی لیے زندگی بھر مصروفِ عمل رہے۔

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی، حضرت امیر ملت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی علی پوری، حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی، حضرت سید میر جان کابلی ثم لاہوری اور حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہم سلسلۂ نقشبندیہ کے روشن چراغ ہیں۔

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ ایک کامل ولی تھے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فانی ہو چکی تھیں یعنی آپ فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ آپ کے تمام اقوال، افعال، اطوار، حرکات وسکنات نشست برخاست، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا سب کے سب سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھے۔

آپ کا درجہ اتباعِ سنت کثرتِ درود خوانی اور پرورش رُوحِ مبارک از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری آپ کو بالمشافہ ہوتی تھی۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو آنکھ بند کرنے پر مدینہ منورہ پہنچ جاتے ہیں اور آنکھ کھولنے پر پھر یہاں آموجود ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں آپ کا اشارہ اپنی ذاتِ بابرکات کی طرف ہوتا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ باوجود صاحبِ اجازت ہونے کے شروع میں بیعت نہ فرماتے تھے۔ جو کوئی بیعت کے لیے عرض کرتا اپنے دادا پیر حضرت حاجی محمود رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیتے یا اپنے پیر بھائی حضرت خلیفہ عالم شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیتے پھر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے حکم پر لوگوں کو بیعت کرنے لگے۔ آپ کے عقیدت مند تمام پاک وہند میں موجود ہیں۔ ہزارہا لوگ آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت سید میر جان کابلی رحمتہ اللہ علیہ کابل کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کابل میں پائی۔ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں مصروف ہو گئے۔ ممالکِ اسلامیہ کی سیر وسیاحت کے دوران میں اشاعتِ دین کی گراں بہا خدمات سرانجام دیں۔ لاہور تشریف لائے تو حضرت مولانا سید احمد یار بخاری اُوچی ثم امرتسری

کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اُن کی خدمت میں رہ کر کمال حاصل کیا اور خرقۂ خلافت اور ارشادِ ہدایت سے سرفراز ہوئے۔ اکثر افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ طالبانِ علم و ہدایت کا اجتماع کثیر آپ کے ہاں موجود رہتا۔ آپ علوم قرآن و حدیث کی ترویج، اشاعتِ دین اسلام، احکامِ شریعت کے اتباع میں کوشاں رہتے۔ لاہور کے علاوہ کشمیر میں بھی تبلیغِ دین اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے گرد رہتی اور فیض حاصل کرتی۔

آپ حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے اویسی تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی سید محمود آغا رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور دونوں بھائی حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کے قرب میں محوِ خواب ابدی ہیں۔

حضرت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ علی پور سیداں شریف ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری اپنے وقت کے نامور علماء سے حاصل کیے۔ اساتذہ کرام میں مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احمد حسن کانپوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم قابلِ ذکر ہیں۔ دورانِ حصول تعلیم حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن نقشبندی مجددی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ بعد تکمیل تعلیم حضرت باباجی فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغِ اسلام کے لیے پاک و ہند کے دُور دراز علاقوں میں تشریف لے گئے۔ آپ کے دستِ فیض پر چار لاکھ سے زائد افراد نے بیعت کی۔ آپ نے کئی غیر مسلم افراد کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ نے فتنۂ مرزائیت کے خلاف جہاد کیا۔ اور مرزا کو بحث و مباحثہ کے لیے للکارا مگر مرزا حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا۔ آخر ایک رات فرمایا ہم تب تک لاہور میں ٹھہریں گے جب تک مرزا کا میدان صاف نہ ہوگا۔ چنانچہ اگلے ہی دن صبح مرزا چل بسا۔[1]

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر، ہم وطن اور پیر بھائی حضرت پیر سید جماعت علی شاہ المعروف بہ ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خرقۂ خلافت حضرت بابا فقیر محمد صاحب چوراہی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کرنے کے بعد تبلیغ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ آپ نے شہروں کے بجائے دیہاتوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ آپ دور دراز علاقوں میں چلے جاتے اور لوگوں کو احکامِ خداوندی اور سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس دیتے۔ آپ نے ہزار ہا لوگوں کی اصلاح فرمائی۔ آپ نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ تبلیغ بھی سادہ طریقے سے فرماتے۔ ہر بات میں تبلیغ کا پہلو نکال کر دین کی تلقین فرماتے۔ آپ نے تبلیغی سفر بھی فرمائے اور بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لگایا۔

---

1. حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادگان سید محمد حسین، سید نور حسین اور پوتے سید اختر حسین رحمۃ اللہ علیہم نے بھی تبلیغ دین کے لیے سرگرم کام کیا۔ (قصوری)

شیرِ ربانی عاشقِ ربانی حضرت میاں شیر محمد نقشبندی مجددی شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تبلیغ اسلام کے لیے بہت زیادہ کام کیا۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ اور اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ امیر الدین کوٹلہ شریف رحمتہ اللہ کی مراد تھے۔ آپ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل نمونہ تھے۔ آپ نے قلیل عرصہ میں اتباع سنت کی رُوح تازہ کردی تھی۔

آپ کے زمانے کا عجیب رنگ تھا۔ اکثر مسلمان اسلام اور صاحبِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے ناواقف ہو چکے تھے۔ مغربی تہذیب کی تقلید کو فخر سمجھا جانے لگا تھا۔ دہریت اور فلسفیت کا فیشن ہو گیا تھا۔ اسلام کے بارے میں ہزار ہا شکوک پیدا کر دیے گئے تھے۔ ہر کوئی سائنس اور فلسفہ سے استدلال طلب کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قول وفعل کو بھی فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا تھا۔

ان حالات میں آپ نے دہریت، فلسفیت اور مغربی تہذیب کے خلاف باقاعدہ جہاد شروع کر دیا۔ آپ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے۔ عوام کو کوئی موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھاتے، اُن کے سامنے پنجابی اشعار پڑھتے خواص کو اُن کی سمجھ کے مطابق بیان فرماتے۔ علماء کو قرآن وحدیث سے تبلیغ فرماتے غیر مسلموں کو اُن کے بزرگوں کے حالات سُنا کر تبلیغ فرماتے اور تصرف بھی فرماتے تھے۔

آپ کی وفات کے بعد تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت سید محمد اسمٰعیل کرمانوالے، حضرت صاحبزادہ مظہر قیوم مکان شریف، حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیربل شریف' حضرت سید نور الحسن بخاری کیلیانوالے، حضرت حاجی عبدالرحمٰن قصوری اور حضرت میاں رحمت علی گھنگ شریف والے رحمتہ اللہ علیہم آپ کے تبلیغی مشن کی تکمیل میں شب وروز کوشاں رہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لگایا۔

آج بھی پاکستان کے طول وعرض میں خاندانِ سلسلہ نقشبندیہ کے صاحبزادگان اور اولیائے کرام مصروفِ تبلیغ دین ہیں۔ پنجاب ہو یا سندھ، سرحد ہو یا بلوچستان ہر جگہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی شمعیں فروزاں ہیں اور تبلیغ دین وسنت میں کوشاں ہیں دُعا ہے کہ مولا تعالیٰ اِن بزرگانِ دین کے ذریعے سے اسلام کو زیادہ سے زیادہ تقویت بخشے۔ آمین"

اصطلاحاتِ نقشبندیہ

حضراتِ مشائخ نقشبندیہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے اپنے طریقے کی بنیاد گیارہ کلمات پر رکھی ہے، کہ وہ اصطلاحی ہیں اور اشغال واعمال کی طرف اشارہ ہے۔ ان کلمات و اصطلاحات کی مختصر تشریح حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی ؒ کے حالاتِ طیبات میں کردی گئی ہے مگر یہاں قدرے تفصیل سے تشریح وتوضیح کی جارہی ہے تاکہ کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔ یاد رہے کہ پہلے آٹھ کلمات حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی ؒ سے اور ان کے بعد کی تین اصطلاحیں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے مروی ہیں۔ اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) ہوش دَردم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہمیشہ ہوشیار رہے اور اپنے نفس پر آگاہ رہے۔ جو سانس نکلے یادالٰہی میں نکلے غفلت کسی وقت بھی راہ نہ پائے۔ اگر غفلت یا معصیت ہوجائے تو استغفار کرے۔ مبتدی کے واسطے انتہائی ضروری ہے کہ اُس کا کوئی سانس بھی غفلت میں نہ گزرے اور سانس کو غفلت سے اس قدر اور اتنا بچائے کہ حضور دائمی کو پہنچ جائے۔ وقوفِ زمانی کے بھی یہی معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہوش دردم، مبتدی کے لیے ہر وقت، ہر لمحہ اور لحظہ کی حفاظت ہے اور وقوفِ زمانی، متوسط کے لیے مناسب ہے کہ کچھ دیر سنبھال کر رکھے۔ وقوفِ زمانی حضرات صوفیہؒ محاسبہ بھی کہتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ”ہوشیار وہ شخص ہے، جس نے اپنے نفس کو ڈرایا اور مابعد موت کے واسطے عمل کیا“۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ:۔

”اپنی حالتوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اُن کا وزن کرو قبل اس کے کہ وزن کیے جائیں اور مستعد ہو جاؤ عرضِ اکبر کے لیے یعنی خدا کا سامنا کرنے کے لیے جو قیامت میں ہوگا۔ اُس دن تُم سامنے کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی چیز نہ چھپ سکے گی۔“

اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

1- وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ. (پارہ:24، الزمر:54)

اے بندو! اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اُس کے لیے اسلام لاؤ قبل اس کے کہ تُم پر عذاب آئے۔

2- اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (پارہ:23، یٰسٓ:65)

قیامت کے دن ہم اُن کے مونہوں پر مہر کریں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور گواہی دیں گے اُن کے پاؤں اُس بات کی جو کچھ کہ وہ کیا کرتے تھے۔

اسی مضمون کو حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود
خود بخود ہر مجرم رُسوا شود

قیامت کے دن ہر چھپی ہوئی بات ظاہر ہو جائے گی اور خود بخود ہر مجرم اپنی خطاؤں کے اظہار کی وجہ سے ذلیل ہوگا۔

(2) نظر بَر قدم

یعنی اپنی نگاہ کو پیروں کی طرف رکھنا۔ بظاہر یہ صرف ایک کلمہ ہے لیکن بہت سی خوبیوں سے پُر ہے۔ سب سے افضل واعلیٰ بات یہ ہے کہ نیچی نظر رکھنا سنت ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ اپنی نظر پاؤں کی طرف رکھے تا کہ نامحرم عورتوں پر نظر نہ پڑے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ’’عورت نامحرم پر نظر پڑنا ایک تیر ہے زہر آلودہ کہ بغیر ہلاکت کے چارہ نہیں‘‘۔ ہلاکت سے مراد نقصان ایمان، رُسوائی اور تباہی دارین ہے۔

نظر برقدم سے دوسری مراد یہ ہے کہ مکان، دکان وغیرہ وغیرہ کی رنگ برنگ اور گوناگوں اشیاء پر نظر پڑنے سے خیال منتشر ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف طالب کی یکسوئی میں فرق آتا ہے۔

تیسری مراد یہ ہے کہ نیکی اور بُرائی کے قدم کو دیکھے کہ کون سا قدم غالب ہے۔ اگر بُرائی میں قدم کو آگے دیکھے تو اس کو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو آگے بڑھائے۔

چوتھی مراد یہ ہے کہ اپنے قرب کو دیکھے کہ اُس کی ترقی کا قدم کس جگہ ہے۔

پانچویں مراد یہ ہے کہ اپنی ولایت کو دیکھے کہ کسی نبیؐ کے قدم کے نیچے ہے۔ کیونکہ ہر ایک لطیفہ[1] کی ولائیت ایک اولوالعزم پیغمبر کے زیرِ قدم ہے۔ مثلاً قلب کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے۔ رُوح کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے۔ سر کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے۔ خفی کی ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اور اخفی کی ولایت حضرت خاتم الانبیاء حضور پُر نور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ قدم ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اولیاء کے قدموں کا تفاوت انھی لطیفوں کی راہ سے ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اُس کی ولایتِ قلب ہے وہ ولائیت کے پانچ درجوں میں سے ایک درجہ کا صاحب استعداد ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اُس کی ولایت، ولائیت رُوحی ہے اور اُس کو دو درجوں کی استعداد ہے۔ جو حضرت موسیٰ

[1] لطائف انسانی کی تعداد پانچ ہے (۱) قلب (۲) رُوح (۳) سرّ (۴) خفی (۵) اخفاء یہ سب کے سب عالمِ امر سے ہیں۔ ان کا مکان فوق العرش ہے جسے لامکان کہتے ہیں اور عالم ارواح بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت سے ان لطائف کو بدنِ انسانی سے تعشق اور تعلق دے کر وہاں سے نیچے اُتار کر ہر ایک کو ایک خاص جگہ میں انسان کے بدن میں جو اس کے مناسب تھا جگہ عطا فرمادی ہے قلب کو سینہ کے بائیں طرف پستان میں جگہ دی ہے روح کو جو قلب سے زیادہ لطیف ہے اس کے مقابل دائیں جانب اخفا کے لطیف اور احسن لطائف ہے درمیان خفی سینہ کے سرّ کو درمیانِ قلب اور اخفا کے حقیقی خفی کو درمیانِ روح اور اخفا کے جگہ دی ہے۔ (قصوری)

علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اُس کی ولایت سر ہے اور وہ ولایت کے تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے اس کی ولایت ولائیت خفی ہے اور وہ چار درجے ولایت کی استعداد رکھتا ہے۔ اور جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ قدم ہے اُس کی ولائیت ولائیت اخفی ہے اور یہ سب ولائیتوں اور درجوں سے اعظم، اعلیٰ اور احسن ہے۔ اور اس ولائیت کے صاحب کو پانچوں درجوں کی ولائیت کی استعداد و قابلیت ہے۔

نظر برقدم سے سرعتِ سیر کی جانب بھی اشارہ ہوسکتا ہے یعنی یہ کہ قطع مسافت ہستی اور عبور بر عقباتِ خود پرستی میں سالک کی نظر جہاں تک پہنچے فوراً قدم بڑھا کر وہیں پر رکھ دے۔

بہر حال نظر برقدم پر عمل پیرا ہونا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے۔

وقتِ رفتن بر قدم باید نظر
ہست سنت حضرتِ خیر البشرؐ
اندریں حکمت بس ست و بیشمار
دیدہ خواہد طالب حق آشکار
اتباعِ حضرت محمد مصطفےٰؐ
میر ساند نزدِ حق جل و علا

چلتے وقت نظر پاؤں پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے۔
اس میں بہت سی حکمتیں ہیں کہ جس کو طالبِ خدا صاف دیکھے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

(3) سفر در وطن

اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی صفاتِ بشریہ کو چھوڑ کر صفاتِ ملکیہ حاصل کرے اور صفاتِ ذمیمہ ترک کر کے صفاتِ حمیدہ کا حامل ہو جائے۔ یعنی طلبِ جاہ و مالِ عجب، حسد، بُغض، کینہ اور تکبر سے دل کو پاک صاف کرے۔ آئینہ کی طرح شفاف کرے کیونکہ جب تک یہ خصائل رذائل دل میں بھری ہوں گی تو نورِ خدا کا گزر کیونکر ہوسکتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت بوعلی قلندر قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

صد تمنا در دِلا داری فضول
کے کند نورِ خدا در دل نزول

تو سینکڑوں لغو آرزوئیں دل میں لیے پھرتا ہے۔ ذرا یہ تو بتا کہ خدا کا نور تیرے دل میں کب نازل ہوگا۔
اسی طرح مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ بھی ارشاد کرتے ہیں۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دُوں
ایں خیال است و محال ست و جنوں

تو خدا کو بھی چاہتا ہے اس ذلیل دنیا کو بھی، یہ تو محض خیال، جنوں اور محال و ناممکن بات ہے۔

جس شخص کی اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز سے محبت ہے، یہی اُس کا بت ہے۔ جب تک بت خانہ توڑ کر خانۂ خدا نہ بنائے گا، عنداللہ یہ بت پرست کہلائے گا۔ حضرت بوعلی قلندرؒ فرماتے ہیں۔

بت پرستی می کنی ہم بت گری
شد دلت رشکِ بُتان آذری

تو بت پرستی کرتا ہے اور بت بناتا بھی ہے۔ حتیٰ کہ تیرا دل آذر کی بتوں کے لیے باعثِ رشک ہے۔

حکیم الامت حضرت اقبالؒ اِس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں۔

بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں خُدا سے نواُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں کہ ''سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ سیرِ آفاقی کو چھوڑ کر سیر انفسی کی طرف سفر کرے۔''

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ، اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ''جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اُس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے''۔ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جس دل میں خیالِ غیر خدا ہے وہ دِل بھی رحمتوں کے نزول کا مستحق نہیں ہوتا''۔

امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جس نے اللہ کی محبت کا خالص مزا چکھا تو اُس نے اُس کو طلبِ دُنیا سے باز رکھا اور سب لوگوں سے وحشی اور غیر مانوس کر دیا۔'' حضرت شاہ ہدایت علی جے پوری نقشبندی مجددرحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کینہ و بغض و حسد حقد و ریا
خود سری خود بینی و مکرو و دغا
ایں خصائل ناقصہ را دُور کن
قلبِ خود را از یادِ حق معمور کن
تاشود قلبِ سیاہ نُور و ضیا
تاشود خانۂ دلت خانۂ خدا

کینہ، بغض، حسد، دشمنی و کمینہ پن اور ریاکاری۔

خودسری، خود بینی اور مکرودغا اور فریب کاری۔

یہ سب بُری عادتیں چھوڑ دے۔

اور اپنے دل کو یادِ خدا سے آباد کر۔

تا کہ تیرا سیاہ دل روشن و منور ہو جائے۔

اور تیرا دل خانہ خدا بن جائے۔

(4) خَلوَت دَر انجُمن

اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے خدا کے ساتھ مشغول رہے۔ اپنے تمام حالات یعنی کھانے، پینے، بات کرنے، پڑھنے، پڑھانے، چلنے پھرنے، بیٹھنے اور سونے وغیرہ میں، چاہے اُس کی حالت پاکی کی ہو یا ناپاکی کی، اس قدر مشغول و مصروف رہے کہ اللہ کی طرف اُس کی توجہ راسخ یعنی خوب پختہ ہو جائے۔ اسی لیے حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"دل بیار، دست بکار"

دلِ یار کی طرف اور ہاتھ کام کی طرف۔

اور یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کی طرف:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ. (النور:37)

وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "سفر در وطن میں خلوت در انجمن کا مطلب حاصل ہو جاتا ہے"۔

خلوت در انجمن سے مراد یہ ہے کہ لوگوں میں اس کا جسم موجود رہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال نہ ہو یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ جسم تو اس کا لوگوں کے درمیان مصروف و مشغول ہو اور دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو یعنی دل میں ہر وقت، ہر آن، اللہ ہی اللہ ہو۔ اور اس میں کسی قسم کا تصنع، بناوٹ اور تکلف نہ ہو تو لباسِ فقراء اُس کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ وضع اور لباس ایسا ہونا چاہیئے جیسا کہ حضرت خواجہ میر درد نقشبندی قدس سرہٗ، فرماتے ہیں۔

"نہ میں لباس عالموں جیسا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو عالم کہیں اور نہ درویشوں کا سا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو درویش کہیں اور نہ لباس ملامت کا پہنتا ہوں کہ جس سے عاقبت میں مواخذہ ہو بلکہ عام لوگوں کا سا لباس پہنتا ہوں کہ جس میں ان تمام باتوں سے بچا رہوں۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی طریقہ تھا کہ عام لوگوں کی طرح بود و باش رکھتے تھے۔ درویشی وغیرہ کی کوئی امتیازی شان ظاہر نہیں کرتے تھے بالکل یہی طریقہ حضراتِ نقشبندیہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ اور یہی

مضمون حدیث قدسی کا ہے۔ جسے عارفِ رومیؒ یُوں بیان فرماتے ہیں۔

ما برُوں را ننگریم و قال را
ما دَروں را بنگریم و حال را

ہم کسی کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم باطنی حالت کو دیکھتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمھاری صورتوں اور لباس واعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہوں، اسی واسطے حضراتِ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعینؒ اُس چیز کی تکمیل میں زیادہ کوشش اور سعی کرتے ہیں جس کو خدا دیکھتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب خدا کی نظر کپڑوں اور صورتوں پر نہیں ہے تو پھر فقیروں کی شکل بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ گزشتہ ادوار میں تو درویش غربت، ناداری اور تنگدستی کی وجہ سے، ایک تہ بند، ایک چادر اور ایک دوپٹہ ہونے کے سبب کپڑوں کو مٹیالا یا سیاہ رنگ کرلیا کرتے تھے تاکہ جلد میلے نہ ہوں اور دھلائی کے لیے تضیعِ اوقات وزر نہ ہو کیونکہ وہ اپنے ہر لمحے کو آخری لمحہ اور ہر سانس کو آخری سانس جانتے تھے۔ اب لوگ اُن کے سیاہ کپڑوں کی نقل تو کرتے ہیں لیکن اُن کی یادِ خدا اور ترکِ دُنیا کی نقل نہیں کرتے، بلکہ اس کے خلاف صورت فقیروں کی اور گھر امیروں کی طرح رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ان کے ظاہر سے باطن کا معاملہ برعکس ہے۔ بقول حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ۔

ہمچو ایں خا ماں باطبل و علم
کہ الغ خانیم در فقر و عدم

ان ڈھول ڈھمکے والے ناکارہ لوگوں کی طرح جو فقر وفنا میں اپنے آپ کو الغ خاں کہتے ہیں۔

لاف شیخی در جہاں انداختہ
خویشتن را بایزیدؒ ے ساختہ

دُنیا کے سامنے اپنی بزرگی کی شیخیاں بگھارتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو بایزید بسطامیؒ بنا رکھا ہے۔

ہم از خود واصل شد و سالک شدہ
محفلے وا کردہ در دعوت کدہ

اپنے وجود سے خود ہی واصل ہیں اور خود ہی سالک بنے ہوئے ہیں۔ دعوتیں اور جلسے ہو رہے ہیں۔

چند وزدے حرفِ مردانِ خدا
تا فروشی دستانی مرحبا

اے ظاہر پرست اور ظاہر دور انسان! تو کب تک مردانِ خدا کی نقل کرتا رہے گا تاکہ دُنیا میں غلط سودا کرے۔

این نہ مردا نند و اینہا صورت اند
مردۂ مانند و کشتۂ شہوت اند

یہ لوگ در حقیقت مرد نہیں ہیں اگر چہ صورت سے مرد نظر آتے ہیں یہ تو خواہش اور حرص و ہوا کے بندے اور مردے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی شیرزای رحمتہ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کسی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع
خود را از عملہائے نکو ہیدہ بری دار

تیری گڈری اور تسبیح و مرقع کس کام آئے گا۔ اپنے آپ کو برے کاموں سے بچائے رکھ۔

حاجت بگلاہِ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش کلاہِ تتری دار

تجھے فقیروں کی سی ٹوپی اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تو درویش صفت بن اور پھر چاہے تو عمدہ ٹوپی پہن لے۔

ہاں اگر کوئی درویشی جتانے اور دنیا کمانے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس حدیث شریف کا مصداق بنتا ہے۔

الدُّنیَا زُوْرٌ لَایُحْصِلُهَا اِلَّا بِزُوْرٍ. دُنیا مکر ہے اور مکر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

صاحبِ تذکرۃ الاولیاء حضرت فریدالدین عطاء رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

فقرِ خود را پیشِ کس پیدا مکن
محنتِ امروز را فردا مکن

اپنے فقر کو کسی پر مت ظاہر کر (اور) آج کا کام کل پر مت چھوڑ۔

سعدی علیہ الرحمتہ ارشاد کرتے تھے۔

اے دَرُونت برہنہ از تقوی
وز بروں جامۂ ریا داری

اے شخص! تیرا باطن پرہیز گاری سے ننگا (خالی) ہے اور تیرا ظاہر لباس ریاکاری سے آراستہ ہے۔

پردۂ ہفت رنگ را بگذار
تو کہ در خانہ بوریا داری

تو اِس سات رنگے پردہ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ تیرے گھر میں چٹائی موجود ہے۔ یعنی تیرا ظاہر اچھا ہے اور باطن خراب ہے۔ لہٰذا اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

ہر شخص اپنی دولت کا پتہ کسی کو نہیں دیتا اور ہر شخص اپنے محبوب کی محبت کا اظہار کسی عمل سے غیروں پر نہیں کرتا تو پھر محبت الٰہی کا اظہار اپنے لباس سے کرنا کہاں کی عقلمندی اور دانائی ہے۔ اسی لیے تو حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی رحمتہ

اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

از درون شو آشنا وز بروں بیگانہ باش
ایں چنیں زیباروش کم می بود اندر جہاں

اندر یعنی دل میں خدا کی یاد رکھ اور ظاہر بیگانہ رہ یہ عمدہ روشن مثال دُنیا میں بہت کم ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔

از بروں درمیانِ بازارم
وز دروں خلوتے ست با یارم

میرا ظاہر جسم تو بازار میں ہے اور میرا باطن یعنی دل خدا کے ساتھ ہے۔

سوال: بعض اولیاء اللہ نے اپنے لباس سے اظہارِ ولائیت نہیں کیا ہے تو اُن کے کلمات سے اظہار ولائیت ہوا ہے۔ لہٰذا اظہار لباس سے ہو یا کلام سے دونوں کی صورت ایک ہے۔

جواب: بعض اولیاء اللہ کو کمالاتِ نبوت میں سے ظلی طور پر حصہ دیا جاتا ہے اور بعض کو صرف ولایت میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ فیضانِ نبوت قابلِ اظہار ہوتا ہے اور فیضانِ ولائیت قابلِ استتار۔ (یعنی چھپانے کے قابل) لہٰذا جن اولیائے کرام کو کمالاتِ نبوت میں سے حصہ دیا گیا ہے انھوں نے بموجب ارشادِ باری تعالیٰ۔

وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ. اپنے پروردگار کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

(الضحیٰ: پارہ:30، آیۃ:11)

اظہار ولائیت کیا ہے اور اس اظہار کے دو مقاصد و منشاء ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔

(2) خلقِ ناقص کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانا۔

جن اولیائے کرام کو صرف ولایت میں حصہ دیا گیا ہے اور اُن سے اظہارِ کرامات یا اظہارِ حالاتِ باطنی ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس لیے ظاہر کروائے ہیں تاکہ کفار فجار وغیرہ راہِ ہدایت پر آجائیں اور طالب خدا کی طرف بڑھیں اور اِن بزرگوں کا کلام طالبانِ حق کے لیے قانونِ راہِ طریقت ...... بنے اور شیطان لعین کے دھوکا سے بچیں۔ ورنہ اولیاء اللہ نے اپنے اظہار فقر وغیرہ کے لیے کوئی بات نہیں کی۔ جو کچھ الہام ہوا' کہہ دیا۔ جیسا کہ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے
یک دہاں پنہاں است در لبہائے وے

بانسی کی طرح دو منہ رکھتا ہوں جس میں سے ایک منہ خدا کے ہونٹوں میں ہے یعنی جو کچھ الہام اللہ

تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے میں وہی کہہ دیتا ہوں۔

حضرت شاہ ہدایت علی جے پوری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عبدِ خالق پیشوائے عارفاں
ایں چنیں فرمود بہر طالباں

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ جو عارفوں کے پیشوا ہیں، نے طالبانِ حق کے لیے اس طرح فرمایا ہے۔

ایں نصیحت بشنوید از گوش دل
کارِ نے آید دریں جا گوشِ گل

اس نصیحت کو دل کے کانوں سے سنو یعنی توجہ اور غور سے سنو۔ کیونکہ یہاں مٹی کے کان کام نہیں آئیں گے۔

بندگاں باید کہ در وقتِ سخن
قلب باحق قالب در انجمن

بندوں کو چاہیئے کہ بات چیت کرتے وقت یہ حال ہو کہ دِل خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو اور جسم محفل ہو۔

(5) یاد کرد

یاد کرد سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرے، ذکر اسم ذات کا یا نفی اثبات کا یعنی کلمہ شریف کا کہ جو مرشد سے پہنچا ہو اور ذکر اس قدر کرے کہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ:۔

''ذکر سے مقصود یہ ہے کہ دِل ہمیشہ حضرتِ حق کے ساتھ حاضر رہے، بوصفِ محبت اور تعظیم کے، اس واسطے کہ ذکر یعنی یاد، رفعِ غفلت کا نام ہے''۔

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

باش دائم اے پسر در یادِ حق
گر خبرداری زعدل و دادِ حق!

اے بیٹے! ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہا کر اگر تجھے اللہ تعالیٰ کے انعامات وعنایات کی خبر ہے۔

(6) بازگشت

بازگشت یعنی رجوع کرنا، پھرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار مناجات کی

طرف رجوع کرے کیونکہ یہ دُعا حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی ہے۔اور ذکر میں یہ شرط نہایت عظیم ہے جسے ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔

''الٰہی! مقصودِ من توئی و رضائے تو، محبت و معرفتِ خود بدہ۔

''اے اللہ! میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا و خوشنودی۔ تو اپنی محبت و معرفت عطا فرما''۔

یعنی ''اے اللہ! مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا ہے۔ تیرے ہی لیے میں نے دنیا و آخرت کو ترک کیا ہے۔ تو اپنی نعمتیں عطا فرما کر اور اپنی ہی بارگاہ میں وصولِ تمام عنایت فرما''۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''ہمارے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اس دُعا کو بار بار پڑھنا شرطِ عظیم فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ طالب کو نہیں لازم ہے کہ اس سے غافل رہے اس واسطے کہ جو ہم نے پایا اس کی برکت سے پایا''۔

اس دُعا کا مقصد و مُدّعا یہ ہے کہ ذکر و فکر سے جو سرور یا کوئی نور یا کوئی چیز عالم غیب کی نظر آئے تو طالب اُس پر مغرور نہ ہو اور اس کو اپنا مقصد نہ سمجھ لے، کیونکہ ذاتِ خدا تو کجا اسماء و صفات الٰہی میں سے ایک صفت میں اگر لاکھوں برس سیر سالک رہے۔ جب بھی ختم نہ ہو۔ لہٰذا یہ دُعا سب کو ختم کر کے ذاتِ حق سے قریب کرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:۔

''ہر چہ دیدہ شُد و شنیدہ شُد و دانستہ شُد۔ آں ہمہ غیر است بحقیقتِ کلمہ لانفی آں باید کرد''۔

جو کچھ دیکھا جائے اور سنا جائے اور جانا جائے، وہ سب غیر خدا ہے۔ کلمہ طیبہ کے لا سے سب کی نفی کر دینی چاہیئے۔

اسی مضمون کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ یوں ادا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت در گہست
ہر کہ بروے می رسی بروے مایست

اے بھائی! اللہ تعالیٰ کی بے انتہا درگاہیں ہیں۔ جب تو کسی درگاہ پر پہنچ جائے اُس کو نہایت جان کر مت ٹھہر۔

(7) نگہداشت

نگہداشت سے مراد یہ ہے کہ ذاکرِ حق خطرات اور احادیث نفس کو ہانکے اور دُور کرے یعنی جو خیالات اور وسوسے غیر خدا کے دل میں آئیں تو سالک اُن کو نہ آنے دے۔ اسی لیے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ، فرماتے ہیں کہ۔

''سالک کو لائق ہے کہ خطرہ کو اُسکے ابتدائے ظہور میں روک دے اس واسطے کہ جب ظاہر ہو چکے گا

تو نفس اُس کی طرف مائل ہو جائے گا اور وہ نفس میں اثر کرے گا، پھر اس کا دُور کرنا مشکل ہو گا۔ یہ نگہداشت طریقہ ہے حاصل کرنے ملکۂ خلو۔ تختہ ذہن کا خطرات و وساوس کے خطور کرنے سے"۔

یعنی دنیا کے خیالات دل پر نہ جمیں اور دل مثلِ آئینہ کے صاف رہے اور جو فیضانِ باطن آئے اُس کا عکس دل پر پڑے اور جب آئینہ دل خالی نہیں ہے تو اس میں ظہورِ انوار و برکاتِ الٰہی کہاں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پنبۂ وسواس بیرون کن زگوش
تا بگوشت آید از گردوں خروش

وسوسوں کی روئی کان سے باہر نکال تاکہ تیرے کان میں آسمان سے آوازیں آئیں۔

تا کنی فہم آں معمہ ہاش را
تا کنی اِدراک امرِ فاش را

تاکہ تو اُن اسرار کو سمجھ سکے اور تو راز کی باتوں کو جان سکے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"خطرہ کو دل میں ساعت دو ساعت بھی نہ رکھنا چاہیئے بزرگوں کے نزدیک یہ امر اہم ہے اور اولیاء کاملین کو یہ دولت تازماں حاصل رہتی ہے۔" (یعنی عرصہ تک)

حضرت شاہِ ہدایت علی جے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عبدِ خالق پیشوائے اولیاء
برگزیدہ رہنمائے اتقیاء

حضرت عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء کے پیشوا ہیں اور خدا کے مقبول بندے اور متقیوں کو راستہ دکھانے والے ہیں۔

ایں چنیں فرمود بہر مومناں
از خدا غافل مشو تو یک زماں

اُنھوں نے مومنوں کے لیے اس طرح فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ سے تھوڑی دیر بھی غافل نہ رہو۔

کوش تا در دل نیائید فکرِ غیر
نے رود فکرِ دلِ طالب بغیر

اِس بات کی کوشش کر کہ تیرے دل میں خیالِ غیر خدا نہ آئے اور نہ طالب کے دل کا خیال سوائے

خدا کے کسی کی طرف جائے۔

(8) یادداشت

یادداشت سے یہ مطلب ہے کہ توجہ صرف ہر حال اور ہر دم بسبیل ذوق اللہ تعالیٰ کی طرف رہے۔ بعض کے نزدیک یادداشت سے مراد حضورِ بے غیب ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک یادداشت یہ ہے کہ سالک کے دل پر استیلائے شہودِ حق تبوسطِ حُبِّ ذاتی ہو جائے اور اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ یہ دولت بدونِ فناء تام اور بقائے کامل حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''حق بات یہ ہے کہ ایسا متوجہ رہنا بالاستقامت حاصل نہیں ہوتا، مگر بعد فنائے تام اور بقائے کامل کے''۔

سوال: یاد کرد، نگہداشت اور یادداشت میں کیا فرق ہے؟

جواب: یاد کرد اور نگہداشت میں طالب اپنی کوشش وسعی سے رب کی طرف مخاطب ہوتا ہے اور یادداشت میں بلاکوشش خود بخود قلب خدا کی طرف مشغول و مخاطب رہتا ہے۔ حضرت شاہ ہدایت علی جے پوری نقشبندی مجددی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

یادداشت حاصل شود بعد از فنا
بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

یادداشت فنائے تام کے بعد حاصل ہوتی ہے بلکہ بقائے کامل کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازیں غافل نہ باشد یک زماں
خواہ باشد فرح و غم سود و زیاں

اس کے بعد تھوڑی دیر بھی خدا سے غافل نہ رہے خواہ اُسے خوشی ہو یا رنج، فائدہ ہو یا نقصان۔

در جماعتِ اولیاء داخل شود
نزد جملہ طرق او واصل شود

وہ شخص جو فنا و بقا سے مشرف ہو چکا وہ ولی ہے اور متفقہ طور پر وہ واصل بحق ہے۔

(9) وُقُوفِ زَمانی

وقوفِ زمانی کی شرح ہوش در دم میں ہو چکی ہے۔ ہوش در دم اور وقوفِ زمانی یہ دونوں تقریباً ایک ہی مطلب کی حامل ہیں۔ تاہم اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے احوال پر واقف رہے۔ اگر طاعت میں ہے تو شکر کرے اور اگر معصیت میں ہے۔ تو استغفار کرے۔ یعنی شکر کے موقع پر شکر کرے اور استغفار کے موقع پر توبہ و استغفار

کرے اِسے محاسبہ بھی کہتے ہیں۔

(10) وُقوفِ عددی

وقوفِ عددی سے مراد سالک کا اثنائے ذکر میں واقف رہنا ہے۔ جب ذکر کرے تو طاق یعنی وتر کرے جیسے 3'5'7'9'11 وغیرہ۔اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مناسبت ہے کیوں کہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ وِترٌ وَّيُحِبُّ الْوِتْرَ. خدا ایک (طاق) ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے لہٰذا ذکر قلبی میں اس نوعیت کی رعایتِ عددی تفرقہ کے دُور کرنے اور جمعیتِ خاطر کے پیدا کرنے میں خاص طور پر مؤثر ہے۔

(11) وُقوفِ قلبی

وقوفِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت، ہر آن اور ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور قلب خدا کی طرف متوجہ رہے تاکہ سب طرف کی توجہ ٹوٹ کر معبودِ حقیقی کی طرف ہی رہ جائے اور خطرات ووسوسے دل میں داخل نہ ہوں۔خصوصاً ذکر کے وقت اس بات کا پورا پورا خیال رکھے۔ اسی لیے تو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے حبس دم اور رعایتِ عدد کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا بلکہ فوائد میں داخل فرمایا ہے۔اور وقوفِ قلبی تو حضرت خواجہؒ کے نزدیک بہت ضروری اور رکنِ عظیم ہے اور دار و مدارِ طریقہ نقشبندیہ کا اسی پر ہی ہے کیونکہ دورانِ ذکر اس نوعیت کا ارتباط اور اس قسم کی حضور و آگاہی ایک ضروری شرط ہے جس کے بغیر ذکر مؤثر نہیں ہوتا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عَلٰی بیض قلبك کن کانك طائرٌ فمن ذٰلك الاحوال فیك تولُّد

اپنے دل کے انڈے پر پرندے کی طرح ہو جا اور اُسے سہہ پس اس طریقہ سے جس طرح انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تیرے دل میں خدا کا نور پیدا ہوگا۔

انتباہ

کلماتِ نقشبندیہ کی مختصر تشریح کردی گئی ہے۔اگر کوئی یہ چاہے کہ میں صرف ان کلمات کو دیکھ کر ذکر وفکر کروں اور اس کی تکمیل ہوجائے تو یہ بات ناممکن ہے کیونکہ شیخ (پیرومرشد) کے بغیر راہِ طریقت میں قدم رکھنا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

کارِ بے اُستاد خواہی ساختن
جاہلانہ جاں بخواہی باختن

''اگر تو اُستاد کے بغیر کام بنانا چاہے،تو کامیابی ممکن نہیں بلکہ جاہلوں کی طرح اپنی جان پر کھیلنا پڑے گا۔''

خواجۂ خواجگان حضرت نقشبند بخاری قدس سرہٗ ارشاد کرتے ہیں۔

نیست ممکن در رہِ عشق اے پسر
راہ بُردن بے دلیلِ راہ بَر

اے بیٹے! راہ عشق میں یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر راہبر (پیر) راستہ پر چلا جا سکے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ہیچ آہن خود بہ خود تیغے نہ شُد
ہیچ شخصے خود بخود شیخے نہ شد

کوئی چیز اپنے آپ پیدا نہیں ہوئی اور نہ کوئی لوہا خود بخود تلوار بنا۔

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے رومؒ
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شُد

مولوی اُس وقت تک مولائے رومؒ نہیں بن سکا جب تک کہ وہ حضرت شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بن گیا۔

ایک اور مقام پر عارف رومیؒ ارشاد کرتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست پُر از آفت و خوف و خطر

اپنے لیے پیر و مرشد پکڑ کیونکہ بغیر پیر کے یہ سفر نہایت پُر آشوب اور خطرناک ہے۔ یعنی شیطان اور نفس کو اس میں بہت دھوکا دینے کا موقعہ ملتا ہے۔

دامنِ اُو گیر زُود تر بے گماں
تا رہی از آفتِ آخر زماں

بلاشبہ اُس بندۂ خاص کا دامن جلد از جلد پکڑ تا کہ تو اُس آخری زمانہ کی آفتوں سے بچا رہے۔

فضائلِ طریقۂ نقشبندیہ

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سرِ حلقہ خیر البشر بعد از انبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جن کا ایمان تمام اُمت کے ایمان سے بھاری ہے اور جن کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام عمر کی نیکیاں آپؓ کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ آپؓ کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ نسبتِ خاص حاصل ہے، جس سے آپؓ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ممتاز ہیں۔ آپؓ کے بارے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآل وسلم کا ارشاد ہے۔

مَاصَبَّ اللّٰہُ شَیْءٍ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَّتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ.

جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا تھا میں نے وہ سب کچھ (حضرت) ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ:

''ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایمان کو تمام اُمت کے ایمان سے وزن کیا جائے تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا پلّہ بھاری ہوگا۔''

مزید ارشاد ہوا کہ:۔

''میری اُمّت پر سب سے زیادہ شفیق ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں''۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا نام حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ سید محمد بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا کیونکہ آپ امامِ الطریقہ ہیں۔ جب حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ علمِ طریقت میں مرتبۂ اجتہاد کو پہنچے اور آپ کے ارشاد کا زمانہ آیا اور آپ کے مُرشدِ کامل حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت وخلافتِ طریقہ عنائیت فرمائی تو آپ نے طریق صوفیہ میں طالبانِ حق کو دیکھا اور سنا کہ کسی نے سالہا سال سے سونا ترک کر دیا ہے اور کسی نے شب کا جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا اختیار کیا ہے اور کسی نے روزانہ دو مرتبہ قران مجید ختم کرنا مقرر کیا ہے۔ کسی نے پانچ صد نوافل روز ادا کرنا اپنا معمول بنالیا ہے۔ کسی نے اسی برس تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا کسی نے پیر پھیلانا موقوف کر دیا ہے، کوئی بوجہ ضُعفِ پیری یا بیماری افکارِ طریقۂ مبارک حضرات صوفیۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ادا کرنے میں مجبور ومعذور ہے اور اُس کا وقت غفلت میں گزر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ (پارہ:5، النساء:103)

اللہ کا ذکر کرو، کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے۔ (یعنی ہر حال، ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو۔)

کی تعمیل سے قاصر ہیں تو کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا [1] نے ظہور پکڑا اور نوشتۂ روزِ ازل نے آپؒ کے سینہ مبارک میں جوش

[1] ہر کام اپنے اوقات کے ساتھ رہن رکھا گیا ہے۔ (قصوری)

پیدا کیا تو سر بسجدہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگے۔

''الٰہی اُمّت کے قویٰ ضعیف ہو گئے ہیں، اب اُن میں سختی برداشت کرنے کی قوت و ہمت نہیں رہی ہے۔ نبوت کا خیر و برکت والا زمانہ ان سے دُور تر ہوتا جا رہا ہے لہٰذا تو اپنے فضل و کرم سے مجھ کو ایسا طریق عنائیت فرما جو کہ آسان ہو اور تجھ تک جلد پہنچنے والا ہو''۔

پندرہ روز تک بحالت سجدہ آپ اسی طرح گریہ وزاری کرتے رہے، صرف نماز با جماعت اور حوائج ضروریہ کے لیے ہی حجرہ سے باہر تشریف لاتے پندرہویں روز دریائے رحمتِ الٰہی موجزن ہو کر الہام ہوا کہ:۔

''اے محمد بہاؤ الدین! ہم تجھ کو وہ طریق عنائیت فرماتے ہیں کہ جو ہمارے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تھا۔'' (یعنی وقوفِ قلبی اور اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

حضرت خواجہ محمد بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنایت ایزدی پر شکر ادا کیا اور سر سجدہ سے اُٹھایا اور پھر اس طریق جدید کو رواج دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس طریق نے ایسی ترقی کی کہ آج کروڑوں انسان اس سلسلۂ مبارک سے وابستہ ہیں اور یہ سلسلہ آفتاب کی روشنی کی طرح قبولیت حاصل کر کے روئے زمین پر پھیل گیا۔ ممالکِ رُوم، شام، کردستان، عرب، بخارا، ترکستان، کابل، چین، برصغیر پاک و ہند غرض سب جگہ خلفاء اور طلبۂ نقشبندیہ بکثرت موجود ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے لوگ دریافت کرتے تھے کہ آپ کے اس سلسلۂ جدید میں کیا فائدہ ہے! اس پر آپ ارشاد فرماتے کہ سب طریقِ مبارک اور نور علیٰ نور ہیں اور سب خدا تعالیٰ تک پہنچتے ہیں لیکن جو طریقِ خدا تعالیٰ نے مجھے عنائیت فرمایا ہے۔ اس میں آسانی بہت ہے اور اس سے بہت جلد اللہ تعالیٰ تک رسائی ہو جاتی ہے۔

ذکر قلبی میں چونکہ جذب ربانی ہے اور ذکر زبانی میں سلوک، بدیں وجہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

مامرادانیم ما فضلیانیم — ہم مطلوبوں میں ہیں، ہم فضل والوں میں سے ہیں۔

طلبۂ حق میں ایک مراد ہوتے ہیں اور ایک مرید۔ مراد وہ لوگ ہیں جن کو خدا خود اپنی طرف کھینچے اور مرید وہ لوگ ہیں جو خود سعی کر کے خدا کی طرف چلیں۔ غرض جس قدر عبادات زبانی وجسمانی اور مالی ہیں یہ سب سلوک میں داخل ہیں اور ذکر قلبی اور فکرِ قلبی میں جذب ربانی ہے۔ لہٰذا جذب اور سلوک میں بہت بڑا فرق یہ ہے کہ ایک کو خود خدا اپنی طرف کھینچے اور ایک اپنی کوشش سے خدا کی طرف جائے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص پیدل سفر کرے اور ایک شخص کو ریل یا جہاز یا موٹر یا کوئی اور سواری میسر آ جائے۔ جس طرح اس میں آسانی اور جلدی ہے بالکل اسی طرح ذکر و فکر قلبی میں آسانی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ صالح ہے تو تمام جسم صالح ہے اور اگر وہ فاسد ہے تو تمام جسم فاسد ہے۔ وہ گوشت کا ٹکڑا کیا ہے وہ دل ہے'' جب دل میں ذکر وفکرِ خدا ہوگا اور اُس کی اصلاح ہوگی تو تمام جسم خود بخود درست ہو جائے گا۔

رہبرانِ طریقۂ نقشبندیہ اپنے طلبہ کو کعبۂ مقصود کی طرف نہایت پوشیدہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برنداز راہِ پنہاں بحرمِ قافلہ را

حضراتِ نقشبندیہ عجب قافلہ کے سردار ہیں۔ کہ پوشیدہ طور پر اپنے طلبہ کو حرم میں لے جاتے ہیں۔

از دل سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں
می برد وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را

سالک کے دل سے اُن کی صحبت کی کشش خلوت کے خیال اور چلہ کی فکر کو مٹا دیتی ہے۔

ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں۔

تو نقش نقشبنداں راچہ دانی!
تو شکلِ پیکر جان راچہ دانی

تو نقش نقشبنداں کو کیا جانے تو جان کے جسم کی شکل کو کیا جانے۔

گیاہ سبزہ داند قدر باراں
تو خشکی قدرِ باراں راچہ دانی

تو خشک ہے، بارش کی قدر کیا جانے، سبز گھاس بارش کی قدر جانتی ہے۔

ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست
حقائقہائے ایمان راچہ دانی

ابھی تجھے کفر و ایمان کی ہی خبر نہیں ہے۔ (پھر بھلا) تو کمالاتِ ایمان کو کیا جانے؟

دل، کیمرہ اور گراموفون کی مانند ہے کہ جو کچھ دمِ آخر اس میں عکس پڑتا ہے، وہی بولتا اور پیش کرتا ہے۔ یعنی قبر و حشر میں بولے گا اور پیش کرے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

كَمَا تَعِيشُونَ تَمُوتُونَ وَ كَمَا تَمُوتُونَ تُبْعَثُونَ. (حدیث شریف)

تم جس طرح زندگی گزارو گے اُسی طرح مرو گے اور جس حالت میں مرو گے، اُسی حالت میں قبر سے حشر کے دن اٹھو گے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ. (پارہ:19، الشعراء:88-89)

قیامت کے دن نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد، مگر جو شخص اللہ کے پاس قلب سلیم لایا ہو۔

دوسرے طریقوں میں ذکرِ قلبی آخر میں بتلایا جاتا ہے جب کہ طریقہ نقشبندیہ میں اول۔ دوسرے طریقوں میں اخذِ فیض اور ذکرِ، اکثر اسماء وصفاتِ الٰہی سے طالب کو مستفیض کر کے ذات باری تعالیٰ کی طرف مخاطب کرتے ہیں لیکن طریقۂ نقشبندیہ میں اکثر ذکرِ اسم ذات اور ہمتِ طالب کی ذات بحت کی طرف مخاطب کرتے ہیں اسی لیے امام طریقہ حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اوّل ما آخر ہر منتہی
آخرِ ما دس جیب تمنا تہی

ہماری ابتدا اوروں کی انتہا ہے اور ہماری انتہا دامنِ آرزو خالی کر دیتی ہے۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں دوسرے سلسلوں کی نسبت پیروی سنت زیادہ ہے اور ترقی کا انحصار زیادہ تر اتباعِ سنت پر رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (پارہ:3، آل عمران:31)

اے محبوبؐ! فرما دیجیے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

لہٰذا جو طریق سنت کی پیروی نہ کرے گا وہ ترقی سے محروم رہے گا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

"در طریقۂ ما محرومی نیست ہر کہ از طریقۂ ما رُوگرداند
خطرۂ دین دارد چرا کہ ایں طریقہ بعینہٖ طریقۂ صحابہ کبارست"

ہمارے طریقہ میں کسی کو محرومی نہیں ہے جو کوئی ہمارے طریقہ سے منہ پھیرے، وہ جان لے کہ اس کا دین خطرے میں ہے کیونکہ یہ طریقہ بالکل صحابہ کبار کے مطابق ہے۔"

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں کہ:

"اگر کسی طالب کو ہمارے یہاں سے علمِ باطن سے حصہ نہ ملے تو وہ بد دل نہ ہو کیونکہ مقصد بخشش ہے اور بخشش کا انحصار اتباعِ سنت پر ہے اور اتباع سنت ہمارے یہاں لازمی ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہٗ کے واسطے سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے وہ شیخ کامل مکمل ہیں جو گیارہ صدی سے ایک ہزار سال جیسی طویل مدت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجدد اعظم بنا کر ہماری راہنمائی کے لیے مقرر کیے گئے، آپ نے سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کے شیخ الشیوخ سے بھی فیض حاصل

کیا ہے اسی لیے ان سلسلوں کے طریقہ عالیہ کا آپ نے تقابلی مطالعہ فرما کر تجزیہ بھی کیا ہوگا۔ اور پھر آخر کار آپ طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر تادمِ آخر قائم ہی نہیں رہے بلکہ اسی کے مطابق ارباب سلوک کو فیض بھی پہنچاتے رہے۔ آپ نے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو دوسرے سلسلوں پر ترجیح دینے کی وجوہات بھی اپنے مکتوبات میں تحریر فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

آپ شیخ محمد چتریؒ پر واضح فرماتے ہیں کہ:

''طریق ایشان کبریتِ احمر است ومبنی بر متابعت سنت۔'' (مکتوبات شریفِ دفتر اوّل۔37)

ان اکابرِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ کبریتِ احمر کی تاثیر رکھتا ہے اور یہی طریقہ متابعتِ سنت پر مبنی ہے۔

اسی لیے آپ ہدایات صادر فرماتے ہیں کہ:

''می باید کہ باطن را بہ نسبت خواجہا قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم معمور داشتہ ظاہر را بہ کلیت بمتابعتِ سننِ ظاہرہ متحلّی ومتزین دارند''۔(دفتر اوّل'37)

آپ کو چاہیئے کہ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت عالیہ سے اپنے باطن کو معمور اور کلی طور پر متابعتِ رسولؐ کے زیور سے اپنے ظاہر کو آراستہ و پیراستہ ومزین رکھیں۔

یہی بات آپ اپنے خواجہ زادوں سے فرماتے ہیں کہ:

''صوفیۂ کرام رحمتہ اللہ علیہم کے طریقوں میں طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کو اپنانا اولیٰ وانسب ہے کیونکہ اس سلسلے کے بزرگ خواجگان قدس اللہ اسراہم نے متابعتِ سنت کو لازم قرار دیا ہے اور رواسمِ کافی سے اجتناب برتنے کی تلقین کی ہے۔''

''اتباعِ سنت کی دولت میسر ہے تو اسی پر خوش رہتے اور احوال کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ اور جن احوال سے اتباعِ سنت میں فتور پڑنے کا اندیشہ ہو تو پھر اُنھیں ناپسندیدہ قرار دے کر رد کر دیتے ہیں''۔
(مکتوب شریف دفتر اول 266)

اسی طرح ملا عبدالکریم کو تقلین فرماتے ہیں کہ:۔

''اس فنائے قلب کے درجہ عظمیٰ تک پہنچنے کے لیے انتہائی قریبی راستے مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کا طریقہ ہے، وہ اتباعِ سنت کو الزم قرار دیتے اور رواسم کفریہ سے اجتناب برتتے ہیں۔

اسی لیے مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
می برند ازرہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

(دفتر اول 278)

طریقہ نقشبندیہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں قریب ترین طریقہ ہے کہ دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں درج ہے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

(دفتر اول مکتوب 145)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ،طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی بہت سی خصوصیات بیان فرماتے ہیں مگر بخوفِ طوالت چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1) خواجگان نقشبندیہ قدس اسرارہم کا طریقہ بعینہٖ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ جنھیں سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کی برکتوں سے ابتدا ہی میں وہ سب کچھ مل گیا جو کسی شیخ کامل کو انتہا میں بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔

(دفتر اول مکتوب 58)

(2) طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے سرِ حلقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی افضلیت انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد مسلم الثبوت ہے۔ اس لیے تمام نسبتوں میں اس کی نسبت اعلیٰ ہے۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم ومعارف سے آگاہی دوسرے اصحابِ کرام سے زیادہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے آپ کے طفیل میں اکبارِ مشائخ نقشبندیہ بھی دوسروں سے زیادہ علوم ومعارف سے آگاہ ہیں۔ (دفترِ اول مکتوب 221)

(3) ''اس طریقے میں جذبۂ طلب' سلوک پر مقدم ہے لیکن اس میں سیر کی ابتداء عالم امر سے ہوتی ہے اور عالم خلق کی سیر ضمناً عالم امر کی سیر کے دوران میں ہی طے ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے سلسلوں میں سیر کی ابتدا عالم خلق سے ہوتی ہے۔

(4) بعض سالک' عالم امر میں مقام جذب پر فائز ہونے کی استعداد نہیں رکھتے نقشبندی مشائخ اپنے تصرف سے سالک میں یہ استعداد اُجاگر کر دیتے ہیں۔ (دفتر اوّل مکتوب 145)

(5) ''نقشبندی مشائخ، پیر خرقہ، پیر کلاہ و شجرہ نہیں ہوتے۔ وہ صحیح معنوں میں شریعت کے عالم ومبلغ ہوتے ہیں۔ اس لیے شریعت کے مرشد اور طریقت وسلوک کے راہنما ہوتے ہیں لیکن دوسرے سلسلوں میں ایسا نہیں ہے۔ ان کے حلقے میں تعلیم وتسلیم پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔''

(6) یہ خلافِ شرع احوال ومواجید کو تسلیم نہیں کرتے ،صوفیائے خام کی بے ہودہ باتوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ اسی طرح خلافِ شرع ریاضتوں کو بھی مردود قرار دیتے ہیں اور انھیں استدراجات سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ کیونکہ خلافِ شرع صوفیوں کے احوال ومواجید اور ہندو جوگیوں، یونانی حکماء اور غیر مسلم صاحب ریاضت کے کرتبوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جس طرح جوگی اور دوسرے غیر مسلم ریاضت ومشقت سے

اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، بالکل یہی حال سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کرنے والے صوفیائے خام کا ہے۔ یہ سب نفس کے بندے ہیں۔ لیکن طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ سب سے زیادہ مخالفتِ نفس پر زور دیتے ہیں۔"

(مکتوبات شریف دفتر اوّل۔286)

(7) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بلا جواز عزلت نشینی پر زور نہیں دیتا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عزلت سے مراد یہ ہے کہ غیروں کی رفاقت وصحبت سے پرہیز کیا جائے نہ کہ ہم خیال دوستوں سے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ع

عزلت از اغیار باید نے زیار

یعنی عزلت غیروں سے چاہیئے نہ کہ دوست سے

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"صحبت باہمرازاں سنت موکدہ ایں طریقۂ علیہ است" (مکتوبات شریف دفتر اوّل مکتوب 265)

"ہمرازوں کی رفاقت اختیار کرنا اس طریقۂ عالیہ میں سنت موکدہ کے برابر ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ظہور اَتم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ذات پر ہوا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ عالیہ کی شرافت کے کیا کہنے کہ جس کی ابتدا افضل البشر بعد از انبیاء سے ہے اور جس کی وسط میں خواجۂ خواجگان حضرت سید بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہیں (جن کی ذاتِ ستودہ صفات اس اُمت میں اولوالعزم مرسل کے قائم مقام ہے) اور اسی سلسلہ عالیہ کے آخری رکن حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اولیاء اللہ کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلہ عالیہ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے منسوب ہے۔ پس صحو (ہوشمندی بیداری) کی نسبت اِن میں غالب ہوگی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات اِن پر ظاہر ہوں گے۔ ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبت سے بڑھ کر ہوگی۔ دوسروں کو اُن کے کمالات کا کیا پتہ اور ان کے معاملات کی کیا خبر میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کا حامل ہو جائے تو غنیمت ہے۔ حضرت مہدی موعود علیہ السلام جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں اُن کو یہ نسبت حاصل ہوگی اور اس سلسلہ کی تمیم و تکمیل فرمائیں گے کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے اور یہ ولایت حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ ع

بہ بیں تفاوتِ راہ از کجا است تابکجا

(مکتوب 251 جلد اول)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے خلفاء کو تحریر فرماتے ہیں کہ "طالبِ حق جس طریقہ مبارک میں بیعت ہونا چاہے بعد ایصال ثواب فاتحہ انھی بزرگوں کے توسل تم اپنے اور طالب کے واسطے فتوحات جناب باری عز اسمہٗ سے چاہو اور اُسی سلسلہ میں بیعت کرو، مگر ذکرِ طریقۂ نقشبندیہ تعلیم کرو کیونکہ یہ آسان ہے اور اس سے طالب خدا تک جلد پہنچتا ہے۔"

مذکورہ بالا بیان سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ ذکر جہر کی نفی کی گئی ہے۔ ہرگز ہرگز ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ ذکر زبانی کے مقابلہ میں ذکر خفی کی افضلیت اور اولیت بیان کی گئی ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے مذہب حنفیہ میں اثنائے نماز میں آمین بالخفی افضل ہے۔ آمین بالجہر سے یا جیسے ولایتِ صحابہ افضل ہے ولایت اولیاء سے۔

کوئی صاحب یہ بھی خیال نہ فرمائیں کہ امام الطریقہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو اور مجتہدین سلسلہ پر ترجیح دی گئی ہے اور دوسروں کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ بھی ہرگز نہیں ہے۔ سب امام طریقہ ابر رحمت ہیں۔ اُن کی بڑائی اور کمی کا علم خدا کو ہے۔ ہمارے معیار علم سے اُن کا قرب اور ان کا مرتبہ بہت دُور اور بالاتر ہے۔ ہمارے سب ہی پیشوا ہیں اور ہر گل را رنگ بو بوئے دیگر ست کے مصداق ہیں۔ چونکہ قرآن وحدیث سے ان بزرگوں میں سے کسی کی زیادتی مرتبہ اور قرب وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں سکوت کرنا ہی انصاف اور عین ادب ہے اور سوائے اس کے سب افراط وتفریط ہے کیونکہ جس جس مجتہد کو جو جو طریقہ خدا کی طرف سے عنایت ہوا، اس پر خلق کو چلایا۔ لیکن جب۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا. اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی بساط سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

(پارہ:3، البقرۃ:286)

کا وقت آیا تو سب سے زیادہ آسان اور جلد پہنچنے والا طریقہ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو عنایت فرمایا گیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت بزور بازو حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش ومہربانی نہ ہو۔

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مُدّعی کے واسطے دارو رسن کہاں

طریقہ نقشبندیہ کی اصلِ اصول چار چیزیں ہیں:۔

(1) دوامِ حضور

ہر وقت دل کا خیال خدا کی طرف رہنا۔

(2) بے خطرگی

دل میں بجز یادِ حق کوئی خطرہ نہ آئے۔

(3) جذبات

جذباتِ دل کی کشش خدا کی طرف ہونا۔

(4) واردات

خدا تعالیٰ کی طرف سے فیضان اور انوار کا نازل ہونا۔

یادرہے کہ امام الطریقہ خواجہ خواجگان خواجہ محمد بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان سب کی حقیقت اور ماحصل صرف وقوفِ قلبی ہے اور اسی سے منتہی عارف حق ہو جاتا ہے۔

اِصطلاحاتِ تصوّف

جب تک اصطلاحاتِ تصوف کو نہ سمجھا جائے اُس وقت تصوف کا کوئی مسئلہ، کوئی نکتہ اور کوئی اشارہ بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا، اصطلاحاتِ تصوف کی تشریح سے قبل ہم حضرت قبلہ شاہ محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب مستطاب ''سر دلبراں'' کا ایک باب ''اصطلاحات صوفیہ'' نقل کر رہے ہیں تاکہ اصطلاحات کی ضرورت واہمیت واضح ہو جائے۔

ملاحظہ فرمائیے:۔

اظہارِ خیال کے طریقے

انسان اپنے خیالات کے اظہار کے لیے دو چیزوں کا محتاج ہے:۔

(1) عبارت کا

(2) اشارات کا

عبارت بامعنی اور مربوط الفاظ کا مجموعہ ہے جسے تحریر میں بھی لا سکتے ہیں اور تقریر میں بھی۔

اشارات صرف بدنی حرکتیں ہیں جنھیں نہ تحریر میں لا سکتے ہیں اور نہ تقریر میں۔ مثلاً چشم وابرو کے اشارے یا سر اور ہاتھوں کی حرکتیں، گونگے اور بہرے اشارات ہی کے ذریعے تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ شیر خوار بچے اشارات اور چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اظہارِ مطالب کرتے ہیں۔

زبان محدود ہے

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ اشارات میں جو وسعت اور لوچ ہے وہ زبان میں نہیں۔ غصہ کے تیور جو انسان کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں، غصہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ دیتے ہیں جس سے عبارت قاصر رہتی ہے۔ یاس اور حسرت کی جو تصویر ایک مایوس حسرت زدہ کی صورت میں کھینچ جاتی ہے اُسے غیاث اللغات کے الفاظ کی اُلٹی سیدھی ترکیبیں اُس خوبی سے نہیں کھینچ سکتیں شوخی کی ادائیں، شوخی کا جو مجسم بنا کر کھڑا کر دیتی ہیں وہ مردہ الفاظ اور بے جان عبارت کی قدرت سے باہر ہے۔ اگر عبارت کو ان چیزوں کا خاکا کھینچنے میں کسی حد تک جزوی کامیابی ہوتی بھی ہے تو ان ہی تیوروں اور اشارات کی جانب اشارہ کرنے سے جب زبان میں گونگوں اور بہروں کے اشاروں کے برابر بھی وسعت نہیں تو اعلیٰ اور ادق علوم کی باریکیوں حقائق اور معارف کی بلندیوں اور جذبات وکیفیات کی لطافتوں کے اظہار کی قدرت اس میں کہاں سے آ سکتی ہے روزمرہ کی گفتگو میں بھی لطافت اور قوت پیدا کرنے کے لیے الفاظ کو لغوی قیود سے کسی قدر آزاد کر دینا پڑتا ہے۔ مثلاً فلاں نے فلاں کے دانت کھٹے کر دیے۔ زمین پیر کے نیچے سے نکل گئی۔ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ کیسی مرچیں لگیں وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے فقروں میں لغت سے سراسر گریز ہے۔

قیودِ لغوی

معانی کو الفاظ پر تقدم حاصل ہے۔ معانی کا وجود پہلے سے تھا۔ الفاظ بعد میں وضع ہوئے۔ الفاظ کا مقصد ہے معانی کی طرف راہنمائی۔ مگر معنی میں بمقابلہ الفاظ کے وسعت بہت زیادہ ہے۔ عالم الفاظ مثل عالم اجسام کے مقید اور محدود ہے۔ عالم معانی مثل عالم ارواح کے وسیع بلکہ تقریباً غیر متناہی ہے۔ اس لیے معانی کو مثل صورِ ملفوظی محدود کر دینا غلطی ہے۔

در تنگنائے صورت معنی چوگونہ گنجد
در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد

صورت کے تنگ کوچہ میں معنی کس طرح سمائے گداگروں کی جھونپڑی میں بادشاہ کا کیا کام ہے۔

لغت نے بس یہی کیا کہ معانی کو ایک قید سے نکال کر دوسری قید میں جکڑ دیا مشکل الفاظ سے نکال کر آسان الفاظ میں محصور کر دیا۔ ایک لفظ کی قید سے رہائی دی مگر فوراً ہی ایک جملہ کی قید میں مقید کر لیا۔ نہ اُن قیود و حدود میں وسعت پیدا کی، نہ معانی کو آزادانہ طور پر آشکارا کیا۔ جو قیود اور حدود لغت نے قائم کی ہیں اس قدر تنگ اور کمزور ہیں کہ خفیف سی ضرورت یا ذرا سی دقت پیش آنے پر انھیں توڑ دینا عام طور پر جائز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً لغت میں آگ صرف ایک ہی جلانے والی چیز کو کہتے ہیں جس پر کھانا پکایا جاتا ہے۔ لیکن اہل زبان کے نزدیک ہر جلانے والی چیز آگ ہے۔ رشک وحسد بھی آگ ہے، غصہ بھی آگ ہے۔ عشق بھی آگ ہے اور آگ بھی آگ ہے۔

اصطلاحات کی ضرورت

اصطلاحات کے وضع کرنے والوں نے یہ کیا کہ لغت ہی کو بنیاد قرار دے کر اپنی علمی ضرورتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے معانی کی وسعت پر نگاہ دوڑائی اور مختلف پہلوؤں کے اظہار کے لیے مختلف الفاظ متعین کیے۔ کہیں تشبیہ واستعارہ سے کام لیا، کہیں نئے الفاظ وضع کیے، کہیں پرانے الفاظ کو لغوی بندشوں سے آزاد کر کے جدید پیرایوں میں استعمال کیا اور اس استعمال میں نہ تو لغت سے بالکل بے تعلقی برتی نہ لغوی حدود کی کوتاہیوں کو اپنے لیے سدِ راہ ہونے دیا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ہر فن کی جداگانہ اصطلاحات سے گویا ایک ایک جدید لغت مرتب ہوگئی۔ جو وسعت میں معمولی لغت سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مضامین خاص کے لیے اس وسعت کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہر فن میں کلام کرنے والے اپنے لیے جداگانہ اصطلاحات کے محتاج ہوئے۔ بخاری، معماری، آہنگری غرض کہ کوئی سا بھی فن ہو اصطلاحات سے مستغنی نہ ہوسکا۔ طب، قانون، ہندسہ، منطق، فلسفہ، سائنس غرض یہ کہ جملہ علوم اصطلاحات کے محتاج ہوئے۔ فقہ، حدیث اور علم کلام بھی اصطلاحات سے خالی نہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بھی اپنی شان میں ید، ساق، قدر، استوا، ضحک وجہ، حیا، غضب، لطف وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جو سب مصطلحات ہیں اور جنھیں اصطلاحاتِ شریعت میں متشابہات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذرا نظرِ

غائر سے کام لیجیے تو زمین وآسمان، عرش وکرسی، شمس وقمر، ستارے اور سیارے، جنگل اور پہاڑ، تری اور خشکی سب اللہ تعالیٰ کی اصطلاحات ہیں۔ان میں سے ایک ایک اصطلاح کے تحت میں حقائق ومعارف کے بے شمار بحارِ ذخائر موجیں مار رہے ہیں اور قدرت الٰہی اور کمالاتِ لامتناہی کی تفسیر اور تشریح کر رہے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔
(پارہ:4،سورہ آلِ عمران، آیت:190)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں۔عقلمندوں کے لیے۔

تصوف میں اصطلاحات کی سب سے زیادہ ضرورت

تصوف کا تعلق چونکہ اُن اُمور سے ہے جو محسوسات سے بہت ارفع واعلیٰ ہیں۔اس علم میں اصطلاحات سے کام لینے کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آئی۔جو فن کہ انسان کو محسوس سے غیر محسوس اور معلوم سے نامعلوم کی جانب لے جائے اُس کے اظہار وبیان کے لیے اصطلاحات سے کیوں کر استغنا برتا جاسکتا ہے۔

وجوہِ ضرورت

تصوف میں اصطلاحات کی ضرورت ایک تو اس وجہ سے کہ معمولی زبان محدود اور اپنی لغوی حیثیت سے محدود تر ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ تصوف میں اس کی اشد ضرورت ہے کہ بعض مضامین رموز وکنایات ہی میں ادا کیے جائیں تا کہ اغیار اور نااہلوں سے پوشیدہ رہیں:؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

یہ مصلحت نہیں ہے کہ راز سے پردہ اٹھا دیا جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں خبرے نیست کہ نیست

معانی کی جو تصویریں دل میں پوشیدہ ہوتی ہیں اُن کی جانب رموز وکنایات ہی سے اشارہ کیا جاتا ہے۔رموز وکنایات پر قناعت نہ کی جاوے اور ان امور کو صاف صاف روزمرہ کی گفتگو میں بیان کر دیا جاوے تو عوام جو حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہیں کچھ کا کچھ سمجھ لیں اور فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔نوبت کفر تک پہنچنے اور خرابی اور ربتاہی اور بربادی کا ذریعہ بنے۔ خدا نے ضروریاتِ دین میں کوئی پردہ نہیں رکھا۔اوامر ونواہی کو صاف صاف اور کھول کھول کر بیان کر دیا اور اُن کی عام اشاعت کا حکم صادر فرما دیا۔لیکن دقائقِ عمیق یعنی اصولِ اعتقادی اور ہدایاتِ عمل کے ماوریٰ جو امور بالائی ہیں، اُن کی جانب آیاتِ متشابہات میں اشارہ فرما کر صرف اُن ہی نفوس کے لیے اُن میں حصہ رکھا ہے جو تحصیلِ کمالاتِ فاضلہ اور مراتبِ عالیہ پر پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔حق الیقین کے ان بلند میناروں تک جو انسان کے لیے اقصائے مراتب سے ہیں ان ہی دقائق وحقائق کی معرفت کے ذریعہ رسائی ہوتی ہے۔اسرارِ علمیہ سارے کے سارے بدیہیات سے نہیں۔اللہ تعالیٰ کا کوئی

کام موٹی سمجھ پر ختم نہیں ہوتا۔ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اُسے جس قدر کریدو گے باریکیاں نکلیں گی۔ جس قدر زیادہ کریدتے جاؤ گے اُسی قدر زیادہ باریکیاں نکلتی آئیں گی اور ترقی کا میدان وسیع ہوتا جائے گا۔ اسرارِ علمیہ سارے کے سارے بدیہیات سے ہوتے تو بعض کو بعض پر فضیلت کی کوئی صورت نہ ہوتی اور دانا اور نادان میں کوئی فرق نہ رہتا۔ بلکہ علوم ہی برباد ہو جاتے۔ انسان کی قوتِ مدرکہ کی ترقی اور اُس کے استکمالِ نفس کے ذرائع مسدود ہو جاتے اور دُنیا کی رنگارنگی اور زینتِ اختلاف جاتی رہتی۔ اس رنگارنگی ہی میں خدا کی حکمت ہے اور اس اختلاف ہی میں اُس کی مصلحت کا راز پوشیدہ ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ. (پارہ: 21، الروم رکوع: 3، آیۃ: 22)

اور اُس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے

کارخانہ عالم کی بنیاد ہی اس اختلاف پر واقع ہوئی ہے۔ بلکہ اختلافات ہی کے مجموعہ کا نام عالم ہے۔

مصلحت الٰہی کا مقتضایہ بھی ہے کہ اشیاء کے ظواہر کے ساتھ ان کے بواطن بھی قائم رہیں۔ حقائق کو رموز میں نہ بیان کیا جاتا تو بواطن کا سلسلہ ہی ٹوٹ جاتا اور بواطن کا سلسلہ ٹوٹنے سے نظامِ عالم درہم برہم ہو جاتا۔

پس مصلحتِ الٰہی یہی ہے اور سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ رموز و اسرار کے علوم اُن ہی پر منکشف ہوں جو اُن علوم کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ تعداد میں کم اور عوام سے ممتاز ہوتے ہیں۔ ان رہ روانِ طریقت کے لیے اصطلاحات کا تقرر و تحفظ از بس ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے وہ نقصانات سے بچتے ہیں اور اُن کی ترقی کے لیے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اِصطلاحاتِ صُوفیہ کے سمجھنے کا طریقہ

تصوف میں کلام کرنے کے لیے اصطلاحات سے واقفیت کماحقہ، حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُن کے معنی صحیح طور پر سمجھ میں نہ آجاویں، معانی چونکہ حقائق سے تعلق رکھتے ہیں اور حقائق باطن سے متعلق ہیں بغیر کشف کے اُن تک رسائی محال ہے۔

تو چہ دانی زبانِ مُرغاں را
کہ ندیدی گہے سلیمانؑ را

تو پرندوں کی زبان (بولیوں) کو کیا جانتا ہے یعنی کیسے جان سکتا ہے کہ تو نے کبھی بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا۔

عقل کو اِن ادراکات سے بہت بُعد ہے۔ عقلِ انسانی ایک محدود قوت ہے جو حواس خمسہ ظاہری کی پابند ہے۔ جب حواسِ خمسہ ظاہری خود اپنی قوت اور اپنے فعل میں محدود ہیں تو وہ لونڈی (عقل) جو حواس خمسہ کے دروازوں کے بھیک کے ٹکڑوں پر اپنی زیست بسر کر رہی ہے، کیوں کر قیود سے آزاد ہو سکتی ہے۔

نالۂ زنجیرِ مجنوں ارغنونِ عاشقاں
ذوقِ آں اندازۂ گوش اولوالالباب نیست
(خسرو)

مجنون کی زنجیر کا شور وغُل عاشقوں کا باجا(ORGAN) ہے اُس کے ذوق کا اندازہ عقلمند کے کان نہیں کر سکتے۔

اس لیے علومِ عقلی میں انہماک رکھنے والے اور نرے فلسفیانہ مذاق کے خشک اور خالی لوگ جو کشفِ حقائق سے محروم ہیں خواہ کتنے ہی بڑے عقلمند سمجھے جاتے ہوں اصطلاحات صوفیہ کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔

فلسفی را چشمِ حق بین سخت نابینا بُود
گرچہ بیکن باشد و یا بُو علی سینا بُود

فلسفی کی حق بین آنکھ سخت نابینا ہوتی ہے۔خواہ وہ بیکن ہو یا بوعلی سینا ہو۔

اِن لوگوں کو اگر اِن اصطلاحات کے صحیح طور پر سمجھانے کی کوشش بھی کی جائے تب بھی وہ اِن کے سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔اس لیے اہلِ عقلِ معاش کے سامنے ان کا استعمال ہی ناجائز ہے۔کیونکہ ان کا غلط استعمال یا اِن کے غلط معنی سمجھ لینا کبھی کبھی کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی اپنا وجود اس دنیا میں رکھتا ہے جسے تصوف سے صرف کتابی تعلق ہوتا ہے۔یہ لوگ بزعمِ خود صوفی ہیں۔اصطلاحات صوفیہ کے جا و بے جا استعمال میں بہت غُلو رکھتے ہیں۔محسوسات میں ہنوز مقید ہیں۔کشف وسلوک کے راستہ میں قدم تک نہیں رکھا۔کتابی معلومات اور عقل کی طبع آزمایوں کے زور سے اُڑنے کی سعی لاحاصل میں مبتلا ہیں۔یہ لوگ بھی ان اصطلاحات کے صحیح معانی اور اُن کی باریکیوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ بسا اوقات اُن کی سعی لاحاصل اُن کے لیے بہت مضر ثابت ہوتی ہے تصوف علم وعمل کا مجموعہ ہے۔جب تک عمل اور کیوف (جمع کیف کی) کے میدان میں قدم نہ بڑھایا جاوے نہ تصوف سے کچھ ہاتھ آسکتا ہے نہ تصوف کی اصطلاحات سے۔

بفکرت خواستم از سرِ وحدت یا بم آگاہی
خطاب آمد کہ از پیرِ مغاں خواہ آنچہ میخواہی

میں نے غور وفکر کے ساتھ سر وحدت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی تو ندا آئی کہ تو جو کچھ چاہتا ہے اپنے پیرِ مغاں سے حاصل کر۔

احتیاط کی ضرورت

وہ عبارات جو حالاتِ وجدانی کی تعبیر کے لیے مخصوص ہوں اُن ہی کا حصہ ہیں جو اصحابِ حال ومواجید ہیں۔نہ اہل عقل کو اُن میں دخل ہے نہ اہل تقلید کو۔عقیدت مند جماعت کے لیے بھی اہل کمال اور صاحبِ کیف وکشف کی

اصطلاحات کا تبرکاً یا تقلیداً استعمال خطرہ سے خالی نہیں۔ مقلد صحیح حالات اور کیفیات سے لاعلم ہوتا ہے۔ ان اصطلاحات کی تعبیر میں افراط وتفریط سے بچنا اُس کی قوت سے باہر ہے۔ وہ احوالِ حقیقت جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فرمودہ ہیں اگر اصطلاحاتِ مجازی میں بیان کیے جائیں تب بھی وہ مجازی اور غیر واقعی نہیں ہوتے۔ مگر اُن اسرار تک پہنچنا ہر کس وناکس کا کام نہیں کیونکہ وہ اُن شرائط کی نگہداشت سے قاصر ہے اُس کے لیے ضروری ہیں۔

حقیقت احوالِ نیست مجازی

طریقت اسرارِ بد یا ہرکس نہ

حقیقت کے احوال مجازی نہیں ہیں (اور) نہ ہر کوئی طریقت کے اسرار پا سکتا ہے۔

ان اصطلاحات کے استعمال میں اس قدر احتیاط برتی جاتی ہے کہ اربابِ شہود اپنے ہم مشرب اور ہم مذاق حضرات ہی کے رُوبرو اپنی کیفیاتِ قلبی اور اپنے ادراکات ومحسوسات کا اظہار، ان اصطلاحات کے ذریعے کرتے ہیں۔ عوام کے سامنے ان کا استعمال جائز نہیں رکھتے اور اپنی کتابوں کو نااہل کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔ اس احتیاط کے برتنے سے صرف وہی لوگ معذور سمجھے گئے ہیں جو مغلوب الحال ہیں اور جن کا تصرف اُن کی ذات پر سے مطلقاً یا عارضی طور پر اُٹھ گیا ہے۔

تقسیم عارفین

اصطلاحاتِ صوفیہ کے استعمال میں عارفین عام اس سے کہ وہ اصحاب تمکین ہوں تلوین۔ تین روشوں پر منقسم ہیں۔

(1) بعض غواصانِ بحرِ حقیقت اُس قوت اور بصیرت کی مدد سے جو حق تعالیٰ اُنھیں مرحمت فرماتا ہے۔ احکامِ ظاہری سے گوہرِ اسرارِ الٰہی نکالتے ہیں اور اُنھیں بے باکی کے ساتھ لوگوں کے سامنے بالکل برہنہ کر کے پیش کر دیتے ہیں اور نشانۂ طعن وملامت بننے کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔

(2) بعض اپنے مشاہدات ومکاشفات کو رموز وچیستان میں بیان کرتے ہیں تاکہ اصلیت نااہلوں سے پوشیدہ رہے۔

(3) بعض کا عمل اس پر رہتا ہے۔ ؎

بہ خاطر ہیچ مضمون بہ زلبِ بستن نمی آید
خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

دل میں جو بھی بات ہوتی ہے وہ ہونٹ بند ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ خاموشی ایسے معنی رکھتی ہے کہ بیان کرنے میں نہیں آسکتے۔

یہ حضرات اپنی گفتگو میں شریعت کے حدودِ ظاہری ہی میں مقید رہتے ہیں اور مخفی کو مخفی رہنے دیتے ہیں کبھی کچھ

بیان فرماتے بھی ہیں تو شریعت ہی کی اصطلاحات میں احتیاط کا پہلو برتنے میں اُنھیں انتہائی مرتبہ حاصل ہے۔ بعض اِن قیود کو اپنے اوپر کسی قدر تشدد کے ساتھ عائد کرلیتے ہیں جس سے انھیں اپنے کمالاتِ باطنی کا اخفاء بھی مقصود ہوتا ہے۔

برلبش قفل است و دردل راز ہاست
لب خموش و دل پُر از آواز ہاست

لبوں پر قفل لگا ہوتا ہے اور دل میں راز پنہاں ہوتے ہیں ہونٹ خاموش ہوتے ہیں اور دِل آوازوں سے بھرا ہوتا ہے۔

تصدیق کی صورتیں

اس نکتہ کو خوب طور پر ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ شریعت کا سر طریقت اور طریقت کا سر حقیقت ہے۔ طریقت بلاشریعت وسوسہ اور حقیقت بلا طریقت زندقہ ہے۔ اہل تحقیق جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ امرِ واقعی ہی کو بیان کرتے ہیں۔ اس لیے اُن کے کلام کا مضحکہ اُڑانا لغویت ہے وہ کلام مستحق تصدیق ہے۔ تصدیق کی دوصورتیں ہیں۔ پہلی صورت جو اعلیٰ اور افضل ہے یہ ہے کہ بطریق سلوک مقامِ کشف میں پہنچ کر اُن احوال کا مشاہدہ کیا جائے اور محققانہ طور پر اُن کی تصدیق کی جائے اور دوسری صورت جو ادنیٰ ہے۔ اور ہر شخص کے لیے ممکن ہے یہ ہے کہ حسن ظن کی بنا پر اُن کے کلام کی تصدیق کی جائے اور سمجھا جائے کہ بادی النظر میں جو اختلاف مابینِ شریعت اور اُن احوال کے نظر آتا ہے وہ اپنی ہی نظر کی کوتاہی اور اپنے ہی فہم کے قصور سے ہے۔

مصطلحاتِ صوفیہ حقائق عیانی ہیں

جو چیزیں کہ حواس خمسہ ظاہری کے ذریعہ محسوس ہوتی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں اور جو اِن حواس سے محسوس نہیں ہوتیں وہ معقول ہیں اور جملہ معقولاتِ باطن ہیں۔ حقائقِ الٰہیہ سب کے سب باطن سے متعلق ہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیہ اُن کے لیے ایسے ہیں جیسے معانی کے لیے الفاظ۔ معانی باطن ہیں اور الفاظ ظاہر۔ اسی طرح حقائقِ الٰہیہ باطن ہیں اور اصطلاحات ظاہر۔ ظاہری چیزیں سب عیاں ہیں۔ اس بنا پر مصطلحات صوفیہ، حقائق عیانی ہیں۔

اقسام مصطلحات

صوفیائے کرام کی مصطلحات عموماً دو اقسام پر منقسم ہیں۔ (1) علمی اور (2) شاعرانہ

(1) علمی اصطلاحات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) احدیت، (۲) وحدت، (۳) واحدیت، (۴) برزخ، (۵) عروج، (۶) نزول، (۷) وجود، (۸) شہود، (۹) تجددِ امثال، (۱۰) کمون و بروز، (۱۱) سکروصحو، (۱۲) قبض وبسط، وغیرہ۔

(2) شاعرانہ اصطلاحات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) قد، (۲) قامت، (۳) زلف، (۴) خط، (۵) خال، (۶) چشم، (۷) ابرو، (۸) رخسار، (۹) لب، (۱۰) دہن، وغیرہ

شاعرانہ اصطلاحات بھی نہایت بلیغ اور معنی خیز ہیں۔ عالم امکان میں ہر چیز عکس ہے ذات وصفات واسمائے الٰہی کا۔ یہاں ایک بھی چیز ایسی نظر نہ آئے گی جس کی اصل عالمِ بالا میں نہ ہو۔ ذات اور اسماء وصفات کا ظہور ہی صورِ ممکنات کے ذریعہ ہوا ہے۔ صورت انسانی جامع ہے جمیع اسماء وصفات کی اور خلاصہ ہے جملہ صورا کوان کا۔ چشم وابرو اور زلف وخط وخال صورت انسانی کے کمال کا باعث ہیں اور ان کے بغیر انسانی صورت ناقص رہتی ہے۔ اس لیے لازمی طور پر اس نتیجہ پر آنا پڑے گا کہ عالم امکان میں یہ تمام چیزیں مظہر ہیں واحد حقیقی کی، ان خاص خاص صفات کی جن سے کمالاتِ الٰہی کا ظہور ہے۔ صاحبِ گلشن راز فرماتے ہیں کہ ؎

ہر آں چیزے کہ در عالم عیاں است
چو عکسے ز آفتابِ آں جہاں است
جہاں چُوں خط و خال و چشم و ابروست
کہ ہر چیزے بجائے خویش نیکوست
تجلّی گہ جمال و گہ جلال ست
رُخ و زُلفِ آں معانی رامثالست
صفاتِ حق تعالیٰ لطف و قہر است
رُخ و زلفِ بتاں رازاں دو بحرست
ہر آں معنی کہ شُد از ذوق پیدا
کجا تفسیرِ لفظی یا بد اُورا!

حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

از برائے غریب خود خودگشت
جلوہ در قدو در قدم رفتار
تاب در زُلف و وسمہ بر ابرُو
سُرمہ در چشم و غازہ بر رُخسار
رنگ در آب و آب در یاقوت
بُوئے در مشک و مشک در تاتار

ایک اور صاحب فرماتے ہیں ؎

ہمہ رابستۂ گیسوئے پریشاں داری
غمزۂ خاص بہر گبرو مسلماں داری
مثلے ہست کہ الجنس الیٰ الجنس یمیل
بہر دل بُردن من صورتِ انسان داری

اس قسم کے الفاظ کی تعبیر میں اس امر کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ تصوف میں اُن کا استعمال کرنا مستلزم کفر ہے۔ معانی میں بے انتہا وسعت ہے۔ مراتب معانی میں بے شمار اختلافات ہیں۔ ہر مرتبہ کی رعایت کو ملحوظ رکھو۔ جہاتِ تشبیہہ و تنزیہہ کو معین کرو۔ مقصود کو زوائد سے جدا کرو۔ پھر تشبیہ کی وجہ کو مختص کر کے بقیہ وجوہ سے تنزیہہ کردو۔ محسوس اور غیر محسوس کے درمیان تشبیہہ من کل الوجوہ محال ہے۔ ہمیشہ ایک یا چند وجوہ سے تشبیہ جائز ہوتی ہے اور بقیہ وجوہ سے ناجائز، مثلاً چشم سے کسی جگہ صفتِ بصری یعنی بنیائی یا بصیرت مراد ہو تو بقیہ وجوہ کو جیسے کہ جسمیت وغیرہ ہے نظرانداز کردینا پڑے گا۔ ان الفاظ کے استعمال اور ان کی تعبیر میں ان امور کی رعایت نہایت ضروری ہے کہ کن اعتبارات سے تشبیہ مقصود ہے اور کن اعتبارات سے تنزیہہ۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

شاعرانہ اصطلاحات کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوا کہ اُس اعتراض کا بھی جواب دے دیا جائے جو شاعرانہ اندازِ بیان کے متعلق بعض موقعوں پر پیش کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں شعراء کی مذمت فرمائی ہے، تو صوفیائے کرام نے اظہارِ خیالات کا ذریعہ شاعری کو کیوں بنایا؟

جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن میں شعراء کی مذمت آئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اُس مذمت سے صوفیائے کرام کو مستثنٰی فرمادیا ہے۔ ''صورہ الشعراء'' کے آخر میں وہ فرماتا ہے

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۞ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا.

(پارہ نمبر 19 سورۃ الشعراء آیت: 224 تا 227)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ (پریشان خیالی کے) جنگل اور وادیوں میں (کس طرح) سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے مگر (اِن تمام باتوں سے مستثنٰی ہیں) وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور بکثرت اللہ کی یاد کی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اور بالخصوص وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا سے صوفیائے کرام صاف طور پر شعراء مذموم سے جدا کردیے گئے۔ اللہ کو بہت یاد کرنے کی شرط کو ان حضرات (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) نے باحسنِ وجوہ پورا کیا۔ غفلت کی ایک ساعت کو بھی وہ موت سے بدتر سمجھتے ہیں اور صلوٰۃ دائمون میں رہنا اپنا شعار رکھتے

ہیں۔ان کے ایمان اور عمل صالح اور کثرتِ ذکرالٰہی نے شاعری کو ان کے لیے بجائے مذموم ہونے کے محمود اور بجائے قبیح ہونے کے حسین بنادیا۔"

اصطلاحات

تصوف کی اصطلاحات کی دو اقسام ہیں:

(1) وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں، وہ تو شریعت سے الگ نہیں ہیں بلکہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے۔

(2) وہ اصطلاحات ہیں جو امورِ زوائدہ کے متعلق ہیں۔ وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں جیسے تجدد امثال، توحید وجودی، شغل رابط وغیرہ۔ یہ حضرات صوفیائے کرام کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لیے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں۔ ورنہ وہ قرآن وحدیث سے جُدا ہو کر کوئی نئی بات نہیں کرتے۔ علمائے خشک و تنگ نظر جو اُن کی اصطلاحات کو نہیں سمجھ سکتے ان پر اعتراض کر دیتے ہیں جو واقع میں اُن پر نہیں ہوتا بلکہ اپنی فہم اور سمجھ پر ہوتا ہے۔ ع

اصطلاحاتے ست مر ابدال را

ابدال کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں

ان اصطلاحات کو دو ابواب میں لکھا جاتا ہے۔

(1) اقسامِ اولیاء۔

(2) متفرق اصطلاحات۔

باب اوّل۔ اولیاء اللہ اور اُن کی اقسام

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (پارہ نمبر 11 سورۃ یونس آیت:62)

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔

عن شريح بن عبيد قال ذكرا هل الشام عندعلى و قيل العنهم يا امير المؤمنين قال لا. افى سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول الابدال يكونون بالشام وهم اربعون رجلا كلمامات رجل ابدا الله مكان رجلا يسقى بهم الغيث وينهر بهم على الاعداء ويصرف عن اهل الشام بهم العذاب. (رواہ احمد)

شریح بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوبرُو اہل شام کا ذکر آیا۔ کسی نے کہا کہ اے امیر المومنین! اِن پر لعنت کیجئے۔ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی) شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں جب کوئی شخص ان میں سے مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی جگہ دوسرا شخص بدل دیتا ہے۔ ان کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اور اُن کی برکت سے اہل شام سے عذابِ (دینوی) ہٹ جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کے ملفوظات ومکتوبات میں ابدال واقطاب واوتادوغوث وغیرہ ہم الفاظ اوران کے مدلولات کے صفات وبرکات وتصرفات پائے جاتے ہیں۔ حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستعبد نہ رہے ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم ومعلوم ہے۔ برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفاتِ تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

اقسام اولیاء اللہ

اس بارے میں بزرگوں کی مختلف آرا ہیں۔ القصہ ان کی بارہ اقسام ہیں: (۱) ابدال، (۲) ابرار، (۳) اخیار، (۴) اقطاب، (۵) امامین، (۶) اوتاد، (۷) عمد، (۸) غوث، (۹) مفرداں، (۱۰) مکتوماں، (۱۱) نجباء اور (۱۲) نقباء

(1) ابدال

چالیس (۴۰) ہوتے ہیں۔ بائیس (۲۲) یا بارہ (۱۲) شام میں اور اٹھارہ (۱۸) یا اٹھائیس (۲۸) عراق میں رہتے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ سات (۷) ہوتے ہیں اور سات (۷) اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ ان کا مشرب، سات (۷) انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتا ہے۔ ان کا کام مدد معنوی اور عاجزوں کی فریاد رسی ہے۔ یہ سات (۷) ابدال حسب ذیل ہیں:۔

(1)	ابدال اقلیم	اول	برقلبِ	حضرت ابراہیم علیہ السلام	نام عبدالحیؒ
(2)	ابدال اقلیم	دوم	برقلبِ	حضرت موسیٰ علیہ السلام	نام عبدالعلیم
(3)	ابدال اقلیم	سوم	برقلبِ	حضرت ہارون علیہ السلام	نام عبدالمرید
(4)	ابدال اقلیم	چہارم	برقلبِ	حضرت ادریس علیہ السلام	نام عبدالقادر
(5)	ابدال اقلیم	پنجم	برقلبِ	حضرت یوسف علیہ السلام	نام عبدالقاہر
(6)	ابدال اقلیم	ششم	برقلبِ	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	نام عبدالسمیع
(7)	ابدال اقلیم	ہفتم	برقلبِ	حضرت آدم علیہ السلام	نام عبدالبصیر

ان سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر وہ ہیں جنھیں اُس ملک یا اُس قوم پر مسلط کیا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ قہر نازل فرماتا ہے اور یہی ذریعۂ مقہوری بنتے ہیں ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

متذکرہ بالا کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور جنھیں قطبِ ولایت کہتے ہیں۔ قطبِ عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطبِ اقالیم کا فیض قطبِ ولائیت پر اور قطبِ ولائیت کا فیض جملہ اولیاء پر وارد ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں۔ جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلبِ آدم علیہ السلام پر ہیں۔ بقول میر سید محمد جعفر مکیؒ یہ تین سو پچاس (۳۵۰) نہیں بلکہ چار سو چار (۴۰۴) ابدال ہیں۔ جو مختلف انبیاء کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات جن کی تفویض میں رہتی ہیں۔

(2) ابرار

اکثر نے اِن ہی کو ابدال کہا ہے۔ بروایت دیگر ان ہی میں سے چالیس ابدال ابرار کہلاتے ہیں۔

(3) اخیار

پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں۔ اور اُن کو ایک جگہ قرار نہیں۔ سیاح ہوتے ہیں۔ ان کا نام حسین ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق متذکرہ بالا ابدال میں سے سات ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ انھیں اخیار کہتے ہیں اور نام ان سب کا حسین ہے۔

(4) اقطاب

ہر زمانہ میں تمام دُنیا میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے، جسے قطبِ عالم یا قطبِ کبریٰ یا قطبِ ارشاد یا قطب مدار یا قطب الاقطاب یا قطبِ جہان یا جہانگیر عالم کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ عالمِ سفلی وعلوی میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اُسی کے فیضِ برکت سے قائم رہتا ہے۔ اگر قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو جائے۔ قطب عالم حق تعالیٰ سے براہ راست اور بلاواسطہ فیض حاصل کرتا ہے اور اس فیض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے۔ کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے۔ بڑی عمر پاتا ہے۔ نور خاصۂ مصطفوی کی برکت سے ہر سمت میں دیکھتا ہے خواہ آنکھیں اُس کی کھلی ہوں یا بند۔ ماتحت اقطاب کے تقرر و تنزل و ترقی کا اختیار رکھتا ہے ولی کو معزول و مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ خود ولائیت شمسی رکھتا ہے۔ برعکس قطب ابدال کے جس کی ولائیت قمری ہوتی ہے۔ قطب عالم مظہر تجلی، اسم رحمٰن ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر خاص تجلی الوہیت ہیں۔ قطب عالم سالک ہوتا ہے اور اُس کی ترقی جاری رہتی ہے۔ ترقی کرتے کرتے وہ مقام فردانیت تک پہنچ جاتا ہے، جسے محبوبیت بھی کہتے ہیں۔ جمیع رجال اللہ (اولیاء اللہ) کے باطن میں اور اور نام ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ قطبِ عالم کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔

اقطاب کی بھی بے شمار اقسام ہوتی ہیں جو سب کے سب قطبِ عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مثلاً قطبِ ابدال، قطب اقالیم، قطبِ ولائیت وغیرہ۔ ہر قسم کا ایک علیٰحدہ قطب ہوتا ہے۔ مثلاً قطبِ زہاد، قطب عباد، قطب عرفا، قطب متوکلان ہر مقام اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں کا ایک قطب ہوتا ہے جو اُس کی محافظت کرتا ہے وہ بستی مومنوں سے آباد ہو خواہ کافروں سے۔ مومنوں کی پرورش تجلی، اسم ہادی کے تحت میں ہوتی ہے اور کافروں کی پرورش اسم مضل (مضل بمعنی گمراہ کرنے والا، بہکانے والا) کے تحت میں۔ اور یہ دونوں اسم اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

(5) امامین

قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنھیں امامین یا امامان کہتے ہیں۔ ایک اُس کے داہنے ہاتھ پر ہوتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے اور دوسرا بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے جس کا نام عبدالرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم علوی پر افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطبِ مدار سے فیض حاصل کر کے عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے لیکن بائیں ہاتھ والے کا مرتبہ داہنے ہاتھ والے سے بلند تر ہے۔ جب قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والے کو ملتی ہے اور دائیں ہاتھ والا بائیں ہاتھ والے کی جگہ آ جاتا ہے۔ عالم کون وفساد میں انتظام رکھنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت عالمِ علوی کے۔ اس لیے بائیں ہاتھ کا وزیر زیادہ قوی اور تجربہ کار رکھا جاتا ہے۔

(6) اوتاد

چار ہوتے ہیں۔ اور عالم کے چاروں کھونٹ پر ان میں سے ایک ایک متعین ہوتا ہے۔

(1) ایک مغرب میں ہوتا ہے جس کا نام عبدالودود ہوتا ہے۔

(2) دوسرا مشرق میں جس کا نام عبدالرحمٰن ہوتا ہے۔

(3) تیسرا جنوب میں جس کا نام عبدالرحیم ہے۔

(4) چوتھا شمال میں جس کا نام عبدالقدوس ہے۔ قیامِ عالم میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے اور یہ بمنزلہ پہاڑ کے ہوتے ہیں جن سے زمین کی سرسبزی بھی مقصود ہے اور قیام بھی اور سکون بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا. کیا نہیں کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں۔

(پارہ:30، النباء:ع ا)

(7) عمد

چار ہوتے ہیں۔ زوایائے ارض (زمین کے چاروں گوشوں) میں رہتے ہیں اور ان سب کا نام محمد ہے۔

(8) غوث

بعض بزرگوں کے نزدیک قطب اور غوث ایک ہی چیز ہیں۔ مگر بقول حضرت محی الدین ابن عربی" قطب الاقطاب اور غوث جُدا ہیں۔ بعض کے نزدیک قطبیت اور غوثیت دو جُدا گانہ منصب ہیں جو ایک ہی شخص میں مجتمع ہو سکتے ہیں۔ قطبیت کے اعتبار سے اُسے قطب الاقطاب اور غوثیت کے اعتبار سے غوث کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک غوث مکہ میں رہتا ہے مگر بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔

(9) مفرداں

افراد کو کہتے ہیں۔ جب قطبِ عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے فردانیت میں پہنچ کر وہ تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش سے ثریٰ تک متصرف ہوتا ہے اور فرد متحقق ہوتا ہے۔ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطبِ مدار علی الدوام تجلّیٔ صفات میں رہتا ہے جب کہ فرد تجلّیٔ ذات میں۔ قطب مدار خاص ہے اور اخص۔ فردانیت مقامِ انبساط و موانست ہے اور یہاں آ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلّی افعالی ہوتی ہے بعض کو تجلّی اسمائی اور بعض کو تجلّی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں۔ بعض مقامِ سکر میں۔ اور بعض دونوں میں مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حد و حصر ہیں مگر اہل فردانیت ان جملہ مقامات سے برتر ہیں تنزل کی تو ایک حد ہوتی ہے مگر عروج و ترقی کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ افراد جب مزید ترقی کر کے فردانیت میں کامل ہو جاتے ہیں تو محبوبیت کا مرتبہ پاتے ہیں۔ پھر محبوبیت میں بھی بعض مقبولان بارگاہِ الٰہی ایک خاص امتیازی شان سے نوازے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی، سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اسرارہم۔

(10) مکتوماں

انہیں مکتومان بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ پوشیدہ اور چھپے ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد چار ہزار ہوتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں پہچانتے ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار نہیں پہچان سکتے۔

(11) نجباء

ان کی تعداد ستر (۷۰) ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔ سب کا نام حسن ہے۔

(12) نقباء

ان کی تعداد تین سو (۳۰۰) ہے۔ ملک مغرب میں رہتے ہیں سب کا نام علی ہے۔

متفرق اصطلاحات

اللہ اسم ذات ہے جس میں جملہ اسمائے الٰہی جمالی ہوں یا جلالی، فعلی ہوں یا صفاتی، شامل ہیں۔ یہ اسم جملہ اسماء کا جامع ہے۔ تمام اسماء پر مقدم ہے اور تمام اسماء اسی کے مظاہر کی تجلی ہیں۔

اسم اللہ میں چونکہ جامعیت ہے اس کی مظہریت کا شرف صرف حقیقتِ انسانی ہی کو حاصل ہے اور جامعیتِ الٰہی کا پرتو تو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے آئینے میں رُونما ہوا۔

اسم اللہ دراصل لفظ پنج حرفی ہے۔ (۱) ا، (۲) ل، (۳) ل، (۴) ا، (۵) ہ ھا ہے ہوز سے قبل کا الف تلفظ میں ثابت ہے اور کتابت میں اس کے گر جانے کا اعتبار نہیں کیونکہ تلفظ کتابت پر غالب ہوتا ہے۔

(1) پہلے الف سے احدیت مراد ہے۔ جس میں کثرت گم ہے۔ چونکہ احدیت تجلیاتِ ذات سے بالذات پہلے تھی یہ الف بھی اسم سے پہلے آیا۔ جس طرح احدیت اپنی احدیت سے منفرد ہے۔ یہ الف بھی اپنی ذات میں منفرد ہے اور کسی دوسرے حرف سے متعلق نہیں ہوا۔ جس طرح احدیت میں کثرت مخفی ہے۔

اس الف میں بھی (ال ف) مخفی ہیں۔ یہ مخفی الف بساطتِ ذات کی طرف اشارہ ہے۔ مخفی لام صفات اور افعالِ قدیم کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مخفی ف اپنی شکل کے اعتبار سے مفعولات پر دلالت کرتی ہے اور اپنے نقطہ کے اعتبار سے خلق کی ذات کو عین حق کے وجود میں ظاہر کرتی ہے۔ ف کے سر کے گول ہونے سے اس کے غیر متناہی ہونے کی جانب اشارہ ہے یعنی یہ کہ ممکنات بے انتہا ہیں۔ کیونکہ دائرہ کی ابتداء اور انتہا نہیں ہوتی۔ سر کے خالی ہونے سے اشارہ ہے فیضان کے قبول کرنے کی صلاحیت کی جانب۔ ف کے سَر کا نکتہ گویا اُس سَر کا دائرہ ہے اور ایک لطیف اشارہ ہے کمالِ الوہیت کی اُس امانت کی جانب جس کا متحمل انسان ہے۔

(2) پہلے لام سے مراد جلال ہے کیونکہ جلال کو ذات سے زیادہ قُرب ہے، بمقابلہ جمال کے۔

(3) دوسرے لام سے مراد جمالِ مطلق ہے۔

(4) الف جو کتابت میں گرا ہوا ہے لیکن تلفظ میں ثابت ہے۔ کمال کا الف ہے کتابت میں اُس کا گرا ہونا کمالات کے بے انتہا ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

(5) ہ سے اُس کی ہویت مراد ہے۔ دائرہ، ہ کو حق سے تشبیہ دی جائے تو جوف کو خلق سے تشبیہ دی جائے گی اور دائرہ کو خلق سے تشبیہ دی جائے تو جوف کو حق سے تشبیہ دی جائے گی۔ گویا ہ کے گول ہونے سے وجود حقی اور خلقی کی چکی کا انسان پر گھومنا ایک لطیف مگر کھلا ہوا اشارہ ہے۔

انسان کامل اس سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔

ابداع بغیر مادہ و مثال کے اور بغیر کسی ذریعہ یا وسیلہ کے کسی چیز کو پیدا کرنا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل اوّل کو بغیر کسی واسطہ کے خلق فرمایا افعال الٰہی کے جملہ مراتب میں پہلا مرتبہ ابداع ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

ابر وہ حجابات جو مشاہدات میں مانع آئیں یا وصول الی اللہ میں سدراہ ہوں۔

آب رواں رُوح میں طیران پیدا ہونے سے دل میں جو فرحت حاصل ہوتی ہے۔

ابن الوقت وہ مبتدی صوفی جو تابعِ حال ہو یا حال کا آنا اور جانا اُس کے اختیار میں نہ ہو۔ اُسے مغلوب الحال اور صاحبِ تلوین بھی کہتے ہیں۔

ابوالوقت وہ منتہی صوفی جو تابع حال نہ ہو اور حال کا آنا، قائم رہنا اور چلا جانا اُس کے اختیار میں ہو، اُسے ابوالحال اور صاحبِ تمکین بھی کہتے ہیں۔

اتصال جملہ اعتبارات کا ذاتِ احدیت میں گم ہو جانا۔ مشاہدۂ معیتِ حق۔ بندہ کا حق تعالیٰ کو اپنے سے متصل پانا۔ نفسِ رحمانی کا علی الدوّام بلا انقطاع اپنے سے اتصال پانا مولانا رومؒ فرماتے ہیں: ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس
ہست ربُّ الناس را با جانِ ناس

پروردگار عالم کو لوگوں کے ساتھ جو اتصال ہے وہ کیفیت وقیاس سے بالاتر ہے۔

اثبات حق کا ظہور اور خلق کا مخفی ہونا۔

اخلاص کسی کام کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کرنا۔

اخیار صوم وصلوٰۃ، تلاوت، حج اور جہاد وغیرہ میں بکثرت مشغول رہنے والے۔

اَدَب شریعت کی رعائیت، شعائر اللہ کی حرمت، آقا کی حق شناسی، خدمتِ شیخ رویتِ حق میں فنا ہو جانا بھی ادب ہے۔

ادراک بصیرت، احساسِ باطنی۔

حواسِ خمسہ ظاہری سے کسی چیز کے معلوم کرنے کو احساس کہتے ہیں اور جو چیزیں کہ حواسِ ظاہری سے معلوم کی جاسکتی ہیں انھیں محسوسات کہتے ہیں۔ ان حواس ظاہری کے مقابل باطن میں حواسِ باطنی ہیں۔ جو باطنی طور پر کیفیات اور معانی کا ادراک کرتے ہیں۔ ان باطنی قوتوں ہی کی تہذیب پر کشفِ حقائق کا انحصار ہے۔

استتار پردہ میں ہونا۔

استقامت عہدوفا اور اعمالِ دین ودنیا میں ثابت قدم رہنا برعایات حدودِ اوسط اس کے تین درجے ہیں:۔

(ا) تقویم: اس کا تعلق تادیب نفس سے ہے۔

(ب) اقامت: اس کا تعلق تہذیبِ قلب سے ہے۔

(ج) استقامت: یہ ذریعہ ہے تقریب اسرار کا۔

استقامت سب سے بڑی کرامت ہے اور دلیل ہے مقبولیت کی کیونکہ توفیق استقامت کا فیضان حق تعالٰی ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ فرماتے ہیں۔

برا ہل استقامت فیض نازل میشود مظہر
نمیدانی تجلی گردِ کوہِ طور میگردو

اے مظہر! اہل استقامت پر فیض نازل ہوتا ہے تو نہیں جانتا کہ کوہ طور کے اردگرد تجلّی پھیلی ہوئی ہے۔

اسیر جو مجاز میں مقید ہو۔

اسراف بے اندازہ خرچ کرنا، ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، بے محل خرچ کرنا سلوک میں اسراف اُسے کہتے ہیں کہ بے اندازہ اور بے موقع اور بے تکے پن سے ریاضت کی جائے۔

اشتیاق طلبِ تمام اور عشقِ مدام کی وہ کیفیت جو یافت ونایافت میں یکساں رہے۔

آشنائی مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا صفتِ خالقیت کی جہت سے تعلق۔

اعتکاف قلب کو دنیا کے مشاغل سے فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

آفتاب اس سے عموماً روح مراد لی جاتی ہے۔ کیونکہ روح بدن انسانی میں آفتاب کے اور نفس مہتاب کے مشابہہ ہے۔

اُفتادگی حالات اور کیفیات کا مخفی نہ رہ سکنا بلکہ ظاہر ہو جانا۔

اُمناء ملامتیوں کو کہتے ہیں۔ ملامتیوں کا گروہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آراستہ وپیراستہ باطن کو ظاہری خواری اور خستہ حالی کے پردہ میں مخفی رکھتے ہیں۔

انتباہ سالک کے دل سے غفلت کا دُور ہونا۔

آہ ایک علامت ہے کمالِ عشق کی جس کے بیان سے زبان وقلم قاصر ہیں۔ حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہٗ، فرماتے ہیں۔

زشوقِ عشق محبوبِ الٰہی آنچناں گشتم
کہ تصویرم مصور در کشد بصورتِ آہے

میں محبوبِ الٰہی کے عشق کے شوق میں اس طرح پھرا ہوں کہ مصور نے میری تصویر آہ کی صورت میں کھینچ دی ہے۔

ایقان اس حقیقت کا یقین کامل کہ حق تعالیٰ ہر شے میں بلاحلول واتحاد موجود ہے اور اس یقین میں محو ہو جانا۔

ایمان تصدیق قلبی اس شرط کے ساتھ کہ قلب کسی چیز کو بلا دلیل قبول کرلے۔

باب الابواب توبہ کا دروازہ یہ سب سے پہلا دروازہ ہے۔ جب تک سالک اس دروازہ سے نہیں گزرتا کوئی اور دروازہ اُس کے لیے نہیں کھولا جاتا۔

بادہ محبت وعشقِ الٰہی کا فیضان جو عالمِ غیب سے سالک کے دل پر وارد ہوتا ہے اور اُسے مست و بے خود بنا دیتا ہے۔

بادہ فروش مُرشد، پیر، شیخ، ہادی طریقت۔

باران نزولِ رحمت

بام محل تجلیات

بُت تصوف میں یہ لفظ اور اُس کے مرکبات مثلاً بت خانہ، بُت کدہ، بت پرست، بت پرستی، وغیرہم مختلف مواقع کے لحاظ سے مختلف معنوں میں استعمال میں آتے ہیں۔ لفظ بُت سے کہیں ماسوا اللہ مراد ہوتی ہے کہیں مظہر یا مظہر عشق یا تعین یا تجلی یا تجلی شہودی یا مطلوب کی جانب اس سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ کہیں وحدت یا جمعیت وحدتِ ذاتیہ کا مفہوم اس سے ادا ہوتا ہے۔

برزخ وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حائل ہو اس طور پر کہ دونوں میں واصل و فاصل ہو۔ ایک جہت سے ایک چیز اور دوسری جہت سے دوسری چیز سے متصل ہو۔

عالمِ مثال کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواحِ مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطٰی ہے۔ شیخ کی صورتِ محسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ فیضانِ قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہے۔

برزخ البرازخ، برزخِ جامعہ، برزخ اول، برزخ اعظم، برزخ اکبر اور برزخ کبرٰی یہ سب نام حقیقت محمدیہ کے ہیں جو واسطہ ہے درمیانِ ظہور و بطون کے۔

برق وہ لمعانِ نور جو سالک کے قلب پر وارد ہوتے ہیں اور اسے سیر الی اللہ کی جانب کھینچتے ہیں۔

بروز کسی عارفِ کامل یا شیخ مکمل کا کسی شخصِ ناقص کی جانب متوجہ ہونا۔ فیض پہنچانا اور اُسے اپنا سا بنا کر اپنا مظہر بنا لینا۔ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ، فلاں بزرگ کی صورت میں نمودار ہوئے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ اُن بزرگِ مکمل کا پرتو کامل طور پر دوسرے بزرگ پر پڑا اور دونوں کی صورتِ معنوی یکساں ہوگئی۔ صورتِ ظاہری کا ایک ہو جانا بھی کچھ بعید نہیں۔ یہ تناسخ نہیں ہے۔ تناسخ کے مدعی تو اس کے قائل ہیں کہ ایک کی رُوح دوسرے کی زندگی کا قیام ہوتا ہے لیکن بروز سے مقصد نہ تو دوسرے کی زندگی کا قائم رکھنا ہے نہ اس میں حس و حرکت پیدا کرنا ہے بلکہ کمالات باطنی اور کمالاتِ معنوی کا فیضان مقصود ہوتا ہے۔

بساطت کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مرکب نہ ہونا۔

بستان محلِ کشادگی، محل بسط، وجودِ سالک کیونکہ وہ بھی محلِ کشود اور محلِ بسط ہوتا ہے۔

بصارت، بصیرت آنکھ سے کسی چیز کو دیکھنا بصارت ہے، دل سے کسی چیز کو معلوم کرنا بصیرت ہے۔ بصارت سے صرف صُورِ محسوسہ ہی کا احساس ہوسکتا ہے۔ بصیرت دل کی وہ بینائی ہے جو نورِ قدس سے روشنی پاتی ہے اور جس سے حقائق اشیاء اور ظواہر کے باطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو

کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

بلا موانعاتِ سلوک، ہر وہ چیز جو وصول الی اللہ میں مانع ہو، توجہ کو حق تعالیٰ کی جانب سے ہٹانے والی چیز۔

بُلبُل عارف ربانی جو نفس امارہ سے چھٹکارا پا کر ذکر و فکر مدام میں مشغول رہتا ہو۔

بنفشہ اس نکتہ دقیق اور رمزِ لطیف کو کہتے ہیں جس کا ادراک محال ہو۔

بوسہ عشق و محبت، نفخ روح، افاضتِ فیضِ وجودی، زندگی کا عطا ہونا، فیض جو سالک میں آتا ہے۔ جذبۂ باطن جو سالک میں پیدا ہوتا ہے۔ فیض قبول کرنے کی صلاحیت، کیفیت، کلامِ صوری و معنوی، روح کا اپنے مرکوب یعنی جسم سے لذت پانا۔

بوادرہ ایک نسیم غیبی ہے جو اچانک عالمِ غیب سے آتی ہے اور دل میں فرحت و تر و تازگی اور انبساط پیدا کر دیتی ہے۔

بُولے دل کا متعلق ہونا عالمِ حضور کے ساتھ۔ کبھی اس لفظ سے آگاہی کی جانب بھی کنایہ ہوتا ہے۔

بہار سالکوں کا ذوق و شوق۔ عالمِ علم۔

بہشت صفتِ روحانی، مظہر جمال مطلق، رضائے الٰہی کا محل، خوشنودئ پروردگار پر انعامات۔

بیابان راہِ طلب حق میں سالک پر جو واقعات گزرتے ہیں اور جو معاملات کہ طریقت میں اُس کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

بیت معمور وہ جگہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرما کر زمین سے آسمان کی جانب اُٹھا لیا۔ مثال اُس کی قلبِ انسانی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ کا محل ہے۔ یہ محل رہنے والے سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ یا تو رُوحِ قدسی اُس میں رہتی ہے یا رُوحِ ملکوتی یا پھر رُوح حیوانی (یعنی شیطانی یا نفسانی)

پیشانی ظہورِ اسرار الٰہی۔

پیمانہ ہر وہ چیز جس میں انوارِ غیبی کا مشاہدہ ہو، اسے ساغر بھی کہتے ہیں۔

تجدّدِ امثال تجدّدِ تجلیاتِ رحمانی

فیضانِ وجود نتیجہ ہے اسم رحمٰن کی تجلی کا۔ چنانچہ تجلیاتِ رحمانی کا فیضان موجودات پر علی الدّوام فائز رہتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم ہر آن خلقِ جدید میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ کیوں کہ ہر تجلی ایک خلقِ جدیدہ کو لاتی ہے اور خلق ماسبق کو لے جاتی ہے۔ خلق ماسبق کا جانا فنا ہے۔ اور خلق جدید کا آنا بقا ہے۔ جدید اشیاء بمقتضاء امکانِ ذاتی آناً فاناً نیست اور آناً فاناً ہست ہو جاتی ہے۔ سرعتِ تجدد اور تیزی تسلسل کی وجہ سے اس رفتن و آمدن کا ادراک نہیں ہوتا۔

بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ. بلکہ وہ نئے بننے سے شبہ میں ہیں۔ یعنی موت کے بعد
(پارہ:26، سورۂ ق، رکوع:1، آیت:15) پیدا کیے جانے سے شبہ میں ہیں۔

بلکہ وہ لوگ ہمیشہ خلقِ جدید کے لباس میں ہیں یا خلق جدید میں ملتبس ہیں۔ لیکن یہ التباس اہل حجاب ہی کو ہوتا ہے۔ اہلِ کشف از روئے ادراک جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہر دم اور ہر ساعت تجلی فرماتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ○ اُسے ہر دن ایک کام ہے۔
(پارہ 27 سورہ رحمٰن رکوع 2)

اور اُس کی تجلی ایک صورت میں مکرر کبھی نہیں ہوتی بلکہ ایک صورت غائب ہوتی ہے اور اُس کی جگہ مثل اس کے دوسری صورت آتی ہے۔ ایک صورت کے عدم کا زمانہ بعینہٖ اس کے مثلِ ثانی کے وجود کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لیے آمدن عین رفتن اور رفتن عین آمدن ہوا کرتا ہے۔ فی الحقیقت یہ رفتن و آمدن اعتباری ہے نہ کہ محقق الوقوع ورنہ مرتبۂ اول مرتبہ دوم میں تنزل کرنے کے بعد کلیتہً معدوم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ تجدد امثال کو کموں و بروز اور آمد و شد بھی کہتے ہیں۔

تجرید و تفرید تجرید ہے ازالۂ ماسوٰی از قلب۔ اور سیر بسوئے رویتِ ظہورِ حق در کل۔ تجرید کی ظاہری صورت ہے ماسوی اللہ سے اعراض۔ اور اُس کی باطنی کیفیت ہے معاوضہ اور اُجرت اور انعام کی تمنا سے اپنے باطن کو مجرد کر لینا۔

تفرید یہ ہے کہ اعتبارات کے لباس کو ممکنات کے حقائق سے اُتار کر حقیقت واحدہ منفردہ کی جانب رجوع کیا جائے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ تجرید خلائق و علائق سے بے تعلقی کا نام ہے۔ اور تفرید خودی سے بے تعلق ہونے کو کہتے ہیں اور بعض موقعوں پر خودی سے بے تعلق ہونے کو کہتے ہیں اور بعض موقعوں پر خودی سے بے تعلق ہو جانے کو یعنی اس بے تعلقی تک کے احساس کو گم کر دینے کا نام تجرید ہے۔

تُو ز تُو گم شو کہ تفرید ایں بُود
گم شدن گم کن کہ تجرید ایں بُود

تُو، تُو سے (اپنے آپ سے) گم ہو جا کہ تفرید یہ ہوتی ہے گُم ہونا، گم کر کہ تجرید یہ ہوتی ہے۔

تزکیہ نفس کو ذمائم سے پاک کرنا۔

تخلیہ اللہ کے سوا اور کسی چیز کا باقی نہ رہنا۔

تشبیہ وتنزیہ تشبیہ سے مراد ہے اشیاء ظاہری میں ظہور ذات اور تنزیہ سے مراد ہے ذاتِ حق تعالیٰ کا صفاتِ نقص یا صفاتِ ممکنات سے پاک ومنزہ ہونا۔

تواضع جنابِ الٰہی میں بندہ کا پست ہوجانا۔

جبرُوت مرتبۂ وحدت، مرتبۂ صفات، حقیقتِ محمدی۔

حجاب ہر وہ چیز جو بندہ کو حق تعالیٰ سے محتجب کردے۔ ماسوای اور خیالاتِ ماسوای سب سے بڑا حجاب، حجابِ خودی ہے۔ ؎

حجابِ چہرۂ جان می شود غبارِ تنت
تو خود حجابِ خودی حافظ از میاں برخیز

تیری رُوح کے چہرے کا حجاب تیرے بدن کا غبار ہے۔ اے حافظ تو آپ اپنا پردہ ہے، درمیان سے اُٹھ جا۔

خلعِ بدن ایک حالت ہے جس میں رُوح صورتِ مثالی کے ساتھ نکل کر عالمِ بالا کی سیر کرتی ہے اور جسم کو کپڑے کی طرح اُتار کر الگ ڈال دیتی ہے۔ یہ جبروت کی ابتدائی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔

درویش جو از روئے حال کے اپنی خودی سے فنا ہو کر اور کشتہ انوارِ تجلی ہونے کے بعد بقاء بالحق حاصل کر کے مستغنی عن الغیر ہو گیا ہو۔

دوزخ تجلیٔ جلال، احکامِ کثرت، صفاتِ نفسانی۔

دوش ازل، عالم غیب، حق تعالیٰ کی کبریائی۔

رُشحات لغوی معنی قطرات کے ہیں۔ تصوف کی کتابوں میں اس سے اشارہ اُن علوم وفیوض ومعارف ودقائق وحقائق کی جانب ہوتا ہے جن کا تقاطر عالمِ قدس سے سالک کے قلب پر ہوتا رہتا ہے۔

رضا اللہ تعالیٰ پر اعتمادِ کُلی رکھنا اور اُس کے ہر برتاؤ سے خوش رہنا۔ اُس کا ادنیٰ مرتبہ صبر ہے اور اعلیٰ مرتبہ تسلیم ہے۔

رویت کسی چیز کو آنکھ سے دیکھنا نہ کہ بصیرت سے معلوم کرنا۔

وجد۔ تواجد۔ وجُود بلا کسی ارادہ اور کوشش کے قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کا نام وجد ہے۔ اُمورِ

دنیا میں نفس کی مخالفت اور عقل کی مطابقت سے فوائد حاصل کر کے جس طرح انسان لُطفِ زندگی حاصل کرتا ہے اُسی طرح معاملاتِ روحانی میں بھی نفس کی مخالفت اور اوامر ونواہی الٰہی کی پیروی سے جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں اُن سے جو لذتیں قلب پر وارد ہوں انھیں وجد کہتے ہیں۔ اختیار اور تکلف سے وجد کو طلب کرنا تواجد ہے۔ اسے کبھی تو کسی خاص ضرورت سے مثلاً تعلیم ناقصاں کے لیے کوئی خاص کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس حکم کی تعلیم میں تواجد عمل لایا جاتا ہے کہ:

اُبْکُوا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْ فَتَبَاکُوا. یعنی روؤ۔ اگر رونہ سکو تو رونی صورت بناؤ۔

گویا وجد کے معنی نہ پاسکو تو وجد کی سی صورت ہی بنالو اور اسی طرح اپنے آپ کو حصولِ وجد کا طالب گردانو۔ لیکن ریا اور نمائش کی غرض سے تواجد بہر صورت مذموم ہے۔

وجد کے معنی پالینے کے ہیں وجود سے یہاں مراد یہ ہے کہ ظہورِ حقیقت میں بندہ بالکل فنا ہو جائے۔

صاحبِ تواجد مثل دریا کے دیکھنے والے کے ہے۔

صاحبِ وجد مثل اُس کے ہے جو دریا پر سوار ہو۔ اور

صاحبِ وجود مثل اُس کے ہے جو دریا میں غرق ہو۔

صاحبِ وجود دو حالتوں میں کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کبھی محو میں کبھی صحو میں۔ محو میں مشاہدۂ حق میں بالکل فنا ہو جاتا ہے اور حس وفہم وعلم وعقل سے اُسے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ صحو میں جو کچھ سنتا اور دیکھتا ہے حق تعالیٰ ہی کے وسیلہ سے سنتا دیکھتا ہے۔ پہلی حالت فنافی اللہ کی ہے اور دوسری بقاباللہ کی۔

سوادِ اعظم وہ مرتبہ جس میں سالک جو چاہتا ہے پاتا ہے۔

سیر الی اللہ انسان کا جو کہ خلاصۂ تعینات وکثرات ہے سیر شعوری ورجوعی کے ساتھ بجانب کلی جو کہ واحدِ مطلق ہے یعنی مقام احدیت وصول یاب ہونا۔

سیر باللہ اطلاق میں فنا واتصال کے بعد بغرضِ تکمیل ناقصاں بمقتضائے حکمت الٰہی عالم پر جو مرتبۂ تقید ہے۔ واپس گزرنا۔ بقا بعد الفناء جو کہ مقام تمکیں ہے۔

شریعت، طریقت، حقیقت

شریعت، احکامِ ظاہر۔ شریعت عبارت ہے فعلِ چند وترکِ چند سے جن کی صراحت کتب فقہی میں موجود ہے۔

طریقت: روشن احباب حال، تہذیب اخلاق، اوصافِ ذمیمہ کو اوصافِ حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں۔

حقیقت: ظہور توحید حقیقی، حقیقتِ ذاتِ حق بلا حجاب تعینات۔

حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز و پوست کے درمیان ایک برزخ ہے مغزِ حقیقت بے پوستِ شریعتِ وطریقت پختہ نہیں ہوتا بلکہ خطرہ میں رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یُوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نسخہ ہے۔ طریقت اُس نسخہ کا صحیح استعمال ہے مثلاً اُسے صحیح ترکیب سے تیار کرنا۔ جملہ شرائط کو ملحوظ رکھ کر وقت پر اس کا استعمال کرنا اور ہر قسم کا ضروری پرہیز دورانِ استعمال میں برتنا اور حقیقت اس صحیح استعمالِ نسخہ سے نتائج کا حاصل کرنا ہے۔

شعور: ذاتِ حق تعالیٰ سے آگاہ ہونا۔

صحو: عارف کا غیبت سے احساس کی جانب واپس آنا۔

طلب: حق تعالیٰ کو مطلوب بنانا۔ ایسا مطلوب جو دین و دنیا سے محبوب ہو۔ حق تعالیٰ کی تلاش میں طالب شب و روز بے چین رہتا ہے۔ کوئی نعمت ولذت اُس کی بے چینی میں کمی کا باعث نہیں ہوتی۔ نہ غیبت میں اُسے سکون نصیب ہوتا ہے نہ رویت میں قرار۔ ع

نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جُدائی

نہ تاب وصل رکھتا ہوں نہ جدائی کی طاقت۔

طمانیت: سالک کے قلب و نفس کا حق تعالیٰ کے ساتھ سکون وقرار پانا۔

ظِل: جملہ ظہورات و تعینات۔ وجودِ اضافی جو اعیانِ ممکنات و تعینات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ ظلمت و عدمیت۔ ظلمتِ عدمی، معدوماتِ ظاہرہ جو انوار الٰہی سے ظہور پکڑتے ہیں۔

ظلِ اِلٰہ: انسانِ کامل، عالم۔

ظلِ اوّل: عقلِ اوّل، تعینِ اوّل، مرتبۂ وحدت۔

علت: حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو تنبیہ بذریعہ کسی سبب کے یا بلا سبب۔

علف: شہواتِ نفس اور وہ امور جن سے نفس محفوظ ہو۔

فتوح: دروازہ کا کھلنا۔ کامیابی کا رُونما ہونا۔

فراست: دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا۔

فراق: مقامِ وحدت سے غیبت۔

فریاد: ذکر جہری۔

فناوبقاء: فنائیت عدمِ شعور کو کہتے ہیں۔ ذاتِ احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔ بے خودی یعنی اپنی خودی کا ہوش نہ رہنا۔

ہستیِ من رفت و خیالش بماند
ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

میری ہستی چلی گئی اور اُس کا خیال باقی رہ گیا ہے۔ یہ جو کہ تو دیکھ رہا ہے میں نہیں ہوں بلکہ وہ ہی ہے۔

اس ہوش نہ رہنے کا بھی ہوش نہ رہے تو اُسے فناء الفناء کہتے ہیں۔ بقاء بقاء باللہ۔ وہ بقا جو فناء کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

قبض وبسط: واردات قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور اُن کے کھل جانے کو بسط کہتے ہیں۔

قلاش: اہلِ ترک و تجرید جو مقامِ لذتِ نفسانی سے گزر چکا ہو اور آلائش دنیا سے منقطع ہو گیا ہو۔ جو تجلیات سے سیر نہ ہوتا ہو۔

قناعت: مالوفاتِ طبائع کے معدوم ہونے کی صورت میں سکونِ قلب کا ہونا، نہ کہ قلتِ عبادت پر قانع ہو جانا۔

قوامع: ہر وہ چیز جو انسان کو مقتضیاتِ طبع ونفس و ہوا سے منقطع کر دے۔ امدادِ اسمایہ و تائید الٰہیہ جو سالک کو سیر الی اللہ میں مدد دے۔

قیام باللہ: استقامت جو جملہ منال عبور کرنے اور بقاء بعد الفناء کے حصول کے بعد نصیب ہوتی ہے۔

کرشمہ: التفات، تجلیءجمال، پرتو انوار معرفت۔

کفرمجازی: ناشکری ذاتِ حق اور گمراہی۔

کلبۂ احزان: وقتِ حزن، ہجر محبوب۔

کنار: دوامِ مراقبہ۔

کیمیا: تصوف میں اس سے نظرِ مرشد کامل اور عشق مراد ہوتی ہے۔

کیمیائے سعادت: تہذیب نفس، رذائل سے اجتناب وتزکیہ وفضائل کا اکتساب۔

کیمیائے عوام: دنیائے فانی کے مقابلہ میں آخرتِ باقی کو ترجیح دینا۔

کیمیائے خواص: دل کو دولتِ خلوص واحسان سے مالامال کرنا۔

گفتگو: ہر وہ چیز جو محبت انگیز ہو۔

گل: نتیجۂ عمل، لذتِ معرفت

گلزار: مقامِ کشفِ اسرار

گوہرسخن: محسوسات ومعقولات میں اشاراتِ واضح۔

گوہرمعانی: صفات واسمائے الٰہی۔

لاہوت: گنج مخفی، مقامِ فنا، محویت تامہ، حقیقتِ وحدت جو جمیع اشیاء میں ساری ہے۔ مرتبۂ ذات، لاہوت دراصل **لَاھُوَ اِلَّا ھُوَ** ہے۔

لب: فیضِ رحمانی، نفسِ رحمانی، کلامِ معشوق، لطفِ رب الودود، نیستی کو ہستی میں لانا۔ نوازشِ معشوق۔

لطیفہ: ہر اشارۂ دقیق المعنی جو عبارت کے ذریعہ بآسانی سمجھ میں نہ آسکے جس طرح کہ علومِ ذوقی عبارات سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔

لقاء: معشوق کا ظہور اس شان کے ساتھ کہ عاشق کو یقین آجائے کہ معشوق ہی ہے جس نے صورتِ انسانی میں ظہور فرمایا۔

لیلۃ القدر: وہ شب جس میں سالک پر اول بار تجلی خاص ہو۔

لی مع اللہ: مرتبۂ اتحاد، یہ انسان کامل ہی کا مختص حصہ ہے۔

فرشتہ گرچہ دارد قُرب درگاہ
نگنجد دَر مقامِ لی مع اللہ

فرشتہ اگرچہ قربِ درگاہ رکھتا ہے مگر پھر بھی وہ مقام لی مع اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسْعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ.

یعنی مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں ملکِ مقرب اور نبی، مُرسل نہیں ساتے۔

مبداء، معاش، معاد

مبداء: مرتبہ وجودِ علمی، اسمائے کلی کونی۔ جائے آغاز، جائے ظہور۔

معاش: مرتبہ وجودِ عینی۔

معاد: رجوع بہ مبداء تجلیاتِ اسمائے الٰہی۔ اسمائے کلی الٰہی جن کی راہ سے سالک کی رجوع وبازگشت ہوتی ہے، معاد ہیں۔

مجاہدہ: نفس کو اُس کی صفات سے مجرد کرنے اور اصافِ ذمیمہ کو اوصافِ حمیدہ میں تبدیل کرنے کی عملی کوشش۔ مقابلۂ نفس، مخالفت ہوا۔

مجلس: آیات واوقاتِ حضورِ حق۔

محادثہ: خطابِ حق تعالیٰ جو عالم الملک والشہادت سے عارفوں کی جانب ہوتا ہے جس طرح کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو درخت سے ندا آئی تھی۔

محاضرہ: قدرت الٰہی کی نشانیاں دیکھ کر حق تعالیٰ کے حضور کی کیفیت کا قلب میں پیدا ہونا۔

محافظت: مراقبۂ اوقات۔

محنت: راہِ عشق میں عاشق کو معشوق سے جو اختیاری اور غیر اختیاری رنج پہنچتے ہیں۔

مخلِص: جس کی عبادت خالص اللہ ہی کے لیے ہو۔

مخلَص: جس کو خداوندِ عالم نے شرک ومعاصی سے پاک وصاف فرمادیا ہو۔

ناسُوت: بشریت، عالم بشریت۔

مقاماتِ عشرہ: ولائیت بلاحصولِ مقامات عشرہ حاصل نہیں ہوتی جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) توبہ، (۲) انابت، (۳) زہد، (۴) قناعت، (۵) ورع، (۶) صبر، (۷) شکر، (۸) توکل، (۹) تسلیم،

(۱۰) رضا

زیرِ قدم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تین مراتب مجتمع ہیں۔ (۱) ولائیت، (۲) نبوت، (۳) رسالت۔

نفی اثبات: توحید کی دو جہتیں ہیں۔ (۱) نفی اور (۲) اثبات۔ اور کلمہ طیبہ مرکب ہے۔ نفی اور اثبات سے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اُن اوصاف ناقص سے منزہ ہے۔ جو اُس کی شان کے شایان نہیں اور ان ہی اوصافِ ناقصہ سے اُس کی نفی کی جاتی ہے۔ اور چونکہ وہ اپنی ذات سے کامل اور اپنی صفات سے مستکمل ہے ان اسمائے حسنٰی اور اُن صفاتِ کاملہ سے جن کو کہ اُس نے خود اپنی شان میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا اثبات کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت خداوند عز و جل نفی اور اثبات دونوں سے منزہ و ماوریٰ ہے۔

نماز و روزہ: توجہ باطن الی اللہ اور اعراض از ماسوے۔

نمط: مقامِ حضور و مشاہدہ۔

نوالہ: خلعت جو افراد کے لیے خاص ہے۔ عطیۂ حق برائے مقربین۔

واجب الوجوب: واجب اُسے کہتے ہیں جو اپنے وجود و بقا کے لیے کسی غیر کا محتاج نہ ہو۔ وہ ذاتِ حق ہے جو اپنے وجود و قیام و بقا کے لیے کسی کی محتاج نہیں۔

واجب الوجود: اُسے کہتے ہیں جس کا وجود اُس کی ذات کا مقتضا ہو۔

ممکن الوجود: وہ ہے جو اپنی موجودیت کے لیے کسی غیر کا محتاج ہو اور اُس میں حکم کے اختلافات جاری ہوں۔

واحدتیں: وحدتِ حقیقی حق اور وحدتِ حقیقی انسان۔

وادیٔ ایمن: تصفیۂ قلب جو قلب کو تجلی الٰہی کے قابل بنادے۔

وارد: خواطرِ محمودہ۔ جو چیز از قسم معانی دل پر بلا کوشش صادر ہو۔

واسطہ: صورت پیر و مرشد۔

واقعہ: جو کچھ کہ عالم غیب و شہادت کے متعلق سالک کے دل پر واقع ہو۔

وجد: احوال صادقہ جو قلب پر اُس وقت وارد ہوں جب کہ قلب شہود میں فانی ہو۔

وجدان: مقامِ شہود۔

وجود: ہستی، ذاتِ بحت، ہستی مطلق، واحدیت، ذات کا وہ مرتبہ جہاں صفات سلب ہوں۔ چنانچہ اس لحاظ سے حضرت الجمع پر بھی وجود کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجود چھ اقسام پر منقسم ہے:۔

(1) واجب الوجود:۔ یعنی لازم الوجود

(2) ممکن الوجود:۔ یعنی جسم مثالی

(3) ممتنع الوجود:۔ یعنی رُوحِ اضافی

(4) عارف الوجود:۔ یعنی اعیانِ ثابتہ

(5) شاہد الوجود:۔ یعنی مرتبہ وحدت

(6) واحد الوجود:۔ یعنی مرتبہ احدیت

وجہ: ذاتِ واجب تعالیٰ، وجود حقیقی

وحدتِ حقیقی: وہ وحدت جس میں کسی وجہ سے کثرت نہ ہو اور جو تجزی کو قبول نہ کرے اور نہ اُس کے مقابل اُس کی کوئی ضد ہو۔ تجزی و تغیر و ضدیت و تشبیہ و اشبیت کو وہ قبول نہیں کرتی۔ یہ وحدتِ حقیقی ہوتیت مطلقہ ہی کے شان کے شایان ہے۔

وحدت مجازی: وہ وحدت جو تجزی و تعدد و تکثر کو نیز اپنے مقابل کو قبول کرے۔ یہ وحدت تمام محدثات میں جاری ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ایک شخص، یا ایک جماعت یا ایک صدی، یا ایک ہزار۔

وحدت وجود: ہمہ اُوست

وحدت شہود: ہمہ زاُوست

ورقہ: نفسِ کلیہ، لوحِ محفوظ۔

وسیلہ: مقامِ قربت اور یہی مقامِ محمود ہے۔

وصال: تعین کا اُٹھ جانا اور ہستی مجازی سے جدائی کا واقع ہو جانا اور اپنی خودی کے وہم سے بیگانہ ہو جانا وصالِ حق ہے۔ اسے آشنائی حق بھی کہتے ہیں۔

ہاہوت: وہ مقام جس کی جانب کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا سے اشارہ ہے۔

ہجوم: کسی چیز کا دل پر قوت کے ساتھ وارد ہونا بغیر اس کے کہ اُس کے لیے اپنی طرف سے کسی قسم کی کوشش کی جائے۔

ہدایت: یہ بالذات ایک بھید ہے وجودی اور الہامی، جو اللہ کے بندوں پر طاری ہوتا ہے اور اُن پر ہجوم کرتا ہے۔ جذبۂ الٰہی کا ایک نور ہے جس کے تحت میں عارف خدا کے راستہ پر تائید الٰہی سے مناظر اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔

ہدیہ: ولایت خواہ کسی نوع کی ہو۔

ہشیاری: غلبۂ حق سے افاقہ، سکون کی جانب آنا۔ یعنی مقامِ سُکر سے مقامِ صحو میں آنا۔

ہفت منزل: یہ وہ سات وادیاں ہیں جو سالک کو راہِ سلوک میں پیش آتی ہیں۔ اور جنھیں حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ اپنی کتاب منطق الطیر میں بیان فرماتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:

(1) وادیٔ طلب　(2) وادیٔ عشق　(3) وادیٔ معرفت

(4) وادیٔ استغناء　(5) وادیٔ توحید　(6) وادیٔ حیرت

(7) وادیٔ فقر و فناء

ہمت: اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حصولِ کمالات کی غرض سے اپنی پوری قوتوں اور جمیع قوائے روحانیہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جانا۔ وصول الی اللہ کے لیے جملہ مخلوقات کو ترک کر دینا اور قلب کو تمام خواہشوں اور آرزوؤں سے پاک کر لینا اور دل میں طلب صادق کا پیدا کر لینا بھی ہمت ہے۔

ہیولیٰ: وہ چیز ہے جس میں صور اشیاء سے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ نفسِ رحمانی ہے۔ ہر وہ باطن بھی ہیولیٰ ہے جو صورتِ ظاہر رکھتا ہو۔

یار: تجلیٔ صفات، صفتِ نصرتِ الٰہی

یاقوتِ حمراء: نفسِ کلیہ۔ کیونکہ بوجہ تعلق بہ جسم اُس میں ظلمت ہے برعکس عقل کے جسے درۂ بیضاء کہتے ہیں۔

یقین: جس میں شک و شبہ کو مطلق دخل نہ ہو۔ رویت عیان بقوتِ ایمان نہ کہ بذریعہ حجت برہان۔

یوم الجمع: وقتِ لقاء و وصول بسوئے عین جمع۔ روز قیامت۔

اس کتاب میں جس قدر اصطلاحات تصوف کا ذکر ہوا ہے، اُن کی تشریح کر دی گئی ہے پھر بھی اگر کوئی اصطلاح بقایا رہ گئی ہو تو اصطلاحات تصوف کی تشریحی کتاب ''سرِّ دلبراں'' مصنفہ حضرت شاہ سید محمد ذوقی شاہ رحمتہ اللہ علیہ پر نظر ڈالی جا سکتی ہے۔

سیّد عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکہ معظمہ	1 عام الفیل / 571ء	11ھ / 632ء	مدینہ منورہ

مادۂ فراقِ ظاہری

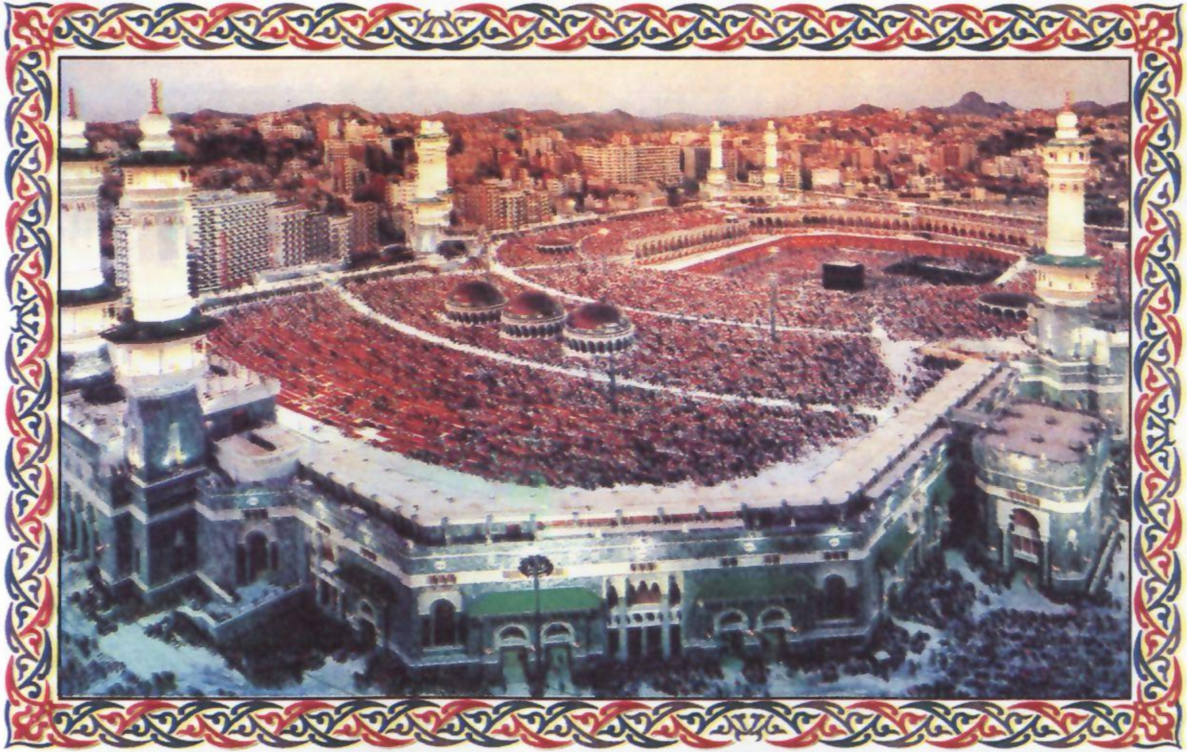
"ھُو"

11ھ

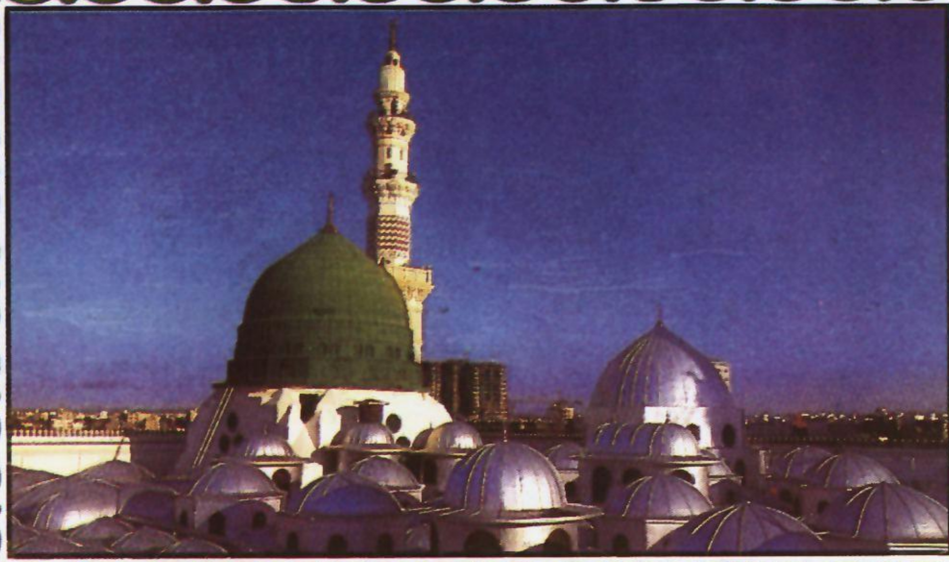
قطعۂ فراقِ ظاہری از مسٹر طامس ولیم بیل

وقت نزع رواں بخواند رسول صلی اللہ علیہ وسلم   کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو
پس اگر سالِ رحلتش خواہی   لفظ دیگر مگیر اِلَّا ھُوَ (11ھجہ)

ـــ فراق ظاہری مراد ہے (قصوری)



مسجد حرام ، مکہ معظّمہ۔ سعودی عرب



مسجد نبوی شریف اور گنبد خضراء
(مدینہ منورہ۔ سعودی عرب)

سیّدِ عالم حضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور پُر نور خاتم الانبیاء باعثِ تخلیق کائنات، فخر موجودات، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، محبوبِ کبریا محمد مصطفٰی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ اکو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور پھر اُس نور کے وسیلے سے تمام جہانوں کو تخلیق کیا۔ عالم ارواح ہی میں آپ کے نور کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرما کر جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کو پائیں تو اُن پر ایمان لائیں اور اُن کی مدد کریں۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝.

(پارہ 3 سورۃ آل عمران رکوع 9، آیہ ۸۱)

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمھیں اُس کی جو دُوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمھارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھالیا تُم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

خداوند قدوس کے اسی ارشاد عالیہ کے مطابق تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ پاک کو اُن کی پشت مبارک میں بطور امانت رکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے وہ نور حضرت حواء کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔ پھر حضرت حواء سے حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ پھر اسی طرح یہ نور مقدس پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک میں منتقل ہوا۔ اور اُن سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی، اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرق ہونے سے بچی، اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ

السلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی، اسی نور کی برکت سے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت دُور ہوئی اور اسی نور کی برکت سے تمام انبیائے سابقین پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار عنایات ونوازشات ہوئیں۔ مولانا جامیؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے

وصل اللہ علیٰ نور کزو شُد نورہا پیدا
زمین از حُبِ او ساکن فلک در عشق اوشیدا
محمد ﷺ احمد و محمود وے را خالقش بستُود
کزو شُد بود ہر موجود ازو شُد دیدہا بینا
اگر نامِ محمد ﷺ را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نُوح از غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت، نہ یوسف حشمت وجاہت
نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں یدِ بیضا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ نے مدینہ میں رحلت فرمائی۔

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاوّل 1 عام الفیل (واقعہ عام الفیل سے 55 دن بعد) مطابق 21 اپریل 571ء مطابق 4 جیٹھ 628 بکرمی کو مکہ مکرمہ میں بعد از صبح صادق پیر کے دن ہوئی۔ ولادت شریف کے وقت آپ کے ساتھ ایسا نور نکلا کہ مکہ شریف کے رہنے والوں کو ملکِ شام کی قیصری محل (بادشاہی محلات) نظر آنے لگے، ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ فارس کا آتش کدہ بجھ گیا۔ دریائے سادہ خشک ہوگیا اور وادی سماوہ کی ندی کناروں تک بہنے لگی۔ غرض ایسے بے شمار واقعات ظاہر ہوئے۔

سب سے پہلے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا۔ پھر آپ ﷺ نے چند روز ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد حلیمہ سعدیہؓ آپ ﷺ کو اپنے قبیلہ میں لے گئیں جہاں پہلی بار آپ ﷺ کا شق صدر ہوا۔ دوسری دفعہ دس برس کی عمر مبارک میں، تیسری دفعہ غارِ حرا میں اور چوتھی مرتبہ شبِ معراج میں ہوا۔ جب آپ ﷺ کی عمر شریف چھ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ انتقال فرما گئیں اور آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب[1] نے آپ کی پرورش اپنے ذمے لے لی۔ جب آٹھ سال کے ہوئے تو دادا جان بھی رحلت فرما گئے۔ اب آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالبؓ پرورش کرنے لگے۔ بارہ سال کی عمر مبارک میں آپ ﷺ حضرت ابو طالبؓ کے ساتھ ملک شام کو بغرض تجارت تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔ چودہ (۱۴) سال کی عمر شریف میں آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حربِ فجار میں شرکت

[1] بعض محققین کے نزدیک آپ کی پرورش زبیر بن عبدالمطلب نے کی تھی۔ واللہ اعلم ورسولہٗ (قصوری)

فرمائی۔ پچیس (۲۵) سال کی عمر مبارک میں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے آپ ﷺ بسلسلہ تجارت شام کو تشریف لے گئے اس سفر سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا۔ جب آپ ﷺ کی عمر اقدس 35 برس کی ہوئی تو قریش نے عمارت کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ آپ ﷺ نے اس تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے پیارے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ اپنے مبارک کندھوں پر پتھر اُٹھا کر لاتے رہے۔

جب آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ خفیہ طور پر بعض لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ آپ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بہت سے مرد اور عورتیں آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ لڑکوں میں حضرت علیؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ اور غلاموں میں حضرت بلالؓ ہیں۔

خفیہ دعوت کے تین سال بعد، دعوتِ اعلانیہ کا حکم آیا تو سردارانِ قریش بہت سٹ پٹائے اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو اذیت دینے لگے۔ نبوت کے پانچویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو چاہیں ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ چنانچہ پہلی دفعہ گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور اُن کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ بھی ایمان لے آئے اب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر قریش کی نیندیں حرام ہو گئیں اور وہ مسلمانوں کو شدت کے ساتھ ایذائیں دینے لگے۔ اس لیے 83 مرد اور 18 عورتوں نے دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیجے کہ مہاجرین کو واپس کر دو مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سفیر خاسر و نامراد واپس لوٹے اب قریش نے جھنجھلا کر بہ اتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانیہ قتل کر دیا جائے۔ بنو ہاشم و بنو مطلب حفاظت کی غرض سے آپ ﷺ کو شعب ابی طالبؓ میں لے گئے۔ اس پر قریش نے بنو ہاشم و بنو مطلب سے قطع تعلق کر لی تا کہ وہ ہراساں و پریشان ہو کر آپ ﷺ کو اُن کے حوالہ کر دیں اور اس بارے میں ایک تحریری معاہدہ خانہ کعبہ کی چھت پر آویزاں کر دیا۔ قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدے پر عملدر آمد کیا۔ تین سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر ارشاد فرمائی کہ اس معاہدے کو دیمک چاٹ گئی ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے باقی کچھ نہیں رہا جب معاہدہ کو دیکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک صحیح نکلا مگر مخالفین بجائے نادم وشرمسار ہونے کے مزید درپے آزار ہو گئے اور طرح طرح سے زیادتیاں کرنے لگے۔ ماہ رمضان 10 نبوت میں حضرت ابو طالبؓ کا انتقال ہو گیا اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے بھی انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پریشانی کی حالت میں طائف کا سفر اختیار فرمایا مگر اشراف ثقیف نے آپ ﷺ کی دعوت کا بری طرح سے جواب دیا اور آپ ﷺ پر اس قدر سنگ باری کی کہ نعلین شریفین خون آلودہ ہو گئیں۔

آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ ہر سال حج کے موسم میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور اُس کے اردگرد موجود

ہوتے دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے اور میلوں میں بھی اسی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نبوت کے گیارہویں سال آپ ﷺ نے حسبِ عادت منیٰ میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو دعوتِ اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں اپنے بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کے طفیل آئندہ سال بارہ مرد ایامِ حج میں مکہ آئے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ مشہور قول کے مطابق اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت بیداری میں جسدِ اطہر کے ساتھ معراج مبارک ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ نبوت کے تیرھویں سال انصار میں سے 73 مرد اور 2 عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی اور یُوں کاروانِ اسلام روز بروز شاہراہ ترقی پر گامزن ہونے لگا۔

اسلام کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے قریش کی ایذا رسانی بھی شدید ہوتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے اب مسلمانوں کا مکہ میں رہنا دُشوار ہو گیا۔ لہٰذا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت مبارکہ سے صحابہ کرامؓ متفرق طور پر چوری چھپے ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچ گئے اور مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور چند علیل وناتواں صحابہ کرامؓ رہ گئے۔

قریش نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار و مددگار مکہ کے علاوہ مدینہ میں بھی کافی تعداد میں ہو گئے ہیں تو اُن کی نیندیں حرام ہو گئیں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ میں نہ چلے جائیں اور وہاں سے اپنے حامیوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوں۔ لہٰذا انھوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر شیخ نجدی کے مشورے سے یہ قرار دیا کہ آج رات ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے اس مذموم فیصلے کی خبر کر دی۔ کفار نے قرارداد کے مطابق رات ہوتے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدے کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر چھوڑا اور مٹھی بھر خاک لے کر سورۂ یٰسین شریف کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار پر پھینک دی جس کی وجہ سے کفار کو کچھ نظر نہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے نکل کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر عازمِ مدینہ ہو گئے۔ تین راتیں غارِ ثور میں گزاریں۔ راستہ میں سراقہ بن جعشم آپ ﷺ کے تعاقب میں آیا مگر آپ ﷺ کی دُعا سے اُس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا آیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم 12 ربیع الاول دوشنبہ (پیر) کے دن قباء میں پہنچے یہی تاریخ اسلامی سال (سن ہجری) کی ابتدا ٹھہری۔ آپ ﷺ نے قباء میں مسجد کی قباء کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہاں سے جب آپ مدینہ شریف جلوہ افروز ہوئے تو مسلمانوں میں مسرت کی جو لہر دوڑی اُسے احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اس سال مسجد نبوی، ازواج مطہرات کے لیے حجرے اور مہاجرین کے لیے مکانات تعمیر کیے گئے، اذان شروع کی گئی اور صحابہ کرامؓ میں بھائی چارا پیدا فرمایا۔

ہجرت کے دوسرے سال بیت المقدس کے بجائے کعبہ شریف قبلہ نماز ٹھہرا رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور غزوات وسرایا کا آغاز ہوا۔ غزوات تعداد میں 27 ہیں اور سرایا 47۔ بڑے بڑے غزوات جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے سات ہیں۔ (۱) بدر، (۲) احد، (۳) خندق، (۴) خیبر، (۵) فتح مکہ، (۶) حنین، (۷) تبوک۔ جن غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتال فرمایا وہ یہ ہیں۔ (۱) بدر، (۲) احد، (۳) خندق، (۴) مصطلق، (۵) خیبر، (۶) فتح مکہ (۷) حنین، (۸) طائف۔ سب سے آخری غزوۂ تبوک ماہ رجب 9ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والیانِ ملک (قیصر وکسریٰ اور نجاشی وغیرہ) کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے اور 9ھ میں غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ نے منافقین کی مسجد ضرار (جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بنائی گئی تھی) کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اسی سال عربوں کے کثیر التعداد وفد بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے جس کی وجہ سے اسے سالِ وفود بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وفود عام طور پر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ 10ھ میں بھی وفود حاضر خدمت ہو کر نورِ ایمان سے مشرف ہوتے رہے۔ اسی سال اہل یمن وملوکِ حمیر ایمان لائے اور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجتہ الوداع کہتے ہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے وقت پوری دنیا بالخصوص ملک عرب میں جہالت و گمراہی کا دور دورہ تھا۔ عربوں کی مذہبی اور اخلاقی پستی آخری حدوں کو پہنچی ہوئی تھی۔ موافق ومخالف، دوست اور دشمن، اپنے اور بیگانے سب کو یہ معلوم ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمی تھے۔ اُمیوں ہی میں آپ نے پرورش پائی۔ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ مگر آپ نے تلمیذ الرحمٰن ہونے کی حیثیت سے اپنے اصحاب کرام کو وہ روحانی تعلیم دی کہ وہ معارف ربانی کے عارف اور اسرار فرقانی کے ماہر بن گئے۔ جس کسی نے بھی دولتِ ایمان سے سرفراز ہو کر کچھ وقت بھی آپ کے قدموں میں گزارا وہ عالمِ ربانی اور عارفِ یزدانی بن گیا۔ آپ کے فیضِ صحبت سے صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نسبت خاصہ اور قوتِ قدسیہ عطا ہو گئی۔ القصہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو اسلام وایمان اور احسان سے مالا مال کر کے اور سچے دین کے ظاہری وباطنی علوم سکھا کر 12 ربیع الاوّل 11ھ کو دوشنبہ 8 جون 632ء (پیروار) کے دن الرفیق الاعلیٰ پکارتے ہوئے عالمِ فانی سے عالم باقی کی طرف تشریف لے گئے۔ مگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتہ اللعالمین اور حیات النبی ہیں۔ قیامت تک حضور ﷺ کی اُمت مرحومہ کو حضور ﷺ سے وہی فیضان بواسطہ خواصِ اُمت' علمائے کرام وصوفیہ عظام پہنچتا رہے گا۔ جو حضور ﷺ کی ظاہری زندگی میں پہنچتا تھا۔ حضور ﷺ کی اُمت میں وقتاً فوقتاً اولیاء وصلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جو آپ ﷺ کی اُمت کو ظاہری و باطنی علوم کے فیضان سے مالا مال کرتے رہیں گے۔ اور ان اولیائے کرام کے ذریعے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہوتی رہے گی۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اپنی معرکتہ آلاراء کتاب کشف المحجوب میں یوں فرماتے ہیں۔

''خداوند تعالیٰ بُرہان نبوی را تا امروز باقی گردانیدہ است و اولیاء را سببِ اظہار آں کردہ۔ تا پیوستہ آیاتِ حق و حجت صدق سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر می باشند۔ و مر ایشان را والیانِ عالم گردانیدہ تا محرم وے گشتہ اند و راہ متابعتِ نفس را در نوشتہ، از آسمان باراں برکت اقدامِ ایشان آید۔ و از زمین نباتات برکات صفائی احوال ایشان روید۔''

ترجمہ:۔ ''اللہ تعالیٰ نے بُرہانِ نبوی کو آج تک کے لیے باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اُس کے اظہار کا سبب بنایا ہے تا کہ آیاتِ حق اور حجت صدق سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں اور اُن کو دُنیا کے والی گردانا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے محرم ہو گئے ہیں اور انھوں نے متابعتِ نفس کو اپنا رستہ بنایا ہے۔ آسمان سے بارش اُن کے قدموں کی برکت سے آتی ہے اور زمین سے نباتات اُن کے صفائے احوال کی بدولت اُگتے ہیں۔''

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

''حقیقت محمدیہ کا تعلق جس طرح ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حیات میں تھا بعینہٖ وہی تعلق اب بعد وصال بھی بدن مبارک کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دین کو کوئی نہیں بدل سکتا اور جس طرح حضور پُرنور ﷺ کی حیات میں آپ کے تصرفات جاری تھے ویسے ہی اب بھی جاری ہیں یہی معنی ہیں حیات النبی ﷺ ہونے کے۔ اور اسی وجہ سے قطب، غوث، ابدال، اوتار وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں ہوتے رہیں گے۔'' (ذکر خیر)

بطور تبرک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کے چند بڑے بڑے واقعات کی نہائیت مختصر سی فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ ان واقعات کی تفصیل اور حضور ﷺ انور کے خُلقِ عظیم حلیہ شریف و معجزات و مناقب و خصائص اور اُمت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق وغیرہ کے بیان کے لیے حضرت مولانا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب۔ سیرتِ رسول عربی ﷺ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب مدارج النبوت و سیرت کی دیگر کتابوں کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

ارشاداتِ قُدسیہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ قدسیہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ نہ پائے جاتے ہوں۔

(1) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بندوں میں سے کون سا بندہ زیادہ فضیلت والا اور زیادہ بلند مرتبہ والا ہوگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مرد اور وہ عورت جو ذکرِ خدا زیادہ کرتے ہیں۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا خدا کا ذکر زیادہ کرنے والے راہِ خدا میں جہاد

کرنے والے سے زیادہ فضیلت والے اور زیادہ بلند مرتبے والے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ غازی اگر اپنی تلوار سے کافروں اور مشرکوں کو قتل کرے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور وہ خون آلود ہو جائے۔ خدا کا ذکر کرنے والا درجہ میں اُس سے بڑھ کر ہوگا (امام احمد و ترمذی)

(2) جب تم بہشت کی چراگاہوں میں گزرو۔ تو چرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ بہشت کی چراگاہیں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

(3) اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو گلی کوچوں میں پھرتے ہوئے اہل ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو یوں پکارتے ہیں۔ "اپنے مقصود کی طرف آؤ۔" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے اہل ذکر کو اپنے بازوؤں سے پہلے آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن فرشتوں سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ اُن کا حال زیادہ جانتا ہے) کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیرے بندے تجھے پاکی، بزرگی اور ثنا اور عظمت سے یاد کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم، انھوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ پھر خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو اُن کا حال کیسا ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ تیری عبادت میں اور تیری تعظیم کرنے میں سخت تر ہوتے اور تیری تسبیح زیادہ کیا کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے بہشت مانگتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انھوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم، اے پروردگار انھوں نے بہشت کو نہیں دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیتے تو اُن کا حال کیسا ہوتا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر وہ بہشت کو دیکھ لیتے تو اُس کی حرص اور اُس کی طلب میں سخت تر ہوتے اور اُس کی رغبت زیادہ کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ کی آگ سے۔ پھر حق تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انھوں نے دوزخ کی آگ کو دیکھا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ کی قسم، اے پروردگار انھوں نے نہیں دیکھا۔ پھر حق تعالیٰ پوچھتا ہے کہ اگر وہ اُسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اُس سے بھاگنے اور ڈرنے میں سخت تر ہوتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُن کو بخش دیا۔" اس پر ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ ان میں سے فلاں شخص ذکر کرنے والوں میں سے نہیں، وہ تو کسی کام کے لیے آیا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے کہ اُن کا ہمنشین محروم نہیں رہتا۔ (امام بخاری)

(4) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں وہ جو میری نسبت رکھتا ہے۔ اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے آدمیوں کی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے اُس جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

(5) قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ (مسلم)

(6) افضل ذکر لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور افضل دُعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے (ترمذی و ابن ماجہ)

(7) جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار دُرود بھیجتا ہے۔ (مسلم)

(8) جب تُو نماز مغرب سے لوٹے (یعنی سلام پھیر لے) تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار کہہ لیا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ. (خدایا مجھے دوزخ کی آگ سے پناہ دے) کیونکہ اگر تو یہ کہے اور پھر اُسی رات مر جائے تو تیرے لیے دوزخ کی آگ سے رہائی لکھی جاتی ہے اور جب تُو نمازِ صبح ادا کرے تو ان ہی کلمات کو سات مرتبہ کہہ لیا کر، اگر تو اُسی دن مر جائے تو تیرے لیے دوزخ کی آگ سے رہائی لکھی جاتی ہے۔ (ابوداوٗد)

(9) دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر آسان اور میزانِ اعمال میں بھاری اور خدا کے نزدیک محبوب ہیں یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ (بخاری و مسلم)

(10) یہ کہنا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ میرے نزدیک محبوب تر ہے ہر چیز سے جس پر سورج طلوع ہوا ہے۔ (امام مسلم)

(11) کسی نے کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی طعام نہیں کھایا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ (امام بخاری)

(12) جو شخص صبح کے وقت یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔

ترجمہ:۔ یا اللہ! صبح کو میرے پاس یا تیری خلق میں سے کسی کے پاس جو نعمت ہے وہ تجھ تنہا کی طرف سے ہے۔ پس تیرے لیے حمد ہے اور تیرے لیے شکر ہے اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا اور جو شخص اسی طرح شام کے وقت کہے اَللّٰهُمَّ مَا اَمْسٰی بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ۔ اُس نے رات کا شکر ادا کر دیا۔ (ابوداوٗد)

(13) جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر لیٹنے لگے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے بستر کو اپنے تہ بند کے اندرونی حاشیہ کے ساتھ جھاڑے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اُس کے بعد کون سی چیز بستر پر پڑی ہے۔ پھر یہ دُعا پڑھے۔

بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا

بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ۔

ترجمہ:۔اے میرے پروردگار! میں نے تیرے نام سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا ہے اور تیرے نام سے اُسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری رُوح کو قبض کرلے تو اُس پر رحم کرنا اور اگر تو اس کو چھوڑ دے تو اُسے نگاہ میں رکھنا جیسا کہ تو اپنے نیک بندوں کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بستر کو جھاڑ کر اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے بعد ازاں یہ دُعا آخر تک پڑھے۔ (بخاری ومسلم)

(14) جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت تین بار کہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ خدا تعالیٰ اُس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں یا صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر یا درختوں کے پتوں کے برابر یا دنیا کے دنوں کے برابر۔ (ترمذی)

(15) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت میں غلام اور لونڈیاں آئے ہیں۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئیں تاکہ چکی پیسنے کی مشقت سے اپنے ہاتھوں کی تکلیف کا ذکر کر کے ایک لونڈی طلب کریں۔ حضور اُس وقت گھر پر جلوہ افروز نہ تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنا حال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ اُس وقت ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے ہم اُٹھنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ حضور اکرم ﷺ میرے اور فاطمہؓ کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک میں نے حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو اُس سے بہتر نہ دوں جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمھارے واسطے لونڈی سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

(16) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افضل استغفار مندرجہ بالا دُعا ہے جو شخص ان کلمات کو دن کے کسی حصے میں پڑھے اور ان پر یقین کامل رکھے تو اگر وہ اُسی شام سے پہلے مر جائے تو وہ اہل بہشت میں سے ہوگا۔ اگر رات کے کسی حصے میں پڑھے اور مکمل یقین و اعتقاد رکھتا ہو اور وہ صبح سے پہلے مر جائے تو وہ اہل بہشت میں سے ہے۔ (امام بخاری)

(17) جب رات کا آخیر تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے آسمان کی طرف اترتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو مجھے پکارے تاکہ میں اُس کی دُعا قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اُسے عطا

کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے بخشش طلب کرے تاکہ میں اُسے بخش دوں۔'' (بخاری ومسلم)

(18) خوشی ہو اُس شخص کو جس نے اپنے نامہ اعمال میں کثرت سے استغفار پائی۔ (ابن ماجہ ونسائی)

(19) جس شخص نے کھانا کھانے کے بعد یوں کہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ ترجمہ:۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر کسی حیلہ وقوت کے یہ کھانا مجھے دیا۔ اُس کے پچھلے اور اگلے صغیرہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور جس شخص نے کپڑا پہن کر کہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَاقُوَّۃٍ۔ اُس کے اگلے پچھلے صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(20) جو شخص ہر روز سو بار پڑھے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور اُس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں مٹادی جاتی ہیں اور اُس شام تک۔ اُسے شیطان سے پناہ مل جاتی ہے اس سے بڑھ کر کسی شخص کا افضل عمل نہیں ہے مگر جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ (بخاری)

(21) آدمی زاد کو ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں (یعنی قیامت کے دن ان چیزوں کا حساب نہ ہوگا) (۱) مکان رہنے کے لیے، (۲) کپڑا ستر عورت کے لیے، (۳) روٹی کا ٹکڑا اور (۴) پانی۔ (ترمذی)

(22) ہر ایک آدمی کو قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں کھڑا رکھا جائے گا یہاں تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ پوچھ لیا جائے۔ (۱) اس کی عمر کی بابت کہ کس کام میں بسر کی۔ (۲) اُس کی جوانی کی بابت کہ کس کام میں بوسیدہ کی۔ (۳) اُس کے مال کی بابت کہ کہاں سے کمایا اور (۴) کس چیز پر اُسے خرچ کیا اور (۵) اپنے علم پر کیا عمل کیا۔ (ترمذی)

(23) تُو دنیا میں اس طرح زندگی گزار کہ گویا مسافر ہے یا راہ گیر۔ (بخاری)

(24) خدا نے اُس مرد کا عذر زائل کردیا جس کی عمر لمبی کردی یہاں تک کہ اُسے ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔ (بخاری)

(25) ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! آپ اس مرد کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جس نے ایک گروہ کو دوست رکھا اور وہ اُن سے ملا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ''ہر انسان قیامت کے دن اُس کے ساتھ اُٹھے گا جس کو اُس نے دوست رکھا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

(26) اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے بازو کے برابر وقعت رکھتی تو وہ کسی کافر کو اُس کا ایک گھونٹ نہ پلاتا۔ (احمد وترمذی وابنِ ماجہ)

(27) حلال اور حرام دونوں ظاہر ہیں۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ جس شخص نے مشتبہات سے پرہیز کیا۔ اُس نے اپنا دین اور اپنی آبرو بچالی اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ

حرام میں پڑ گیا اُس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے نزدیک ہے کہ وہ چراگاہ کے اندر چرائے۔ آگاہ رہو کہ ہر ایک بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے۔ اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اُس کے محارم میں ہے۔ آگاہ رہو کہ جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دِل ہے۔ (بخاری و مسلم)

(28 مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے دیے ہوئے نور سے دیکھتا ہے۔ (ترمذی)

(29 جب انسان مرجاتا ہے تو اُس سے اُس کے عمل کا فائدہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا فائدہ منقطع نہیں ہوتا۔ (۱) صدقہ جاریہ، (۲) علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور (۳) نیک فرزند جو اُس کے لیے دُعا کرے۔ (مسلم)

(30 اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے، اُس کے لیے دس گنا ثواب ہے اور میں اس سے زیادہ بھی دیتا ہوں۔ اور جو شخص بدی کرتا ہے اُس کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے یا میں معاف کر دیتا ہے اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہے میں اُس سے ایک ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہوں اور جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہے میں اس سے دو ہاتھ بھر نزدیکی ڈھونڈتا ہوں اور جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص بمقدار زمین گناہ لے کر مجھ سے ملتا ہے میں اُس کی مثل مغفرت کے ساتھ اُس سے ملتا ہوں۔ (مسلم)

(31 اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے۔ میں اُسے لڑائی کی خبر دیتا ہوں (یعنی وہ شخص مجھے لڑائی کا چیلنج دیتا ہے) اور میرے جس بندے نے میرے نزدیک ہونے کے لیے فرائض سے زیادہ کسی اور چیز کو محبوب نہیں رکھا اور نوافل کی ادائیگی کے ساتھ میری نزدیکی کو تلاش کیا ہے میں اُس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اُس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے عطا (سوال پورا) کر دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں اور میں کسی چیز یا کام جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد و توقف نہیں کرتا جیسا کہ مومن کی جان قبض کرنے میں توقف کرتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اُسے غمناک کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ (بخاری)

(32 جو شخص کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھے اور کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔ وہ مصیبت اُس کو نہ پہنچے گی خواہ وہ کوئی مصیبت ہو۔ (ترمذی)

(33 کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے جن میں سب سے آسان غم ہے۔ (بیہقی در دعوتِ کبیر)

(34) میں نے بہشت کو غور سے دیکھا تو اُس کے اہل میں سے بیشتر فقیروں کو دیکھا اور دوزخ کی آگ کو غور سے دیکھا تو اُس کے اہل میں سے اکثر عورتیں دیکھیں۔ (بخاری و مسلم)

(35) تم میری رضا اُن ضعیفوں اور فقیروں کی رضا میں ڈھونڈو جو تم میں ہیں، کیونکہ تم کو صرف ان ضعیفوں کی برکت سے رزق یا مدد ملتی ہے۔ (ابوداؤد)

(36) فقراء تونگروں (امیروں) سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی)

(37) جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا سات شخص ایسے ہیں جن کو اللہ اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (۱) امام عادل۔ (۲) جوان جس نے اپنے پروردگار کی عبادت میں نشوونما پائی۔ (۳) وہ مرد جس کا دل مسجدوں سے معلق ہے (یعنی جس کا دل مسجد میں ہی لگتا ہے) (۴) وہ دو مرد جن کی آپس میں محبت صرف اللہ کے واسطے ہے۔ وہ تمام زندگی اسی پر اکٹھے رہے اور اسی پر ہی جدا (فوت) ہوئے۔ (۵) وہ مرد جسے ایک خاندانی اور خوبصورت عورت نے دعوتِ گناہ دی مگر اُس نے کہا کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، (۶) وہ مرد جس نے چھپا کر صدقہ دیا یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ دایاں کیا خرچ کر رہا ہے۔ (۷) وہ مرد جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے تو اُس کی آنکھوں سے آنسو زار زار ٹپکنے لگیں۔ (بخاری)

(38) اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے فلاں بندے کو دوست رکھا ہے تو بھی اس کو دوست رکھ پس جبرئیل اس کو دوست رکھتے ہیں۔ پھر جبرائیل آسمان میں پکارتے ہیں کہ اللہ نے فلاں بندے کو دوست رکھا ہے تم بھی اس کو دوست رکھو۔ پس آسمان والے اس کو دوست رکھتے ہیں اور زمین والوں میں بھی اُس کی قبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (بخاری)

(39) ایک غلام مکاتب (وہ غلام جس سے کچھ معاوضہ لے کر آزاد کیا جائے) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ میں اپنے زرِ کتابت سے عاجز ہوں آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد کیا کہ کیا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سکھائے۔ اگر تجھ پر پہاڑ جتنا بھی قرض ہو اللہ تعالیٰ اُسے تجھ سے ادا کر دے گا۔ تو یہ پڑھا کر۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ (ترمذی و بیہقی)

(40) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ (۱) زندگی کو موت سے پہلے (۲) تندرستی کو بیماری سے پہلے، (۳) فراغت وقت کو مشاغلِ دُنیا میں مبتلا ہونے سے پہلے، (۴) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور (۵) تونگری (امیری) کو فقر (غربت) سے پہلے۔ (حاکم و بیہقی)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اَصْحَابِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اَھْلِ بَیْتِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ ذُرِّیَّۃِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اَتْبَاعِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

مکہ معظّمہ ——— سنہ 3 عام الفیل ——— سنہ 13ھ ——— مدینہ منورہ

سنہ 573ء ——— سنہ 634ء

مادۂ تاریخِ رحلت

"اَحد" — 13ھ

"جُود" — 13ھ

"وَجد" — 13ھ

(2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کا اسم گرامی عبداللہ، والد بزرگوار کا نام مبارک عثمانؓ اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ صدیق اور عتیق آپؓ کے لقب ہیں۔ آپؓ کی پیدائش حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد شریف سے دو سال اور کچھ مہینے بعد ہوئی۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں مرہ بن کعب سے جاملتے ہیں۔ مرہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں چھ واسطے ہیں اسی طرح مرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآل وسلم کے درمیان بھی چھ واسطے ہیں۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں رؤسا قریش میں سے تھے اور سب سے بڑھ کر عالمِ انساب تھے۔

فضائل ومناقب

مردوں میں آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اسلام لاتے ہی آپ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا چنانچہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، عثمانؓ بن عفان زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ہی کی دعوت سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ صحابہ کرام میں آپ کے لیے ایک خصوصیت اور انفرادیت یہ بھی ہے کہ آپ کے والد آپ کی تمام اولاد اور پوتے ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن سب صحابی تھے۔ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

سنہ 6ھ نبوت میں آپ بارادہ ہجرت حبشہ کی طرف نکلے۔ برک الغماد (جو مکہ مکرمہ سے یمن کی طرف پانچ دن کی مسافت ہے) تک پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ (ربیعہ بن رفیع) ملا۔ اُس نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میری قوم نے مجھے مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا "یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ جیسا (۱) فیاض، (۲) اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا، (۳) غریب پرور، (۴) مہمان نواز اور (۵) مصیبت کے وقت لوگوں کی مدد کرنے والا مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی حفاظت میں لیتا ہوں۔ آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں۔" چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آگئے۔ اُس (ابن الدغنہ) نے شام کو سردارانِ قریش کو بلایا اور کہا کہ ابوبکر جیسا شخص نکلنے نہ پائے اور نہ نکالا جائے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو (۱) فیاض، (۲) اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا، (۳) غریب پرور، (۴) مہمان نواز اور (۵) مصیبت میں لوگوں کی مدد کرنے والا ہے۔ یہ سن کر قریش نے ابن الدغنہ کی حفاظت کو رد نہ کیا اور اُس سے کہا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں سکون سے اپنے رب کی عبادت کرے، نماز آہستہ آواز سے پڑھے، قرآن پاک بلند آواز سے نہ پڑھے اور ہمیں ایذا نہ دے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ہماری عورتوں اور بچوں کو قرآن کا اثر نہ ہو

جائے ابن الدغنہ نے یہ شرائط آپ سے بیان کر دیں۔ کچھ مدت تک تو آپ نے یہ پابندی اختیار کی کہ چپکے اور خاموشی سے نماز پڑھتے اور گھر کے سوا کسی اور جگہ قرآن نہ پڑھتے۔ بعد ازاں آپ نے اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی۔ جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن پاک بلند آواز سے پڑھتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور تعجب و حیرت سے آپ کی طرف دیکھتے۔ آپ چونکہ رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے آپ کی قرأت اور رقت سے سردارانِ قریش خوفزدہ ہو گئے۔ اُنھوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کو تمھاری حفاظت کی وجہ سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں چپکے سے اپنے رب کی عبادت کرے مگر اس نے تو خلافِ شرط و معاہدہ اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے جس میں وہ بہ آوازِ بلند نماز اور قرآن پڑھتا ہے ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے اثر قبول کر کے مسلمان ہی نہ ہو جائیں تم اُس کو روک دو کہ ایسا نہ کرے اور حسبِ معاہدہ اپنے گھر کے اندر ہی چپکے سے عبادت کرے۔ اور اگر بہ آوازِ بلند قرآن پڑھنے پر اصرار کرے تو تم اس کی حفاظت کی ذمہ داری واپس لے لو کیونکہ ہم اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمھارے عہد حفاظت کو توڑ دیں، ہم ابوبکرؓ کو کسی قیمت پر بھی اونچی آواز سے قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو میری شرطِ حفاظت معلوم ہے آپ اُس کی پابندی کریں ورنہ میری ذمہ داری واپس کر دیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمھاری حفاظت تم کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی حفاظت پر راضی ہوں۔

(صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مندرجہ بالا واقعہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ابتدائے بعثت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے جن اوصاف سے حضور پُرنور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کیا تھا۔ اُن ہی اوصاف سے ابن الدغنہ نے جو بعد میں ایمان لائے حضرت صدیق اکبر کو یاد کیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ علق)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پہلے خلیفہ برحق مبشر بالجنہ (جسے دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی گئی ہو۔) اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آپ کے فضائل میں کئی آیتیں وارد ہوئی ہیں۔

1- اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج الآیۃ.

(پارہ نمبر:10، سورۃ التوبہ ع6، آیۃ:۴۰)

اگر تم نے محبوب ﷺ کی مدد نہ کی تو بے شک اللہ نے اُن کی مدد فرمائی۔ جب کافروں کی شرارت سے اُنھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اپنے یار سے (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے تھے غم نہ کھا۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت میں ''صاحب'' سے مراد بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ وہ منقبت ہے کہ جس میں کوئی دوسرا اصحابی آپ کا ہمسر یا شریک نہیں ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شاعر خاص حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم نے ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ حضرت حسانؓ نے عرض کیا کہ ہاں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سناؤ، میں سنتا ہوں۔ پس حضرت حسانؓ نے یہ دو شعر پیش کیے۔

وَثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ
وَقَدْ طَافَ الْعَدُوُّ بِہٖ
اِذْ صَعَّدَ الْجَبَلَا وَکَانَ
حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْبَرِیَّۃِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ رَجُلًا.

اور غار میں وہ دو میں کے ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گھوم رہے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ اس کا علم ہے کہ مخلوق میں آپ ﷺ کے نزدیک ان کے برابر کوئی نہیں ہے۔

یہ اشعار سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر ہنسے کہ دندانِ مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا۔ اے حسان! تم نے سچ کہا۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ السبکی جز واول ص 121۔ زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عدی وابن عساکر بروایت انسؓ، ہجرۃ المصطفیٰ واصحابہ الی المدینہ)

2- وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صلے وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.

(پارہ 18، سورۃ نور ع 3، آیۃ 22)

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں۔ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی۔ اور چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم اُسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمھاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس کا شانِ نزول یوں لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ مسطحؓ کے ساتھ سلوک نہ کریں گے اور وہ آپ کی خالہ کے بیٹے تھے، نادار تھے، مہاجر تھے، بدری تھے آپ ہی اُن کا خرچ اُٹھاتے تھے مگر چونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ اُنھوں نے موافقت کی تھی۔ اس لیے آپ نے یہ قسم کھائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ



سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے کہا بے شک میری آرزو ہے کہ اللہ میری مغفرت کرے اور میں مسطحؓ کے ساتھ جو سلوک کرتا تھا اُس کو کبھی موقوف نہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اُس کو جاری فرمادیا اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اِس سے آپ کی علوِ شان ومرتبت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولوالفضل فرمایا ہے۔

3- وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.
(پار:24،سورۃ زمر ع4، آیۃ:33)

اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنھوں نے اُن کی تصدیق کی، یہی ڈر والے ہیں۔ (یعنی پرہیزگار یہی لوگ ہیں۔)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے مطابق ''جو سچ لے کر تشریف لائے'' وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''جنھوں نے اُن کی تصدیق کی'' سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

4- وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ۚ.
(پارہ:30،سورۃ لیل، رکوع:1، آیۃ:17 تا21)

اور بہت اُس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ سُتھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انھوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کیوں کیا شاید بلالؓ کا اُن پر کوئی احسان ہوگا۔ جو اُنھوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرمادیا گیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ اُن پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو اُن کے اسلام لانے کے سبب خرید کر آزاد کیا۔

5- هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝.
(پارہ:22،سورۃ الاَحزاب، ع:6، آیۃ:43)

وہی ہے کہ دُرود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اُس کے فرشتے، کہ تمھیں اندھیروں سے اُجالے کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ [1]..... نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی

[1] ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (پارہ:22، سورۃ احزاب، آیۃ:56)

فضل وشرف عطا فرماتا ہے تو ہم نیاز مندوں کو بھی آپ کے طفیل میں نوازتا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مندرجہ بالا تمام آیات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ان میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتقیٰ (تقویٰ و پرہیز گاری میں سب سے بڑھے ہوئے) ہیں۔جو اتقیٰ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم (معزز) ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [1] اور جو اکرم ہو وہ افضل ہوتا ہے۔پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اُمت سے افضل ثابت ہوئے۔

آیاتِ مذکورہ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔آپ کی خلافتِ راشدہ کے ثبوت میں جو آیات وارد ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔اختصار کے پیش نظر ہم اُن کو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

آیاتِ قرآن کریم کے علاوہ آپ کے مناقب میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ایک سو اکیاسی (181) حدیثیں تو آپ کے خصوصی فضائل میں مروی ہیں۔اٹھاسی (88) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشترکہ فضیلت کا بیان ہے۔سترہ (17) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلثہ کے فضائل ہیں۔چودہ (14) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں۔سولہ (16) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابہ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔اس طرح کل تین سو سولہ (316) حدیثیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔یہ تعداد تو اُن حدیثوں کی ہے جو کہ مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین، مومنین وغیرہ اہل ایمان وصلاح کے فضائل مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں صادق آتی ہیں۔چند حدیثیں بطور نمونہ اور تبرک نقل کی جاتی ہیں۔

1- ما دعوت احدا الی الاسلام الا کانت له عنه کبرت و تردد و نظر الا ابا بکر ما عتم عنه حین ذکرت و ماترد وفیه
(ابن اسحاق)

میں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی مگر اُس میں اُس کی طرف سے ایک گونہ کراہت، تردد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکرؓ سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انھوں نے بلا توقف و تردد اس کو قبول کیا۔

2- هل انتم تار کون لی صاحبی.
انی قلت ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت
(بخاری)

کیا تُم میرے دوست کا ستانا میری خاطر سے چھوڑ دو گے۔میں نے کہا کہ اے لوگو! میں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔تم نے کہا جھوٹ، ابوبکرؓ نے کہا سچ ہے۔

[1] ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔(پارہ:26، سورۃ الحجرات، آیۃ:13)

اس حدیث شریف کی تشریح وتفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً نادم ہوئے اور معافی چاہی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یا ابا بکر یغفر اللہ لک یا ابا بکر یغفر اللہ لک۔ ''اے ابوبکرؓ تمھاری خطا اللہ بخشے، اے ابوبکر تمہاری خطا اللہ بخشے، اسی دوران حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچے، وہاں نہ ملے تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھا تو چہرۂ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل گر کر دوبارہ عرض کی انا کنت اظلم زیادتی میری جانب سے ہوئی۔ اس وقت حدیث بالا ارشاد فرمائی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی۔

3- ماطلعت الشمس ولا غربت على احد افضل من ابى بكر الا ان يكون نبى.

سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکرؓ سے زیادہ بزرگ ہو۔

4- ابوبكر خير الناس الا ان يكون نبى. (طبرانی)

سوائے نبیوں کے ابوبکرؓ سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔

5- ان الله يكره فوق السماء ان يخطاء ابو بكر (طبرانی، وابونعیم وغیرھما)

اللہ تعالیٰ آسمانوں پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطا کریں۔

6- عن عمر و بن عاص قال قلت يا رسول الله من احب الناس اليك قال عائشة قلت من الرجال قال ابوها قلت ثم من قال عمر بن الخطاب. (بخاری ومسلم)

عمروؓ بن العاص نے کہا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں؟ فرمایا، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر عرض کیا اُن کے بعد! فرمایا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس حدیث کو حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔

7- عن علی بن ابی طالب قال کنت مع رسول الله صلے الله علیه وسلم اذا طلع ابوبکر و عمر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لابی بکر و عمر هذا ن سید اکهولا اهل الجنة من الاوّلین والآخرین الا النبین والمرسلین لا تخبر هما.
(ترمذی)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روائیت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رُونما ہوئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کی نسبت فرمایا کہ یہ دونوں انبیاء کرام اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں۔ اُن کو خبر نہ کرنا۔

حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے راوی حضرت امام زین العابدینؒ ہیں۔ یہی حدیث حضرات ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید حذریؓ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روایت کی ہے۔

8- ارحم امتی بامتی ابوبکر.
(ترمذی امام محمد)

میری اُمت میں میری اُمت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

9- قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مامن النبی الا و له' وزیران من اهل السماء وزیران من اهل الارض فاما وزیرای من اهل السماء فجبریل و میکائیل و اما وزیرای من اهل الارض فابوبکر و عمر (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہل آسمان میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔ میرے دو وزیر آسمانوں والوں میں سے جبرائیل اور میکائل ہیں اور اہل زمین ابوبکر اور عمر۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

10- ابوبکر فی الجنة (اصحاب سنن وغیرہ)

ابوبکر جنتی ہیں۔

11- قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت صاحبی علی الحوض و انت صحابی فی الغار (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا تم میرے رفیقِ حوضِ کوثر ہو اور میرے رفیقِ غار بھی۔

12- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من امن الناس علی فی صحته و ماله ابابکر ولو کنت متخذا خليلا لا تخذت ابا بکر خليلا و لکن اخوة الاسلام. (بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اوپر صحت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (ولی دوست) بناتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا لیکن اخوت اسلام ہے۔

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو متواتر حدیثوں میں نقل کیا ہے۔

13- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالاحد عندیدا الاوقد کافانا لا الا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه الله بها یوم القيامة و ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر. (ترمذی)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دے دیا ہو مگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اُس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دے گا اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال نے دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ارشاد مبارک کو سن کر روئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرا مال آپ کا مال نہیں ہے۔

14- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبکر صاحبی فی الغار و مونس فی الغار سدوا کل خوخته فی المسجد غیر خوخته ابی بکر. (عبداللہ ابن احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر غار میں میرے رفیق تھے اور مونس بھی۔ مسجد میں جس قدر کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو مگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھڑکی۔

جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تھی تو اس کے گرد مکانات بھی تعمیر ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کے مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں۔ رحلت کے قریب ارشاد ہوا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھڑکی مستثنیٰ رہے۔ (اس حدیث کا جزو ثانی مسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔)

15- اللهم اجعل ابابکر فی درجتی فی الجنة یوم القيامة. (حاکم)

ارشاد فرمایا، الٰہی! ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجے میں جگہ دینا۔

16- یا ابابکر انت عتیق اللہ من النار (ابن عساکر)
ارشاد مبارک ہے اور اے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔

آپ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ آپ کو ضمنیتِ کبریٰ حاصل تھی۔ ضمنیت سے مراد ہے کہ ایک ولی دوسرے کے ضمن میں ہو۔ پس جو کمال پہلے کو حاصل ہوتا ہے دوسرا بے اختیار اُس میں شریک ہوتا ہے۔ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو اپنے پیٹ میں لے لیتی ہے جس جگہ وہ سیر کرتی ہے چھوٹی بے اختیار اُس سیر میں شریک ہوتی ہے۔ اگر ایک ولی کی ضمنیت دوسرے ولی کو حاصل ہو تو اُسے ضمنیت صغریٰ کہتے ہیں جس ولی کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضمنیت حاصل ہو اُسے ضمنیتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضمنیت کبریٰ حاصل تھی۔ اسی لیے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ماصب اللّٰہ فی صدری الاصبتۂ فی صدر ابی بکر ۔ یعنی حقائق و معارف میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا ہے وہی میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ (مکتوباتِ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ)

آنچہ بُود از بارگاہِ کبریا
ریخت در صدر شریف مصطفاً
آں ہمہ در سینۂ صدیقؓ ریخت
لا جُرم تا بود زُو تحقیق ریخت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر و حضر میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں رہے اور تمام غزوات میں حضور (فداامی وابی) کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ہجرت کے وقت آپ غار میں ثانی اور بدر کے دن عریش (دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی سایہ دار جگہ) میں ثانی اور موت کے بعد قبر میں بھی ثانی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے (وفات شریف سے پانچ روز پیشتر جمعرات کے دن نماز ظہر کے بعد) لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے ایک بندے کو دُنیا اور ماعنداللہ (جو کچھ اللہ کے پاس سے) میں اختیار فرمایا۔ اُس بندے نے ماعنداللہ کو اختیار کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔ ہمیں اُن کے رونے پر تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک بندے کی خبر دے رہے ہیں جس کو اختیار دیا گیا ہے۔ (یہ رونے کی کیا بات ہے) مگر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں اعلم (بہت زیادہ جاننے والے) تھے لہٰذا وہ سمجھ گئے کہ وہ بندہ خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔[1] (سورۃ مائدہ) صحابہ کرام کو سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اظہار مسرت کیا۔ مگر حضرت

[1] ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ (پارہ: 6، سورۃ المآئدۃ، آیۃ: 3)

اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔ اُن سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ آیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے قرب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کمال کے بعد ہی زوال ہوا کرتا ہے۔ اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمالِ علم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت سے اس سرِ پنہاں (مخفی راز) پر آپ کے سوا کوئی صحابی واقف نہ ہوا۔ (تفسیر کبیر جُز ثالث)

جمادی الاولیٰ 8ھ میں جنگ موتہ میں مشرکین رُوم وعرب نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرضِ موت میں رُومیوں سے جہاد کرنے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ایک لشکر تیار کیا جس میں سردارانِ مہاجرین وانصار، حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، قتادہ بن نعمان، سلمہ بن اسلم وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اِس لشکر کا سردار مقرر کیا گیا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت اُسامہؓ کے لیے جھنڈا تیار کیا۔ 8 ربیع الاوّل بروز جمعرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلیفہٗ نماز مقرر فرمایا۔ چنانچہ وفات شریف تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ متعینانِ لشکر مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام جرف میں جمع ہو کر کوچ کرنے ہی والے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال شریف ہو گیا اور وہ لشکر واپس مدینہ منورہ آ گیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر پھیلی کے عرب کے کئی قبیلے دین اسلام سے پھر گئے ہیں اور بعضوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو ازسرِ نو لشکر کی روانگی کا حکم صادر فرمایا لیکن بعض اصحاب نے حالات کی ناسازگاری (فتنۂ ارتداد اور منکرین زکوٰۃ) کی وجہ سے اُن سے عرض کیا کہ ایسی حالت میں ایسا لشکر جرار کا دور دراز مہم پر بھیجنا خلافِ مصلحت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! خدا کی قسم! میری جان پر خواہ کچھ ہی بن جائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادر فرما چکے ہیں کسی قسم کی ترمیم نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت اُسامہؓ کو روانہ فرما دیا اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغرض مشورہ اپنے پاس رکھ لیا۔ غرض وہ لشکر فتح وظفر کے جھنڈے لہراتا ہوا واپس آیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر اُسامہؓ کی روانگی کے ساتھ ہی مرتدین سے جہاد کا حکم دیا۔ یہ مرتدین عرب کے مختلف مقامات میں تھے۔ آپؓ نے سرایا بھیج کر اُن سب کو زیر کیا اور اُن کے ارتداد کا انسداد کیا۔ اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے ساتھ بھی جہاد کی تیاری کی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ لوگوں سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله عصم منی ماله و نفسه الا بحقه و حسابه علی الله (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ اُس نے مجھ سے اپنا مال اور جان بچالی مگر بحق اسلام ودیت قصاص (وغیرہ) اور اس کا حساب خدا پر ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ضرور جہاد کروں گا اُن لوگوں سے جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ ایک سالہ بکری بچہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا کرتے تھے مجھے دینے سے انکار کریں تو میں ضرور اُن سے قتال کروں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ''خدا کی قسم! اس حجت میں میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتال کے لیے شرح صدر (دلی تسکین) عطا فرمایا ہے پس میں نے پہچان لیا کہ قتال ہی حق ہے۔'' ایک روائیت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے موافقت کیجیے اور اُن کے ساتھ نرمی کیجیے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

اجبار فی الجاهلیته و خوار فی الاسلام. کیا آپ امر جاہلیت میں جبار وقہار اور کاروبار اسلام میں سست بنتے ہیں۔

(مشکوٰۃ باب فی مناقب ابی بکر صدیق)

بعض روایات میں وارد ہے کہ دیگر صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہاد سے منع کیا اور کہا کہ عہد خلافت کا آغاز ہے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کاروبار اسلام میں کوئی خلل واقع ہو جائے۔ غور وخوض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ میں جہاد سے نہیں رُک سکتا۔ اگر تمام لوگ مجھے چھوڑ بھی جائیں تو تنہا جہاد کروں گا۔ بالآخر تمام صحابہ کرام نے آپ سے مکمل اتفاق کیا اور کامیابی وکامرانی کے ساتھ جہاد کیا۔ اور دُنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کتنی صائب اور اعلیٰ تھی۔ ان روایات وواقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشجع الصحابہ (صحابہ کرام میں سب سے زیادہ بہادر) اور اعلم الصحابہ (صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جاننے والے) تھے۔

جود وسخا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لاتے ہی اپنا تمام مال (چالیس ہزار درہم بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ چنانچہ وہ مال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں پر صرف ہوتا رہا۔ آپ نے سات مرد وزن حضرت (۱) بلال حبشی، (۲) عامر بن فہیرہ، (۳) رنیرہ رومیہ، (۴) نہدیہ، (۵) دختر نہدیہ (۶) ابو عبیس، (۷) کنیز بنی مؤمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو غلامی کے جرم میں کفار کے ہاتھوں سخت بدنی تکلیفیں اُٹھا رہے تھے۔ بھاری رقوم پر خرید کر آزاد کر دیا۔ ہجرت مدینہ تک تیرہ سال میں آپ نے تجارت سے جو کچھ کمایا وہ سب اسلام کی تائید وحمایت میں خرچ کیا۔ ہجرت کے وقت آپ کے پاس پانچ ہزار درہم تھے جو (۱) مہم، ہجرات، (۲) مسجد کے لیے زمین کی خرید اور دیگر وجوہ خیرات میں صرف ہوئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبھی تو فرماتے تھے

مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر
مجھے کسی کے مال نے وہ نفع نہیں دیا جو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال نے دیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابو طالب اور حضرت عبدالمطلب کا مال جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ آیا تھا وہ صرف خوراک و پوشاک، صلہ رحم و مہمان نوازی اور محتاجوں کی خبر گیری کے لیے تھا جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال شوکتِ اسلام کا پھریرا لہرانے، کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کو رہائی و خلاصی اور اہل اسلام کی ضعیفوں کی اعانت میں کام آیا ان ہر دو مصارف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام مال خرچ ہو گیا اور اُن پر فقر و فاقہ نے غلبہ پایا تو ایک روز بجائے کُرتہ کے کمبل کو ایک خلال سے مربوط کر کے گلے میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! باوجود مال و دولت اور مالداری و تونگری کے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہو گیا کہ لباسِ فقر پہنے بیٹھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس نے اپنا تمام مال و دولت مجھ پر اور راہِ خدا میں خرچ کر دیا ہے اور مفلس ہو کر یہ صورت اختیار کی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام بھیجا ہے اور اُن سے دریافت فرمایا ہے کہ بتاؤ، اس فقر میں تم مجھ سے راضی ہو یا کچھ کدورت رکھتے ہو! یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی اور جواب میں عرض کیا کہ میں اپنے پروردگار سے کس طرح کدورت رکھ سکتا ہوں اور بار باریوں نعرہ زن ہوتے رہے۔

اناعن ربی راض انا عن ربی راض. (تفسیر عزیزی)
میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور سید عالم نے ہمیں حکم دیا کہ راہ خدا میں صدقہ دو۔ اتفاقاً اُس وقت میرے پاس بہت سا مال تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں آج حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔ میں نے اپنا آدھا مال بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے استفسار فرمایا کہ تم اپنے اہل و عیال کے لیے کتنا کچھ چھوڑ آئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال جو اُن کے پاس تھا۔ لاکر بارگاہ بیکس پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کر دیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے اہل و عیال کے لیے کتنا مال چھوڑ آئے ہو۔ اس پر اُنھوں نے عرض کیا کہ "فقط خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں" (یعنی خدا کا فضل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت و خوشنودی میرے لیے کافی ہے) یہ سن کر میں نے کہا کہ میں کبھی بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سبقت حاصل نہیں کر سکتا۔ (مشکوٰۃ، باب فی مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس واقعہ کی کتنی حسین منظر کشی کی ہے۔

اک دن رسول پاکؐ نے اصحابؓ سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تُم میں مالدار
ارشاد سُن کے، فرطِ طرب سے عمرؓ اُٹھے
اُس روز اُن کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مالِ رسولِ امینؐ کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتداء کار
پوچھا حضور سرورِؐ عالم نے اے عمرؓ!
اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تُو نے کیا!
مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی ہے جو وہ ملّتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز، جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار درخت و جنس
اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیئے فکر عیال بھی!
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذاتِ باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

(بانگ درا)

القصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجود الصحابہ (صحابہ میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے) تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تقویٰ و تواضع

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میرے ابا جی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو کما کر لاتا تھا اور آپ اُس میں سے کھالیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لایا جس میں سے آپ نے بھی کچھ کھالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا کھایا ہے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ میں نے دورِ جاہلیت میں بطور کاہن ایک شخص کو غیب کی خبر دی تھی، آج اتفاقاً وہ مجھے مل گیا اور بطور ہدیہ کچھ دے دیا۔ آپ نے اُسی میں سے کھایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈال کر جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ (صحیح بخاری، باب ایامِ الجاہلیہ)

عبدالرزاق نے بروایت ابن سیرین نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اصحاب ایک پانی پر اُترے ہوئے تھے۔ حضرت نعیمان بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی والوں سے کہا کرتے تھے کہ آئندہ ایسا ہوگا۔ وہ حضرت نعیمان کی خدمت میں دودھ اور کھانا بطور ہدیہ لاتے، جسے وہ اپنے ساتھیوں کے پاس بھیج دیا کرتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی تو فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس دن سے نعیمان کی کہانت (علم نجوم) سے کھاتا ہوں"۔ یہ فرما کر جو کچھ پیٹ میں تھا قے کر دیا۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رحلت کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ جب سے ہم مسلمانوں کے اُمور کے متکفل ہوئے ہیں ہم نے ان کا کوئی روپیہ پیسہ نہیں لیا۔ ہاں اُن کا نیم کوفتہ طعام کھایا ہے اور موٹے کپڑے پہنے ہیں۔ اب ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سوائے (۱) اس غلام، (۲) اس اونٹ اور (۳) چادر کے کچھ نہیں ہے۔ جب میں دائمی اجل کو لبیک کہہ جاؤں تو ان تمام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دینا۔ جب آپ نے دارِ فنا سے دار البقا کی طرف کوچ فرمایا تو حسب وصیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب کچھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا نام سن کر شہنشاہان عالم لرزہ براندام ہو جاتے تھے) یہ منظر دیکھ کر رو پڑے یہاں تک کہ اُن کے آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گرنے لگے بلک بلک کر روتے جاتے تھے اور بار بار فرماتے تھے۔

رحمه الله ابابکر لقد اتعب من بعده خدا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحم کرے اُنھوں نے بے شک اپنے جانشینوں کو مشقت میں ڈال دیا۔

پھر حکم دیا کہ یہ سب کچھ لے لیا جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ سبحان اللہ! آپ ابوبکر کے عیال سے غلام، آبکش اونٹ (پانی لانے والا اُونٹ) اور پرانی

چادر جس کی قیمت پانچ درہم ہیں، چھین رہے ہیں۔ کاش آپ واپس کر دیں۔ یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، یہ میرے قبضہ واختیار میں نہیں ہے۔"

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کی زوجہ محترمہ کا دل حلوا کھانے کو چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس حلوہ خریدنے کی گنجائش نہیں۔ زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ میں چند روز میں اپنے نان ونفقہ میں سے کچھ بچت کرلوں گی تا کہ حلوہ خریدا جاسکے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ بچالو۔ کافی دنوں بعد کچھ بچت ہوئی تو زوجہ محترمہ نے حلوہ خریدنے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے اُس بچت کو لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے نفقہ سے زائد ہے اور اپنے نفقہ میں اتنا کم کر دیا جتنا کہ زوجہ محترمہ نے روزانہ خرچ میں کمی کی تھی اور مقدارِ زائد کو بیت المال میں جمع کروادیا۔ خدا کی قسم! یہ غایت درجہ کا تقویٰ ہے، جس سے زیادہ ممکن ہی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجا طور پر آپ کو اپنا سردار اور خلیفہ بنایا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان مقام سخ (یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک طرف واقع تھا اور اس کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔) آپ کی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ خزرجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ آپ نے بیعتِ خلافت کے بعد چھ مہینے تک وہیں قیام رکھا۔ وہاں سے مدینہ منورہ پیدل تشریف لاتے۔ بعض اوقات گھوڑے پر سوار ہوتے اور تہ بند اور پھٹی پرانی چادر اوڑھتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ نمازِ عشاء کے بعد سخ کو واپس تشریف لے جاتے۔ آپ کی عدم موجودگی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا دیا کرتے۔ آپ ایک بااصول تاجر تھے۔ ہر روز خرید وفروخت کے لیے بازار جاتے۔ آپ کے پاس بکریوں کا گلہ تھا جسے بعض اوقات آپ خود چراتے اور بعض اوقات کوئی اور چراتا۔ آپ اپنے قبیلے والوں کی بکریوں کا دودھ دہ دیا کرتے تھے۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی آپ کی خدمتِ خلق میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کے قبیلے کی ایک لڑکی نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اب خلیفہ بن گئے ہیں اب ہمارے گھر کی بکریوں کا دودھ نہ دوہیں گے۔ آپ نے جو یہ سنا تو فرمایا: "مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں تمھاری بکریوں کا دودھ ضرور دُہ دیا کروں گا۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ خلافت سے میرے اخلاقِ سابق میں کچھ تغیر وتبدل نہیں ہوگا۔" چنانچہ حسب سابق ان کی بکریوں کا دودھ دہ دیا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اطرافِ مدینہ میں ایک اندھی بڑھیا کے ہاں پانی لانے ودیگر کاموں کے لیے روزانہ آتے تھے۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے سے قبل ہی سب کام ہو چکے ہوتے تھے۔ اُنھوں نے تلاش شروع کی کہ مجھ سے پہلے یہ کام کون کر جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر جاتے ہیں۔

بیعتِ خلافت سے چھ ماہ بعد آپ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور فرمایا کہ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں

کپڑے کی تجارت کیا کرتا تھا جس سے میرے اہل وعیال کا گزارا ہوتا تھا۔ امورِ خلافت میں میرے ذمے ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امورِ خلافت کی انجام دہی سے اب تجارت کے لیے وقت ملنا محال ہے لہٰذا اب ابوبکر کے اہل وعیال وتابعین بیت المال سے کھائیں گے۔ چنانچہ آپ نے بیت المال سے نفقہ لینا شروع کر دیا جو آپ کے لیے، آپ کے اہل وعیال اور حج وعمرہ کے لیے کفایت کرتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو آپ کے لیے معین کیا وہ چھ ہزار درہم سالانہ تھے اور کہا گیا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت کی کہ میری زمین بیچ کر اُس کی قیمت اُس نفقہ کے عوض صرف کر دی جائے جو میں نے مسلمانوں کے مال میں سے حصہ لیا ہے۔

آپ پہلے حاکم ہیں جن کے لیے رعیت نے نفقہ کا تعین کیا تھا اور آپ ہی پہلے حاکم ہیں جن کو خلیفہ کہا گیا اور پہلے خلیفہ ہیں جن کو اُن کے والد بزگوار کی زندگی میں خلافت ملی اور پہلے شخص ہیں جنھوں نے مصحفِ قرآن کو مصحف کہا۔

اتباعِ سنّت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع سنت کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا تھا وہ تو اس معاملے میں عدیم النظیر تھے۔ کون ہے جو اُن کے اس کمالِ شوق کا ذکر کر سکے۔ ذرا اُس گفتگو کو پیش نظر رکھیں جو وفات شریف سے چند گھنٹے پیشتر آپ کے اور آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ہوئی۔

صدیق اکبرؓ: تم نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں دفن کیا؟

صدیقہؓ: تین سفید کپڑوں میں جن میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔

صدیق اکبرؓ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس دن وفات پائی؟

صدیقہؓ: دوشنبہ (پیروار) کے دن۔

صدیق اکبرؓ: آج کون سا دن ہے؟

صدیقہؓ: دوشنبہ (پیروار)۔

صدیق اکبرؓ: مجھے قوی اُمید ہے کہ میری موت اس وقت اور رات کے درمیان ہو گی (اپنے بدن کے کپڑے پر زعفران کا نشان دیکھ کر) میرے اس کپڑے کو دھو ڈالنا۔ اور اس پر دو کپڑے اور زیادہ کرنا اور مجھے ان دونوں قسموں کے کپڑوں میں کفنا دینا۔

صدیقہؓ: یہ کپڑا تو پرانا ہے۔

صدیق اکبرؓ: زندہ شخص مُردے کی نسبت نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن و یوم وفات کے

متعلق اس لیے تھا کہ آپ کی قلبی آرزو تھی کہ کفن ویوم وفات میں بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت نصیب ہو۔ زندگی میں تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع تھا ہی وہ موت میں بھی حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ اتباع کیوں نہ ہو، صدیق اکبر جو تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کیا خوب کہا ہے۔

آں اَمنّ الناس بر مولائے ما
آں کلیم اوّل سینائے ما
ہمتِ اُو کشتِ ملّت را چُو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس امر پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمل کیا کرتے تھے میں اُسے کیے بغیر نہیں چھوڑتا اگر میں کسی امر کو چھوڑ دوں تو مجھے ڈر ہے کہ سنت سے منحرف ہو جاؤں گا۔ (نسیم الریاض بحوالہ ابوداؤد و بخاری)

کرامات وخوارق

آپ کی کرامات بے حد وحساب ہیں۔ بطور تبرک چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا بیان ہے کہ ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے ہاں دو شخصوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اصحابِ صُفہ میں سے اپنے ساتھ لے جائے۔ جس کے ہاں تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو لے جائے جس کے ہاں چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو یا چھٹے کو بھی لے جائے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابِ صُفہ میں سے دس کو اپنے لے گئے اور حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین کو لے گئے اور اُن کو اپنے گھر چھوڑ آئے۔ آپ نے خود شام کا کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں کھایا اور وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء ادا کی اور رات کا ایک حصہ گزرنے پر گھر واپس تشریف لائے۔ آپ کی زوجہ محترمہ اُمِ رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے اپنے مہمانوں کی خبر کیوں نہ لی۔ فرمایا! کہ تُو نے اُن کو کھانا نہیں کھلایا؟ زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ کھانا پیش کیا گیا مگر اُنھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ آئیں گے ہم نہیں کھائیں گے۔ یہ سن کر آپ خفا ہوئے اور سخت سست کہا اور فرمایا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ زوجہ محترمہ نے کہا کہ میں بھی نہ کھاؤں گی۔ مہمانوں نے کہا کہ جب تک گھر والے نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس میں سے ایک لقمہ کھایا۔ پھر باقی سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ مہمان جب لُقمہ اُٹھاتے تھے تو کھانا اُس کے نیچے سے اور زیادہ ہو

جاتا تھا۔ آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نگاہ کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھانا اُتنا ہی ہے جتنا کہ شروع میں تھا یا اُس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے کہا، اے بنوفراس کی بہن! یہ کیا معاملہ ہے! اُس نے عرض کی کہ مجھے قرۃ العین کی قسم کہ کھانا اب پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ بعدازاں آپ نے وہ کھانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارگاہ میں بھیج دیا اور وہ صبح تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں رہا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم سے ہمارا عہد تھا، اُس کی میعاد گزر چکی تھی بدین وجہ وہ لوگ مدینہ منورہ آگئے تھے۔ ہم نے اُن میں سے بارہ اشخاص کو منتخب کرلیا۔ ہر ایک منتخب کے ماتحت بہت سے اشخاص تھے۔ جن کی تعداد صرف خدا ہی کو معلوم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک منتخب شخص کے ہاتھ اُس کھانے میں سے اُس کے ساتھیوں کا حصہ بھیج دیا۔ اس طرح تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ یہ تکثیر طعام (کھانے کا زیادہ ہوجانا) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔

-2 حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے ایک نواحی گاؤں میں اپنے مال میں سے کچھ کھجور کے درخت عطا فرمائے۔ جن میں سے ایک فصل میں بیس وسق (تقریباً 3900 کلو) کھجوریں اترتی تھیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے، اے پیاری بیٹی! اللہ کی قسم! میں تم کو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ آسودہ حال دیکھنا پسند کرتا تھا اور مجھے کسی طرح پسند نہیں کہ میرے بعد تم تنگ دست ہوجاؤ۔ میں نے تجھے اپنے مال میں سے بیس وسق آمدنی والے کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے اگر تُو اُن پر قبضہ کرلیتی تو وہ تیری ملکیت ہوجاتے لیکن اب میرے بعد وہ سب وارثوں کا حق ہے اور وہ وارث تیرے علاوہ دونوں بھائی اور دونوں بہنیں ہیں تم سب مل کر کتاب اللہ کے مطابق آپس میں تقسیم کرلینا۔ یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا، ابا جان! اللہ کی قسم! اگر وہ مال موہوب (ہبہ کیا ہوا مال) اس سے بھی زیادہ ہوتا تو میں اُسے چھوڑ دیتی۔ آپ نے دو بہنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ میری تو صرف ایک بہن اسماء ہے دوسری کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری سوتیلی والدہ (حبیبہ) بنتِ خارجہؓ کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ میرے گمان میں لڑکی ہے چنانچہ بنتِ خارجہؓ کے ہاں لڑکی ہوئی۔ (موطا امام محمد، باب التملی)

استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے دل میں القاء (وہ بات جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دے) ہوا ہے کہ جو بچہ بنت خارجہؓ کے شکم میں ہے وہ لڑکی ہے چنانچہ آپ کی وفات کے بعد لڑکی ہی پیدا ہوئی جس کا نام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمِ کلثوم رکھا۔ اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو کرامتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ نے خبر دے دی کہ میری موت اسی مرض میں ہوگی دوسری یہ کہ آپ نے بتا دیا کہ میری اہلیہ حبیبہؓ کے بطن سے

لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ دونوں کرامتیں غیب کی خبریں دینے کی قسم سے ہیں۔

3- حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ نے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میں جب مر جاؤں تو مجھے اُس حجرے کے دروازے میں لے جائیو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے اور دروازہ کھٹکھٹائیو اگر دروازہ کھل جائے تو مجھے اُس میں دفن کر دیجیو۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ہم آپ کا جنازہ وہاں لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی آرزو تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دفن کیا جاؤں۔ اس پر دروازہ کھل گیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ دروازہ کس نے کھولا اور آواز آئی کہ اندر لے آؤ اور عزت وتکریم سے دفن کرو مگر آواز دینے والا ہمیں کوئی نظر نہیں آیا۔ نفحات الانس، خصائص کبریٰ، سیوطی)

4- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رحلت فرمائی تو بعض صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ہم ان کو شہیدوں میں دفن کریں گے۔ دوسروں نے کہا کہ ہم جنت البقیع میں لے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ میں ان کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن کروں گی۔ ہم اسی اختلاف میں تھے کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کیا۔ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے۔ ''ضموا الحبیب الی الحبیب یعنی حبیب کو حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچادو'' جب میری آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ سب نے اُس آواز کو سن لیا یہاں تک کہ مسجد میں لوگوں نے بھی سنا۔ (شواہد نبوت، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ)

5- ابو محمد شنبکی کا بیان ہے کہ شیخنا ابوبکر بن ہوار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطائح (شہر واسط اور شہر بصرہ کے درمیان) میں رہزنی کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے گروہ کے سردار تھے۔ مسافروں اور راہگیروں کا مال لوٹ کر باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے شوہر سے کہہ رہی ہے کہ یہیں ٹھہر جاؤ۔ مبادا ہم کو ابنِ رہوار اور اُس کے ساتھی پکڑ لیں۔ عورت کی یہ بات آپ کے دل پر بجلی بن کر گری اور رو پڑے۔ کہنے لگے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اُسی وقت بمعہ اپنے ساتھیوں کے توبہ کی۔ پھر صدق واخلاص کے ساتھ پروردگار عالم کی طرف متوجہ ہوئے اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب اپنے آپ کو کسی شیخ کامل کے سپرد کریں جو خدا تک پہنچادے۔ اُن ایام میں عراق میں کوئی مشہور ومعروف شیخ نہ تھا۔ آپ نے خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے خرقہ پہنایئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابنِ رہوار! میں تیرا نبی ہوں اور یہ تیرے شیخ ہیں اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے ابوبکرؓ! اپنے ہمنام ابن رہوار کو خرقہ پہناؤ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن راہوار کو

پیراہن اور کلاہ پہنائی اور اپنا مبارک ہاتھ اُن کے سر اور پیشانی پر پھیرا اور کہا بارك الله فيك

اس کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن راہوار سے یوں فرمایا:

''اے ابوبکرؓ! تجھ سے عراق میں میری اُمت کے اہل طریقت کی مردہ سنتیں زندہ ہوں گی اور ارباب حقائق و دوستانِ خدا کے منزلوں کے مٹے ہوئے نشانات قائم ہو جائیں گے اور عراق میں شیخیت۔ تا قیامت تجھ میں رہے گی۔ تیرے ظہور سے عنایت باری تعالیٰ کی نرم ہوائیں چلنی شروع ہوگئی ہیں اور تیرے قیام سے عنایت ایزدی کی ٹھنڈی ہوائیں چھوڑ دی گئی ہیں''۔

جب ابنِ راہوار بیدار ہوئے تو وہی پیراہن اور کلاہ اپنے اوپر موجود پائی ء۔ آپ کے سر پر جو پھوڑے تھے وہ سب ناپید ہو گئے۔ آفاق میں گویا یہ ندا اور منادی کر دی گئی کہ ابنِ راہوار اللہ تعالیٰ تک پہنچ گئے۔ ''پس چاروں طرف سے خلقِ خدا آپ کی طرف متوجہ ہوئی اور قرب الٰہی کی علامتیں ظاہر ہوگئیں۔ (راوی ابومحمد) کا قول ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ اکیلے رہتے تھے اور شیر آپ کے گرد ہوتے تھے بلکہ بعض شیر آپ کے قدموں پر لوٹتے تھے۔ (بہجۃ الاسرار)

وفات

جب آپ کی رحلت کا وقت آیا تو صحابہ کرام عیادت کو آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم کسی طبیب کو بلاتے ہیں جو آپ کو دیکھے۔ آپ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ اُنھوں نے پوچھا کہ اُس نے کیا کہا فرمایا اس نے یوں کہا ہے۔

اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. میں کرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں۔

ابن سعد وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بابا جان کو مرض میں زیادہ تکلیف ہوئی تو میں نے یہ شعر پڑھا۔

لَعُمْرِكَ مَا يُغْنِى الثَّرَآءُ عَنِ الْفَتٰى
اِذْ حَشْرَ حَبَّ يَوْمًا وَضَاقَ بها الصَّدْرُ

ترجمہ: اپنی عمر کی قسم جب ہچکی لگ جاتی ہے اور سینہ تنگ ہو جاتا ہے تو پھر مال کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

یہ شعر سن کر آپ نے چادر اپنے چہرے سے ہٹائی اور مجھ سے فرمایا۔ نہیں بلکہ ایسا کہو کہ ''موت کے وقت سکرات ہوتی ہے اور اُس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔''

ابویعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں گئی تو آپ نزع کی حالت میں تھے۔ پس بیساختہ میری زبان سے نکلا

من لا یزال ذمعه مقنعا

فــانــه فـى مـرة مدفوق

ترجمہ: آج آپ کو سخت مرض لاحق ہوگیا ہے۔ اللہ آپ کی رُوح کو توفیق بخشے (اللہ آپ پر رحم فرمائے)۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا! یہ مت کہو بلکہ یہ کہو کہ سکراتِ موت کا آنا ضروری ہے یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کس روز ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا دوشنبہ (پیر) کے دن! آپ نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ میں آج رات ہی انتقال کروں گا۔ چنانچہ آپ پیر اور منگل کی درمیانی شب میں انتقال فرما گئے اور صبح ہونے سے قبل آپ کو دفن کر دیا گیا۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے سرہانے پر یہ شعر پڑھنے لگیں۔

و کــل ذی ابــل یــومــا سبــور وهــا

و کــل ذی سـلــب لا بــد مسـلــوب

ترجمہ: ہر سوار کی ایک منزل ہوتی ہے اور ہر کپڑا پہننے والے کا ایک کپڑا ہوتا ہے۔

آپ فوراً (ان کا) مدعا سمجھ گئے اور فرمایا بیٹی! اس طرح نہیں بلکہ جس طرح اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ ''موت کو بے ہوشی تو ضرور آ کر رہے گی یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

احمدؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب میں نے آپ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

وابیض یستسقــی الـخـمـار بـوجـهـہٖ

ثـــمــال الیتــامٰــی عــصـمـة لــلارامــل

ترجمہ: ''بہت سے ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ۔۔۔۔۔ کہ ابر ان چہروں سے پانی حاصل کرتا ہے اور آپ یتیموں اور بیواؤں کے فریادرس ہیں۔''

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ صفت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

آپ نے سہ شنبہ کی رات مغرب وعشاء کے درمیان 22 جمادی الآخر کے 13ھ (634ء) کو بعمر شریف تریسٹھ (63) سال وصال فرمایا اور صبح ہونے سے پیشتر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو مبارک میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت دو سال تین مہینے آٹھ دن رہی۔ اس قلیل عرصے میں یمامہ، اطرافِ عراق اور ملک شام کے بعض شہر فتح ہوئے۔ مسلیمہ کذاب مارا گیا اور قرآن مجید یک مصحف میں جمع کیا گیا۔

آپ کی وفات پر صحابہ کرامؓ کے تاثرات

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حادثۂ وفات کے بعد آپ کی وفات سب سے بڑا حادثہ ہے لیکن بہر حال اللہ کے حکم کے مطابق ہم صبر ہی کریں گے۔۔۔ اباجان میرا آخری سلام قبول کیجیے میں آپ کے مرنے پر جزع فزع نہیں کر رہی۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باچشم پُرنم فرمایا:

''۔۔۔۔اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت محنت ومشقت میں ڈال دیا۔۔۔ آپ کا ساہونا تو درکنار اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گرد کو پہنچ سکے۔''

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کے دروازہ پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1] پڑھتے ہوئے پہنچے اور فرمایا:

''یوم انقطعت خلافة النبوة آج خلافت نبوت منقطع ہوگئی (طویل خطبہ جس میں آپ کے بے شمار محاسن اور اوصاف کا تذکرہ فرمایا)

ترجمہ: ''اے ابوبکرؓ! اللہ تم پر رحم فرماوے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب، مونس، معتمد، محرم راز اور مشیر تھے تم سب سے پہلے ایمان لائے۔ تم سب سے زیادہ مخلص مومن تھے۔ تمھارا یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور دین کے معاملے میں تکلیف اٹھانے والے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں سب سے بہتر، مناقب وفضائل میں سب سے بڑھ کر، پیش قدمیوں میں سب سے افضل و برتر، درجے میں سب سے اُونچے، وسیلے کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب تر، سیرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ عادت، مہربانی اور فضل میں صحابہ میں سب سے زیادہ مکرم اور معتمد تھے پس اللہ اسلام اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بمنزلۂ چشم وگوش تھے۔ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے تکذیب کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تم کو ''صدیق'' کہا۔۔۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖٓ[2] تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُس

---

[1] ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پارہ:2، سورۃ البقرہ، آیۃ:156)

[2] ترجمہ: اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنھوں نے ان کی تصدیق کی۔ (پارہ:24، سورۃ الذمر، آیۃ:33)

وقت غمخواری کی جب لوگ بخل کرتے تھے۔ ناخوشگوار حالات میں تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جم کر کھڑے رہے جب کہ لوگ بچھڑ گئے۔ تم نے سختیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حقِ محبت حسن وخوبی سے ادا کیا۔ تم ثانی اثنین اور رفیق غار تھے۔ تم پر سکون نازل ہوا۔ تم ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی تھے۔ اللہ کے دین اور امتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تم ایسے خلیفہ تھے جس نے اُس وقت خلافت کا حق ادا کیا جب لوگ مرتد ہو گئے۔ تم نے خلافت کا ایسا حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ سے نہ ہو سکا۔ تم نے اس وقت مستعدی دکھائی جب تمھارے ساتھی سست ہو گئے۔ تم نے اس وقت جنگ کی جب وہ عاجز ہو گئے تھے۔

جب وہ کمزور ہو گئے تو تم قوی رہے۔ تم نے منہاج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تھاما جب لوگ پست ہو گئے۔ تم نزاع وتفرقہ کے بغیر خلیفۂ برحق تھے۔ اگرچہ اس سے منافقوں کو غصہ، کفار کو رنج، حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ تھا۔ تم امرِ حق پر قائم رہے جب لوگ بزدل ہو گئے۔ تم ثابت قدم رہے جب وہ ڈگمگا گئے۔ تم اللہ کے نور کو لیے ہوئے بڑھتے رہے جب لوگ ٹھہر گئے۔ پھر انھوں نے تمھاری پیروی کی اور ہدایت پائی۔ تمھاری آواز ان سب سے پست تھی۔

مگر تمھارا رُتبہ ان سب سے بلند تھا۔ تمھارا کلام سب سے سنجیدہ تھا اور تمھارا نطق سب سے زیادہ صحیح تھا۔ تم سب سے زیادہ خاموش تھے۔ تمھارا قول بلیغ تھا۔ تم سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ معاملہ فہم اور عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ اشرف تھے۔ خدا کی قسم! تم دین کے سردار تھے، جب لوگ دین سے ہٹے تو تم ان سے آگے تھے اور جب وہ دین کی طرف آتے تو تم ان کے پیچھے تھے۔

تم مومنوں کے لیے رحمدل باپ تھے یہاں تک کہ وہ تمھاری اولاد بن گئے جن بھاری بوجھوں کو وہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ تم نے ان کو اُٹھالیا۔ جس چیز کو انھوں نے چھوڑ دیا تم نے اُن کو اُس کی رغبت دلائی اور جو چیز اُنھوں نے ضائع کر دی تم نے اُس کی حفاظت کی۔ جس کو وہ نہیں جانتے تھے تم نے اُن کو وہ چیز سکھائی۔ جب وہ عاجز ودرماندہ ہوئے تو تم نے تلوار کھینچ لی یعنی بہادری دکھائی جب وہ گھبرائے تو تم ثابت قدم رہے نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے اُن کی دادرسی کی اور وہ اپنی ہدایت کے لیے تمھاری طرف راجع ہوئے اور کامیاب ہوئے اور جو چیز اُن کے گمان میں بھی نہ تھی اُن کو مل گئی۔ تم کفار کے لیے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے۔ مومنوں کے لیے رحمت، اُنس اور پناہ تھے۔

تم نے اوصاف وکمالات کی فضا میں پرواز کی اور اُس کا عطیہ پایا اور فضیلتیں حاصل کرلیں۔ تمھاری محبت کو شکست نہ ہوئی تمھاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی، تمھارا نفس بُزدل نہیں ہوا تمھارا دل کج نہیں ہوا اور منحرف نہیں ہوا۔ تم اُس پہاڑ کی مانند تھے جس کو آندھیاں ہلا نہیں سکتیں جیسا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم رفاقت اور مالی اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے اور بقول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم جسماً گو کمزور تھے لیکن اللہ کے معاملے میں قوی تھے اور اپنی ذات میں متواضع۔ اللہ کے نزدیک باعظمت اور لوگوں کی نظر میں بزرگ۔ تمہاری نسبت نہ کوئی دھوکے میں تھا اور نہ حرف گیری کرسکتا تھا۔ تم سے کوئی (غلط) طمع رکھ سکتا تھا اور نہ تم کسی کی رعایت کرتے تھے ضعیف اور پست آدمی تمہارے نزدیک قوی تھا تم اس کو حق دلاتے تھے اور قوی تمہارے نزدیک ضعیف وذلیل تھا، تم اس سے حق لیتے تھے۔ دُور ونزدیک کے دونوں قسم کے آدمی تمہاری نگاہ میں یکساں تھے جو اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور متقی ہوتا تھا وہی تمہارا سب سے زیادہ مقرب تھا۔ تمہاری شان حق، صدق اور نرمی تھی۔ تمہارا قول، حکم قطعی اور تمہارا معاملہ بُردباری اور دُور اندیشی تھا اور تمہاری رائے علم وعزم تھا۔ تم نے فساد کا قلع قمع کردیا اور راستے ہموار ہوگئے مشکل آسان ہوگئی آگ بجھ گئی اور دین معتدل ہوگیا۔ ایمان قوی ہوگیا، اسلام اور مسلمان مضبوط ہوگئے۔ اللہ کا امر غالب ہوگیا اگرچہ کفار کو ناگوار ہوا۔ تم نے سخت سبقت کی اور اپنے بعد والوں کو تھکا دیا۔ تم خیر سے کامیاب ہوئے۔ تم اس سے بالاتر ہو کہ تم پر ماتم کیا جائے۔ تمہارے مرثیے آسمان پر پڑھے جارہے ہیں اور تمہاری مصیبت تمام دنیا میں ظاہر ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1]۔ اللہ کے فیصلے پر راضی اور اپنا معاملہ اس کو سونپتے ہیں اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ تم دین کی عزت، جائے پناہ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کے لیے تنہا ایک گروہ، قلعہ اور دارالامن تھے۔ منافقوں کے واسطے سختی اور غضب تھے۔ پس اللہ تم کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا دے اور ہم کو تمہارے بعد تمہارے اجر سے محروم وگمراہ نہ کرے۔ (ریاض النضرہ جلد اول۔ کنز العمال برمسند احمد بن حنبل جلد 4۔ ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی ''صدیق اکبر نمبر'')

جب تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خطاب فرماتے رہے لوگ خاموش رہے لیکن جب اختتام کو پہنچے تو سب کی چیخیں نکل گئیں اور بیک آواز سب نے کہا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد! آپ نے بے شک سچ فرمایا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اگر تم اپنے معتمد بھائی کا غم یاد کرو تو اپنے بھائی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے یاد کرو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے بہتر، سب سے زیادہ متقی وعادل اور اپنے فرائض انجام دینے والے ہیں۔''

[1] ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پارہ 2، سورۃ البقرہ، آیۃ: 156)

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر میں قسم کھا کر کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک ہی سرشت وطینت سے پیدا کیا تو میں اپنی قسم میں صادق ہوں گا۔''

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح یوں فرمائی ہے:

''ہر شخص کا مدفن وہیں ہوتا ہے، جس جگہ کی مٹی اُس کی سرشت وطینت میں ہوتی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''روحوں کو اللہ تعالیٰ نے گروہ در گروہ پیدا کیا پھر جو روح اس وقت سے متعارف ہوئی دنیا میں بھی اسی سے مانوس ومالوف ہوئی اور وجود خارجی میں ایک جگہ تھیں اور بعد انتقال بھی ایک جگہ ہیں اور رہیں گی۔''

(''فیض الاسلام'' راولپنڈی صدیق اکبر نمبر ص 51)

بروایت حافظ ابوسعد بن سمان وغیرہ محدثین۔ نیز محمد بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ بے شک جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی اور اُن کو چادر سے چھپادیا گیا۔ ارتجت المدینة بالبكاء كيوم قبض فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم تو لوگوں کی گریہ وزاری سے مدینہ منورہ ہلنے لگا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی وفات کے دن ہلا تھا۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

ابن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما گئے تو مکے میں ایک زلزلہ آیا۔ (فضائل صدیق اکبر مرتبہ میاں جمیل احمد شرقپوری ص 100 بحوالہ تاریخ خلفائے اسلام، سیوطی (اُردو) ص 135)

ارشاداتِ قُدسیہ

(1) جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے خطبہ دیا۔ جس میں خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! میں تمھارا حاکم بنایا گیا حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نیک کام کروں تو تم لوگ میری مدد کرو اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ میں اُسے اُس کا حق دلوا کر چھوڑوں گا۔ ان شاءاللہ اور تم میں جو قوی ہیں وہ میرے نزدیک ضعیف ہے میں اُس سے حق لے کر چھوڑوں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اُس پر ذلت ورسوائی نازل کرتا ہے اور جس قوم میں کوئی برائی شائع ہو جاتی ہے خدا اس قوم پر مصائب وآلام بھیجتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک کہ میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی اطاعت کروں۔ پس جب میں خدا اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں۔''(سیرت ابن ہشام)

(2) یوسف بن محمد کا بیان ہے کہ مجھے خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرضِ موت میں وصیت کی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لکھیے:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ یہ وہ ہے جس کی وصیت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دنیا سے جاتے اور آخرت میں داخل ہوتے ہوئے ایسے وقت میں کی جب کہ کاذب سچ بولتا ہے اور خائن امانت ادا کرتا ہے اور کافر ایمان لاتا ہے (مضمون وصیت یہ) کہ میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خلیفہ بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے تو یہ میرا اُس کی نسبت گمان اور توقع ہے اور اگر وہ جور وستم کرے تو میں غیب دان نہیں۔ اور ہر شخص کے لیے سزا ہے کہ اُس گناہ کی جو اُس نے کیا اور ظلم کرنے والے عنقریب معلوم کریں گے کہ وہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔''(شعراء۔ آخیر آیت)

(3) آپ نے ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا: اے پرندے! خوش رہو۔ اللہ کی قسم! کاش میں تیری مانند ہوتا کہ تو درخت پر بیٹھتا ہے۔ پھل کھاتا ہے پھر اُڑ جاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب وعذاب نہیں۔ خدا کی قسم! کاش میں بجائے انسان ہونے کے راستے کی ایک طرف کا درخت ہوتا اور کوئی اونٹ میرے پاس سے گزرتا، مجھے پکڑ کر اپنے منہ میں ٹھونس لیتا، پھر چبا کر نگل جاتا اور پھر بعد ازاں مینگنیوں کی شکل میں نکال دیتا۔

(4) جب لوگ آپ کی مدح کرتے تو آپ یوں کہتے۔

''خدایا! تو میرا حال میری نسبت بہتر جانتا ہے اور میں اپنا حال اُن کی نسبت بہتر جانتا ہوں۔ خدایا تو مجھے بہتر بنا دے اُس سے جو وہ گمان کرتے ہیں اور میرے وہ گناہ بخش دے جو ان کو معلوم نہیں اور جو وہ کہتے ہیں اس پر مجھے گرفت نہ کر۔''

(5) اگر آپ مشکوک کھانا کھا لیتے اور پھر جب آپ کو اس کا علم ہو جاتا، تو اُسے قے کر کے اپنے پیٹ سے نکال دیتے۔ اور یوں دعا کرتے: ''خدایا! جو کچھ رگوں نے پی لیا اور انتڑیوں کے ساتھ مل گیا تو اُس پر مجھے مواخذہ نہ کرنا۔''

(6) فرماتے کہ جب کسی شخص کو زینتِ دنیا پر ناز اور غرور آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو دشمن رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ اُس زینت کو چھوڑ دے۔

(7) فرماتے: ''اے گروہ آدمیاں! خدا سے حیا کرو۔ اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میری جان ہے جب میں قضائے حاجت کے لیے جنگل میں جاتا ہوں تو خدا سے حیا کے بارے اپنا سر ڈھانپ لیتا ہوں۔''

(8) امام نسائیؒ نے اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اسی نے مجھے ہلاکت کی جگہوں میں ڈال دیا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ امام مالک، باب حفظ اللسان)

(9) آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہمسایہ سے جھگڑ رہے تھے۔ آپ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اپنے ہمسائے سے نہ جھگڑو کیونکہ نیکی رہ جائے گی اور لوگ چلے جائیں گے۔

(10) جب آپ کی اونٹنی کی مہار گر پڑتی تو اُسے بٹھا کر خود اُٹھا لیتے۔ حاضرین عرض کرتے کہ آپ نے ہمیں کیوں نہ حکم دے دیا۔ آپ جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔

(11) آپ جب کسی شخص کو صبر کی نصیحت کرتے تو فرماتے کہ ''صبر کے ساتھ کوئی مصیبت نہیں اور بے صبری سے کوئی فائدہ نہیں۔ موت اپنے مابعد سے آسان اور ماقبل سے سخت ہے۔''

(12) جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتدین کی طرف جہاد کرنے کے لیے بھیجا تو فرمایا کہ موت کا حریص بن، تجھے حیات عطا ہوگی۔

(13) جب آپ کو خبر لگی کہ اہل فارس نے پرویز شہنشاہ کی لڑکی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو فرمایا کہ وہ لوگ ذلیل ہو گئے جنھوں نے اپنی حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی۔

(14) تجھ پر خدا کی طرف سے جاسوس مقرر ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں۔

(15) لوگوں میں خدا کا سب سے زیادہ فرمانبردار بندہ وہ ہے جو گناہ کا سب سے زیادہ دشمن ہو۔

(16) قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میرے نزدیک اپنے خویش واقرباء کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خویش واقرباء سے محبت وسلوک پسندیدہ تر ہے۔

(17) اُس قول میں کوئی خوبی نہیں ہے جس سے رضائے خدا مراد نہ ہو اور اُس مال میں کوئی خوبی نہیں جو راہِ خدا میں خرچ نہ کیا جائے اور اُس شخص میں کوئی خوبی نہیں جس کی جہالت اُس کے علم پر غالب ہو اور اُس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہو۔

(18) ابوصالح کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یمن کے لوگ آئے اور انھوں نے قرآن شریف سنا تو زار وقطار رونے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی طرح رویا کرتے تھے۔ پھر ہمارے دل سخت ہو گئے۔ حافظ ابونعیم اصفہانی نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے قوی اور مطمئن ہو گئے۔

(19) ادراک (عقل، فہم) حاصل کرنے سے عاجز آنا ادراک ہے۔

(20) اللہ تعالیٰ تیرے باطن کا حال دیکھ رہا ہے جیسا کہ ظاہر کا حال دیکھ رہا ہے۔

(21) اللہ رحم کرے اُس مرد پر جس نے اپنی جان سے اپنے بھائی کی مدد کی۔

(22) تُو اپنے آپ کو جاہلیت کی غیبت سے دُور رکھ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیب جاہلیت کو اور اہل غیبت کو دشمن رکھا ہے۔

(23) جب تجھ سے کوئی نیکی فوت ہو جائے تو اس کا تدارک کر اور اگر کوئی بدی تجھے آ گھیرے تو اس سے بچ جا۔

(24) ہم ایک حرام میں پڑنے کے خوف سے ستر حلال کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔

(25) جو شخص بغیر توشہ کے قبر میں جائے اُس نے گویا بغیر کشتی کے سمندر میں سفر کیا۔

(26) آیہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (چمکی خرابی خشکی اور تری میں۔ (پارہ:21، سورۃ الروم، آیۃ:41) کی تاویل میں آپ کا قول ہے کہ جنگ سے مراد زبان اور سمندر سے مراد قلب ہے۔ جب زبان خراب ہو جاتی ہے تو انسان اُس پر روتے ہیں جب دل خراب ہو جاتا ہے تو اُس پر فرشتے روتے ہیں۔

(27) شہوت کے سبب سے بادشاہ غلام بن جاتے ہیں اور صبر سے غلام بادشاہ بن جاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام وزلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصے پر غور کرو۔

(28) جس شخص نے گناہوں کو ترک کیا۔ اُس کا دل نرم ہو گیا اور جس نے حرام کو ترک کیا اُس کا فکر واندیشہ صاف ہو گیا۔

(29) سب سے کامل عقل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا اتباع اور اُس کے غضب سے بچنا ہے۔

(30) عاقل کے لیے کوئی مسافرت نہیں اور جاہل کے لیے کوئی وطن نہیں۔

(31) تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی اُسے نقصان دیں گی۔ نافرمانی، عہد شکنی، مکر۔

(32) دو چیزیں دو چیزوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دولت مندی، آرزوؤں سے، جوانی، خضاب سے،۔

(33) جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے۔ (۱) توبہ کرنے والے سے خوش ہو، (۲) گنہگار کے لیے مغفرت طلب کرے، (۳) مصیبت زدہ کے لیے دُعا کرے، (۴) احسان کرنے والے کی مدد کرے۔

(34) چار چیزیں چار چیزوں سے تمام وکامل ہو جاتی ہیں۔ (۱) نماز سجدہ سہو سے، (۲) روزہ، صدقہ فطر سے (۳) حج، فدیہ اور (۴) ایمان حیاء سے۔

(35) تاریکیاں پانچ ہیں اُن کے چراغ بھی پانچ ہیں۔ (۱) حُبِّ دنیا تاریکی ہے اور اس کا چراغ تقویٰ ہے۔ (۲) گناہ تاریکی ہے اور اُس کا چراغ توبہ ہے۔ (۳) قبر تاریکی ہے اور اس کا چراغ لا الہ الا اللہ ہے۔ (۴) آخرت تاریکی ہے اور اُس کا چراغ نیک عمل ہے۔ (۵) پل صراط تاریکی ہے اور اُس کا چراغ یقین ہے۔

(36) ابلیس تیرے آگے کھڑا ہے اور نفس تیرے دائیں طرف اور خواہش نفسانی بائیں طرف اور دُنیا تیرے پیچھے اور اعضاء تیرے گرد اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ، تیرے اُوپر ہے۔ ابلیس تو تجھے ترکِ دین کی طرف بلا رہا ہے اور نفس

معصیت کی طرف اور خواہش نفسانی شہوتوں کی طرف اور دنیا آخرت کو چھوڑ کر اُسے اختیار کرنے کی طرف اور اعضاء گناہوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ جلا جلالہ، جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ پس جس نے ابلیس کی سنی اس کا دین جاتا رہا۔ جس نے نفس کی سنی اس کی روح جاتی رہی۔ جس نے ہوائے نفس کی سنی تو اس کی عقل جاتی رہی۔ جس نے دنیا کی سنی اس سے آخرت جاتی رہی۔ جس نے اعضاء کی سنی اس سے بہشت جاتا رہا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی سنی اس سے تمام برائی جاتی رہی اور اُس نے تمام نیکیوں کو حاصل کر لیا۔

(37) بخیل کا مال سات حالتوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتا۔ (۱) وہ مر جائے گا تو اس کا وارث ایسا شخص ہوگا جو اُس کے مال کو فضول خرچی سے اڑا دے گا۔ اور اطاعت خدا کے سوا کسی اور کام میں خرچ کرے گا، (۲) یا اللہ تعالیٰ اس پر کسی جابر شخص کو مسلط کر دے گا جو اُس کا مال بلا اختیار اُس سے چھین لے گا۔ (۳) یا کوئی شہوت نفسانی اس میں پیدا ہو جائے گی جس سے وہ اپنا مال ضائع کر دے گا یا (۴) اُسے گھر یا عمارت (جس کا انجام خرابی ہے) کے بنانے کا خیال آ جائے گا۔ اور اُس کا مال صرف ہو جائے گا۔ (۵) یا اُس مال کو حوادثِ دُنیا میں سے کوئی حادثہ پیش آئے گا جیسا کہ جل جانا یا غرق ہو جانا یا چوری ہو جانا یا مثل ان کے کوئی اور حادثہ، (۶) یا اُس کو کوئی دائمی مرض لاحق ہو جائے گا جس کے سبب سے وہ اپنے مال کو دواؤں میں خرچ کر دے گا یا وہ اپنے مال کو کسی جگہ دفن کر کے بھول جائے گا اور نہ پائے گا۔

(38) آٹھ چیزیں، آٹھ چیزوں کی زینت ہیں۔ (۱) پرہیز گاری زینت ہے فقر کی، (۲) شکر زینت ہے دولتمندی کی، (۳) صبر زینت ہے بلا کی، (۴) تواضع زینت ہے شرف و بزرگی کی، (۵) علم زینت ہے عالم کی، (۶) فروتنی و عاجزی زینت ہے طالب علم کی، (۷) احسان نہ جتانا زینت ہے احسان کی اور (۸) خشوع زینت ہے نماز کی۔

(39) عابد تین قسم کے ہیں اور ہر قسم کی علامات ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ (۱) ایک قسم وہ ہیں جو بر سبیل خوف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ (۲) دوسرے وہ ہیں جو بر سبیل اُمید اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور (۳) تیسرے وہ ہیں جو بر سبیل محبت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

قسم اول کے لیے تین علامتیں ہیں۔ (۱) عابد اپنے نفس کو حقیر سمجھے گا اور (۲) اپنی نیکیوں کو قلیل اور (۳) اپنی برائیوں کو کثیر خیال کرے گا۔ قسم دوم کے عابد کی تین علامتیں ہیں (۱) وہ تمام حالتوں میں لوگوں سے پرہیز کرے گا۔ (۲) دنیا میں سب سے زیادہ سخی ہوگا اور (۳) تمام خلق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے والا زیادہ ہوگا۔ تیسری قسم کے عابد کی تین علامتیں ہیں (۱) وہ عطا کرے گا وہ چیز جسے وہ دوست رکھتا ہے۔ (۲) خدا کی رضا کے سوا کسی چیز کی پروا نہ کرے گا بلکہ رضائے خدا کے لیے خلافِ نفس عمل کرے گا اور (۳) تمام حالتوں میں امر و نہی میں اپنے پروردگار کے ساتھ ہوگا۔

(40) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے مؤطا میں بروایت یحیٰی بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف فوجیں بھجیں۔ آپ سالارِ لشکر زید بن ابی سفیان کو وداع کرنے نکلے تو اُن سے فرمایا کہ میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔

1- کسی لڑکے کو قتل نہ کرنا۔
2- کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔
3- کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔
4- کسی پھل والے درخت کو نہ کاٹنا۔
5- کسی بکری یا گائے کے پاؤں نہ کاٹنا مگر بغرض خوراک ذبح کرلینا۔
6- کسی بستی کو نہ جلانا۔
7- اور نہ ویران کرنا۔
8- ہراساں نہ ہونا۔
9- بُزدلی نہ کرنا۔
10- مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔

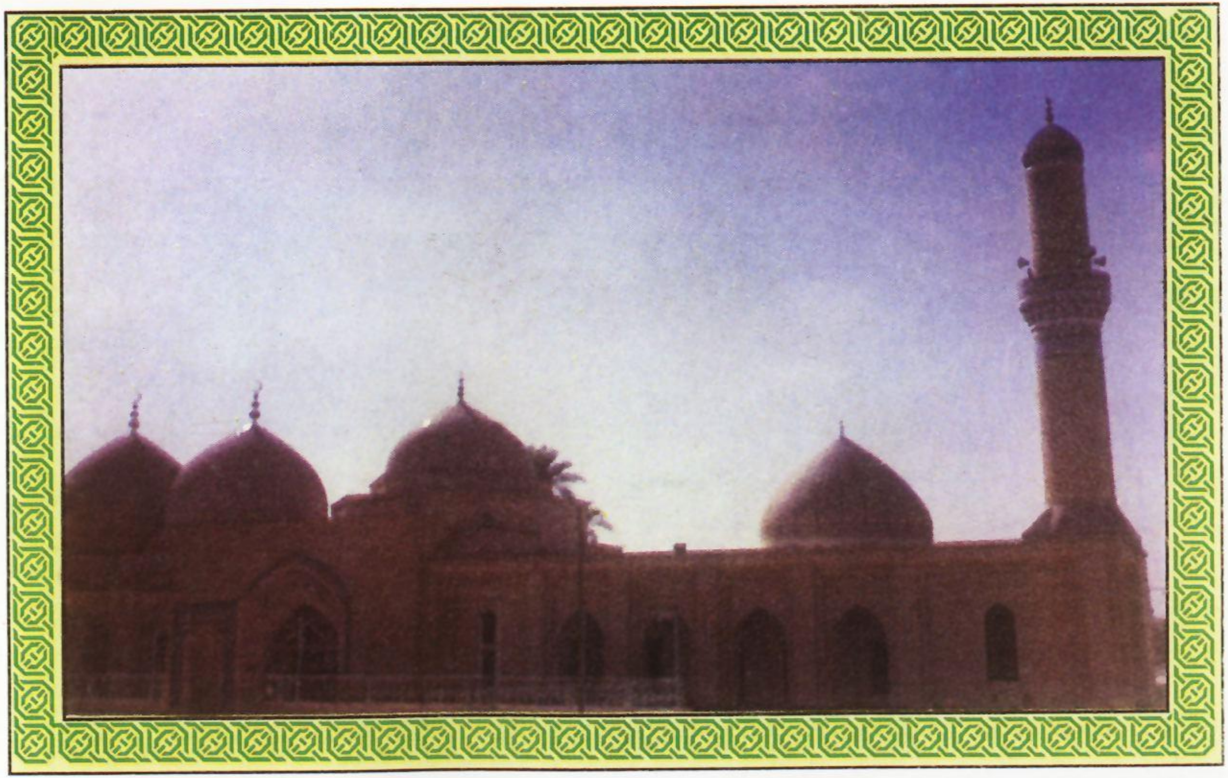
(3)

حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اصفہان (ایران)		مدائن
187 قبل عام الفیل	33ھ	
404ء	654ء	

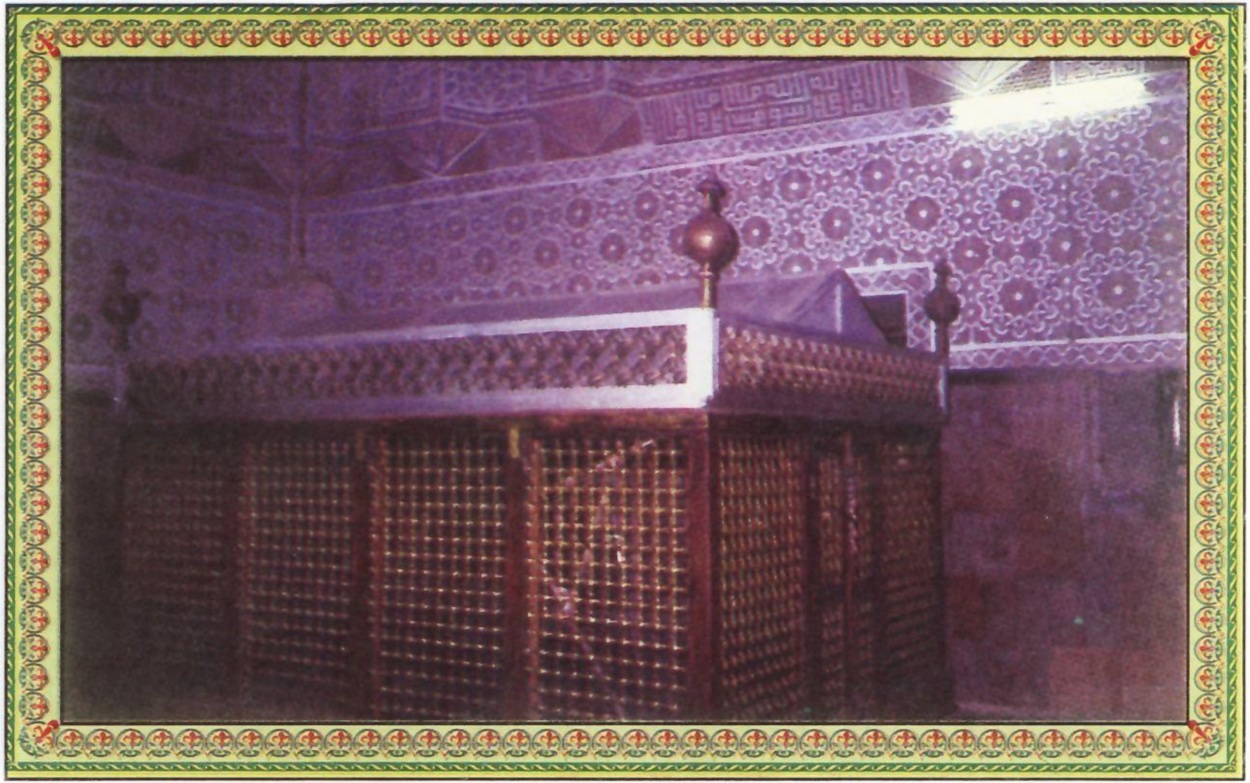
مادۂ تاریخ رحلت

"پاکباز"	"زُھدِ زَاھد"
33ھ	33ھ



حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

روضہ شریف کا بیرونی منظر مدائن ۔ بغداد



مزارِ مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدائن۔ بغداد

(3) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ فارس (ایران) کے شہر اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد آتش پرست تھا۔ آپ عالمِ جوانی سے ہی طلبِ حق میں ساعی تھے۔ علمائے یہود و نصاریٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بکمال صبر واستقامت اس راہ پر تکالیف برداشت کیں اور تقریباً دس مرتبہ یکے بعد دیگرے فروخت ہوئے۔ پہلے دین مجوس سے بیزار ہو کر دینِ موسوی میں داخل ہوئے۔ پھر دین نصاریٰ اختیار کیا۔ آخری راہب جس کے پاس تھے مرنے لگا تو اُس نے آپ کو بشارت دی کہ مدینہ منورہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، اُن کا دین اختیار کر لینا۔ راہب مذکور کے مرنے کے بعد آپ عازم مدینہ ہوئے۔ راستے میں ایک شخص نے آپ کو غلامی کا الزام دے کر قید کر لیا اور آپ بنوقریظہ کے ایک یہودی عثمان بن سہل کے ہاتھ فروخت ہوئے۔ جب حضور پُر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے ہجرت کے پہلے سال ہی دین اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر التفات کے طفیل 5ھ میں اُس یہودی کی غلامی سے آزاد ہو گئے اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہنے لگے۔ آپ کی زبان فارسی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈال دیا تو آپ کی زبان عربی ہو گئی۔

فضائل ومناقب

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سابقین چار ہیں۔ بعض ان میں میانہ رو ہیں اور بعض ان میں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہ سبقت محض نیکیوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ چار شخص ہیں جن میں سے ایک خود میں ہوں، جو تمام عربوں سے پہلے نیکی کے میدان میں اُترا۔ دوسرے سلمان فارسی ہیں۔ جو تمام فارس والوں سے سبقت لے گئے۔ تیسرے صہیب رومی سابقِ رُوم ہیں اور چوتھے بلال حبشی، سابقِ حبش ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ خندق اور بعد کے غزوات میں شامل ہوئے۔ غزوۂ احزاب میں جب خندق کھودنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق مسلمانوں میں تقسیم فرما دی۔ حضرت سلمان کے بارے میں مہاجرین وانصار میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر ایک فریق کا دعویٰ تھا کہ سلمان ہم سے ہیں۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سلمان من اهل البیت (سلمان اہل بیت میں سے ہیں) آپ اشراف صحابہ کرام اور اصحابِ صفہ میں سے ہیں آپ اُن تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جن کا بہشت بہت مشتاق ہے اور آپ اُن چار صحابیوں میں سے ہیں جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی

دوستی کا ارشاد فرماتا ہے۔ آپ اُن چار بزرگوں میں سے ہیں جن کی نسبت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ علم کو اُن کے پاس تلاش کرنا۔

زُہد و ایثار

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد سعید میں آپ کو مدائن کی گورنری کے عہدہ جلیلہ پر فائز کر کے پانچ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ جب آپ کو وظیفہ ملتا تو اُسے فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے اور خود زنبیل بافی سے گزارہ کرتے۔ آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ دیواروں اور درختوں کے پتوں کے سایہ میں رہا کرتے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کی رہائش کے لیے گھر بنا دیتا ہوں آپ نے فرمایا کہ مجھے گھر کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے باصرار کہا کہ جس قسم کا گھر آپ کی طبیعت کے موافق ہے وہ مجھے معلوم ہے فرمایا بیان کر۔ اُس نے عرض کیا کہ میں آپ کے لیے ایسا گھر بنا دیتا ہوں کہ جب، آپ اُس میں کھڑے ہوں تو سر مبارک اُس کی چھت سے لگے اور جب پاؤں پھیلائیں تو پاؤں کی انگلیاں دیوار سے جا لگیں۔ فرمایا کہ درست ہے چنانچہ اُس نے ایسا ہی گھر تیار کر دیا۔

بعض ناواقف لوگ آپ کی ظاہری حالت دیکھ کر آپ کو مزدور سمجھتے۔ ایامِ گورنری میں ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو مزدور سمجھ کر اپنا سامان اٹھوایا۔ راستے میں ایک شخص نے پوچھا: اے امیر! آپ نے یہ بوجھ کیوں اٹھایا ہے۔ تب اُس شخص نے بہت معذرت کی کہ مجھے معلوم نہ تھا اور اصرار کیا کہ سامان یہیں چھوڑ دیں۔ لیکن آپ حسبِ وعدہ بوجھ اس کا مکان پر پہنچا کر ہی واپس لوٹے۔ آپ کے پاس ایک دھاری دار کملی تھی جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتے اور کچھ نیچے بچھا لیتے۔ گورنری جیسے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے پر بھی یہی کملی آپ کے پاس رہتی تھی۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ کو گالیاں دیں۔ آپ نے کہا کہ اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو تو جو کچھ کہتا ہے میں اُس سے بھی بدتر ہوں اور اگر گناہوں کا پلہ ہلکا ہو گیا تو جو کچھ تو کہتا ہے مجھے اس سے کوئی ڈر اور خطرہ نہیں ہے۔

آپ نے حضرت ابو داؤد کو ایک خط لکھا کہ اے برادر! دُنیا اتنی جمع نہ کر کہ تو شکر ادا نہ کر سکے۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جس مالدار نے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کیا ہو گا تو وہ مال قیامت کے دن دربارِ خداوندی میں حاضر کیا جائے گا۔ مالدار بھی سامنے ہو گا۔ وہ مالدار جب پل صراط پر اِدھر اُدھر جھکنے لگے گا تو اُس کا مال کہے گا تجھ سے چلا کیوں نہیں جاتا، جب تو مجھ سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر چکا ہے تو پھر ڈرتا کیوں ہے۔ اس کے بعد ایسا مالدار حاضر کیا جائے گا کہ جس نے اپنا مال حکم خداوندی کے خلاف خرچ کیا ہو گا۔ اُس کا مال اُس کے شانوں پر رکھ دیا جائے گا۔ جب پل صراط میں جھکنے لگے گا تو اُس کا مال کہے گا، خرابی ہو تجھ کو کہ تو نے مجھ سے خدا کا حق کیوں ادا نہ کیا۔ اُس کا حال اسی طرح رہے گا اور وہ دُھائی مچائے گا لیکن کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

وفات

جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو بہت بے قرار ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ عیادت کو آنے والے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ مجھے نہ خوفِ موت ہے اور نہ دنیا کی خواہش مجھ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد لیا تھا کہ اگر تو مجھ سے قیامت میں ملنا چاہتا ہے تو دنیا جمع نہ کرنا اور دنیا سے اس طرح جانا جس طرح میں جاتا ہوں۔ لیکن میرے پاس تو سامانِ دنیا جمع ہو گیا ہے بدیں وجہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک سے محروم نہ رہ جاؤں۔ آپ کے پاس سامان کیا تھا۔ ایک لوٹا، پالان، پوستین اور کملی۔

جب آپ کی دار الفناء سے دار البقا کی طرف تیاری ہوئی تو اپنی رفیقۂ حیات سے فرمایا کہ جو کستوری تمہارے پاس ہے، اُسے پانی میں گھول کر میرے سر کے گرد چھڑک دو کیونکہ ایک قوم آنے والی ہے جو نہ انسان ہیں اور نہ جن۔ آپ کی زوجۂ محترمہ کا بیان ہے کہ آپ کا ارشاد بجالائی اور گھر سے باہر نکلی۔ آواز آئی السلام علیک یا ولی اللہ۔ السلام علیک یا صاحب رسول اللہ۔ جب میں اندر آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے ہیں اور ایسے لیٹے ہوئے ہیں کہ گویا سو رہے ہیں۔ آپ کی رحلت اڑھائی سو سال کی عمر مبارک میں 10 رجب 33ھ (654ء) کو شہر مدائن میں واقع ہوئی۔ اور وہی مزار مقدس بنا۔ فیضِ باطنی آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا۔

ارشاداتِ قُدسیہ

(1) جب آپ اپنی خادمہ کو کسی کام کے لیے بھیجتے تو اس کی عدم موجودگی میں آٹا خود گوندھ لیتے۔ فرماتے کہ ہم اُس سے دو کام نہیں لے سکتے۔

(2) آپ زنبیل بافی (بوریا بافی) کا شغل رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک درہم کے کھجور کے پتے خریدتا ہوں اور اُس سے زنبیل یا بوریا تیار کر کے تین درہموں پر بیچ دیتا ہوں۔ اُن میں سے ایک درہم کھجور کے پتے خریدنے کے لیے رکھ لیتا ہوں۔ ایک درہم اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہوں اور ایک درہم خیرات کر دیتا ہوں۔

(3) جب آپ گورنری کے منصب پر فائز تھے تو ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُس وقت آپ زنبیل بافی کر رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ یہ کام کیوں کر رہے ہیں جب کہ گورنری کی حیثیت سے آپ کا وظیفہ مقرر ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ میں اپنے ہاتھ کی کمائی کھانا پسند کرتا ہوں۔

(4) دُنیا میں مومن کا حال اُس بیمار کی مانند ہے جس کے ساتھ اس کا طبیب بیٹھا ہوا ہو اور وہ اُس کی بیماری اور علاج کو جانتا ہو۔ جب مریض کسی مضر اور ممنوع چیز کو چاہتا ہے تو وہ اُسے منع کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ اگر تم اسے کھاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ بعینہٖ مومن بہت سی چیزوں کو چاہتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کو اُن سے روک دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے۔ اور بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(5) تعجب ہے طالبِ دنیا پر جس کو موت طلب کر رہی ہے اور تعجب ہے اُس غافل پر جس کو فراموش نہیں کیا گیا اور تعجب ہے اُس ہنسنے والے پر جو یہ نہیں جانتا کہ اُس کا پروردگار اُس سے راضی ہے یا ناخوش۔

(6) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ تمھارا روزینہ مثل توشۂ سوار کے ہو۔

(7) سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، پیارے بھائی! ہم میں سے جو پہلے وفات پائے وہ دوسرے کو خواب میں دکھائی دے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا ایسا ہوسکتا ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ ہاں۔ مومن بندے کی روح آزاد ہوتی ہے، زمین میں جہاں چاہتی ہے، چلی جاتی ہے اور کافر کی رُوح قید خانے میں ہوتی ہے۔ پس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وفات پائی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر قیلولہ کر رہا تھا۔ آنکھ جو لگی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سلمان فارسی آئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا ''السلام علیکم ورحمتہ اللہ'' میں نے جواب دیا ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ'' اے ابوعبداللہ! تُو نے اپنا مقام کیسا پایا؟ حضرت سلمان فارسی نے کہا، خوب ہے۔ پھر تین بار فرمایا، تُو توکل اختیار کر کیونکہ توکل اچھا ہے۔

(8) تو بازار میں سب سے پہلے داخل نہ ہو اور نہ سب سے پیچھے نکل کیونکہ وہ معرکۂ شیطان ہے اور وہاں اُس کا جھنڈا کھڑا ہوتا ہے۔

(9) آپ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیرے رب کا تجھ پر حق ہے۔ اور تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل وعیال کا تجھ پر حق ہے۔ پس ہر ایک حق دار کو اُس کا حق ادا کر۔ پھر دونوں حضرات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی بارگاہِ بیکس پناہ میں مندرجہ بالا باتوں کا ذکر کیا۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان (فارسی) نے سچ کہا ہے۔

(10) آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کا نسب کیا ہے۔ فرمایا ''اسلام''۔ پوچھا کہ آپ کے باپ کا کیا نام ہے؟ فرمایا ''اسلام''۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمارا دین ''اسلام'' ہے تو ہمارا سب کچھ ''اسلام'' ہے۔ ہمارا دین ہمیں ماں باپ، بہن بھائی سے بھی عزیز تر ہے۔

(4)

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینہ منورہ	24ھ 645ء	108ھ 726ء	مشلل درمیان مکہ و مدینہ

مادۂ تاریخ وفات

”حق“	”زاہد اکمل“
108ھ	108ھ

(4) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں شاہ فارس یزدجرد کی تین بیٹیاں مال غنیمت میں آئیں۔ جن میں سے شہر بانو، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقد میں آئیں۔ جن سے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے دوسری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں آئیں جن سے حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولد ہوئے اور تیسری حضرت محمد بن ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں جن سے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنم لیا۔ اس طرح حضرت زین العابدین' حضرت سالم اور حضرت قاسم تینوں خالہ زاد بھائی ہیں۔
حضرت قاسم کی ولادت 23 شعبان 24ھ/ 24 جون 645ء کو ہوئی۔

حضرت قاسم چھوٹی عمر میں ہی داغِ یتیمی لے کر اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ شفقت میں آ گئے۔ آپ نے علمِ باطن کا اکتساب حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا اور یوں اپنے جد امجد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باطنی نعمت اُن کے وسیلے سے حاصل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا نتیجتاً آپ تابعین کبار اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ اپنے وقت کی بے نظیر ہستی اور امامِ اہل زمانہ تھے۔ فقیہِ بے مثل، عالمِ بے بدل اور کثیر الحدیث تھے۔ یحییٰ بن سعید انصاری فرماتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں کسی شخص کو بھی ایسا نہیں پایا جسے حضرت قاسم پر فضیلت دے سکیں۔ ایوب سختیانی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو بھی حضرت قاسم سے افضل نہیں دیکھا۔ امام بخاری کا قول ہے آپ اپنے زمانے میں سب سے افضل تھے۔ ابوالزناد کا قول ہے کہ میں نے اُن سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالمِ باعمل نہیں پایا اور نہ کسی فقیہہ کو اپنے سے زیادہ عالم دیکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر امرِ خلافت میرے اختیار میں ہوتا تو میں حضرت قاسم کے سپرد کر دیتا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت قاسم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ ایک اعرابی آیا۔ اُس نے آپ سے پوچھا کہ آپ اور سالم میں کون زیادہ عالم ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا! سبحان اللہ! اعرابی (صحرانشین) نے پھر وہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، سالم وہ ہیں اُن سے پوچھ لے۔ ابن اسحاق نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت قاسم نے اپنے آپ کو اعلم (زیادہ علم والا) کہنا پسند نہ کیا کیونکہ یہ تزکیہ نفس ہے اور یہ بھی نہ کہا کہ سالم، اعلم ہیں کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔

جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اُن کپڑوں میں کفنانا جن میں نماز پڑھا کرتا تھا یعنی (۱) قمیض، (۲) تہبند اور (۳) چادر۔ آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا، ابا جان! کیا ہم دو کپڑے اور زیادہ کر دیں؟ ارشاد فرمایا، جان پدر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفن بھی تین کپڑوں پر مشتمل تھا۔ مردے کی نسبت زندہ کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

آپ کی رحلت مکہ و مدینہ کے درمیان قدید میں ہوئی اور وہاں سے تین میل دور "مشلل" میں آخری آرام گاہ بنی۔ جدید تحقیق کے مطابق آپ نے 81 سال کی عمر میں 24 جمادی الثانی 108ھ (726ء) کو رحلت فرمائی۔

(5)

حضرتِ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینہ منورہ	80ھ / 699ء	
	149ھ / 766ء	مدینہ منورہ

مادۂ تاریخ وفات

"حق طلب"

149ھ

"ماہِ باایمان"

149ھ

"ماہِ مبینا"

149ھ

(5) حضرت امام جعفر صاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالی عنہ کے پوتے اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالی عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت اُمِ فردہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ اور اُمِ فردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ماں حضرت اسماء رضی رااللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔ بدیں وجہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ولدنی ابوبکرؓ مرتین یعنی میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو مرتبہ پیدا ہوا ہوں۔ اول ولادتِ ظاہری کہ میری والدہ کے باپ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور دوم ولادتِ باطنی کہ علم باطن بھی میں نے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پایا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت 13 ربیع الاول 80ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ صدقِ مقال کے سبب سے آپ کو ''صادق'' کہتے ہیں۔ آپ کی سیادت و امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ عمرو بن ابی المقدام کا قول ہے کہ میں جس وقت حضرت امام جعفر کو دیکھتا ہوں تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آپ خاندانِ نبوت سے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین بن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علم

آپ لطائف تفسیر اور اسرارِ تنزیل میں بے نظیر تھے۔ علامہ ذہبی نے آپ کو حفّاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ بانی فقہ امام آلائمہ سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، شعبہ، ہر دو سفیان (سفیان ثوری اور سفیان یمینہ)، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ قطان، ابو عاصم نبیل (رحمتہ اللہ علیہم) نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل بیت میں امام جعفر بن محمد سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ الغرض آپ تمام علوم و اشارات میں کامل اور مشائخ کے پیشرو اور مقتدائے مطلق تھے۔ آپ اخلاقِ حسنہ اور تفسیر قرآن بلکہ جملہ علوم میں عدیم النظیر تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں لوگوں کی ظاہری و باطنی تشنگی دُور فرماتے تھے بعد ازاں عراق تشریف لے جا کر ایک عرصہ تک خلقِ خدا کو مستفید و مستفیض فرمایا۔

زہد و سخاوت

ایک روز حضرت سفیان ثوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت آپ خز (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) کا جبہ اور کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سفیان یوں گویا ہوئے، اے فرزند رسول ﷺ! آپ کے آباؤ اجداد

تو ایسا لباس نہیں پہنتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تنگ دستی کے زمانے میں تھے۔ اب امارت کا زمانہ ہے۔ یہ ارشاد فرما کر آپ نے خز کا جبہ اُٹھا کر اُس کے نیچے پشم کا کھردرا جبہ دکھایا اور فرمایا: اے سفیان ثوری! یہ ہم نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے پہنا ہے اور وہ تمھارے واسطے۔ جو اللہ کے لیے ہے اُسے ہم نے پوشیدہ رکھا ہے اور جو تمھارے لیے ہے اُسے ہم نے ظاہر رکھا ہے۔

آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ بقول ہیاج بن بسطام، اوروں کو یہاں تک کھلاتے کہ اپنے بال بچوں کو کے لیے کچھ باقی نہ رہتا۔ ایک شخص کی اشرفیوں کی تھیلی گم ہوگئی تو عدم واقفیت اور لاعلمی کے سبب اُس نے حضرت امام جعفر صادق سے کہا کہ میری تھیلی آپ کے پاس ہے۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ اُس تھیلی میں کتنے دینار تھے اس نے بتایا کہ ایک ہزار۔ آپ نے اُسے گھر لے جا کر ایک ہزار دینار دے دیے۔ جب وہ شخص اپنے گھر واپس گیا تو اُسے گمشدہ تھیلی مل گئی۔ وہ حضرت امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری تھیلی مجھے مل گئی ہے۔ آپ اپنے دینار واپس لے لیجیے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ تم لے جاؤ، ہم جو کچھ دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔ اُس شخص نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ کسی نے کہا یہ امام جعفر صادق ہیں وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

خوف وخشیت

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی ؒ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے فرزند رسول ﷺ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے کہ میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ بھلا تم کو میری نصیحت کی کیا حاجت ہے تم خود زاہد زمانہ ہو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ کی فضیلت سب پر ثابت اور عیاں ہے بدیں وجہ آپ پر واجب ہے کہ سب کو پند و نصیحت سے نوازیں۔ فرمایا، یا ابا سلیمان! مجھے تو خود اندیشہ ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرے جد بزرگوار میرا دامن نہ پکڑیں اور یُوں فرمادیں کہ میرا حق متابعت کیوں نہ ادا کیا کیونکہ یہ کام نسب کی شرافت پر موقوف نہیں بلکہ بارگاہِ رب العزت میں عمل کی پسندیدگی پر منحصر ہے۔ یہ سن کر حضرت داؤد طائی خوب روئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جس شخص کی سرشت نبوت کے آب وگل سے ہے اور جس کی طبیعت کی ترکیب آثارِ رسالت سے ہوئی ہے اور جس کے جد بزرگوار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور والدہ ماجدہ حضرت سیدہ طیبہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہو، اُس کا یہ کیا حال ہے تو داؤد بیچارہ کس شمار و قطار میں ہے۔

ایک روز آپ اپنے خادموں کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے کہ فرمایا! ''آؤ ہم سب آپس میں بیعت و اقرار کریں کہ ہم میں سے جس کو بھی نجات نصیب ہو وہ دوسروں کی شفاعت کرے گا''۔ سب خادموں نے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول ﷺ! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا ضرورت اور حاجت ہے جب کہ آپ کے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفیع خلائق ہیں۔ فرمایا کہ ''مجھے اپنے اعمال سے شرم آتی ہے کہ ان کو لے کر اُن کے رُوبرُو جاؤں۔'' حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو کس خوبصورتی سے بیان فرمایا۔

تُو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی، حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، فرمایا اے سفیان! (۱) جھوٹ بولنے والے کو مروت نہیں ہوتی اور (۲) حاسد کو راحت نہیں ہوتی۔ (۳) بدخلق کو سرداری نہیں ہوتی اور (۴) ملوک کو اخوت نہیں ہوتی۔ عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے فرمایا، اے سفیان! (۵) اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے محارم (حرام، ممنوع کام) سے بچانا تاکہ عابد ہو اور (۶) جو کچھ قسمت میں ہو گیا اُس پر راضی رہنا کہ مسلمان ہو، (۷) فاجر سے صحبت مت رکھ کہ تجھ پر فجور غالب ہو جائے گا۔ (۸) اپنے معاملے میں ایسے لوگوں سے مشورہ کر کہ جو اطاعتِ خداوندی خوب بجالاتے ہوں۔ عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا، اے سفیان! (۹) جو شخص چاہے کہ اُس کی عزت بلاذات وقبیلہ ہو اور ہیبت بلا حکومت ہو اُس سے کہو کہ گناہ چھوڑ دے اور اطاعت خداوندی اختیار کرے۔ عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا، اے سفیان! (۱۰) جو شخص ہر آدمی کے ساتھ صحبت رکھتا ہے وہ سلامت نہیں رہتا۔ (۱۱) جو کوئی برے راستے پر چلتا ہے وہ اتہام سے محفوظ نہیں رہتا اور (۱۲) جو شخص اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھتا وہ پشیمان ہوتا ہے۔ مزید فرمایا کہ (۱۳) جو کوئی اللہ تعالیٰ سے اُنس رکھتا ہے اُسے خلق سے وحشت ہو جاتی ہے۔ (۱۴) بہت سے ایسے گناہ ہیں کہ جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا ہے اور بہت سی ایسی عبادتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے کیونکہ مغرور مطیع گنہگار ہوتا ہے اور نادم گنہگار مطیع ہوتا ہے۔

ایک دن حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام ابوحنیفہ سے دریافت فرمایا کہ عقلمند کس کو کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ جو خیر وشر میں تمیز کرے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ یہ تمیز تو بہائم (جانوروں) میں بھی ہوتی ہے کہ مارنے والے اور چارہ دینے والے میں تمیز رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے عرض کیا تو پھر آپ کے نزدیک عقل مند کون ہے؟ فرمایا! عقلمند وہ ہے کہ جو دو خیر اور دو شر میں امتیاز کرے۔ خیر میں خیر الخیرین کو اختیار کرے اور شر میں شر الشرین کو۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ میں تمام خوبیاں ہیں، آپ زاہد بھی ہیں اور آپ میں کرمِ باطن بھی ہے۔ آپ قرۃ العین خاندانِ نبوت بھی ہیں لیکن متکبر کمال ہیں ارشاد فرمایا کہ میں متکبر نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا مجھ پر پرتو ضرور ہے۔

آپ سے کسی نے دریافت فرمایا کہ درویش صابر اچھا ہے یا تونگر شاکر۔ فرمایا، درویش صابر کیونکہ تونگر کا دل کیسہ میں لٹکا رہتا ہے اور درویش کا اللہ تعالیٰ میں۔ فرمایا کہ توبہ کے بغیر عبادت درست نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا ہے۔ (التائبون العابدون) توبہ ابتداء مقامات اور عبودیت انتہاء مقامات ودرجات ہے۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔

حسنِ خُلق کے سبب جلوت میں اُن کے مزاج گرامی میں مزاج وتبسم ارزاں تھا مگر جب اُن کے سامنے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرانور ہوتا تو اُن کا رنگ زرد ہو جاتا۔ عارف رُومی رحمتہ اللہ علیہ نے کیسی سچی بات کی ہے۔

عاشقاں راشش نشان ست اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و چشمِ تر
گر ترا پُرسند پس دیگر کدام
کم خور و کم گفتن و خُفتن حرام

امام مالک مزید کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو حدیث شریف بیان کرتے وقت کبھی بے وضو نہیں دیکھا۔ میں عرصہ دراز تک اُن کی خدمت میں حاضری دیتا رہا مگر جب بھی اُن کے قدموں میں پہنچا تو اُن کو نماز پڑھتے یا خاموش بیٹھے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے پایا۔ وہ خلوت میں کبھی بھی فضول ولغو کلام نہیں کرتے تھے۔ علومِ شرعیہ کے عالمِ باعمل اور خدا ترس تھے۔

آپ کی کرامات بے حد وحساب ہیں۔ ذیل میں تبرکاً چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ قارئین کرام اپنی کشت ایمان کو سرسبز وتازہ کر کے اُن کے نقش قدم پر چلیں اور دنیا میں ایک ایسا روحانی انقلاب برپا کر دیں جس سے ہر سو انوار کی تجلیات ہی نظر آئیں۔

(1) لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں 113ھ میں حج کے دوران میں مسجد حرام میں عصر کی نماز کے بعد کوہِ ابوقبیس پر چڑھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص وہاں بیٹھا ہوا یوں دُعا مانگ رہا ہے۔ یَـــارَبِّ یَارَبِّ پھر خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں بولا یَاحَیُّی یَاحَیُّی یَاحَیُّی پھر کچھ دیر کے بعد بولا ''الٰہی میں انگور چاہتا ہوں، خدایا مجھے انگور کھلا دے اور میری دونوں چادریں پھٹ گئی ہیں، نئی عنایت فرما دے۔''

ابھی اُس کی دُعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ میں نے انگوروں کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا دیکھا حالانکہ اُس وقت روئے زمین پر کہیں بھی انگور نہ تھے اور پھر دو چادریں بھی دیکھیں کہ جن کی مثل میں نے کبھی بھی نہ دیکھی تھیں اُس شخص نے چاہا کہ انگور کھالے۔ میں نے کہا کہ میں تیرا شریک ہوں، اُس نے پوچھا کیونکر؟ میں نے کہا کہ جب تم دُعا کر رہے تھے تو میں ''آمین'' کہہ رہا تھا۔ اس پر اُس نے کہا کہ آیئے اور کھایئے۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم نے سیر ہو کر انگور کھائے مگر ٹوکرا اُسی طرح بھرا ہوا تھا۔ انگور ایسے لذیذ تھے کہ ایسے کبھی سنے اور نہ کھائے۔ پھر اُس شخص نے مجھے کہا کہ ان انگوروں کو مت چھپاؤ اور نہ ذخیرہ کرو۔ پھر اُس شخص نے ایک چادر خود لے لی اور دوسری مجھے دے دی۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس پر اُس نے ایک چادر بطور تہبند باندھ لی اور دوسری بدن پر اوڑھ لی اور دونوں پرانی چادریں ہاتھ میں لیے پہاڑ سے اُتر گیا۔ صفا ومروہ کے درمیان ایک شخص نے اُس سے سوال کیا۔ اے فرزند رسول ﷺ! میں ننگا ہوں، مجھے اُوڑھنے کو کپڑا دے جیسا کہ اللہ نے تجھے اُوڑھنے کو کپڑے دیے ہیں۔ پس اُس نے وہ دونوں چادریں سائل کو دے

دیں۔ یہ دیکھ کر میں نے سائل سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ جواب ملا کہ ''یہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔'' اس کے بعد میں نے اُن کو ڈھونڈا ان کے ملفوظات طیبات سنوں مگر تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے۔

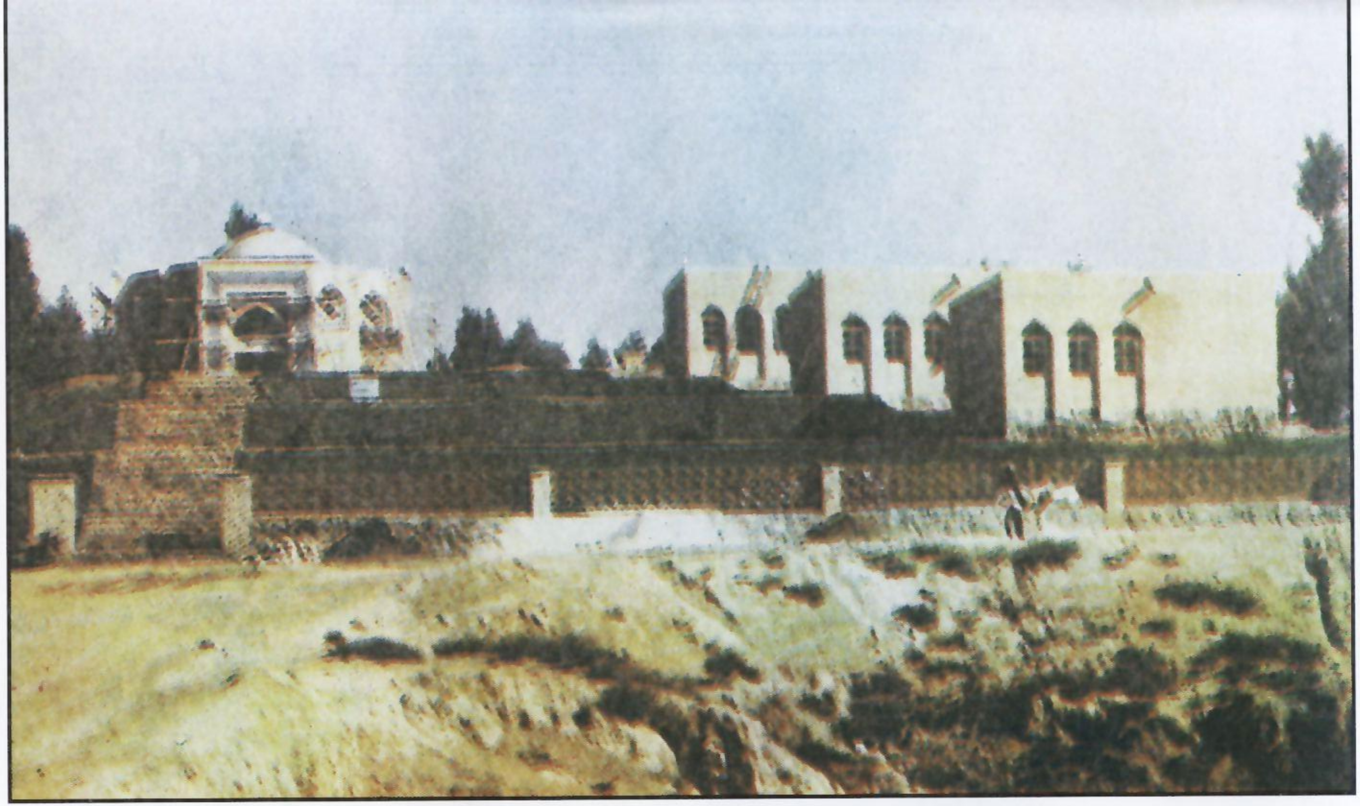
(2) ایک روز حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کو بچوں کے ساتھ روتے دیکھا جس کے آگے مردہ گائے پڑی ہوئی تھی۔ حضرت امام نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو اُس عورت نے کہا کہ ہمارے پاس صرف ایک یہی گائے تھی جس کے دُودھ سے ہمارا گزارا ہورہا تھا اب یہ مرگئی ہے تو ہم پریشانِ حال ہیں کہ اب کیا کریں گے۔ گزارا کیسے ہوگا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِسے زندہ کردے؟ اُس نے کہا کہ ہم پر تو مصیبت طاری ہے اور آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں مذاق نہیں کرتا۔ پھر آپ نے دُعا فرما کر گائے کو ایک ٹھوکر ماری اور وہ زندہ ہوکر کھڑی ہوگئی اور آپ فوراً عام لوگوں میں جاملے تاکہ کوئی شناخت نہ کرسکے۔ اُس عورت کو معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کون ہیں۔

(3) عباسی خلیفہ منصور نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا جائے تاکہ انھیں قتل کردیا جائے۔ وزیر نے کہا کہ جس شخص کے شب و روز زہد و عبادت، گوشہ نشینی، ملکی حالات سے قطع تعلقی و عدم دلچسپی میں گزر رہے ہیں ایسے شخص کو قتل کرنے کا مقصد اور فائدہ کیا ہے۔ خلیفہ نے اظہار خفگی کرتے ہوئے کہا کہ انھیں ضرور لاؤ، تاکہ میں قتل کردوں۔ وزیر باتدبیر نے ہر چند خلیفہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سُود۔ ناچار وزیر بدل فگار حضرت امام کی تلاش میں نکلا تو خلیفہ نے غلاموں کو حکم دیا کہ جونہی حضرت امام نمودار ہوں اور میں سر سے ٹوپی اتاروں تم ان کو فوراً تہ تیغ کردینا جب حضرت امام باوقار تشریف لائے تو خلیفہ اُن کو دیکھتے ہی بہر استقبال بڑھا اور آپ کو بکمال ادب واحترام اپنی مسند پر بٹھا کر خود بصد عجز وانکسار سامنے ہو بیٹھا۔ غلام یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوئے۔ منصور نے دست بستہ عرض کیا کہ اگر حضور والا کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں۔ حضرت امام نے ارشاد کیا کہ مجھے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ پھر کبھی مجھے اپنے پاس نہ بلانا۔ یہ ارشاد فرما کر آپ تشریف لے گئے اور خلیفہ منصور فی الفور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ تین روز تک مسلسل بے ہوشی طاری رہی۔ بقول بعضے کے اُس کی تین نمازیں فوت ہوگئیں۔ جب ہوش میں آیا تو وزیر نے پوچھا معاملہ کیا تھا! خلیفہ نے کہا کہ جب حضرت امام یہاں جلوہ افروز ہوئے تو ایک اژدھا آپ کے ہمراہ تھا جس کا ایک ہونٹ اس مکان کے نیچے اور دوسرا اُوپر ہے اور زبانِ حال سے مجھے کہہ رہا ہے کہ اگر تُو نے حضرت امام کو ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچائی تو میں تمھیں اس مکان سمیت نگل جاؤں گا۔ بدیں وجہ مجھ پر بے پناہ خوف و ہراس طاری ہوگیا اور میں نے حضرت امام سے کچھ نہ کہا بلکہ عذر کیا اور پھر بے ہوش ہوگیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات 15 رجب 149ھ، (766ء) کو بعمر شریف اڑسٹھ سال چند ماہ مدینہ منورہ میں



حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مزار شریف کی خوبصورت تصویر
تصویر از "کارنامہ آثار ملی" بشکریہ خانہ فرہنگ جمہوری ایران راولپنڈی



حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے روضہ شریف اور اس کے ساتھ قائم مدرسے کی خوبصورت تصویر
تصویر از "کارنامہ آثارِ ملی" بشکریہ خانہ فرہنگ جمہوری ایران راولپنڈی



حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر سلجوقی عہد میں قائم محراب شریف
کا خوبصورت منظر۔ تصویر از "کارنامہ آثارِ ملی"۔ بشکریہ خانہ فرہنگ جمہوری ایران راولپنڈی

ہوئی اور جنت البقیع میں قبۂ اہل بیت میں آخری آرامگاہ بنی۔

کلماتِ قُدسیہ

(1) ہر شریف آدمی کو چار چیزوں سے بالکل عار نہ چاہیئے:

(ا) اپنے والد کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا۔

(ب) اپنے مہمان کی خدمت کرنا۔

(ج) اپنے چوپایہ کی دیکھ بھال کرنا خواہ اُس کے سو غلام (نوکر) ہی کیوں نہ ہوں۔

(د) اپنے اُستاد کی خدمت کرنا۔

(2) نیکی تین خوبیوں کے بغیر کامل واکمل نہیں ہوتی:

(ا) اُسے جلدی کرنا۔

(ب) اُسے چھوٹا سمجھنا۔

(د) اُسے چھپانا۔

(3) دُنیا جب کسی انسان کے پاس آتی ہے تو اُسے غیروں کی خوبیاں دیتی ہے اور جب اس سے منہ پھیر لیتی ہے تو اُس کی ذاتی خوبیاں بھی اُس سے چھین لیتی ہے۔

(4) جب تجھے اپنے بھائی سے ایسی چیز پہنچے جو تو ناپسند کرتا ہے تو اُس کے لیے ایک عذر سے ستر عذر تلاش کر۔ اگر تجھے اُس کے لیے کوئی عذر نہ ملے تو یوں کہہ کہ شاید اُس کے لیے کوئی عذر ہو گا جو مجھے معلوم نہیں۔

(5) جب تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اُسے اچھے سے اچھے معنی پر محمول کرو۔ اگر اس میں تمھیں کوئی نیک امر معلوم نہ ہو تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔

(6) تم ایسے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ جو پہلے بھوکا تھا اب سیر ہو گیا ہو۔

(7) آپ نے کسی قبیلے کے ایک شخص سے پوچھا کہ اس قبیلے کا سردار کون ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں آپ نے فرمایا کہ اگر اُن کا سردار ہوتا تو جواب میں میں نہ کہتا۔

(8) جب تو گناہ کرلے تو معافی مانگ کیونکہ گناہ مردوں کے گلوں میں اُن کی پیدائش سے پہلے ڈالے گئے ہیں اور اُن پر اصرار کرنا کمال درجہ کی ہلاکت ہے۔

(9) جو شخص اپنے رزق میں تاخیر پائے اُسے طلبِ مغفرت زیادہ کرنی چاہیئے۔

(10) جو شخص اپنے مالوں میں سے کسی مال پر ناز کرے اور اُس مال کا بقا چاہے تو اُسے یوں کہنا چاہیئے: **ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ**.

(11) اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف یہ حکم بھیجا کہ جو شخص میری خدمت کرے تو اُس کی خدمت کر اور جو تیرا خادم بنے تو

اُسے تکلیف دے۔

(12) علمائے شریعت پیغمبروں کے امین ہیں جب تک کہ بادشاہوں کے دروازوں پر نہ جائیں۔

(13) یا اللہ! تُو مجھے اُس شخص کے لیے ہمدردی وغمخواری کی توفیق عطا فرما جس پر تُو نے رزق تنگ کر دیا ہے اور جس حالت میں میں ہوں یہ تیرا فضل و کرم ہے۔

(14) آپ کو جب کسی چیز کی حاجت ہوتی تو یوں دُعا کرتے، اے میرے پروردگار! مجھے فلاں چیز کی حاجت ہے آپ کی دُعا ابھی ختم نہیں ہوتی تھی کہ وہ چیز آپ کے سامنے موجود ہوتی۔

(15) جس نے اللہ کو پہچانا اُس نے دنیا سے منہ پھیر لیا۔

(16) تعجب ہے اُس شخص پر جو چار چیزوں میں مبتلا ہو اور اُن سے غافل رہتا ہے۔(۱) تعجب ہے اُس پر جو غم میں مبتلا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۱۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۲ (۲) اور تعجب ہے اس پر جو کسی آفت سے ڈرتا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۳۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۴۔(۳) اور تعجب ہے اُس پر جو لوگوں کے مکر سے ڈرتا ہو وہ یہ کیوں نہیں کہتا وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۵۔۔۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَامَكَرُوْا ۶۔(۴) اور تعجب ہے اُس پر جو جنت کی رغبت اور خواہش رکھتا ہے وہ یہ کیوں نہیں کہتا مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ ۷۔

(17) مومن کی تعریف یہ ہے کہ نفس کی سرکشی کا مقابلہ کرتا رہے اور عارف کی تعریف یہ ہے کہ اپنے مولیٰ کی اطاعت میں ہمہ تن مشغول رہے۔

(18) صاحبِ کرامت وہ ہے جو اپنی ذات کے لیے نفس کی سرکشی سے آمادہ بجنگ رہے کیونکہ نفس سے جنگ کرنا اللہ تعالیٰ تک رسائی کا سبب ہوتا ہے۔

---

۱ ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (پارہ: 17، سورۃ الانبیاء، آیۃ: 87)

۲ ترجمہ: تو ہم نے اُس کی پکار سُن لی اور اُسے غم سے نجات بخشی۔ (پارہ: 17، سورۃ الانبیاء، آیۃ: 88)

۳ ترجمہ: اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔ (پارہ: 4، سورۃ ال عمران، آیۃ: 173)

۴ ترجمہ: تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی بُرائی نہ پہنچی۔ (پارہ: 4، سورۃ ال عمران، آیۃ: 174)

۵ ترجمہ: اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ (پارہ: 24، سورۃ المؤمن، آیۃ: 44)

۶ ترجمہ: تو اللہ نے اسے بچا لیا ان کے مکر کی بُرائیوں سے۔ (پارہ: 24، سورۃ المؤمن، آیۃ: 45)

۷ ترجمہ: تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے۔ (پارہ: 15، سورۃ الکھف، آیۃ: 40)

(19) نیک بختی کی علامت یہ بھی ہے کہ عقلمند دشمن سے واسطہ پڑ جائے۔

(20) پانچ قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے میں بہتری ہے۔(۱) اوّل جھوٹے سے کیونکہ اُس کی صحبت فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔(۲) دوم بیوقوف سے، کیونکہ تمھارے فائدے سے زیادہ تمھیں نقصان پہنچائے گا۔(۳) سوم، کنجوس سے، کیونکہ وہ تمھارا بہترین وقت ضائع کرے گا۔(۴) چہارم، بزدل سے، کیونکہ وقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ دے گا۔ پنجم، (۵) فاسق سے کیونکہ وہ ایک نوالہ کی طمع میں کنارہ کش ہو کر مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(21) جو شخص عبادت پر فخر کرے گناہ گار ہے، جو معصیت پر اظہارِ ندامت کرے وہ فرماں بردار ہے۔

(6)

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ

بُسطام	136ھ / 753-54ء	269ھ / 883ء	بُسطام

مادۂ تاریخ رحلت

''محبوب احد''	''نور احد''	''زاہد اکمل''	''محبوب داور''
269ھ	269ھ	269ھ	269ھ



مزارِ اقدس حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ

مزارِ اقدس حضرت بایزید بسُطامی علیہ الرحمہ
بسُطام۔ایران

(6) سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت 136ھ میں بسطام شہر میں ہوئی۔ آپ کے دادا پہلے مجوسی (آتش پرست) تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد عیسیٰ، بسطام شہر کے جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جس وقت بایزید میرے پیٹ میں تھے، اُس وقت اگر کوئی مشتبہ غذا پیٹ میں چلی جاتی تو اس قدر بے کلی اور بے چینی ہوتی کہ مجھے حلق میں اُنگلی ڈال کر وہ غذا نکالنا پڑتی آپ کے دو بھائی اور بھی تھے جن کے نام آدم اور علی تھے۔ وہ دونوں بھی زہد و عبادت میں بے مثال تھے مگر آپ اُن دونوں سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر تھے۔ آپ کی باطنی تربیت روحانی طور پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کیونکہ آپ کی پیدائش اُن کی رحلت کے بعد ہوئی ہے۔

بچپن میں جب آپ مکتب میں زیر تعلیم تھے، سورۂ لقمان کی اس آیت پر پہنچے، اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (پارہ:21، سورۃ لقمن، آیۃ:14) یعنی "میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا"۔ تو استاد گرامی سے رخصت لے کر گھر آئے اور والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "شکر کر میرا اور اپنے والدین کا۔" لیکن میرے لیے دو گھروں سے نباہ مشکل ہے۔ لہٰذا یا تو آپ مجھے خدا تعالیٰ سے مانگ لیں تا کہ آپ ہی کا ہو رہوں یا پھر مجھے خدا تعالیٰ ہی کو سونپ دیجئے کہ اُسی کا ہو رہوں۔ والدہ ماجدہ نے ارشاد کیا کہ میں نے تجھے اپنا حق بخش دیا اور راہِ حق میں چھوڑ دیا۔ یہ سن کر آپ بُسطام سے نکلے اور تیس (30) سال تک شام کے جنگلوں، صحراؤں اور بیابانوں میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے تقریباً ایک سو سترہ (۱۱۷) علماؤ مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کیے جن میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفہرست ہیں۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ سخت سے سخت مجاہدہ کون سا ہے جو آپ نے راہِ خدا میں کیا ہے۔ ارشاد کیا کہ بیان کرنا ممکن ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ آسان سے آسان تکلیف ہی بیان فرما دیجیے جو آپ کے نفس نے اٹھائی ہے فرمایا! ہاں یہ سن لو۔ ایک دفعہ میں نے اپنے نفس کو کسی طاعت کی طرف بلایا تو اُس نے میرا کہا نہ مانا اس پر میں نے اُسے ایک سال پیاسا رکھا۔

ایک دفعہ آپ حج کے لیے روانہ ہوئے تو ہر چند قدم پر جانماز بچھا کر دو رکعت نماز پڑھتے یہاں تک کہ بارہ سال بعد مکہ مکرمہ پہنچے۔ فرماتے تھے کہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا دربار نہیں کہ یکبارگی وہاں پہنچ جائیں۔ اُس دفعہ حج سے فارغ ہو کر واپس آ گئے اور مدینہ منورہ میں زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حاضر نہ ہوئے۔ فرمایا کہ زیارتِ روضہ مقدسہ کو حج کے تابع بنانا خلاف ادب ہے۔ اگلے سال روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لیے علیحدہ احرام باندھا۔ راستے میں آپ ایک شہر میں داخل ہوئے تو لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ جب شہر سے نکلے تو ایک ہجوم آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں! جواب ملا کہ یہ سب لوگ اب آپ کے ساتھ ہی

رہیں گے۔ آپ نے اُن لوگوں کو اپنے سے دُور کرنے کے لیے نماز فجر کے بعد اُن کی طرف متوجہ ہو کر یہ آیت پڑھی۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ[1]۔ (بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے اور سب چھوڑ کر چلے گئے۔

جب آپ نماز پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور شریعت مطہرہ کی تعظیم کے سبب آپ کے سینے کی ہڈیوں سے چرچراہٹ کی آواز نکلتی جو لوگوں کو سنائی دیتی۔ ایک روز ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے آپ سے پوچھا، اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے اور نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ آپ کھاتے کہاں سے ہیں! آپ نے فرمایا! ٹھہرو، میں نماز کا اعادہ کرلوں کیونکہ جو شخص اپنے روزی دینے والے کو نہیں پہچانتا اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

آنکس کہ نہ بیند در نماز جمالِ دوست
فتویٰ ہمی دہم کہ نمازش قضا کند

ابوعلی جوزجانی رحمتہ اللہ علیہ سے اُن الفاظ کی نسبت سوال کیا گیا جو حضرت بایزید سے لوگوں کو اپنے سے دُور کرنے کے لیے منقول ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم بایزید کے حال کو تسلیم کرتے ہیں۔ شاید وہ الفاظ اُن سے غلبۂ حال یا حالتِ سُکرؔ میں صادر ہوئے ہیں جو شخص بایزید کا مقام حاصل کرنا چاہے اُسے بایزید کی طرح مجاہدۂ نفس کرنا چاہیے تاکہ وہ بایزید کے کلام کو سمجھ سکے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جس کام کو میں مؤخر سمجھتا رہا وہ سب سے مقدم نکلا اور وہ میری والدہ ماجدہ کی رضا تھی۔ میں جو کچھ ریاضت ومجاہدات اور مسافرت میں ڈھونڈتا رہا وہ اسی میں پایا۔ کیونکہ جب میں سفر سے واپسی پر اپنے مکان کے دروازے پر پہنچا اور دروازے سے کان لگا کر سنا تو والدہ ماجدہ وضو کرتے ہوئے یہ ارشاد فرما رہی تھیں ''یا اللہ! میرے مسافر کو راحت سے رکھنا اور بزرگوں سے اس کو خوش رکھ کر اچھا بدلہ دینا''۔ یہ سن کر میں زاروقطار روتا رہا۔ آنسوؤں سے منہ دھوتا رہا۔ پھر دروازے پر دستک کی تو والدہ ماجدہ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا مسافر۔ اُنھوں نے دروازہ کھول کر شرفِ ملاقات بخشا اور فرمایا: ''تم نے اس قدر طویل سفر اختیار کیا کہ روتے روتے میری بصارت ختم ہوگئی اور تیرے غم سے کمر جھک گئی۔''

ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ نے پانی طلب کیا۔ آپ پانی لینے گئے۔ کوزہ میں پانی نہ تھا، گھڑے میں دیکھا تو وہ بھی خالی تھا۔ چنانچہ پانی کے لیے ندی پر گئے اور جب واپس آئے تو والدہ صاحبہ سو چکی تھیں۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ آپ پانی کا کوزہ ہاتھ میں اٹھائے کھڑے رہے۔ جب والدہ ماجدہ کی آنکھ کھلی تو پانی پیا اور آپ کو دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ کوزہ نیچے کیوں نہ رکھ دیا! عرض کیا کہ میں ڈرتا رہا کہ آپ بیدار ہو کر پانی طلب فرمائیں اور میں شاید اُس وقت حاضر نہ ہوں۔

---

[1] (پارہ:16، سورۃ طٰہٰ، آیۃ:14)

آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایک اور موقع پر والدہ محترمہ نے فرمایا کہ آدھا دروازہ بند کردو۔ میں صبح تک یہی سوچتا رہا کہ کون سا آدھا بند کروں، دائیں طرف کا یا بائیں طرف کا تا کہ والدہ صاحبہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ صبح کے وقت مجھے وہ سب کچھ مل گیا جس کو میں ڈھونڈھتا تھا۔ پھر آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ حضرت جنید بغدادقدس سرہٗ العزیز جیسے اکابر بھی پکار اُٹھے کہ ''بایزید ہماری جماعت میں ایسے ہیں جیسا کہ فرشتوں میں حضرت جبریل امین علیہ السلام اور دیگر سالکین کے میدان کی انتہاء بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے میدان کی ابتدا ہے۔

ایک دفعہ آپ مکہ مکرمہ سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں ہمدان سے کسم (ایک قسم کا پھول) کا بیج خرید کر اپنے خرقہ میں باندھ لیا۔ بسطام آکر جو کھولا تو اُس میں سے چند کیڑے نظر آئے۔ فرمانے لگے کہ میں نے ان کو بے وطن کیا ہے پھر دوبارہ ہمدان جا کر کیڑوں کو اُن کے وطن پہنچا کر واپس آئے۔

ایک روز آپ نے صحرا میں اپنا کپڑا دھویا۔ ایک عقیدت مند جو ساتھ تھا۔ عرض کرنے لگا کہ اسے انگوروں کی دیوار پر لٹکا دیتے ہیں آپ نے ارشاد کیا انگوروں کی دیوار میں میخ نہ گاڑو۔ اس نے عرض کیا کہ درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔ فرمایا، ایسا نہ کرنا کہ درخت کی شاخیں ٹوٹ جائیں گی۔ عرض کیا گیا کہ گھاس پر پھیلا دیتے ہیں۔ فرمایا، ایسا نہ کرنا کہ گھاس چوپاؤں کا چارہ ہے، ہم اُسے اُن سے نہیں چھپاتے۔ پس آپ کپڑے کو پشت مبارک پر رکھ کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے جب ایک طرف سوکھ گئی تو دوسری طرف اُلٹا دی۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور اپنا عصا مبارک زمین میں گاڑ دیا۔ اُس کے پہلو میں ایک شیخ نے اپنے عصا گاڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے آپ کا عصا اُس شیخ کے عصا پر گرا جس سے وہ بھی گر پڑا۔ شیخ نے جھک کر اپنا عصا اٹھایا اور گھر کو روانہ ہو گیا۔ آپ نے اُس کے گھر جا کر معذرت کی کہ آپ کو جھکنے کی زحمت اس وجہ سے اٹھانی پڑی کہ میں نے اپنا عصا اچھی طرح نہ گاڑا تھا ورنہ آپ کو یہ تکلیف برداشت نہ کرنا پڑتی۔

ایک دفعہ کسی نے بتایا کہ فلاں جگہ ایک بہت بڑے بزرگ ہیں۔ آپ اُن کی ملاقات کو گئے اور جب اُن کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے جانب قبلہ تھوکا۔ آپ یہ دلخراش چیز دیکھ کر واپس آگئے اور فرمایا کہ اگر اس شخص کو طریقت کی ذرہ بھر بھی خبر ہوتی تو اس طرح خلافِ ادب کام وقوع پذیر نہ ہوتا۔

آپ کے گھر سے مسجد کا فاصلہ چالیس قدم تھا مگر بوجہ تعظیم مسجد کبھی بھی راستے میں نہیں تھوکا۔

آپ کے پاس ایک اونٹ تھا جس پر اپنا اور مریدوں کا سامان لاد کر چلا کرتے تھے۔ ایک دن سامان لاد کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ بیچارے اُونٹ پر کس قدر بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ ''غور سے دیکھو، اونٹ پر کوئی بوجھ ہے''؟ اس نے دیکھا تو بوجھ ایک ہاتھ اونچا تھا۔ فرمایا سبحان اللہ! عجیب معاملہ ہے کہ اگر میں اپنا آپ لوگوں سے پوشیدہ رکھوں تو ملامت کرتے ہو اور اگر ظاہر کروں تو اُس کی تم لوگوں کو طاقت نہیں ہے۔ پھر اُس شخص سے فرمایا کہ ''تم میں سے بعض لوگوں کو میری زیارت سے لعنت ہوتی ہے اور بعض پر رحمت ہوتی ہے۔ لعنت اس وجہ سے کہ

جب وہ شخص میرے پاس آتے ہیں اور مجھ پر اُس وقت خاص حالت غالب ہوتی ہے وہ مجھے اپنے آپ میں نہیں پاتے اور میری غیبت کرتے ہیں دوسرے لوگ آئے حق کو مجھ پر غالب پا کر معذور رکھتے ہیں۔ان پر رحمت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کی طرف اپنا خیمہ نصب کرلوں کہ وہ مجھے دیکھ کر پست اور ٹھنڈا ہو جائے اور خلق خدا کو راحت ملے۔پھر فرمایا کہ ایک بار میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔میں عرض کیا۔یا اللہ! تجھ تک پہنچنے کا راستہ کس طرح۔سے ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دع نفسک وتعال'' اپنے نفس کو چھوڑ اور آ''۔پھر ارشاد فرمایا کہ نماز سے سوائے کھڑا ہونے اور روزہ سے سوائے بھوکا رہنے کے کچھ حاصل نہ ہوا۔مجھے تو جو کچھ ملا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملا ہے نہ کہ عمل سے۔کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہو، جہد و سعی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ آپ کو قبض کا عارضہ لاحق ہو گیا، عبادت سے نا اُمید ہو کر ارادہ باندھا کہ بازار سے زنار خرید کر کمر میں باندھ لوں۔بازار جا کر ایک زنار کی قیمت دریافت کی تو دل میں خیال آیا کہ ایک درم ہو گی۔مگر دکان دار نے اُس کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی۔آپ سن کر خاموش ہو گئے۔ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ جو زنار تُو باندھے اُس کی قیمت ایک ہزار درہم ہی ہونی چاہیئے۔اس پر آپ کا دل خوش ہو گیا۔کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اُن کے شاملِ حال ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے الہام ہوا کہ اے بایزید! تو عبادت تو کرتا ہے مگر اس سے کوئی بہتر چیز ہمارے سامنے پیش کر۔میں نے عرض کیا، اے رب ذوالجلال تیرے پاس کیا چیز نہیں جو لاؤں! الہام ہوا، اے بایزید! ہمارے ہاں (۱) عاجزی (۲) انکسار (۳) بیچارگی اور (۴) شکستگی نہیں ہے وہ لا کر پیش کر۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ خلوت میں آپ کی زبان سے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ نکلا۔جب اپنے آپ میں آئے تو مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تھا۔فرمایا تم پر خدا کی مار ہو۔اب اگر ایسا کلمہ میرے منہ سے سنو تو مجھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور ایک ایک چھری ان سب کو دے دی۔پھر جب اُن سے یہ کلمہ سرزد ہوا تو مریدوں نے قتل کے ارادہ سے چھریاں اٹھائیں مگر تمام گھر کو اُن کی شکل سے معمور پایا۔مریدانِ باصفا چھریاں چلاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ پانی پر چلا رہے ہیں۔آخر کار چڑیاں کی طرح محراب میں بیٹھے نظر آئے تو مریدوں نے تمام قصہ بیان کیا۔آپ نے فرمایا کہ بایزید تو یہ ہے جو تمھارے سامنے موجود ہے جس کو تم دیکھتے رہے وہ بایزید نہ تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شفیق بلخیؒ اور ابوتراب بخشیؒ آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے ایک مرید پاس بیٹھا تھا جو شریکِ طعام نہ تھا۔حضرت ابوتراب بخشیؒ نے اُس سے کہا کہ آؤ تم بھی کھانا کھاؤ۔اُس نے کہا میرا روزہ ہے۔انھوں نے کہا کہ کھانا کھاؤ اور ایک مہینہ کے روزوں کا ثواب حاصل کرو۔وہ نہ مانا۔پھر حضرت شفیق بلخیؒ نے اُسے کہا کہ آؤ میاں کھانا کھاؤ اور ایک برس کے روزوں کا ثواب پاؤ۔اس نے پھر انکار کیا۔اس پر آپ (حضرت بایزید بسطامیؒ) نے فرمایا کہ اسے جانے دو، یہ راندۂ درگاہ ہے۔چنانچہ چند دنوں بعد وہ چوری کے جرم میں پکڑا گیا اور اُس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے گئے۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا پیر کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک بوڑھی عورت۔اُس شخص

نے پوچھا کہ وہ کیونکر؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے غلبہ شوق میں جنگل کی راہ لی۔ وہاں ایک بڑھیا کو بوجھ اُٹھائے دیکھا۔ وہ مجھ سے کہنے لگی کہ یہ بوجھ مجھ سے بہت بھاری ہے ذرا اِسے اُٹھانا۔ اُس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں اپنے وجود کا بوجھ اُٹھانے سے قاصر تھا اُس بڑھیا کا بوجھ کیسے اٹھاتا۔ میں نے ایک شیر کی جانب اشارہ کیا، وہ آیا تو میں نے وہ بوجھ اُس کی پشت پر رکھ دیا اور بوڑھیا سے کہا کہ اب تو شہر جا کر کیا بیان کرے گی؟ اُس بڑھیا نے کہا کہ میں کہوں گی کہ آج ایک ظالم کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا کہ کیسے! اُس نے مجھ سے سوال کیا کہ شیر مکلف ہے یا غیر مکلّف؟ میں نے کہا کہ غیر مکلف۔ بڑھیا نے کہا کہ جس کو خدا تکلیف نہ دے اور اُس کو تو تکلیف دے تو تو ظالم ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ظالم۔ اس پر بڑھیا نے کہا کہ پھر بھی تو چاہتا ہے کہ شہر کے لوگ جان لیں کہ شیر تیرے تابع ہے اور تو صاحبِ کرامت ہے۔ یہ سن کر میں نے توبہ کی۔

ایک مرتبہ آپ قبرستان سے واپس شہر تشریف لا رہے تھے کہ رؤسائے شہر کا ایک بگڑا ہوا نوجوان باجا بجاتا چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا۔ اُس رئیس زادے نے اپنا باجا آپ کے سر اقدس پر اس زور سے مارا کہ باجا ٹوٹ گیا اور آپ کا سر مبارک بھی پھٹ گیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ نے باجے کی قیمت اور حلوے کی ایک پلیٹ اپنے ایک مرید خاص کے ہاتھ اُس جوانِ رعنا کے پاس بھیجی اور معذرت کی کہ کل باجے کے ٹوٹنے سے اُس کا نقصان ہو گیا۔ لہٰذا اس قیمت سے نیا باجا خرید لو اور حلوہ کھا کر کل کے غم و غصہ کو فراموش کر دو۔ اُس نوجوان نے جب یہ معاملہ دیکھا تو زار و قطار روتا ہوا آپ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ معذرت چاہی، توبہ کی اور پھر شرفِ بیعت سے مشرف ہو گیا۔ اُس کے تمام ساتھی بھی بیعت ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ یہ تھا آپ کی خوش اخلاقی کا کرشمہ۔ آپ کے اخلاق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا سچا نمونہ تھا جس کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ ۔

کچھ اُن کے خُلق نے کچھ اُن کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دُنیا شاہِ ابرارؐ نے کر لی

ایک روز آپ کو ذوقِ عبادت حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ خادم کو حکم دیا کہ دیکھو! آج گھر میں کیا چیز آ گئی ہے جو سوہان روح بن گئی ہے۔ تلاش کرنے پر انگور کا ایک خوشہ نکلا، فرمایا! اسے فوراً کسی مستحق کو دے دو، ہمارا گھر میوہ فروش کی دکان نہیں ہے۔ فوراً آپ کی عبادت میں لذت و سرور پیدا ہو گیا۔

آپ کے پڑوس میں ایک آتش پرست رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی کام کی غرض سے سفر پر گیا۔ رات کو اُس کا بچہ اندھیرے کی وجہ سے روتا تھا۔ آپ اپنا چراغ اُس کے گھر لے جاتے تو وہ بچہ ہنسنے کودنے اور کھیلنے لگتا۔ جب وہ آتش پرست سفر سے واپس آیا تو بیوی نے تمام حال کہہ سنایا۔ اُس نے کہا کہ جب آپ کی روشنی ہمارے گھر آ گئی تو اب کاہے کو اندھیرے میں رہیں۔ اُسی وقت مسلمان ہو گئے۔

روایت ہے کہ ایک آتش پرست کو کسی نے کہا کہ تو مسلمان ہو جا۔ اُس نے کہا کہ اگر مسلمانی یہ ہے جو بایزید میں ہے تو وہ مجھ سے بھاری ہے اور جیسی تم میں ہے وہ مجھے منظور نہیں۔

آپ کے پاس ایک مرید تیس برس سے خدمت گزار تھا۔ آپ ہر روز اُس سے نام دریافت فرماتے، وہ بتا دیتا۔ ایک روز اُس نے کہا اے شیخ! میں تیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ ہر روز میرا نام دریافت فرماتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں مذاق نہیں کرتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ کا نام دل میں سما گیا ہے، کچھ اور یاد نہیں رہا۔ ہر روز تیرا نام پوچھتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے ایسی نصیحت فرمائیے جس سے میری نجات ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ دو باتیں یاد کر لے یہی کافی ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ دانا و بینا ہے تیرے تمام حال سے آگاہ اور تیرے ہر کام کو دیکھتا ہے۔ دوم یہ کہ تیرے عمل سے بے نیاز ہے۔

ایک روز کسی شخص نے عرض کیا کہ اپنے پوستین کا ایک ٹکڑا مجھے دے دیجیے کہ آپ کی برکت حاصل ہو فرمانے لگے کہ میرا پوستین پہننے کا کیا فائدہ جب کہ میرے جیسے عمل نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ سچا عابد اور سچا عامل وہ ہے کہ جو اپنی جدوجہد کی تلوار سے اپنی تمام خواہشات کا سر کاٹ دے اور اُس کی تمام شہوات و تمنائیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جائیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اُسے بھی وہی پسند ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اُس کی بھی وہی مرضی ہو۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

ایک دفعہ ارشاد کیا کہ (۱) اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی یہی نشانی ہے کہ لوگوں سے دور رہے۔ (۲) عارف کے لیے یہ ادنیٰ سی بات از بس ضروری ہے کہ مال و دولت سے محترز رہے۔ (۳) نیک لوگوں کی صحبت نیک کام کرنے سے بہتر ہے اور بُرے لوگوں کی صحبت برے کام کرنے سے بری ہے۔ کیونکہ

صحبتِ صالح تُرا صالح کُند
صحبتِ طالع تُرا طالع کُند

(۴) جس نے اپنی خواہشات ترک کر دیں اُس نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا۔ (۵) اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرو جیسے کہ تم ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کو دوست نہ رکھے۔ (٦) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور قریب سب سے زیادہ وہ شخص ہے کہ لوگوں کی تکلیفیں برداشت کرے اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

ایک دفعہ کسی نے دریافت کیا کہ آپ بھوک کی کیوں زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر فرعون بھوکا ہوتا تو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی[1] نہ کہتا۔ کسی نے دریافت کیا کہ متکبر کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا کہ جو دنیا میں اپنے آپ سے زیادہ خبیث چیز دیکھے پھر فرمایا کہ مردوں کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دل نہ لگائیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اے بایزید! رات کو جنگل میں آرام و سکون سے سوتے ہو۔ قافلہ تو چلا گیا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کامل تو وہ ہے جو رات کو سو جائے اور صبح کو قافلہ اُترنے سے پہلے

---

1 ترجمہ: میں تمہارا سب سے اُونچا رب ہوں۔ (پارہ: 30، سورۃ النّٰزعٰت، آیۃ: 24)

منزل پر پہنچ جائے۔ حضرت ذوالنون یہ سن کر رو پڑے اور کہا کہ بایزید! تمھیں مبارک ہو، میں اس مرتبے کو نہیں پہنچا۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے آپ کو لکھا کہ ایسے شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کہ جو ایک جامِ ازلی سے ایسا مست ہو گیا ہے کہ اُس کی مستی ابد تک جاری رہنے والی ہو گئی ہے۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ یہاں ایک ایسا فرد بھی موجود ہے جو ازل و ابد کے بحر بیکراں کو پی کر بھی یہی کہتا ہے کہ کچھ اور مل جائے۔ پھر ایک مرتبہ یحییٰ بن معاذ نے تحریر کیا کہ میں آپ کو ایک راز بتانا چاہتا ہوں لیکن اُس وقت بتاؤں گا جب ہم دونوں شجرِ طوبیٰ (بہشت کا ایک عظیم الشان درخت) کے نیچے کھڑے ہوں گے اور قاصد کو ایک ٹکیہ دے کر یہ ہدایت بھی فرما دی کہ بایزید سے کہنا اس کو کھالیں کہ یہ آبِ زمزم سے گوندھی گئی ہے۔ جواباً حضرت بایزید نے تحریر فرمایا کہ جس جگہ خدا تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے۔ وہاں جنت اور طوبیٰ دونوں موجود ہوتے ہیں۔ اور ٹکیہ اس لیے واپس کر رہا ہوں کہ آبِ زمزم سے گوندھنے کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ کسے معلوم کہ جو بیج بویا گیا تھا وہ کسبِ حلال کا تھا یا کسبِ حرام کا۔ مجھے اس ٹکیہ کے حلال ہونے میں شک ہے۔

ایک دفعہ ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قحط کی شکایت کی اور عرض کیا کہ دُعا فرمائیے، بارش ہو جائے۔ یہ سن کر آپ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اُٹھا کر فرمایا جاؤ! اپنے پرنالوں کو درست کر لو۔ فوراً بارش آ گئی اور مسلسل ایک دن ایک رات برستی رہی۔

حضرت ابوسعید میخوارنیؒ آپ کی خدمت میں بغرض امتحان آئے۔ آپ نے فرمایا! میرے مرید ابوسعید راعی کے پاس جاؤ کیونکہ ولایت و کرامت ہم نے اُسے بخش دی ہے۔ جب ابوسعید کے وہاں پہنچے تو راعی کو دیکھا کہ صحرا میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بھیڑیے نے آپ کی بھیڑوں کی گلہ بانی کے فرائض سنبھال رکھے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کیا چاہتے ہو؟ کہا گرم روٹی اور انگور۔ راعی نے ہاتھ کی لکڑی کے دو ٹکڑے کر کے ایک اپنے آگے اور دوسرا اُس کے آگے گاڑ دیا۔ فوراً انگور لگ گئے مگر راعی کی طرف سفید اور اُس کی طرف سیاہ تھے۔ اُس نے راعی سے سبب پوچھا۔ راعی نے جواب دیا کہ میری طلب بطور یقین اور تیری طلب بطور امتحان تھی۔ ہر چیز کا رنگ اُس کے حال کے موافق ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد راعی نے ابوسعید میخوارنیؒ کو اپنی گدڑی دی اور فرمایا کہ اسے سنبھال کر رکھنا مگر جب وہ حج کو گئے تو عرفات میں گم ہو گئی۔ جب بسطام واپس آئے تو راعی کے پاس دیکھی۔

ایک دفعہ ملک رُوم میں لشکرِ اسلام کے مقابلے میں کفار کا لشکر جرار تھا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست فاش ہو کہ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے یہ آواز سنی۔ ''بایزید دریاب'' (اے بایزید خبر لیجیو) اُسی وقت خراسان کی طرف سے آگ نمودار ہوئی جس کی دہشت سے لشکر کفار میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یہ تھیں آپ کی کشف و کرامات۔

آپ کی وفات حسرت آیات 15 شعبان 269ھ (883ء) بروز جمعتہ المبارک بعمر شریف 133 سال بسطام شہر میں ہوئی۔ وصال کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ کا حال دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا۔ بوڑھے تو میرے واسطے کیا لایا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ خداوندا! جب کوئی فقیر بادشاہ کی درگاہ میں

آتا ہے تو اُس سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تو ہمارے واسطے کیا لایا ہے بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ تو کیا مانگتا ہے۔

جب آپ کو دفن کیا گیا تو شیخ احمد خضرویہ کی بیوی زیارت کو آئی۔ زیارت سے فارغ ہو کر کہنے لگی۔ تم جانتے ہو کہ شیخ بایزید کون تھے! لوگوں نے کہا تو بہتر جانتی ہے۔ کہنے لگی کہ ایک رات میں طواف کعبہ کر رہی تھی، کچھ دیر بعد بیٹھ گئی اور سو گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ میں نے عرش کے نیچے ایک بیابان دیکھا جس کی لمبائی اور چوڑائی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ تمام بیابان گل وگلزار بنا ہوا تھا اور اُس کے پھولوں کی ہر پتی پر لکھا ہوا تھا کہ بایزید ولی اللہ تھا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ آپ کی زیارت کو آئے تو فرمانے لگے کہ یہ وہ جگہ ہے کہ دنیا میں جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ یہاں آ کر ڈھونڈے۔

کلماتِ قدسیہ

(1) آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ معرفت کس طرح حاصل کی؟ جواب دیا کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔

(2) میں نے تیس (30) سال مجاہدے میں گزارے۔ اس عرصہ میں کسی چیز کو اپنے اوپر ایسا سخت نہ پایا جیسا کہ علم اور اُس پر عمل کو۔ اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں ایک اجتہاد پر رہتا یعنی متفق علیہ قول پر میرا عمل ہوتا۔ علماء کا اختلاف سوائے تجرید توحید کے رحمت ہے۔

(3) شیخ عمی بسطامی (آپ کے برادر زادہ اور مرید صادق) کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے سنا کہ بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ اُس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے اور وہ زہد وتقویٰ میں مشہور ومعروف ہے۔ جب ہم اُس کے پاس گئے تو وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوا اور قبلہ رُو تھوکا۔ یہ دیکھ کر آپ واپس آ گئے کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کرتا ہے یہ کیسے اپنے دعویٰ ولایت میں سچا ہو سکتا ہے۔

(4) میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کروں گا کہ وہ مجھے کھانے کی طلب اور عورتوں کی چاہت سے بچائے۔ پھر خیال آیا کہ یہ سوال میرے واسطے کس طرح جائز ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال نہیں کیا لہٰذا باز رہا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے عورتوں کی رغبت سے ایسا بچایا کہ مجھے کبھی پروا نہیں رہی کہ میرے سامنے عورت کھڑی ہے یا دیوار۔

(5) اگر تم کسی شخص میں کرامات دیکھو اور وہ ہوا میں اُڑ کر دکھائے تو اُس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ (۱) امرونہی، (۲) حفظِ حدود اور (۳) آدابِ شریعت میں کیسا ہے۔

(6) آپ نے آخری وقت فرمایا: (۱) خدایا میں نے تجھ کو یاد نہ کیا مگر غفلت سے اور (۲) تیری عبادت نہ کی مگر سستی سے۔

(7) ایک رات میں نے اپنے حجرے میں پاؤں پھیلا لیے۔ ہاتف نے مجھے آواز دی کہ بادشاہوں کی صحبت میں اس طرح نہیں بیٹھا کرتے۔ حسن ادب سے بیٹھنا چاہئے کیونکہ

ادب ضرور ہے شاہوں کے آستانے کا

(8) میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ پہچانا اور اللہ کے ماسوا کو اللہ کے نُور کے ساتھ پہچانا۔

(9) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نعمتوں سے نوازا تا کہ وہ اپنے اللہ کا شکر ادا کریں اور اُسے یاد کریں مگر وہ نعمتیں پا کر غافل ہو گئے۔

(10) اے خدا! تُو نے مخلوق کو اُن کے علم کے بغیر پیدا کیا اور اُن کے ارادے کے بغیر اُن کے گلے میں امانت ڈال دی۔ پس اگر تو ان کی مدد نہ کرے گا تو اور کون کرے گا؟

(11) آپ سے دریافت کیا گیا کہ سنت وفریضہ کیا ہے! فرمایا کہ سنت تمام دنیا کا ترک کرنا اور فریضہ اللہ کے ساتھ صحبت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سنت تمام ترکِ دنیا پر دلالت کرتی ہے اور کتاب تمام صحبتِ مولیٰ پر دلالت کرتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام اُس کی ایک صفت ہے اور نعمتیں ازلی ہیں۔ پس واجب ہے کہ ان کا شکر ازلی ہو۔

(12) میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا، اے میرے پروردگار! میں تجھے کس طرح پاؤں؟ ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کو چھوڑ اور میری طرف آ۔

(13) آپ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے۔ فرمایا جب اپنی ذات کے لیے کوئی مقام وحال نہ دیکھے اور نہ لوگوں میں اپنے سے کسی کو بدتر سمجھے (بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اسی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔ ع

پڑی جو اپنی برائیوں پہ نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

(قُصوری)

(14) عام مسلمانوں کے مقام کی انتہاء اولیاء اللہ کے مقام کی ابتداء ہے۔ اور الیاء اللہ کے مقام کی انتہاء شہداء کے مقام کی ابتدا ہے اور شہداء کے مقام کی انتہاء صدیقوں کے مقام کی ابتدا ہے اور صدیقوں کے مقام کی انتہاء نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے اور نبیوں کے مقام کی انتہاء رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے اور رسولوں کے مقام کی انتہاء حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کی ابتداء کسی کو بھی معلوم نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی آپ کے مقام ومرتبے کو جانتا ہے۔ روزِ ازل اور روز میثاق روحوں کا مقام انھی مراتب پر تھا جو اوپر درج کر دیے گئے ہیں اور روزِ قیامت بھی یہی مراتب ہوں گے۔

اور انھی مراتب پر ہی اُن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے اسرار نصیب ہوں گے۔

(15) آپ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کی صحیح تعریف کیا ہے؟ فرمایا کہ جس کے ذریعے خدا سے ملاقات ہو سکے۔

(16) فرمایا کہ تیس (30) سال تک اللہ تعالیٰ میرا آئینہ بنا رہا لیکن اب میں خود آئینہ بن گیا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے اُس کی یاد میں خود کو بھی فراموش کر دیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ میری زبان بن چکا ہے یعنی میری زبان سے نکلنے والے کلمات گویا نطقِ خداوندی سے نکلتے ہیں اور میرا وجود درمیان سے ختم ہو جاتا ہے۔

(7)

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ

	352ھ	425ھ
خرقان	————————	خرقان
	963ء	1033ء

مادۂ تاریخ رحلت

''واصل رحمٰن''	''شاہِ احسن''	''نورحقانی''
425ھ	425ھ	425ھ
''بیتِ جُود''	''محبوب وطیب قمر''	''مطلع انوارحی''
425ھ	425ھ	425ھ

حضرت شیخ اُبوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا اسمِ گرامی علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے۔ طریقت میں بطریق اویسیت حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کی روحانی تربیت ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت حضرت بایزید کی وفات کے بعد 352ھ (963ء) میں ہوئی۔

آپ مشائخ کے سردار، اوتاد وابدال کے قطب اور اہل طریقت وحقیقت کے پیشوا تھے توحید و معرفت میں کمال کے درجہ پر فائز تھے۔ اُن کے شب و روز ریاضت ومجاہدہ اور حضور ومشاہدہ میں گزرتے تھے۔ آپ کے زہد وعبادت، تقویٰ و پرہیز گاری اور سلوک ومعرفت کے پیش نظر ہی حضرت شیخ ابوالعباس قصابؒ نے فرمایا تھا کہ ہمارے بعد ہمارا بازار ابوالحسن خرقانی سنبھال لیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت استاذ ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں جب خرقان کی حدود میں داخل ہوا تو حضرت ابوالحسن خرقانی کی دہشت سے میری فصاحت وبلاغت جاتی رہی میں نے خیال کیا کہ میں اپنی ولایت سے معزول ہو گیا۔

اوائل زندگی میں آپ کا یہ معمول تھا کہ نمازِ عشاء باجماعت خرقان میں ادا کر کے حضرت بایزیدؒ کے مزار مقدس بسطام کی زیارت کے لیے روانہ ہو جاتے وہاں پہنچ کر یوں دعا کرتے۔

''خدایا! جو خلعت تو نے بایزیدؒ کو عطا کیا ہے وہ ابوالحسن کو بھی عطا فرما۔''

پھر زیارت سے فارغ ہو کر خرقان واپس ہوتے اور تمام راستے میں اپنے شیخ کے مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے اور نمازِ فجر عشاء کے وضو کے ساتھ خرقان میں ادا کرتے۔ بارہ برس کی مسلسل حاضری اور دعاؤں کے بعد مزار مبارک سے آواز آئی، اے ابوالحسنؒ! اب تمہارے بیٹھنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ سن کر عرض کیا کہ میں ان پڑھ ہوں رموزِ شریعت سے چنداں واقف نہیں۔ آواز آئی کہ تم نے جو کچھ خدا سے مانگا وہ تمھیں مل گیا۔ فاتح شروع کیجیے۔ جب آپ خرقان واپس پہنچے تو قرآن مجید ختم کر لیا اور علومِ ظاہری و باطنی آپ پر منکشف ہو گئے۔

ایک روز آپ بہت سے درویشوں کے ساتھ خانقاہ میں تشریف فرما تھے اور سات دن سے فاقہ گزار رہے تھے۔ ایک شخص آٹے کی ایک بوری اور ایک بکری لے کر حاضر ہوا اور آواز دی کہ میں یہ صوفیوں کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے درویشوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو صوفی ہو لے لے، مجھ میں تو جرأت نہیں ہے کہ تصوف کا دعویٰ کروں۔ یہ سن کر کسی نے بھی نہ لیا اور شخص واپس لے گیا۔

روایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامی ہر سال ایک مرتبہ دہستان میں شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ جب موضع خرقان سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور اس طرح سے سانس لیتے جیسے کوئی خوشبو سونگھتا

ہے۔ مریدوں نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی بوسونگھتے ہیں ہم کو تو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کے اس گاؤں سے ایک مردِ خدا کی خوشبو آتی ہے جس کا نام علیؒ اور کنیت ابوالحسن ہے۔ اُس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی (۱) وہ اہل وعیال کا بوجھ اٹھائے گا۔ (۲) کھیتی باڑی کرے گا (۳) اور درخت لگایا کرے گا۔

آپ زہد وتقویٰ اور پابندی شریعتِ مطہرہ کے معاملے میں عبقریٔ عصر اور نابغۂ روزگار تھے چالیس سال تک آپ نے سر تکیہ پر نہیں رکھا اور صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اپنا خرقہ پہنائیں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھے ایک مسئلہ کا جواب دو کہ اگر عورت مرد کے کپڑے پہن لے تو کیا وہ مرد بن جائے گی۔ اس شخص نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر خرقہ سے کیا فائدہ۔ اگر تو مرد نہیں تو خرقہ پہننے سے مرد نہیں ہوسکتا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت بخشیں کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دُوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف دعوت دینا۔ خبردار، کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی طرف دعوت دینے لگ جاؤ۔ اُس نے عرض کیا کہ اپنی طرف دعوت کیسی ہوتی ہے! فرمایا اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی اور شخص بھی لوگوں کو اللہ کی دعوت دے اور تجھے ناگوار گزرے تو یہ اپنی طرف دعوت دینے کی نشانی ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ اُس وقت گھر پر تشریف فرما نہیں تھے اُس نے آواز دی تو آپ کی بیوی نے جواب دیا کہ اس زندیق اور کذاب سے تجھے کیا غرض ہے۔ پھر اس کے علاوہ بے شمار نازیبا کلمات کہے اُس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس شخص کی بیوی منکر ہے وہ کیسے باوقار، باخدا اور باکرامت ہوسکتا ہے۔ خیر آپ کی تلاش میں جنگل کو نکل گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ ایک شیر پر لکڑیوں کا گٹھار کھ کر چلے آرہے ہیں عرض کیا کہ کیا معاملہ سمجھ سے باہر ہے گھر کا وہ حال اور باہر کا یہ حال۔ آپ نے ارشاد کیا کہ جب میں ایسی بکری (یعنی بیوی) کا بوجھ برداشت نہیں کروں گا، تو شیر میرا بوجھ کیسے اُٹھائے گا۔

آپ کی کرامت بیحد وحساب ہیں۔ ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے تا کہ آپ کی عظمت وسطوت کا اندازہ ہوسکے۔

(1) سلطان محمود غزنویؒ آپ کی زیارت کے ارادے سے خرقان پہنچا۔ ایک شخص کی زبانی آپ کو یہ پیغام بھیجا کہ سلطان آپ کی زیارت کے لیے غزنی سے آیا ہے اگر آپ خانقاہ سے باہر تشریف لا کر سلطان کی بارگاہ میں قدم رنجہ فرمائیں تو آپ کی عنایت سے کچھ بعید نہ ہوگا اور قاصد سے کہہ دیا کہ اگر شیخ انکار کریں تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھ دینا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور اُن کا جو حکومت والے ہیں تم میں سے۔

(پارہ:5، سورۃ النساء آیۃ:59)

قاصد نے جب آپ کو یہ پیغام دیا تو آپ نے انکار فرمایا۔ اس پر قاصد نے مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی۔ شیخ نے

جواب دیا کہ مجھے معذور رکھیئے اور محمود سے کہہ دیجئے کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول[1] سے بھی شرمندہ ہوں اولی الامر تو ایک طرف رہا۔ جب قاصد نے سلطان محمودؒ سے یہ جواب عرض کیا تو سلطان آبدیدہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ آؤ ہم خود اُس کی بارگاہ میں جبینِ عقیدت جھکائیں۔ یہ مردِ خدا ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے خیال کیا تھا۔ اپنا شاہی لباس اپنے غلام ایاز کو پہنایا اور خود ایاز کے کپڑے پہن لیے۔ دس لونڈیوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر آپ کے امتحان کی غرض سے خانقاہ شریف کا رخ کیا۔ سب نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ نے سلام کا جواب دیا مگر تعظیم کے لیے نہ اُٹھے۔ پھر آپ نے سلطان کی طرف توجہ کی اور ایاز کی طرف مطلق نگاہ نہ کی۔ سلطان محمود نے عرض کیا کہ آپ سلطان کی تعظیم کے لیے نہیں اُٹھے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ یہ سب کچھ جال ہے محمود نے کہا ہاں جال ہے مگر اس کا پرندہ آپ نہیں ہیں۔ پھر آپ نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا! آگے آؤ، تم مقدم ہو۔ پس سلطان محمود بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا کہ نامحرموں کو نکال دو۔ محمود نے اشارہ کیا اور وہ لونڈیاں باہر چلی گئیں پھر عرض کیا کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی حکایت ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا سنو کہ انھوں نے فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا وہ بدبختی سے محفوظ ہوگیا۔ محمود نے کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ تو بایزید سے زیادہ تھا پھر ابوجہل اور ابولہب جنھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کیوں شقی رہے۔ آپ نے ارشاد کیا: اے محمود ادب کو ملحوظ رکھ اور اپنی بساط سے باہر پاؤں مت رکھ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے صحابہ کرام کے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی دلیل قرآن حکیم میں یوں ہے۔

وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ. (پارہ:9، اعراف، آیۃ:198)	اور تو اُن کو دیکھتا ہے کہ وہ چشم ظاہر سے تیری طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ چشم بصیرت سے تجھے نہیں دیکھتے۔

محمود! ابوجہل اور ابولہب نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چشم ظاہر سے دیکھا جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے چشم باطن سے دیکھا۔ ابوجہل اور ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یتیم کی حیثیت سے دیکھا۔ جب کہ صحابہ کرام نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے دیکھا'' یہ بات محمود کے دل کو بہت اچھی لگی اور عرض کرنے لگا کہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو اختیار کیجیے: (۱) پرہیزگاری، (۲) نماز باجماعت، (۳) سخاوت، (۴) خلقِ خدا پر شفقت۔

سلطان محمود نے التجا کی کہ میرے لیے دُعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ میں پانچوں وقت دعا کرتا ہوں۔

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، ارشاد فرماتے ہیں کہ ''حضرت شیخ (ابوالحسن خرقانیؒ) نے حق سبحانہ، کی اطاعت کو اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مغائر جانا۔ یہ بات استقامت سے دُور ہے۔ مستقیم الاحوال مشائخ اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور شریعت وطریقت وحقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہ کی اطاعت کو اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق سبحانہ کی اطاعت کو جو اُس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کے مغائر ہو عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔'' خلاصہ یہ کہ حضرت شیخ کا یہ کلام حالتِ سکر وغلبۂ حال میں صادر ہوا ہے ورنہ اطاعتِ رسول ﷺ عین اطاعت حق سبحانہ ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اوّل مکتوب 152)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. یا اللہ! مومنین و مومنات کے گناہ بخش دے۔

سلطان نے کہا کہ خاص دُعا فرمائیے۔ فرمایا: اے محمود! تیری عاقبت محمود ہو اس کے بعد سلطان نے اشرفیوں کی تھیلی پیش کی آپ نے جو کی ایک روٹی اُس کے آگے رکھ کر فرمایا کہ اسے کھائیے۔ سلطان چباتا تھا مگر حلق سے نیچے نہ اُترتی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمھارا گلا پکڑتی ہے؟ محمود نے کہا ہاں۔ فرمایا تمھاری اشرفیوں کی تھیلی بھی اسی طرح میرا گلا پکڑتی ہے اِسے لے جاؤ۔ سلطان نے عرض کیا کہ مجھے اپنی کوئی یادگار مرحمت فرمائیے آپ نے اپنا پیراہن عطا فرمایا۔ جب محمود واپس آنے لگا تو آپ اُس کی تعظیم کو اُٹھے۔ سلطان نے کہا کہ جب میں آیا تھا آپ نے کچھ التفات نہ کی اور اب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ فرمایا۔ اُس وقت تو بادشاہی رعونت اور امتحان کی نخوت میں آیا تھا اور اب تو عاجزی و انکسار کا مجسمہ بن کر جا رہا ہے۔ لہٰذا میں تب تیری بادشاہی کے لیے نہ اُٹھا اور اب تیری درویشی کے لیے کھڑا ہو گیا۔ غرض سلطان وہاں سے چلا آیا اور جب سومنات کے مندر کو فتح کرنے کے لیے لشکر کشی کی اور شکست کا خطرہ پیدا ہونے لگا تو اضطراب و بیقراری کی حات میں گوشہ تنہائی میں آپ کے پیراہن کو ہاتھ میں لے کر اور پیشانی زمین پر رگڑ کر یوں دُعا کی۔

''الٰہی بآبروئے ایں خرقہ مرا بریں کفار ظفر دہ کہ ہر چہ ازینجا غنیمت بگیرم بدرویشاں بدہم''

ترجمہ: ''خداوندا! اس خرقہ کے طفیل اور صدقے مجھے اِن کافروں پر فتح دے یہاں سے جو مال غنیمت ہاتھ آئے گا وہ سب کا سب درویشوں محتاجوں اور حاجت مندوں کو دے دُوں گا۔''

اچانک لشکرِ کفار کی طرف سے رعد و ظلمت (آسمانی بجلی کی کڑک اور تاریکی) اس شدتِ سے نمودار ہوئی کہ انھوں نے ایک دوسرے کو ہی تہ تیغ کیا اور باقی ماندہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اس طرح اسلامی لشکر کو فتح و نصرت نصیب ہوئی۔ اُسی رات محمود نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ فرما رہے ہیں۔ اے محمود! تُو نے ہمارے پیراہن کی قدر نہ کی، اگر تُو اس وقت خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ تمام کفار مسلمان ہو جائیں تو سب مسلمان ہو جاتے۔

(2) ایک روز حضرت شیخ عبداللہ داستانی رحمۃ اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت آپ کے آگے ایک تھال پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ شیخ موصوف نے تھال میں ہاتھ ڈال کر ایک زندہ مچھلی نکال کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے نظر کی تو سامنے ایک گرم تنور نظر پڑا۔ آپ نے اُس میں ہاتھ ڈال کر زندہ مچھلی نکال لی اور فرمایا کہ پانی میں سے زندہ مچھلی کا نکالنا آسان کام ہے مزا تو جب ہے کہ آگ سے نکالی جائے۔ شیخ نے کہا۔ آؤ ہم دونوں اس تنور میں کود پڑیں، پھر دیکھیں کہ کون زندہ نکلتا ہے۔ آپ نے فرمایا، اے عبداللہ! آ ہم اپنی نیستی میں چلے جائیں اور پھر دیکھیں کہ اُس کی ہستی کے ساتھ کون نکلتا ہے شیخ نے اس پر خاموشی اختیار کر لی۔

(3) آپ کے ایک مرید نے درخواست کی کہ مجھے کوہِ لبنان میں جا کر قطبِ عالم کی زیارت کرنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ آپ نے اجازت دے دی جب وہ مرید سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے لبنان پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے لوگ ایک جنازہ سامنے رکھے قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ مرید نے پوچھا کہ نماز جنازہ کیوں نہیں

پڑھتے۔ انھوں نے کہا کہ قطب عالم کا انتظار ہے۔ وہ ہر روز یہاں پانچوں وقت کی امامت کرتے ہیں۔ یہ سن کر مرید خوش ہوا کہ اب زیارت ہو جائے گی۔ قطبِ عالم تشریف لائے اور امام بن کر نماز جنازہ ادا کی۔ مرید پر دہشت طاری ہو گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگ مردہ کو دفنا چکے تھے اور قطب عالم تشریف لے جا چکے تھے۔ مرید نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا جو قطبِ عالم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ حضرت ابوالحسن خرقانی ہیں۔ مرید نے پھر پوچھا کہ اب کب تشریف لائیں گے؟ لوگوں نے بتایا کہ اب دوسری نماز کے وقت جلوہ افروز ہوں گے۔ اس پر مرید رونے لگا اور کہا کہ میں اُن کا مرید ہوں مجھے معلوم نہ تھا کہ قطب عالم وہی ہیں ورنہ یہ دور دراز کا سفر اختیار نہ کرتا۔ تم میری سفارش کرنا کہ وہ مجھے خرقان لے چلیں۔ جب نماز کا وقت آیا، آپ تشریف لائے۔ امامت فرمائی اور جب سلام پھیرا تو مرید نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا کہ میں پشیمان و شرمسار ہوں خدارا مجھے بھی خرقان لے چلیں آپ نے فرمایا کہ تجھے اس شرط پر خرقان لے چلتا ہوں کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ اس جہان میں مجھے خلقت سے پوشیدہ رکھے۔ چنانچہ مجھے سوائے بایزید بسطامی کے کسی مخلوق نے نہیں دیکھا۔

(4) آپ سماع بالکل نہیں سنتے تھے لیکن جب شیخ ابوسعید آپ کی زیارت کے لیے آئے تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اجازت طلب کی کہ قوال کچھ گائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں سماع کی بالکل رغبت نہیں ہے مگر آپ کی موافقت اور دلجوئی کے لیے سن لیتے ہیں قوالوں نے ایک شعر پڑھا تو شیخ ابوسعید نے کہا اے شیخ! اب وقت ہے کہ آپ اُٹھیں۔ آپ اُٹھے اور اپنی آستین کو تین بار حرکت دی اور سات مرتبہ قدم مبارک زمین پر مارا۔ خانقاہ کی تمام دیواریں آپ کی موافقت میں ہلنے لگیں۔ شیخ ابوسعید نے کہا یا شیخ! اب بس کیجئے ورنہ خانقاہ کی تمام دیواریں خراب ہو جائیں گی اور قسم ہے خداوند ذوالجلال کی عزت کی کہ زمین و آسمان بھی آپ کی موافقت میں رقص کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، آپ ابوسعید! سماع اُس شخص کے لیے جائز ہے جس کی نظر اوپر عرشِ معلیٰ تک اور نیچے تحت الثریٰ تک ہو اور پھر اپنے مریدوں سے ارشاد کیا کہ اگر تم سے کوئی دریافت کرے کہ رقص کیوں کرتے ہو تو یہ جواب دینا کہ ان لوگوں کی موافقت میں جو ہو گزرے ہیں اور وہ ایسے ہوا کرتے ہیں۔

(5) ایک دفعہ حضرت شیخ ابوسعیدؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ کے ہاں جو کی چند روٹیاں موجود تھیں جو آپ کی بیوی نے خود پکائی تھیں۔ لوگوں کا خاصا اجتماع تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ ان روٹیوں پر چادر ڈال دو اور جتنی روٹیاں چاہو نکال کر باہر بھیجتی رہو۔ بیوی نے ایسا ہی کیا، خادم روٹیاں لاتا رہا اور لوگ ذوق و شوق سے کھاتے رہے مگر وہ روٹیاں جوں کی توں باقی بچی رہیں۔ مگر جب آپ کی بیوی نے

چادر اُٹھادی تو کوئی روٹی باقی نہ رہی۔ آپ نے بیوی سے کہا کہ تُو نے غلطی کی، اگر چادر نہ اُٹھاتی تو قیامت تک اسی طرح اس چادر کے نیچے سے روٹیاں نکلتی رہتیں اور خلقِ خدا کھاتی رہتی۔

(6) شیخ بوعلی سینا آپ کی شہرت سے متاثر ہوکر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے جب آپ کے دولت خانے پر پہنچے تو آپ ایندھن لانے کے لیے جنگل کی طرف گئے ہوئے تھے آپ کی بیوی سے پوچھا کہ کب واپس تشریف لائیں گے۔ بیوی نے جواب دیا کہ تم کو ایسے زندیق کذاب سے کیا کام ہے! اور بہت کچھ نازیبا اور غیر شائستہ باتیں کیں۔ بوعلی سینا کے دل میں خیال آیا جس کی بیوی ہی منکر ہے اُس کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ کی زیارت کے لیے جنگل کی راہ لی۔ ناگاہ دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور درمنہ (جو ہری جوائن کی گھاس) کا گٹھا شیر پر لدا ہوا ہے۔ بوعلی نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ یا شیخ! یہ کیا حالت ہے! آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایسے بھیڑیے (یعنی بیوی کی بدزبانی) کا بوجھ نہ اُٹھاؤں تو شیر میرا بوجھ کیسے اُٹھائے۔

جب دولت خانے پر واپس آئے تو بوعلی بیٹھ گئے اور آپس میں بہت سی باتیں ہوئیں آپ نے دیوار بنانے کے لیے گارا تیار کیا ہوا تھا، فرمانے لگے میں نے دیوار بنانی ہے لہٰذا معذور سمجھئے۔ یہ فرما کر دیوار بنانے لگے اچانک تیشہ آپ کے ہاتھ سے گر پڑا۔ بوعلی سینا نے اُٹھا کر پکڑانا چاہا مگر اُس سے قبل ہی تیشہ آپ کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر بوعلی سینا کے دل میں آپ کی عقیدت و محبت مزید مستحکم ہوگئی۔

آپ کی وفات مبارک کا وقت قریب آیا تو وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا تا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ فرمائی کہ خرقان کی نسبت بسطام شہر پستی میں واقع تھا۔ اگر آپ کی قبر اونچی رہتی تو یہ ترکِ ادب ہوتا کہ پیر کی قبر نیچے اور مرید کی قبر بلند۔ 10 محرم 425ھ (1033ء) کو آپ کا وصال ہوا اور خرقان میں آخری آرام گاہ بنی جو آج تک مرجع خاص و عام ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا جو شخص میرے سنگِ مزار پر ہاتھ رکھ کر دُعا مانگے گا وہ قبول ہوجائے گی اور یہ بات بارہا تجربہ میں آچکی ہے۔ حکیم الامت اقبالؒ نے یوں ہی تو نہیں کہہ دیا کہ

کیمیا پیدا کن از مشتے گلے
بوسہ زن بر آستانے کاملے

ارشاداتِ قدسیہ

(1) ایک دن آپ نے اپنے مریدوں سے پوچھا کہ کون سی چیز بہتر ہے! انھوں نے عرض کیا، یا شیخ آپ ہماری نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ دل بہتر ہے جس میں خدا کی یاد ہو۔''

(2) لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ صوفی کی کیا تعریف ہے؟ آپ نے فرمایا: صوفی وہ نہیں ہوتا جس کے پاس گدڑی اور جانماز ہو اور رسوم و عادات صوفیوں جیسی رکھتا ہو بلکہ صوفی وہ ہوتا ہے جو نیست (فنا و معدوم) ہو اور

صوفی اُس دن ہوتا (بنتا) ہے جب اُس کو آفتاب کی حاجت نہ ہو اور اس رات ہوتا ہے جب اُسے چاند اور ستاروں کی محتاجی نہ ہو اور ایسا نیست ہوتا ہے کہ ہستی کی حاجت نہ ہو۔

(3) آپ سے پوچھا گیا کہ صدق کیا چیز ہے؟ صدق یہ ہے کہ دل سے بات کہے یعنی وہ بات کہے جو اُس کے دل میں ہو۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق!

(قصوری)

(4) آپ سے دریافت کیا گیا کہ مرد کس چیز سے اپنے آپ کو پہچانے کہ وہ جاگتا ہے۔ فرمایا: اس بات سے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو سر سے قدم تک اُس کا تمام جسم یادِ الٰہی سے باخبر ہو۔

(5) آپ سے پوچھا گیا کہ اخلاص کس چیز کا نام ہے۔ فرمایا: جو کچھ تو خدا کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے وہ اخلاص ہے اور جو کچھ لوگوں کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے وہ ریا ہے۔

(6) آپ سے دریافت کیا گیا کہ فنا، بقا میں کلام کرنے کا حق کس کا ہے۔ فرمایا: اُس شخص کا کہ جو ایک تار سے آسمان سے لٹکتا ہو اور ایسی تیز آندھی چلے کہ درختوں عمارتوں اور ہر چیز کو تہ و بالا کر دے، تمام پہاڑوں کو اکھیڑ دے اور تمام دریاؤں، صحراؤں اور سمندروں کو اُلٹ دے مگر اُس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔

(7) اُس شخص کے ساتھ ہرگز صحبت نہ رکھو جس کے سامنے تم خدا کا ذکر کرو اور وہ کچھ اور کہے۔

(8) غم و اندوہ کی طلب کر یہاں تک کہ تیری آنکھ سے آنسو نکل پڑیں کیونکہ اللہ تعالیٰ رونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(9) اگر کوئی شخص راگ گائے اور اس کی وساطت سے خدا کو طلب کرے، وہ اس شخص سے بہتر ہے جو قرآن پڑھے اور اُس کے ذریعے سے خدا کو طلب نہ کرے۔

(10) حضور سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کی پیروی کرنے نہ کہ وہ شخص جو کاغذ کو سیاہ کرے۔

(11) حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا یہ بھی طلب ہے۔

(12) آج چالیس (40) سال ہو گئے ہیں کہ میں ایک ہی حالت میں ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے دل کو دیکھتا ہے اور اپنے سوا کسی اور کو نہیں پاتا۔ مجھ میں غیر اللہ کے لیے کوئی شے باقی نہیں رہی اور نہ ہی میرے سینے میں غیر کے لیے قرار رہا ہے۔

(13) دُنیا میں عالم و عابد بہت ہیں لیکن تجھے ایسا ہونا چاہیئے کہ تو صبح سے شام اور شام سے صبح اس طرح کرے جیسا کہ خدا تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

(14) چالیس (40) سال سے میرا نفس ٹھنڈے پانی یا کھٹی چھاچھ (کھٹی لسی) کا ایک گھونٹ طلب کرتا ہے مگر اب تک میں نے اُس کو نہیں دیا۔

(15) دلوں میں سب سے روشن دل وہ ہے کہ جس میں مخلوق نہ ہو اور کاموں میں سب سے اچھا کام وہ ہے جس میں مخلوق کا ڈر نہ ہو اور نعمتوں میں ۔ سے سب سے حلال وہ نعمت ہے جو تیری کوشش اور ہمت سے ہو اور رفیقوں میں سب سے اچھا وہ رفیق ہے جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لیے بسر ہو۔

(16) مجھے تین چیزوں کی غایت (انتہا) معلوم نہیں ہوئی۔ (۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات (۲) نفس کا مکر۔ (۳) معرفت۔

(17) میں نے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز سنی۔ میرے بندے! اگر تو غم کے ساتھ میرے سامنے آئے گا تو تجھے خوش کروں گا، اگر حاجت وفقر کے ساتھ آئے گا تو تجھے تونگر (امیر) کردوں گا اور جب تو اپنے آپ سے بالکل دست بردار ہو جائے گا تو پانی اور ہوا کو تیرے مطیع کردوں گا۔

(18) میں نے پایا دو چیزوں کو دو چیزوں میں۔ (۱) عافیت تنہائی میں اور (۲) سلامتی خاموشی میں۔

(19) تمام مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں مگر مرد وہ ہے کہ ساٹھ سال کی عمر تک اُس کے نامۂ اعمال میں فرشتے کو کوئی ایسی بات نہ لکھنی پڑے کہ جس کے سبب اسے اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہونا پڑے اور اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک لحہ بھی فراموش نہ کرے۔ (آپ کے اس قول میں فلسفہ یہ ہے کہ جو مسلمان ساٹھ سال کی عمر تک تقویٰ و پرہیز گاری کے سبب گناہ سے بچا رہے گا تو اُس کے بعد اُس سے گناہ سرزد ہونے کی قوت ہی سلب ہو جاتی ہے اور اُس پر نیکی کی قوت غالب آجاتی ہے اور بدی کی قوت ناپید ہو جاتی ہے۔ قصوری)

(20) تین مقام ایسے ہیں کہ جہاں پر فرشتے اولیاء اللہ سے بہت زیادہ دہشت کھاتے ہیں۔ (۱) موت کا فرشتہ اُن کی جان نکالنے کے وقت۔ (۲) کراماً کاتبین اُن کے عمل لکھنے کے وقت اور (۳) منکر نکیر اُن سے سوال کے وقت۔

(21) ایک روز اللہ تعالیٰ نے مجھے آواز دی کہ جو بندہ تیری مسجد میں آئے گا، دوزخ کی آگ اُس پر حرام ہوگی اور جو کوئی تیری زندگی یا تیری رحلت کے بعد تیری مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے گا، قیامت کے دن عابدوں کے گروہ میں اُٹھے گا۔

(22) خدا تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو رات کو تنگ و تاریک گھر میں سوتے ہیں اور لحاف منہ پر ہوتا ہے تو آسمان کے ستاروں اور چاند کی سیر کو دیکھتے ہیں لوگوں کی اُس اطاعت اور گناہ کو دیکھتے ہیں جو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں اور لوگوں کو رزقوں کو دیکھتے ہیں جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور اُن فرشتوں کو دیکھتے ہیں جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور پھر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور آفتاب کو دیکھتے ہیں جو کہ زمین میں

گزرتا ہے۔

(23) دین کو شیطان سے اتنا اندیشہ نہیں جتنا کہ دنیا پرست عالم اور بے علم زاہد سے۔

(24) بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ زمین پر چلتے ہیں لیکن مردہ ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ وہ زمین کے اندر سوتے ہیں مگر وہ زندہ ہیں۔(حضرت سلطان باہوؒ نے اس حقیقت کو کس حسین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اِک جاگن اِک جاگ نہ جانن اِک جاگدیاں ایں ستے ہو
اِک سُتیاں ایں جا واصل ہوئے جھاں کھوہ پریم دے جتے ہو

(قصوری)

(25) کاش کہ جنت اور دوزخ کا وجود نہ ہوتا تا کہ یہ معلوم ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے پرستاروں کی تعداد کتنی ہے اور دوزخ سے بچنے کے لیے کتنے بندے اُس کی عبادت کرتے ہیں۔

(8)

حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ

434ھ — 477ھ

فارمد نزد طوس شہر ———————— طوس

1042-43ء — 1084ء

مادۂ تاریخ رحلت

"عزّت"
477ھ

"عبادت"
477ھ

حضرت شیخ ابو علی فارمدی طوسی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی فضل بن محمد بن علی اور کنیت ابوعلی ہے۔ آپ 434ھ میں طوس کے نواحی گاؤں فارمد میں پیدا ہوئے جس کی نسبت سے فارمدی کہا جاتا ہے۔

آپ نے فقہ، امام ابو حامد غزالی کبیرؒ سے پڑھی اور ابوعبداللہ بن باکو شیرازی ابومنصور تمیمی، ابوحامد غزالی کبیر، ابوعبدالرحمان نیلی اور ابوعثمانی صابونی (رحمتہ اللہ علیہم) سے سماعِ حدیث کیا۔ وعظ و تذکیر میں آپ حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ صاحب رسالہ قشیریہ'' کے شاگرد ہیں۔ علم باطن میں آپ کا انتساب دو طریقوں سے ہے ایک حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سے اور دوسرے حضرت امام ابوالقاسم گرگانی سے یہ دونوں بزرگ اپنے زمانے کے قطب اور پیشوائے مشائخ تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کی داستان یوں بیان فرمائی ہے:

''میں اوائل عمری میں نیشاپور میں تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ تو کسی نے بتایا کہ حضرت شیخ ابوسعید بن ابی الخیر قدس سرہٗ، تشریف لائے ہوئے ہیں اور وعظ فرماتے ہیں میں شوقِ زیارت سے بیتاب ہو کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن کے مقدس اور نورانی چہرے پر پہلی نظر پڑتے ہی میں دل و جان سے شیدا ہو گیا اور حضرات صوفیہ کرام کی محبت میرے دل میں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔

ایک ہی بار ہوئی وجہِ بربادئ دل
التفات اُن کی نظروں نے دوبارہ نہ کیا

ایک روز میں مدرسے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دل میں حضرت شیخ ابوسعیدؒ کی زیارت کی تمنا پیدا ہوئی اور وہ وقت شیخ کے باہر نکلنے کا نہ تھا۔ میں نے صبر کرنا چاہا مگر نہ ہو سکا۔ ناچار اٹھ کر باہر آیا اور جب چوراہے میں پہنچا تو میں نے دیکھا حضرت شیخ ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ شیخ ایک جگہ پر پہنچ کر تشریف فرما ہو گئے تو میں بھی ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گیا جہاں حضرت شیخ کی نظر مجھ پر نہ پڑتی تھی۔ محفل سماع شروع ہوئی اور شیخ کو وجد آ گیا اور حالتِ وجد میں شیخ نے اپنے کپڑے تار تار کر دیے۔ جب سماع سے فارغ ہوئے تو پھٹے ہوئے کپڑے اتار ڈالے۔ شیخ نے ایک آستین علیحدہ کر لیا اور آواز دی کہ ابوعلی طوسی کہاں ہے۔ میں نے خیال کیا کہ شیخ تو مجھے دیکھتے اور جانتے بھی نہیں شاید اُن کے کسی مرید کا نام ابوعلی ہو گا بدیں وجہ میں بالکل خاموش رہا۔ شیخ نے دوسری آواز دی تو پھر بھی میں خاموش رہا۔ تیسری بار آواز دی تو لوگوں نے کہا کہ شیخ تم کو جانتے ہیں اس لیے تمھیں ہی بلا

رہے ہیں۔ میں اُٹھ کر شیخ کے سامنے آیا تو شیخ نے وہ آستین مجھے مرحمت فرمائی اور فرمایا کہ یہ تیرا حصہ ہے۔ میں نے وہ کپڑا لیا اور آداب بجالایا اور اُسے لے جا کر ایک محفوظ جگہ میں رکھ دیا۔ میں ہمیشہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور اُن سے فیوض و برکات حاصل کرتا رہا۔ اُن کی صحبت سے بہت سے فائدے اور روشنی ظاہر ہوئی اور حالات وارد ہوئے۔

جب شیخ نیشاپور سے تشریف لے گئے تو میں استاد امام ابوالقاسم قیشریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے وہ تمام حالات بیان کیے جو مجھ پر وارد ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لڑکے! جا، علم حاصل کرنے میں مصروف رہ مگر وہ روشنی جو شیخ ابوسعید کی صحبت سے ملی تھی روز بروز زیادہ ہوتی جارہی تھی۔ میں تین سال تک مزید علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ ایک روز میں نے جب قلم دوات سے نکالا تو سفید نکلا۔ میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام معاملہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب علم تجھ سے دست بردار ہوگیا ہے لہٰذا تو بھی اُس سے الگ ہو جا اور طریقت کے کام میں مصروف ہو جا۔ چنانچہ میں اپنا سامان مدرسہ سے خانقاہ میں لے آیا اور حضرت امام کی خدمتِ بابرکت میں رہنے لگا۔ ایک روز حضرت امام، حمام میں نہا رہے تھے اور کوئی اور آس پاس نہ تھا۔ میں نے جا کر چند ڈول پانی کے حمام میں ڈالے جب حضرت امام نہا کر باہر نکلے تو نماز پڑھ کر پوچھا کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا۔ میں اس خوف سے کہ کہیں خلافِ مرضی ہو خاموش رہا۔ آپ نے پھر پوچھا میں تب بھی خاموش رہا۔ جب آپ نے تیسری بار پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ یہ خادم تھا۔ حضرت امام نے ارشاد فرمایا: کہ اے ابوعلیؒ! جو کچھ میں نے ستر سال میں پایا تو نے پانی کے ایک ڈول سے پالیا۔ کچھ عرصہ میں حضرت امام کی خدمت میں مجاہدہ کرتا رہا ایک روز مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں اس میں گم ہوگیا۔ میں نے یہ واقعہ حضرت امام سے عرض کیا تو فرمایا۔ اے ابوعلیؒ! سلوک میں میری بھاگ دوڑ اس مقام سے اُوپر نہیں اور جو کچھ اس مقام سے اُوپر ہے مجھے وہاں تک رسائی کا راستا معلوم نہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے ایسے شیخ، پیر و مرشد اور راہنما کی ضرورت ہے جو اس مقام سے اُوپر لے جائے۔ چونکہ میری حالت روز افزوں تھی اور میں نے حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کا نام سنا ہوا تھا لہٰذا طوس کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو آپ اپنے مریدوں کے ہجوم نجوم کے ساتھ مسجد میں جلوہ افروز تھے۔ میں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ مراقبے میں تھے، سر اٹھا کر فرمایا۔ ابوعلیؒ! آؤ، کیا چاہتے ہو؟ میں سلام کر کے اُن کے حضور بیٹھ گیا اور اپنے تمام حالات اور قلبی واردات عرض کیے آپ نے فرمایا تمھیں یہ ابتدا مبارک ہو۔ ابھی تم کسی مرتبے پر نہیں پہنچے ہاں اگر

تربیت پاؤ گے تو بڑے درجے پر پہنچ جاؤ گے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے پیر یہی ہیں اور وہیں قیام کیا۔ اُنھوں نے مدتوں تک مجھ سے طرح طرح کی ریاضت و مجاہدہ کرایا۔ بعدازاں اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ ابھی آپ نے مجھے وعظ کرنے کی اجازت نہ بخشی تھی کہ ایک روز شیخ ابوسعید اپنے گاؤں میہنہ سے طوس تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا: ابوعلیؒ! وہ وقت آ گیا ہے کہ تم طوطی شیریں مقام کی طرح باتیں کرو گے! اس کے چند دن بعد ہی شیخ ابوالقاسم نے مجھے وعظ کہنے کی اجازت بخش دی اور شیخ ابوسعید کے ارشاد کا مطلب مجھ پر افشاء ہو گیا۔''

اس کے بعد آپ طوس سے نیشاپور تشریف لے گئے اور اپنے پُر تاثیر وعظ کی وجہ سے امراء بالخصوص نظام الملک کے ہاں بے حد شرف قبولیت حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کو جو کچھ ملتا تھا وہ صوفیہ کرام پر خرچ کر دیتے تھے۔ آپ صوفیۂ کرام و غرباء کے مرجع اور لسان الوقت تھے۔ ابن سمعانی کا قول ہے کہ ابوعلیؒ لسانِ خراسان و شیخ خراساں تھے اور اپنے اصحاب و مریدین کی تربیت میں طریقہ حسنہ رکھتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس گویا ایک باغ ہوتا تھا جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہوں۔ امام غزالیؒ آپ کے مریدوں میں سے تھے۔

آپ کی وفات 4 ربیع الاول 477ھ (1084ء) بعمر شریف 43 سال ہوئی۔ مزار مقدس طوس میں مرجع خاص و عام ہے۔

(9)

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

بوزنجرد نزد ہمدان	441ھ	536ھ	مائین (تاجیکستان، روس)
	1049-50ء	1142ء	مرو

مادۂ تاریخ رحلت

"یوسف فقر"

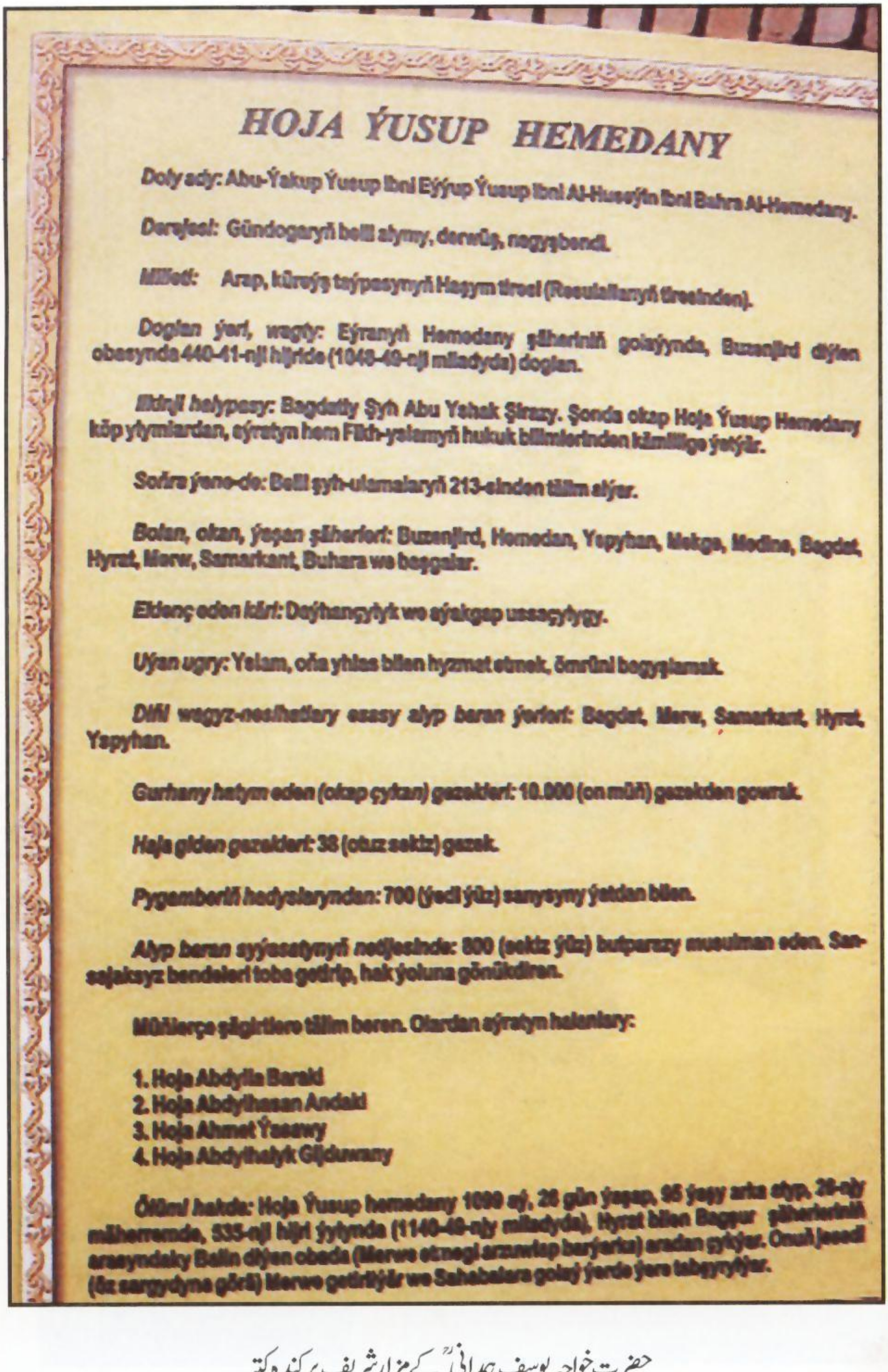
536ھ

"مَلِکِ روزگار بود"

536ھ



حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے مزار شریف کا اندرونی منظر



HOJA ÝUSUP HEMEDANY

Doly ady: Abu-Ýakup Ýusup Ibni Eýýup Ýusup Ibni Al-Huseýin Ibni Bahra Al-Hemedany.

Derejesi: Gündogaryň belli alymy, derwüş, nagyşbendi.

Milleti: Arap, küreýş taýpasynyň Haşym tiresi (Resulallanyň tiresinden).

Doglan ýeri, wagty: Eýranyň Hemedany şäheriniň golaýynda, Buzanjird diýen obasynda 440-41-nji hijride (1048-49-njy miladyda) doglan.

Ilkinji halypasy: Bagdatly Şyh Abu Ysh̦ak Şirazy. Şonda okap Hoja Ýusup Hemedany köp ylymlardan, aýratyn hem Fikh-yslamyň hukuk bilimlerinden kämillige ýetýär.

Soňra ýene-de: Belli şyh-ulamalaryň 213-sinden tälim alýar.

Bolan, okan, ýaşan şäherleri: Buzanjird, Hemedan, Yspyhan, Mekge, Medine, Bagdat, Hyrat, Merw, Samarkant, Buhara we başgalar.

Eklenç eden kärі: Daýhançylyk we aýakgap ussaçylygy.

Uýan ugry: Yslam, oňa yhlas bilen hyzmat etmek, ömrüni bagyşlamak.

Dini wagyz-nesihatlary esasy alyp baran ýerleri: Bagdat, Merw, Samarkant, Hyrat, Yspyhan.

Gurhany hatym eden (okap çykan) gezekleri: 10.000 (on müň) gezekden gowrak.

Haja giden gezekleri: 38 (otuz sekiz) gezek.

Pygamberiň hadyslaryndan: 700 (ýedi ýüz) sanysyny ýatdan bilen.

Alyp baran syýasatynyň netijesinde: 800 (sekiz ýüz) butparazy musulman eden. Sansajaksyz bendeleri toba getirip, hak ýoluna gönükdiren.

Müňlerçe şägirtlere tälim beren. Olardan aýratyn halanlary:

1. Hoja Abdylla Baraki
2. Hoja Abdylhasan Andaki
3. Hoja Ahmet Ýasawy
4. Hoja Abdylhalyk Gijduwany

Ölümi hakda: Hoja Ýusup hemedany 1099 aý, 26 gün ýaşap, 95 ýaşy arka alyp, 26-njy mäherremde, 535-nji hijri ýylynda (1140-49-njy miladyda), Hyrat bilen Bagşur şäherleriniň arasyndaky Balin diýen obada (Merwe etmegi arzuwlap barýarka) aradan çykýar. Onuň jesedi (öz sargydyna görä) Merwe getirilýär we Sahabalara golaý ýerde ýere tabşyrylýar.

حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ



حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے مزار شریف کا بیرونی منظر مرو (ترکمانستان)



حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمہ اللہ کے مزار شریف کے ساتھ جامع مسجد کا صدر دروازہ

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ کا نام نامی اسم گرامی یوسف بن ایوب اور کنیت ابو یعقوب تھی۔ آپ کی ولادت باسعادت 441ھ میں موضع بوزنجرد (ہمدان کے نواحی دہ) میں ہوئی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں بغداد میں آئے۔ ابو اسحاق شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کر کے فقہ پڑھی یہاں تک کہ اصولِ فقہ و مذہب و خلاف میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی۔ قاضی ابو الحسین محمد بن علی بن مہتدی باللہؒ، ابو الغنائم عبد الصمد بن علی بن مامونؒ، ابو جعفر محمد بن احمد بن مسلمؒ وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا اور اصفہان و سمرقند کے مشائخ حدیث سے بھی استفادہ کیا بعد ازیں سب کو ترک کر کے عبادت و ریاضت و مجاہدہ کو مطمحِ نظر اور مقصد وحید بنالیا۔ تصوف میں آپ کا انتساب حضرت ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ اصفہان میں شیخ عبد اللہ جوینی نیشاپوری اور شیخ حسن سمنانی سے بھی خرقۂ خلافت اور فیوض و برکات حاصل کیے۔ ان سب کے بعد حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ کی خدمت میں فقر و سلوک کی منزلیں طے کیں۔

آپ (۱) عالم، (۲) عامل، (۳) عارف، (۴) زاہد، (۵) پرہیزگار، (۶) عابد، (۷) صاحبِ حال اور (۸) صاحب کرامت تھے۔ اپنے وقت کے سرکردہ مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ خراسان میں مریدوں کی تربیت آپ جیسی کسی نے نہ کی۔ آپ کی مجلس میں (۱) علماء (۲) فقہاء (۳) صلحاء کا بہت بڑا اجتماع رہتا تھا۔ سب لوگ آپ کے ارشاد و کلام سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ ساٹھ سال سے زیادہ عرصے تک مسندِ رُشد و ہدایت پر متمکن رہے۔ کچھ عرصہ کوہ زرا (خراسان کے نواح) میں بھی مقیم رہے اور سوائے نمازِ جمعہ کے کبھی باہر نہ نکلتے تھے۔

آپ کے خلفاء میں سے چار کو بڑی شہرت ملی۔ (۱) خواجہ عبد الخالق غجدوانی، (۲) خواجہ احمد یسوی، (۳) خواجہ احمد انداقی اور (۴) عبد اللہ برقی۔ مرو میں آپ کا قیام کافی عرصہ تک رہا۔ وہاں آپ کی خانقاہ میں جس قدر طالبانِ خدا تھے کسی دوسری خانقاہ میں نہ تھے۔ مرو سے آپ ہرات تشریف لائے، کچھ عرصہ بعد پھر ہرات سے مرو چلے گئے۔ بعد ازاں دوبارہ ہرات کو اپنا مسکن بنالیا۔ کچھ مدت بعد پھر مرو کو روانہ ہوگئے یہ آپ کا آخری سفر تھا۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح حضور سیدنا غوث الاعظمؒ بھی اٹھارہ سال کی عمر میں حصولِ علم کے لیے اپنے وطن سے بغداد تشریف لائے تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہو چکے تو ایک روز حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ جسے اُنھوں نے یوں سپردِ قلم فرمایا ہے:

"بغداد میں ایک شخص ہمدان سے آیا جسے یوسف ہمدانیؒ کہتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ وہ قطب ہیں۔ وہ ایک مسافر خانے میں اُترے۔ جب میں نے یہ حال سنا تو مسافر خانے میں گیا مگر اُن کو نہ پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سرداب میں ہیں۔ پس میں وہاں پہنچا تو مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے

اور اپنے پاس بٹھایا میرے تمام حالات مجھ سے ذکر کئے اور میری تمام مشکلات کو حل فرمایا۔ پھر مجھ سے یوں ارشاد فرما ہوئے: اے عبدالقادر! تم لوگوں کو وعظ سنایا کرو" میں نے عرض کیا آقا! میں عجمی ہوں۔ اہل بغداد کی فصاحت و بلاغت کے سامنے میری گفتگو کی کیا حیثیت ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم کو اب فقہ، اصول فقہ، اختلاف مذاہب، نحو، لغت اور تفسیر قرآن یاد ہے۔ تم میں وعظ کہنے کی صلاحیت و قابلیت موجود ہے۔ برسرِ منبر لوگوں کو وعظ سنایا کرو۔ کیونکہ میں تم میں ایک جڑ دیکھ رہا ہوں جو عنقریب درخت ہو جائے گا۔"

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ یوسف ہمدانی اُن مشائخ کبار میں سے ہیں جن کی صحبت میں حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ، جیسے لوگ بھی حاضر ہوتے رہے ہیں۔

ایک روز ایک درویش حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میں ابھی ابھی شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ درویشوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اسی اثنا میں اُن کو غیبت استغراق ہو گئی۔ اس کے بعد اُنھوں نے فرمایا کہ ابھی ابھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور میرے منہ میں لقمہ رکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ ابو یوسفؒ نے فرمایا **تلك خيالات تربى بها اطفال الطريقة** یعنی یہ خیالات ہیں کہ جن سے اطفالِ طریقہ پرورش کیے جاتے ہیں۔ یعنی یہ ابتدائے کشود کی باتیں ہیں۔

کرامات

(1) ایک دفعہ ایک عورت روتی پیٹتی آپ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ فرنگی میرے لڑکے کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ دُعا فرمائیے کہ وہ آجائے۔ آپ نے فرمایا، صبر کر اور گھر واپس جا کر دیکھ تیرا لڑکا تو گھر میں موجود ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرمائی:

اللهم فك اسره و عجل فرجه خدایا اس کی بیڑی توڑ دے اور اس کا غم جلدی دور کر۔

وہ عورت جب واپس آئی تو دیکھا کہ واقعی اُس کا لڑکا گھر میں موجود تھا لڑکے سے حال دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ میں ابھی قسطنطنیہ میں قید تھا پہریدار مرے اردگرد موجود تھے کہ ناگاہ ایک نامعلوم شخص آیا اور مجھ کو آنکھ جھپکتے ہی گھر میں پہنچا دیا۔ اُس عورت نے آپ کے پاس آ کر تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے حکم خدا سے تعجب آتا ہے۔

(2) ایک دفعہ آپ وعظ فرما رہے تھے۔ وعظ کی تاثیر سے تمام مجمع مسحور تھا۔ دو فقیہہ بھی حاضرین میں موجود تھے وہ یہ منظر برداشت نہ کر سکے اور آپ سے کہنے لگے "چپ رہو کہ تم بدعتی ہو"۔ آپ نے ارشاد کیا "تم خاموش رہو کہ تمھیں موت آنے والی ہے"۔ چنانچہ وہ دونوں اُسی وقت اُسی جگہ مر گئے۔

(3) ایک مرتبہ آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک فقیہ ابن سقا نامی اُٹھا اور کوئی مسئلہ پوچھا۔

آپ نے فرمایا: ''بیٹھ جا کہ تیری گفتگو سے بوئے کفر آتی ہے اور تیری موت دین اسلام پر نہ ہوگی''۔ کچھ مدت بعد خلیفۂ وقت کے پاس شاہ روم کا سفیر آیا تو اس فقہیہ کی نشت و برخاست اُس کے ساتھ ہوگئی اور نصرانیت سے متاثر ہوگیا۔ آخرکار اُس نے سفیر سے التجا کی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو، میں دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اُسے اپنے ساتھ روم لے گیا۔ چنانچہ وہ فقہیہ شاہ روم سے ملا اور عیسائی ہوگیا اور عیسائی ہی مرا۔ کہتے ہیں کہ ابن سقا قاری و حافظِ قرآن تھا۔ مرض موت میں ایک شخص نے اُسے قسطنطنیہ میں دیکھا کہ ایک دکان میں لیٹا ہوا ہے اور ہاتھ میں ایک پرانا پنکھا ہے جس سے وہ اپنے چہرے سے مکھیاں اڑا رہا ہے۔ اس حالت میں اُس سے پوچھا گیا کہ کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے! بولا کہ نہیں۔ سب کچھ بھول گیا ہے۔ صرف یہ آیت یاد ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ. بہت وقت کفار آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(پارہ:14، سورۃ الحجر۔ ع1، آیۃ:2)

سچ ہے کہ:۔

جراحتے کہ زتیغِ زبان رسد بہ دے
بہ ہیچ مرہمے راحت نکو نخواہد شُد
چُوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پا کاں زند

آپ کی وفات 17 رجب 536ھ (1142ء) بعمر شریف 95 برس ہرات اور بغشور کے درمیان موضع بامئین میں ہوئی اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ کچھ عرصے بعد آپ کے ایک مریدِ خاص شیخ ابن النجار (بعض جگہوں پر ابن التجار بھی لکھا ہے۔) نے آپ کے جسد مبارک کو شہر مرو میں لے جا کر دفن کر دیا جہاں آج مزار مقدس موجود ہے۔ آپ کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں سے صرف (۱) زینت الحیات (۲) منازل السالکین اور (۳) منازل السائرین کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

ارشاداتِ قدسیہ

(1) سماع ایک سفیر ہے حق تعالیٰ کی طرف اور ایک ایلچی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے۔ وہ ارواح کی خوراک، اجسام کی غذا، قلوب کی زندگی اور اسرار کی بقا ہے۔ وہ پردہ کے پھاڑنے والا اور بھید کے ظاہر کرنے والا ہے اور برق درخشاں آفتابِ تاباں ہے۔ وہ دنیا میں (۱) ہر فکر، (۲) ہر لحظہ، (۳) ہر تدبر و تفکر، (۴) ہر ہوا کے جھونکے، (۵) ہر درخت کی حرکت اور ہر (۶) ناطق کے نطق سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو اہل حقیقت کو سماع میں سرگشتہ و حیران، مقید و اسیر اور صاحب خشوع و مست دیکھتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اپنی زیبائی کے نور سے ملائکہ مقربین میں سے ستر ہزار فرشتے پیدا کیے اور اُن کو اپنی بارگاہ میں عرش

وکرسی کے درمیان کھڑا کیا۔ اُن کا لباس ''سبز صوف'' ہے اور اُن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتے ہیں۔ وہ اپنی پیدائش کے وقت سے حالتِ وجد میں سرگشتہ وحیران اور فروتن ومست کھڑے ہیں اور شیفتگی کی شدت کے سبب سے رکنِ عرش سے کرسی تک دوڑتے ہیں۔ پس وہ اہل آسمان کے صوفیہ اور نسبتوں کے لحاظ سے ہمارے بھائی ہیں۔ اسرافیل اُن کے قائد ومرشد اور جبریل اُن کے رئیس ومتکلم ہیں اور حق تعالیٰ ان کا انیس وملیک ہے پس اُن پر سلام وتحیۃ واکرام ہو۔

(3) تم خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو۔ اگر یہ میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ محبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

(4) آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب اہل اللہ ہم سے روپوش ہو جاتے ہیں۔ تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے تا کہ ہم سلامت رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا: ''کہ ان کی باتیں دہراتے رہو۔''

(10)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

غجدوان نزد بخارا	435ھ / 1044ء	575ھ / 1179ء	غجدوان نزد بخارا

مادۂ تاریخ رحلت

"آفتاب کامل"	"گرامی قدر"
575ھ	575ھ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے خلیفہ اعظم، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سردار اور طبقۂ خواجگان کے سرِ دفتر ہیں۔ آپ ہمیشہ راہِ صدق وصفا، متابعتِ شرع وسنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مخالفتِ بدعت وہوا میں ساعی وکوشاں رہے آپ کی ولادت 22 شعبان 435ھ (1044ء) کو غجدوان میں ہوئی۔

آپ کے والد گرامی قدر کا نام عبدالجمیل یا عبدالجلیل ہے جو امام عبدالجمیل (یا عبدالجلیل) کے نام سے مشہور و متعارف تھے۔ وہ اپنے وقت کے مقتدر پیشوا عالم ظاہر و باطن اور حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی اولادِ امجاد میں سے تھے۔ چونکہ اُن کی شادی رُوم کے شاہی خاندان میں ہوئی تھی۔ اس لیے رُوم میں رہا کرتے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُن کو بشارت دی تھی کہ تمھارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اُس کا نام عبدالخالق رکھنا حوادثِ روزگار کے سبب رُوم سے نکل کر ماوراء النہر کی طرف نکلے اور ولایت بخارا میں پہنچ کر بخارا سے چھ فرسنگ (اٹھارہ (۱۸) میل) کے فاصلہ پر غجدوان میں سکونت پذیر ہوئے جہاں آفتابِ طریقت اور ماہتاب معرفت خواجہ عبدالخالق متولد ہوئے اور پرورش پائی۔

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ نے تعلیم حضرت شیخ صدرالدین قاضی بخارا سے پائی اور اجازتِ ذکرِ خفی وذکر نفی و اثبات حضرت خضر علیہ السلام سے پائی۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جن دنوں خواجہ عبدالخالق اپنے استاد شیخ صدرالدین کے حضور تفسیر پڑھ رہے تھے تو جب اس آیت پر پہنچے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.	تم اپنے رب کو زاری اور پوشیدگی کے ساتھ پکارو۔ تحقیق وہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(پارہ:8، سورۃ اعراف، ع:7، آیۃ:55)

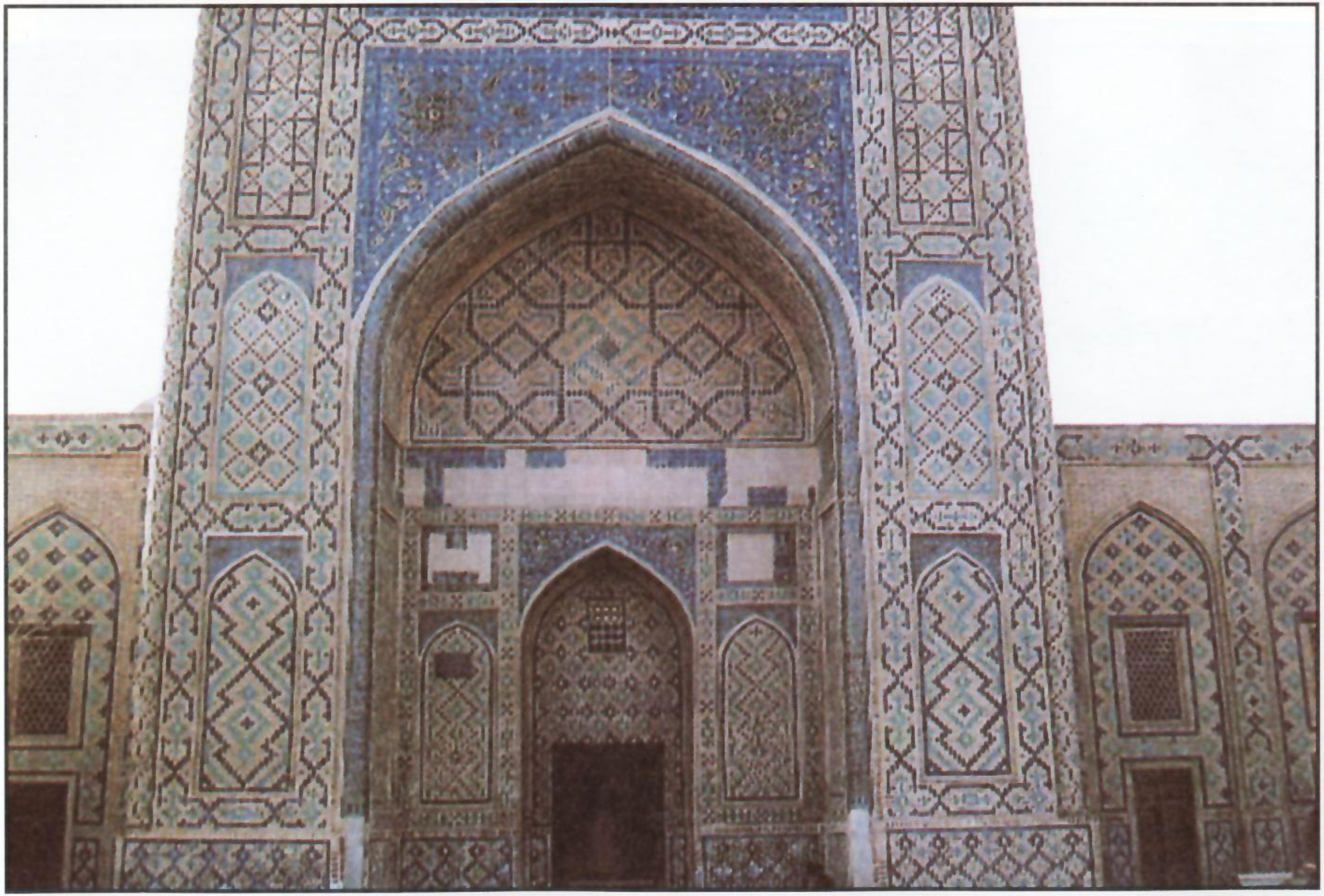
تو آپ نے اُستاد سے پوچھا کہ اس پوشیدگی کی حقیقت اور اُس کا طریقہ کیا ہے؟ اگر ذاکر بلند آواز سے ذکر کرے یا ذکر کرتے وقت اعضاء سے حرکت کرے تو غیر شخص اُس ذکر سے واقف ہو جاتا ہے اور اگر دل سے کرے تو بحکم حدیث شریف ان الشیطان یَجْرِی من الانسان مجری الدم. (ابوداؤد) شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔ شیطان ذکر سے واقف ہو جاتا ہے۔ اُستاد نے فرمایا کہ یہ علم لدنی ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو اہل اللہ میں سے کوئی تمھیں مل جائے گا اور بتادے گا۔ اس کے بعد آپ اولیاء اللہ کی تلاش میں رہے یہاں تک کہ ایک روز حضرت خضر علیہ السلام سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ حضرت خصر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تمھیں اپنی فرزندی میں قبول کیا اور تمھیں ایک سبق بتاتا ہوں، اُسے ہمیشہ دُہراتے رہنا تم پر اسرار کھل جائیں گے۔ پھر وقوف عددی کی تعلیم دی اور فرمایا کہ حوض میں اترو، غوطہ



حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار کا روح پرور منظر



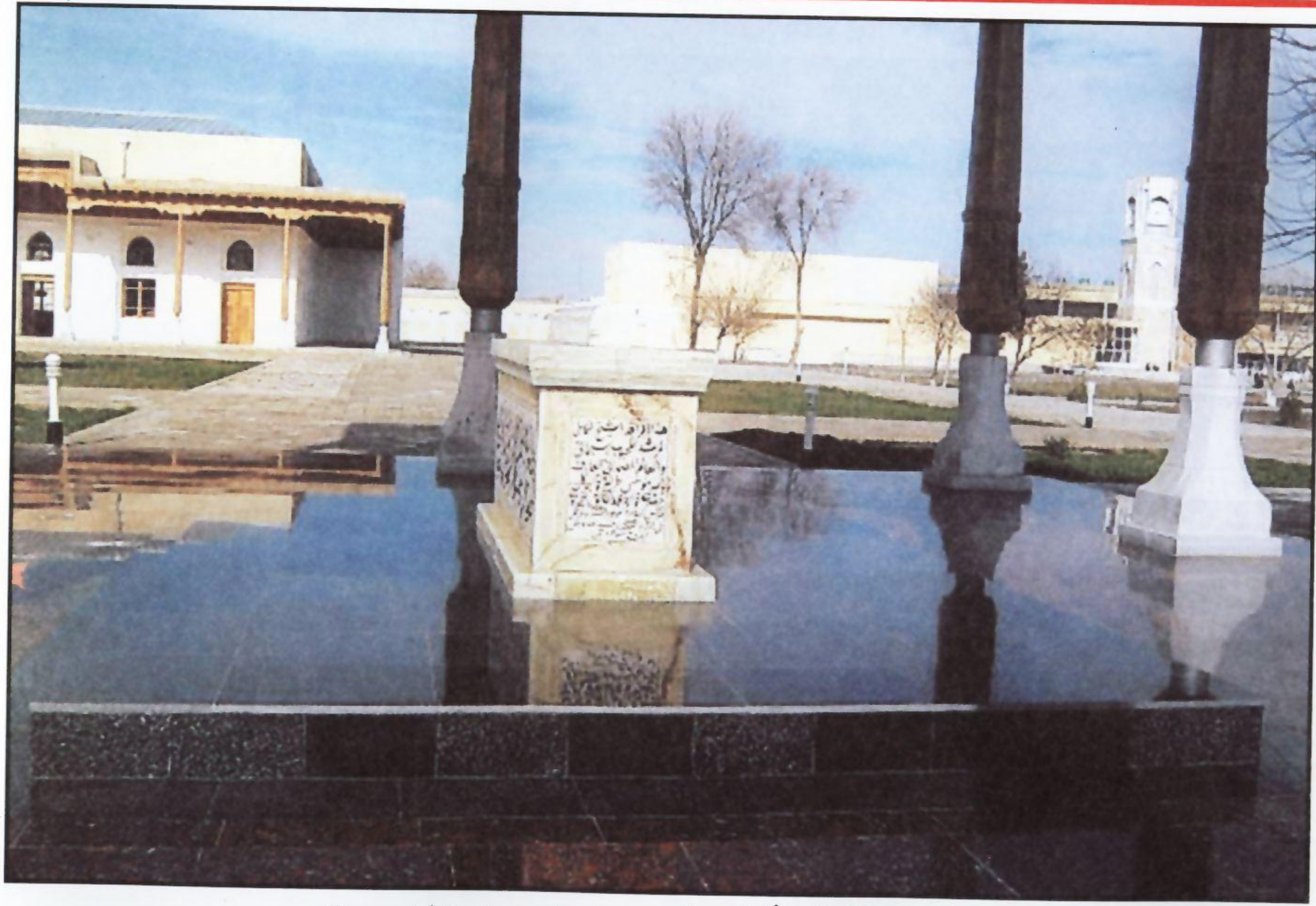
حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ



حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار سے متصل مسجد کا بیرونی دروازہ



حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار مبارک سے متصل مسجد کا اندرونی منظر



حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار شریف اور عقب میں موجود مسجد کا خوبصورت منظر



حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے مزار مبارک سے متصل خوبصورت مسجد اور مینار کا منظر

لگاؤ اور دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہو۔ آپ نے اسی طرح کیا اور اس ورد میں مشغول و مصروف رہے یہاں تک کہ بہت سے اسرار کھل گئے۔ بعد ازاں جب حضرت یوسف ہمدانی بخارا میں تشریف لائے تو جب تک اُن کا قیام بخارا میں رہا۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پیر سبق ہیں اور حضرت خواجہ یوسف ہمدانی پیر صحبت و پیر خرقہ۔ اگرچہ خواجہ یوسف ہمدانی اور اُن کے مشائخ ذکر بالجہر کیا کرتے تھے لیکن چونکہ آپ کو ذکرِ خفی کی تلقین حضرت خضر علیہ السلام سے تھی بدیں وجہ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے اس میں ردو بدل نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ جس طرح تمہیں تلقین ہوئی ہے کیے جاؤ۔

آپ نے اپنی بعض تحریروں میں ذکر کیا ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے حضرت خواجہ ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد کیا تو اُس وقت میری عمر بائیس (22) سال کی تھی۔ ایک مدت کے بعد حضرت خواجہ ابو یوسف خراسان میں آ گئے تو آپ ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے اور اپنے حالات پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ ملک شام میں بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے اور وہاں خانقاہ و آستانہ بن گیا۔

ایک روز ایک درویش نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے یہ اختیار دے کہ دوزخ و بہشت میں سے ایک کو اختیار کر لے تو میں دوزخ کو اختیار کروں گا کیونکہ میں تمام عمر اپنے نفس کی خواہش پر نہیں چلا اور اُس صورت میں بہشت میرے نفس کی مراد ہو گی۔ آپ نے اُس درویش کی بات کی تردید کی اور فرمایا کہ بندے کو اختیار سے کیا کام۔ جہاں مالک بھیجے چلا جائے اور جہاں ٹھہرائے ٹھہر جائے۔ بندگی اسی چیز کا نام ہے نا کہ جو تم کہہ رہے ہو اُس درویش نے پوچھا کہ سالکانِ طریقت پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا، جو سالک مقامِ فنائے نفس کو نہ پہنچا ہو۔ غصہ کے وقت شیطان اُس پر قابو پاتا ہے لیکن جو اِس مقام پر پہنچ گیا ہو اُس کو غصہ نہیں آتا بلکہ غیرت آتی ہے اور جہاں غیرت ہوتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور یہ صفت اُس شخص میں ہوتی ہے جو کتاب اللہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہو اور اِن دونوں کی روشنی میں راستہ چلتا ہو۔

ایک روز آپ اپنے عبادت خانے میں رو رہے تھے۔ مریدوں نے عرض کیا کہ آپ کے اقوال و افعال ایسے عمدہ اور اچھے ہیں کہ اُن کی نظیر نہیں ملتی، پھر یہ رونے اور خوف کھانے کی وجہ کیا ہے! آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا خیال کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جان قلب و روح سے نکلا چاہتی ہے۔ خوف اس وجہ سے آتا ہے کہ شاید بلا ارادہ اور نادانستہ طور پر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ آپ جس جگہ بیٹھتے تو خوفِ خدا کی وجہ سے حالت ایسی ہوتی کہ گویا آپ کو قتل کرنے کے لیے بٹھایا گیا ہے۔

کرامات

(1) ایک دن آپ کثیر التعداد مجمع کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک جوان لباسِ زاہدانہ پہنے جائے نماز

کندھے پر ڈالے ہوئے آیا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ آپ نے اُسے بغور دیکھا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جوان اُٹھا اور کہنے لگا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے۔

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ. مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس کا مطلب کیا ہے! آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا زنار توڑ ڈال اور مشرف بہ ایمان ہو جا۔ جوان نے کہا، خدا نہ کرے کہ میں زنار پہنوں۔ آپ نے خادم کو اشارہ کیا۔ خادم نے اُس کے کپڑے اتار کر دیکھا تو زنار موجود تھا۔ اُس جوان نے فی الفور زنار توڑ کر توبہ کی اور ایمان قبول کر لیا اس پر آپ نے لوگوں سے فرمایا، یارو! آؤ ہم بھی اس نو مسلم کی طرح زنار توڑ ڈالیں اور ایمان لائیں۔ جس طرح اس نے زنارِ ظاہری توڑا ہے ہم اپنے زنارِ باطنی (خود پسندی) کو توڑ ڈالیں تاکہ اس کی طرح ہم بھی بخشے جاویں۔ یہ سن کر حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور سب کے سب آپ کے قدموں پر گر کر توبہ کرنے لگے۔

(2) بخارا شہر میں ایک عورت مجذوبہ برہنہ حالت میں گلی کوچوں میں پھرا کرتی تھی۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تو کپڑے کیوں نہیں پہنتی۔ وہ کہنے لگی کہ اس شہر میں کوئی مرد ہے کہ جس سے پردہ کروں۔ ایک روز صبح کے وقت نانبائی کی دکان پر گئی، تنور گرم تھا۔ اُس میں چھلانگ لگا دی اور کہا کہ اس کا منہ بند کر دو کیونکہ ایک مرد اس شہر میں داخل ہو گیا ہے، اُس سے اپنے آپ کو چھپاتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد لوگوں نے تنور کا منہ کھولا اور پوچھا کہ کیا حال ہے، اُس نے کہا کپڑے لاؤ تاکہ پہنوں۔ چنانچہ کپڑے لائے گئے، وہ کپڑے پہن کر تنور سے صحیح سلامت نکلی۔ ایک بال کا بھی نقصان نہیں ہوا تھا۔ سب لوگ حیران رہ گئے کہ یہ تو ولیہ ہے۔ سب نے قسم دے کر پوچھا کہ سچ بتا وہ مرد کون ہے۔ جس سے تُو پردہ کرتی ہے! اس نے کہا میرے ساتھ آؤ کہ میں اُن کی زیارت کو جارہی ہوں۔ وہ سیدھی آپ (خواجہ عبدالخالق) کے پاس گئی جب کہ آپ ابھی ابھی غجدوان سے آکر بخارا شہر میں داخل ہوئے تھے۔ آپ اُسے دیکھ کر تعظیم کے لیے اُٹھے اور آپس میں کچھ باتیں ہوئیں جو وہی سمجھی یا آپ سمجھے۔

(3) ایک مرتبہ آپ بمع مریدوں کے حج بیت اللہ کے لیے جارہے تھے۔ راہ میں شدتِ پیاس نے غلبہ کیا۔ ناگاہ ایک کنویں پر پہنچے مگر وہاں رسی اور ڈول نہ تھا۔ نہایت مایوسی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو نماز پڑھتا ہوں۔ تم پانی پیو اور وضو کرو۔ مریدوں نے جو یہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس میں کچھ بھید ہے پھر کنویں پر گئے تو آپ کی برکت سے پانی کناروں تک آ گیا تھا۔ سب نے جی بھر کر پانی پیا اور وضو کیا۔ ایک شخص نے ایک برتن پانی سے بھر لیا تو پانی فی الفور کنویں کی تہہ تک پہنچ گیا۔ یہ بات کسی نے آپ سے عرض کی تو فرمایا یاروں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا نہ کیا ورنہ پانی قیامت تک اُوپر ہی رہتا۔

(4) آپ کی ولایت اس مرتبہ تک پہنچ گئی کہ ہر نماز کے وقت آپ خانہ کعبہ جاتے اور واپس آجاتے۔

جب آپ کا آخری وقت آیا تو مرید و فرزند وہاں موجود تھے۔ آپ نے آنکھیں کھول کر فرمایا: ''اے عزیزو! خوش خبری ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہے اور اپنی رضا کی بشارت دی ہے''۔ تمام لوگ رونے لگے اور عرض کیا کہ ہمارے لیے بھی دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ''تم کو بھی بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طریق پر تا آخر استقامت رکھے گا میں اُس پر رحمت کروں گا اور اُسے بخش دوں گا۔ کوشش کرو کہ اس طریقہ سے علیٰحدہ نہ رہو۔'' تھوڑی دیر بعد آواز آئی يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (پارہ:30، سورۃ الفجر، آیۃ:27-28)

ترجمہ: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ لوگوں نے جو خیال کیا تو آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن (پارہ:2، سورۃ البقرہ، آیۃ:156)

ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ تاریخ وفات 12 ربیع الاوّل 575ھ (1179ء) ہے مرقدِ اقدس غجدوان نزد بخارا میں باعثِ تسکین عاشقاں ہے۔

ارشاداتِ قدسیہ

(ا) آپ کے کلماتِ قدسیہ میں آپ کی اصطلاحات ہیں جن پر طریقہ نقشبندیہ کی بنا ہے۔ یہ آٹھ کلمے ہیں:

(1) ہوش دردم (2) نظر بہ قدم (3) سفر در وطن (4) خلوت در انجمن

(5) یاد کرد (6) بازگشت (7) نگاہداشت (8) یادداشت

ان آٹھ کے علاوہ تین کلمے اور بھی ہیں جو مصطلحاتِ نقشبندیہ میں سے ہیں۔

(1) وقوف عددی

(2) وقوفِ زمانی

(3) وقوفِ قلبی

ان گیارہ کلمات پر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے جن کی مختصر سی تشریح درج ذیل ہے۔

1- ہوش دردم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کا ہر ایک سانس حضور و آگاہی سے ہو نہ کہ غفلت سے۔ یعنی کسی سانس میں خدا سے غافل نہ رہے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ، فرماتے ہیں کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دو۔ سانس کے خروج و دخول میں اور خروج و دخول کے درمیان محافظت چاہیے کہ کوئی وقفہ غفلت کا نہ پایا جائے۔

2- نظر بر قدم

اس سے مراد یہ ہے کہ نظر اپنے پاؤں کی پشت پہ رکھے تا کہ بیجا نظر نہ پڑے اور دل محسوساتِ متفرقہ سے پراگندہ نہ ہو جائے۔ پس راہ چلتے اِدھر اُدھر نہ دیکھے کہ موجب فسادِ عظیم و مانع حصولِ مقصود ہے۔ یہ عمل تفرقہ بیرونی کے دفعیہ کے

لیے ہے۔ جیسا کہ ہوش دردم تفرقہ اندرونی کے دفعیہ کے واسطے ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کا قدمِ باطن اُس کی نظرِ باطن سے پیچھے نہ رہے۔ رُشحات میں ہے کہ شاید نظر برقدم، سُرعتِ سیر کی طرف اشارہ ہے یعنی مسافتِ ہستی کے قطع کرنے اور عقباتِ خود پرستی کے طے کرنے میں قدم نظر سے پیچھے نہ رہے بلکہ منتہائے نظر پر پڑے۔

چنانچہ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ، کی مدح میں فرماتے ہیں۔

بسکہ خود کردہ بسرعت سفر
باز نماندہ قدمش از نظر

3- سفر در وطن

یعنی سیر درانفس سے مراد صفات ذمیمہ سے صفاتِ حمیدہ کی طرف انتقال کرنا ہے۔ خواجگانِ نقشبندیہ نے مقام بقا میں جو سیر انفسی سے تعلق رکھتا ہے۔ بجائے سیر آفاقی کے اسی سیر کیفی کو اختیار کیا ہے اور سفر ظاہر اتنا ہی کرتے ہیں کہ پیر کامل تک پہنچ جائیں۔ دوسری حرکت جائز نہیں رکھتے اور ملازمت شیخ سے دُوری نہیں چاہتے اور ملکہ آ گاہی کے حصول کے لیے پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ سیر آفاقی کو جو دُور و دراز راستہ ہے حتی الامکان پسند نہیں کرتے بلکہ سیر انفسی کے ضمن میں اُسے قطع کرتے ہیں اور ملکۂ آ گاہی کے حصول کے بعد سفر کرتے ہیں یا اقامت۔ دوسرے سلسلوں میں سلوک کو سیر آفاقی سے شروع کرتے ہیں اور سیر انفسی پر ختم کرتے ہیں۔ سیر انفسی سے شروع کرنا سلسلۂ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ اندراج نہایت در بدایت کے یہی معنی ہیں کہ سیر انفسی جو دوسروں کی نہایت (انتہا) ہے وہ اکابر نقشبندیہ کی ہدایت (ابتدا) ہے۔

واضح رہے کہ سیر آفاقی مطلوب کو اپنے سے۔ باہر ڈھونڈنا ہے اور سیر انفسی اپنے میں آنا اور اپنے دل کے گرد پھرنا ہے۔

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست
با تو زیر گلیم است ہرچہ ہست

مگر شہود انفسی میں گرفتار نہ رہنا چاہیئے اور اُس کو مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تصور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ جیسا کہ ورائے آفاق ہے ورائے نفس بھی ہے۔ پس اُس کو آفاق و انفس سے باہر طلب کرنا چاہیئے۔

4- خلوت درانجمن

اس سے مراد یہ ہے کہ انجمن میں جو محل تفرقہ ہے از راہِ باطن مطلوب کے ساتھ خلوت رکھے اور غفلت کو دل میں راہ نہ دے۔ ظاہر میں خلائق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ابتدا میں یہ معاملہ بتکلف ہوتا ہے اور انتہا میں بے تکلف۔

از بروں درمیانِ با زارم
وز دروں خلوتیست با یارم

حضرت خواجہ اولیائے کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلوت در انجمن یہ ہے کہ سالک اگر بازار میں جائے تو ذکر میں استغراق کے سبب سے کوئی آواز نہ سنے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ، کا قول ہے کہ ذکر میں جہد و اہتمام بلیغ کے ساتھ مشغول ہونے سے سالک کو پانچ چھ روز میں یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت خواجۂ خواجگان بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ، نے اس کلمہ کی جو تشریح کی ہے وہ آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مشائخ نقشبندیہ بجائے چلہ کے اسی خلوت پر قناعت کرتے ہیں کیونکہ حاصلِ چلہ اس میں داخل ہے اور آفات سے دُور ہے۔

5-یادکرد

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہے خواہ زبانی ہو یا قلبی۔ ذکر کی تلقین کا طریق بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

6-بازگشت

اس سے مراد یہ ہے کہ جب ذاکر بطریق معہود کلمۂ توحید کا ذکر دل سے کرے تو ہر بار کلمۂ توحید کے بعد زبان دل سے کہے۔ خدایا مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا۔ مشائخ نقشبندیہ کا معمول یہ ہے کہ کلمۂ توحید کے تلفظ کے ضمن میں لا مقصود ملاحظہ کرتے ہیں کیونکہ جو معبود ہوتا ہے وہ مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آیہ اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ ترجمہ: کیا تم نے اُسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا۔ (پارہ:19، سورۃ الفرقان، آیۃ:43) سے ظاہر ہے۔

7-نگاہداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ قلب کو خطرات وحدیث نفس سے نگاہ میں رکھا جائے یعنی کلمہ طیبہ کے تکرار کے وقت ماسوا قلب میں خطور نہ کرے۔ خطرات کے دُور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ حبسِ دم کے ساتھ مفید ہے۔

8-یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ دوامِ آگاہی بحق سبحانہ بر سبیلِ ذوق۔

دارم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ خیال
در دِل ز تُو آرزو و در دیدہ خیال

اگر دوامِ آگاہی اس قدر غالب ہو کہ کثرتِ کونیہ اُس کی مزاحم نہ ہو بلکہ اپنے وجود کا بھی شعور نہ رہے تو اُسے فناء کہتے ہیں۔ اگر اس بے شعوری کا شعور بھی نہ رہے تو اسے فنائے فناء بولتے ہیں اور عین الیقین بھی کہتے ہیں۔

انتباہ

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہٗ، نے اخیر کے چار کلموں کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ یادکرد سے مراد ذکر میں تکلف ہے یعنی جس ذکر کی شیخ سے تلقین ہوتی ہے اُس کے تکرار میں بتکلف مشغول رہے یہاں تک کہ مرتبۂ

حضور حاصل ہو جائے اور بازگشت سے مراد رجوع بحق سبحانہ بدیں طور کہ جتنی بار کلمہ طیبہ کا ذکر کرے ہر بار اُس کلمہ کے بعد دل میں خیال کرلے کہ خدایا مقصود میرا تو ہے اور تیری رضا اور نگاہداشت سے مراد ہے اس رجوع کی محافظت بغیر زبان سے کہنے کے اور یادداشت سے مراد نگاہداشت میں رسوخ ہے۔

وقوفِ عددی سے مراد ذکر نفی واثبات میں عددِ ذکر سے واقف رہنا ہے یعنی ذاکر اس ذکر میں سانس کو عددِ طاق پر چھوڑے نہ کہ جفت پر۔ کہتے ہیں کہ آداب وشرائط کی رعایت کے ساتھ ایک سانس میں 21 بار نفی واثبات کرنا مثمر فناء ہے۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ، فرماتے ہیں کہ زیادہ کہنا شرط نہیں جو کچھ کہے وقوف سے کہے۔ جب عدد 21 سے تجاوز کر جائے اور اثر ظاہر نہ ہو تو یہ اس عمل کی بے حاصلی کی دلیل ہے۔ اثر ذکر یہ ہے کہ زمانِ نفی میں وجود بشریت منفی ہو جائے اور زمانِ اثبات میں جذباتِ الٰہی کے تصرفات کے آثار میں کوئی اثر محسوس ہو۔ یہ جو کلامِ خواجگان میں آیا ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو وقوفِ عددی کا امر فرمایا اس سے مراد ذکر قلبی مع رعایت عدد ہے نہ کہ فقط رعایتِ عدد۔

وقوف زمانی

اس کے دو معانی ہیں۔ ایک یہ کہ سالک کو چاہیئے کہ واقفِ نفس رہے اور پاس انفاس کو ملحوظ رکھے یعنی ہر وقت خیال رکھے کہ سانس حضور میں گزرتا ہے یا غفلت میں۔ دوسرے معانی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنے حال سے واقف رہے۔ اگر وقت طاعت میں گزرا ہے تو شکر بجالائے اور اگر معصیت میں گزرا ہے تو عذر خواہی کرے۔ اسی طرح حالتِ بسط میں شکر اور حالتِ قبض میں استغفار کرے۔ صوفیۂ کرام کی اصطلاح میں اسے محاسبہ کہتے ہیں۔ قول باری تعالیٰ

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ

ترجمہ: اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف اور اُس کی فرمانبرداری کرو۔ پہلے اس سے کہ آوے تم پر عذاب۔ پھر کوئی تمھاری مدد کو نہ آئے گا۔ (پارہ:24، سورۃ زمر، ع:6، آیۃ:54)

اور قولِ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حَاسِبُوْا قبل ان تُحَاسَبُوْا[1] میں اسی محاسبہ کی طرف اشارہ ہے۔

وقوف قلبی

اس کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر کے وقت دل حق سبحانہ سے وقف وآگاہ رہے اور یہ مقولہ یادداشت سے ہے۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ بندہ اثنائے ذکر میں قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ رہے اور اُسے ذکر میں مشغول کرے اور ذکر اور ذکر کے مفہوم سے غافل نہ ہونے دے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ، نے ذکر میں حبسِ دم اور رعایت عدد کو لازم قرار نہیں دیا مگر وقوفِ قلبی بہر دو معنیٰ کو ضرور سمجھا ہے۔ آیہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ (ترجمہ) اے ایمان والو! خدا کو بہت یاد کرو۔ (پارہ:22، سورۃ احزاب، ع:6، آیۃ:41) میں اسی وقوف قلبی کی طرف

---

[1] تم محاسبہ کرو پہلے اس سے کہ محاسبہ کیے جاؤ۔

اشارہ ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ، فرماتے ہیں کہ وقوفِ قلبی یہ ہے کہ دل کا نگران وواقف رہے اور قطع نظر ذکر کے اُس کی طرف توجہ رکھے تا کہ اُس میں تفرقہ راہ نہ پائے اور وہ ماسوا کے نقوش سے منقش نہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ دل بیکار نہیں رہتا یا ماسوا سے ملا رہتا ہے یا مطلوبِ حقیقی سے۔ جب دل ماسوا سے ممنوع ہو گیا تو اُسے مطلوب کی طرف توجہ سے چارہ نہ ہو گا۔ غرض تم دل کو دشمن سے باز رکھو۔ دوست کی طلب کی حاجت نہیں، وہ خود جلوہ گر ہو جائے گا۔

(ب) آپ کا ایک وصیت نامہ آدابِ طریقت کے بارے میں ہے۔ جسے آپ نے اپنے خلیفہ وفرزندِ معنوی خواجہ اولیائے کبیر قدس سرہٗ، کے لیے لکھا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو جو سلسلہ نقشبندیہ کے متوسلین کے لیے مشعل راہ ہے۔

''پیارے فرزند! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ وظائف وعبادات کی پابندی رکھو۔ اپنے حالات کی نگہبانی کرتے رہو۔ خدا تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کو نگاہ میں رکھو۔ ماں باپ اور تمام مشائخ کے حقوق کا خیال رکھو تا کہ ان خصلتوں سے تم رضائے خدا سے مشرف ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ کا حکم بجالاؤ تا کہ وہ تمھارا محافظ رہے۔ تم پر لازم ہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ترک نہ کرو۔ تلاوت بلند آواز سے ہو یا آہستہ، زبانی ہو یا دیکھ کر قرآن مجید کو غور وتفکر اور خوف وگریہ سے پڑھو اور تمام امور میں قرآن کی پناہ لو کیونکہ بندوں پر خدا کی حجت قرآن کریم ہے۔ علمِ فقہ کی طلب سے ایک قدم بھی دور نہ رہو اور حدیث کا علم سیکھو۔ جاہل صوفیوں سے دُور رہو کیونکہ وہ دین کے چور اور مسلمانوں کے رہزن ہیں۔ تم پر لازم ہے کہ مذہب اہل سنت وجماعت کے پابند رہو اور آئمہ سلف کے مسلک کو اختیار کرو کیونکہ جونئی باتیں پیدا ہوئی ہیں وہ گمراہی ہیں۔ عورتوں، نوجوانوں، بدعتیوں اور دولت مندوں سے صحبت مت رکھو کیونکہ یہ دین کو برباد کر دیتے ہیں اور دنیا سے دو روٹی پر قناعت کرو۔ اگر محبت رکھو تو فقیروں سے رکھو ہمیشہ خلوت نشین رہو اور حلال کھاؤ کیونکہ حلال نیکی کی کنجی ہے۔ حرام سے بچو ورنہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاؤ گے۔ اسی پر ثابت رہنا تا کہ کل کو دوزخ کی آگ میں نہ جاؤ۔ حلال پہنو تا کہ عبادت کی لذت پاؤ۔ حق تعالیٰ کی جلالت سے ڈرتے رہو اور بھولو مت کہ ایک روز تم موقفِ حساب میں کھڑے ہو گے۔ رات دن نماز بہت پڑھا کرو اور جماعت کو ترک نہ کرو۔ امام ومؤذن نہ بنو۔ قبالہ پر اپنا نام نہ لکھو۔ محکمہ قضا میں حاضر نہ ہو۔ خارج از طریقت بادشاہوں کی صحبت میں نہ بیٹھو۔ لوگوں کی وصیتوں میں دخل نہ دو اور لوگوں سے بھاگو جس طرح کہ شیر سے بھاگتے ہیں۔ تم پر لازم ہے کہ گمنام رہو تا کہ نیک نام ہو جاؤ۔ تم پر لازم ہے کہ سفر بہت کرو تا کہ تمھارا نفس خوار ہو جائے۔ خانقاہ نہ بناؤ اور نہ خانقاہ میں رہو کسی کی مدح سے مغرور اور کسی کی مذمت سے غمگین نہ ہو۔ بندوں کی مدح ومذمت تمھارے نفس کے نزدیک برابر ہونی چاہیئے۔ لوگوں سے حسن ظن سے معاملہ کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تمام حالات میں ادب سے رہو۔ بُرے بھلے تمام مخلوقات پر رحم کرو۔ تمھیں قہقہہ مار کر ہنسنا نہ چاہیئے کیونکہ قہقہہ غفلت کے سبب سے ہوتا ہے اور دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے احوال وشدائد جو مجھے معلوم ہیں، اگر تم کو معلوم ہو جائیں تو خندہ (ہنسنا) تھوڑا اور رونا زیادہ کرو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نڈر اور اُس کی رحمت سے نا اُمید نہ رہو۔ خوف واُمید میں زندگی بسر کرو کیونکہ سائلوں کو کبھی خوف ہوتا ہے

اور کبھی اُمید۔

اے فرزند! شیخ اپنے مرید کے لیے بمنزلہ باپ کے ہے بلکہ باپ سے بھی زیادہ مشفق کیونکہ وہ مرید کو مقامِ قرب میں پہنچا دیتا ہے۔ اگر ہو سکے تو نکاح مت کر، ورنہ طلب دنیا بن جاؤ گے اور دنیا کی طلب میں دین کو برباد کردو گے۔ اگر تمھارا نفس نکاح کا مشتاق ہو تو روزے رکھو اور آخرت کے غم میں رہو اور موت کو بہت یاد کرو۔ طالبِ ریاست مت بنو کیونکہ جو طالبِ ریاست ہو اُسے سالک طریقت نہ کہنا چاہیئے۔ تم پر لازم ہے کہ فقر میں پرہیز و دیانت اور پرہیز گاری و علم کے ساتھ پاکیزہ رہو اور خدا تعالیٰ کے رستے میں ثابت قدم رہو۔ جاہلوں سے بچو۔ جان و تن و مال سے مشائخ کی خدمت کرو۔ اُن کے دلوں کا خیال رکھو۔ اُن کی پیروی کرو۔ اُن کے سیر و سلوک پر نگاہ رکھو، اُن میں سے کسی کا انکار نہ کرو سوائے اُن چیزوں کے جو خلافِ شرع ہوں۔ اگر تم مشائخ کا انکار کرو گے تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔ لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو اور کل کے لیے ذخیرہ نہ کرو۔ حق تعالیٰ کے ذخیروں پر بھروسا کرو کیونکہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔ اے فرزند آدم! میں ہر روز تیری روزی تجھے پہنچا دیتا ہوں تو اپنے آپ کو تکلیف نہ دے۔ مقامِ توکل میں قدم رکھو کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔

(پارہ:28،سورۃ الطلاق، آیۃ 3)

پس جان لو کہ رزق قسمت میں لکھا ہوا ہے۔ جوانمرد سخی بنو۔ جو کچھ خدا تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے تم خلقِ خدا پر خرچ کرو۔ بخل و حسد سے دُور رہو کیونکہ بخیل اور حاسد قیامت کے دن دوزخ میں ہوں گے۔ اپنے آپ کو آراستہ مت کرو کیونکہ ظاہر کا آراستہ باطن کی خرابی ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کرو اور تمام خلائق سے ناامید ہو جاؤ۔ اور اُن سے اُنس نہ پکڑو۔ سچ بولو اور ڈرو مت۔ مخلوقات میں کسی سے صحبت نہ رکھو کیونکہ وہ تمھارے دین کو برباد کر دیں گے اور تم خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاؤ گے۔ تم پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی ضروریات کا خیال رکھو تا کہ وہ درست ہو جائے۔ اپنے نفس کی عزت نہ کرو۔ غیر ضروری باتوں سے زبان کو بند رکھو اور ہمیشہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہو۔ تم پر لازم ہے کہ کم بولو، کم کھاؤ۔ کم سوؤ اور جلدی اُٹھو۔ سماع میں زیادہ نہ بیٹھو کیونکہ سماع کی کثرت سے نفاق پیدا ہوتا ہے اور دل مردہ ہو جاتا ہے۔ سماع کا انکار نہ کرو۔ کیونکہ اصحابِ سماع بہت ہیں۔ سماع روا (جائز) نہیں مگر اُس شخص کے لیے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو۔ ورنہ نماز، روزے میں مصروف و مشغول ہونا بہتر ہے۔ چاہیئے کہ (۱) تمھارا دل غمگین، (۲) تمھارا بدن بیمار، (۳) تمھاری آنکھ روتی، (۴) تمھارا عمل خالص، (۵) تمھاری دعا مجاہدہ کے ساتھ، (۶) تمھارا کپڑا پرانا، (۷) تمھارے رفیق درویش، (۸) تمھارا گھر مسجد، (۹) تمھارا مال کتب دین، (۱۰) تمھاری آرائش زہد اور (۱۱) تمھارا مونس باری تعالیٰ ہو۔ کسی شخص سے برادری نہ کر جب تک یہ پانچ خصلتیں اس میں نہ پاؤ۔ اول فقیری دوم دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ سوم ذلت کو عزت پر ترجیح دے۔ چہارم علمِ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہو۔ پنجم موت کے لیے تیار ہو۔

اے فرزند! میری وصیتوں کو نگاہ میں رکھو۔ جس طرح میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ سے یاد کیں اور اُن پر عمل کیا۔

اُسی طرح اب تم بھی یاد کرو اور عمل کرو خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمھارا حافظ و نگہبان ہوگا۔ اگر یہ خصلتیں کسی سالک میں پائی جائیں تو اس کا شیخ و پیر ہونا مسلم ہوگا جو شخص ایسے شیخ کی پیروی کرے گا اور وہ اُس کو مقصد و مقصود تک پہنچا دے گا مگر یہ مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔

(ج) ایک درویش نے آپ سے دریافت فرمایا کہ ''تسلیم'' کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا: تسلیم یہ ہے کہ روزِ الست جو نفس و مال فروخت کر کے بہشت خریدا ہے آج بھی تسلیم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ[1] تسلیم نفس و مال اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے نفس کو مملوکِ حق تعالیٰ سمجھے اور اپنے آپ کو وکیل خرچ حق تعالیٰ جانے اور جہاں تک ہو سکے اپنے نفس اور مال سے بندگانِ خدا کے ساتھ بے لوث نیکی کرے اور مالِ دنیا کو باطن میں جگہ نہ دے اور اپنے آپ کو حکم و قضاء حق تعالیٰ کے تسلیم کرے۔

(د) ایک روز ایک خادم نے عرض کیا کہ فراغت کس کو کہتے ہیں۔ فرمایا: فراغتِ دل یہ ہے کہ محبتِ دنیا دل میں راہ نہ پائے اور یہ نہیں کہ دنیا کے کام کاج سے آزاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا فَاِذَا فَرَغْتَ فانصب یعنی جس وقت تمام موجودات سے دل فارغ ہو جائے، اُس وقت میری خدمت میں مشغول ہو۔ جو لوگ خرید و فروخت اور لوگوں سے معاملہ داری میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے اُن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں یُوں فرماتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

(ترجمہ) ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔

(پارہ 18، سورۃ النور، آیۃ 37)

اگر ان لوگوں میں ہو جاؤ تو سبحان اللہ۔ ورنہ اِن لوگوں کی جان و مال سے خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کرنا تا کہ قیامت کے دن اُن کی خدمت اور محبت کی وجہ سے اُن کے ساتھ ہی تمھارا حشر ہو۔

[1] ترجمہ: بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لیے ہیں۔ اس کے بدلے پر کہ اُن کے لیے جنت ہے۔
(پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیۃ ۱۱)

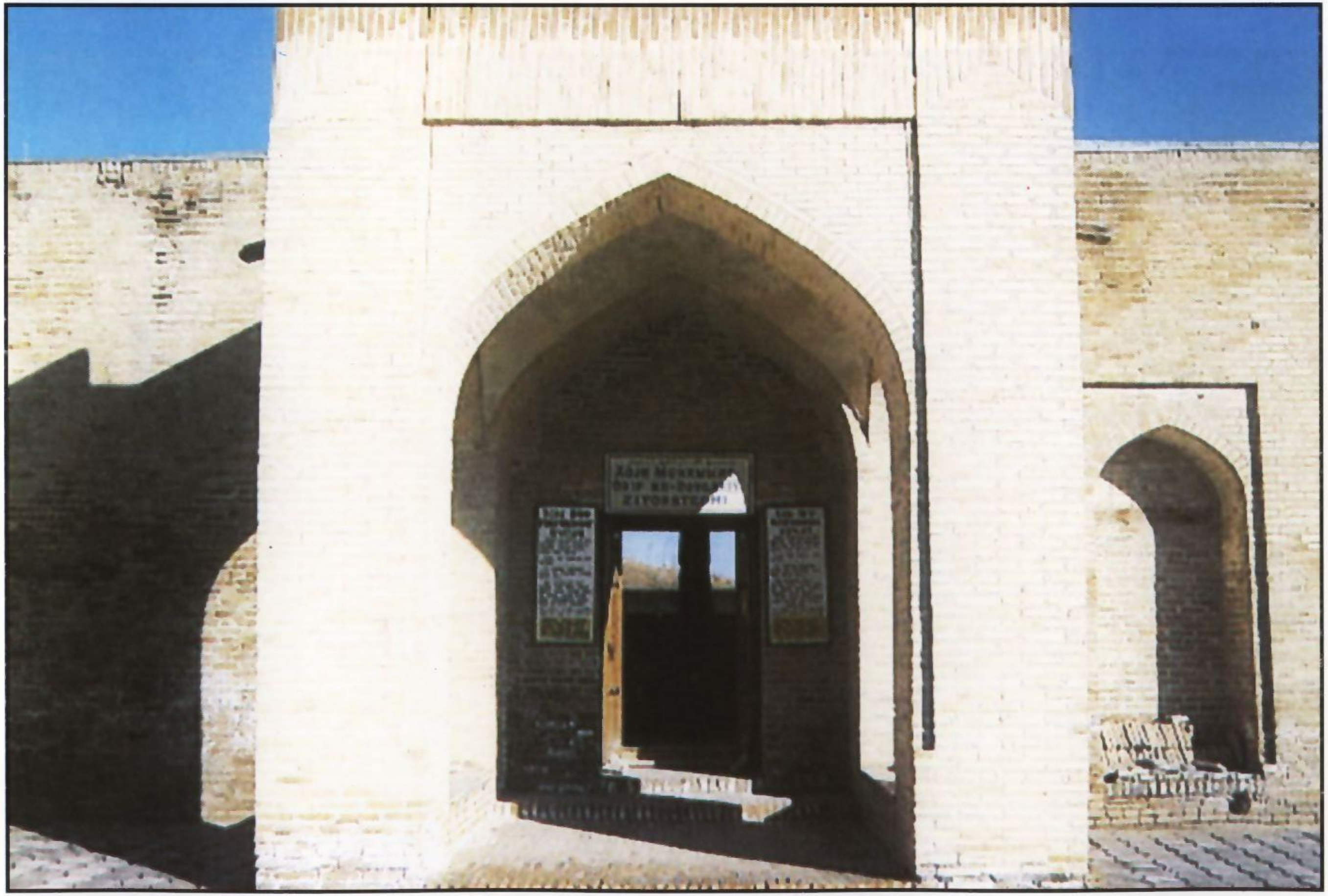
(11)

حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمتہ اللہ علیہ

ریوگر نزد بخارا	551ھ	715ھ	ریوگر نزد بخارا (روس)
	1156ء	1315ء	

مادۂ تاریخ رحلت

"مرآتِ جمال"	"درویش صادِق"	"شہ نشین"
715ھ	715ھ	715ھ



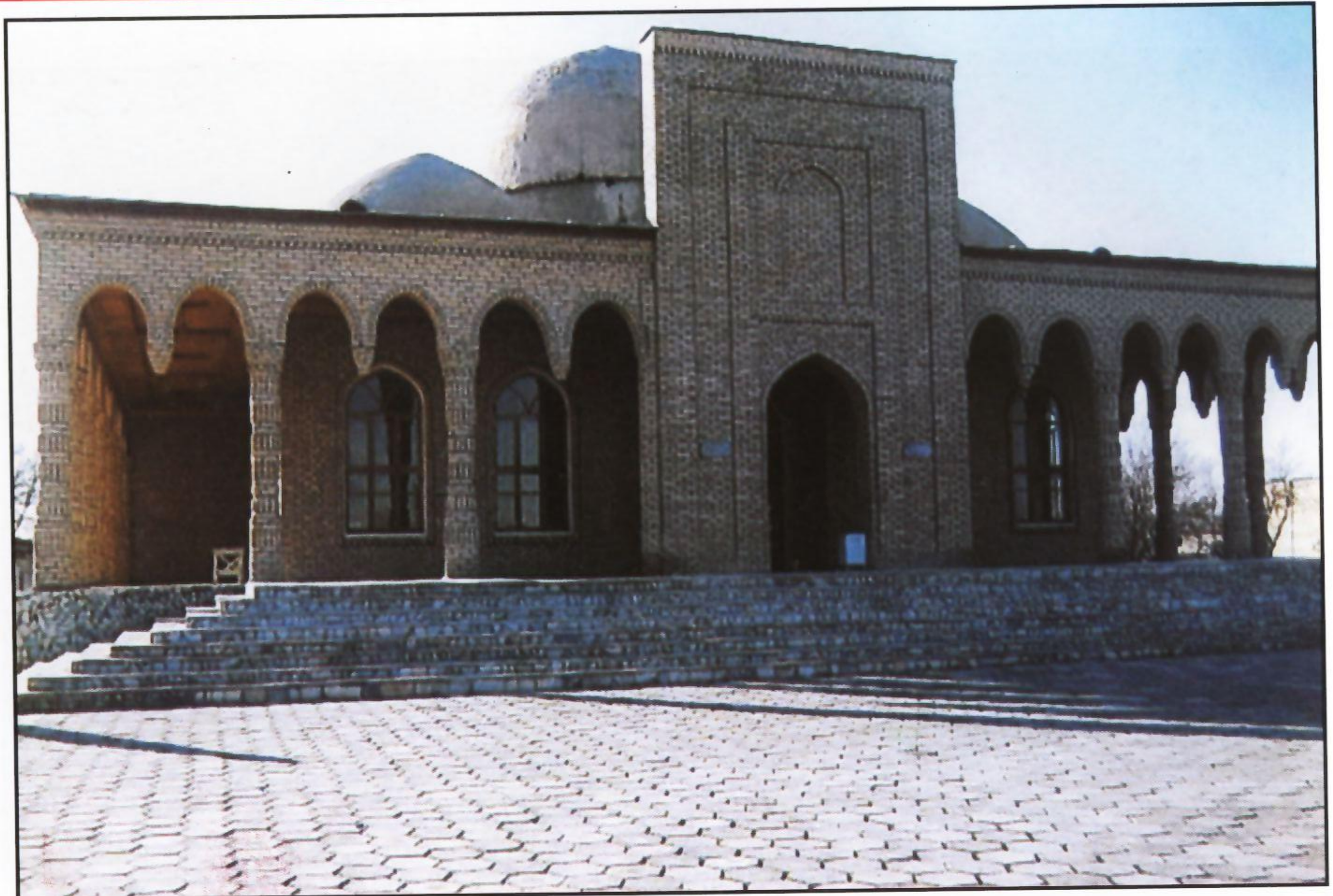
حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف کا بیرونی دروازہ



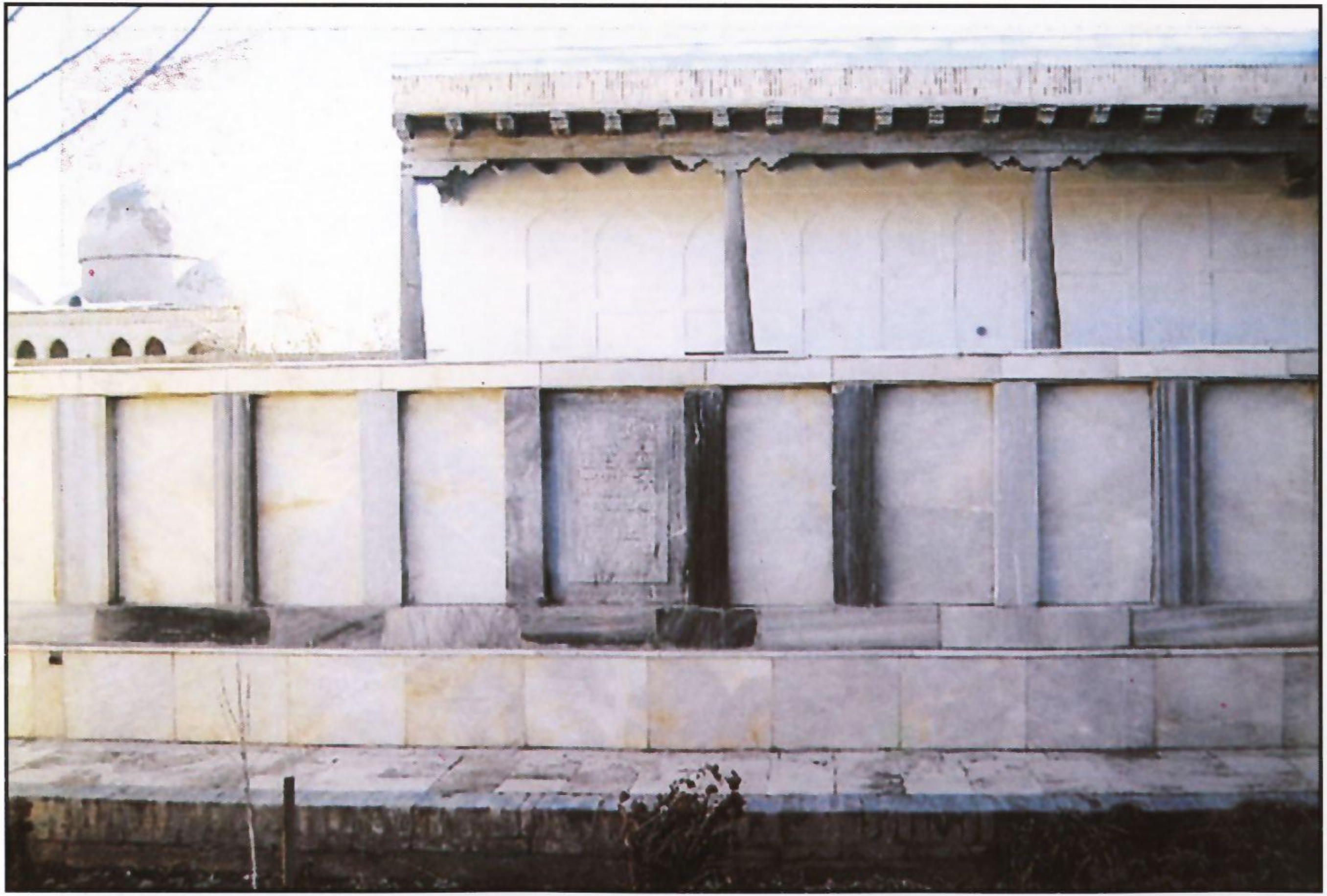
حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ



حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کا مزار مبارک



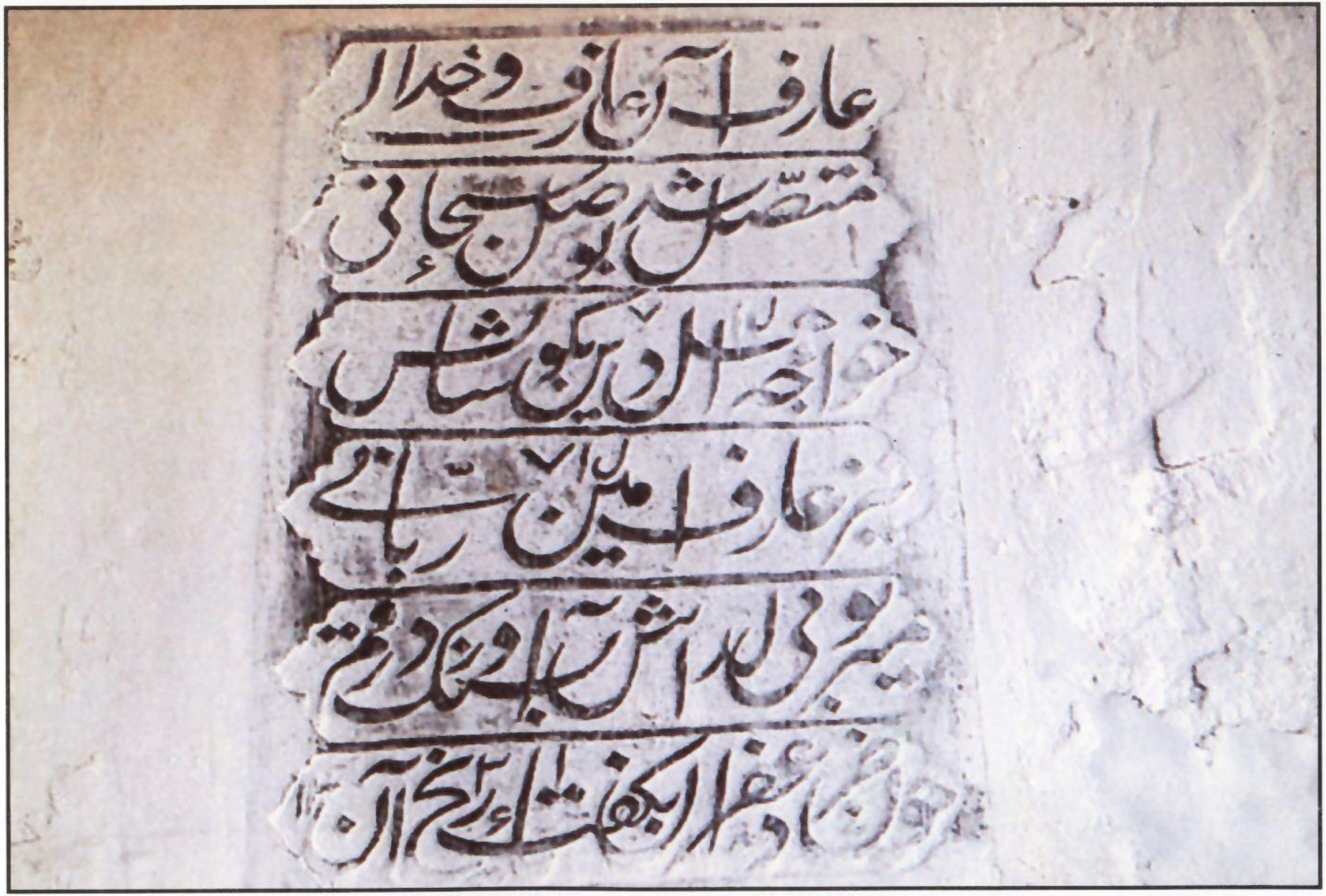
حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کی خانقاہ سے متصل مسجد کا خوبصورت منظر



حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف کے گرد چار دیواری کا منظر



حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ



حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ

حضرت خواجہ عارف ریوگری قدس سرہٗ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کے چار خلیفے تھے۔ (۱) خواجہ احمد صدیق، (۲) خواجہ اولیائے کبیر، (۳) خواجہ سلیمان کرمینی اور (۴) خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہم۔ خواجہ عارف ریوگری خلیفہ اعظم تھے۔ تمام عمر اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت بابرکت میں رہے اور باطنی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ علم و حلم، زُہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور رُشد و ہدایت میں عالی شان رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے اور ایک خلق کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔

آپ کا مولد و مدفن ریوگر (بخارا سے 18 میل اور غجدوان سے 3 میل دُور ایک موضع) ہے۔ آپ کی وفات یکم شوال 715ھ ہے۔ آپ کی عمر شریف بہت دراز تھی۔ آپ کے پیر و مرشد خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی وفات 575ھ میں ہوئی اور آپ کی 715ھ (1315ء) میں گویا کہ آپ پیر و مرشد کی رحلت کے بعد 140 سال زندہ رہے۔ (تحقیق وسعی کے بعد پتہ چلا ہے کہ آپ کی ولادت 27 رجب المرجب 551ھ بمطابق 15 ستمبر 1156ء کو ریوگر میں ہوئی۔)

(12)

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمتہ اللہ علیہ

واپکنہ نزد بخارا		انجیر فغنہ نزد بخارا
717ھ		627ھ
1317ء		1230ء

مادۂ تاریخ رحلت

"یوسف ثانی"

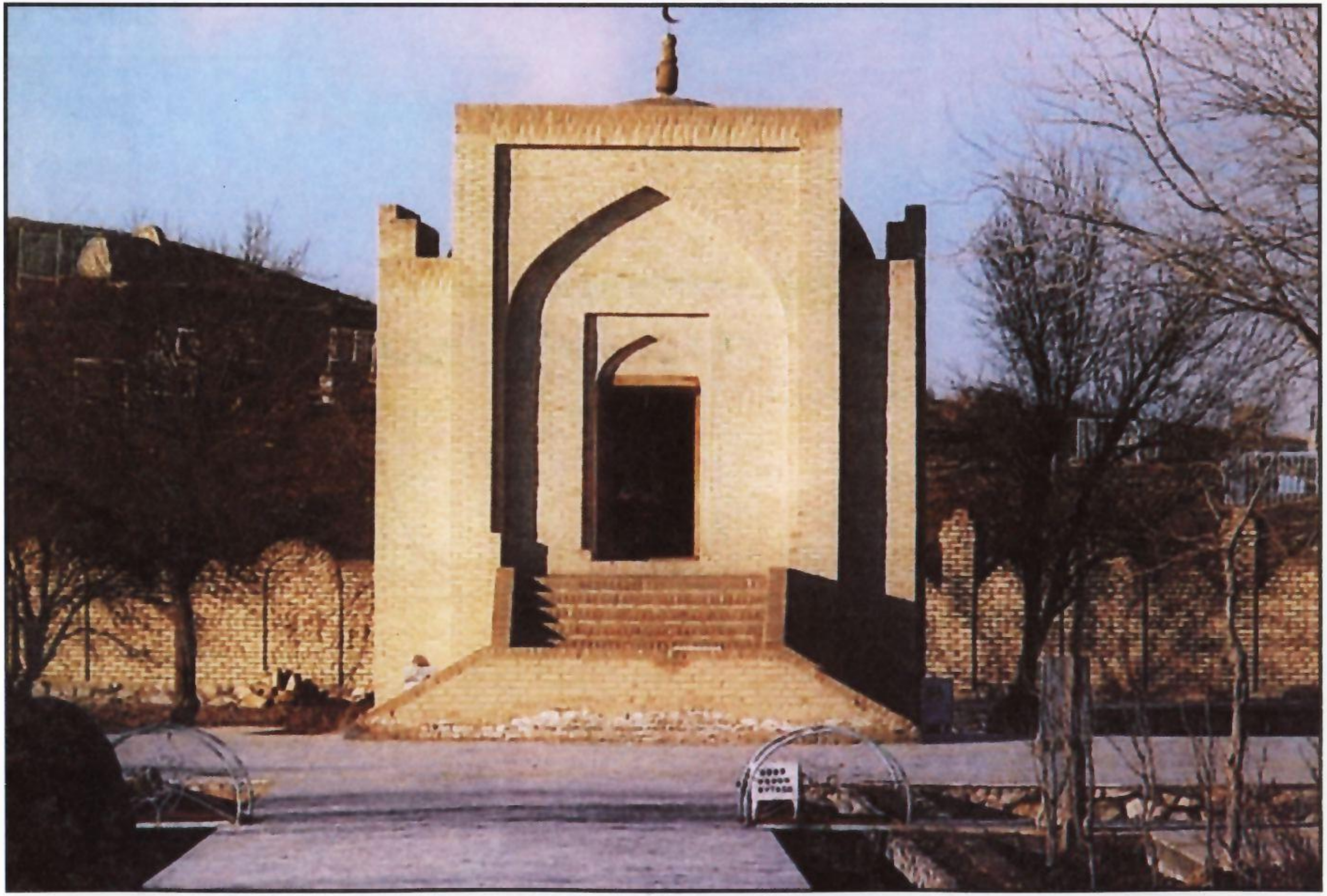
717ھ

"شاہِ عرفانی"

717ھ

"وائے کوکبِ بُرجِ ولایت"

717ھ



حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ؒ کے مزار شریف کا خوبصورت منظر



حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ؒ کے مزار شریف کے صدر دروازہ پر کندہ کتبہ



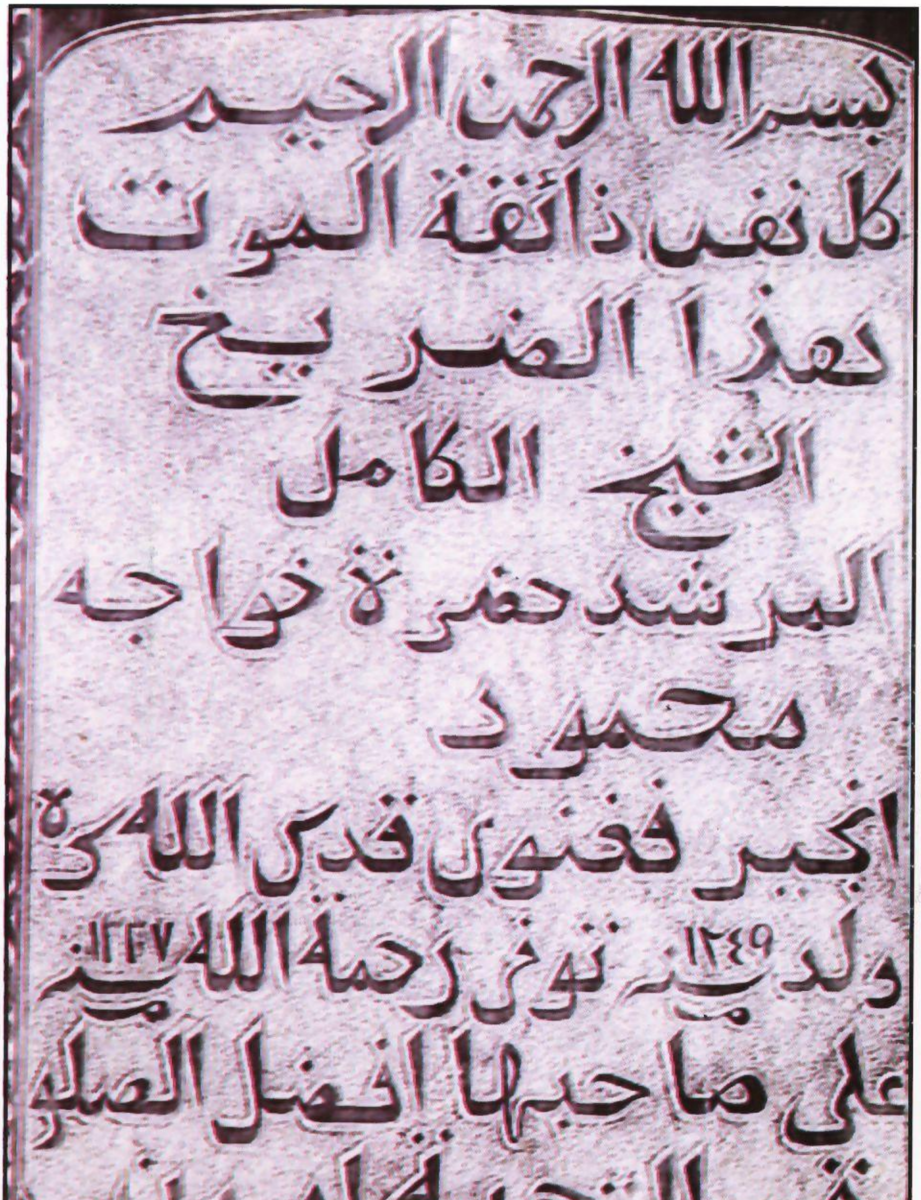
حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ؒ کے مزار کا صدر دروازہ



حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرقدِ انور کا خوبصورت منظر



حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ؒ کے مزار شریف کا بیرونی دروازہ



حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ

264-F

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ عارف ریوگری کے تمام اصحاب میں افضل و اکمل اور خلافت سے ممتاز تھے۔ آپ کی ولادت 18 شوال 627ھ (1230ء) کو موضع انجیر فغنہ نزد وابکنہ (بخارا سے چند میل دُور) میں ہوئی۔ ذریعہ معاش گلکاری (نقاشی، بیل بوٹے کا کام) تھا۔ جب آپ کو اجازتِ ارشاد مل گئی تو آپ نے مصلحتاً اور بتقاضائے وقت ذکر جہر شروع کیا۔ کیونکہ حضرت خواجہ عارف ریوگری نے آخری وقت فرمایا تھا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جس کی طرف ہمیں اشارہ ہوا تھا کہ طالبوں کو بر بنائے مصلحت ذکر جہر اختیار کرنا پڑے گا۔

مولانا حافظ الدین بخاریؒ (جو اُس وقت کے بہت بڑے عالم اور خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ، کے جد اعلیٰ تھے) نے رئیس العلماء شمس الائمہ حلوائی کے اشارے سے علماء عصر کی ایک جماعت کے روبرو حضرت خواجہ محمودؒ سے سوال کیا تھا کہ آپ ذکر جہر کس نیت سے کرتے ہیں! آپ نے فرمایا، تاکہ سویا ہوا بیدار اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے۔ راہِ راست پر آ جائے اور شریعت و طریقت پر استقامت حاصل کرے اور توبہ و انابت (خدا کی طرف رجوع، انکسار و عاجزی) کی طرف رغبت کرے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کی نیت درست ہے اور آپ کے لیے یہ شغل جائز ہے لیکن ذکر جہر کی ایک حد مقرر کر دیجئے کہ جس سے حقیقت، مجاز سے اور بیگانہ، آشنا سے ممتاز ہو جائے۔ اس پر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ذکر جہر اُس شخص کے لیے جائز ہے کہ جس کی (۱) زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو (۲) جس کا حلق حرام و شبہ سے، (۳) دل ریا و سمعہ سے اور (۴) باطن توجہ بماسواء سے پاک ہو۔

حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ محمود (قدس سرہٗ) کے وقت ایک درویش نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ اس زمانے میں مشائخ میں سے ایسا کون ہے جو طریق استقامت پر ثابت قدم ہو تاکہ اُس کا مرید بن کر پیروی کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی خواجہ رامیتنیؒ کے بعض اصحاب نے کہا کہ وہ درویش سائل خود خواجہ رامیتنیؒ تھے مگر اپنا نام اس وجہ سے نہ لیا کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اُنھوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے۔

آپ صاحب کرامت بزرگ تھے جن کی کرامتیں زبان زدِ عام تھیں۔ بطور تبرک ایک کرامت درج ذیل ہے۔

ایک روز حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ، خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کے باقی اصحاب کے ساتھ موضع رامیتن میں مشغولِ ذکر تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا سفید پرندہ اُن کے اوپر اُڑا چلا آتا ہے۔ جب وہ پرندہ اُن کے عین سر پر آیا تو بزبانِ فصیح بولا: ''اے علی مرد بن اور اپنے کام میں مشغول رہ''۔ یہ بات سن کر تمام اہلِ مجلس پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت خواجہ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا! حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ حضرت خواجہ

محمود فغنوی قدس سرہٗ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ طاقت اور قوت بخشی ہے کہ وہ جس مخلوق کے قالب میں چاہیں متشکل ہو جائیں اور وہ ہمیشہ اُس مقام پر پرواز کرتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کئی ہزار کلمات فرمائے اُس وقت خواجہ دہقان قلتیؒ بروایت دیگر خواجہ دہقان قلبیؒ (خلیفۂ اول خواجہ اولیائے کبیرؒ) کا وقت آخر تھا۔ اُنھوں نے دُعا کی تھی، یا اللہ! میرے اس آخری وقت میری مدد کے لیے اپنے دوستوں میں سے کسی کو بھیج تاکہ اُس کی برکت سے اپنا ایمان سلامت لے جاؤں۔ چنانچہ باشارۂ ربانی حضرت خواجہ محمود فغنویؒ کی روح مبارک خواجہ دہقان کے پاس پہنچی تھی۔ ان کا خاتمہ بالخیر ہوگیا اور اب واپس تشریف لے گئے ہیں چونکہ انھیں میرے حال پر فرطِ محبت وعنایت تھی لہٰذا اس راہ سے گزرتے ہوئے مجھ پر کرم فرمایا۔

واضح رہے کہ حیاتِ دنیوی میں بعض بزرگانِ خدا کو غایتِ صفا و لطافت سے بعنایت ایزدی اس بات پر قدرت ہوتی ہے کہ جسم ظاہری کی قید کے باوجود مختلف بدن تبدیل کرسکیں۔ چونکہ موت کے بعد جب کہ یہ قید رفع ہوجاتی ہے اور طائرِ روح اس قفس سے آزاد ہوجاتا ہے لہٰذا وہ دوسرے بدن میں تبدیل ہونے پر بطریقِ اولیٰ قادر ہیں۔ اسے بروز کہتے ہیں۔ بروز وتناسخ میں فرق ہے۔ اہل تناسخ عموم ولزوم کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی روح نفیس ہو یا خسیس۔ مسلمان ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان، کسی بدن سے جدا نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دوسرا بدن اس کے واسطے تیار نہ ہوتا کہ پہلے بدن سے نکلتے ہی دوسرے میں چلی جائے۔ بخلاف اہل بروز کے اُن کے نزدیک نہ عموم ہے نہ لزوم۔ یعنی اس طائفہ کے نزدیک یہ کاملین سے خاص ہے اور وہ بھی بر سبیل لزوم نہیں۔ کیونکہ موت کے بعد کبھی مصلحت کی بنا پر دوسرے بدن میں ظاہر ہوتے ہیں۔ خواہ وہ بدن اصلی دنیوی کی مثل ہو یا نہ ہو اور صورت بشری میں ہو یا نہ ہو اور پھر اتمام مطلوب کے بعد پس پردہ غائب ہوجاتے ہیں۔ جو لوگ بروز وتناسخ میں فرق نہیں کرتے وہ اولیائے کرام پر بیجا اعتراض اور طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

تا چند کنی ببادہ نوشاں انکار
انکار مکن کہ نیست نیکو ایں کار
رندے کہ بود زبادۂ عرفان مست
زنہار برو طعنہ مکن صد زنہار

آپ کی وفات 17 ربیع الاوّل 717ھ 1317ء کو ہوئی۔ مزار مقدس وابکنہ (نزد بخارا) میں ہے۔

(13)

حضرت خواجہ علی رامیتنی

ملقب بہ

عزیزاں علی رحمتہ اللہ علیہ

591ھ		721ھ
رامیتن نزد بخارا	ـــــــــــــــ	خوارزم
1194-95ء		1321ء

مادۂ تاریخ رحلت

"دنفعی حشر"	"ذکا"
721ھ	721ھ

حضرت خواجہ علی رامیتنی ملقب بہ عزیزاں علی رحمتہ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ محمود فغنوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔ سلسلۂ خواجگان میں آپ کا لقب عزیزاں ہے اور حضرت عزیزان علی کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ آپ کے مقامات عالیہ اور کرامات عجیبہ بہت ہیں۔ آپ صنعتِ بافندگی میں مشغول و مصروف رہا کرتے تھے۔ عارفِ جامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی شہرتِ عام اور بقائے دوام کی حامل کتاب ''نفحات الانس'' میں لکھا ہے کہ:

''میں نے بعض اکابر سے یوں سنا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ کے شعر ذیل میں آپ (خواجہ عزیزاں علی) ہی کی طرف اشارہ ہے۔

گر نہ علم حال فوقِ قال بودے کے شدے
بندہ اعیان بخارا خواجۂ نساج را

علم حال اگر قال سے بہتر نہ ہوتا تو سردارانِ بخارا
خواجہ نساج (بافندہ) کے کب غلام بنتے

آپ کی پیدائش موضع رامیتن (بخارا شہر سے چھ میل دور) 591ھ میں ہوئی اتفاقاتِ زمانہ سے آپ رامیتن سے باورد میں تشریف لائے اور ایک مدت تک یہاں کے لوگوں کو راہِ خدا بتاتے رہے۔ بعد ازاں خوارزم شہر میں مقیم ہو گئے اور حسب معمول ہدایتِ خلق اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے خوارزم میں بہت سے لوگ آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔

آپ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہٗ کے خلفاء کبار میں سے ہیں جب حضرت خواجہ محمود انجیر کا وقتِ آخر قریب پہنچا تو اُنھوں نے اپنی خلافت اور جمیع اصحاب آپ کے سپرد کر دیے۔ آپ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے اور انھی کے اشارہ سے ہی حضرت خواجہ محمود فغنوی کے مرید ہوئے تھے۔

کرامات

(1) حضرت سید اتاؒ اور آپ (حضرت عزیزاںؒ) ہمعصر تھے اور کبھی کبھی ایک دوسرے سے ملاقات بھی کر لیا کرتے تھے۔ شروع شروع میں سید اتاؒ کا دل آپ کے متعلق صاف نہیں تھا چنانچہ ایک روز سید اتا کی طرف سے آپ کی شان میں کوئی بے ادبی اور گستاخی وقوع پذیر ہوگئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ انھیں دنوں ایک جماعت دشتِ قبچاق کی طرف سے حملہ آور ہوئی اور سید اتاؒ کے لڑکے کو پکڑ کر لے گئی۔ سید اتاؒ کو خیال آیا کہ یہ حادثہ اُس بے ادبی کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ فوراً آ کر معذرت کی اور آپ کی اپنے ہاں دعوت کی جسے آپ نے قبول فرما لیا۔



مزار مبارک حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی ؒ



حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنیؒ کے مزار شریف کا صدر دروازہ



حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی ؒ کے مزار مبارک کا بیرونی منظر



حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنیؒ اور آپ کے دو صاحبزادگان کے مزار شریف

آپ ان کی دعوت میں تشریف لے گئے۔ دعوت میں بڑے بڑے علماء اور مشاہیر مدعو تھے۔ آپ اُس روز نہایت خوش وقت اور عالم کیفیت میں تھے جب خادم نے دستر خوان بچھایا اور نمکدان لایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ علی (حضرت نے اپنے آپ کو مخاطب کیا) اُس وقت تک اپنی انگلی نمک پر نہ رکھے گا اور نہ ہاتھ کھانے کی طرف بڑھائے گا جب تک سیداتا کا لڑکا دستر خوان پر حاضر نہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا تو اچانک لڑکا دروازے سے اندر داخل ہوا۔ مجلس میں یکبارگی شور بلند ہوا اور سب کے سب حیران رہ گئے۔ لڑکے سے اس کے آنے کی کیفیت دریافت کی گئی تو اُس نے بتایا کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ ابھی ابھی ترکوں کی قید میں تھا اور وہ مجھے اپنے ملک میں لے جا رہے تھے لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ آپ سب کے سامنے حاضر ہوں۔ اہل مجلس کو یقین ہو گیا کہ یہ آپ (حضرت عزیزاںؒ) کا تصرف ہے۔ سب آپ کے پاؤں پر گر پڑے اور مرید ہو گئے۔

(2) ایک روز آپ کے ہاں ایک عزیز مہمان آ گیا۔ گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ آپ پریشان ہو کر گھر سے نکلے۔ اچانک آپ کا ایک معتقد طعام فروش لڑکا کھانے کی بھری ہوئی دیگ سر پر اٹھائے آ پہنچا۔ اُس نے عرض کی کہ میں نے یہ کھانا آپ کے خادموں کے لیے تیار کیا ہے، امیدوار شرف قبولیت ہوں۔ آپ کو اس لڑکے کی یہ خدمت بہت پسند آئی۔ جب مہمان کھانا کھا چکے تو اُس لڑکے کو بلا کر فرمایا ''ہم تیری اس خدمت سے بہت خوش ہیں، اب تیری جو مراد ہے ہم سے بلا دھڑک مانگ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پوری ہو جائے گی۔'' لڑکا بہت زیرک اور دانا تھا، بولا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ خواجہ عزیزاں بن جاؤں''۔ آپ نے فرمایا ''یہ تو نہایت مشکل ہے، اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے کی تجھ میں ہمت اور طاقت نہیں ہے۔'' لڑکے نے عرض کیا کہ ''میری مراد تو پھر یہی ہے اور اس کے سوا کوئی آرزو نہیں ہے''۔

سب کچھ تجھی سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اب اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

آپ نے ارشاد فرمایا کہ بالکل اسی طرح ہو جائے گا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر جلوت سے خلوتِ خاص میں لے گئے۔ اُس پر توجہ ڈالی اور وہ لڑکا تھوڑی سی دیر میں صورت و سیرت میں آپ کی طرح کا بن گیا۔ اس کے بعد وہ تقریباً چالیس روز زندہ رہا اور پھر داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

(3) کہتے ہیں کہ جب آپؒ نے باشارۂ غیبی بخارا سے خوارزم کا قصد کیا تو شہر کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر گئے۔ اپنے دو درویشوں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کہ ایک بافندہ فقیر آپ کے شہر کے دروازے پر کھڑا ہے اور اقامت کا ارادہ رکھتا ہے، اگر اجازت ہو تو داخل شہر ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے اور درویشوں کو تاکید کی کہ اگر بادشاہ اجازت دے دے تو اجازت نامہ پر مہر و دستخط کروا کر لانا۔ جب درویشوں نے بادشاہ کے پاس اپنا مدعا بیان

کیا تو بادشاہ اور ارکانِ سلطنت ہنس پڑے اور کہنے لگے آپ کے پیر بہت سادہ اور نادان آدمی ہیں اور پھر از راہِ مذاق اجازت نامہ دے دیا۔ درویش اجازت نامہ لے کر آپ یعنی حضرت عزیزاں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا قدم مبارک شہر میں رکھا اور گوشہ نشین ہو کر حضرات خواجگان کے طریقے کے مطابق اپنے اوراد و اذکار میں مشغول ہو گئے۔

آپ ہر روز صبح کے وقت مزدور گاہ میں تشریف لے جاتے اور ایک دو مزدوروں کو اپنے مکان پر لے جا کر فرماتے کے پورا وضو کرو اور نماز عصر تک باوضو ہمارے پاس رہو اور ذکر کرو۔ بعد ازاں اپنی مزدوری لے کر چلے جاؤ۔ مزدور بخوشی ایسا کرتے اور نمازِ عصر تک آپ کی خدمتِ بابرکت میں رہتے۔ جو مزدور ایک دن اس طرح آپ کے پاس رہتے آپ کی صحبت کی برکت اور تاثیر و تصرفِ باطنی سے اُن میں یہ وصف پیدا ہو جاتا کہ آپ کی خدمت سے جدائی گوارا نہ کرتے۔ اس طرح کچھ مدت کے بعد وہاں کے لوگ آپ کے مرید بن گئے اور آپ کے گرد طالبانِ خدا کا ہجوم نجوم ہو گیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ تک یہ خبر پہنچی کہ اس شہر میں ایک شخص آیا ہے جس نے شہر کے اکثر و بیشتر لوگوں کو مرید کر لیا ہے اور ہر وقت اس کے گرد جمگھٹا رہتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں ملک میں کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو جائے جس کا انسداد ممکن نہ ہو سکے۔ بادشاہ نے بلا سوچے سمجھے آپ کے اخراج کا حکم دے دیا۔ آپ نے انھی دو درویشوں کے ہاتھ اجازت نامہ بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا کہ ہم تمھارے شہر میں تمھاری ہی اجازت سے آئے ہیں، اب اگر تم اپنے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اس پر بادشاہ اور تمام ارکان سلطنت نادم و شرمسار ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے محبین و مخلصین میں سے ہو گئے۔

(4) آپ کے دو بیٹے تھے۔ ایک خواجہ محمد جو خواجہ خوردؒ کے نام سے مشہور تھے کیونکہ آپ کے اصحاب آپ (حضرت عزیزاں علیؒ) کو خواجہ بزرگ کہا کرتے تھے اور خواجہ محمد کو خواجہ خورد۔ دوسرے خواجہ ابراہیم تھے۔ جو خواجہ محمد سے چھوٹے تھے جب آپ کا زمانہ وفات قریب آیا تو آپ نے خواجہ ابراہیم کو اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ بعض مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ بڑے صاحبزادے کی موجودگی میں (جو عالم و عارف ہیں) چھوٹے کو کیوں خلیفہ بنایا گیا ہے۔ آپ نے ان کے خطرے پر آگاہ ہو کر فرمایا، کہ خواجہ خوردؒ ہمارے بعد زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے بلکہ جلدی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع و ظہور ہوا۔ آپ کی رحلت کے انیس (19) روز بعد خواجہ خوردؒ نے وفات پائی۔ جب کہ خواجہ ابراہیم نے 793ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا وصال 28 ذی قعد 721ھ 1321ء کو خوارزم میں ہوا اور وہیں آخری آرام گاہ بنی۔

ارشاداتِ قدسیہ

(1) حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ (جو آپ کے ہم عصر تھے) نے ایک درویش کو آپ کی خدمت میں

بھیج کر تین مسئلے پوچھے اور ہر ایک کا جواب پایا۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ ہم اور تم آنے جانے والوں کی خدمت کرتے ہیں۔تم کھانے میں تکلف نہیں کرتے جب کہ ہم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ کے ہاں حاضر ہونے کی آرزو کرتے ہیں اور ہماری شکایت؟ آپ نے جواب دیا کہ احسان جتا کر خدمت کرنے والے بہت ہیں اور احسان مند ہو کر خدمت کرنے والے کم ہیں۔کوشش کرو کہ تم دوسری قسم سے بنو تا کہ کوئی تمھاری شکایت نہ کرے۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمھاری تربیت خواجہ خضر علیہ السلام سے ہوئی ہے، یہ کس طرح ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عاشق ہوتے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام ان کے عاشق ہوتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہم نے سنا ہے۔ آپ ذکر جہر کرتے ہیں، یہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا، میں نے بھی سنا ہے کہ تم ذکر خفیہ کرتے ہو۔ پس تمھارا ذکر بھی جہر ہوا۔

(2) مولانا سیف الدینؒ (جو اس زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے) نے آپ سے سوال کیا کہ تم ذکرِ علانیہ کس نیت سے کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آخیر دم میں ذکر بلند کرنا اور تلقین کرنا جائز ہے۔ بحکم حدیث شریف

لقنوا موتاکم بشهادة ان لا اله الا الله — تم اپنے مردوں کو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کی شہادت کی تلقین کرو

درویشوں کا ہر دم، دم آخیر ہے۔

(3) حضرت شیخ بدرالدین (جو شیخ حسن بلغاریؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے) نے آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو ارشاد فرماتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا (پارہ:22،سورۃ احزاب،آیۃ:41) — اے ایمان والو! خدا کو بہت یاد کیا کرو۔

ذکر کثیر سے ذکرِ زبان مراد ہے یا ذکرِ دل؟ آپ نے فرمایا کہ مبتدی کے لیے ذکرِ زبان اور منتہی کے لیے ذکرِ دل۔ متبدی ہمیشہ تکلف و تعمل سے کام لیتا ہے جب کہ منتہی کے ذکر کا اثر دل تک پہنچتا ہے اور اس کے تمام اعضاء رگیں اور جوڑ ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت سالک ذکر کثیر سے متصف ہوتا ہے اور اس حالت میں اس کا ایک دن کا کام دوسروں کے سال بھر کے کام کے برابر ہوتا ہے۔

(4) آپ نے فرمایا کہ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہر شب و روز میں بندۂ مومن کے دل پر تین سو ساٹھ (360) بار نظر رحمت کرتا ہے، اس طرح ہے کہ دل تمام اعضاء کی طرف تین سو ساٹھ دریچے رکھتا ہے اور دل کے متصل تین سو ساٹھ رگیں جهنده (کودنے والی) اور غیر جهنده (نہ کودنے والی) ہیں۔ جب دل ذکر سے متاثر ہوتا ہے اور اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر خاص کا مستحق ہو جائے تو اس نظر کے آثار دل سے تمام اعضاء کی طرف منشعب (منتشر) ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک عضو اپنے اپنے حال کی مناسب سے طاعت میں مشغول ہو جاتا

ہے اور ہر عضو کی طاعت کے نور سے ایک فیض جس سے مراد نظرِ رحمت ہے دل کو پہنچتا ہے۔

(5) آپ سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے اپنی صنعت (بافندگی) کی مناسبت سے جواب دیا کہ توڑنا اور جوڑنا۔ یعنی ماسواء (غیر اللہ) سے توڑنا اور اللہ تعالیٰ سے جوڑنا۔

(6) آیہ توبوا الی اللہ (اللہ کی طرف توبہ کرو) (پارہ:28، سورۃ التحریم، آیۃ:8) میں اشارت بھی ہے اور بشارت بھی۔ اشارت ہے توبہ کرنے اور بشارت ہے اُس کے قبول ہونے کی۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہ کرتا تو پھر توبہ کا امر بھی نہ کرتا۔ امر دلیل ہے قبول کی مگر دیدِ قصور کے ساتھ۔

(7) عمل کرنا چاہیئے مگر ناکردہ خیال کرنا چاہیئے اور اپنے آپ کو ہمیشہ قصوروار سمجھنا چاہیئے اور بصورتِ نقصان عمل کو از سرِنو کرنا چاہیئے۔

(8) دو وقتوں پر اپنے آپ پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیئے۔ (۱) بات کرنے کے وقت اور (۲) کوئی چیز کھانے کے وقت۔

(9) ایک روز حضرت خضر علیہ السلام حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے پاس آئے خواجہؒ نے جو کی دو روٹیاں گھر سے لاکر پیش کیں مگر حضرت خضر علیہ السلام نے تناول نہ کیں۔ خواجہؒ نے عرض کیا کہ تناول فرمایئے لقمہ حلال ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، درست ہے لیکن خمیر کرنے والا بے وضو تھا۔ ہمارے لیے اس کا کھانا روا نہیں ہے۔

(10) جو شخص مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور لوگوں کو راہِ خدا بتائے۔ اُسے پرندے پالنے والے کی طرح ہونا چاہیئے جو ہر ایک پرندہ کے پوٹے سے واقف ہوتا ہے اور ہر ایک کے لیے مناسب خوراک دیتا ہے۔ اسی طرح مرشد کو بھی چاہیئے کہ اپنے مریدوں میں سے ہر ایک کی تربیت اس کی استعداد و قابلیت کے مطابق کرے۔

(11) اگر تمام روئے زمین میں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے فرزندوں میں سے ایک بھی ہوتا تو منصور کبھی سولی پر نہ چڑھتا۔ یعنی اگر حضرت خواجہؒ کے معنوی فرزندوں میں سے ایک بھی زندہ ہوتا تو وہ حسین منصور کی تربیت کر کے اس مقام سے اوپر لے جاتا۔

(12) سالکانِ طریقت کو ریاضت و مجاہدہ کثرت سے کرنا چاہیئے تاکہ وہ کسی مقام و مرتبے پر پہنچ سکیں لیکن مقصود کو جلد پہنچنے کا سب سے نزدیکی راستہ یہ ہے کہ سالک خلق اور خدمت کے ذریعے کسی صاحب دل کے دل میں گھر کر لے چونکہ گروہ صاحبدلاں کا دل نظر حق کا مورد (ٹھہرنے کی جگہ) ہے۔ لہٰذا سالک کو اس نظر سے حصہ مل جائے گا۔

(13) ایسی زبان سے دعا کرو کہ جس سے گناہ نہ کیا ہو تاکہ وہ دعا درجۂ قبولیت پائے یعنی خدا کے دوستوں کے آگے تواضع اور التجا کرو تاکہ وہ تمھارے واسطے دعا کریں۔

(14) ایک روز کسی نے آپ کے سامنے یہ مصرع پڑھا ع

عاشقاں دردمے دو عید کنند

آپ نے فرمایا کہ عاشق ایک دم میں دو کیا۔ تین عید کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اس کی تشریح فرمادیجئے۔

حضرت نے فرمایا کہ بندے کی ایک یاد اللہ تعالیٰ کی دو یادوں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے بندے کو توفیق دیتا ہے کہ اس کو یاد کرلے پھر جب بندہ اُسے یاد کرتا ہے تو اسے شرف قبولیت سے مشرف فرماتا ہے۔ پس (۱) توفیق، (۲) یاد اور (۳) قبولیت تین عیدیں ہوئیں۔

(15) ایک روز شیخ فخر الدین نوریؒ (جو اکابر وقت سے تھے) نے آپ سے سوال کیا کہ روزِ ازل میں جب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں؟) (پارہ:9، سورۃ الاعراف، آیۃ:172) کے ساتھ سوال ہوا تو ایک گروہ نے لفظ بَلٰی (کیوں نہیں) (پارہ:9، سورۃ الاعراف، آیۃ:172) کے ساتھ جواب دیا۔ مگر روز ابد میں جب اللہ تعالیٰ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط (ترجمہ: آج کس کی بادشاہی ہے) (پارہ:24، سورۃ المؤمن، آیۃ:16) کہے گا تو کوئی جواب نہ دے گا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا روزِ ازل تکالیف شرعیہ کی وضع کا دن تھا اور شرع میں گفت ہوتی ہے، مگر روزِ ابد تکالیفِ شرعیہ کے اُٹھا دینے اور ابتدائے عالم حقیقت کا دن ہے اور حقیقت میں گفت نہیں ہوتی۔ اس لیے اس روز اللہ تعالیٰ خود اپنے سوال کا جواب یوں دے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ ترجمہ: ایک اللہ سب پر غالب کی۔ (پارہ:24، سورۃ المؤمن، آیۃ:16)

(16) اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسے شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہو کیونکہ خدا کے مصاحب کا مصاحب، مصاحبِ خدا ہے۔

(17) اگر کسی کے پاس بیٹھو اور خدا تعالیٰ کو بھول جاؤ تو اس آدمی کو شیطان سمجھو۔ کیونکہ ایسا آدمی نما ابلیس بدر جہا بدتر ہے ابلیس لعین سے کہ ابلیس تو پوشیدہ طور پر وسوسہ ڈالتا ہے مگر یہ آدمی نما ابلیس ظاہری طور پر۔

(18) نیک کام سے نیک دوست بہتر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیک کام سے تجھ میں تکبر وغرور پیدا ہو جائے مگر نیک دوست تو تجھے نیک کام ہی کا مشورہ دے گا۔

(19) بعض دور والے مجھ سے نزدیک ہیں اور نزدیک والے دُور۔ دُور والے نزدیک اس طرح ہیں کہ وہ ظاہری لحاظ سے تو دُور ہیں مگر دل و جان سے نزدیک ہیں اور نزدیک والے دُور اس طرح ہیں کہ وہ اگرچہ ظاہراً میرے پاس ہیں مگر دل و جان سے میرے ساتھ نہیں ہیں۔ یعنی وہ دل سے کاروبار دنیا اور ہوا و ہوس میں مشغول و مصروف ہیں لہٰذا مجھے دور والے نزدیک بہتر ہیں نزدیکانِ دور سے کیونکہ ان سے تو نہ جان و دل کی نزدیکی کا اعتبار ہے نہ آب و گل کی۔

اگر در یمنے کہ بامنی پیش منی
در پیش منی کہ بے منی در یمنی

(20) کسی درویش نے آپ سے دریافت کیا کہ بالغِ شریعت کس کو کہتے ہیں اور بالغ طریقت کون ہے؟ آپ نے فرمایا، بالغِ شریعت وہ ہے کہ جس سے منی (غرور، تکبر، خودی، خود بینی، نخوت) نکلے اور بالغ طریقت وہ ہے کہ

جو منی سے باہر آئے یعنی کہ اس کی خودی جاتی رہے۔ اُس درویش نے یہ سن کر اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ آپ نے ارشاد کیا، سر کے زمین پر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو کچھ سر میں (غرور و تکبر) ہے وہ زمین پر رکھو۔

(21) آپ کے فرزندِ ارجمند اور جانشین حضرت خواجہ ابراہیم قدس سرہٗ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اَلْفَقِیْر لَا یُحتَاج اِلَی اللّٰہِ (یعنی فقیر نہیں حاجت رکھتا طرف اللہ کی) آپ نے ارشاد فرمایا لَا یُحتَاج بِالسئوال اللّٰہ یعنی فقیر سوال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلام الغیوب ہے لہٰذا اس سے سوال کرنے کی کیا حاجت اور ضرورت ہے۔ وہ تو سب کی حاجتیں جانتا ہے اور پوری کرتا ہے۔

(22) غنا، بے پروائی کو کہتے ہیں اور یہ اگرچہ بصورتِ تونگری معلوم ہوتی ہے مگر فقیری کے وصف سے ہے۔

(23) اگر فقیر کے ہاتھ میں کچھ نہ ہو اور دل میں بھی کوئی خواہش نہ رکھتا ہو تو وہ فقیر محمود الصفات ہے۔ پھر اگر وہ الفقر فخری کا نعرہ بلند کرے تو درست ہے لیکن اگر فقیر ہاتھ میں کچھ نہ رکھے مگر دل میں خواہاں ہو تو وہ گدائے محلّہ ہے نہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تابع اور فرمانبردار اور اگر فقیر ہاتھ میں کچھ رکھے اور دل میں بھی خواہاں ہو تو وہ فقیر مذموم الصفات ہے اور سواد الوجہ و کا دالفقران یکون کفراً اُس پر صادق آتا ہے۔

(24) کسی نے سوال کیا کہ حدیث الفقر سواد الوجہ اور کادالفقران یکون کفرا متناقض حدیثِ الفقر فخری ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل الذکر دونوں حدیثیں اُن فقیروں کے حق میں ہیں جو اپنا فقر لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں اور اس کو ذریعہ گدائی ٹھہرا کر منفعت حاصل کرتے ہیں۔

(25) اگر بندہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے کہ اے میرے بندے! ہم سے کچھ مانگ حاجت طلب کر۔ تو اس مقام پر شرط بندگی یہ ہے کہ بندہ خدا سے خدا کے سوا کچھ نہ مانگے۔

(26) آپ کے صاحبزادہ خواجہ ابراہیمؒ نے عرض کیا کہ منصورؒ نے اناالحق کہا اور بایزیدؒ نے لَیْسَ جُبَّتِیْ سِوَای۔ دونوں قول خلافِ شرع ہیں مگر منصورؒ کو سُولی چڑھا دیا گیا اور بایزیدؒ کو کچھ نہ کہا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: دونوں قولوں میں بہت فرق ہے منصورؒ نے پہلے اپنی ہستی پیش کی کہ "انا" کہا اور بایزیدؒ نے نیستی پیش کی اور لیس کہا۔

(27) اگر کسی شخص کے پاس کچھ نہ ہو مگر اس کے دل میں خواہش ہو تو اس کو تجرید معنوی نہیں ہے اور اگر کسی شخص کے پاس سے کچھ ہو مگر اُس کے دل میں مال و دولت کی محبت نہ ہو تو اس کو تجرید معنوی حاصل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ ستر کتے اُن کی حفاظت کرتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باقی سامان کتنا ہوگا۔ جو آپ نے سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کتنا وسیع و عریض ملک تھا مگر آپ زنبیل بافی کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نہایت مالدار تھے اور بڑی کروفر اور شان و شوکتِ ظاہری کے ساتھ رہتے تھے اسی طرح بہت سے انبیاء اور اولیاء گزرے ہیں کہ جن کے پاس مال و متاع بکثرت تھا مگر اُن کے دل میں اس کی ذرہ برابر محبت اور پرکاہ

جتنی حیثیت نہ تھی، کیونکہ انھیں تجرید معنوی (باطنی طور پر مال و دولت سے علیٰحدگی) حاصل تھی۔

(28) ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو بھول نہ جایئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ بازار جا کر ایک کوزہ خرید کر ہمیں بطور تحفہ لا کر دے دے اُس نے ایسا ہی کیا۔ فرمایا کہ اب جب بھی کوزے کو دیکھا کروں گا تجھ کو یاد کیا کروں گا۔

(29) ایک مرتبہ علماء کا ایک گروہ آپ سے ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ دوران گفتگو ایک عالم نے کہا، علماء، پوست (جلد، کھال) ہیں اور فقراء، مغز (گری، گوداوغیرہ) آپ نے فرمایا: ہاں مغز، پوست کی حمایت (مدد، طرفداری، حفاظت) میں رہتا ہے۔

(30) ایک شخص جو آپ کا منکر تھا، کہنے لگا کہ آپ تو بازاری آدمی ہیں۔ (آپ سوت کی خرید و فروخت کے لیے بازار جایا کرتے تھے) آپ نے سن کر فرمایا کہ ہم تو زاری (رونا، عاجزی) چاہتے ہیں۔ پھر ہم کیوں نہ بازاری (رونے والا، عاجز، انکسار کرنے والا) ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری، درد و سوز اور عجز و انکسار ہی کرنا چاہتے۔

حکیم الامت حضرت اقبالؒ نے اس مقام پر کیا خوب فرمایا ہے ؎

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

ارشادات قدسیہ مذکورہ بالا کے علاوہ آپ کے تصنیف سے ایک رسالہ بھی ہے اُس رسالے میں آپ نے فرمایا ہے کہ سالکِ راہ کو دس شرطیں ہر وقت نگاہ میں رکھنی چاہئیں۔ (۱) طہارت، (۲) خاموشی، (۳) خلوت، (۴) روزہ، (۵) ذکر، (۶) نگہداشتِ خاطر، (۷) رضا بحکم خدا، (۸) صحبتِ صالحاں، (۹) شب بیداری اور (۱۰) نگہداشتِ لقمہ۔ تفصیل کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

آپ کے اشعار میں سے یہ رُباعی بہت مشہور ہے ؎

باہرکہ نشستی و نشد جمع دِلت
وز نہ رمید زحمتِ آب و گلت
از صحبتِ وے اگر تبرّا نہ کنی
ہرگز نکند رُوحِ عزیزاں بحلت

تو جس شخص کے پاس بیٹھا اور تیری دلجمعی نہ ہوئی
اور تیری آب و گل کی کدورت تجھ سے دُور نہ ہوئی
اگر تو اس کی صحت سے بیزار نہ ہوگا تو پھر
عزیزاں کی روح تجھے کبھی معاف نہیں کرے گی

(14)

حضرت بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ

755ھ		591ھ	
سماس نزد بخارا	ـــــــــــ	ـــــــــــ	سماس نزد بخارا
1354ء		1195ء	

مادۂ تاریخ وفات

"اہل محبت بابا محمد سماسیؒ"

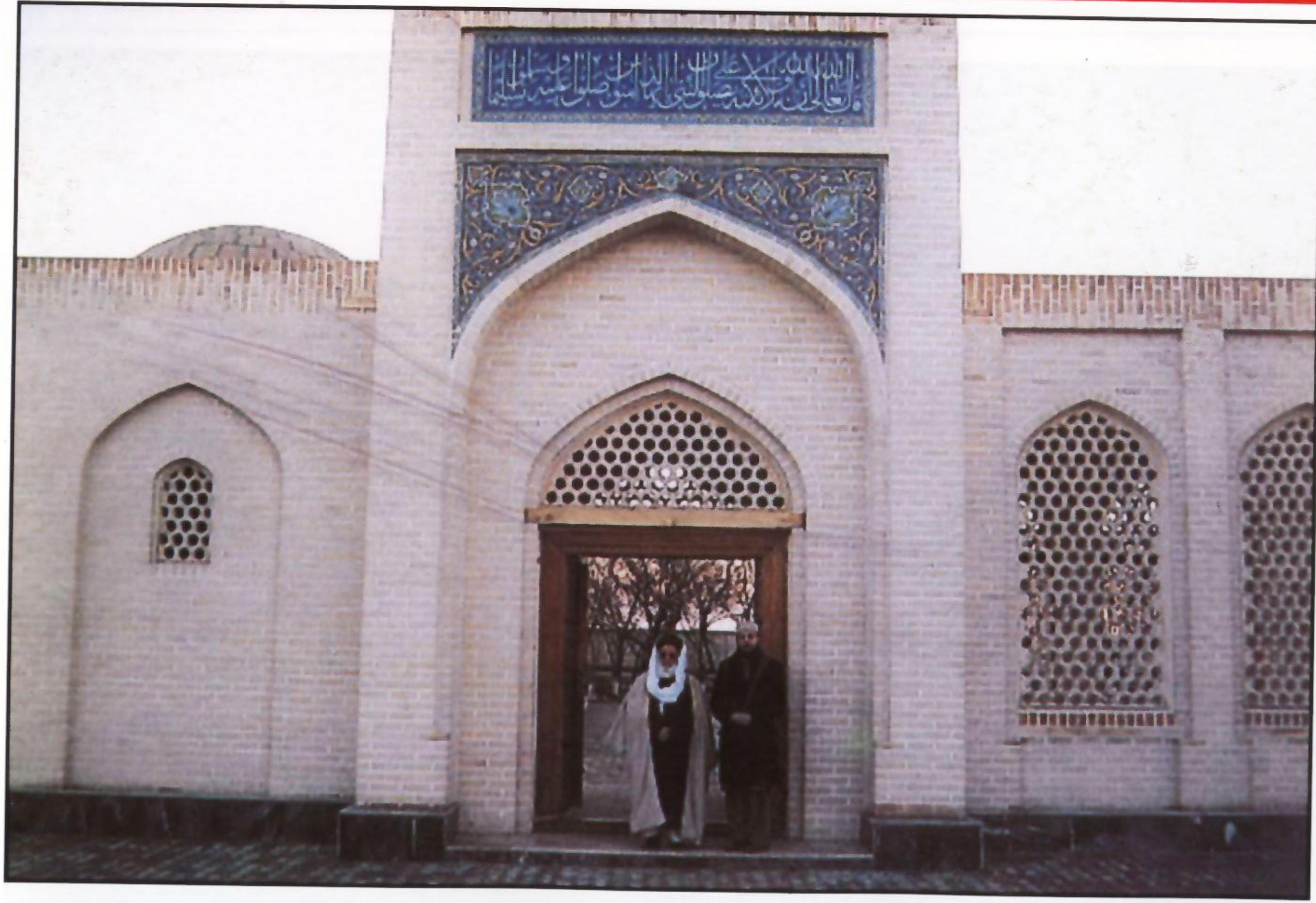
755ھ

"رہبرِ پاک بابا محمد سماسی"

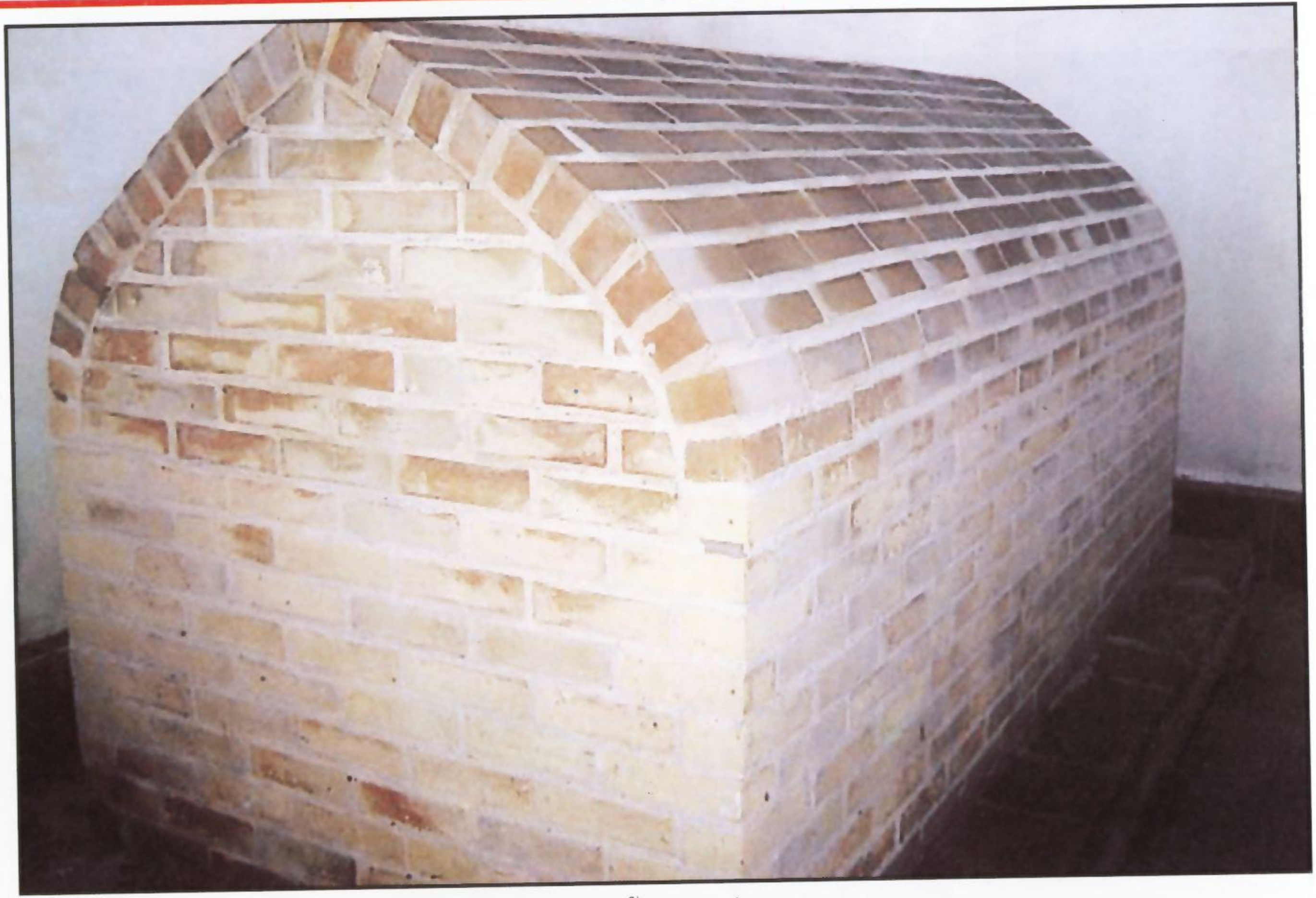
755ھ

برگزیدۂ آفاق جناب بابا محمد سماسی

755ھ



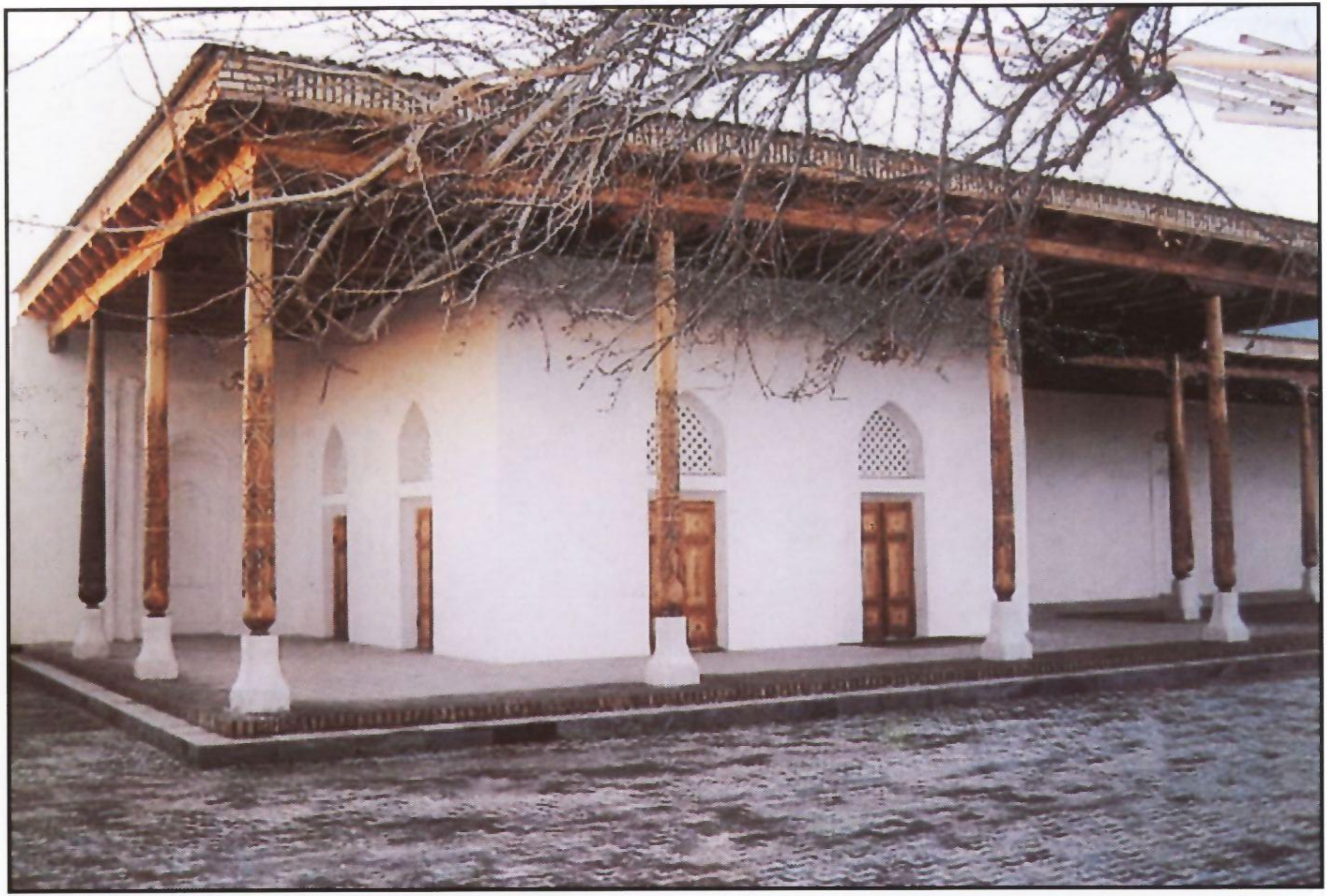
حضرت خواجہ بابا سماسیؒ کے مزار شریف کا صدر دروازہ



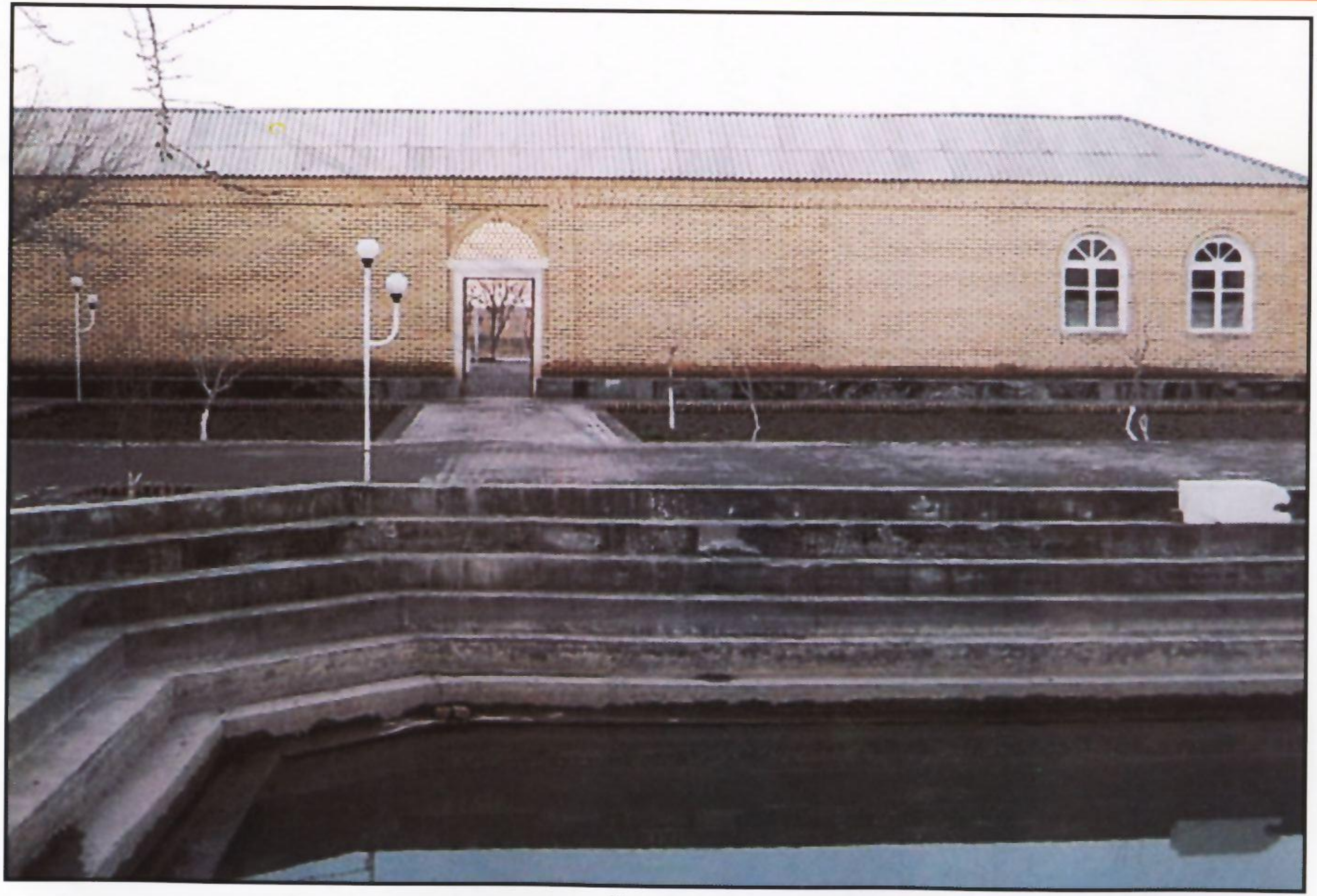
حضرت خواجہ بابا سماسی ؒ کا مرقدِ انور



حضرت خواجہ بابا سماسی ؒ کے مزار شریف کے گرد چار دیواری کا منظر



حضرت خواجہ بابا سماسیؒ کے مزار شریف سے متصل مسجد کا بیرونی منظر



حضرت خواجہ بابا سماسی ؒ کی خانقاہ کے لنگر خانے اور تالاب کا منظر

حضرت بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ

آپ خواجہ علی رامیتنی ملقب بہ حضرت عزیزاں علیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ جن کو حضرت خواجہؒ نے اپنی رحلت کے وقت خلافت و نیابت کے تمام مناصب سے سرفراز فرمایا اور تمام اصحاب کو آپ کی متابعت و ملازمت کا حکم دیا۔

آپ کی ولادت باسعادت 25 رجب 591ھ بمطابق 1195ء کو قصبہ سماس میں ہوئی۔ جو رامیتن سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سماس مضافاتِ طوس (مشہد) سے ہے۔ سنوسیٔ ہند حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ کے خلیفہ اجل پیر خیر شاہ امرتسریؒ اپنی تصنیف منیف برکات علی پور شریف میں بتحقیق لکھتے ہیں کہ قصبۂ سماس بخارا اور رامیتن ہر دو سے نو نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بہرحال حضرت محمد بابا کو سماس کی نسبت سے سماسی کہتے ہیں۔

آپ عرصہ دراز تک حضرت خواجہ علی رامیتنی عرف حضرت عزیزاں علیؒ کی خدمت میں رہے اور فیوضاتِ ظاہری و باطنی سے خوب مالا مال ہوئے۔ آپ کی محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے چھوٹے سے باغ میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے اور انگوروں کی شاخوں کو اپنے دستِ مبارک سے تراشتے۔ جب ایک شاخ کو کاٹتے تو غلبہ حال و استغراق کی وجہ سے آری آپ کے دست مبارک سے گر پڑتی اور آپ بے خود ہو جاتے۔ یہ بے خودی اور غیبت دیر تک رہتی، جب ہوش میں آتے تو پھر شاخ کو کاٹنا شروع کر دیتے اور پھر بے ہوش ہو جاتے۔ اسی طرح اس کام میں بہت دیر ہو جاتی۔

کرامات

(1) آپ نے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا تھا جس کی تفصیل یوں ہے کہ حضرت شاہ نقشبندؒ کی ولادت باسعادت سے پہلے آپ بارہا کوشکِ ہندواں سے گزرتے اور فرماتے۔

ازیں خاک بوئے مردے مے آید زود
باشد کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں شود

''اس زمین سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے۔ جلدی ایسا ہوگا کہ کوشکِ ہندواں قصر عارفاں بن جائے گا۔''

ایک روز آپ اپنے خلیفہ اعظم حضرت سید امیر کلالؒ کے مکان سے قصر عارفاں کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہاں پہنچ کر فرمایا کہ وہ خوشبو اب زیادہ ہوگئی ہے، بلاشک وشبہ وہ مرد پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت حضرت نقشبندؒ کی ولادت کو تین روز ہو چکے تھے۔ ان کے جد امجد ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ ہمارا فرزند ہے۔ ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا''۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ''یہ وہی

مرد خدا ہے۔ جس کی خوشبو ہم نے سونگھی تھی، یہ لڑکا عنقریب اپنے وقت کا مقتدا ہوگا۔'' بعد ازاں سید امیر کلالؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میرے فرزند بہاء الدین کے حق میں شفقت و تربیت سے ہرگز ہرگز دریغ اور کوتاہی نہ کرنا۔ اگر تم اس میں کوتاہی کرو گے تو میں تمھیں معاف نہیں کروں گا۔ حضرت سید امیر کلالؒ نے کھڑے ہو کر ادب و احترام سے ہاتھ سینے پر رکھ کر عرض کیا کہ ''اگر کوتاہی کروں تو میں مرد نہیں''۔

(2) حضرت خواجہ نقشبندؒ بیان فرماتے ہیں کہ جب میری عمر اٹھارہ سال (یا کچھ کم و بیش) ہوئی تو میرے جد امجد کو میرے نکاح کی فکر ہوئی۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ قصرِ عارفاں جا کر حضرت بابا محمد سماسیؒ کو تشریف لانے کی دعوت دوں تاکہ اُن کے قدوم میمنت لزوم فرمانے سے یہ کام انجام پذیر ہو جائے۔ جب میں زیارت سے مشرف ہوا تو سب سے پہلی کرامت دیکھنے میں یہ آئی کہ اس رات آپ کی صحبت کی برکت سے مجھ پر بڑا تضرع و نیاز (گریہ وزاری اور عاجزی و انکساری) پیدا ہوا۔ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر میں نے وضو کیا اور آپ کی مسجد مبارک میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور سر سجدے میں رکھ کر دعا اور گریہ زاری بہت کی۔ اسی اثناء میں میری زبان سے نکلا ''خدایا! مجھے بلا (دکھ، تکلیف) کا بوجھ اٹھانے اور اپنی محبت کی محنت و مشقت برداشت کرنے کی قوت عطا فرما۔ صبح میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے از روئے فراست و بصیرت میری رات کی سرگزشت سے آگاہ ہو کر فرمایا: اے فرزند! دعا میں یوں کہنا چاہیئے ''خدایا! اس بندہ ضعیف کو اپنے فضل و کرم سے اُسی پر قائم رکھ جس میں تیری رضا ہے''۔ پھر ارشاد کیا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ کی رضا تو اس میں ہے کہ بندہ مصیبت میں مبتلا نہ ہو لیکن اگر وہ کسی حکمت کی وجہ سے اپنے کسی دوست پر مصیبت اور آزمائش نازل کرتا ہے تو اپنی عنایت سے اُس دوست کو اُس مصیبت اور آزمائش کو برداشت کرنے کی قوت عطا فرماتا ہے اور اُس کی حکمت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ خود اپنی مرضی و اختیار سے مصیبت و تکلیف، دکھ اور درد اور رنج و بلا طلب کرنا دشوار ہے۔ گستاخی نہ کرنی چاہیئے۔

بعد ازاں کھانا لایا گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے دستر خوان پر سے ایک روٹی اٹھا کر مجھے عنایت فرمائی۔ میں لینا نہ چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''لے لو، کام آئے گی''۔ میں نے وہ روٹی لے لی اور آپ کے ہمراہ قصر عارفاں کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں جب بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا تو آپ فرماتے کہ باطن کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ ان حالات و واقعات کے مشاہدے سے آپ کی نسبت میرا یقین و اعتقاد بڑھتا گیا۔ راستے میں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں آپ کا ایک محب و مخلص تھا۔ وہ بڑی بشاشت اور عاجزی سے پیش آیا۔ جب آپ اس کے مکان میں جلوہ گر ہوئے تو آپ نے اُس کے اضطراب و بے قراری کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ''سچ سچ بتا، تمھارے اضطراب کا سبب کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ گھر میں دودھ کا پنیر تو حاضر ہے مگر روٹی موجود نہیں۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''وہ روٹی لاؤ۔ تم نے دیکھا کہ آخر کام آ ہی گئی۔''

آپ کے چار خلفاء کامل واکمل اور مشہور ومعروف ہوئے۔

(1) خواجہ محمد صوفیؒ جن کا مزار مقدس قصبہ سُوخار میں ہے۔

(2) خواجہ محمود سماسیؒ جو کہ آپ کے فرزند ارجمند تھے۔

(3) خواجہ دانشمند رحمۃ اللہ علیہ

(4) خواجہ سید میر کلال رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی رحلت 10 جمادی الآخر 755ھ بمطابق 1354ء کو ہوئی اور مرقد مقدس موضع سماس میں بنا۔

(15)

حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ

676ھ   772ھ

قصبہ سوخار نزد بخارا ــــــــــــ قصبہ سوخار نزد بخارا

1278ء   1370ء

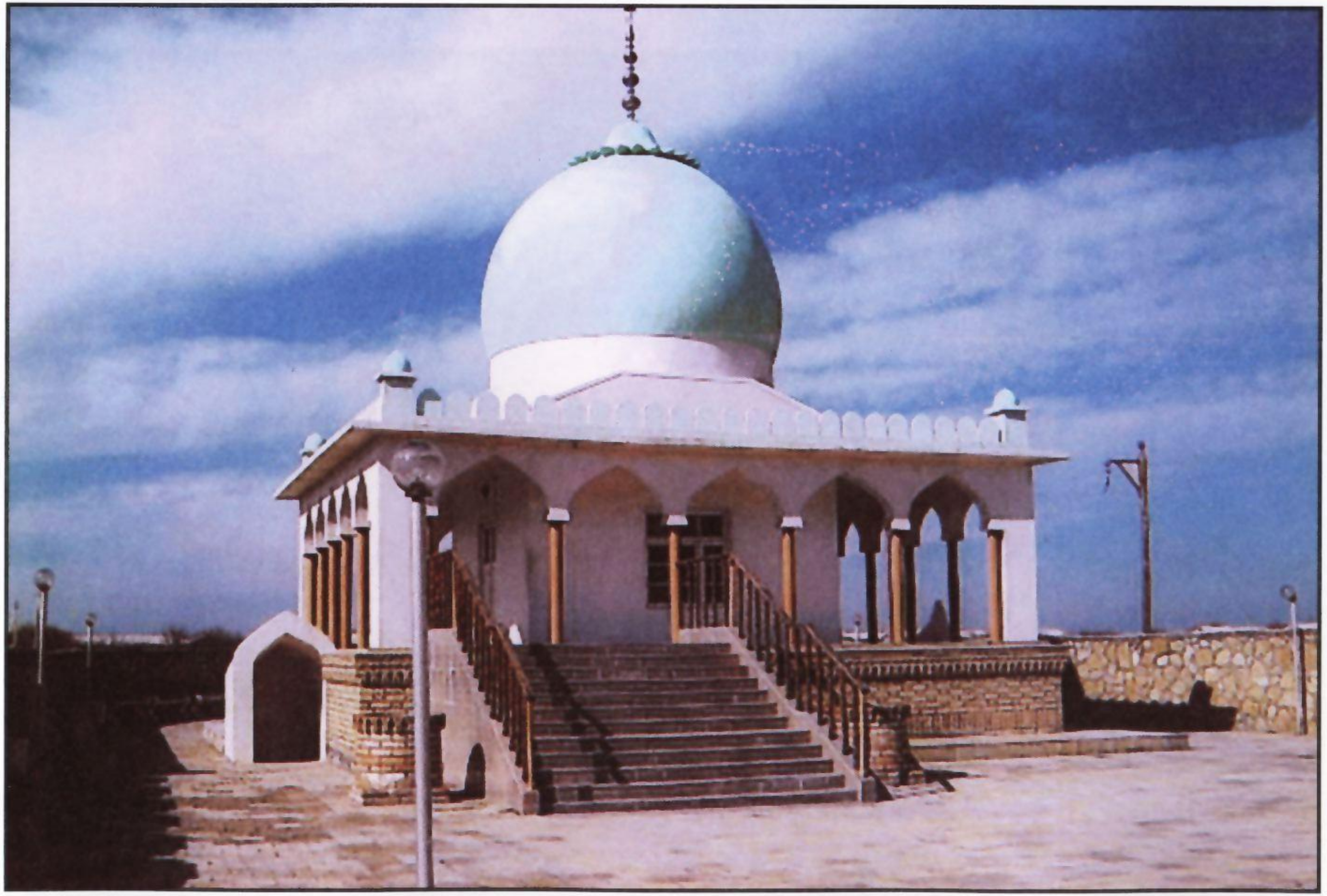
مادۂ تاریخ وفات

"امجد کلال میر سید پیشوا"

772ھ

"امجد اہلِ خلوص"   "صاحبِ انوارِ عرفان بُود"   "یک عبقریِ عصر"

772ھ   772ھ   772ھ



حضرت خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کا منظر



حضرت خواجہ سید امیرِ کلال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے اندرونی حصّے کا منظر



حضرت خواجہ سید امیرِ کلال رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے ساتھ جامع مسجد کا صدر دروازہ

حضرت خواجہ شمس الدین امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ صحیح النسب سید ہیں۔ طریقت میں آپ کا انتساب حضرت بابا محمد سماسی قدس سرہٗ سے ہے۔ آپ قصبہ سوخار (جو قصبہ سماس سے پندرہ میل اور بخارا سے ایک میل کے فاصلے پر ہے) میں 676ھ (1278ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ امیر کلالؒ کے نام سے آسمان طریقت و معرفت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

آپ اوائل جوانی میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز آپ رامیتن میں کشتی لڑنے میں مشغول تھے حضرت محمد بابا سماسیؒ کا گزر اُدھر سے ہوا اور وہ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے ایک دیوار کے سائے میں ٹھہر گئے اور آپ پر توجہ مرکوز کر کے محو ہو گئے۔ حضرت باباؒ کے خدام میں سے ایک نے عرض کیا یا حضرت: آپ ان لوگوں پر جو امور بدعت میں مصروف ہیں کیوں حیران و پریشان ہیں؟ حضرت باباؒ نے ارشاد کیا کہ اس میدان میں ایک ایسا مرد ہے اور اس شکار گاہ میں ایک ایسا شکار ہے جس کی صحبت سے کاملینِ زمانہ فیض یاب ہوں گے کیونکہ اُس کی پرواز نہایت بلند و بالا ہے۔ ہم اسی مرد کے منتظر ہیں کہ کاش وہ ہمارے جال میں آ پھنسے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر کلالؒ کی نظر حضرت محمد باباؒ پر پڑی تو ان کے دل کا پرندہ باباؒ کی محبت کے جال میں آ پھنسا۔ حضرت باباؒ نے اپنی قوتِ جاذبہ سے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح آپ بے اختیار پیچھے پیچھے باباجیؒ کے دولت کدہ پر پہنچے۔ حضرت باباؒ نے اُسی وقت آپ کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی فرزندی میں قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپ کبھی بھی کشتی دنگل یا بازار میں دکھائی نہ دیے اور حضراتِ خواجگان کے طریقہ کے مطابق مشغولِ ریاضت و مجاہدہ رہے یہاں تک کہ درجۂ تکمیل وارشاد پر پہنچ گئے۔

آپ فنافی الشیخ کی سچی تصویر تھے۔ متواتر آٹھ سال تک بلاناغہ دوشبہ (پیروار) اور جمعتہ المبارک کے روز نمازِ مغرب سوخار میں پڑھ کر سماس کو روانہ ہو جاتے اور عشاء کی نماز حضرت باباؒ کی اقتدا میں ادا کرتے اور پھر نماز فجر واپس سوخار میں آکر پڑھتے آپ کی زندگی میں کسی کو بھی آپ کے اس حال کی خبر نہ ہوئی۔

گر شہرہ شوی بہ خلق شر الناسی
در گوشہ نشیں شوی ہمہ وسواسی
بہ زانِ نبود چو خضر چوں الیاسی
کس نشناسد ترا و توکس نہ شناسی

ایک روز آپ رامیتن کے ایک باغ میں کپڑے دھو کر خشک کرنا چاہتے تھے۔ مریدوں نے کانٹوں کی باڑ پر

کپڑے پھیلا کر خشک کرنے چاہے تو آپ نے منع فرمادیا کہ باڑ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ درختوں کی شاخوں سے بھی منع فرما دیا کہ مبادا شاخیں ٹیڑھی ہو جائیں اور زمین پر پھیلانے سے بھی روک دیا تاکہ مویشیوں کے کھانے کی گھاس خراب نہ ہو۔ آپ کے یہ ارشاداتِ طیبات سن کر مریدین دنگ رہ گئے اور عرض کرنے لگے کہ اے امیر! تو پھر آپ کپڑے کس طرح خشک کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے کپڑے اپنی پیٹھ پر پھیلا کر سکھالیا کرتا ہوں اور پیٹھ سورج کی طرف کرلیا کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: اے یارو! اگر باڑ کو نقصان پہنچے، کسی درخت کی شاخ ٹیڑھی ہو جائے یا مویشیوں کی گھاس خراب ہو جائے تو تم باغ کے مالک کے سامنے کیا عذر پیش کرو گے؟ یہ عمل تم خلافِ شریعت کرتے ہو، دوسروں کی ملکیت میں تصرف واختیار جائز نہیں گناہ خواہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو اسے سہل اور معمولی نہ سمجھو۔ آدمی گناہ کو سہل اور معمولی سمجھنے سے دوزخ میں جاتا ہے۔ اسی حال میں آپ کی زبانِ اقدس سے نکلا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

لا صغیرۃ مع الاصرار و لا کبیرۃ مع الاستغفار

اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ نہیں (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ نہیں رہتا۔

بعدازاں فرمایا کہ راہِ خدا کس پر نہیں کھلتا جب تک کہ وہ تقویٰ کو اپنا شعار نہ بنائے۔

امیر تیمور (المتوفی 807ھ بمطابق 1405ء) نے سمرقند میں جب قیام کیا تو ایک قاصد کو حضرت امیر کلال کی خدمت میں بھیجا کہ آپ یہاں قدم رنجہ فرمائیں اور اس ملک کو اپنے قدم مبارک سے مشرف فرمائیں کیونکہ ہمارا حاضر ہونا بہت دشوار اور مشکل ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا
(پارہ:19، سورۂ نمل، ع:3، آیۃ:34)

تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کردیتے ہیں۔

وہ قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عذر کیا اور فرمایا کہ ہم اسی جگہ ہی دعا گو ہیں اور اپنے صاحبزادے امیر عمرؒ (المتوفی 803ھ) کو عذر خواہی کے لیے بھیجا اور اس کو تاکید کردی کہ اگر امیر تیمور تم کو انعام یا جاگیر دے تو ہرگز قبول نہ کرنا اگر قبول کرو تو ہمارے پاس نہ لانا کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے معاملے قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا اگر تم قبول کرو گے تو اپنے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرو گے۔ درویش ہر وقت مومنوں کے لیے دعا میں مشغول رہتے ہیں اگر وہ دنیا کی طرف میلان کریں تو اُن کی دعا حجاب میں ہو جاتی ہے۔ جب امیر عمرؒ امیر تیمور کے پاس پہنچے تو عذر خواہی کی اور چند روز کے بعد اجازتِ رخصت طلب کی۔ امیر تیمور نے عرض کیا کہ میں نے تمام بخارا آپ کی نذر کیا لیکن آپ نے انکار کردیا۔ تیمور نے پھر عرض کیا کہ چلو سارا نہ سہی کچھ تو قبول فرمائیے۔ آپ نے انکار فرمایا کہ اجازت نہیں ہے۔ تیمور نے کہا کہ میں حضرت امیر کلالؒ کی خدمت میں کیا چیز ارسال کروں کہ ہمارا تقرب ہو جائے۔ امیر عمرؒ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ درویشوں کے دل میں تمہارا تقرب ہو جائے تو (۱) تقویٰ اور (۲) عدل کو اپنا شعار بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خاصان خدا کے قرب کا ذریعہ یہی چیزیں ہیں۔

کرامات

(1) حضرت امیر کلالؒ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیٹ میں تھے۔ اگر اتفاقاً کبھی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں چلا جاتا تو اس قدر درد ہوتا کہ میں بے ہوش ہو جاتی۔ جب یہ کیفیت کئی بار گزری تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ بات اس بچے کے قدم کی برکت سے ہے جو میرے پیٹ میں ہے۔

(2) بیعت سے پہلے ایک روز آپ کشتی لڑ رہے تھے کہ حاضرین کی ایک سیاہ باطن جماعت غیبت (چغلی) کرنے لگی کہ ایسے سیدہ زادہ اور بزرگ زادہ کو اس امر بدعت میں مشغول نہ ہونا چاہیئے اُسی وقت اُس جماعت پر خواب (نیند) نے غلبہ کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ قیامت برپا ہے اور وہ کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر چند کوشش کرتے ہیں مگر نکل نہیں سکتے۔ ناگاہ حضرت امیر کلالؒ اُن کے پاس پہنچتے ہیں اور اُن کو کیچڑ سے نکال لاتے ہیں۔ جب وہ بیدار ہوئے تو آپ نے اُن کے کان پکڑ کر کہا کہ یارو! ہم اُسی روز کے لیے زور آزمائی کرتے ہیں۔ تم درویشوں کے حق میں بداعتقاد نہ بنو۔ جب اُنھوں نے یہ حال دیکھا تو سب نے توبہ کی اور مردانِ راہِ خدا بن گئے۔ جس بزرگ کا یہ حال کشتی لڑنے کے وقت ہو بعد میں اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

(3) ایک روز آپ (حضرت امیر کلالؒ اپنے اصحاب کے ساتھ خواجہ ابوحفص بخاری قدس سرہٗ کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مناسکِ حج بالتفصیل بیان فرما رہے تھے۔ ایک بداعتقاد شخص کے دل میں خیال آیا کہ آپ نے کعبہ کو کب دیکھا ہے کہ بیان فرما رہے ہیں۔ یہ مسائل تو وہ بیان کرے جس نے کعبہ کو دیکھا ہو۔ کچھ دیر بعد آپ باہر نکلے اور اُس شخص کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے نادان! دیکھ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اُس نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ کعبہ آپ کے سر پر طواف کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے نادان! جس کے پاس ایک درہم نہ ہو وہ اس خیال میں ہے کہ کسی کے پاس کچھ نہیں تاوقتیکہ اُس کے دل کی آنکھ نہ کھلے، اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ وہ شخص قدموں میں گر کر تائب ہوا۔

(4) ایک روز آپ کے اصحاب کی ایک جماعت حضرت جبروں اتاؒ کے مزار کی زیارت کو گئی۔ جو کچھ فاصلہ طے کیا تو ایک شیر کو راستے میں کھڑا دیکھا۔ وہ حیران ہوئے کہ اب کیا کریں۔ اتنے میں آپ تشریف لائے اور شیر کو گردن سے پکڑ کر راستے سے ایک طرف کر دیا۔ جب وہ جماعت گزر گئی تو شیر نے بغرض تعظیم سر جھکایا اور ایک طرف چل دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جو ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، سب چیزیں اس سے ڈرتی ہیں۔ کیونکہ اصل در ہم کار ہا خدا ترسی است۔

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تُو ہیچ

(5) ایک روز حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، سلطان قضان کے دربار میں جلاد کا کام کرنے میں مصروف تھے

کہ ایک مجرم پیش ہوا۔ سلطان نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ خواجہ صاحب اسے قتل گاہ میں لے گئے، اُس کی آنکھیں باندھیں اور تلوار کھینچ لی۔ درود شریف پڑھنے کے بعد تلوار اس کی گردن پر ماری گئی تلوار نے اثر نہ کیا دوسری بار وار کیا مگر تلوار نے اثر نہ کیا۔ تیسری بار بھی وار کیا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ خواجہ صاحب نے جب دیکھا کہ تلوار کھینچتے وقت مجرم ہونٹ ہلاتا ہے اور منہ میں کچھ کہتا بھی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے پوچھا، تجھے خدائے عز و جل کی قسم! تو سچ سچ بتا کہ منہ میں کیا کہتا تھا؟ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنے شیخ وسید کو یاد کرتا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میرے شیخ وسید حضرت امیر کلالؒ ہیں۔ پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ بخارا کے علاقے میں ایک قصبہ سوخار میں تشریف رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے تلوار پھینک دی اور فوراً سوخار کو روانہ ہو گئے۔ فرماتے تھے کہ وہ بزرگ اور شیخ جو اپنے مرید کو تلوار کے نیچے سے بچا سکتا ہے۔ اگر کوئی اُس کی خدمت بجالائے تو تعجب نہیں اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کی آگ سے بچالے۔

(6) ایک روز آپ جامع مسجد بخارا سے نماز جمعہ ادا کر کے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں فتح آباد و کلا آباد کے درمیان امیر تیمور مع فوج خیمہ زن تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں اور یاروں سے استفسار فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یہ امیر تیمور کا خیمہ ہے۔ امیر تیمور یہ سن کر اپنے خیمے سے باہر نکلا اور آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے مخدوم! میں آج آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے کچھ سننا چاہتا ہوں تا کہ میرے دل کو تسکین و راحت نصیب ہو۔ آپ نے ارشاد کیا کہ فقیر کو جب تک حضرت عزیزاں رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے روحانی اشارہ نہ ہوگا اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی حال میرے جدِ بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ مگر تم منتظر رہو۔ جب آپ اپنے آستانے پر پہنچے تو نماز عشاء با جماعت ادا کر کے حضرت عزیزاں رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے ایک محرم راز شیخ منصور کو جو قرامان میں رہتا تھا، طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ فوراً امیر تیمور کے پاس جا کر اُسے پیغام دو کہ مشائخ بخارا کی ارواحِ طیبہ نے مملکت خوارزم تمھیں عطا کر دی ہے۔ تم بلا توقف وہاں پہنچ جاؤ۔ امیر تیمور نے ایسا ہی کیا اور فتح و نصرت کے شادیانے بجاتا ہوا واپس آیا۔

(7) ایک روز آپ اپنے اصحاب کے ساتھ جامع مسجد بخارا کو جا رہے تھے کہ ایک کھیت میں ایک کسان کام کر رہا تھا۔ اس کے غلام نے پوچھا کہ یہ کون ہیں آقا (کسان) نے جواب دیا کہ یہ مفت خورے ہیں۔ آپ نے اپنے نور فراست ونورِ کرامت سے یہ بات معلوم کر لی اور فرمایا کہ یارو! حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے فرمایا ہے کہ درویشوں کے متعلق بداعتقادی نہ کرو اور ان کو چشم حقارت سے نہ دیکھو تا کہ دنیا سے ذلیل وخوار ہو کر نہ جاؤ۔ یار حیران ہوئے کہ حضرت آج کیا فرما رہے ہیں؟ جب مسجد سے واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص (آقا) درد گردہ کی تکلیف سے قریب الموت ہے۔ جب نزدیک پہنچے تو اُس نے کہا مجھے حضرت امیر کلالؒ کے پاس لے چلو جب اس کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے کارگر تیر کھایا

ہے، اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اسے واپس لے جاؤ۔ یہ انجام کو پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ وہ شخص گھر پہنچتے ہی مر گیا۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ در ایں گرد سوارے باشد
ہر بیشہ را مبراں کہ خالی است
شائد کہ خفتہ پلنگے باشد

(8) ایک مرتبہ آپ چند مریدوں کے ساتھ کسی دریا کے کنارے فروکش ہوئے۔ سیر کرتے کرتے اصحاب سے کچھ دُور نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ سوچتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور فرمایا: دوستو! ''علی صوفی ابھی آ جائے گا''۔ ارادت مند خاموش رہے مگر انھیں تعجب ہو رہا تھا کہ علی صوفی جسے حضرت امیرؒ یہاں سے بہت دور بخارا میں چھوڑ آئے ہیں، یہاں کیسے آئے گا؟ اتنے میں دیکھا کہ علی صوفی ہوا کی مانند پانی پر دوڑتا چلا آ رہا ہے اور جب دریا سے نکل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کا ایک بال بھی تر (بھیگا ہوا) نہ تھا۔ آپ نے علی صوفی کو جھڑکا کہ تو گھر سے کب باہر آیا تھا؟ اُس نے عرض کیا، میرے مخدوم! وہاں مجھے آپ کے جمال کا اس قدر اشتیاق غالب ہوا کہ مجھے کوئی خبر نہ رہی اور آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو یہاں دیکھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جیسے آیا ہے ویسے ہی لوٹ جا اور جب تک ہم نہ لوٹیں تم اپنی جگہ پر موجود رہو۔ علی صوفی نے آپ کے اشارے پر پانی پر قدم رکھا اور ہوا کی مانند چل پڑا اور فوراً منزل مقصود پر جا پہنچا۔

(9) ایک دفعہ خواجہ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (جو آپ کے خلیفہ اعظم ہیں) زیارت کے لیے حاضر ہوئے۔ سامنے آگ دہک رہی تھی۔ آپ خواجہؒ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''تم اچھے موقع پر آئے''۔ خواجہ صاحب نے آگ میں لکڑی ڈالی اور بیٹھ رہے ان پر اضطراب کا عالم طاری تھا اور اس حالت میں انھوں نے اپنی پوستین اتار کر آگ میں ڈال دی۔ حالانکہ اس کی جیبوں میں کچھ شکار کردہ پرندے موجود تھے۔ باہر آ کر آپ نے حضرت خواجہؒ کو ملامت کی اور حکم دیا جاؤ! پوستین اٹھا لاؤ۔ حضرت خواجہؒ نے عرض کیا حضرت! پوستین تو جل کر خاکستر بن چکی ہوگی۔ فرمایا: بہاء الدین جو چیز سالہا سال تک درویشوں کے زیر استعمال رہی ہو، اسے آگ کس طرح جلائے گی، اُسے تو آتشِ عشقنے پہلے ہی جلا رکھا ہے۔ ع

سوختہ از بس کہ بریاں کے شود مثل کباب

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ گئے اور اپنی پوستین وہاں سے صحیح وسالم باہر نکال لائے۔ حالانکہ یہ کام آپ کو دہکتی ہوئی آگ سے گزر کرنا پڑا مگر گزند نہ پہنچی اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: بہاؤ الدین! درویشوں اور ان کی چیزوں پر یہ دنیوی آگ اثر نہیں کر سکتی، کیا عجب جو کوئی درویشوں کو اپنے دل میں جگہ دے دے اُسے دوزخ کی آگ بھی نہ جلائے۔

(10) آپ کے انتقال کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے صوفیاء کی ایک جماعت بخارا میں وارد ہوئی اور قصبہ سوخار کا پوچھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ وہ حضرت سید امیر کلالؒ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو رحلت فرما گئے ہیں۔ اُن صوفیاء نے خواہش ظاہر کی کہ اُن کی اولاد امجاد سے ملیں گے۔ چنانچہ وہ سوخار آئے اور حضرت امیرؒ کی اولاد سے ملے اور حضرت کے کمالات کا ذکر کرنے لگے۔

لوگوں نے کہا کہ حضرت امیرؒ تو کبھی مکہ اور مدینہ گئے ہی نہیں، آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ صوفیاء بولے: کہ ''حرمین شریفین میں ان کے متعدد مرید موجود ہیں جن میں ہم لوگ بھی شامل ہیں۔ ہم گزشتہ 32 سال سے ان کے ساتھ حج کرتے رہے۔ اس سال آپ کو نہ دیکھا تو اُن کے جمال کی کشش نے ہمیں یہاں کھینچ لیا مگر افسوس کہ وہ انتقال فرما گئے۔

مذکورہ جماعت صوفیاء نے حضرت امیرؒ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور ارادتمندوں کی طرح آنسو بہائے اور لوگوں سے کہا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے صاحبِ کمال کی قدر تم نے نہیں کی، اس کی قدر عرب میں جا کر دیکھو اور پھر خدا حافظ کہہ کر چل دیے۔

قدر گل و مُل بادہ پرستاں دانند
نے تنگ دلاں و تنگ دستاں دانند
اے بے خبر، از بے خبری، معذوری
سریست دریں شیوہ کہ مستاں دانند

آپ کا شجرہ نسب فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، رسولِ رحمت، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں جاملتا ہے۔

(1) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (2) حضرت علی کرم اللہ وجہ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا
(3) حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (4) حضرت امام زین العابدین
(5) حضرت امام محمد باقر (6) حضرت امام جعفر صادق
(7) حضرت امام موسیٰ کاظم (8) حضرت سید ابراہیم رضا
(9) حضرت سید محمد جعفر موسوی (10) حضرت سید محمد عزیز موسوی
(11) حضرت سید احمد موسوی (12) حضرت سید محمد شہید موسوی
(13) حضرت سید عبداللہ الملقب بہ مظلوم (14) حضرت سید امیر موسوی
(15) حضرت سید امیر حسین (16) حضرت سید ابوالقاسم
(17) حضرت سید امیر عزیز (18) حضرت سید امیر حمزہ
(19) حضرت سید امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی رحلت 8 جمادی الاوّل 772ھ بمطابق 1370ء بروز پنجشنبہ (جمعرات) صبح صادق ہوئی۔ مزار شریف قصبہ سوخار نزد بخارا میں ہے۔

کرد رحلت چوں امیر اولیاء
ہر کسے سالش بہ سلک نظم و سفت
ہاتف غیبی بتاریخ وصال
''صاحب انوار عرفان بود گفت

772ھ

ارشاداتِ قدسیہ

جب آپ پر ضعف غالب آ گیا اور جسم کمزور پڑ گیا تو اپنے صاحبزادوں اور ارادت مندوں کو جمع کر کے یہ وصیتیں فرمائیں:

(1) جب تک تم زندہ رہو طلب علم سے ایک قدم بھی دُور نہ رہو کیونکہ طلبِ علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے سر موتجاوز نہ کرو کیونکہ جملہ سعادتیں اسی عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اول علم ایمان، دوم علم نماز، سوم علم روزہ، چہارم علم زکوٰۃ، پنجم علم حج، ششم والدین کی خدمت کا علم، ہفتم صلۂ رحم اور رعایتِ ہمسایہ کا علم، ہشتم خرید وفروخت کا علم، نہم حلال وحرام کا علم۔ ان علوم سے ناواقفی کی بنا پر لوگ تباہی کے بھنور میں جا گرتے ہیں۔

دنیا طالبان ز حرص مستند ہمہ
از بہر درم جملہ شکستند ہمہ
ال عہد کہ باخدای بستند ہمہ
موسیٰ کش و فرعون پر مستند ہمہ

(2) عزیزو! یقین جانو کہ دنیاداروں کی دوستی اللہ تعالیٰ کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خداداں بنو اور خداخواں بھی تاکہ تمھارے دین وایمان کا زیاں نہ ہو۔ ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ خداترسی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔ جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا، اُس سے مت ڈرو۔ ہاں جو خدا سے ڈرتا ہے اس سے تم بھی ڈرو۔ خداترس کو مت تکلیف دو، ایسا نہ ہو کہ اس کی بددعا سے مبتلائے مصیبت ہو جاؤ۔

ای بسا نیزۂ عدو شکناں
لخت لخت از دعائے پیر زناں
آہ یک پیر زن کند بہ شجر
نہ کند صد ہزار تیر و تبر

(3) فرمایا: دوسروں کے دل موہ لینے کی پوری پوری کوشش کرو کیونکہ

در رہِ خدا کعبہ آمد منزل
یک کعبہ صور است ویک کعبۂ دل
تا بتوانی زیارتِ دلہا کن
کافزوں ز ہزار کعبہ بُود یک دل

(4) آپ نے فرمایا: عزیزو! جہاں تک ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر زیادہ توجہ دو۔ ذکر ایسا کرو کہ اُس سے نفی و اثبات نمایاں ہوتی ہوں۔ ''لا الہ'' کہنے میں ماسوائے حق کی نفی کرو اور اس کے بعد ''الا اللہ'' سے ذاتِ واحد جو والدین، اولاد اور ہر قسم کی احتیاج و مدد سے پاک اور بے نیاز ہے، کا اثبات کرو۔ اس وقت تم صحیح طور پر ذکر کرنے والے بنو گے۔ کلمہ طیبہ کے بعض نے یہ معانی لکھے ہیں کہ میں نے دینِ اسلام اور اس کے تقاضے مان لیے ہیں۔''، بعض نے لکھا ''جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے اُسے ہم نے مان لیا اور جس چیز کو وہ نہیں مانتے تھے اُس سے ہم بھی بیزار ہیں''۔ بعض نے کہا ہے ''کلمہ طیبہ، حق کا ماننا اور باطل کا رد کرنا ہے۔ میرے عزیزو! اس کلمے کے معانی جان کر اس پر عمل کرو تو حقیقی صاحبِ تصوف بنو گے۔ یاد رکھو، کپڑے پانی سے پاک ہوتے ہیں، زبان ذکر الٰہی سے اور جسم ادائے نماز سے، مال دولت زکوٰۃ دے کر پاک ہوتے ہیں اور تمھارا پورا وجود نفی ماسوا اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے پاک ہوتا ہے۔

قومی بگزاف در غرور افتادند
و اندر طلبِ حُور و قصور افتادند
معلوم شود چو پردہا برگیرند
کز کوئے تو دُور دُور افتادند

(5) میرے عزیزو! اخلاص اختیار کرو اور دوسروں پر رحم کرو تا کہ نجات پاؤ۔

میازار مور و نیاز ارکس
رہِ رستگاری ہمیں است و بس
(سعدی)

(6) فرمایا: دل زبان اور جسم کی پاکیزگی، حلال کے لقمے سے حاصل ہوتی ہے آدمی کے معدے کو پانی کا حوض جانیئے۔ حوض سے مختلف سمتوں میں پاک پانی اسی صورت میں نکل سکے گا جب کہ خود حوض پاک پانی کا مجموعہ ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی چالیس دن تک حلال روزی کھائے اللہ تعالیٰ اس کے دل و زبان کو علم و حکمت سے بھر دے گا اور اس کا دل روشن ہونے لگے گا۔'' مگر شرط یہ ہے کہ تقویٰ کو ہر حال

میں اپنا شعار بنائے رکھے۔

تقویٰ و خوف و ترس و انساص و زہد و علم
صبر و یقین و طاعت و خیرات بر دوام
عہد وفا و صدق و سخا و صفاء حلم
مردی و مردمی و نکوتی بہ خاص و عام
اینہا ہمہ صفات کمالی اند در روشن
مرد آل زمان شوی کہ شوی درُوش تمام

(7) فرمایا: سالک تائب رہے کیونکہ توبہ سب طاقتوں کا سرچشمہ ہے توبہ یہ ہے کہ پہلے اپنے کئے پر دل میں شرمندہ ہو، پھر ترکِ گناہ کی نیت کرے اور اُس کے بعد اُن گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گناہوں کی معافی مانگے۔

(8) فرمایا: اتنی گریہ زاری کرو کہ اپنی توبہ کی قبولیت کا یقین ہو جائے اور تائب کے لقب کے سزاوار بن سکو۔ روزی کا غم دل سے نکال دو اور آخرت کے غم سے فکر مند رہو، عبادت کرتے رہو کیونکہ یہ بندہ ہونے کی علامت ہے۔

(9) ارشاد کیا: جانتے ہو، ارادت کیا ہے؟ ارادت، رضائے خداوندی کا حصول ہے یہ بُری عادتیں ترک کرنے، وفائے عہد، ادائے امانت اور ترکِ خیانت کا نام ہے۔ دیکھے تو اپنی غلطی کو اور نہ دیکھے تو اپنے اعمال کے مرتبے کو اور ہمیشہ ذکر خدا میں مشغول رہے۔ اللہ کا نام لیے بغیر کوئی کام شروع نہ کرو تا کہ قیامت کے دن اپنے عمل کی وجہ سے دین سے نادم نہ ہو۔ عزیزو! کوئی کام کرنے سے قبل خوب سوچ لیا کرو۔

سخن دانستہ گو چیزی کہ گوئی
بدل دانستہ بہتر گو مگوئی
بمیدانِ فصاحت گو گرانی
مران بس کرم تا در سر ندانی

(10) عزیزو! اللہ تعالیٰ کے احکام خاکساری سے بجالاؤ، تم جہاں بھی ہو، علم و عملکی طلب کا ثبوت دو۔ علم و عمل حاصل کرنے کی خاطر آب و آتش کے طوفان سے بھی گزرنا سیکھو۔

در بادیہ علم دویدن چہ خوش است
و ز عالم دین سخن شنیدن چہ خوش است
صد بار با تفاق بادل گفتم
از صحبت نااہل بریدن چہ خوش است

(11) عزیزو! ہر حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض بجالاتے رہو۔ غیر شرعی باتوں اور بدعتوں سے بچتے رہو اور اس آیت مبارکہ کو پیش نظر رکھو''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ حضرت فضیل عباسؒ کا واقعہ ہے انھوں نے سردی کے موسم میں شیخ عبدالعلام کو پسینے میں شرابور دیکھا۔ پوچھا:''اس موسم میں آپ کی مبارک پیشانی پر یہ پسینا کیسا؟'' جواب دیا:''یہاں نہی منکر کا ایک موقع تھا۔ میں برائی سے منع کر سکتا تھا مگر نہ کیا۔ اب بے قرار ہوں کہ اس سستی کا ازالہ کیسے کروں اور قیامت کے دن کس تدبیر سے نجات پاؤں؟ عزیزو! غور کرو، تم ہر روز امر معروف اور نہی منکر سے کس قدر غفلت برتتے ہو۔ تمھیں اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی کتنی فکر ہے؟

الٰی ہر نفَس صد گنہ از من دیدہ
وانگہ پردۂ من بکرم نہ دریدہ
اے من بترم از ہرچہ بعالم بتر است
اے لطف تو از من بتر امر زیدہ

(12) عزیزو! اپنے اعمال کی کسوٹی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بناؤ۔ جو کام اس کسوٹی پر پورا اترے وہ مقبول ہے وگرنہ غلط اور گمراہی ہے۔

(13) عزیزو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے حقوق کا خیال رکھو۔ اس کی بشارتوں سے خوش رہو اور وعیدوں سے ڈرو، کھانے پینے، اُٹھنے، بیٹھنے اور ہر کام میں احکام خداوندی کا خیال رکھو۔

دلا امروز کارے کن کہ فریادت رسد فردا
نہ باشی طالب چیزے کہ او شورش دہد سررا
بخوان از علم دین چیزے کہ عالم بہتر از جاہل
بہ بیں از راہِ حق راہے کہ بینا بہ ز نابینا
دلا امروز کاری کن کہ کارت می شود آنجا
نباشی طالبِ کاری کہ دشوارت شود آنجا

(14) عزیزو! کام کرو، محنت سے اتنی روزی حاصل کرو جو احتیاجات کے لیے اکتفا کرے، نہ اتنی کہ اس سے عیش وعشرت اور اسراف کی راہیں کھلنے لگیں۔ خرچ میں میانہ روی اختیار کرو۔ نہ اسراف وفضول خرچی ہو اور نہ ہی کنجوسی اور تنگدلی۔ ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ سب کاموں میں میانہ روی بہتر ہے۔ روزی حلال کھاؤ۔

رو بہ عقبٰی زرِ حلال بود
دل ہما نجا بود کہ مال بود

ہر چہ زینجا بری نگہ دارند
بہ قیامت ہمانت پیش آرند

(15) عزیزو! جمع مال کی ہوس نہ رکھو، جو ملے اُسے خرچ کرتے رہو۔

خور و پوش و بخشائے راحت رساں
نگہ می گزاری زبہر کساں!

احتیاج سے بچو، بچانے میں حرج نہیں، مگر بھروسا اس ذخیرہ پر نہ ہو، خدا پر ہو۔ نیند آئے تو اتنا سوؤ جس سے اطاعت کی قوت بحال ہو سکے۔ عزیزو! اللہ کو یاد کیے بغیر مت سو جاؤ، غافل نہ ہو جاؤ۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جاہل کی عبادت سے عالم کی نیند بہتر ہے۔

خواب بیدار ریست چوں بادانش است
وائے بیداری کہ با نا دانش است

(16) روزوں کی پوری پابندی کرو، روزے کا ظاہر از سحر تا غروب آفتاب کھانے پینے سے پرہیز کرنا ہے لیکن اس کا باطن سب اعضاو جوارح پر پابندیاں لگانا ہے۔ آنکھ حرام نہ دیکھے، زبان سے ناجائز باتیں نہ نکلیں، کان فواحش سننے کے عادی نہ بنیں اور ہاتھ خراب اور غلط کام کرنے سے رُکے رہیں۔ اس سے بھی آگے حقیقت روزہ یہ ہے کہ دل (۱) غرور، (۲) حسد، (۳) لالچ، (۴) ریاکاری، (۵) نفاق، (۶) کینہ اور (۷) تکبر سے پاک ہو جائے۔

کبر و حسد و بخل و نفاق و کینہ
اوصافِ بشر، طبیعت دیرینہ
ہرگز بہ مقام ہیچ مردی نہ رسی
تازیں ہا پاک نہ داری سینہ

(17) میرے عزیزو! تمھیں چاہیے کہ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو زکوٰۃ نہ دے، اُس کی (۱) نماز، (۲) روزہ، (۳) حج اور (۴) جہاد نامقبول رہتے ہیں۔'' ایک دوسرا ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ''بخیل اللہ کی رحمت، اس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔ سخی اللہ کی رحمت، اُس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور''۔

(18) عزیزو! اچھے اخلاق اور جوانمردی سے آدمی واقعی انسان بنتا ہے۔

(19) فرمایا: مجھ سے پہلے مشائخ نے اپنے مریدوں کو وصیتیں کیں اور انھوں نے اُن پر عمل کر کے اپنی دنیا و عقبیٰ سنوارے۔ مجھے امید ہے کہ میرے مرید بھی میری بات سنیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں عمل کرنے کی توفیق دے۔

(20) عزیزو! لوگ وصال حق سے اس لیے محروم رہتے ہیں کیونکہ انھوں نے دنیائے دُوں کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے لیکن صوفی کو چاہیئے کہ ذات باری کی معرفت کے بارے میں اپنا عقیدہ درست رکھے اور بدعت سے بچے۔ اُسے چاہیئے کہ ہر بات کی دلیل پر غور کرے تاکہ بوقت پرسش بتا سکے۔ میرے عزیزو! حیف ہے اگر تمھیں دین کے بارے میں پوچھیں اور تم بتا نہ سکو۔ دوسروں کے لیے پوشیدہ باتیں طبقۂ صوفیا کی خاطر آشکارا ہوتی ہیں، پھر آپ علم و دانش سے غفلت برت کر اہل ظاہر سے پیچھے کیوں رہ جاؤ۔ عزیزانِ من! طبقہ صوفیہ میں، ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ اپنا ایک دوست رکھتا ہے جس کی برکت سے دوسروں کی لغزشیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ اس دوستِ خدا اور مردِ حق کو تلاش کرو تاکہ دونوں جہانوں کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤ لیکن علمائے دین کی خدمت کرنے میں پیش قدم رہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ''وارثانِ انبیا'' کہا ہے اور یہ کہ جس نے علم اور علماء کو چاہا، اُس نے زندگی بے خطا گزاری۔

ز دانائی دمی ارزد جہانی
یز زد صد سر نادان بہ نانی
مگو کز صحبتِ دانا زیاں است
و گریابی ز عمرت حاصل آں است
دراں کن جہد تا دانش پذیری
نکو باشی اگر دانا بہ میری

(21) عزیزو! دنیا کے طالبوں کو ہمنشینی نہ کرو اور جاہلوں سے دوری اختیار کرو۔

ببراز جاہل از چہ خویش باشد
کہ رنج او ز راحت بیش باشد

(22) بے وقوف کی صحبت آدمی کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ تم لوگ سماع ورقص کرنے والوں کی محفل میں نہ جاؤ کیونکہ یہ لوگ دل کی صلاحیت کو خراب کر دیتے ہیں۔ سماع کرنے والوں کو حال نہیں، ان کی نظر میں ''حال'' یہ ہے کہ چھری ماری جائے اور خبر نہ ہو۔

سماں آسماں بود مر صوفی گرم
چو آتش ہست جو شیدن چہ کار است

(23) عزیزو! اجازت و رعایت سے استفادہ نہ کرو تاکہ صاحب عزم بنو۔ رعایات سے مستفید ہونا کمزوروں کا شیوہ ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی ؒ جو قطب عارفین، برہان محققین اور مرشد سالکین تھے۔ اشارات پر اکتفا فرماتے تھے کیونکہ عاقل کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔

ازیں به نصیحت نه گوید کسی
دگر عاقلی یک اشارت بس است

حضرت سید امیر کلالؒ کی مذکورہ وصیتیں اکثر مریدوں نے سنیں جو خود بھی منصب رشد و ہدایت پر فائز تھے۔ حضرت کے چار صاحبزادے تھے۔(۱) امیر برہان، جو حضرت بہاء الدین نقشبندؒ کی زیر تربیت تھے۔(۲) سید امیر شاہ، شیخ یادگار کے زیر نظر تھے۔(۳) امیر حمزہ، جو مولانا عارف کے مرید تھے۔(۴) فرزند امیر عمر، مولانا جمال الدین دہ آسیائی کی تربیت میں تھے۔ چار خلفاء اور چار ہی فرزند تھے۔

دلا یارے طلب کن گر توانی
چناں یاری که بردی جان فشانی
چویابی دوستی سُخنش نگه دار
بہ سستی دامنش از دست مگذار
ترا گر یافت شد مارا خبر کن
وگرنه ایں حکایت مختصر کن

حضرت امیرؒ نے دریافت فرمایا، میرے بیٹو! تم میں کون اللہ کے بندوں کی خدمت کا کام سنبھالے گا۔ سب نے عرض کیا ہم میں اتنی استطاعت کہاں، مگر آپ جسے حکم دیں ہم دوسرے اُس کا حکم مانیں گے۔

خدمت بجان کنیم اگر باشدت قبول
ای دولت و سعادت ماگرتست قبول

اس پر حضرت امیرؒ نے مراقبہ کیا اور حضرت امیر حمزہؒ کی طرف اشارہ کیا فرمایا مشائخ کی ارواح نے تمھارا ہی اشارہ کیا ہے۔ امیر حمزہؒ معذرت کرنے لگے کہ میرے مخدوم! مجھ میں اتنی طاقت کہاں اور اس قدر استعداد کیسے ہوسکتی ہے۔ فرمایا: اے بیٹے! یہ کام تمھارا مقدر ہو چکا، مانو یا نہ مانو تمھیں بار خلافت سنبھالنا ہی پڑے گا۔

مابدستِ یار دادیم اختیار خویش را

اس کے بعد حضرت امیر کلالؒ نے پھر حضرت امیر حمزہؒ کی طرف اشارہ کیا اور پھر گوشہ تنہائی میں تشریف لے گئے اور تین دن تک کسی سے بات نہ کی۔ تین دن کے بعد مراقبہ سے سر اٹھایا اور خدا تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف ہو گئے۔ حاضرین مجلس نے بصد ادب واحترام سوال کیا کہ اے مخدوم! آپ نے جو تین دن رات خلوت فرمائی ہے، ہمیں بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ حضرتؒ نے ارشاد کیا کہ میں اس دوران گوشۂ تنہائی میں دریائے حیرت میں غوطہ زن تھا کہ قیامت کے دن ہمارا اور ہمارے یاروں کا کیا حال ہوگا؟ آخر ہاتفِ غیبی نے ہمارے باطن میں یہ ندادی کہ "اے میر کلالؒ! ہم نے تجھ پر تیرے یاروں پر، تیرے دوستوں پر اور اُن لوگوں پر جن پر آپ کے لنگر کی مکھی بیٹھی ہو، رحمت کی اور

سب کے گناہ معاف کردیئے۔تم خوش ہوجاؤ کہ خداتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تم پر رحمت کرے گااور تمھارے گناہوں سے درگزر کرے گا۔

شادم کہ زمن بہ دل کس بارے نیست
کس را زمن و کارمن آزارے نیست
گر نیک شمارند واگر بدگویند
بانیک و بدم ہیچ کسی کارے نیست

اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور لطفِ خاص سے تم سب پر رحم فرمائے۔یہ فرمایا اور اسی روز اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔(پارہ:2،سورۃ البقرہ،آیۃ:156)۔

ایں مزرعہ را بیش کساں کاشتہ اند
ناکام گزشتند و بگزاشتہ اند
رفتند یگان لگان کنوں میر روند
ہر نیک و بدی کہ در جہاں کاشتہ اند

حضرت امیر کلالؒ کی وصیت کے مطابق حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ اور حضرت مولانا عارف نے اُن کے جسد مبارک کو حوالہ خاک کیا۔

در عالم خاک پاک پا شیدم و رفت
صد دشمن و دوست بر ترا شیدم و رفت
بانیک و بد زمانہ ام کاری است بسی
دارندہ چنانکہ داشت پا شیدم و رفت

(16)

خواجۂ خواجگان

حضرت خواجہ سید بہاء الدین محمد نقشبند قدس سرہٗ

قصرِ عارفاں 728ھ / 1327-28ء ———— 791ھ / 1389ء قصرِ عارفاں، بخارا

مادۂ تاریخ وفات

"خاکِ مصلّےٰ"

791ھ

"قصرِ عرفان"

791ھ

"عرفانِ فقری"

791ھ

1 تو تیائے چشم سازم خاک پائے نقشبندؒ
تابیابم سرِ حق از لُطفِ سائے نقشبندؒ

(ترجمہ) میں حضرت نقشبندؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتا ہوں تاکہ میں حضرت نقشبند کے سایہ کرم سے رازِ حق پاؤں۔

2 رو بدرگاہ بہاؤالدین نظر کن ز انکہ ہست
نُہ فلک مانند درباں در سرائے نقشبندؒ

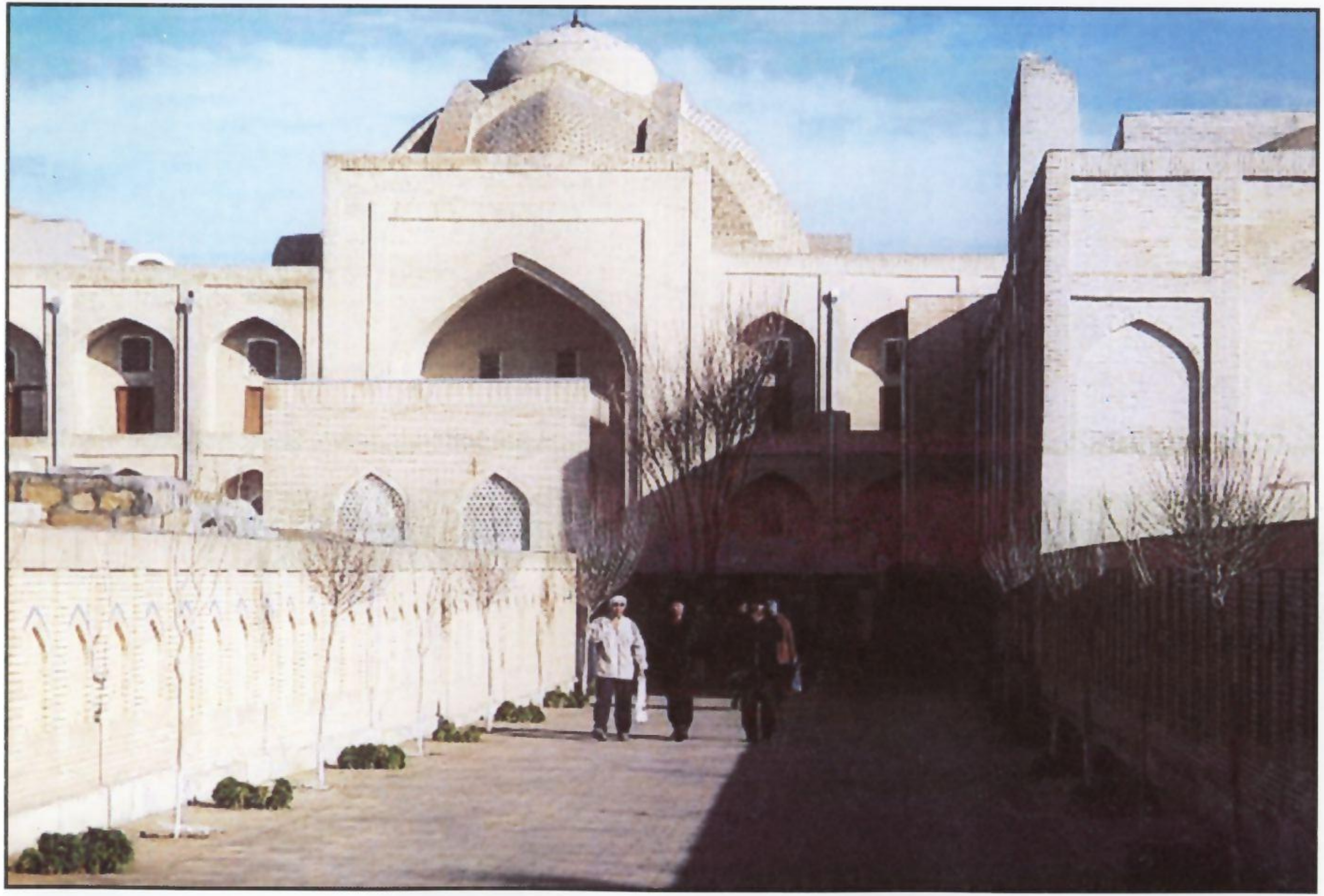
(ترجمہ) (اے مخاطب) تو حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ کی درگاہ میں جا اور اس کا نظارہ کر (اس لیے کہ) نو کے نو آسمان حضرت نقشبند کے گھر کے دروازے کے دربان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

3 مشکلات ماہمہ ہرگز نیاید در عدد
المدد یا خواجۂ مشکل گشائے نقشبندؒ

(ترجمہ) ہماری تمام مشکلات ہرگز گنتی میں نہیں آسکتیں۔اے خواجہ،مشکل کشائے نقشبند ہماری مدد کو آئیں۔

لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ

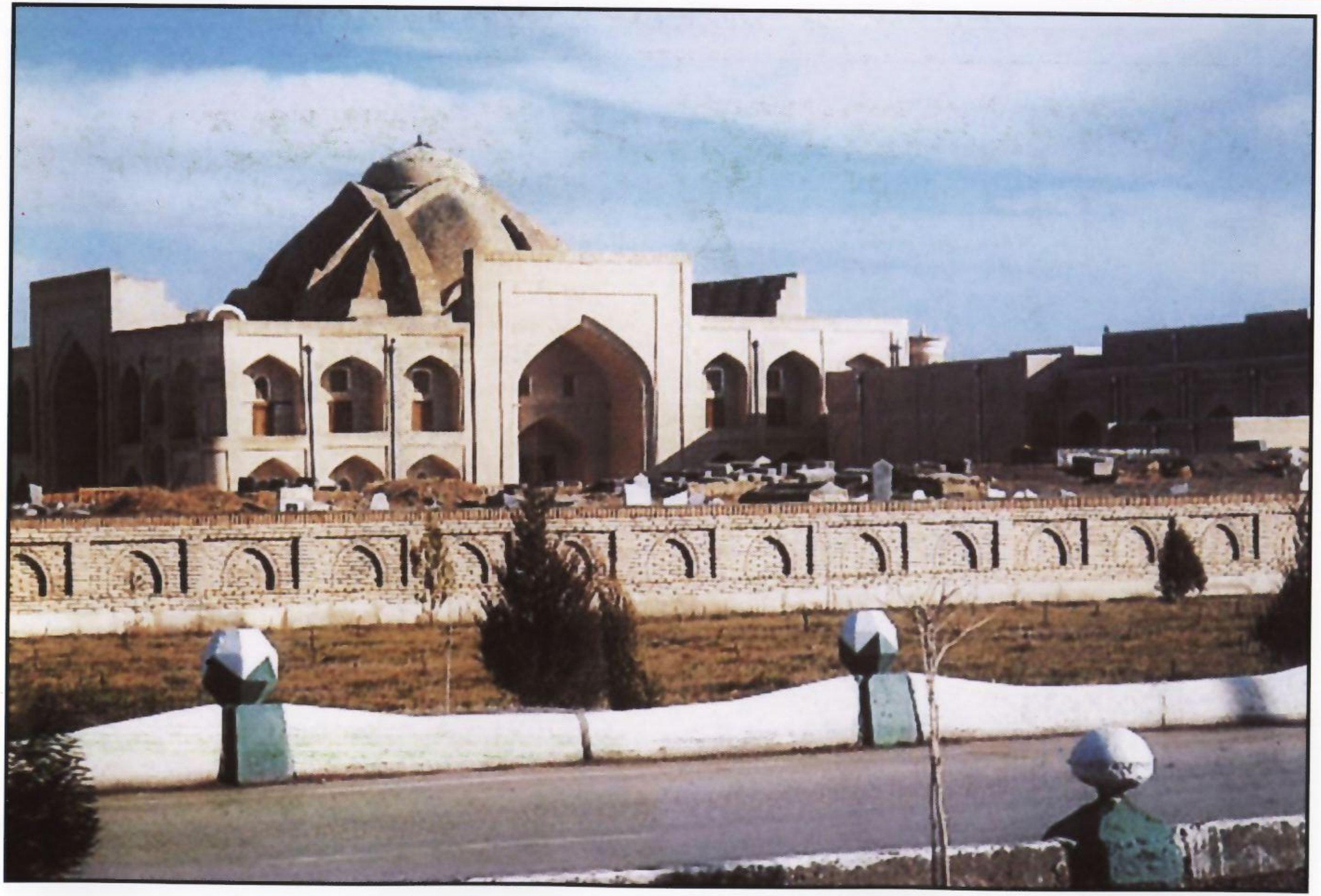
ترجمہ: از ڈاکٹر کے۔بی۔نسیم پشاور یونیورسٹی



حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند ؒ کا مزار شریف (بخارا)



حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے مزار شریف کے اندرونی حصّے کا خوبصورت منظر



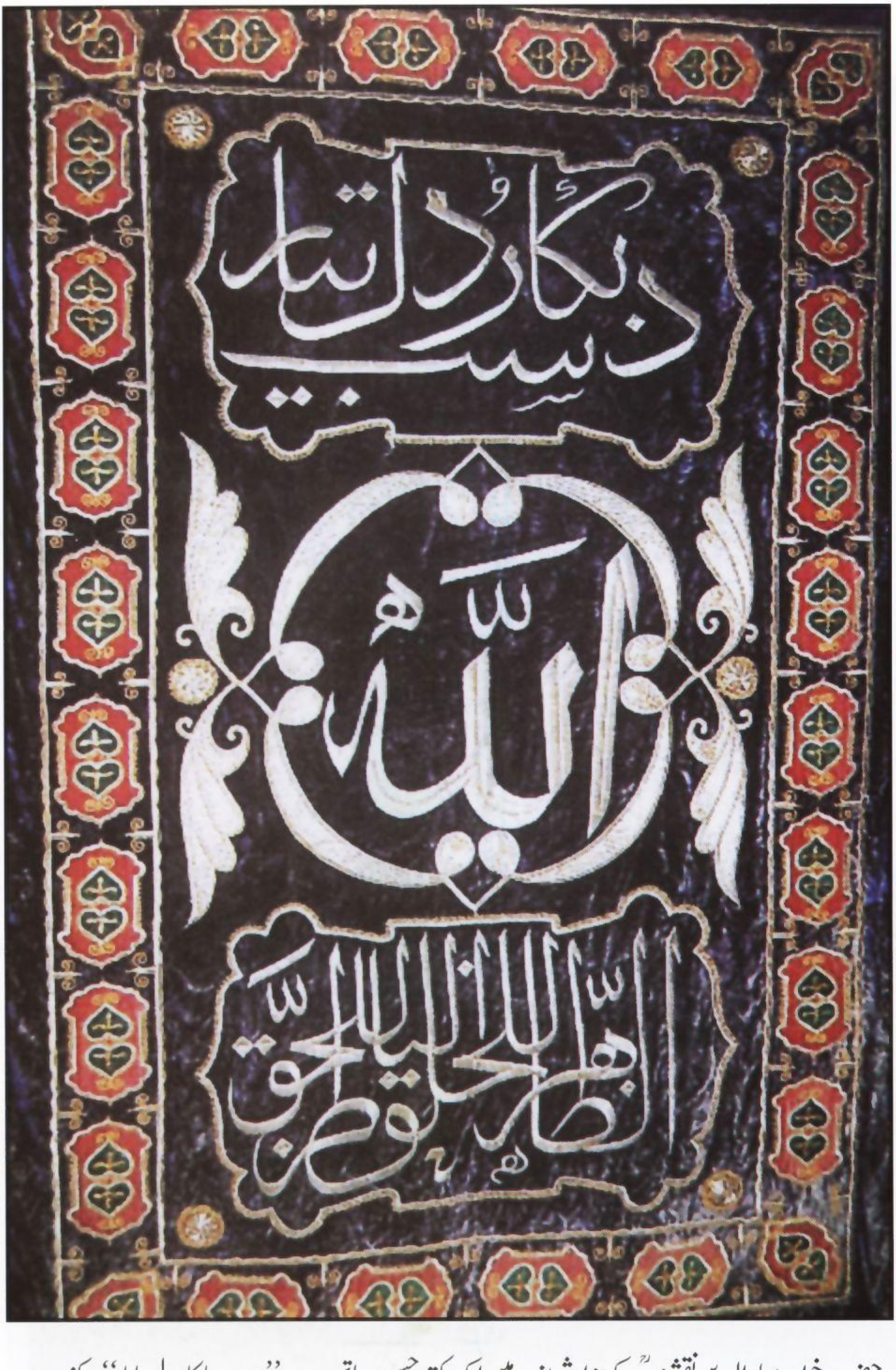
حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ کے مزار شریف کا بیرونی منظر



حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کا وہ حصہ جہاں کعبہ شریف سے پتھر لا کر رکھ دیا تھا



حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند ؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ



حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند ؒ کے مزار شریف میں ایک کتبہ جس پر ہاتھ سے ''دست با کار دل بایار'' کندہ ہے



شاہ نقشبندؒ کے مزار شریف کے اندرونی حصے میں وہاں کے کچھ لوگ اپنے طریقے کے مطابق مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول ہیں۔

قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی اور میاں گل صاحب بھی موجود ہیں۔

حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند بخاری قدس سرہٗ

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبت آخر بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکہ نشد بہرہ مند
جز دل بی نقش شہ نقشبند
تاج بہا برسرِ دین و نہاد
قفلِ ہوا از درِ دینِ او گشاد!

مولانا جامیؒ

آپ کی ولادت 728ھ میں قصر عارفاں (بخارا سے تین میل دور) میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش سے پہلے حضرت بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی ولادت کی بشارت دی تھی۔ تولد سے تیسرے روز آپ کے جدامجد آپ کو حضرت بابا قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت بابا نے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنے خلیفۂ اعظم سید امیر کلالؒ سے آپ کی تربیت کے بارے میں عہد لیا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے۔

بچپن ہی سے آثارِ ولایت اور انوارِ کرامت وہدایت آپ کی پیشانی سے ظاہر وآشکارا تھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ میرا فرزند بہاء الدین چار سال ایک ماہ کا تھا میرے پاس ایک گائے تھی جو حاملہ تھی۔ ایک روز میرے فرزند نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ گائے گوسالہ سفید پیشانی والا جنے گی۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد قدرتِ حق تعالیٰ سے اس گائے نے ویسا ہی گوسالہ جنا۔ جنھوں نے میرے فرزند کی بات سنی وہ حیران ہوئے اور حضرت محمد بابا سماسیؒ کے نقش مبارک کا اثر ثابت ہو گیا۔

آپ کو اگر چہ آدابِ طریقت کی ظاہری تعلیم سید امیر کلالؒ سے ہے مگر حقیقت میں آپ اویسی ہیں کیونکہ آپ کی تربیت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے ہوئی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اوائل احوال اور غلبات، جذبات وبیقراری میں راتوں کو میں نواحی بخارا میں پھرا کرتا تھا اور ہر مزار پر جاتا تھا۔ ایک رات میں تین مزاروں پر گیا۔ جس مزار پر پہنچتا ایک چراغ ٹمٹماتا نظر آتا۔ چراغ میں پورا تیل اور بتی ہوتی مگر بتی کو ذرا اکسانے کی ضرورت تھی تاکہ تیل سے باہر آجائے اور بخوبی جلے شروع رات میں خواجہ محمد واسعؒ کے مزار مبارک پر پہنچا وہاں اشارہ ہوا کہ خواجہ محمود فغنویؒ کے

1۔ ہر کام اپنے اوقات کے ساتھ رہن رکھا کرو۔ (قصوری)

مزار پر جانا چاہیئے جب میں اس مزار پر پہنچا تو دو شخص آئے اور انھوں نے دو تلواریں میری کمر پر باندھیں اور گھوڑے پر سوار کر کے اس کی باگ مزارِ مزداخن کی طرف پھیر دی جب وہاں پہنچا تو فتیلہ اور چراغ اسی حالت میں تھا۔ میں روبقبلہ بیٹھ گیا اور اسی توجہ میں غیبت طاری ہوگئی کیا دیکھتا ہوں کہ قبلہ کی جانب سے دیوار شق ہوگئی ہے اور ایک بڑا تخت ظاہر ہوا جس پر ایک بزرگ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے آگے ایک سبز پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اس تخت کے گرد ایک جماعت حاضر ہے۔ میں نے اس جماعت میں خواجہ محمد بابا کو دیکھا اور جان گیا کہ یہ جماعت گزشتہ بزرگوں کی ہے مگر دل میں آیا کہ وہ بزرگ اس جماعت میں کون ہے۔ اسی اثناء میں اس جماعت میں سے ایک نے کہا کہ وہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی اور یہ جماعت ان کے خلیفے ہیں۔ خلیفوں کے نام گن گن کر اس نے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا کہ (۱) یہ خواجہ احمد صدیق ہیں۔ (۲) یہ خواجہ اولیائے کلاں ہیں۔ (۳) یہ خواجہ عارف ریوگری، (۴) یہ خواجہ محمود فغنوی اور (۵) یہ خواجہ علی رامیتنی ہیں جب خواجہ محمد بابا سماسی تک پہنچا تو اشارہ کر کے کہا کہ ان کو تم نے حالت حیات میں دیکھا ہے۔ یہ تیرے شیخ ہیں انھوں نے تجھے کلاہ دی ہے کیا تو ان کو پہچانتا ہے۔ میں نے کہا میں ان کو پہچانتا ہوں۔ کلاہ کا قصہ بہت دنوں کا ہے مجھے یاد نہیں رہا۔ اس نے کہا وہ کلاہ تیرے گھر میں ہے اور تجھے یہ کرامت عطا ہوئی ہے کہ جو بلا (دکھ، مصیبت) نازل ہو وہ تیری برکت سے دور ہو جائے گی۔ اس وقت اس جماعت نے کہا کہ کان لگا کر سنو۔ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ عبدالخالق غجدوانی) ارشادات فرمائیں گے جو تجھے راہِ حق کے سلوک میں کام آئیں گے میں نے اس جماعت سے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے وہ پردہ آگے سے اٹھا دیا اور میں نے حضرت خواجہ کو سلام کیا۔ حضرت نے جواب دیا اور ارشادات فرمائے جو سلوک کے ابتدا، وسط اور انتہا سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے ایک یہ تھا کہ جو چراغ تجھے اس حالت میں دکھائے گئے تیرے لیے بشارت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ میں اس شے کی استعداد و قابلیت ہے مگر استعداد کی بتی کو اکسانا چاہیئے تاکہ روشن ہو جائے اور اسرار ظاہر ہوں اور قابلیت کے مطابق عمل کرنا چاہیئے تاکہ مقصد حاصل ہو۔ دوسرا ارشاد جس کی آپ نے تاکید فرمائی یہ تھا کہ ہر حال میں جادۂ شریعت واستقامت پر قدم رکھنا چاہیئے اور عزیمت وسنت پر عمل کرنا اور رخصت وبدعت سے دور رہنا چاہیئے اور ہمیشہ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا پیشوا بنانا اور اخبارِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تلاش میں رہنا چاہیئے۔ ان ارشادات کے ختم ہونے پر حضرت خواجہ کے خلیفوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے حال کی صداقت کا شاہد ایک یہ ہے کہ تم مولانا شمس الدین ابکنویؒ کے پاس جا کر کہنا کہ فلاں ترک نے ایک شخص سقا نام پر دعویٰ کیا ہے۔ حق اس ترک کی طرف ہے اور تم سقا کی رعایت کرتے ہو۔ اگر سقا مدعی کی جانب کی حقیقت کا منکر ہو تو اس سے کہنا کہ "اے سقائے تشنہ" وہ اس بات کو جانتا ہے۔ دوسرا شاہد یہ ہے کہ سقا نے ایک عورت سے زنا کیا ہے جب وہ حاملہ ہوگئی تو حمل کو اسقاط کر کے بچہ کو فلاں جگہ پر انگور کے نیچے دفن کر دیا ہے۔ پھر ان خلیفوں نے فرمایا کہ جب تو یہ پیغام مولانا شمس الدینؒ کو پہنچا دے تو دوسرے روز صبح کے وقت فوراً تین عدد مویز (سوکھے ہوئے انگور۔ منقا) لینا اور ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف حضرت سید امیر کلالؒ کی خدمت میں روانہ ہو جانا۔

جب تو جنگل میں پہنچے گا تو ایک بڑھاپے کا جو تجھے ایک گرم روٹی دے گا وہ روٹی لے لینا مگر اس سے بات نہ کرنا۔ آگے بڑھ کر تجھے ایک قافلہ ملے گا۔ قافلہ سے گزر کر ایک سوار آگے آئے گا جسے تو نصیحت کرے گا اور وہ تیرے ہاتھ پر توبہ کرے گا۔ حضرت عزیزاںؒ کی کلاہ جو تیرے پاس ہے اسے اپنے ساتھ حضرت سید امیر کلالؒ کی خدمت میں لے جانا۔

بعدازاں اس جماعت نے مجھے ہلا دیا اور میں ہوش میں آ گیا۔ صبح کو میں فوراً اپنے مکان پر گیا اور متعلقین سے کلاہ کا قصہ دریافت کیا انھوں نے بتایا کہ مدت ہوئی وہ کلاہ فلاں جگہ رکھا تھا۔ جب میں نے حضرت عزیزاںؒ کی کلاہ دیکھی تو میری حالت بہت دگرگوں ہوگئی اور میں بہت رویا۔ اسی وقت میں اکنہ پہنچا اور نماز فجر مولانا شمس الدینؒ کی مسجد میں پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے مولانا سے وہ قصہ بیان کیا۔ سقا حاضر تھا وہ مدعی کے دعویٰ کا منکر ہوگیا۔ میں نے سقا سے کہا کہ میرا ایک گواہ یہ ہے کہ سقائے تشنہ ہے، تجھے عالم معنی سے کوئی حصہ نہیں۔ وہ خاموش ہوگیا۔ پھر میں نے کہا کہ میرا دوسرا گواہ یہ ہے کہ تو نے ایک عورت سے زنا کیا۔ وہ حاملہ ہوگئی اور تیرے حکم سے اسقاطِ حمل کیا گیا اور بچہ کو تو نے فلاں جگہ پر انگور کے نیچے دفن کیا ہے۔ سقا نے اس سے بھی انکار کیا۔ مولانا اور مسجد کے لوگ اس جگہ پہنچے اور تلاش کی تو وہاں مدفون بچہ پایا۔ سقا نے معافی مانگی۔ مولانا اور مسجد کے لوگ رو پڑے اور عجیب حالات رونما ہوئے جب وہ دن گزر گیا تو میں دوسرے دن آفتاب طلوع ہونے پر تین عدد مویز لے کر ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف روانہ ہونے لگا۔ جب مولانا کو میری روانگی کی خبر ہوئی تو مجھے بلایا اور مجھ پر بڑی عنایت کی اور فرمایا کہ تجھ میں دردِ طلب پیدا ہوگیا ہے اس درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ اگر تو ہمارے پاس ٹھہر جائے تو ہم تمھاری تربیت کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ میں دوسروں کا فرزند ہوں، اگر آپ پستانِ تربیت میرے منہ میں دیں تو مجھے لینا نہ چاہیے۔ یہ سن کر مولانا خاموش ہوگئے اور مجھے اجازت دے دی۔ میں نے اسی وقت کمر ہمت باندھی اور چل پڑا۔ جب جنگل میں پہنچا تو ایک بوڑھا مجھ سے ملا جس نے مجھے ایک گرم گرم روٹی دی۔ میں نے روٹی تو لے لی مگر اس سے کوئی بات نہ کی۔ آگے بڑھ کر ایک قافلہ پر سے گزر ہوا۔ قافلہ والوں نے مجھ سے پوچھا تو کہاں سے آ رہا ہے؟ میں نے کہا اکنہ سے۔ وہ بولے کہ وہاں سے تو کب روانہ ہوا۔ میں نے کہا طلوع آفتاب کے وقت۔ جب قافلہ والوں سے بات ہو رہی تھی تو چاشت کا وقت تھا۔ وہ حیران ہوئے کہ اکنہ یہاں سے بارہ میل کا فاصلہ ہے، ہم اوّل شب وہاں سے روانہ ہوئے تھے اور تم طلوع آفتاب پر وہاں سے چلے اور یہاں ایک ساتھ ہی پہنچ گئے۔

قافلہ والوں سے فارغ ہو کر آگے بڑھا تو وہ سوار ملا۔ میں نے سلام کیا تو اُس نے کہا تو کون ہے؟ میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں وہ ہوں جس کے ہاتھ پر تجھے توبہ کرنی ہے۔ وہ جلدی سے گھوڑے سے اترا، بہت گریہ زاری کی اور تائب ہوا۔ اُس کے پاس بہت سی شراب تھی۔ اُس نے وہ سب پھینک دی۔ اُس سے آگے بڑھ کر نسف کی حد میں پہنچا تو وہاں حضرت سید کلالؒ جلوہ افروز تھے۔ میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا اور حضرت عزیزاںؒ کی کلاہ اُن کے آگے رکھ دی۔ حضرت امیرؒ ایک لحظہ تو خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ وہ کلاہ تو حضرت عزیزاںؒ کی ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ اس پر انھوں نے فرمایا کہ اس کے بارے میں اشارہ یوں ہوا ہے کہ اس کو دو پردوں کے درمیان محفوظ رکھو۔ میں نے قبول کیا

اور کلاہ مبارک لے لی۔ پھر حضرت امیرؒ نے مجھے تلقین ذکر کی اور بطریق خفیہ نفی واثبات میں مشغول کیا۔ میں ایک عرصہ تک اس سبق میں مشغول رہا۔ جیسا کہ واقعہ میں مامور ہوا تھا میں نے عزیمت (عزم، ارادہ) پر عمل کیا اور ذکر جہر نہ کیا۔ چونکہ مجھے اخبار وآثارِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرامؓ کی تفحص (جستجو، تلاش) کا حکم تھا بدیں وجہ حضرات علمائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور احادیث پڑھا کرتا تھا، آثارِ صحابہ معلوم کیا کرتا تھا، ہر ایک پر عمل کرتا اور اس کا نتیجہ اپنے باطن میں مشاہدہ کرتا تھا۔

حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ اوائل احوال میں ایک دفعہ نو ماہ تک دروازۂ فیض مجھ پر بند رہا جس کی وجہ سے میں کمزور اور بے چین ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ مخلوق کی خدمت وملازمت میں مشغول ہو جاؤں۔ اس حال میں میرا گزر ایک مسجد پر ہوا جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

اے دوست بیا کہ ما ترائیم
بیگانہ مشو کہ آشنائیم[1]

میں نے جب یہ شعر پڑھا تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ دروازہ مجھ پر کھل گیا۔

آپ فرماتے ہیں مبادیٔ احوال میں ایک رات میں مسجد زیورتون میں ایک ستون کے پیچھے روبقبلہ بیٹھا تھا۔ ناگاہ غیبت وفنا کا اثر ظاہر ہونے لگا اور میں رفتہ رفتہ بے خود ہو گیا اور اسی حالت میں ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ جو مطلوب و مقصود ہے تمھیں مل گیا ہے کچھ دیر کے بعد میں ہوش میں آ گیا۔ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد ایک روز میں اُس باغ میں تھا جس میں آپ کا مزار مقدس واقع ہے، متعلقین کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی۔ ناگاہ عنایت الٰہی کے جذبات کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ اضطراب و بے قراری پیدا ہوئی۔ میں اُٹھ کر روبقبلہ ہو بیٹھا۔ اچانک غیبت واقع ہوئی اور وہ غیبت فنائے حقیقی تک پہنچ گئی۔ میں اس فناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری روح کو آسمانوں کے ملکوت سے آگے لے گئے اور اس مقام پر پہنچا کہ میری روح ستارہ کی شکل میں نور بے نہایت کے دریا میں محو ونا پدید ہو گئی اور میرے قالب میں حیاتِ ظاہری کا کچھ نشان نہ رہا۔ میرے گھر والے اور متعلقین اس حالت میں گریہ زاری کرتے تھے یہاں تک کہ میں آہستہ آہستہ وجودِ بشریت میں آ گیا۔ وہ غیبت وفنا کم وبیش چھ گھنٹے رہی تھی۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے خواجگان حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کے وقت سے حضرت سید امیر کلالؒ کے زمانے تک ذکر خفیہ کو ذکر علانیہ کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے مگر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ ذکر خفیہ کیا کرتے تھے اور ذکر علانیہ سے پرہیز کیا کرتے تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ جب حضرت سید امیر کلالؒ کے اصحاب ومریدین حلقہ میں ذکر علانیہ کرتے تو خواجہ نقشبندؒ مجلس سے اٹھ جایا کرتے۔ حضرت امیر کے اصحاب کو یہ بات بہت ناگوار اور شاق گزرتی مگر خواجہ نقشبند حضرت امیرؒ کی خدمت وملازمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور ہمیشہ سر تسلیم خم کرتے اور

1. اے دوست! آ کہ ہم تیرے ہیں، بیگانہ نہ بن کہ ہم تجھ سے آشنا ہیں۔ (قصوری)

حضرتؒ بھی روز بروز خواجہ نقشبندؒ کی طرف زیادہ توجہ والتفات فرماتے۔ یہاں تک کہ ایک روز تمام اصحاب نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں تنہائی میں شکایت کی مگر حضرت امیرؒ نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر بعدازاں ایک دن حضرت امیرؒ کے تمام اصحاب بتعداد پانچ صد سوخار میں مسجد، جماعت خانہ اور دیگر مکانات کی تعمیر کے لیے جمع تھے اور ہر ایک کام میں لگا ہوا تھا۔ جب مٹی کا کام ختم ہو گیا تو آپ نے اس مجمع سے مخاطب ہو کر شکایت کرنے والوں سے فرمایا کہ تم میرے فرزند بہاؤالدین نقشبندؒ کے حق میں بدگمانی کرتے ہو اور غلطی سے اس کے بعض احوال کو قصور پر محمول کرتے ہو، تم لوگوں نے اُسے نہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ کی نظرِ خاص ہمیشہ اُس کے شاملِ حال ہے اور بندگانِ حق تعالیٰ کی نظر کے تابع ہے۔ اُس کے حق میں مزید التفات کے بارے میں میرا کچھ اختیار نہیں۔ پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ جو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے، طلب کر کے فرمایا:

اے فرزند بہاء الدینؒ! حضرت خواجہ بابا سماسیؒ نے تمھارے حق میں جو وصیت کی تھی میں اُسے اپنی ہمت و بساط کے مطابق بجالایا۔ انھوں نے مجھے ارشاد کیا تھا کہ جس طرح میں نے تمھاری تربیت کی بالکل اُسی طرح میرے فرزند بہاء الدینؒ کی تربیت کرنا۔ مقامِ شکر ہے کہ میں نے ویسا ہی کیا۔ پھر اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، میں نے یہ پستان تمھارے واسطے خشک کیے اور تمہاری روحانیت کا مرغ بشریت کے بیضہ (انڈا) سے نکل آیا ہے اور تمہاری ہمت کا مرغ بہت بلند واقع ہوا ہے۔ ترک و تاجیک یا جس جگہ سے بھی کوئی خوشبو تمھارے دماغ میں پہنچے طلب کرو اور اپنی ہمت کے مطابق طلب میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔''

اس ارشاد کی تعمیل کے لیے حضرت خواجہ نقشبند سات سال تک مولانا عارف دیک کرانی[1] رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور اُن کی متابعت، تعظیم اور آداب بجالاتے رہے۔ چنانچہ وضو کے وقت نہر کے کنارے جب مولانا بیٹھتے تو خواجہ نقشبند نیچے کی طرف بیٹھ کر وضو کرنے کے لیے بیٹھتے اور چلتے وقت مولانا کے قدم پر قدم نہ رکھتے۔ بعدازاں قثم شیخ کی خدمت میں دو تین مہینے رہے۔ جب پہلی بار شیخ کی خدمت میں پہنچے تو شیخ اُس وقت خربوزہ کھا رہے تھے۔ شیخ نے چھلکا آپ کی طرف پھینک دیا جسے آپ نے بطور تبرک کھا لیا۔ اسی مجلس میں دو تین بار ایسا ہی وقوع پذیر ہوا۔ دریں اثنا شیخ کے خادم نے آ کر اطلاع دی کہ تین اونٹ اور چار گھوڑے گم ہو گئے ہیں۔ شیخ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت خواجہ مراقب ہو کر متوجہ ہو گئے۔ نمازِ مغرب کے بعد خادم نے اطلاع دی کہ اونٹ اور گھوڑے خود بخود آ گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ نقشبند بارہ سال حضرت اتاؒ کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ:

''اوائل حال میں ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حکیم اتا قدس سرہ جو کہ اکابر مشائخ

1۔ دیک کراں ایک گاؤں ہے جو بخارا سے 27 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مولانا عارف کا مزار مبارک گاؤں سے باہر قصبہ ہزارہ کو جانے والے راستے پر واقع ہے۔ (قصوری)

ترک میں سے تھے، مجھ سے ایک درویش کی سفارش فرماتے ہیں۔ جب میں بیدار ہوا تو اس درویش کی صورت میرے ذہن میں تھی۔ میں نے اپنی دادی سے جو صالحہ تھیں اس خواب کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ بیٹا! تجھے مشائخ ترک سے کچھ فیض پہنچے گا۔ میں ہمیشہ اُس درویش کی ملاقات کا طالب رہا۔ ایک روز بخارا کے بازار میں اُس سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے اس کو پہچان لیا۔ اس کا نام خلیل اتا تھا۔ اس وقت تو اس کی صحبت میسر نہ ہوئی۔ جب میں گھر پہنچا تو شام کے وقت ایک قاصد آیا کہ درویش خلیل آپ کو یاد کرتے ہیں۔ میں نے کچھ تحفہ لیا اور بڑے نیاز و شوق سے اُن کی خدمت میں گیا۔ میں نے چاہا کہ وہ خواب اُن سے بیان کروں مگر اُنھوں نے خود ترکی زبان میں مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ تمھارے دل میں ہے وہ ہمارے سامنے عیاں ہے، بیان کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر میرا حال دگرگوں ہوگیا اور میرا میلان خاطر اُن کی طرف زیادہ ہوگیا۔ اُن کی صحبت میں عجیب حالات دیکھنے میں آتے تھے اتفاقاً کچھ مدت بعد اُن کو ماوراء النہر کی بادشاہی مل گئی۔ ایک دفعہ ایام سلطنت میں ایک کام کے لیے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے اپنی ملازمت و خدمت کی عزت بخشی۔ بادشاہت کے زمانے میں بھی ان سے بڑے بڑے حالات ظہور میں آتے اور میرا میلانِ خاطر ان کی طرف اور زیادہ ہوتا گیا۔ وہ مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور کبھی مہربانی اور کبھی غصہ سے مجھے آدابِ خدمت سکھاتے۔ جس سے مجھے بہت سے فائدے پہنچے۔ اُن آداب کی تعلیم اس راہ کی سیر و سلوک میں بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ میں اُن کے عہد سلطنت میں چھ سال اس طریقہ سے اُن کی خدمت میں رہا کہ مجلسِ عام میں آدابِ سلطنت بجالاتا اور تنہائی میں ان کا محرم خاص تھا۔ اپنے خواصِ بارگاہ کے سامنے وہ اکثر یوں فرمایا کرتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے میری خدمت کرے گا وہ خلق میں بزرگ ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ اُن کا مقصود کون اور کیا ہے؟ اس سے اُن کا اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ بادشاہوں کا اعزاز و اکرام ان کی ظاہری عظمت کی وجہ سے نہ کرنا چاہیے۔

بلکہ اس واسطے کرنا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنے جلال و بزرگی کا مظہر بنایا ہے۔ کچھ مدت بعد جب اُن کی سلطنت کو زوال آیا تو ایک دم میں وہ خدم و حشم و ملک اُڑتی ہوئی خاک ہوگئے۔ یہ دیکھ کر دنیا کا ہر کام، ہر چیز میری نظروں میں ہیچ ہوگئی۔ میں بخارا چلا آیا اور زیورتون جو بخارا کے نواح میں ایک گاؤں ہے ساکن ہوگیا۔"

حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ منازل مقامات کے طے کرنے میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کی صفت دو مرتبہ میرے وجود میں ظاہر ہوئی۔ نزدیک تھا کہ وہ آواز جوان سے ظہور میں آئی تھی مجھ سے بھی ظاہر ہو جائے۔ بخارا میں

ایک سولی تھی، میں دونوں دفعہ اپنے آپ کو اس سولی کے نیچے لے گیا اور کہا کہ تیری جگہ یہی سولی ہے۔ عنایت الٰہی سے میں اس مشکل مقام کو عبور کر گیا۔

فرمایا کہ حضرت اویس قرنیؒ کی روحانیت کا اثر علائق ظاہری و باطنی سے تجرد کلی اور انقطاع تمام ہے اور امام محمد علی حکیم ترمذیؒ کی روحانیت کا اثر بے صفتی محض ہے۔

فرمایا کہ میں نے حضرت بایزید بسطامی، شیخ جنید بغدادی، شیخ شبلی اور ابن منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہم کے مقامات کی سیر کی۔ جہاں وہ پہنچے تھے میں بھی وہاں پہنچا۔ یہاں تک کہ صفات انبیاء کی سیر میں ایسی بارگاہ میں پہنچا کہ جس سے بڑی کوئی بارگاہ نہ تھی۔ میں نے جان لیا کہ یہ بارگاہ محمدی ہے علیہ الصلوۃ والسلام۔ سلطان عارفین بایزید بسطامیؒ جب اس بارگاہ تک پہنچے تھے تو انھوں نے چاہا کہ سیر کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مماثلت کریں، لیکن اُن کو روک دیا گیا۔ مگر میں نے ایسی گستاخی نہ کی بلکہ نیاز و تعظیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ اقدس پر کیا۔

فرمایا کہ غلباتِ طلب میں ایک روز میں بخارا سے نسف کی طرف جا رہا تھا تا کہ حضرت سید امیر کلالؒ کی صحبت کا شرف حاصل کروں۔ جب رباط جغراتی میں پہنچا تو ایک سوار ملا۔ وہ چرواہوں کی طرح ایک بڑی لکڑی ہاتھ میں لیے اور نمدہ پہنے میرے پاس آیا اور اُس لکڑی سے مجھے مارا اور ترکی زبان میں کہا کہ کیا تو نے گھوڑے دیکھے ہیں میں نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ اُس نے کئی بار میرا راستہ روکا اور لکڑی ماری۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ وہ کافی دور تک میرے پیچھے آیا اور مجھ سے کہا کہ آؤ کچھ دیر بات چیت کریں مگر میں نے توجہ نہ کی۔ جب میں حضرت سید امیر کلالؒ کے قدموں میں حاضر ہوا تو انھوں نے ارشاد کیا کہ تم نے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف توجہ نہیں کی۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ میں آپ کی محبت میں مستغرق تھا اس لیے اُدھر متوجہ نہ ہو سکا۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مرشد حضرت خواجہ نقشبندؒ کی نظر عنایت کی برکتوں سے طالبوں کا یہ حال تھا کہ قدم اول میں سب کے سب سعادتِ مراقبہ سے مشرف ہو جاتے تھے۔ جب نظر عنایت زیادہ ہوتی تو درجہ عدم کو پہنچ جاتے۔ جب اس سے بھی زیادہ نظر عنایت ہوتی تو مقامِ فنا کو پہنچ جاتے اور فانی از خود اور باقی بحق ہو جاتے۔ اس حال میں حضرت خواجہ نقشبندؒ یوں فرمایا کرتے کہ ہم تو دولتِ وصال کے واسطہ ہیں۔ ہم سے منقطع ہو کر مقصود حقیقی سے ملنا چاہیے اور ارباب تکمیل و ایصال کا طریقہ یہ ہے کہ اس راستے کے بچوں کو طریقت کے گہوارے میں لٹاتے ہیں اور تربیت کے پستان سے دودھ پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حد فصال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا دودھ چھڑاتے ہیں اور بارگاہِ احدیت کا محرم بناتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ فیض حاصل کر سکیں۔

حضرت خواجہ فقیر تھے اور ہمیشہ فقر کی تائید فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے، محبت فقر سے پایا ہے۔ آپ کے دولت خانہ میں موسم سرما میں خاشاکِ مسجد ہوا کرتا اور گرما میں پرانا بوریا۔ ہر چیز بالخصوص طعام میں حلال کی رعایت اور شبہات سے اجتناب میں نہایت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ اپنی مجلس میں ہمیشہ اس حدیث نبوی کو بیان فرمایا

کرتے تھے۔

ان العبادۃ عشرۃ اجزاء تسعۃ منھا طلب الحلال و جزء واحد منھا سائر العبادات

عبادت دس اجزاء ہیں جن میں سے نو طلبِ حلال ہیں اور اُن میں سے ایک باقی عبادات ہیں۔

باوجود کمالِ فقر کے آپ میں ایثار اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جو شخص آپ کی خدمت میں ہدیہ لاتا اتباع سنت کے طور پر آپ اسی قدر یا زیادہ اس کے ساتھ احسان کرتے۔ اگر کوئی دوست یا مہمان آپ کے درِ دولت پر حاضری دیتا تو پر تکلف کھانا کھلاتے۔ آپ کی بسر اوقات زراعت سے تھی۔ ہر سال کچھ جو اور کچھ ماش کاشت کرتے۔ تیاری زمین، انتخاب بیج اور بیلوں سے کام لینے میں بڑی احتیاط فرماتے۔ اکابر علماؤ مشائخ جو حاضر خدمت ہوتے آپ کا طعام بطور تبرک کھاتے تھے۔ آپ کا کوئی مکان ملکیتی نہ تھا۔ بطور عاریت رہا کرتے۔ آپ کے ہاں کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی۔ جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا ''بندگی یا خواجگی راست نے آید''۔ آپ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مبارک حجروں میں جَو کا آٹا چھلنی سے چھانا جاتا تھا (صحیح بخاری۔ کتاب الاطعمہ) اس لیے چند روز ہمارے گھر میں جَو کا آٹا بغیر چھانے پکتا رہا۔ تمام متعلقین و فرزندان بیمار ہو گئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس کا باعث یہ تھا کہ اہل بیت رسالت کے ساتھ بے ادبی کی گئی ہے کیونکہ اس کھانے میں صورتِ مساواتِ کی تشبیہ پیدا ہو گئی ہے۔ بے شک متابعت میں بہت کوشش کرنی چاہیئے مگر حقیقت میں اپنے آپ کو ہر امر میں مقصر (قصور وار) خیال کرنا چاہیئے۔ بعد ازاں جو کا آٹا نہ پکایا گیا، تمام تندرست ہو گئے۔

ہر کہ پے در پۓ رسول نہاد
از ہمہ رہرواں بہ پیش افتاد

حضرت خواجہ اکثر و بیشتر کھانا پکاتے اور دستر خوان کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔ درویشوں کو بالخصوص طعام کھانے کے وقت وقوف و حضور (شعور و تمیز اور حاضری کی پابندی اور نگہداشت) کا حکم دیتے اور تاکید فرماتے۔ اگرچہ دستر خوان پر بڑا اجتماع ہوتا مگر جب اُن میں کوئی غفلت سے لقمہ کھاتا تو آپ براہ لطف و کرم اُسے آگاہ فرماتے اور لقمہ کھانے نہ دیتے۔ اگر کھانا غصہ اور کراہت سے پکا ہوتا تو آپ اُسے نہ کھاتے اور نہ ہی درویشوں کو کھانے دیتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ، غدیوت میں تشریف فرما تھے۔ ایک درویش آپ کی خدمت میں کھانا لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ کھانا نہ چاہیئے کیونکہ غصہ کی حالت میں پکایا گیا ہے۔ آٹا چھاننے، خمیر کرنے اور پکانے کے وقت کسی میں غصہ رہا ہے۔

اگر کوئی شخص کفگیر (چمچہ) کو غصے یا کراہت کی حالت میں دیگ میں مارتا تو آپ اُس کھانے کو نہ کھاتے اور فرماتے جو کام غضب و غفلت یا کراہت و دشواری سے کیا جائے، اُس میں خیر و برکت نہیں۔ کیونکہ اُس میں نفس و شیطان کا دخل ہو جاتا ہے۔ اُس سے اچھا نتیجہ کب پیدا ہو سکتا ہے۔ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے صدور کی بنا پر طعام حلال ہے جو

وقوف وآگاہی سے کھایا جائے۔ تمام اوقات بالخصوص نماز میں حضور اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک دن ایک شخص مچھلی پکا کر آپ کی خدمت میں لایا۔ اُس وقت درویشوں کی جماعت بھی موجود تھی جن میں ایک جوان عابد وزاہد روزہ دار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اس نے انکار کیا۔ تین بار فرمایا لیکن وہ انکار کرتا رہا آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ دور افتادہ ہے۔ بالآخر وہ جوان بوجہ بے ادبی سخت ذلیل وخوار ہو کر مرا۔ حافظ شیرازی نے کیسی خوبصورت بات کہی ہے۔

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

کسی پنجابی شاعر نے اس شعر کا کیسا عارفانہ ترجمہ کیا ہے۔

وچ شرابیں رنگ مصلیٰ جویں ہادی فرماوے
کہ سالک واقف راہ ورسم تھیں پل وچ پار لنگھاوے

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ہریسہ (ایک قسم کا کھانا جو گندم کے آٹے، گوشت کی یخنی اور دودھ سے پکاتے ہیں) پیش کیا گیا آپ نے تناول فرمایا: اتنے میں ایک درویش حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، آؤ کھاؤ: اُس نے نفلی روزہ رکھا تھا۔ عذر کیا۔ آپ نے فرمایا "مارا از در فضل در آورندو وظیفہٗ ماوائے فرض وواجب وسنت است۔ درویش بے متابعت دریابندہ نسبتِ مانیست" اس طریقہ کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس قدر مناسبتِ تامہ ہے کہ عارف جامی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبت آخر بہ بخارا زدند

آپ فرماتے ہیں کہ مجھے غائبانہ طریق سے کہا گیا کہ تو کس طرز اور روش سے آنا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اُس روش سے کہ جو میں چاہوں۔ پھر ندا آئی کہ جو ہم چاہیں گے وہ کرنا ہوگا۔ میں نے کہا کہ یہ مجھ میں طاقت نہیں کہ آپ جو فرماؤ بجالاسکو۔ اگر میری حسبِ منشا ہوتا رہا تو قدم اس راہ پر رکھ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں وہ طاقت نہیں۔ اس گفتگو کے بعد 15 روز تک کچھ جواب نہ آیا۔ آ کر کار حکم آیا "اچھا آؤ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔

آنرا کہ در پذیر معبود لا معلمہ
او راچہ حاجت آید رنج چہار چلہ

ہر کہ در سلسلہ ما قدم نہد تا بمقصو نرسد از دنیا نرود۔ وہر کہ از سلسلہ ماروئے تابد از دنیا بے ایمان رود۔

یعنی جو کوئی ہمارے سلسلہ میں قدم رکھے گا جب تک مقصد کو نہیں پہنچے گا اس دنیا سے نہیں جائے گا اور جو کوئی ہمارے سلسلہ سے تحقیراً وتخفیفاً منہ پھیر لے وہ دنیا سے ایمان کے بغیر ہی جائے گا۔

سبحان اللہ! اس ارشادِ گرامی سے ثابت ہوگیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے محبوبیت و معشوقیت کا درجہ عطا کیا ہے اور جو لوگ طریقہ نقشبندیہ سے سرکش اور روگرداں ہیں اور اس طریقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ مرتد اور منافقِ ابدی ہیں۔ چنانچہ خود حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

امروز منم بزور باز مغرور
پر زور مئے مابہ کل عالم مشہور
من ہیچو ز مردم عدو چوں افعی
کز دیدن من دیدۂ او گر کور

دیگر

من صرفہ برم کہ برزخم اعداً نزد
مشت خاشاک بطمع بر در پازد
ماتیغ برہنہ ایم در دست قضا
شد کشتہ ہر آنکہ خویش رابر مازد

اوائل زندگی میں ایک دن آپ کا گزر ایک قمار خانہ سے ہوا دیکھا کہ اُس مجلس میں دو شخص ایسے محو و مستغرق ہیں کہ تمام نقد و جنس جو کچھ اُن کے پاس تھا سب ہار چکے تھے اور تعجب یہ کہ جس قدر وہ زک اور ہار کھاتے اسی قدر عربی گھوڑے کی طرح اور بھی تیز و تند ہو جاتے اور اُن کا ذوق و شوق لحظہ بہ لحظہ ترقی پکڑتا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ کا دل بھی چمکا اور آتشِ عشق بھڑکی اور امید وصال بڑھتی گئی یعنی آپ نے نفس کو غیرت دلائی کہ اس کو کہتے ہیں استقلال۔ تو نے اگر خدا کو پانا ہے تو اُن قمار بازوں سے سیکھ۔

آپ فرماتے ہیں کہ جن ایام میں مجھے کششِ عشق میں خدا تعالیٰ نے سخت مضطرب کر رکھا تھا، میں حضرت امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک دن اچانک حضرت امیر کلالؒ نے فرمایا کہ چونکہ تم مجھے نہیں چاہتے لہٰذا یہاں سے چلے جاؤ۔ آپ پر یہ بات ناگوار گزری، چل دیئے راستے میں خیال آیا کہ حضرت امیرؒ کے ایک بار اپنا کہنے سے کیوں چلا جاؤں؟ واپس آ گئے حضرت امیرؒ نے فرمایا: یہاں تیرا کوئی کام نہیں، کوئی دوسرا دروازہ تلاش کر۔ آپ نے کہا، اب جاتا ہوں پھر نہ پلٹوں گا۔ چنانچہ چل دیے اور شہر بخارا میں آ گئے۔ ایک قمار خانے کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ دو قمار باز کھیل رہے ہیں، ایک سب کچھ ہار چکا تھا لیکن پھر بھی دوسرے سے قرض مانگتا اور کھیل جاری رکھنے پر اصرار کر رہا تھا۔ دوسرے نے کہا: اب چلے جاؤ، تمھارے پاس کھیلنے کے لیے اب رہ ہی کیا گیا ہے؟ اُس نے کہا: اب جان کی بازی لگاؤں گا۔

اے دادہ رُخ تو ماہِ زیبائی
خاکِ قدم تو دیدہ رابینائی
در خدمتِ تو جان و دل و دیدہ و تن
می در بازم اگر قبول منجائی

آپ یہ جواب سن کر بے قرار ہو گئے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ ''بہاؤ الدین! تم قمار باز سے بھی گئے گزرے ہو تم اتنی جلدی کیوں میدان چھوڑ گئے۔ تم فوراً حضرت امیرؒ کے آستانے پر لوٹ جاؤ۔

تا جان دارم درغمت آویزم
تا اشک بود برسر کویت ریزم
چوں صبح قیامت بدمد باعشقت
از خاکِ درت نعرہ زناں بر خیزم

چنانچہ آپ واپس لوٹ آئے۔ آپ کا معمول تھا کہ حضرت امیرؒ کے وضو اور طہارت کے لیے پانی کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ اُسی طرح پانی کا آفتابہ بغل میں لیے آئے اور رات کو وہاں پہنچے۔ رات بے حد سرد تھی اور برف گر رہی تھی۔ آپ پانی لیے دروازہ میں پڑے رہے اور برف گرتے گرتے آپ کا سارا جسم برف میں ڈوب گیا۔ صبح کو جب حضرت امیر کلالؒ باہر تشریف لائے تو اُن کا پاؤں مبارک آپ کے سر پر پڑا۔ حضرت امیرؒ نے بکمال شفقت تمام برف اور خس وخاشاک کو دور کر کے آپ کے سر کو اٹھایا اور فرمایا! بیٹے بہاء الدین: اُٹھ جا کہ جس طرح ہمارا قدم تمھارے سر پر پڑا ہے تمھارا قدم لوگوں کی بڑی تعداد کے سر پر آئے گا اور یہ خلعتِ سعادت تیرے ہی قدم مبارک کو موزوں تھا۔ پھر نظر عنایت فرمائی اور آپ درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خوں پتم و گوئی از برائے من است

آپ کا جامہ اُونی، عمامہ سفید، پاپوش پرانا اور کبھی کلاہ بھی پہنا کرتے۔ درویشوں کی نہایت تعظیم کرتے۔ ہر ایک دوست کے ساتھ بتواضع پیش آتے۔ آپ قطب عالم تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''طریقہ ما از نوادر است وعروۃ الوثقیٰ است مارا از فضل آوردہ اند دریں طریقہ باندک عمل فتوح بسیار است امارعایتِ سنت کارے بزرگ تر است۔''

کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو کہاں اور کس طرح حاصل کروں۔ فرمایا: اتباعِ سنت سے اور فرمایا جو شخص میرے طریقہ سے منہ پھیرے اُس کو دینی خطرہ ہے اور فرماتے کہ میرا مرید خواہ دُور ہو یا نزدیک مجھے ہر روز اُس کی خبر اور اطلاع ہے۔

فرماتے کہ:

''آئینہ ہر یک مشائخ را دو جہت است و آئینہ ما راشش جہت است۔''

اور اپنے مخلصین سے فرمایا کرتے۔

''ہر گاہ ترا مہمے پیش آید توجہ بما نمائے۔''

آپ کو مریدوں کی سخت غیرت ہے۔ جو شخص طریقہ نقشبندیہ کا مخالف ہو وہ فوراً تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کی یہ تین رباعیاں شاہد ہیں۔

(1)
رو در صفِ دوستانِ ماباش و مترس
خاکِ راہ آستانِ ما باش و مترس
گر جملہ جہاں قصد وجود تو کنند
دل فارغ دار و از آن ما باش و مترس

(2)
مادر کشائیم نشستہ برکوہ و درہ
کانجا کہ پلنگ و شیر و اژ در گزرہ
پیران قوی دارم و مردانِ سہرہ
ہر کس کہ بما کج نہ گردد جاں نبرہ

(3)
من دوش دعا کردم و باد آمینا
تا بہ شود آں دو چشم باد اٰمینا
گر چشم ترا چشم بد اندیش رسید
در چشم بد اندیشم باد اٰمینا

آپ اکثر و بیشتر فرماتے تھے۔

''مقصودِ ما آنست کہ سلوکِ ما بر جادۂ مصطفویہ و متابعتِ سنت باشد و حق از باطل متمیز گردد''۔

اور بعض دفعہ فرماتے۔

''بنائے طریقہ ما بر تتبع احادیث و آثار است''

یہ وجہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کا نام طریقہ رسولیہ صدیقیہ مشہور ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں غیرت، جوش، شجاعت اور تصرف بہت زیادہ ہے۔ آپ امامِ وقت ہیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جس قدر خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ عالم پیری میں مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و مراقبہ کرتے تھے ہم سے تو جوانی میں اس قدر نہ ہوسکا اور بے نفس اس قدر تھے کہ اپنے گاؤں میں جو مسجد تیار کرائی تو اپنے سر پر مٹی کی ٹوکری اُٹھاتے اور زبانِ مبارک سے یہ شعر یاد فرماتے۔

بجان و دل کار تو چرا نہ کنم
بسر و دیدہ کشم بار تو چرا نہ کشم

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اسی لیے تو ان الفاظ میں آپ کی بارگاہ میں ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔

ابو الوقت دو عالم قطب ارشاد
بہاؤالدین کہ دین شد از وے آباد
زمستی در جنید افگند آشوب
بہ جذبہ بایزیدش آسماں روب
پے تسکین مشتاقانِ دیدار
جمال مصطفیٰ را آئینہ دار
دراں آئینہ می یا بم محقق!
سوا و من رانی قدرائی الحق
فنا فی اللہ خواجہ بس بلندست
مکن تاویل خواجہ نقشبند است
خلیفہ بُود حق را در زمانہ
نمودش برزخ داں درمیانہ

جب آپ حج سے واپس آتے ہوئے طوس پہنچے تو شاہ معزالدین حسینی والئی ہرات کا قاصد مکتوب لے کر آیا کہ میں آپ کی ملاقات سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔لیکن حاضر ہونا بہت مشکل ہے۔اس پر بموجب وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَاتَنْهَرْ ترجمہ:اور منگتا کو نہ جھڑکو۔(پارہ:30،سورۃ الضحیٰ، آیۃ:10)اور واذ اطالبا فکن لا، خادما، ہرات کی جانب روانہ ہوئے۔ بادشاہ سے ملاقات ہوئی اور بعد ادائے مراسم توقیر فقراء مجلس منعقد ہوئی۔بادشاہ نے دریافت کیا، آپ کو شیخیت اپنے آباؤ اجداد سے بطریق وراثت پہنچی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔پھر پوچھا، آپ سماع اور ذکر جہر کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں بادشاہ نے کہا انھی باتوں کو تو درویشی کہتے ہیں، وہی تم میں نہیں ہیں۔میں نے کہا جذبہ عنایت الٰہی مجھ پر پہنچا اور بلامسابقت ریاضت قبول فرمایا اور بادشاہِ حقانی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء سے بیعت ہوا۔ان کے ہاں ان چیزوں سے کچھ نہ تھا۔بادشاہ نے دریافت کیا، پھر ان کے یہاں کیا ہے؟ ظاہر با خلق و باطن با حق، بادشاہ نے کہا' کیا ایسا ہو جاتا ہے، میں نے کہا، ہاں ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[1] (سورۃ نور) اور خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔

ہمارے خواجگان کا اصول ہے،(۱) ہوش دردم،(۲) نظر برقدم،(۳) سفر در وطن،(۴) خلوت درانجمن (۵) یاد کرد،(۶) بازگشت،(۷) نگاہ داشت،(۸) یادداشت،(۹) وقوفِ عددی،(۱۰) وقوفِ زمانی،(۱۱) وقوف قلبی۔پھر اس کی

1 وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔(پارہ:۱۸،سورۃ النور، آیۃ:۳۷)

مختصر تشریح بیان کی اور کہا کہ جو حضورِ ذوق، ذکر جہر وسماع سے ہوتا ہے اس کو قیام واستقلال نہیں۔ اگر کوئی وقوفِ قلبی پر مداومت کرے تو جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جذبہ سے کام تمام ہو جاتا ہے۔ حقیقتِ ذکر خفیہ وقوف قلبی سے حاصل ہوتی ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ پھر دل کو خبر نہیں ہوتی کہ ذکر میں مشغول ہے۔ کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ ان علم القلب انه ذاکر فاعلم انه غافل یعنی اگر قلب کو معلوم ہو جائے کہ وہ ذاکر ہے، تو جان لو کہ وہ غافل ہے، اور آیۃ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے (پارہ:9، سورۃ الاعراف، آیۃ:205) قال لحسن رحمة الله علیه لا تظهر ذکرك لنفسك فتطلب له عوضا اور بعض بزرگوں کا مقولہ ہے، ذکر اللسان هذیان و ذکر القلب وسوسة اور یہ بیت پڑھا۔

دل راگفتم بیادِ اوشاد کنم، گفت
چوں من ہمہ اوشدم کرا یادکنم

وفات

حضرت خواجہ نقشبندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میرا وقتِ آخر آئے گا تو سب کو مرنا سکھاؤں گا۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا بیان ہے کہ جب آپ کا وقت آخر آیا تو ہم سورۃ یٰسین پڑھ رہے تھے۔ جب نصف سورت پڑھی گئی تو انوار ظاہر ہونے لگے۔ ہم کلمہ پڑھنے لگے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے واسطے اٹھائے اور دیر تک دعا مانگتے رہے۔ جب بعد دعا ہاتھ منہ پر پھیرے تو تار نفس ٹوٹ گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ واقعہ 3 ربیع الاوّل 791ھ بمطابق 1389ء بروز دوشنبہ (پیروار) کا ہے۔ مزار مقدس قصر عارفاں میں ہے۔ کسی نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا۔

رفت شاہِ نقشبنداں خواجۂ دُنیا و دین
آنکہ بودے شاہراہ دین و دولت ملتش
مسکن و ماوائے اوچوں بود قصرِ عارفاں
"قصر عرفان" زین سبب آمد حسابِ رحلتش

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کے آگے کلمہ شہادت اور قرآن شریف نہ پڑھیں کیونکہ بے ادبی ہے بلکہ یہ رباعی پڑھیں۔

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال رُوئے تو
دست بکشا جانب زنبیلِ ما
آفریں بر ہمتِ بازوئے تو

کرامات

(1) ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کرامت طلب کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میری یہی کرامت ہے کہ باوجود

اس قدر گناہ گار ہونے کے نہ تو مجھے زمین نگل لیتی ہے اور نہ آسمان سے کوئی عذاب نازل ہوتا ہے بلکہ میں زمین پر چلتا پھرتا رہتا ہوں۔

(2) آپ کے ایک مخلص عقیدت مند کا بیان ہے کہ جس زمانے میں دشتِ قپچاق کی طرف سے ایک لشکر نے بخارا پر حملہ کر کے بہت سی مخلوق کو ہلاک کر دیا اور بے شمار لوگوں کو قیدی بنالیا تو میرا بھائی بھی قید ہونے والوں میں شامل تھا۔ میرے والد بیٹے کے غم میں بہت پریشان تھے اور مجھے ہر وقت یہی کہا کرتے کہ اگر تو میری رضامندی چاہتا ہے تو دشتِ قپچاق کی طرف جا کر اپنے بھائی کو تلاش کر۔ مجھے چونکہ حضرت خواجہ نقشبندؒ سے بڑی عقیدت تھی اور تمام مہمات میں انھی کی طرف ہی رجوع کیا کرتا تھا لہٰذا میں نے یہ قصہ بھی ان سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جلدی جا اور باپ کی رضامندی حاصل کر۔ میں نے ایک درہم بطور نذر آپ کی خدمت میں پیش کیا، جسے آپ نے قبول فرمایا مگر پھر مجھے واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھنا۔ اس میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ جس وقت دورانِ سفر تم کو کوئی مہم پیش آئے تو ہماری طرف متوجہ ہونا میں حسبِ ارشاد روانہ ہو گیا اور دورانِ سفر تھوڑی سی تجارت سے مجھے بہت زیادہ نفع ہوا اور بغیر کسی دشوار کے اپنے بھائی کو خوارزم میں پالیا۔ ہم قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر بخارا کی طرف روانہ ہو گئے۔ کشتی میں بہت سے لوگ تھے، ناگاہ بادِ مخالف چلنے لگی اور کشتی کے غرق ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ لوگوں نے فریاد شروع کی اس پریشانی کی حالت میں میرے کان میں کسی کی آواز آئی جو حضرت خواجہ نقشبند کو یاد کر رہا تھا۔ اسی وقت مجھے بھی حضرتؒ کا وہ ارشاد یاد آ گیا کہ ''جس وقت تم کو کوئی مہم پیش آئے تو میری متوجہ ہونا۔ چنانچہ میں نے حضرت خواجہ کی طرف توجہ کی تو اُسی وقت حضرتؒ مجھے دکھائی دیئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ اُن کی برکت سے ایک لمحہ میں ہوا رک گئی اور دریا کی لہر موقوف ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں بھائی بخارا میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے قدم بوسی کی۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ جس وقت تم نے کشتی میں ہمیں سلام کیا تھا ہم نے سلام کا جواب دیا تھا مگر تم نے نہ سنا تھا۔

(3) آپ کے ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے پچیس (25) دینار (ایک دینار برابر ہے اڑھائی روپے کے) گم ہو گئے۔ آپ سے یہ قصہ بیان کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان دیناروں کو اس گھر کی لونڈی لے گئی ہے اور لونڈی کو حکم دیا کہ دینار واپس کر دو۔ اس نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ زمین میں دفن کر دیے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین میں تو صرف تین دینار مدفون ہیں۔ حاضرین متعجب ہوئے جب دیکھا گیا تو زمین میں تین ہی دینار تھے۔

(4) ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ایک درویش کو کسی کام کے لیے کہیں روانہ کیا اور حسبِ عادت اُس کو بغل میں لے کر نظرِ عنایت ڈالی۔ اتفاقاً اخی محمد درآہنیؒ جو حضرت خواجہؒ کے بڑے درویشوں میں سے تھا، اس درویش کے آگے آگے جاتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد وہ درویش گر پڑا اور اس کی روح قالب سے نکل گئی۔ جب اخی محمد

نے یہ حال دیکھا تو وہ جلدی جلدی حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام داستان عرض کی۔ حضرت اقدسؒ فوراً اس درویش کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا قدم مبارک اس کے سینے پر رکھا، وہ ہلنے لگا اور اس کی رُوح قالب میں آ گئی۔ بعد ازاں حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے اُس کی روح چوتھے آسمان میں پائی اور وہاں سے واپس کر لی۔

(5) ایک نجیب الطرفین سید جو حضرت خواجہؒ سے عقیدت و محبت رکھتا تھا، نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ آپ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جس روز حاجی قربانیاں دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم بھی قربانی دیتے ہیں۔ ہمارا ایک لڑکا ہے، اُسی کو قربان کر دیتے ہیں۔ جو درویش اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے یہ بات لکھ لی۔ جب بخارا میں واپس آئے تو معلوم ہوا کہ جس روز کعبہ میں حضرت خواجہؒ کی زبان مبارک پر وہ الفاظ جاری ہوئے تھے، اُسی دن بخارا میں آپ کا وہ لڑکا فوت ہوا تھا۔

(6) حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ درویشوں کی جماعت کے ساتھ شہر بخارا میں دروازہ کلاباد میں ایک درویش کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔ اتفاقاً وہ درویش حضرت اقدس کے لیے کلاہ نوروزی (ایسی ٹوپی جسے صرف امراء و حکام ہی پہنا کرتے تھے) سی رہا تھا۔ آپ اُس وقت حالتِ بسط میں تھے اور آپ کی اس حالت سے درویشوں میں بڑا ذوق پیدا ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں حضرت خواجہؒ کے سر پر درویشوں نے وہ کلاہ نوروزی رکھ دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ ہم نے سلاطین کی ٹوپی سر پر رکھی ہے چاہیئے کہ سلطنت میں تصرف بھی کریں۔ بتاؤ کہ سلاطین میں سے پہلے کس پر زد کریں۔ ایک محمود نامی درویش پہلوان نے حاکم ماوراء النہر کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس پر زد کی۔ حاضرین مجلس نے وہ تاریخ لکھ لی۔ آپ نے اُسی وقت ایک خط امیر بخاری کی طرف لکھا جو حاکم ماوراء النہر سے تنگ آ کر بھاگ کر کابل چلا آیا تھا۔ کہ ایسا واقعہ وقوع پذیر ہو گیا ہے لہٰذا تمھیں چاہیئے کہ پانچ سو دینار بطور نذرانہ حامل خط ہٰذا کے ہاتھ درویشوں کی خدمت میں روانہ کر دو۔

چند روز کے بعد خبر آئی کہ حاکم ماوراء النہر قتل ہو گیا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسی تاریخ کو قتل ہوا تھا۔ یہ سن کر سب تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ایسے تصرفات عطا فرمائے ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: دوستو! جس وقت ہم سے ایسا امر ظہور میں آتا ہے تو ہم درمیان نہیں ہوتے۔ باوجود کمال قرب کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى[1]۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بیچاروں کا کیا حال ہوگا۔ جو کچھ درویشوں سے صادر ہوتا ہے، اُس میں اُن کا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ طالبوں کی راہنمائی کے لیے ایسا ہوتا ہے۔

1۔ ترجمہ: اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (پارہ:۹، سورۃ الانفال، آیۃ:۱۷)

(7) ایک درویش نے بیان کیا کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ ایک حوض کے کنارے کھڑے تھے جو شہر بخارا سے قبلہ کی طرف ہے۔اسی دوران ایک درویش جو لوگوں میں ارشاد و تربیت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، حاضر خدمت ہوا۔آپ نے اُس سے فرمایا کہ ''ہم نے سنا ہے کہ تمھارا ارادہ خوارزم جانے کا ہے؟'' اُس نے عرض کیا کہ ہاں۔آپ نے فرمایا کہ ''ہم تمھیں خوارزم نہ جانے دیں گے۔'' اُس نے کہا، ایسا نہ کہئے کیونکہ آپ کو اس بات کی قدرت نہیں۔اتفاقاً اسی اثناء میں مولانا حمید الدین شاشیؒ ایک جماعتِ کثیر کے ساتھ آپ کی ملاقات کے لیے آئے۔آپ نے وہ قصہ مولانا سے ذکر کر کے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں، ہم اس درویش کو خوارزم نہ جانے دیں گے۔مولانا نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے۔اس کے بعد وہ درویش خوارزم کی طرف روانہ ہوا لیکن وہ جب اقشیہ (بخارا کے نواح قافلہ کے اترنے کی جگہ) میں پہنچا تو بادشاہ وقت کے سپاہیوں نے آ کر خوارزم کا راستہ بند کر دیا۔اُس درویش نے اہل قافلہ کے ساتھ تدبیر کر کے دوسرے راستے سے خوارزم جانے کی کوشش کی مگر سپاہی وہاں بھی آ پہنچے اور اس درویش کو بمعہ قافلہ گرفتار کر کے بخارا لے آئے۔اُس درویش نے شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کے نواسہ خواجہ داوٗدؒ سے التجا کی اور کچھ مال دے کر سپاہیوں سے رہائی پائی۔جب یہ خبر مولانا حمید الدینؒ کو پہنچی تو بہت متعجب ہوئے اور فرمایا کہ خواص بندگانِ الٰہی نے اس طرح تصرف کیا ہے۔

عارف رومی نے کیسی سچی بات کہی ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(8) ایک مرتبہ آپ غدیوت میں قیام فرما تھے۔ایک جماعت اناروں کا نذرانہ لے کر حاضر ہوئی اُس جماعت میں ایک درویش محمد زاہد بھی تھا۔آپ نے انار تقسیم فرما کر ارشاد کیا کہ کھاؤ۔محمد زاہد نے عرض کیا کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے، بدیں وجہ مجھے سخت پریشانی لاحق ہے۔آپ نے فرمایا کہ وہ کسی طرف نہیں جا سکتا تم دو دن اور دو رات ہمارے پاس ٹھہرو۔تیسرے روز اپنے مکان زیورتون میں چلے جانا، تم کو غلام کی خبر مل جائے گی۔محمد زاہد نے ایسا ہی کیا۔تیسرے روز جب وہ اپنے مکان میں پہنچا تو پیشتر اس کے کہ وہ اپنے اہل خانہ سے آپ کی بشارت کا ذکر کرے، غلام دروازے سے داخل ہوا۔محمد زاہد اور اس کے گھر والوں نے تعجب کیا اور غلام سے تفصیل دریافت کی۔اُس نے بتایا کہ جب میں بخارا سے نکلا تو میں نے نسف کی طرف جانے کا قصد کیا۔میں نے کچھ راستہ طے کیا تھا کہ میرے پاؤں میں ایک بیڑی ظاہر ہوئی جس کی وجہ سے میں چل نہ سکتا تھا اور گھنٹی کی آواز آتی تھی۔جس سے مجھے وہم پیدا ہوا کہ یہ بخارا تک پہنچی ہے۔جب میں زیورتوں کی طرف لوٹتا تو بیڑی کھل جاتی اور گھنٹی کی آواز نہ آتی۔تین دن یہی حال رہا۔میں سمجھ گیا کہ یہ کیفیت دوسری جگہ سے ہے۔میں لوٹ کر آپ کی خدمت میں آ گیا، مجھے معاف فرمائیے۔

(9) ایک روز آپ قصر عارفاں میں جلوہ افروز تھے۔غدیوت سے شیخ شادیؒ حاضر خدمت تھے اور اپنے ایک قصور

کے لیے جو اُن سے سرزد ہو گیا تھا، عذر خواہی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نذرانہ چاہیئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک بیل لاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ نذرانہ میں بیل قبول نہیں۔ اڑتالیس (48) دینار معدنی جو غدیوت میں تم نے ایک مدت سے دیوار کے سوراخ میں چھپائے ہوئے ہیں اور دھوئیں نے وہ جگہ سیاہ کر دی ہے، نذرانہ میں لانے چاہئیں یہ سن کر شیخ شادیؒ کا حال دگرگوں ہو گیا کہ سوراخ میں چھپانے کے وقت کسی کو اطلاع نہ تھی۔ وہ جلدی غدیوت میں گئے اور وہ دینار لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ نے اُن میں سے ایک دینار شیخ شادیؒ کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ حرام ہے، تجھے یہ کہاں سے ملا؟ پھر شیخ شادیؒ کو فرمایا کہ ''ایک بیل اور خرید کر کاشتکاری کر اور بندگانِ خدا کی خدمت میں صرف کر''۔ اس کے بعد لوگوں نے شیخ شادیؒ سے اس کے ایک دینار کا حال دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کا مرید بننے سے پہلے میں ایک مدت تک قمار بازی کرتا رہا۔ وہ دینار قمار سے حاصل ہوا تھا۔

(10) حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک درویش کے حجرے میں جلوہ فگن تھے۔ اُس جماعت میں سے بعض لوگ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے اشارے سے دسترخوان کے لیے سامان لینے نکلے اور دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک فریق بازار صرافاں کی طرف روانہ ہوا۔ انھوں نے حضرت خواجہ کو بازار میں دیکھا اور خیال کیا کہ آپ حجرے سے نکل آئے ہیں۔ دوسرا فریق چوک کی طرف گیا اور انھوں نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کو چوک میں دیکھا اور وہی خیال کیا جو پہلے گروہ نے خیال کیا تھا۔ بعدازاں وہ اخی محمد در آہنی سے بازار میں ملے اور اپنا قصہ اُس سے بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے ابھی حضرت خواجہ کو فلاں جگہ دیکھا ہے کہ ایک طرف کو تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر درویش حیران ہوئے کہ حضرت خواجہ سے کہاں جا کر ملیں۔ ابھی اسی فکر میں تھے کہ ایک درویش آیا اور کہا کہ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ اتنی دیر کیوں لگا دی ہے جلدی واپس آؤ۔ درویشوں نے سارا قصہ بیان کیا تو اُس درویش نے کہا کہ جس وقت تم حجرے سے نکلے ہو صاحب حجرہ اور میں حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے ہیں، آپ حجرے سے بالکل باہر نہیں نکلے۔ اس وقت آپ نے مجھے تمھارے پیچھے بھیجا ہے۔ تمام درویش حیران ہوئے اور فوراً حضرت خواجہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور صاحبِ حجرہ بہت رویا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان کی شام کو حضرت عزیزاں رحمۃ اللہ علیہ کی تیرہ جگہ دعوت ہوئی جو آپ نے قبول فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں ان دعوتوں میں سے ایک میں حاضر تھا۔ میں نے دوسری جگہوں سے جو دریافت کیا تو یہی سنا کہ حضرت عزیزاںؒ تمام جگہوں میں حاضر تھے[1]!

1. اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے یہ قوت بخشی ہے کہ بعض دفعہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد جگہ حاضر ہوتے ہیں اور اُن سے اعمالِ مختلفہ صادر ہوتے ہیں۔ بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانیؒ اس صورت میں وہ تو اپنی جگہ میں ہوتے ہیں مگر اُن کے لطائف مختلف اجساد سے متجسد اور مختلف اشکال سے متشکل ہو کر ایک ہی آن میں متعدد جگہوں میں اعمال عجیبہ وقوع میں لاتے ہیں۔ بعض اوقات اس تشکل کی اُن کو خبر تک نہیں ہوتی۔ یہ تجسد و تشکل کبھی عالمِ شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں پایا جاتا ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب نمبر ۵۸)

(11) ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ اور شیخ شمس الدین کلال خلیفہ حضرت سید امیر کلالؒ اُس ندی کے کنارے بیٹھے تھے جو شیخ سیف الدین اور شیخ حسن بلغاری رحمہا اللہ کے مزار کے سامنے ہے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں مچھلی کے قصہ کا ذکر آیا جو ایک دفعہ شیخ سیف الدین اور شیخ حسن کے درمیان گزرا تھا۔ شیخ شمس الدین کلالؒ نے کہا کہ بے شک اولیاء اللہ کے ایسے تصرفات ہوئے ہیں۔ کیا اس زمانے میں بھی کوئی ایسا بزرگ ہے جس سے ایسے حالات ظہور میں آتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا بلکہ ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں کہ اگر مثلاً اس ندی کی طرف اشارہ کر دیں کہ اُلٹی بہے، تو الٹی بہنے لگے۔ حضرت خواجہ یہی فرما ہی رہے تھے کہ وہ ندی اُلٹی بہنے لگی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا، اس پر وہ ندی بدستور بہنے لگی۔ بہت سے لوگوں نے اس کرامت کا مشاہدہ کیا اور حضرت خواجہ نقشبندؒ کی کمالِ ولایت کا اعتراف بھی۔

(12) حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک روز موسمِ سرما میں حضرت خواجہ نقشبندؒ نے درویش امیر حسین سے فرمایا کہ ایندھن بہت سا جمع کر لینا چاہیئے۔ جب حسب الارشاد بہت سا ایندھن جمع ہو گیا۔ تو دوسرے دن برف گرنے لگی اور چالیس دن تک گرتی رہی۔ اسی حال میں حضرت خواجہؒ، شیخ شادی کو ساتھ لے کر خوارزم کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حرام کام ندی کے کنارے پر پہنچے تو آپ نے شیخ شادی سے فرمایا کہ پانی پر قدم رکھ کر گزر جاؤ۔ شیخ نے توقف کیا۔ آپ نے دوبارہ ہیبت سے شیخ کی طرف نگاہ کی تو شیخ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو قدم پانی پر رکھ کر روانہ ہوئے حضرت خواجہؒ بھی اُن کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب پانی سے گزر گئے تو حضرت خواجہؒ نے شیخ سے فرمایا کہ اپنے موزہ (جوتہ) کو دیکھو کہ کسی جگہ سے بھیگا ہے یا نہیں شیخ شادی نے دیکھا کہ قدرت الٰہی سے موزہ کی جگہ نہ بھیگی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت خواجہؒ ایک طرف جا رہے تھے۔ شیخ امیر حسین اور چند درویش ساتھ تھے ایک نالہ کے پل پر پہنچے تو آپ نے شیخ سے فرمایا کہ پانی سے گزر جا۔ حسب ارشاد شیخ پانی میں کود پڑے اور حضرت خواجہؒ پل پر سے گزر گئے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ امیر حسین پانی سے نکل آ۔ شیخ پانی سے نکل آئے اور اُن کے کپڑے خشک تھے۔ حضرت خواجہؒ نے پوچھا کہ جس وقت تم پانی میں کودے، تمھارا کیا حال تھا۔ عرض کی کہ میرا حال اچھا تھا۔ میں ایک نہایت صاف مکان میں تھا۔ کچھ دیر بعد ایک دروازہ ظاہر ہوا، آپ کی آواز مبارک سن کر میں اس دروازے سے نکل آیا۔

حضرت خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

(13) ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہوئے۔ مجھے بڑی

خوشی ہوئی۔ گھر میں آٹا نہ تھا۔ میں آٹے کی بوری لے آیا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اس آٹے کو خرچ کرتے رہو مگر اس کی کمی بیشی کا حال کسی سے ذکر نہ کرنا۔ حضرت خواجہ دو مہینے غریب خانہ میں رہے۔ ہر روز درویش اور دوست آپ کی زیارت کو آتے تھے۔ اُسی آٹے سے کھانا تیار ہوتا رہا مگر وہ آٹا بدستور رہا۔ جب حضرت خواجہؒ تشریف لے گئے تو مدتوں بعد بھی اسی بوری سے پکتا رہا اور مقدار میں اتنا ہی رہا۔ بعد ازاں میں نے حضرت خواجہؒ کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ قصہ اپنے اہل وعیال سے ذکر کر دیا لہٰذا پھر وہ برکت نہ رہی اور آٹا ختم ہو گیا۔

(14) حضرت سید امیر کلالؒ کے بڑے صاحبزادے امیر برہان الدینؒ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ سوخار میں ہمارے مکان میں فروکش تھے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے مولانا عارفؒ کی زیارت کا اشتیاق ہے اور وہ اس وقت نسف میں ہیں۔ آپ توجہ فرمائیں کہ وہ جلدی آ جائیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ ہم ان کو جلدی بلا لیتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت اقدس، امیر برہان الدینؒ کو ساتھ لے کر خانقاہ کی چھت پر چڑھ گئے اور تین دفعہ مولانا عارفؒ کو آواز دی پھر فرمایا کہ مولانا عارفؒ نے ہماری آواز سن لی ہے اور اس طرف چل پڑے ہیں۔ مولانا عارفؒ نسف سے بخارا اور بخارا سے سوخار میں آئے تو اُن سے حضرت خواجہؒ کے بلانے کا قصہ دریافت کیا گیا۔ مولانا عارفؒ نے بیان کیا کہ فلاں روز فلاں وقت ہم اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خواجہؒ کی آواز آئی کہ چلے آؤ۔ میں جلدی جلدی نسف سے بخارا کی طرف روانہ ہو گیا۔

(15) حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز شام کے وقت حضرت خواجہ نقشبندؒ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ درویش عطا کے بالاخانے میں تھے۔ پڑوس میں بخارا کے ایک امیر کا محل تھا جس میں قوالوں کی ایک جماعت گا رہی تھی اور صوفیہ کا ایک گروہ رقص کر رہا تھا اور نہایت شور وشغب برپا تھا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے از قبیل ملاہی (کھیل کود) ہے اس کا سننا جائز نہیں۔ تدبیر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کا یہ فرمانا تھا کہ سب کا حال متغیر ہو گیا اور وہ آوازیں کسی کو سنائی نہ دیں۔ صبح کو پڑوسیوں نے رات کے حالات درویشوں سے بیان کر کے دریافت کیا کہ آپ کی رات کیونکر گزری۔ درویشوں نے جواب دیا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی عنایت سے وہ آوازیں ہمیں سنائی نہ دیں۔ یہ سن کر پڑوسیوں نے بہت تعجب کیا۔

(16) خواجہ علاؤالدین عطارؒ ناقل ہیں کہ حضرت خواجہؒ کا ایک درویش ایک روز سیب لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو۔ اس سیب کو ابھی نہ کھاؤ۔ یہ تسبیح پڑھتا ہے حضرت خواجہؒ کا ارشاد درست تھا۔ حاضرین میں سے بعض لوگ اس سیب کی تسبیح سن رہے تھے۔

(17) ایک روز قصرِ عارفاں میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کے حکم سے درویش مٹی کا چھکڑا کھینچ رہے تھے۔ اسی اثناء میں

حضرت خواجہؒ کا ایک مرید محمد خرکوشی زیورتون سے آیا۔ وہ آپ کی زیارت کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے درویشوں سے آپ کا پتہ پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ آپ دولت خانہ کو تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر محمد خرکوشیؒ فوراً آپ کے درِ دولت کی طرف روانہ ہوا اور بے قراری میں پرندے کی طرح اڑتا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپ کے کاشانۂ اقدس تک دو دفعہ اڑا۔ درویشوں نے جب یہ حال دیکھا تو اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب اُس کے پاس پہنچے تو آپ اپنے دولت خانہ سے باہر جلوہ گر ہوئے اور اُن سے یوں ارشاد فرمایا کہ تم اس فقیر بے سروپا سے کیا چاہتے ہو؟ اس صفت سے کچھ حاصل نہیں۔ اس حالت پر کچھ اعتماد نہ کرنا چاہیئے، بہت سے بیگانے ایسے ہوتے ہیں جو پرندے کی طرح ہوا میں اُڑتے ہیں۔ حق طلبی اور ہی چیز ہے درویش یہ سن کر بہت ڈرے۔ اُس حال میں حضرت خواجہؒ نے اُن سے کہا کہ جا کر چھکڑے میں مٹی بھر دو۔ پھر آپ نے چھکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ چھکڑا خود بخود چلتا تھا اور مٹی گرا کر واپس آ جاتا تھا۔ حاضرین یہ دیکھ کر اپنے فعل سے پشیمان ہوئے۔

(18) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ نسف میں قیام فرماتے تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ آپ کو ایک ضروری کام کے لیے بخارا آنا تھا۔ خواجہ محمد پارساؒ جو مولانا حافظ الدین کبیر بخاریؒ کے صاحبزادوں سے تھے، آپ کے ہمراہ تھے۔ اُس روز مطلع ابر آلود تھا۔ نسف کے لوگوں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ رُک جائیے مگر آپ نہ رکے۔ درویشوں کی ایک بہت بڑی جماعت آپ کے ہم رکاب تھی، مینہ برسنے لگا اور لحظہ بہ لحظ شدت اختیار کر گیا۔ حضرت خواجہؒ نے خواجہ محمد پارساؒ کی طرف اشارہ کیا کہ مینہ سے کہہ دو، ٹھہر جا۔ خواجہ محمد پارساؒ نے آپ کی موجودگی میں ایسی گستاخی نہ کی۔ آپ نے فرمایا، کہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ یوں کہہ دے "اے مینہ ٹھہر جا" پس خواجہ محمد پارساؒ نے ایسا ہی کہا، پس مینہ ٹھہر گیا مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا۔

(19) ایک درویش کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ ایک مرتبہ غدیوت میں درویش اسحاق کے مکان میں کھانا تیار کر رہے تھے۔ تنور میں آگ شعلہ زن تھی، اُسی حالت میں آپ نے اپنا دستِ مبارک اس تنور میں ڈال دیا اور کچھ دیر تک رکھا۔ بعد ازاں نکال لیا۔ عنایتِ الٰہی سے دستِ مبارک کا بال تک نہ جلا۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا
خلیلؑ اللہ باآتش ہے گفت
اگر موئے زمن باقیست مے سوز

(20) ایک درویش کا بیان ہے کہ میں اور ایک اور درویش (اس باغ میں جہاں اب حضرت خواجہ نقشبندؒ کا مزار مقدس ہے) آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ تکیہ کیے بیٹھے تھے۔ ایک ساعت کے بعد آپ میں ایک ہیبت ناک حالت پیدا ہوئی اور وہ درویش بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت خواجہؒ اٹھ کر حوض کے گرد پھرنے لگے کچھ دیر کے بعد

آپ نے ایک سیب کا درخت اپنی کولی (آغوش، دو بازوؤں کا حلقہ) میں لے لیا۔ ایک لحظہ میں آپ کا وجود مبارک اتنا بڑا ہو گیا کہ تمام باغ اس سے پُر ہو گیا جہاں میری نگاہ پڑتی تھی آپ کا وجود مبارک ہی دکھائی دیتا تھا۔ بعدازاں میں نے پھر نگاہ اٹھائی تو آپ کا وجود چھوٹا ہونے لگا یہاں تک کہ اس کا نشان تک نہ رہا میں نے پھر جو دیکھا تو آپ کے وجود مبارک کا اثر ظاہر ہوا یہاں تک کہ اصلی حالت پر آ گیا اور آپ وہی سیب کا درخت اپنی کولی میں لیے نظر آئے۔ میں نہایت حیران ہوا کہ یہ کیا حالتیں ہیں۔ اُسی وقت حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ایسے احوال حضرت عزیزاں علیہ الرحمتہ کی نسبت بھی منقول ہیں۔

(21) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص رات کو اپنے محبوب کے بوس و کنار میں مشغول رہا۔ صبح کو آپ کے پاس آ کر اشتیاق صحبت درویشاں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رات کو تو یہ، یہ کام کرو اور دن کو ہم سے یوں کہو۔ وہ شخص از حد شرمندہ ہوا۔

(22) نقل ہے کہ ملک خوارزم کے لوگ کسی جہاز پر سوار ہوئے۔ اتفاقاً بادِ مخالف چلی جہاز ڈوبنے کو تیار تھا۔ اتنے میں کسی کے منہ سے نکلا "یا شاہ نقشبند المدد" کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ فوراً تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری سے فوراً جہاز پار لگ گیا۔ جب وہ لوگ بخارا شریف پہنچے تو حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو دیکھتے ہی پہچان لیا حالانکہ ان کی آپ سے پہلے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اُن لوگوں نے خواجہ صاحب کو سلام کیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ جب تم نے جہاز میں مجھے سلام کیا تھا۔ میں نے تم کو جواب تو دے دیا تھا مگر تم نے سلام کا جواب نہیں سنا۔

(23) مولانا عارف رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم قصر عارفاں جا رہے تھے۔ ہمارا ایک ساتھی حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی غیبت کرنے لگا ہم نے اُسے روکا اور کہا کہ یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ اولیاء اللہ کی شان میں بے ادبی کی جائے لیکن وہ نہ مانا۔ اچانک ایک بھڑ آئی اور اس کے منہ میں گھس گئی۔ جب اسے کاٹا تو وہ چلانے لگا۔ میں نے کہا کہ یہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی بے ادبی کی سزا ہے۔ پھر اُس نے توبہ کی تو اسی وقت اچھا ہو گیا۔

(24) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے ایک مرید سید محمود سمنانیؒ نے اپنے بیعت ہونے کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک رات مجھے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ ایک نہایت خوبصورت مکان میں جلوہ افروز تھے اور آپ کی خدمت میں ایک بڑے بارعب شخص بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کی صحبت مبارک نصیب نہ ہوئی، اب میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا کہ اگر ہماری برکت حاصل کرنا چاہتے ہو تو شیخ بہاء الدین کی پیروی کرو اور پھر اُس بارعب شخص کی طرف اشارہ فرمایا۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے آپ کا نام مبارک، حلیہ شریف اور وہ تاریخ ایک کتاب کی پشت پر لکھ لی۔ اس واقعہ کو سات سال گزر گئے۔ ایک دن میں ایک بزاز کی دکان پر بیٹھا تھا۔ ایک بہت نورانی صورت بزرگ تشریف لائے

جنھیں دیکھ کر مجھے فوراً وہ خواب یاد آ گیا اور میری حالت عجیب ہوگئی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ غریب خانہ کو مشرف فرمائیں۔ آپ نے میری استدعا کو قبول فرمالیا۔ پھر آپ آگے آگے چل رہے تھے اور میں پیچھے پیچھے۔ آپ سیدھے میرے غریب خانہ پر جا کر رکے اور پھر جب اندر داخل ہوئے تو بغیر میرے عرض کئے اُس حجرے میں تشریف لے گئے جہاں میری کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور ایک کتاب اٹھا کر مجھے دی اور فرمایا کہ تم نے اس کی پشت پر کیا لکھا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہی کتاب تھی جس پر میں نے آپ کا (۱) نام اور (۲) حلیہ مبارک اور (۳) تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

(25) شیخ معبداللہ خجندیؒ کے دل میں جب آتش عشق بھڑکی تو حکیم امام محمد علی ترمذیؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور دعا کی کہ مجھے پیر کامل مل جائے۔ خواب میں حضرت خضر علیہ السلام اور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا کہ تم بارہ سال بعد قطب زمانہ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے ہاتھ پر مراد کو پہنچو گے۔ یہ اپنے گھر آ گئے۔ جب یہ مدت پوری ہونے کو آئی تو پھر دل میں جوش اُٹھا۔ بے اختیار ہو کر بخارا شریف حاضر ہوئے۔ جب حضرت خواجہ قدس سرہ کی نظر مبارک پڑی تو دیکھتے ہی فرمایا، ''اے عبداللہ! بارہ سال میں ابھی تین دن باقی ہیں۔'' حاضرین تو کچھ نہ سمجھ سکے مگر اُن پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ جب انھوں نے لوگوں کو سب داستان سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے۔

(26) شیخ قطب الدین خراسانیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے مجھے حکم دیا کہ فلاں جگہ سے چند کبوتر لے آؤ۔ میں کبوتر لے آیا لیکن ایک کبوتر چھپا لیا پھر دستر خوان بچھایا گیا میں بھی حاضر تھا۔ سب حاضرین کو ایک ایک بھنا ہوا کبوتر عطا فرمایا لیکن مجھے نہ دیا اور فرمایا کہ اس نے اپنا حصہ پہلے ہی لے لیا ہے۔

(27) روایت ہے کہ آپ کی ایک مرید عورت کسی امیر آدمی کے ہاں ملازمہ تھی۔ عورت حسین و جمیل تھی۔ امیر آدمی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایک دن زبردستی چوبارے پر اُس سے زنا کرنے کی سعی مذموم کی۔ وہ عورت چونکہ حضرت خواجہؒ سے عقیدت و محبت کی وجہ سے پاکدامن تھی لہذا اُس نے انکار کر کے اس رئیس کو دھتکار دیا۔ مگر وہ شیطان صفت امیر پوری قوت کے ساتھ ازسرِنو کمربستہ ہو کر دست درازی کرنے لگا۔ عورت نے ہر ممکن مدافعت کی لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اپنی عزت کی حفاظت کے لیے چوبارے سے نیچے چھلانگ لگا دی اور اُس کے منہ سے نکلا ''المدد یا شاہ نقشبند'' حضرت خواجہ قدس سرہ فوراً تشریف لائے اور قبل اس کے کہ وہ عورت زمین پر گرے آپ نے اُسے تھام لیا۔ اس عورت نے پوچھا کہ آپ اتنی جلدی کہاں سے تشریف لے آئے۔ اس پر فرمایا کہ ''تو از چوبارا آمدی و من از بخارا آمدم''۔

(28) ایک روز حضرت خواجہ نقشبندؒ کا ایک درویش نیک روز نامی سوخار سے آپ کی خدمت میں آیا۔ وہ بہت دلگیر تھا۔

حضرت نے سبب پوچھا، اس نے عرض کیا کہ سوخار میں ایک شخص حسین نام نے مجھے بہت برا بھلا کہا مگر مجھے رنج نہ ہوا لیکن جب اُس نے آپ کی شان میں بے ادبی کی تو مجھے نہایت رنج ہوا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، وہ جلدی دنیا و آخرت میں رسوا ہوگا۔ نیک روز کا بیان ہے کہ جب حضرت خواجہؒ نے یہ فرمایا تو نماز عصر کا وقت تھا۔ میں آپ کے قدموں سے رخصت ہو کر نماز مغرب کے وقت سوخار پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حسین (بے ادبی کرنے والا شخص) اپنے نوکر کے لیے کھانا لے کر کھیتوں میں جا رہا ہے۔ جب نوکر کھانا کھانے لگا تو حسین اپنے نوکر کی جگہ کام کرنے لگا۔ اُسی وقت ایک بھیڑیا آیا جس نے لپک کر حسین کی ناک اور ہونٹ نوچ لیے اور اُس کی شکل نہایت بھونڈی ہوگئی۔ وہ لوگوں میں ذلیل و خوار ہوگیا، ذلت و رسوائی اس کا مقدر ٹھہری اور ''حسین گرگ گرفتہ'' اس کا لقب ہوگیا۔

(29) ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے خواجہ علاؤ الدین عطارؒ سے دریافت فرمایا کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں؟ مطلع ابر آلود تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے ارشاد کیا کہ آسمان کی طرف دیکھو۔ انھوں نے دیکھا تو سب حجاب دُور ہو گئے اور دیکھا کہ فرشتے آسمان پر نماز ظہر میں مشغول و مصروف ہیں۔ اس پر خواجہ عطارؒ سے فرمایا کہ تم تو کہتے تھے کہ ابھی ظہر کا وقت نہیں ہوا۔

ارشادتِ قدسیہ

(1) اس راستے میں وجود کی نفی، نیستی اور اپنے تئیں کم سمجھنا بڑا کام ہے۔ مقصدِ حقیقی کی دولت کا حاصل ہونا قبولیت پر موقوف ہے۔ میں نے اس معاملہ میں موجودات کے طبقوں میں سے ہر طبقہ کی سیر کی اور اپنے آپ کا ذروں میں سے ہر ذرے کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے آپ سے سب کو بہتر دیکھا۔ یہاں تک کہ میں نے فضلات کے طبقہ کی بھی سیر کی اور ان میں فائدہ دیکھا مگر اپنے آپ میں کوئی فائدہ نہ پایا۔ کتے کے فضلہ تک پہنچا اور خیال کیا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایک مدت تک میں نے اپنے آپ کو اس خیال پر برقرار رکھا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ اس میں بھی کوئی فائدہ ہے۔ غرض مجھے تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ مجھ میں کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

از ہیچکس خویشتن بے خبرم	میں اپنی ناقدری سے بے خبر ہوں
از ہیچ سگے بہ نیم الابترم	میں کسی کتے سے اچھا نہیں بلکہ بدتر ہوں
ہر چند بحال خویش مے نگرم	میں ہر چند اپنے حال پر غور کرتا ہوں
یک حبہ یزرد ز قدم تابسرم	میں سر سے قدم تک ایک پائی (معمولی) بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔

(2) ایک دن ایک لڑکا اپنے گھر سے نکلا۔ قرآن شریف اُس کے پاس تھا۔ اُس نے حضرت خواجہؒ کو سلام کیا۔ جب آپ نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیت نکلی۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ اور اُن کا کتا اپنے دونوں ہاتھ غار کی چوکھٹ پر پھیلا رہا ہے

(پارہ:15، سورۃ کھف، آیۃ:18)

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ امید ہے کہ ہم وہ ہوں گے۔

(3) کبار اہل حقیقت کا قول ہے کہ اس راستے کا سالک اگر اپنے نفس کو سو بار فرعون کے نفس سے بدتر نہیں جانتا وہ اس راستے میں نہیں ہے۔

(4) جن دنوں حضرت خواجہ نقشبندؒ شہر سرخس میں جلوہ افروز تھے، ملک حسین شاہ ہرات کے قاصد شاہی فرمان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمان میں لکھا تھا کہ ہمیں درویشوں کی صحبت کا اشتیاق ہے، آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگرچہ آپ کو ملوک وسلاطین سے ملاقات پسند نہ تھی مگر اس خیال سے کہ اگر ملک حسین سرخس کی طرف آیا تو عوام کے لیے مشکلات پیدا ہوں گی، لہذا بذاتِ خود ہرات تشریف لے گئے۔ جب بادشاہ کی مجلس میں پہنچے تو وہاں بڑا ہجوم تھا اور سلطنت کے ارباب بست وکشاد اور ملازمین کی ایک بڑی جماعت حاضر تھی۔ بادشاہ نے حضرت خواجہؒ سے سوال کیا کہ آپ کی درویشی موروثی ہے؟ حضرت خواجہؒ نے جواب دیا کہ نہیں۔ بحکم جذبہ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین (جذباتِ حق میں ایک جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے) ایک جذبہ پہنچا اور میں اس سعادت سے مشرف ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا، کیا آپ کے طریقہ ذکر جہر اور سماع وخلوت ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تمھارا طریقہ کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے سلسلہ کا قول ہے کہ خلوت در انجمن چاہیے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ خلوت درانجمن کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ظاہر میں (ا) خلق کے ساتھ اور باطن (۲) میں حق کے ساتھ ہونا۔

از دروں شو آشنا و زبروں بیگانہ وش
اینچنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں[1]

بادشاہ نے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پارہ:18، سورۃ نور، آیۃ:37) وہ مرد کہ غافل نہیں ہوتے سودا کرنے میں اور بیچنے میں اللہ کی یاد سے۔

کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ وہ کون سی ولایت ہے جو نبوت سے افضل ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا:

''اس نبی کی ولایت افضل ہے اُس کی نبوت سے'' حضرت خواجہؒ نے بعض مشائخ کے قول کی یہ تاویل بیان فرمائی ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کی ذرا تشریح کر دی جائے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے بعض رسائل میں ثابت کیا ہے کہ

1۔ باطن کے ساتھ حق کی آگاہی اور بظاہر بیگانگی، ایسی روش اور ایسا طریقہ دنیا میں بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے۔

نبوت، ولایت سے افضل ہے خواہ اُسی نبی کی ولایت ہو اور حق بھی یہی ہے۔ جن مشائخ نے اس کے خلاف کہا ہے اُن کا قول مقامِ نبوت کے کمالات کی بے علمی کے سبب سے ہے۔''

(مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب 251)

(مذکورہ بالا واقعہ گزشتہ اوراق میں بھی آ چکا ہے لیکن افادیت کے پیش نظر اسے ایک اور مختلف روایت کے مطابق درج کر دیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین کرام ہر دو روایتوں سے استفادہ کر کے روحانی تشنگی بجھا سکیں۔ (قصوری)

(5) اگرچہ نماز و روزہ اور ریاضت و مجاہدہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ ہے مگر ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب طریقوں سے اقرب (بہت زیادہ قریب) ہے اور یہ ترکِ اختیار اور دید قصور کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

(6) ایک روز حضرت خواجہؒ کی زبانِ مقدس سے نکلا کہ اس راستے کے سالکوں کے لیے ماسوا کے ساتھ تعلق نہایت بڑا حجاب ہے۔

یہ سن کر خواجہ صالح بن مبارک بخاریؒ کے دل میں خیال آیا کہ اس صورت میں ایمان و اسلام کے ساتھ تعلق بھی مضر ہونا چاہیئے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ کیا تو نے ابن منصور حلاج کی یہ بیت نہیں سنی۔

کفرت بدین اللّٰہ والکفر واجب لدی و عندالمسلمین قبیح.	میں اللہ کے دین سے کافر ہوا اور یہ کفر میرے نزدیک واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک بُرا ہے۔

پھر فرمایا کہ ایمان و اسلام حقیقی درکار ہے اور اہل حقیقت نے ایمان کی تعریف یوں کی ہے:

الایمان عقر القلب بنفی جمیع ما تولهت القلوب الیه من المضار والمنافع سوی اللّٰہ عزوجل	ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تمام مضار و منافع جن پر دل شیدا ہیں ان کی نفی کا اعتقادِ جازم رکھے۔

(7) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے یہ ارشاد نماز حقیقی کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔ بدیں طور کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اکبریت نمازی کے وجود میں حال ہو جائے اور اُس میں خشوع و خضوع پیدا ہو جائے یہاں تک کہ استغراق کی حالت طاری ہو جائے۔ اس صفت کا کمال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ نماز میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک سے تانبے کی دیگ کے جوش کی مانند آواز آیا کرتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

(8) بخارا کے علماء میں سے ایک عالم نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سوال کیا کہ نماز میں حضور کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ طعام حلال سے جو وقوف و آگاہی سے کھایا جائے۔ نماز سے خارج اوقات میں اور وضو اور تکبیر تحریمہ کے وقت بھی وقوف کی رعایت چاہیئے۔

(9) حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے واسطے ہے یہ صوم حقیقی کی طرف اشارہ ہے جو

ماسوائے حق سے امساک کلی (مکمل دوری) کا نام ہے۔

(10) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آتش دوزخ سے میری امت کا نصیب ایسا ہے جیسا کہ آتش نمرود سے حضرت ابراہیمؑ کا نصیب تھا اور نیز ارشاد ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ ان حدیثوں سے امت سے مراد امت متابعت ہے۔ امت تین قسم کی ہے ایک امت دعوت جس میں سب شامل ہیں۔ دوسرے امت اجابت جو ایمان لائے ہیں۔ تیسرے امت متابعت جو ایمان لا کر حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔

(11) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے وہ مجھ میں اُس وقت میں کوئی مقرب فرشتہ نہیں سماتا اور نہ نبی مرسل۔ اس ارشاد کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ میرا ایک حال ایسا ہوتا ہے کہ اس حال میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل ملحوظ نہیں ہوتا۔ یہ حال مبتدی کا بھی بعض اوقات میں ہوا کرتا ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ میرا ایک حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ حال مقرب فرشتہ اور مرسل کے حال سے اعلیٰ واشرف ہوتا ہے۔

(12) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم ایک سو۔ جو شخص اُن کا شمار کرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس ارشاد مبارک میں شمار کرنے کے ایک معنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان ناموں کو جانے اور ایک معنی یہ ہیں کہ ہر نام کے مقتضاء (مناسبت) کے موافق عمل کرے۔ مثلاً جب رزاق کہے تو روزی کا غم اس کے دل پر بالکل نہ گزرے اور جب متکبر کہے تو عظمت و کبریائی و بادشاہی کو خدا ہی کی ملک سمجھے۔

حضرت خواجہؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ننانوے کا ذکر کیا گیا تو ایک کم سو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ بطور تاکید کہ اس واسطے ذکر کیا گیا کہ عرب کو حساب میں کچھ مہارت نہ تھی اور نہ اُن کو اس طرف توجہ تھی۔ اس سبب سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہینے کے دنوں کی تعداد بیان کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اُٹھا کر اشارہ فرمایا کہ مہینہ ایسا ہوتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے، ایسا ہوتا ہے اور تیسری بار نو انگلیاں اٹھائیں اور محسوس کرا دیا کہ مہینہ 29 دن کا ہوتا ہے اور زبان مبارک سے نہ فرمایا۔

(13) تیرا حجاب تیرا وجود ہے دع نفسک و تعال یعنی اپنے نفس کو دروازے پر چھوڑ اور اندر جا۔

از تو تا دوست رہ بسے نیست توئی
در رہِ تو خاشاک خسے نیست توئی

صحیح حدیث میں جو اماطة الاذی عن الطریق[1] (راستے سے آزردہ چیز کا دور کرنا) آیا ہے۔ اس سے وجود

---

1 صحیحین میں بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے چند اور پر شعبے ہیں۔ جن میں سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ اماطۃ الاذی عن الطریق ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان)

بشریت کی نفی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث قدسی میں جو وارد ہے کہ

نفسك مطيتك فارفق بها — تیرا نفس تیری سواری ہے، تو اُس کے ساتھ نرمی کر۔

یہ نفس مطمئنہ (حکم الٰہی پر چلنے والا) کی طرف اشارہ ہے۔ جو الا مارحم ربی[1] کی خلعت سے مشرف ہو گیا ہے۔

(14) ولایت ایک نعمت ہے۔ ولی کو چاہیئے کہ جانے کہ میں ولی ہوں تا کہ اس نعمت کا شکر ادا کرے۔ عنایت الٰہی ولی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اُس کو بحال خود نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اُس کو بشریت کی آفتوں سے بچایا جاتا ہے۔ خوارق عادات اور احوال و کرامات کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں۔ افعال و اقوال میں استقامت درکار ہے۔ شیخ عبدالرحمٰنؒ نے اپنی کتاب حقائق التفسیر میں آیت فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ترجمہ: تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے۔ (پارہ:۱۲، سورۃ ھود، آیۃ:۱۱۲) کی تفسیر میں اربابِ حقیقت میں سے ایک سے نقل کیا ہے کہ تو استقامت کا طالب بن اور کرامت کا طالب نہ بن کیونکہ تیرا رب تجھ سے استقامت طلب کرتا ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت طلب کرتا ہے۔

صوفیہ کرام کے اقوال میں سے ہے کہ اگر ولی باغ میں آئے اور درختوں کے ہر پتے سے یہ آواز آئے، یا ولی اللہ! تو چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں اُسے اُس آواز کی طرف کچھ التفات نہ ہو، بلکہ بندگی و تضرع میں اُس کی کوشش ہر لحظہ زیادہ ہو۔ اس مقام کا کمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا کہ خدا کا احسان و اکرام و انعام آپ پر جس قدر زیادہ ہوتا اسی قدر آپ کی بندگی اور نیازمندی اور مسکنت زیادہ ہوتی۔ اسی وجہ سے آپ فرماتے ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں''؟

(15) گروہِ صوفیہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مقلد، (۲) کامل، (۳) کامل مکمل۔

1- مقلد: اُس پر عمل کرتا ہے جو اپنے شیخ سے سنتا ہے۔

2- کامل: فیض رسانی میں اپنی ذات سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

3- کامل مکمل: کے سوا کوئی دوسروں کی تربیت نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔

(16) ہمارا طریق نوادر سے ہے اور محکم دست آویز (سند جس سے اپنا مطلب و مدعا ثابت کر سکیں) ہے اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کو پکڑنا اور آپ کے صحابہ کرام کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔ اس راہ میں ہمیں بفضلِ الٰہی لایا گیا ہے[2]۔ اول سے آخر تک ہم نے یہی فضلِ الٰہی مشاہدہ کیا ہے نہ کہ اپنا عمل۔ اس طریقہ

---

[1] وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پارہ 13 شروع) (ترجمہ) اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا۔ تحقیق نفس البتہ بُرائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جو میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

[2] یہ محض فضل الٰہی ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا طریقہ عطا کیا کہ دوسروں کی نہایت (انتہا) اس کی بدایت (ابتدا) میں درج ہے۔ اسی واسطے آپ فرمایا کرتے تھے۔ مافضیلیانیم (ہم اللہ کے فضل والے لوگ ہیں)

(مکتوب امام ربانی دفتر اوّل مکتوب 26-302)

میں تھوڑے سے عمل سے بہت فتوح حاصل ہوتی ہیں مگر سنت کی متابعت کی رعایت بڑا کام ہے۔

(17) ہمارا طریق صحبت [1] ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔

(18) خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو جائیں۔

(19) مرشد کو چاہیئے کہ طالب کے تینوں حال (ماضی، حال اور مستقبل) سے باخبر ہو۔تا کہ اُس کی تربیت کر سکے۔طالب کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میں ہو، اپنے حال سے واقف ہو اور صحبت کے زمانہ کا گزشتہ زمانہ سے مقابلہ کرے۔پس اگر وہ نقصان سے کمال کی طرف کچھ تفاوت دیکھے تو بحکم اصبت مالزم (تو نے پالیا۔پس لازم پکڑ) اُس بزرگ کی صحبت کو اپنے اوپر فرض جانے۔

(20) ہمارا طریقہ سب ادب ہی ادب ہے۔طلبِ راہ کی ایک شرط ادب ہے۔ایک ادب اللہ تعالیٰ کی نسبت ہے اور ایک ادب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ہے اور ایک ادب مشائخ طریقت کی نسبت ہے۔اللہ تعالیٰ کی نسبتِ ادب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں بشرط کمال بندگی اُس کے احکام بجالائے اور ماسوا سے بالکل منہ پھیرے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ادب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہمہ تن ان کی اتباع و پیروی کے مقام میں رکھے اور تمام حالات میں آپ کی واجب خدمت کو نگاہ رکھے اور آپ کو تمام موجودات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ سمجھے۔جو کوئی ہے اور جو کچھ بھی ہے سب کا سر آپ کے آستان عزت پر ہے۔جو ادب مشائخ کے لیے طالبوں پر لازم و واجب ہے وہ اس طرح ہے کہ مشائخ کرام سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی و اتباع کے سبب سے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔پس درویش کو چاہیئے کہ غیبت و حضور (موجودگی اور عدم موجودگی) میں اُن کا ادب ملحوظ رکھے۔

(21) ذکر کی تعلیم کسی کامل سے مکمل ہونی چاہیئے تا کہ مؤثر اور اس کا نتیجہ ظہور میں تیر بادشاہ کی ترکش سے لینا چاہیئے تا کہ شایانِ حمایت ہو۔

(22) وقوفِ عددی علم لدنی [2] کا اول مرتبہ اور درجہ ہے۔

(23) لا الٰہ نفی اِلٰہ طبیعت ہے اور الا اللہ اثباتِ معبود بحق اور مقصود ذکر سے یہ ہے کہ ذاکر کلمۂ توحید کی حقیقت کو پہنچ جائے۔بہت دفعہ کہنا شرط نہیں اور کلمۂ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہنے سے ماسوا بالکل نفی ہو جائے۔

(24) وقوفِ زمانی جو سالک کا کارگزار (مستعد) ہے یہ ہے کہ سالک اپنے احوال سے واقف رہے کہ ہر زمانہ میں اس کا حال کیسا ہے۔موجبِ شکر ہے یا موجب عذر خواہی۔

---

[1] صحبت سے مراد موافقانِ طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفانِ طریق کی کیونکہ ایک دوسرے میں نفی ہونا صحبت کی شرط ہے اور وہ نفی بغیر موافقت کے حاصل نہیں ہوتی۔(مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول مکتوب 265)

[2] علم لدنی وہ علم ہے جو اہل قرب کو تعلیمِ الٰہی اور تفہیم ربانی سے معلوم و مفہوم ہوتا ہے نہ کہ دلائل عقلی و شواہد نقلی سے۔چنانچہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (ترجمہ: اور ہم نے سکھایا تھا اس کو اپنے پاس سے ایک علم۔(پارہ:15، سورۃ کہف، آیۃ:65)

(25) سالکین خواطر شیطانی اور نفسانی کے دور کرنے میں متفاوت ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ پیشتر اس کے نفس وشیطان سے کوئی خطرہ دل میں آئے، اُسے دیکھ لیتے ہیں اور وہیں سے اس کو دور کر دیتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ خطرہ کو قرار پکڑنے کے بعد دفع کرتے ہیں مگر یہ چنداں مفید نہیں۔ ہاں اگر اس کے منشا اور اُس کے انتقالات کے سبب کو معلوم کرلیں تو فائدہ سے خالی نہیں۔

(26) راہ کہ جس کے ذریعے عارف مقصودِ حقیقی کو پالیتے ہیں اور دوسرے محروم رہ جاتے ہیں، تین ہیں۔ (۱) مراقبہ، (۲) مشاہدہ، (۳) محاسبہ۔ خالق کی طرف دوام نظر اور مخلوق کی رویت کا نسیان (یعنی مخلوق کے خیال ولحاظ کا بھول جانا) مراقبہ کہلاتا ہے۔ یعنی سالک کو چاہیئے کہ ہر وقت جناب باری تعالیٰ کی طرف نظر رکھے اور تمام مخلوقات کی ہستی کی پیشانی پر نیستی وفنا ونسیان کا خط (لکیر) کھینچ دے۔ مراقبہ کا دوام نادر چیز ہے۔ اس گروہ میں سے کم ہیں جنھوں نے یہ بات حاصل کی ہے۔ ہم نے اُس کے حصول کا طریق معلوم کرلیا ہے اور وہ نفس کی مخالفت ہے۔ مشاہدہ سے مراد اُن وارداتِ غیبیہ کا معائنہ ہے جو دل پر نازل ہوتے ہیں۔ چونکہ وارد جلدی گزرنے والا ہے اور قرار نہیں پکڑتا، تاہم اُس وارد کا ادراک نہیں کرسکتے۔ مگر صفتِ بسط وقبض (دل کے خدا کی طرف متوجہ ہونے کی صفت) جو ہم میں پیدا ہوتی ہے، اُسے معلوم کرلیتے ہیں۔ قبض میں صفتِ جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بسط میں صفتِ جمال کا۔ محاسبہ یہ ہے کہ ہر ساعت جو کچھ ہم پر گزرے اُس کا حساب کریں کہ اُس میں غفلت کیا اور حضور کیا ہے۔ اگر دیکھیں کہ سراسر نقصان ہے، تو بازگشت کریں۔ اور عمل کو از سرِ نو کریں۔ چونکہ راستہ ان تین میں منحصر ہے اور دوسرے لوگ اس کا غیر طلب کرتے ہیں، اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔

(27) جس شخص [2] نے اللہ کو پہچان لیا۔ اُس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں رہتی۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ قدسیہ سے حضرتِ خواجہ نقشبندؒ کی مراد یہ ہے کہ عارف پر اشیا کا ظاہر ہونا اس کی توجہ پر موقوف ہے۔

---

[1] خواطر جمع ہے خاطر کی۔ خاطر وہ کلام وخطاب ہے جو دل پر وارد ہوتا ہو یا وہ وارد ہے جس میں بندے کے قصد وعمل کو دخل نہ ہو۔ خاطر جو خطاب ہو، اُس کی چار قسمیں ہیں: اول: ربانی، جو اللہ کی طرف سے دل میں القاء ہوتا ہے۔ دوم: ملکی، جو فرشتہ کے القاء سے ہو، اُسے الہام کہتے ہیں۔ سوم: نفسانی، جو نفس کی طرف سے ہو، اُسے حاجس (دل میں آنے والا خیال) کہتے ہیں جس کی جمع حواجس ہوتی ہے۔ چہارم: شیطانی، جو شیطان کے القاء سے ہو۔ اُسے وسواس کہتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ وغیرہ)

[2] شیخ ابراہیم خواصؒ (متوفی 291ھ) کا بیان ہے کہ میں کوہ لکام واقع ملک شام میں تھا۔ ایک انار کا درخت نظر آیا۔ میرے نفس میں خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے ایک انار توڑ لیا، اُس کو جو پھاڑا تو ترش نکلا پس میں نے بغرض تادیب نفس اُسے وہیں چھوڑا اور آگے دل چل دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص لیٹا ہوا ہے اور اس پر بھڑیں بیٹھی ہیں۔ میں نے اُسے کہا السلام وعلیک اُس نے جواب دیا وعلیک السلام یا ابراہیم۔ یہ سن کر میں نے اُس سے پوچھا کہ تو نے مجھے کس طرح پہچان لیا۔ اُس نے جواب دیا کہ ”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا، اُس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں رہتی۔“ میں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا ایک حال دیکھتا ہوں کاش تو اُس سے سوال کرتا کہ وہ تجھے ان بھڑوں کی اذیت سے بچاتا۔ یہ سن کر اُس نے مجھ سے کہا۔ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا ایک حال دیکھتا ہوں۔ کاش تو اُس سے سوال کرتا کہ وہ تجھے انار کی شہوت وخواہش سے بچاتا کیونکہ انار کے ڈنگ کی تکلیف انسان آخرت میں پائے گا اور بھڑوں کے ڈنگ کی تکلیف اس دنیا میں پاتا ہے۔ پس میں اُسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ (رسالہ قشیریہ)

(28) مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہت ہیں جب کہ ہمارے آئینہ کی چھ جہت ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس کلمہ قدسیہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح و نفس کے درمیان واسطہ اور ذریعہ ہے۔ دو جہت سے مراد (۱) جہت روح اور (۲) جہت نفس ہے۔ دوسرے طریقوں کے مشائخ جب مقامِ قلب پر پہنچتے ہیں تو قلب کی دونوں جہت منکشف ہو جاتی ہیں اور دونوں مقاموں کے علوم و معارف جو مناسب قلب ہیں، فائض ہوتے ہیں بخلاف حضرت خواجہ نقشبند کے طریق کے کہ اُس میں آئینہ قلب کے لیے چھ جہت پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کا بیان یوں ہے کہ اس طریقہ علیہ کے اکابر پر یہ بات منکشف ہو گئی ہے کہ لطائف ستہ ((۱) نفس، (۲) قلب، (۳) روح، (۴) سر، (۵) خفی، (۶) اخفی) جو کلیۃ افراد انسانی میں ثابت ہیں وہ تنہا قلب میں بھی متحقق ہیں۔ چھ جہت سے حضرت خواجہ نقشبند کی مراد لطائف ستہ قلب ہیں۔ پس باقی مشائخ کی سیر ظاہر قلب پر ہے اور مشائخ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب میں ہے اور وہ اس سیر سے قلب کے ابطن بطون (بہت گہرائی) میں پہنچ جاتے ہیں اور مقام قلب میں اُن پر ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف جو اس مقام کے مناسب ہیں منکشف ہو جاتے ہیں۔ (رسالہ مبدأ و معاد)

(29) چالیس سال سے ہم آئینہ داری کرتے ہیں۔ ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ اس ارشاد گرامی میں حضرت خواجہؒ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں نور فراست سے دیکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کیا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ بے شک صواب و درست ہوتا ہے۔
شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی سیر آسمان و زمین کے تمام طبقات میں جاری تھی۔

(30) حضرت عزیزاں علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ارشاد ہے کہ اس گروہ کی نظر میں زمین دستر خوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ روئے ناخن کی طرح ہے۔ کوئی چیز اُن کی نظر سے غائب نہیں۔ منقول ہے کہ ارشاد مذکور کے وقت حضرت عزیزاںؒ دستر خوان پر تھے اُسی کے مناسب یہ فرمادیا اور حضرت خواجہؒ نے ہفت دائرہ ولایت کی نسبت سے فرمایا ہے ورنہ عارف کے دل کی بزرگی کی شرح نہیں ہو سکتی۔

(31) اگر درویش کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اُسے پہچاننا چاہیئے کہ یہ کہاں سے ہے۔

(32) حدیث میں ہے اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے۔ اس حدیث میں کسبِ رضا کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسب دنیا کی طرف۔

(33) متوکل کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو متوکل خیال نہ کرے اور اپنے توکل کو کسب میں چھپائے۔

(34) جو شخص اپنے آپ کو بکلیت خود اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اُس کا غیر خدا سے التجا کرنا شرک ہے یہ شرک عام لوگوں کے لیے معاف ہے مگر خواص کے لیے معاف نہیں۔

(35) اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کی خرابی کے لیے موجود کیا ہے مگر لوگ مجھ سے دنیا کی عمارت طلب کرتے ہیں۔

(36) اگر اس وجود سے خراب کوئی اور وجود ہوتا تو فقر کے اس خزانہ کو وہاں رکھتے کیونکہ خزانہ ہمیشہ ویرانہ میں پوشیدہ

رہتا ہے۔

(37) اہل اللہ بارِ خلق (لوگوں کا بوجھ) اس لیے اٹھاتے ہیں کہ اُن کے اخلاق کی اصلاح ہو جائے۔ یا کسی ولی سے ملاقات ہو جائے۔ اس لیے کہ کوئی ولی ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اس پر نہ ہو، خواہ ولی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس جو شخص اُس ولی سے ملے گا، اُس نظر الٰہی سے اُسے فیض ملے گا۔

(38) تو (۱) شمع کی طرح بن اور تو (۲) شمع کی طرح نہ بن۔ شمع کی طرح بن کے معنی یہ ہیں کہ تو دوسروں کو روشنی پہنچائے اور شمع کی طرح نہ بن کہ معنی یہ ہیں کہ تو اپنے آپ کو تاریکی میں رکھے۔

(39) اس راستے (راہ سلوک) میں صاحب پندار و تکبر (مغرور) کا کام نہایت مشکل ہے۔

(40) جس شخص نے کسی روز ہمارا جوتا بھی سیدھا کیا، ہم اُس کی شفاعت کریں گے۔

(41) درویش کو چاہیئے کہ کچھ کہے حال سے کہے۔ مشائخ طریقت کا قول ہے کہ جو شخص ایسے حال سے کلام کرتا ہے جو اُس میں نہیں۔ حق تعالیٰ کبھی اُس کو اس حال کی سعادت نہ بخشے گا۔

(42) یہ ضروری نہیں کہ جو دوڑے وہ گیند لے جائے مگر ملتی اُسی کو ہے جو دوڑتا ہے یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس راہ میں ہمیشہ کوشش کرتا رہے۔

(43) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے مسخ صورت اس امت سے مرتفع (دور کر دی گئی) ہے مگر مسخ باطن [1] باقی ہے۔

اندریں امت نباشد مسخ تن
لیک مسخ دل بود اے ذوالفطن

(44) اولیاء کو اسرار پر آگاہی ہے اور آگاہی دی جاتی ہے۔ لیکن وہ بغیر اجازت کے اُن کو ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ جس کے پاس جو کچھ ہے اُسے چھپاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ شور مچاتا ہے اسرار کا چھپانا ابرار کا کام ہے۔

(45) ہم سے جو کچھ خواطر اور اعمال و افعالِ خلق کے اظہار کی نسبت صادر ہوتا ہے اُس میں ہم درمیان نہیں۔ یا تو الہام سے ہمیں آگاہ کر دیتے ہیں یا کسی کے واسطے سے ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔

(46) درویشی کیا ہے؟ باہر بے رنگ اور اندر بے جنگ۔

تا دریں خرقہ ایم از کس ما
ہم نہ رنجیم و ہم نہ رنجا نیم!!

(47) میں نے اکابردین میں سے ایک سے پوچھا کہ درویشی کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ زبونی خواری (یعنی بے

[1] خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ مسخ باطن کی علامت یہ ہے کہ صاحب کبیرہ کا باطن کبیرہ گناہ سے دردمند و متاثر نہ ہو۔ برائی اور گناہوں میں نہایت اصرار کے سبب سے اُس کا یہ حال ہو جائے کہ جب اُس سے کبیرہ گناہ صادر ہو تو اُس کے بعد اُس کے باطن میں کوئی ندامت و ملامت پیدا و واقع نہ ہو اور اس کا دل سخت سیاہ ہو کہ اگر اُسے تنبیہ کی جائے تو وہ آگاہ و متاثر نہ ہو۔

عزتی، ذلت وخواری)۔

(48) درویش کو تحمل وبرداشت کے مقام میں ڈھول کی طرح رہنا چاہیئے کہ ہر چند طمانچہ کھائے مگر صدائے مخالف اُس سے ظاہر نہ ہو۔

(49) درویش اہل نقد ہیں۔آئندہ پر نہیں چھوڑتے ۔

امروز بیں بدیدۂ باطن جمال دوست
اے بے خبر حوالہ بفردا چہ مے کنی

الصوفی ابن الوقت (وہ صوفی جو وقت اور حالات کا تابع ہو اور حالات کو بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو) کا اشارہ اسی صفت کی طرف ہے ۔

خرد مند ز آنکس تبرا کند
کہ او کار امروز فردا کند

(50) حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی علم نطق پڑھے تو کس نیت سے پڑھے؟ فرمایا کہ حق وباطل کے امتیاز کی نیت سے۔

(51) جس شخص کی قابلیت کا بیضہ مختلف صحبتوں کے سبب سے فاسد ہو گیا، اس کا معاملہ دشوار ہے۔سوائے اہل تدبیر (اولیاءاللہ) کی صحبت کے (جو سرخ گندھک کی طرح کمیاب ہے) درست نہیں ہو سکتا۔

جز صحبت عاشقاں مستاں مپسند
دل در ہوسِ قوم فرد مایہ مبند
ہر طائفہ ات بجائے خویش کشند
چغدت سوئے ویرانہ و طوطی سوئے قند

(52) خواجہ مسافر خوارزمیؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کی صحبت مقدسہ میں بہت رہا کرتا تھا اور اُن کی خدمت کیا کرتا تھا مگر سماع (راگ) کی طرف میرا بہت میلان تھا۔ایک روز میں نے آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اتفاق کیا کہ قوال ودفاف کو بلا کر حضرت خواجہؒ کی مجلس میں سماع میں مشغول ہو جائیں اور پھر دیکھیں کہ حضرتؒ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور گانے بجانے والوں کو لے آئے۔حضرت خواجہؒ اُس مجلس میں بیٹھے اور کسی طرح سے بھی منع نہ فرمایا۔اخیر میں آپ نے فرمایا کہ ہم یہ کام نہیں کرتے اور انکار بھی نہیں کرتے۔[1]

(53) بندہ کے اختیار ثابت کرنے میں بہت سعادت ہے تا کہ اگر کوئی عمل رضائے حق تعالیٰ کے خلاف اس سے سرزد

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام ہمارے طریقِ خاص کے منافی ہے، اس لیے نہیں کرتے اور چونکہ دیگر مشائخ نے کیا ہے، اس لیے اس پر انکار بھی نہیں کرتے۔(مکتوباتِ شریف دفتر اوّل مکتوب 273)

ہو جائے اور وہ اپنا اختیار سمجھے تو اُس کی توفیق کا شکر ادا کرے۔

(54) مشائخ کا قول ہے۔

المجاز قنطرة الحقيقه مجاز حقیقت کا پل ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تمام عباداتِ ظاہری خواہ قولی ہو یا فعلی، مجاز ہیں۔ جب تک سالک اُن سے نہ گزرے گا، حقیقت کو نہ پہنچے گا۔[1]

(55) اگر طالب کو اپنے شیخ مقتدا کے معاملے میں کوئی مشکل پیش آئے تو چاہیئے کہ حتی المقدور صبر کرے اور بے اعتقاد نہ ہو جائے کیونکہ ممکن ہے اُس کی حکمت اس پر ظاہر ہو جائے اور اگر صبر کی طاقت نہیں اور مبتدی ہو تو شیخ سے دریافت کرلے کیونکہ اس کے لیے سوال جائز ہے اور اگر طالب متوسط الحال ہو تو سوال نہ کرے۔

(56) ماوراء النہر کے بڑے بڑے اہل اللہ میں سے ایک نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے پوچھا کہ سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے؟ حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ مقصود معرفتِ تفصیلی ہے۔ اُس بزرگوار نے پھر دریافت کیا کہ معرفتِ تفصیلی کسے کہتے ہیں؟ حضرتؒ نے ارشاد کیا کہ معرف تفصیلی سے مراد یہ ہے کہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ بطریق اجمال قبول کیا گیا ہے اُسے بطریق تفصیل پہچانا جائے اور دلیل و برہان کے مرتبے سے کشف وعیاں کے مرتبہ تک رسائی ہو جائے۔

(57) حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ بلا اور بلوٰے میں کیا فرق ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بلا بہ نسبت ظاہر ہے اور بلوٰی بہ نسبتِ باطن۔

(58) آپ سے دریافت کیا گیا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی درویش سے کوئی حال واپس کر لے تو وہ کیا کرے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اگر اُس حال کا کچھ بقیہ باقی ہے تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے تضرع و نیاز مطلوب ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کا سوال کرے اور اگر کچھ بھی باقی نہیں رہا تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے صبر و رضا مطلوب ہے۔

(59) خدا طلبی بلا طلبی ہے احادیث قدسیہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس نے مجھے دوست رکھا، میں نے اُسے ابتلاء میں ڈالا"۔

یہ بات ظاہر ہے کہ محبت کے لیے وظیفہ لازم اور ضروری ہے کہ محبّ، محبوب کا متلاشی ہو۔ محبوب جس قدر زیادہ عزیز ہوتا ہے اُس کی طلب کی راہ میں بلا (دکھ' مصیبت) زیادہ ہوتی جاتی ہے اور احادیث میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو فقر[2] کے لیے تیار رہ۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ میں

---

[1] مزید تشریح کے لیے "مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب 66 ملاحظہ فرمائیے۔

[2] ترمذی شریف میں حدیث عبداللہ بن مغفل میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تین باریوں کہا "خدا کی قسم! میں آپ کو دوست رکھتا ہوں"۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "پس تو فقر کے لیے پاکھر (گھوڑوں کو بچانے والی زرہ) تیار رکھ۔ کیونکہ فقر میرے محبّ کی طرف زیادہ جلدی پہنچ جاتا ہے رو کے پانی سے جو اپنے منتہا کو جلدی پہنچ جاتا ہے۔" مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبّ کو محنت فقر اُٹھانا پڑتی ہے۔ جس کے لیے پاکھر کی ضرورت ہے۔ یہاں پاکھر کنایہ صبر سے ہے یعنی جس طرح پاکھر گھوڑے کو میدان جنگ میں ضرر سے بچاتی ہے بالکل اسی طرح صبر، انسان کو فقر و فاقہ کی آفت سے بچاتا ہے اور جزع و فزع کے ورطہ میں گرنے نہیں دیتا۔ یعنی گریہ وزاری کے ہلاک کردینے والے مقام کی طرف نہیں گرنے دیتا۔ (مشکوۃ شریف باب فضل الفقراء)

خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بلا کے لیے تیار رہ۔

(60) حضرت خواجہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ کرامات کے بارے میں درویش کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کرامتوں کا کیا ذکر۔ جو کچھ بھی ہے کلمۂ توحید کی حقیقت کے مقابلہ میں نفی ہے۔ ''اصحاب کرامت سب کے سب محجوب (حجاب والے) ہیں اور عارف کرامت کی طرف نظر کرنے سے دور رکھے گئے ہیں۔''

(61) حضرت خواجہ قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ اہل اللہ کو جو لوگوں کے خطرات واحوال واعمال کی بصیرت وشناخت ہوتی ہے، وہ کہاں سے ہے؟ فرمایا کہ اُس نور کی فراست[1] سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے ''تم مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(62) لوگوں نے آپ سے کرامت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ ہماری کرامت ظاہر ہے کہ باوجود اتنے گناہوں کے ہم روئے زمین پر چل سکتے ہیں بلکہ چل پھر رہے ہیں۔

(63) مرید سے احوال کا ظاہر ہونا شیخ کی کرامت ہے۔

(64) حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے جنازہ کے آگے کون سی آیت پڑھیں۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ بیت پڑھنا۔

چیست ازیں خوشرو ہمہ آفاق کار
دوست اسد نزد دوست پار بہ نزدیک یار

حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ یہ پڑھنا بڑا کام ہے تم ہمارے جنازہ کے آگے یہ بیت پڑھنا۔

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً لِللّٰہ از جمالِ روئے تو

(65) حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے مکہ معظمہ زاداللہ تعالیٰ شرفاً وکرامۃً میں دو شخصوں کو دیکھا کہ ایک نہایت بلند ہمت اور دوسرا نہایت پست ہمت۔ پست ہمت وہ تھا جسے میں نے طواف میں دیکھا کہ خانہ کعبہ کے دروازے کے حلقہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ایسی متبرک جگہ اور ایسے عزیز ومقدس وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور مانگ رہا ہے۔ بلند ہمت وہ جوان تھا جسے میں نے بازار منیٰ میں دیکھا کہ کم وبیش پچاس ہزار دینار کا سودا خرید وفروخت کیا اور اس عرصہ میں اُس کا دل ایک لحہ بھی یادالٰہی سے غافل نہ ہوا۔

(66) حضرت خواجہ نقشبندؒ قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ صوفیۂ کرام کا قول ہے کہ فقیر اللہ کا محتاج نہیں۔ اس قول سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ سوال کرنے کی حاجت کی نفی ہے۔ **حسبی من سوالی علمہ بحالی**[2] اسی

[1] فراست کے معنی لغت میں دانائی، سمجھ داری اور عقلمندی کے ہیں مگر اہل حقیقت کی اصطلاح میں اس سے مراد مکاشفہ یقین اور معائنہ غیب ہے۔

[2] نمرود علیہ اللعنۃ نے آگ روشن کی اور حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ کو منجنیق کے پلہ میں رکھا جبریلؑ نے آ کر عرض کیا، کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ حضرت نے فرمایا، تجھ سے کوئی حاجت نہیں جبرئیلؑ نے کہا، پس اللہ تعالیٰ سے مانگیئے۔ حضرت نے فرمایا حسبی من سوالی علمہ بحالی (بجائے لسانِ قال کے لسانِ حال سے سوال کرنا میرے واسطے کافی ہے) یعنی میرا حال اللہ تعالیٰ میری نسبت بہتر جانتا ہے۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ میری فلاح وبہبودی کس چیز میں ہے پس مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ (کشف المحجوب)

مقام کی طرف اشارہ ہے۔

(67) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے سوال کیا گیا کہ بعضے مشائخ کا ارشاد ہے کہ **الصوفی غیر مخلوق** (صوفی غیر مخلوق ہے) اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات صوفی کے لیے ایک وصف وحال ہوتا ہے کہ وہ نابود ہوتا ہے۔ مشائخ کا یہ قول اُسی وقت کی نسبت ہے ورنہ صوفی مخلوق ہیں۔

(68) حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ **ذا تمر الفقر فهو الله** [1] کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ''یہ بندہ کی ہستی اور اُس کی صفات کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔''

(69) یہ جو مشائخ کا قول ہے کہ ''عارف کی معرفت صحیح نہیں ہوتی جس وقت وہ خدا سے تضرع کرتا ہے''۔ یہ بندہ کی ہستی اور اس کی صفات کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

(70) ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص بیمار ہے اور آپ کے دل مبارک کی توجہ کا طالب ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے خستہ دل کی حاجت پھر اُس کے بعد شکستہ دل کی توجہ۔ [2]

(71) ہمارا روزہ ماسوا کی نفی [3] اور ہماری نماز مقام مشاہدہ ہے۔ [4] یہ رباعی [5] آپ کی ہے۔

تا روئے تو دیدہ ام من اے شمع طراز
نے کارکنم نہ روزہ دارم نہ نماز
دَر بے تو بوَم نمازِ من جملہ مجاز
چوں با تُو بوم مجازِ من جملہ نماز

---

[1] یعنی جب فخر کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ ہی باقی رہ جاتا ہے انتہا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے صوفیہ کرام کی مراد یہ ہے کہ جب فقر کامل ہو جاتا ہے اور نیستی محض حاصل ہو جاتی ہے تو باقی اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ لیکن یہ مراد نہیں کہ وہ فقیر خدا کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ تو کفر اور بے دینی ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب 266)

[2] مطلب یہ کہ پہلے شکستہ دل اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد اہل اللہ اُس کی حاجت برآری کی طرف توجہ فرماتے ہیں پس طالب کو مشائخ کی خدمت میں خالی جانا چاہیئے تا کہ پُر ہو کر واپس آئے اور اپنے افلاس کو ظاہر کرنا چاہیے تا کہ اُن کو اس پر شفقت آئے اور فیض رسائی کریں۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب 157)

[3] حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفی ماسوا سے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی مراد نہ صرف ماسوا سے تعلق کی نفی اور ماسوا کی مقصودیت کی نفی ہے بلکہ ماسوا کے شعور وشہود کی بھی نفی ہے جو فنا و توحید شہودی کا حاصل ہے۔ (مکتوب معصومیہ دفتر اول مکتوب 152)

[4] حدیث جبرئیل میں رسول اکرم ﷺ نے اسلام وایمان کے بعد احسان کو بدیں الفاظ میں بیان فرمایا: **ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك** یعنی حقیقتِ احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کرے۔ اس طرح کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اس حال میں نہیں کہ گویا اُسے دیکھ رہا ہے۔ تو اُسکی عبادت کر اس طرح کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے انتہی اس ارشاد میں پہلی حالت مقام مشاہدہ اور دوسری مراقبہ ہے۔

[5] اس رباعی کو نقل کر کے مولانا یعقوب چرخیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مقصود پر پہنچنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسی طاعت نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔ (پارہ: 24، سورۃ الزمر، آیہ: 67) (رسالہ اُنسیہ)

(72) بیس (20) سال سے بفضل خدا ہم مقام بے ضفتی[1] اسے مشرف ہیں۔

(73) حقیقت اخلاص فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے جب تک بشریت غالب ہوتی ہے حاصل نہیں ہوتی۔

ساقی قدمے کہ نیم مستیم
مخمورِ صباحی الستیم
مارا تو بما ممان کہ تاما !!
باخویشتنیم بت پرستیم

(74) ہم فضلی ہیں۔ ہم دوسو آدمی تھے جنھوں نے طلب کے کوچہ میں قدم رکھا مگر فضل الٰہی مجھ پر ہوا۔

(75) جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور سمجھا گیا وہ سب غیر ہے اور حجاب ہے۔ حقیقت کلمہ لا سے اُس کی نفی کرنی چاہیئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے آخیر کلمہ قدسیہ کو نقل کر کے یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''پس کثرت میں وحدت کا شہود بھی شایانِ نفی ہوا اور جو کچھ شایان نفی ہے وہ اُس جناب قدس سے منتفی (فنا ہونے والا) ہے۔ حضرت خواجہؒ کے اس کلام نے مجھے اس شہود سے نکالا ہے اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی ہے اور لباس کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِّیْ خَیْرًا لْجَزَاءِ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔) میں اس ایک بات سے حضرت خواجہؒ کا مرید ہوں اور اُن کا غلام ہوں حق یہ ہے کہ اولیاء میں سے کم ہی کسی نے ایسی عبارت کے ساتھ کلام کیا ہے اور تمام مشاہدات و معائینات کو اس طریق پر نفی کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت خواجہؒ کے ارشاد (''خدا کی معرفت بہاؤالدین پر حرام اگر اُس کی ابتداء بایزید کی انتہا نہ ہو'') کی حقیقت تلاش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بایزیدؒ باوجود اُس بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے۔ اور انھوں نے سبحانی کے کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا۔ مگر حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ایک کلمہ لا سے بایزیدؒ کے تمام مشاہدات کی نفی کر دی اور سب کو غیر حق جل سلطانہ قرار دیا۔ حضرت بایزیدؒ کی تنزیہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے نزدیک تشبیہ ہے اور اُن کا بے چوں حضرت خواجہؒ کے نزدیک چوں اور ان کا کمال حضرت خواجہؒ کے نزدیک نقص ہے۔ اس لیے حضرت بایزید کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھی ہے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی ابتدا ہوگی۔ کیونکہ ہدایت تشبیہ سے ہے اور انتہا تنزیہ پر ہے شاید آخر حال میں حضرت بایزیدؒ کو اس نقص کی اطلاع دی گئی کہ وہ آخری وقت فرماتے تھے۔

مَاذَ کَرْتُكَ اِلَّا عَنْ غَفْلَةٍ وَمَا خَدَمْتُكَ اِلَّا عَنْ فَتْرَةٍ	میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے۔

[1] بے ضفتی سے اشارہ کشفِ ذاتی کی طرف ہے جو بہت بلند مقام اور بہت شریف درجہ ہے۔ اس درجہ بے ضفتی کا کمال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے اور مقام محمود اس مرتبۂ کمال کی طرف اشارہ ہے۔ دیگر انبیاء و اولیاء بحسب مراتب آپ ہی کے خوشہ چین ہیں۔ مزید تشریح کے لیے رسالہ قدسیہ مؤلفہ خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ یہ کہ انھوں نے حضور سابق کو غفلت جانا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ظلال میں سے ایک ظل (سایہ) کا اور ظہورات میں سے ایک ظہور کا حضور تھا۔ پس ناچار وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ٹھہرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء (دور سے دور) ہے۔ ظلال وظہورات تمام مبادی ومقدمات اور معارج ومعدات سے ہیں اور وہ جو حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں، مطابق واقع ہے۔ کیونکہ ابتداء سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہوتی ہے اور اسم وصفت سے بجز ذات اُن کی مراد نہیں ہوتی۔ اس طریقہ عالیہ کے متبدیوں کو یہ دولت بطریق انعکاس شیخ مقتدا سے جو اس کمال سے مشرف ہو، حاصل ہوتی ہے خواہ وہ مبتدی جانیں یا نہ جانیں۔ پس ناچار دوسرے طریقوں کے کامل مشائخ کی نہایت ان بزرگوں کی بدایت میں مندرج ہوگئی۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب 272)

(76) حضرت خواجہ نقشبندؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت خواجہ امیر کلالؒ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ جا رہے تھے۔ اچانک راستے میں حضرت امیرؒ نے ایک شکل دار خط کھینچ کر فرمایا کہ اس پر سے کوئی نہیں گزر سکتا۔ امداد الٰہی نے میری دستگیری کی اور جب حضرت امیرؒ اس پر سے گزرے تو میں بھی ساتھ ہی گزر گیا۔ حضرت امیرؒ نے دیکھا تو خوش ہو کر فرمایا کہ ''بہت اچھا کیا، مجھ سے کوئی خط پیچھے نہ رہا۔''

(77) حضرت خواجہؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ بعض حضرات اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ ولایت ہم پر ختم ہو چکی ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے؟ آپ نے فرمایا ''ایشاں ختم ولایت زمانِ خود بودہ اند''۔ یعنی وہ اپنے زمانے کی ولایت کے ختم کرنے والے ہیں۔

(78) آپ کی بے شمار رباعیات ہیں مگر بہ اختصار چند ایک درج ذیل ہیں تا کہ مردہ دلوں کے اندر تازہ روح پڑ جائے۔

از خونِ دلم دو چشم پُر نم بہتر — در عیش و نشاط دل پُر غم بہتر
یک لحظہ حضور دِل بدرگاہ خدا — از سلطنتِ تمام عالم بہتر

یا رب بکشا بردلم از توبہ دری — بی منت مخلوق رساں ماحضری
در باقیِ عمرم چناں بگذاری — کز من نرسد بہ ہیچکس درد سری

یا رب تو درختِ عمر ماپست مکن — مارا ز شراب نیستی مست مکن
یا رب بہ کرم جملہ جوانمرداں را — دل تنگ، پریشان، تہی دست مکن

یا رب چہ کنم کہ ہیچکس یارم نیست — از شرم گنہ زبان گفتارم نیست
سر تا سر آفاق بہ ہیچم نخرند — یا رب چہ متاعم کہ خریدارم نیست

اے فضل تو دستگیر من دستم گیر — حیران شدہ ام ز خویشتن دستم گیر
تا چند کنم توبہ دتا کی شکنم — ای توبہ دہ توبہ شکن را دستم گیر

در وقت سپیدہ دم خروسے سحری — دانی کہ چرا ہمے کند نوحہ گری
در آئینہ صبح نمو دند اُو را! — از عمر شبے گزشت و تو بیخبری
شب خیز کہ عاشقاں بشب زار کنند — گردِ درو بامِ دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بشب بربندند — الا کہ درِ دوست زاں شب تاز کنند
روزے کہ چراغ خاموش شود — بربستر مرگ عقل مدہوش شود
بابیدردان مکن خدایا حشرم — ترسم کہ بچشم فراموش شود!
پر ورد ز ناز و نعمش دوست مرا — بردوخت مرقعہ از رگ و پوست مرا
تن خرقہ و جان من چوں صوفی — عالم ہمہ خانقاہ شیخ اوست مرا
پیوستہ رضائے دوست میدارم دوست — اندوہ بلائے دوست میدارم دوست
گر جاں طلبند چہ گو نہ تقصیر کنم — من جان برائے دوست میدارم دوست
بدخواہ کساں بہ ہیچ مقصد نرسد — یک بدنکند تا بخودش صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بدمن — تو نیک نہ بینی و بمن بد نہ رسد
ہر بارہ کہ از حضرت اللہ دہند — بے منت شاہے سحر گاہ دہند
خواہی کہ کمال معرفت دریابی — از خود بگور تا بخودت دہند
خود رابشکنی کہ بت شکستن ایں است — درخود بگسل کہ ز قید رستن ایں است
در گوشہ خاطر عزیزاں جاکن — در مذہب ماگوشہ نشستن ایں است

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

(۱) خواجہ بہاؤالدین محمد (۲) ابن سید محمد بخاری (۳) ابن امیر سید جلال الدین (۴) ابن امیر سید برہان الدین (۵) ابن امیر سید عبداللہ (۶) ابن امیر سید زین العابدین (۷) ابن امیر سید محمد قاسم (۸) ابن امیر سید شعبان (۹) ابن امیر سید برہان الدین قلیچ (۱۰) ابن امیر سید محمود رومی (۱۱) ابن امیر سید بلاق (۱۲) ابن امیر سید نقی صوفی (۱۳) ابن امیر سید فخر الدین (۱۴) ابن امیر سید محمود علی اکبر (۱۵) ابن امام حسن عسکری (۱۶) ابن امام علی نقی (۱۷) ابن امام نقی (۱۸) ابن امام علی موسیٰ رضا (۱۹) ابن امام موسی کاظم (۲۰) ابن امام جعفر صادق (۲۱) ابن امام محمد باقر (۲۲) ابن امام زین العابدین (۲۳) ابن امام حسین (۲۴) ابن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

لے قدر گل و مُل بادہ پرستاں دانند
نے خود منشاں و تنگ دستان دانند

ے از نقش تو اں بہ سوئے بے نقش شدن
کیں نقشِ غریب نقشبنداں دانند

(17)

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ

802ھ

بخارا ـــــــــــــــــــــــــــ قصبہ چغانیاں بخارا۔ ماوراء النہر

1400ء

مادۂ تاریخ وفات

"ولی اللہ مخدوم"

802ھ

"مقربِ بارگاہِ باری بودہ"

802ھ

(17) حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ خواجگان سید بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کے خلیفۂ اول اور نائب مطلق تھے۔ آپ کا اسم مبارک محمد بن محمد بخاریؒ تھا۔ جب آپ کے والد ماجد نے وفات پائی تو آپ نے اُن کے ترکہ سے کوئی چیز قبول نہ کی اور حالتِ تجرید میں بخارا کے ایک مدرسہ میں تحصیل علوم میں مشغول ہوگئے۔ خوردسالگی میں ہی آپ کی طبیعت مبارک فقر کی طرف مائل تھی۔ ایک حضرت خواجہ نقشبند قصرِ عارفان سے اُس مدرسہ میں تشریف لائے جہاں آپ تعلیم حاصل کررہے تھے۔ آپ ایک حجرہ میں بیٹھے ہوئے بوریا پر ایک اینٹ سرہانہ کی طرف رکھ کر مطالعہ میں مصروف تھے۔ حضرت خواجہ نقشبند کی نورانی شکل وصورت دیکھ کر آپ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے آپ میں آثارِ بزرگی دیکھ کر تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی صاحبزادی سے عقد کردیا۔

جب طریق حق کی طلب آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو علوم رسمی وظاہری کا مطالعہ چھوڑ کر حضرت خواجہ نقشبند کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی آپ پر نظر خاص تھی۔ مجالس میں آپ کو اپنے پاس بٹھاتے اور بار بار آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔ بعضے محرموں نے حضرت خواجہؒ سے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کو اپنے پاس بٹھاتا ہوں تاکہ اُن کو بھیڑیا نہ کھاجائے۔ ان کے نفس کا بھیڑیا گھات میں ہے، اس لیے میں ہر لحظہ ان کا حال دریافت کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی توجہات عالیہ سے آپ بہت جلد درجۂ کمال پر پہنچ گئے۔ حضرت خواجہؒ اپنی زندگی ہی میں بہت سے طالبوں کی تربیت آپ کے سپرد کردیتے تھے اور فرماتے تھے کہ علاء الدین نے ہمارا بوجھ ہلکا کردیا ہے۔

آپ سے بہت سے انوار و آثارِ ولایت بدرجہ اتم واکمل ظہور میں آئے اور آپ کے حسن تربیت اور صحبت کی برکت سے بہت سے طالب دُوری اور نقصان کے درجہ سے قرب وکمال کی پیشگاہ پر پہنچ گئے اور مرتبۂ کمال وتکمیل پر فائز ہوئے۔ بعض بزرگوں سے سننے میں آیا ہے کہ قدوۃ المحققین حضرت سید شریف جرجانیؒ جو آپ کے اصحاب میں سے تھے، بارہا فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدینؒ کی صحبت میں نہ پہنچا، رفض سے رہائی نہ پائی اور جب تک خواجہ علاؤالدین عطارؒ کی صحبت سے مشرف نہ ہوا، میں نے خدا کو نہ پہچانا۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ صاحبِ طریقۂ خاص ہیں۔ اُن کے طریقہ کو طریقہ علائیہ کہتے ہیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوب گرامی 290 دفتر اول میں فرماتے ہیں کہ

''تو اس طریقہ (نقشبندیہ) کا مبداء حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں اور وہ معیت ذاتیہ کے راستہ سے اُبھرتا ہے اور وہ جذبہ حضرت خواجہؒ سے اُن کے خلیفۂ اول خواجہ علاء الدین کو پہنچا اور چونکہ آپ

اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے، اس لیے آپ نے بھی اس قسم کے جذبہ کے حصول کے لیے ایک طریقہ وضع فرمایا اور وہ طریقہ آپ کے خانوادہ کے خلفاء میں طریقۂ علائیہ کے نام سے مشہور ہے' بلاشبہ یہ طریقہ کثیر البرکت ہے اور اس طریقہ کا تھوڑا حصہ بھی دوسروں کے بہت سے طریقوں سے زیادہ نافع ہے۔''

آپ کا فیض باطنی اس قدر تھا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی رحلت کے بعد تمام اصحاب نے آپ سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد پارسا (المتوفی 822ھ مدینہ منورہ) نے بھی آپ سے بیعت کی حالانکہ اُن کے بارے حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا کہ ''جو مجھے دیکھنا چاہے وہ محمد پارسا کو دیکھے''۔

کرامات

(1) بخارا میں علماء کی ایک جماعت کے درمیان رویت باری تعالیٰ میں مباحثہ ہوا۔ انھوں نے بالاتفاق حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ کو ثالث تسلیم کیا اور خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر طالب فیصلہ ہوئے۔ آپ نے منکرین رویت سے جو مذہب معتزلہ کی طرف مائل تھے، فرمایا کہ تم تین دن چپ چاپ باوضو ہماری صحبت میں رہو۔ بعدازاں ہم فیصلہ دیں گے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز کے آخر میں اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش میں آئے تو نہایت نیازمندی سے عرض کرنے لگے کہ ہم رویئت حق پر ایمان لائے۔ اس کے بعد وہ کبھی حضرت خواجہ عطارؒ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے۔

(2) آپ کے ایک مرید نے کسی عورت پر نظر بد ڈالی تو جب آپ کے پاس آیا تو اور باتیں کرتا رہا مگر اس بات کا ذکر نہ کیا۔ آپ نے اُسے غصہ کی نظر سے دیکھ کر فرمایا کہ ''وہ بات کہو ورنہ میں خود بتادوں گا۔'' یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اُس عورت کا ذکر بھی کر دیا۔

(3) آپ مرض الموت میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کو موجود دیکھتے، اُن سے باتیں کرتے اور اُن کی باتوں کو سنتے تھے۔

(4) حضرت محمد پارساؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ اپنی وفات سے سات سال پہلے اوائل شعبان 795ھ میں چغانیاں سے حضرت خواجہ بزرگ نقشبندؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور اٹھارہ روز کے بعد بخارا میں پہنچے اور اوائل شوال میں واپس آئے۔ عید رمضان کی رات کو بخارا ہی میں تھے۔ اُس رات حضرت خواجہ نقشبندؒ کے ایک درویش نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی شاندار بارگاہ ہے۔ حضرت خواجہ علاؤالدین، حضرت خواجہ نقشبندؒ کے ساتھ اُس بارگاہ کے قریب ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ بارگاہِ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ زیارت کے لیے اُس بارگاہ میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نہایت خوش وخرم نکلے اور فرمایا کہ مجھے یہ کرامت عطا کی گئی ہے کہ جو شخص میری

قبر کے گرد چاروں طرف سو سو فرسنگ کے اندر دفن ہوگا، میں باذنِ الٰہی اُس کی شفاعت کروں گا اور علاؤالدین عطار کو اُن کی قبر سے ہر طرف چالیس فرسنگ تک شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا ہے اور میرے محبوں اور پیروی کرنے والوں کو اُن کی قبروں سے ایک ایک فرسنگ تک شفاعت کرنے کا مرتبہ ملا ہے۔

وفات

آپ کی رحلت 20 رجب 802ھ بمطابق 1400ء شب بدھوار بعد نماز عشاء ہوئی اور مدفن مبارک قصبہ چغانیاں اعلاقہ بخارا (بقول بعضے علاقہ ماوراء النہر) میں ہے۔

ارشاداتِ قدسیہ

(1) ریاضت سے مقصود جسمانی تعلقات کی پوری نفی اور عالم ارواح و عالمِ حقیقت کی طرف توجہ تام (مکمل توجہ) ہے اور سلوک سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار وکسب سے ان تعلقات سے جو موانع راہ ہیں، گزر جائے اور اِن تعلقات میں سے ہر ایک کو اپنے اوپر پیش کرے۔ جس تعلق سے گزر جائے وہ علامت ہے اس امر کی کہ وہ تعلق مانع نہیں اور غالب نہیں آیا اور جس تعلق میں وہ ٹھہر جائے اور اُس سے اپنی دلبستگی (قلبی وابستگی) پائے تو سمجھ لے کہ وہ تعلق اس کے راستے کا مانع ہوگیا ہے۔ اس کے قطع کی تدبیر کرلے۔ ہمارے حضرت خواجہ نقشبندؒ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو ازروئے احتیاط فرما دیتے کہ یہ فلاں شخص کا ہے اور بطور عایت (اُدھار) پہنتے۔

(2) مرشد کے ساتھ تعلق اگرچہ حقیقت میں غیر ہے اور آخر میں اس کی بھی نفی کرنی چاہیئے مگر ابتداء میں یہ تعلق وصول کا سبب ہے اور اس کے ماسواء کی نفی کرنا لوازم سلوک سے ہے۔ ہر طرح سے مرشد کی خوشنودی طلب کرنی چاہیئے۔

(3) بڑے بڑے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کا ارشاد ہے کہ:

التوفیق مع السعی توفیق کوشش کے ساتھ ہے۔

اسی طرح مرشد کی روحانیت کی مدد، طالب کے لئے بقدرِ کوشش ہوتی ہے۔ جو شیخ مقتدا کے امر سے ہو، بغیر اس کوشش کے مرشد کی مدد کو بقا نہیں۔ کیونکہ طالب کی طرف شیخ کی توجہ چند روز سے زیادہ باقی نہیں رہتی۔

(4) جب ملک وملکوت[2] طالب سے پوشیدہ وفراموش ہو جائے تو یہ مرتبۂ فنا ہے اور جب سالک کی ہستی بھی سالک سے پوشیدہ ہو جائے تو یہ مرتبہ فناء فنا ہے۔

(5) جباری کی صفت کے دیکھنے سے مقصود تضرع وزاری اور توبہ وانابت (توبہ اور عاجزی) کی صفت کا ظہور ہے اور

---

[1] چغانیاں جسے عربی میں صغانیاں کہتے ہیں، ماوراء النہر میں ایک وسیع علاقے کا نام ہے۔ جس میں اسی نام کا قصبہ بھی ہے۔ (معجم البلدان یاقوت حموی) واضح رہے کہ دریائے جیحوں سے مشرقی علاقہ کو ماوراء النہر اور مغربی علاقہ کو خراسان کہتے ہیں۔

[2] ملک سے مراد عالمِ شہادت اور ملکوت سے مراد عالمِ غیب ہے۔ اسی طرح جبروت سے مراد عالمِ انوار قاہرہ اور لاہوت سے عالمِ ذات حق ہے۔

اس دید کی صحت کی نشانی مناجات کی طرف مائل ہونا ہے۔ نہ کہ خرابات (بت خانہ) کی طرف۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا — پس جی میں ڈالی اُس کے بدکاری اُس کی اور اس کی پرہیز گاری۔

(پارہ:30، سورۃ شمس، آیۃ:8)

اس میں حکمت یہ ہے کہ جب رضا کا ارادہ و میلان دیکھے تو شکر کرے اور اُسی پر چلے اور جب عدم رضا کا ارادہ و میلان دیکھے تو تضرع کرے اور حق سبحانہ کی طرف رجوع کرے اور استغناء کی صفت سے ڈرے۔

(6) خدا تعالیٰ کی سابقہ عنایت ازلی کا خیال کرنا چاہیئے اور اُس عنایت بے علت کی اُمیدواری اور اس کی عنایت کی طلب سے ایک لحظہ بھی غافل نہ ہونا چاہیئے اور اپنے آپ کو استغناء سے بچانا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی چیز کو بڑا سمجھنا چاہیئے اور استغنائے حقیقی کے ظہور سے ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیئے۔

(7) ولایت تب ثابت ہوتی ہے جب کہ سالک کو اوصافِ حیوانی کے ساتھ نہ چھوڑیں تا کہ اگر کوئی قصور سرزد ہو تو باز پرس ہو۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ — آگاہ رہو کہ خدا کے دوستوں کے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(پارہ:11، سورۃ یونس، ع:7، آیۃ:62)

فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو سابقہ اوصافِ حیوانی کے ظہور کا خوف نہیں کیونکہ حضرات مشائخ کا ارشاد ہے کہ:

الفانی لایردالی اوصافه — صاحب فنا، اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹا جاتا۔

(8) مشائخِ کبار قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے مزارات سے زیارت کرنے والا اُسی قدر فیض لے سکتا ہے جس قدر اُس نے اُس بزرگ کی صفت کو پہچانا ہے اور اُس صفت کی طرف متوجہ اور اُس میں مستغرق ہوا ہے اگر چہ مزاراتِ مقدسہ کی زیارت میں ظاہری قرب کا بہت اثر ہے لیکن حقیقت میں ارواحِ مقدسہ کی طرف توجہ کے لیے ظاہر دُوری مانع نہیں ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو وارد ہے کہ

صلوا علی حیثما کنتم — تم مجھ پر درود بھیجو، جہاں کہیں تم ہو۔

یہ اس امر کا بیان اور دلیل قاطع ہے اور اس توجہ اور اس زیارت میں اہل قبور کی صفت کو پہچاننے کے مقابلے میں اُن اہل قبور کی مثالی صورتوں کا چنداں مشاہدہ وقعت نہیں رکھتا۔ بااین ہمہ حضرت خواجہ بزرگ (حضرت خواجہ نقشبندؒ) ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا مجاور ہونا مخلوق کی مجاورت سے اعلیٰ و اولیٰ ہے اور آپ اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

توتا کے گورِ مرداں را پرستی
بگرد کار مرداں گردو رستی

اکابر دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت سے مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اُس برگزیدۂ حق کی روح کو خدا کی طرف کمالِ توجہ پیدا کرنے کا وسیلہ بنائے۔ مخلوق کے ساتھ تواضع کی حالت میں چاہیئے کہ اگر چہ ظاہر میں تواضع مخلوق کے ساتھ ہو مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو کیونکہ مخلوق کے ساتھ تواضع اُس وقت پسندیدہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو بدیں معنی کہ مخلوق کو خالق کی قدرو حکمت کے آثار کا مظہر سمجھے ورنہ یہ تصنع (بناوٹ) ہے نا کہ تواضع۔

(8) مراقبہ کا طریق نفی واثبات کے طریق سے اعلیٰ اور اقرب بجذبہ الٰہیہ ہے۔ مراقبہ[1] وزارت اور ملک وملکوت میں تصرف کے مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ خطرات سے آگاہی اور دوسرے پر بخشش کی نظر سے دیکھنا اور اس کے باطن کو منور کرنا دوام مراقبہ سے حاصل ہوتا ہے اور مراقبہ کے ملکہ سے جمعیتِ خاطر کا دوام اور دلوں میں قبولیت کا دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس حالت کو جمع وقبول کہتے ہیں۔

(10) خاموشی تین صفتوں سے خالی نہ ہونی چاہیئے۔ (۱) خطرات کی نگہداشت، (۲) دل کے ذکر کا مطالعہ اور (۳) مشاہدہ احوال جو دل پر گزرتا ہو۔

(11) خطرات مانع نہیں۔ ان سے بچنا دشوار ہے۔ خطرات کا روکنا بڑا کام ہے۔ بعضوں کی رائے ہے کہ خطرات کا کچھ اعتبار نہیں لیکن خطرہ کو متمکن (جاگزیں، جگہ پکڑنے والا) نہ ہونے دینا چاہیئے کیونکہ اُس کے متمکن ہونے سے فیض کی انتڑیوں میں سدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ باطن کے حالات کی تلاش وجستجو چاہیئے اور حضور یا غیبت (حاضری یا غیر حاضری) میں مرشد کے حکم سے سانس لے کر اپنے آپ کو خالی کرنا بظاہر اُن خطرات کی نفی کے لیے ہے جو باطن میں متمکن ہو گئے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر معنی ایک صورت کے لباس میں ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ہر وقت اپنے آپ کو ان خطرات وموانع سے جو متمکن ہو گئے ہوں، سانس لے کر خالی کرنا چاہیئے۔

(12) اپنے آپ سے غیبت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور بقدر عشق کے ہوتا ہے اور افراط محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عشق جس قدر زیادہ ہوتا ہے، اُسی قدر عاشق کو اپنے آپ سے غیبت اور معشوق کے ساتھ حضور زیادہ ہوتا ہے۔

(13) اس زمانہ میں وجوہِ معاش میں سے تجارت کی نسبت زراعت اور باغبانی حُلیت (حلال ہونے) کے زیادہ قریب ہے۔

(14) اہل اللہ کی صحبت میں ہمیشہ رہنا عقل معاد کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

(15) صحبت سنت مؤکدہ ہے۔ ہر روز یا ہر دوسرے روز اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے اور اُن کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اگر ظاہری دُوری کا اتفاق ہو تو ہر مہینے یا ہر دوسرے مہینے اپنے ظاہری وباطنی حالات تو خطوں کے ذریعے سے عرض کرنا چاہیئے اور اپنے مکان میں اُن کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے تا کہ غیبتِ کلی واقع نہ ہو۔

---

[1] حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اس ارشاد کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے منسوب کیا ہے۔ مکتوبات معصومیہ دفتر ثانی مکتوب 113۔

(16) مرضِ موت میں آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رسم و عادت کو چھوڑو اور رسمِ خلق کے خلاف کرو اور ایک دوسرے سے اتفاق رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بشریت کی عادات رسوم اٹھا دینے کے لیے تھی۔ تم ایک دوسرے کی مدد و تائید کرو اور تمام کاموں میں عزیمت اور استقلال پر عمل کرو۔ جہاں تک ہو سکے عزیمت کو ہاتھ سے نہ دو۔ اہل اللہ کی صحبت سنتِ موکدہ ہے۔ اس سنت پر خصوصاً و عموماً ہیشگی کرو اور صحبت کو ہرگز ترک نہ کرو۔ اگر تم اُمور مذکورہ پر استقامت اور اولوالعزمی اختیار کرو گے تو اس سے تمہیں وہ حاصل ہوگا جو میری تمام عمر کا حاصل ہے اور تمھارے حالات ترقی پر رہوں گے اور اگر تم ان وصیتوں پر عمل نہ کرو گے تو پریشان ہو جاؤ گے اور پھر کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اس کی طرف پھرنا ہے۔ (پارہ:2، سورۃ البقرہ، آیۃ:156)

(18)

حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان چرخی قدس سرہٗ

چرخ (غزنی)	762ھ 1360ء	851ھ 1447ء	ہلفتو (اب ''گلستان'' نزد دوشنبہ، دارالحکومت تاجیکستان (رُوس)

مادۂ تاریخ وفات

''شمس الھدایت''	''ابرِ رحمت''
851ھ	851ھ

(18) حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان چرخی قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ بزرگ سید بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے ارشد اصحاب میں سے ہیں لیکن چونکہ آپ کی تکمیل حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ سے ہوئی بدیں وجہ اُن ہی کے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ موضع چرخ علاقہ غزنی (افغانستان) میں 762ھ میں پیدا ہوئے۔ پورا نام ونسب یوں ہے: خواجہ یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد بن محمود الغزنوی ثم الچرخوی ثم السہر رزی المعروف یعقوب چرخی۔

آپ نے اپنی تفسیر میں چند جگہوں پر اپنے والد بزرگوارؒ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اربابِ علم و مطالعہ میں سے تھے اور پارسا اور صوفی تھے۔ ان کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے۔ چونکہ پانی یتیم کے پیالے میں تھا، اس لیے نہ پیا۔ آپ نے یہ رباعی اپنے والد بزرگوارؒ سے پڑھی تھی۔

جُز فضل تو راہ کے نماید مارا
جُز جُودِ تو بندگی کہ شاید مارا
گر چلہٗ ہر دو کون طاعت داریم
بے لطفِ تو کار بر نیا ید مارا

آپ نے جامعۂ ہرات اور دیارِ مصر میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ زین الدین خوافی (المتوفی 833 یا 834 یا 838ھ) آپ کے ہم درس تھے اور آپ نے حضرت مولانا شہاب الدین سیرامیؒ (جو اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے) سے تلمذ کیا اور فتویٰ کی اجازت علمائے بخارا سے پائی۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آپ کو اُن سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ جب آپ اجازتِ فتویٰ حاصل کر کے بخارا سے واپس چرخ جانے لگے تو ایک دن حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت عاجزی وانکساری سے عرض کیا: ''میری طرف توجہ فرمائیں''۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا؟ ''کیا اس وقت جب کہ تم سفر کی حالت میں ہو''؟ آپ نے عاجزی سے کہا: ''میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں''۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ: کیوں؟ آپ نے عرض کیا: ''اس لیے کہ آپ بزرگ ہیں اور عوام الناس میں مقبول ہیں''۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ''کوئی اچھی دلیل؟ ممکن ہے کہ یہ قول شیطانی ہو۔'' آپ نے بڑے ادب واحترام سے کہا: ''صحیح حدیث میں ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا دوست بناتا ہے۔ اس کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے''۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا: ''ما عزیزانیم''۔ اُن کے یہ فرمانے سے آپ کا حال دگرگوں ہو گیا کیونکہ اس واقعہ سے ایک ماہ قبل انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ اُن سے فرماتے ہیں ''مریدانِ عزیزان شو'' اور



حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان چرخیؒ کے مزار شریف کی یادگار تصویر

تصویر از ”مسلم ان دی یو۔ایس۔ایس۔آر“ بشکریہ دربارِ عالیہ مرشد آباد شریف پشاور

آپ یہ خواب بھول چکے تھے۔ جب حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ''ما عزیزانیم'' تو آپ کو وہ خواب یاد آ گیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے التماس کی کہ میری طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا: ''ایک شخص نے حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان سے توجہ طلب کی تو انھوں نے فرمایا کہ غیر توجہ میں نہیں رہتا۔ کوئی چیز ہمارے پاس رکھو تا کہ جب میں اُسے دیکھوں تو تم یاد آ جاؤ''۔

پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ نے آپ سے فرمایا کہ ''تمھارے پاس تو ایسی چیز نہیں کہ ہمارے پاس رکھ جاؤ لہذا ہمارا کلاہ ساتھ لے جاؤ، جب اسے دیکھ کر ہمیں یاد کرو گے تو ہمیں پاؤ گے اور اس کی برکت تمہارے خاندان میں رہے گی۔'' پھر فرمایا: ''اس سفر میں مولانا تاج الدین دشتی کولکیؒ کو ضرور ملنا کہ وہ ولی اللہ ہیں۔ پھر آپ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ سے سفر کی اجازت لی اور بخارا سے بلخ کی طرف چل پڑے۔ اتفاق سے انھیں کوئی ضرورت پیش آئی اور ایسا موقعہ آیا کہ وہ بلخ سے کولک کی طرف روانہ ہوئے اور اس سفر میں انھیں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کا ارشاد یاد آیا جس میں انھوں نے حضرت مولانا تاج الدین دشتی کولکیؒ سے ملاقات کرنے کے لیے فرمایا تھا۔

آپ نے تلاش بسیار کے بعد حضرت مولانا تاج الدین دشتیؒ کو پالیا۔ اس ملاقات اور مولانا دشتیؒ کا جو رابطۂ محبت حضرت خواجہ نقشبندؒ سے تھا، نے آپ کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ دوبارہ بخارا کی طرف چل پڑے اور ارادہ کیا کہ جا کر حضرت خواجہ نقشبندؒ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔

بخارا میں ایک مجذوب تھے جن سے آپ (خواجہ یعقوب چرخی) کو بڑی عقیدت تھی۔ آپ نے ان کو سرِ راہ بیٹھے دیکھا تو اُن سے پوچھا: ''کیا میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جاؤں؟'' انھوں نے کہا: ''جلدی جاؤ۔'' اُس مجذوب نے اپنے سامنے زمین پر بہت سی لکیریں کھینچیں۔ آپ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ان لکیروں کو گنتا ہوں، اگر مفرد ہوئیں تو میرے ارادے کی دلیل ہوں گی کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ فَرْدٌ وَّ یُحِبُّ الْفَرْدَ (خدا ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے) چنانچہ لکیروں کو گنا تو وہ مفرد تھیں۔

اس واقعہ کے بعد آپ کا اشتیاق بڑھا کہ وہ خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جائیں اور ان کے مریدوں میں شامل ہو کر اُن کی نظرِ التفات سے مشرف ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت نصیب فرمائی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کامل و مکمل ولی اللہ ہیں۔ غیبی ارشاروں اور واقعات کے بعد آپ نے قران مجید سے فال نکالی تو یہ آیت سامنے آئی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ	یہ وہ لوگ ہیں جو کو اللہ نے ہدایت دی۔ پس تو اُن کی
(پارہ:7، سورۃ انعام، رکوع: 10، آیۃ:90)	ہدایت کی پیروی کر۔

شام کے وقت آپ اپنے مسکن فتح آباد میں حضرت شیخ سیف الدین الباخرزی (المتوفی 658ھ) کے مزار مقدس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے تھے کہ اچانک قبولِ الٰہی کا ایک قاصد آ پہنچا ان کے دل میں باطنی بے قراری پیدا ہوئی۔ اسی وقت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چل پڑے، جب حضرت خواجہؒ کی اقامت گاہ قصرِ عارفاں (حضرت خواجہؒ

کی ولادت سے پہلے اس موضع کا نام ''کوشک ہندواں'' تھا۔) پہنچے تو حضرت خواجہؒ سر راہ اُن کے منتظر تھے اور آپ سے بڑے لطف واحسان سے پیش آئے۔

نماز کے بعد آپ نے حضرت خواجہ خواجگان نقشبند کی خدمت بابرکت میں درخواست کی کہ آپ ازراہِ کرم مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرما کر اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے:

العلم علمان، علم القلب فذلك علم نافع علم الانبياء والمرسلين والعلم اللسان فذلك حجة الله علىٰ ابن آدم.	علم دو ہیں۔ ایک قلب کا علم جو نفع بخش ہے اور یہ نبیوں اور رسولوں کا علم ہے۔ دوسرا زبان کا علم اور یہ بنی آدم پر حجت ہے۔

اُمید ہے کہ علم باطن سے تمھیں کچھ نصیب ہوگا اور فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

اذا جالستم اهل الصدق فاجلسوهم بالصدق فانهم جواسيس القلوب يدخلون فی قلوبكم و ينظرون الى همكم.	جب تم اہل صدق کی صحبت میں بیٹھو تو اُن کے پاس صدق سے بیٹھو، کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتے ہیں، وہ تمھارے دلوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمھارے ارادوں اور نیتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

اور ہم مامور ہیں، ہم خود کسی کو قبول نہیں کرتے۔ آج رات دیکھیں گے کہ کیا اشارہ ہوتا ہے، اُسی پر ہی عمل کیا جائے گا اور اگر انھوں نے تجھے قبول کیا تو ہم بھی قبول کرلیں گے۔

یہ رات آپ پر بڑی بھاری تھی، آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ شاید حضرت خواجہؒ مجھے قبول نہ کریں۔ اگلے روز آپ نے فجر کی نماز حضرت خواجہ نقشبندؒ کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت خواجہ قدس سرہ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مبارک ہو کہ اشارہ قبول کرنے کا آیا ہے۔ ہم کسی کو قبول نہیں کرتے اور اگر قبول کریں تو دیر سے کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ کوئی کس نیت سے آتا ہے اور کس وقت آتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اپنے مشائخ کا سلسلۂ طریقت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ العزیز تک بیان فرمایا اور پھر وقوف عددی میں مشغول کیا اور فرمایا:

''یہ علم لدنی کا پہلا سبق ہے جو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھایا تھا۔''

شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد آپ ایک عرصہ تک حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں رہے اور اس دوران حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل تعلیم وتربیت کرتے رہے۔ پھر حضرت خواجہ نقشبندؒ نے آپ کو بخارا سے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور بوقت رخصت فرمایا:

''ہم سے جو کچھ تمھیں ملا ہے اس کو بندگانِ خدا تک پہنچاؤ تاکہ سعادت کا موجب بنے''۔

پھر تین بار فرمایا: ''ترا بخدا سپردیم''۔ ''ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا'' اور ساتھ ہی اشارۃً حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرنے کا حکم فرمایا۔

اس سپرد کرنے سے آپ کو بہت اُمید ہوگئی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

ان اللّٰہ تعالیٰ اذا استودع شئی حفظہ — جب کوئی چیز حوالۂ خدا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

جب آپ بخارا سے چل کر شہر کش (اصفہان یا ماوراء النہر کا ایک گاؤں) میں پہنچے اور کچھ عرصہ مقیم رہے تو اُسی اثنا میں حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور ساتھ ہی خوف بھی دامنگیر ہوا کہ مبادا عالمِ طبیعت کی طرف پھر میلان ہو جائے اور طلب کی خواہش نہ رہے۔ آپ نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی روح کو دیکھا تو انھوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ (پارہ:4، سورۃ: آل عمران، رکوع:10، آیۃ:144) — اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیے جائیں، تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

چونکہ آپ حضرت خواجہ نقشبند کی صحبت سے محروم ہو گئے تھے لہٰذا خیال ہوا کہ درویشوں کے کسی دوسرے گروہ سے جا ملیں اور ان کے طریقہ میں مشغول ہو جائیں۔ پھر آپ نے عالم روحانی میں حضرت خواجہ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں:

قال زید بن الحارثہ الدین واحد — فرمایا زید بن حارثہؓ نے کہ دین ایک ہی ہے۔

اس سے آپ سمجھ گئے کہ اجازت نہیں ہے۔ آپ نے صحابہ کرام میں سے حضرت زید بن حارثہؓ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے اور چونکہ ہمارے حضراتِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم طالبوں کو اپنی فرزندی میں قبول فرماتے ہیں، پس اُن کے اصحاب اُن کے منہ بولے بیٹے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک دفعہ پھر آپ نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو عالم روحانی میں دیکھا۔ تو اُن سے دریافت کیا کہ میں کون سا عمل کروں جس کے ہونے سے آپ کو قیامت میں پالوں۔ انھوں نے فرمایا کہ ''شریعت محمدی پر عمل کرنے سے''۔

ان تین بشارتوں سے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے ارشاد کی طرف اشارہ ہوا جو آپ عالمِ حیات میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جو کچھ پایا وہ بفضلِ الٰہی

(1) قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے اور اُس عمل سے نتیجہ طلب کرنے سے

(2) تقویٰ وحدودِ شرعیہ کی رعایت ملحوظ رکھنے اور عزیمت پر سے۔

(3) طریقۂ اہل سنت والجماعت پر چلنے سے اور بدعت سے پرہیز کرنے سے پایا۔

کچھ عرصہ موضع کش میں قیام کرنے کے بعد آپ بدخشاں چلے گئے۔ یہاں پہنچنے پر آپ کو چغانیاں سے حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ کا مکتوب گرامی ملا، جس میں انھوں نے آپ کو اپنی متابعت کا اشارہ کیا۔ آپ چغانیاں کو روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ عطارؒ کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ آپ چند برس تک اُن کی صحبت میں رہے، حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ آپ پر بے حد لُطف فرماتے تھے۔

جب حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ نے 802ھ میں اس دارِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف رحلت فرمائی تو اس کے بعد حضرت خواجہ محمد یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ چغانیاں سے واپس حصار آ گئے اور حضرت خواجہ خواجگان نقشبندؒ کے اس ارشاد کی تعمیل کرنا چاہی کہ

''جو کچھ ہم سے تمھیں پہنچا ہے اُسے بندگانِ خدا تک پہنچا دینا اور مناسب حال حاضرین کو بطریق خطاب اور غائبین کو بذریعہ خط و کتاب تبلیغ کرنا۔''

آپ کی بہت سی کرامات ہیں مگر بخوفِ طوالت ایک کرامت درج کی جاتی ہے کہ جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ آپ سے بیعت ہونے لگے تو آپ کے روئے مبارک پر کچھ چتیاں (داغ دھبے) دیکھ کر اُن کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی۔ آپ کو یہ خطرہ معلوم ہو گیا اور ایسی نورانی شکل میں نمودار ہوئے کہ بے اختیار اُن کا دل آپ کی طرف کھنچا گیا اور بیعت ہو گئے۔ (تفصیل خواجہ احرارؒ کے حالات میں آئے گی)

آپ کی وفات حسرتِ آیات 15 صفر 851ھ بمطابق 1447ء کو ہوئی۔ مزار مبارک ہلفتو نزد حصار میں ہے۔ آج کل روسی حکومت نے ہلفتو کا نام گلستان رکھ دیا ہے۔

آپ یعنی حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ رباعی آپ کی ہے۔

تادر طلبِ گوہر کانی کانی
تازندہ بوی وصل جانی جانی
فی الجملہ حدیث مطلق از من بشنو
ہر چیز کہ در جُستن آنی آنی

آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ جن کے نام اور تفصیل معلوم ہو سکی وہ درج ذیل ہیں:

1- تفسیر یعقوب چرخیؒ

اس میں تسمیہ، تعوذ اور فاتحہ کے علاوہ آخری دو پاروں کی تفسیر موجود ہے۔ یہ 851 ہجری میں مکمل ہوئی۔ کئی بار چھپ چکی ہے۔ ایک مرتبہ 1308ھ میں لکھنؤ سے چھپی اور ایک بار اسے حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار (افغانستان) نے 1331ھ میں مطبع اسلامی اسٹیم پریس لاہور سے چھپایا ہے۔

2-رسالہ نائیہ

اس کا موضوع شرح دیباچہ مثنوی معنوی (مثنوی مولانا رومؒ) ہے اور اس کے آخر میں آپ نے حکایت بادشاہ اور کنیزک، داستانِ شیخ دقوقی اور شیخ محمد سہرزی کا اضافہ کیا ہے۔ رسالہ نائیہ جامیؒ کے ہمراہ (ص95 تا158) انجمن تاریخ افغانستان کابل نے 1336 ہجری میں شائع کیا ہے اور اس پر خلیل اللہ خلیلی نے حواشی اور مقدمہ تحریر کیا ہے۔

3-انسیہ

یہ رسالہ تبصیح جناب اعجاز احمد بدایوانی مجموعہ ستہ ضروریہ ''(مجموعہ رسائل حضراتِ نقشبندیہ) میں (ص15 تا 37) مطبع مجتبائی دہلی سے 1312ھ میں چھپ چکا ہے۔ 1981ء میں علامہ اقبال احمد فاروقی مالک مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے رسائل نقشبندیہ کا اردو ترجمہ شائع کیا جس میں رسالہ انسیہ ص85 تا126 شامل کیا گیا۔ 1983ء میں یہ رسالہ تبصیح و ترجمہ و مقدمہ محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے مکتبہ دائرہ ادبیات ڈیرہ اسماعیل خاں کے اشتراک کے ساتھ چھاپا۔ ہمارے پیش نظر آخری دونوں ایڈیشن ہیں۔ یہ رسالہ ان فصول پر مشتمل ہے۔ (۱) فضیلت دوامِ وضو، (۲) ذکر خفی، (۳) نفلی نمازیں، (۴) خاتمہ۔ بعض فوائد جو مصنف کو حضرت خواجہ نقشبندؒ اور ان کے خلیفہ خواجہ علاؤالدین عطارؒ سے پہنچے۔

4-شرح رباعی ابوسعید ابی الخیرؒ

مطبوعہ کے متعلق علم نہیں ہوا۔ کتاب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کے مجموعہ 14 رسائل خطی میں اس کا ایک قلمی نسخہ (ص154 تا161) موجود ہے۔ ان کا نمبر 4484 ہے۔ کاتب نے آخر میں اس کا نام ''جمالیہ'' لکھا ہے۔ اس مجموعہ کے گیارہویں رسالے کے آخر میں تاریخ کتابت 1100ھ درج ہے اور تمام مجموعہ ایک خط میں تحریر ہے۔

5-ابدالیہ

اس کا موضوع ''اثباتِ وجودِ اولیاء اور اُن کے مراتب'' ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ پہلی بار محمد نذیر رانجھا نے کیا ہے جو اپریل 1978ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کی جانب سے چھپ چکا ہے۔ نیز موصوف ہی کا تصحیح کردہ فارسی متن مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے جون 1978ء میں شائع کیا ہے۔ ہمارے پیش نظر دونوں ایڈیشن ہیں۔

6-شرح اسماء اللہ

اس کے دیباچے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے علمائے طریقت نے اسماء اللہ کی عربی و فارسی میں متعدد شروح لکھی ہیں۔ میں نے اُن کے فوائد فارسی میں اکٹھے کیے ہیں تاکہ خاص و عام کو اس سے فائدہ پہنچے۔

مخطوطات

(ا) راولپنڈی، گولڑہ شریف، کتابخانہ دربار پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، خط نستعلیق، کتابت تیرھویں صدی ہجری 28 صفحہ 15 سطر۔

(ب) اٹک، مکھڈ شریف، کتاب خانہ مولانا محمد علی (در ملک محمد صالح) خط نستعلیق، کتابت گیارھویں صدی ہجری، 22 ص۔

7- قرآن شریف کا تاجک زبان میں ترجمہ

تاجک زبان میں سب سے پہلے قرآن شریف کا ترجمہ پانچ سو سال قبل کیا گیا تھا جو آپ نے یعنی خواجہ یعقوب چرخی نے کیا تھا۔ 1982ء میں سوویت تاجکستان کے دارالخلافے دوشنبے کے نواح میں واقع ایک مسجد کو اُن کا نام دیا گیا ہے۔

8- رسالہ دربارۂ اصحاب وعلامات قیامت

بخطِ نستعلیق 13ویں ہجری، کاتب محمد بن املا آدینہ خواجہ الیستر خانی سرای، بروز چہارشنبہ صفر، آغاز ناقص (مجموعہ مخطوطات، نمبر 5478 بنیاد خاورشناسی تاشقند، نسخہ ھائی خطی (جلد 9 ص 178) زیر نظر محمد تقی دانش پژدہ، تہران 1358۔

ارشاداتِ قدسیہ

1- حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ زین الدین خوافی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملک مصر میں مولانا شہاب الدین سیرامیؒ کی خدمت میں ہم سبق رہے ہیں۔ ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کہتے ہیں کہ شیخ زین الدین حل وقائع اور خوابوں کی تعبیر کا شغل رکھتے ہیں اور اس بارے میں اہتمام تمام رکھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا "ہاں درست ہے۔" پھر آپ ایک ساعت بے خود ہو گئے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ ساعت بساعت بے خود ہو جایا کرتے تھے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ نے یہ بیت پڑھی۔

چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

2- فرماتے تھے کہ شہرات کے اوقاف میں سے تین جگہ کے سوا کوئی چیز نہیں کھا سکتے۔ یعنی (۱) حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کی خانقاہ، (۲) خانقاہِ ملک میں اور (۳) مدرسہ غیاثیہ میں۔ ان تینوں کے سوا کوئی اور جگہ کہ جہاں وقف میں شک نہ ہو، نہیں ہے۔ اسی واسطے ماوراء النہر کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے اپنے مریدوں کو ہرات کے سفر سے منع کیا ہے کیونکہ وہاں حلال کم ہے۔ جب سالک حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے تو عالم طبیعت کی طرف رجعت قہقری (سابقہ حالات کی طرف لوٹنا) کرتا ہے اور راہِ مستقیم کے سلوک سے منحرف ہو جاتا ہے۔

3- حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا کہ "تیرا ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے، جس کسی نے تیرا ہاتھ پکڑا، اُس نے ہمارے ہاتھ کو پکڑا ہے"۔

(19)

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ قدس سرہٗ

یاغستان نزد تاشقند (روس)	806ھ / 1404ء	895ھ / 1490ء	شہر سمرقند (روس)

مادۂ تاریخ وفات

''مرشد عارف''

895ھ

''جودِ شاہِ تصوف''

895ھ

''تاج ملک عرفان''

895ھ

(19) حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہٗ

زد بجہان نوبتِ شاہنشہی
کوکبۂ فقر عبید اللہی
آنکہ ز حریتِ فقر آگہ است
خواجہ احرار عبید اللہ است

(مولانا جامیؒ)

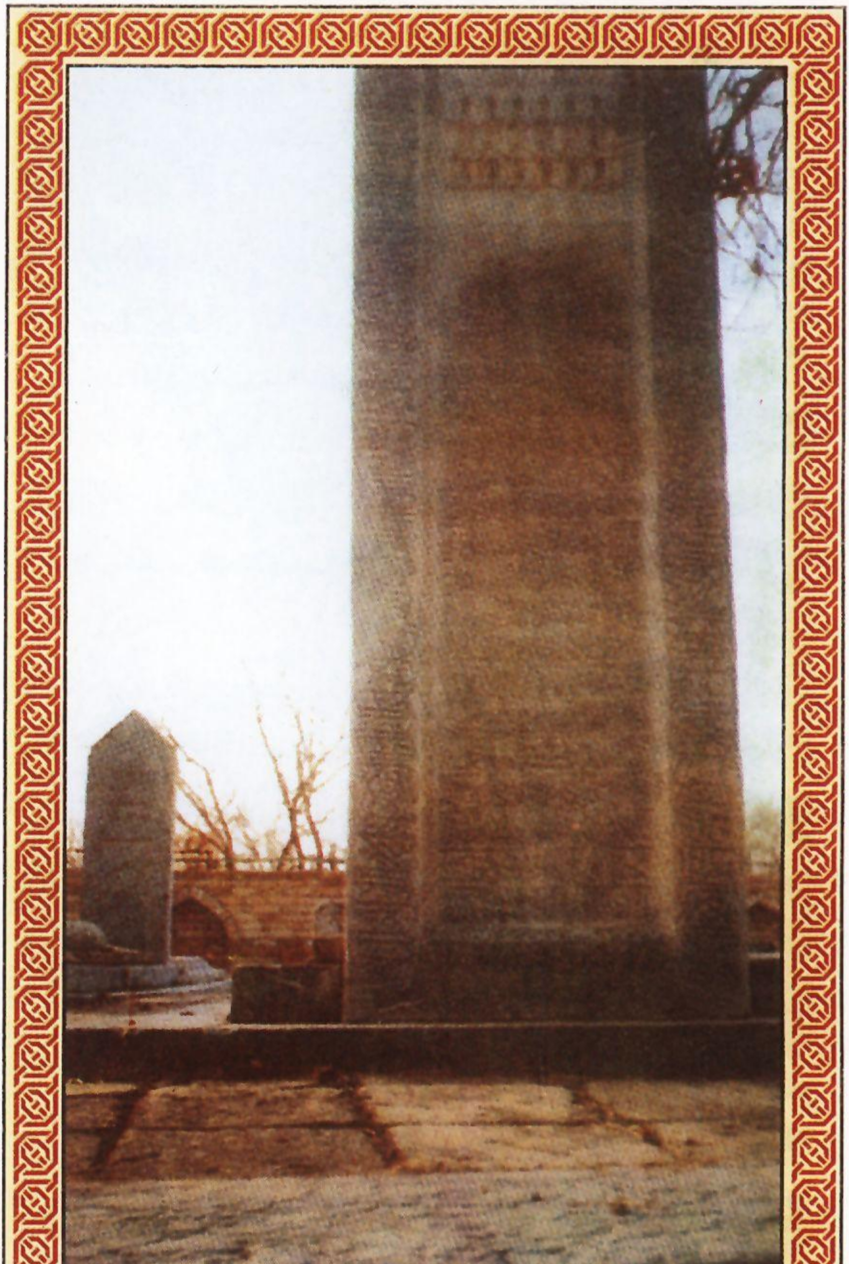
آپ کا نام عبید اللہ ہے۔ ناصر الدین لقب ہے کیونکہ آپ سے دین اسلام کو نصرت پہنچی۔ احرار بھی آپ کا لقب ہے جو اصل میں خواجۂ احرار ہے۔ اس لقب میں آپ کی بڑی منقبت ہے کیونکہ اہل اللہ کے نزدیک حر (واحد احرار) اُسے کہتے ہیں، جو عبودیت کی حدود کو بردرجۂ کمال قائم کرے اور اغیار کی غلامی سے نکل جائے۔ استعمال میں بعض وقت لفظ خواجہ کو حذف کر کے فقط احرار کہتے ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت یاغستان مضافات تاشقند میں مادہ رمضان المبارک 806ھ میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت ''تاج عارفاں 806ھ'' ہے۔ والد گرامی کا اسم مبارک محمود بن شہاب الدین ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد باقی بغدادیؒ کی اولادِ امجاد سے ہیں مادرزاد ولی تھے۔ والدہ ماجدہ شیخ عمر یاغستانی کی اولاد سے تھیں اور حضرت خواجہ محمود شاشی کی دختر اختر تھیں۔ ولادت کے بعد چالیس دن تک جو کہ ایام نفاس ہیں، آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ نہ پیا۔ جب انھوں نے نفاس سے پاک ہو کر غسل کیا تو پینا شروع کر دیا۔

بچپن ہی سے آثارِ رشد و ہدایت اور انوار قبول و عنایت الٰہی آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے۔ تین چار سال کی عمر سے نسبتِ آگاہی بحق سبحانہ تعالیٰ حاصل تھی۔ مگر دل پر وہی نسبت غالب تھی۔ آپ کے جد امجد خواجہ شہاب الدینؒ جو کہ قطب وقت تھے، کا جب وقتِ اخیر ہوا تو اپنے پوتوں کو الوداع کہنے کے لیے بلایا۔ خواجہ احرار اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ جب جد امجد کے حضور گئے تو وہ ان کو دیکھ کر تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر گود میں لے کر فرمایا کہ اس فرزند کے بارے میں مجھ کو بشارتِ نبوی ہے کہ یہ پیر عالمگیر ہوگا اور اس سے شریعت و طریقت کو رونق حاصل ہوگی۔

آپ بچپن ہی میں مزاراتِ مشائخ پر حاضر ہوتے۔ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو تاشقند کے مزارات کی گشت کر آتے۔ آپ کے ماموں خواجہ ابراہیمؒ کو آپ کی تعلیم کا بڑا خیال تھا، بدیں وجہ وہ آپ کو تاشقند سے سمرقند لے گئے۔ مگر شغل باطنی کا غلبہ علم ظاہری کی تحصیل سے مانع رہا۔

خواجہ فضل اللہ ابو اللیثیؒ (جو سمرقند کے اکابر علماء میں سے تھے) فرماتے تھے کہ ہم خواجہ عبید اللہ احرار کے باطن



مزارِ مبارک خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ
سمرقند

کے کمال کو نہیں جانتے مگر اتنا جانتے ہیں کہ انھوں نے بحسب ظاہر علوم رسمی سے بہت کم پڑھا ہے اور ایسا دن کم ہو گا کہ وہ تفسیر قاضی بیضاوی میں ہمیں ہمارے سامنے کوئی شبہ (شک، گمان، پیش کریں اور ہم سب اس کے حل سے عاجز نہ آئے ہوں۔) بائیس (22) برس کی عمر سے انتیس (29) برس کی عمر تک آپ سفر ہی میں رہے اور اس عرصہ میں آپ کو بہت سے مشائخ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ سمرقند میں آپ اکثر مولانا نظام الدین خلیفۂ حضرت علاؤالدین عطار قدس سرہٗ کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے ایک روز قبل مولانا نے مراقبہ کے بعد نعرہ مارا۔ جب سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا مشرق کی طرف سے ایک شخص نمودار ہوا جس کا نام عبید اللہ احرار ہے۔ اُس نے تمام روئے زمین کو اپنی روحانیت میں لے لیا ہے اور وہ عجیب بزرگ شخص ہے۔ سمرقند کے قیام میں ایک روز آپ مولانا کے ہاں سے جو نکلے تو ایک بزرگ نے پوچھا کہ یہ جوان رعنا کون ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ یہ ''خواجہ عبید اللہ احرار ہیں، عنقریب دنیا کے سلاطین ان کے در کے گدا ہوں گے۔''

سمرقند ہی میں آپ حضرت سید قاسم تبریزیؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک ہفتہ شیخ سراج الدین کلال پرمسیؒ[1] خلیفہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی صحبت میں رہے۔ بخارا میں پہنچ کر مولانا حسام الدین شاشیؒ کی زیارت کی جو سید امیر حمزہ بن سید امیر کلال قدس سرہما کے خلیفۂ اول تھے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلیفہ خواجہ علاؤالدین غجدوانی کی خدمت میں بھی بہت دفعہ حاضر ہوئے۔ بعدازاں آپ نے خراسان کا سفر اختیار کیا اور مرو کے راستے ہرات میں آئے۔ ہرات میں آپ نے چار سال قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ اکثر سید قاسم تبریزی اور شیخ بہاؤالدین عمر قدس سرہما کی صحبت میں رہے اور کبھی کبھی شیخ زین الدین خوافی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

ہرات میں آپ نے ایک سوداگر سے حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کے فضائل سنے۔ اس لیے وہاں سے اُن کی صحبت کی نیت سے بلخ کے راستے حصار کی طرف متوجہ ہوئے۔ بلخ میں مولانا حسام الدین پارسا خلیفہ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ ہما کے خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں سے حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ کے مزار کی زیارت کے لیے چغانیاں تشریف لے گئے اور چغانیاں سے ہلفتو، مولانا یعقوب چرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس کا قصہ آپ خود یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''جب میں ولایت چغانیاں پہنچا تو بیمار ہو گیا اور بیس (20) روز تپ لرزہ آتا رہا۔ اس عرصہ میں نواحِ چغانیاں کے بعضے لوگوں نے مولانا خواجہ یعقوب چرخیؒ کی بہت غیبت (بدگوئی، برائی) کی۔ بیماری کے دنوں میں ایسی پریشان باتوں کے سننے سے خواجہ چرخیؒ کی ملاقات کے ارادے میں بڑا فتور واقع ہوا۔ آخر کار میں نے اپنے دل میں کہا کہ تو اس قدر دور فاصلہ سے آیا ہے لہٰذا اب یہ بات اچھی نہیں کہ تو اُن سے ملاقات نہ کرے چنانچہ ان کی خدمت میں پہنچا۔ وہ بڑی عنایت سے

[1] پرمس قصبہ وابکنی کے نواحی دیہات میں سے ہے جو بخارا سے بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (قصوری)

پیش آئے اور ہر طرح کی باتیں کیں لیکن دوسرے روز جو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو بہت غصہ ہوئے اور سختی و درشتی سے پیش آئے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کے غصہ کا سبب غیبت کا سننا اور تیرے ارادے میں فتور کا آنا ہوگا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ لطف و کرم سے پیش آئے اور بہت توجہ اور عنایت فرمائی اور حضرت خواجہ نقشبندؒ سے اپنی ملاقات کا حال بیان فرما کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور کہا کہ بیعت کر۔ چونکہ انکی پیشانی مبارک پر کچھ سفیدی مشابہ برص تھی جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوتی ہے۔ اس لیے میری طبیعت اُن کے ہاتھ پکڑنے کی طرف مائل نہ ہوئی۔ وہ میری کراہت کو سمجھ گئے اور جلدی اپنا ہاتھ ہٹالیا اور اپنی صورت تبدیل کر کے ایسے خوبصورت اور شاندار لباس میں ظاہر ہوئے کہ میں بے اختیار ہوگیا۔ قریب تھا کہ بے خود ہو کر آپ سے لپٹ جاؤں آپ نے دوسری دفعہ اپنا دست مبارک بڑھایا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ تیرا ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے جس نے تمھارا ہاتھ پکڑا اُس نے ہمارا ہاتھ پکڑا۔ خواجہ بہاؤالدین کا ہاتھ پکڑ لو۔ میں نے بلا توقف اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حسب طریقہ حضرات خواجگان نقشبندیہ مجھے شغلِ نفی و اثبات جس کو وہ قوتِ عددی کہتے ہیں، سکھایا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم کو خواجہ نقشبندؒ سے پہنچا ہے یہی ہے۔ اگر تم بطریق جذبہ طالبوں کی تربیت کرو تو تمھیں اختیار ہے۔''

کہتے ہیں کہ مولانا یعقوب چرخی کے بعض اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ جس طالب کو آپ نے اس وقت طریقہ کی تعلیم دی، اس کی نسبت آپ نے کس طرح فرمادیا کہ تمھیں اختیار ہے، چاہو تو بطریق جذبہ تربیت کرو۔ اس کے جواب میں مولانا یعقوب چرخیؒ نے فرمایا کہ طالب کو مرشد کے پاس اس طرح آنا چاہیئے کہ سب چیزیں تیار ہوں۔ صرف اجازت کی دیر ہو۔ مولانا جامیؒ لکھتے ہیں کہ مولانا خواجہ یعقوب چرخیؒ فرماتے تھے کہ جو طالب کسی بزرگ کی صحبت میں آنا چاہے تو اُسے خواجہ عبید اللہ احرار کی طرح آنا چاہیئے کہ چراغ، تیل اور بتی سب تیار ہیں صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ نے مجھ سے حضرات خواجگان کے تمام طریقے بیان فرمادیے اور جب طریق رابطہ کی نوبت پہنچی تو فرمایا کہ اس طریقہ کی تعلیم میں دہشت نہ کھانا اور استعداد والوں کو بتا دینا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ، خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ کی خدمت سے رخصت پا کر پھر ہرات میں آئے اور کم وبیش ایک سال وہاں رہے، بعد ازاں انتیس (29) سال کی عمر میں وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور تاشقند میں مقیم ہو کر زراعت کا کام ایک شخص کی شراکت میں شروع کیا۔ دونوں ایک جوڑی بیل سے کھیتی کا کام کرنے لگے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی زراعت میں بڑی برکت دی۔ آپ کے مال ومنال، ضیاع وعقار، گلہ ومواشی اور اسباب واملاک اندازہ کی حد سے زائد تھے مگر یہ سب درویشوں کے لیے تھے۔ چنانچہ مولانا جامیؒ قدس سرہٗ السامی اپنی کتاب یوسف زلیخاں میں آپ کے منقبت میں یوں لکھتے ہیں ۔

ازاں دانہ کز و آدم بنا کام	جس دانہ سے حضرت آدمؑ ناچار باغ
زبستانِ بہشت آمد بدیں دام	بہشت سے اس جالِ دُنیا میں آئے
ہزارش مزرعہ در زیر کشت است	اُن کے ہزار کھیت زیر کاشت ہیں جو کہ
کہ زادِ رفتن راہِ بہشت است	راہِ بہشت میں چلنے کا توشہ ہیں
دریں مزرعہ فشاند تخم دانہ	وہ اس کھیت (دُنیا) میں بیج بو رہے ہیں
درآں عالم کند انبار خانہ	اور اُس عالم میں ذخیرہ کر رہے ہیں

وفات

آپ کی وفات حسرت آیات 29 ربیع الاوّل 895ھ بمطابق 1490ء کو ہوئی۔ رات کو جب آپ کا نفس شریف منقطع ہونے لگا تو مکان میں بہت سی شمعیں روشن کی گئیں جن سے وہ مکان نہایت روشن ہوگیا۔ اس حال میں اچانک دیکھا گیا کہ آپ کے دوابروئے مبارک کے درمیان سے ایک نور چمکتی بجلی کی طرح نمودار ہوا جس کی شعاع نے شمعوں کے نور کو مات کر دیا۔ حاضرین نے اُس نور کا مشاہدہ کیا۔ بعدازاں آپ کا وصال ہوگیا اور محلّہ خواجہ کفشیر، محوطہ ملایاں سمرقند میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولادِ امجاد نے آپ کے مرقد مبارک پر عالیشان عمارت تعمیر کر دی اور قبر مبارک کو نہایت عمدہ وضع پر بنایا۔

آپ کے مرید باصفا مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا۔

بہشتصد و نود و پنج در شبِ شنبہ
کہ بُود سلخ مہ فوت احمد مُرسل
کشید خواجۂ دنیا و دیں عبیداللہ
شراب صافی عیشِ ابد ز جامِ اجل

کرامات

(1) حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ ہمت سے مراد یہ ہے کہ دل ایک امر پر اس مضبوطی سے جم جائے اور پھر اُس کے خلاف کوئی چیز دل میں نہ آئے۔ ایسی ہمت مراد سے متخلف نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں کہ اوائل جوانی میں جب کہ ہم مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے ساتھ ہرات میں تھے اور دونوں سیر کیا کرتے تھے۔ تو کبھی کشتی لڑنے والوں کے اکھاڑہ میں جا پہنچتے اور اپنی قوت وتوجہات کا امتحان کرتے۔ دو پہلوانوں میں سے ایک کی طرف توجہ مبذول کرتے تو وہ غالب آجاتا۔ پھر مغلوب کی طرف متوجہ ہوتے وہ غالب ہو جاتا۔ اس طرح کئی بار اتفاق ہوا۔ مقصود یہ تھا کہ معلوم ہوجائے کہ ہمت کی تاثیر کس درجہ پر پہنچی ہے۔

2- حضرت مولانا ناصر الدین اترار یؒ جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کے خادموں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ حضرات نے واقعہ میں دیکھا تھا کہ آپ کی مدد سے شریعت کو تقویت پہنچے گی۔ آپ کے قلب مبارک میں خیال آیا کہ یہ بات سلاطین کی مدد کے بغیر حاصل نہ ہوگی۔ اس غرض سے آپ سمرقند کی طرف آئے۔ اس وقت میرزا عبداللہ بن میرزا ابراہیم بن میرزا شاہ رخ بن امیر تیمور ولایت سمرقند کا حاکم تھا۔ میں سفر میں آپ کی خدمت میں تھا۔ جب آپ سمرقند پہنچے تو میرزا عبداللہ کا ایک امیر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہمارے یہاں آنے کی غرض تمھارے میرزا سے ملاقات ہے۔ اگر تمھارے ذریعہ سے کام ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے۔ اُس امیر نے نہایت بے ادبی اور غیر شائستگی سے جواب دیا کہ ہمارا میرزا بے پرواہ جوان ہے، اس سے ملاقات مشکل ہے۔ درویشوں کو ایسی باتوں سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ ہم کو سلاطین کی ملاقات کا حکم ہوا ہے، ہم اپنے آپ نہیں آئے۔ اگر تمھارا میرزا پروا نہیں کرتا تو دوسرا لایا جائے گا۔ جو پرواہ کرے گا۔

جب وہ امیر چلا گیا تو آپ نے اُس کا نام سیاہی سے اُس مکان کی دیوار پر لکھا اور اپنے لعابِ دہن سے مٹا کر فرمایا کہ ہمارا کام اس بادشاہ اور اس کے امیروں سے نہیں چل سکتا اور اُسی روز تاشقند کی طرف روانہ ہوئے ایک ہفتہ کے بعد وہ امیر مر گیا اور ایک مہینے کے بعد سلطان ابو سعید میرزا ابن محمد میر ابن میرانشاہ بن تیمور اطراف ترکستان سے ظاہر ہوا اور اُس نے میرزا عبداللہ پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ 855ھ کا ہے۔

3- میرزا بابر بن میرزا بایسنغر بن میرزا شاہ رُخ بن امیر تیمور ایک لاکھ سپاہ لے کر خراساں سے سمرقند کی طرف متوجہ ہوا۔ میرزا سلطان ابو سعید نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے اُس کے مقابلہ کی طاقت و ہمت نہیں ہے، کیا کروں؟ آپ نے اُسے تسلی دی۔ جب میرزا بابر، دریائے آمویہ سے گزرا تو سلطان ابو سعید کے امیروں کی ایک جماعت نے اتفاق و مشورہ کیا کہ میرزا کو ترکستان لے جائیں اور وہاں قلعہ نشین ہو جائیں۔ چنانچہ تمام سامان اونٹوں پر لدوا دیا گیا۔ حضرت کو جو خبر لگی تو شتر بانوں پر خفا ہوئے، سامان اتروا دیا اور خود میرزا ابو سعید کے ہاں تشریف لے گئے۔ میرزا سے فرمایا کہ کہاں جاتے ہو، جانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہیں کام بن جائے گا۔ میں نے تمھاری مہم اپنے ذمہ لے لی ہے۔ امیر گھبرا گئے یہاں تک کہ بعضوں نے اپنی پگڑیاں زمین پر پھینک دیں اور کہنے لگے کہ حضرت خواجہ ہم کو مروا رہے ہیں۔ میرزا ابو سعید کا چونکہ اعتقاد صادق تھا لہٰذا اُس نے کسی کی نہ سنی اور سمرقند میں قلعہ نشین ہو گیا۔

جب میرزا بابر قلعہ سمرقند کے قریب پہنچا تو اُس کا سپہ سالار خلیل عیدگاہِ سمرقند کے دروازہ پر ٹھہر گیا شہر سے تھوڑے سے آدمی نکل کر خلیل سے لڑے، خلیل گرفتار ہو گیا۔ میرزا بابر سمرقند کے پرانے قلعہ میں اترا۔ اس کے سپاہی سامان معیشت کے لیے جس طرف جاتے اہل سمرقند ان کو پکڑ کر ناک کان کاٹ ڈالتے۔ اس طرح میرزا

بابر کے لشکر کے بہت سے سپاہیوں نے اپنے ناک کان کٹوا لیے۔ اس صورتِ حال سے تمام لشکر بہت تنگ آ گیا۔ چند روز کے بعد اُن کے گھوڑوں میں وبا نمودار ہوئی جس سے بہت سے گھوڑے تلف ہو گئے۔ آخر کار میرزا بابر نے مولانا محمد معائی کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر صلح کی درخواست کی۔ مولانا محمد نے اثنائے گفت گو میں کہا کہ ہمارا میرزا نہایت غیور اور عالی ہمت بادشاہ ہے۔ جس طرح متوجہ ہوتا ہے بغیر اسیر کیے واپس نہیں آتا۔ حضرت خواجہؒ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس کے دادا میرزا شاہ رُخ (المتوفی 850ھ) کے زمانہ میں ہرات میں تھا۔ مجھے اس کے طفیل سے بڑی فراغت اور جمعیت حاصل تھی۔ اگر شاہ رخ کے حقوق نہ ہوتے تو معلوم ہو جاتا کہ میرزا بابر کا کیا حال ہوتا۔ آخر کار حضرت اقدس کے خاص مرید مولانا قاسمؒ کی وساطت سے صلح ہو گئی۔

جب میرزا سلطان ابوسعید بتاریخ 25 رجب 873ھ شہید ہو گیا تو اس وقت اس کے گیارہ بیٹوں میں سے چار برسر حکومت تھے۔ چنانچہ میرزا الغ بیگ، کابل میں۔ میرزا سلطان احمد سمرقند میں۔ میرزا عمر شیخ ولایت اندجان وفرغانہ میں اور میرزا سلطان محمود حصار اور بدخشاں میں حکمران تھا۔ میرزا سلطان محمود نے سمرقند کے محاصرہ کا ارادہ کیا۔ حضرت خواجہ کو پتہ چلا تو آپ نے بذریعہ رقعہ و پیام اُسے اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا مگر وہ راہِ راست پر نہ آیا اور ولایت حصار سے سمرقند روانہ ہو گیا۔ بے شمار سامان و لشکر اس کے ساتھ تھا۔ اپنے لشکر کے علاوہ چار ہزار ترکمان (ایک قوم جو ترکوں سے کم مرتبہ ہونے کی وجہ سے ترکمان کہلاتی ہے) ہمرکاب تھے۔ میرزا سلطان احمد میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ اسی لیے اس نے بھاگنا چاہا اور حضرت خواجہ سے اجازت چاہی۔ حضرت اقدس شہر سمرقند کے مدرسہ میں مقیم تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم بھاگ جاؤ گے تو سمرقند کے تمام باشندے قید ہو جائیں گے۔ تم مت گھبراؤ، میں تمھارے معاملہ کا ذمہ دار ہوں۔ اگر دشمن مغلوب نہ ہوا تو تم مجھ سے مواخذہ کرنا۔ پھر آپ نے میرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے ایک حجرے میں اتارا جس کا ایک ہی دروازہ تھا اور آپ اس دروازے میں بیٹھ گئے۔ خادموں نے آپ کے حکم سے ایک تیز رفتار اونٹنی لا کر اس حجرے کے آگے بٹھا دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرزا سلطان محمود، سمرقند پر قابض ہو جائے اور اس دروازے سے کہ جہاں لڑائی ہو شہر میں داخل ہو جائے تو تم اس اُونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے دروازے سے بھاگ جائیو۔ آپ نے اس تدبیر سے میرزا سلطان احمد کو تسکین دی۔ بعد ازاں آپ نے مولانا سید حسین، مولانا قاسم، میر عبدالاول اور مولانا جعفر کو جو آپ کے اکابر اصحاب میں سے تھے، طلب فرمایا اور حکم دیا کہ تم فوراً اُس دروازے کے برج میں جا کر مراقبہ کرو۔ چنانچہ وہ وہاں جا کر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ مولانا قاسمؒ کا بیان ہے کہ مراقبہ میں بیٹھتے ہی ہم نے دیکھا کہ ہم نیست ہیں، تمام حضرت ہی حضرت ہیں اور تمام عالم آپ کے وجود مبارک سے پُر ہے۔ لڑائی وقت چاشت تک جاری رہی۔ قریب تھا کہ دشمن غالب آ جائے۔ شہر والے حیران و پریشان تھے کہ نگاہ دشتِ

قپچان کی طرف سے ایک سخت آندھی اُٹھی اور میرزا محمود کے لشکر و لشکر گاہ میں گرد و غبار کا وہ طوفان برپا ہوا کہ کسی کو آنکھ کھولنے کی مجال نہ رہی۔ ہوا پیادوں اور سواروں کو زمین پر گراتی، خیمہ وغیرہ کو اکھاڑ کر اوپر کی طرف اُڑاتی اور زمین پر پھینک دیتی۔ میرزا سلطان محمود اپنے امیروں اور ترکمانوں کو جماعت کثیر کے ساتھ ایک تالاب کے کنارے دیوار کے پشتہ کے نیچے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا کہ ناگاہ پشتہ کا ایک حصہ پھٹ گیا۔ جس کے ہولناک دھماکہ سے قریباً چار سو (400) مرد اور گھوڑے جو اُس کے نیچے کھڑے تھے دب کر مر گئے۔ ترکمانوں کے گھوڑے بھاگنے لگے۔ سواروں نے ہر چند روکا مگر نہ رُکے۔ القصہ لشکر پراگندہ و منتشر ہوگیا۔ میرزا سلطان محمود کو شکست ہوئی۔ میرزا سلطان احمد کے لشکر اور شہر کے لوگوں نے قریباً پانچ کوس تک اُن کا تعاقب کیا اور بہت سے سوار اور گھوڑے پکڑ کر لائے اور بہت سامال و متاع ہاتھ آیا۔

-5 مولانا شیخ ابوسعید مجلد جو میرزا شاہ رُخ کے زمانے میں نہایت خوبصورت جوان تھے بیان کرتے ہیں کہ جوانی میں ایک بار ایک خوبصورت عورت سے اتفاقاً میری ملاقات ہوگئی۔ وہ میرے مکان میں آ گئی۔ میں نے چاہا کہ خلوت میں اس سے بات چیت کروں۔ دریں اثناء میں نے حضرت خواجہؒ کی آواز سنی کہ فرماتے ہیں:
''ابوسعید! چہ کارے کنی'' یہ سن کر میری حالت بدل گئی اور میرے دل پر ہیبت طاری ہوگئی اور میرے اعضاء میں رعشہ طاری ہوگیا۔ میں نے فوراً اس عورت کو مکان سے نکال دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت تشریف لائے۔ جب آپ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے کہ اگر حق تعالیٰ کی توفیق تیری یاوری نہ کرتی تو شیطان تجھ کو برباد کر دیتا۔

-6 حضرت خواجہؒ کے مخلصوں میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ سمرقند میں میرا ایک غلام غائب ہوگیا۔ اُس غلام کے سوا میرے پاس اور کچھ مال و متاع نہ تھا۔ چار مہینے میں نے اُسے کی تلاش میں سرگردانی کی۔ سمرقند کے نواح میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں میں کئی بار نہ گیا۔ پہاڑ اور صحرا میں بہت پھرا مگر کہیں بھی اُس کا سراغ نہ ملا۔ اسی پریشانی کے عالم میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ ناگاہ ایک صحرا میں حضرت خواجہ قدس سرہ ملے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب و خدام بھی تھے۔ میں نے حالت اضطراب میں حضرت کے گھوڑے کی باگ تھام لی اور بڑی نیاز مندی اور عاجزی سے اپنا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو دہقانی آدمی ہیں۔ ایسی باتوں کو کیا جانیں۔ میں نے چونکہ سنا ہوا تھا کہ اولیا اللہ ایسا تصرف کرتے ہیں کہ غیب کی خبر دے دیتے ہیں بلکہ غیب کو حاضر بھی کر دیتے ہیں۔ اس لیے اصرار کیا اور گھوڑے کی باگ نہ چھوڑی۔ جب آپ نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو ایک لحظ سکوت فرمایا اور پوچھا کہ یہ گاؤں جو نظر آ رہا ہے کیا اس میں بھی تم نے اسے تلاش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو بارہا اس میں گیا ہوں مگر محروم واپس لوٹا ہوں۔ ارشاد کیا کہ اب پھر جاؤ۔ وہاں مل جائے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ جب میں اُس گاؤں کے نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غلام پانی کا گھڑا بھر کر سامنے رکھے خشک و ویران جگہ پر حیران و پریشان کھڑا ہے۔ جونہی میری نظر اُس پر پڑی، میں نے

بے اختیار نعرہ مارا اور کہا۔ اے غلام! تو اس عرصہ میں کہاں رہا۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ کے گھر سے نکلا تو ایک شخص مجھ کو بہکا کر خوارزم میں لے گیا اور وہاں مجھے فروخت کر دیا۔ جس شخص نے مجھے خریدا تھا، آج اُس کے ہاں ایک مہمان آیا۔ اُس نے مجھے حکم دیا کہ پانی کا ایک گھڑا لاؤ تا کہ کھانا تیار کریں۔ میں گھڑا اٹھا کر پانی کے کنارے پر پہنچا اور پانی سے بھر لیا۔ جب میں نے گھڑا پانی سے نکالا تو اپنے آپ کو یہاں پایا اور اب میں یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ یہ معاملہ بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ کا یہ تصرف دیکھ کر میرا حال بدل گیا۔ میں نے غلام کو تو آزاد کر دیا اور حضرت خواجہ قدس سرہ کا غلام بن گیا۔

-7 مولانا زادہ فرکتیؒ، مولانا نظام الدین علیہ الرحمتہ کے مرید تھے۔ وہ اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت خواجہ کی خدمت میں عرصۂ دراز تک رہے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت خواجہؒ کے قدموں کے ساتھ ایک گاؤں کو جا رہا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ نماز عصر تو راستے میں پڑھی مگر ابھی وہ گاؤں چھ میل دور تھا کہ سورج غروب ہونے لگا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ دن ختم ہو گیا، راستہ خطرناک، ہوا سرد اور فاصلہ زیادہ ہے، اب کیا حال ہو گا؟ جب یہ خیال بار بار میرے دل میں آیا تو حضرت خواجہؒ نے میری طرف رخ مبارک پھیر کر ارشاد کیا کہ ڈرو مت، ممکن ہے کہ ہم غروب آفتاب سے پہلے منزل پر پہنچ جائیں۔ یہ فرما کر آپ نے گھوڑے کو تیز کر دوڑایا اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے گھوڑا دوڑا رہا تھا اور پلٹ پلٹ کر آفتاب کی ٹکیہ کو بھی دیکھتا جاتا لیکن وہ اسی طرح اُفق پر ٹھہرا ہوا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے اُس میں میخ (کیل) ٹھونک دی ہے جب ہم گاؤں میں پہنچے تو یک بیک سورج ایسا غروب ہوا کہ شفق کی سرخی و سپیدی جو غروب کے بعد ہوا کرتی ہے اُس کا کوئی نشان نہ رہا اور عالم میں ایسی تاریکی پھیل گئی کہ شکلوں اور رنگتوں کا نظر آنا ناممکن ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ حضرت خواجہ قدس سرہ کا تصرف ہے۔ عارفِ رومیؒ نے سچ کہا ہے کہ

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر گشتہ باز گردانند زِ راہ۔

-8 حضرت خواجہ قدس سرہ کا ایک خادم سمرقند جا رہا تھا۔ آپ نے اُس کو ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے وہاں سے خالص شہد کے چند ڈبے لانا۔ وہ کئی ڈبے شہد سے بھر کر اور سب کے منہ پر مہر (Seal) لگا کر روانہ ہوا۔ اتفاقاً بازار میں کسی کام کے لیے ایک بزاز کی دکان پر رکنا پڑا اور شہد کے ڈبوں کو اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک خوبصورت شراب سے مست عورت جو اس بزاز کی آشنا تھی۔ وہاں آئی اور بزاز سے باتیں کرنے لگی۔ اُس خادم نے نظرِ حرام سے اُس عورت کو دو تین بار دیکھا اور پھر ڈبوں کو اُٹھا کر تاشقند آ گیا۔ جب وہ حضرت خواجہؒ کے دربارِ گوہر بار میں پہنچا تو آپ جنگل کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ اُس نے آپ کے پیچھے جانا چاہا

مگر اتنے میں آپ تشریف لے آئے۔ اُس نے ڈبے پیش کیے۔ حضرت اقدس نے ڈبوں کو ایک نظر دیکھتے ہی خفا ہو کر فرمایا کہ ان ڈبوں سے تو شراب کی بو آتی ہے اے بد بخت! ہم نے تجھے شہد لانے کو کہا تھا مگر تو ہمارے لیے شراب لے آیا۔ خادم نے عرض کیا میں تو شہد لایا ہوں۔ آپ کے حکم سے جب کھول کر دیکھا گیا تو ہر ڈبہ شراب سے بھرا ہوا پایا۔

9- جس وقت آپ نے مولانا جامیؒ قدس سرہ السامی سے حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ سے اپنے مرید ہونے کی داستان بیان فرمائی اور بتایا کہ کس طرح خواجہ چرخیؒ نورانی شکل میں ظاہر ہوئے تھے تو آپ بھی بطریق خلع ولبس مولانا جامیؒ کے روبرو ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہوئے کہ جو مولانا جامیؒ کے محبوب تھے۔

10- آپ کے ایک مرید ہوا میں اڑتے تھے۔ آپ نے یہ گستاخی آمیز حال دیکھ کر اُن کا سب حال چھین لیا۔ اُس نے بہت عاجزی اور آہ وزاری کی مگر آپ نے نہ دیا۔ تب وہ آپ کو اکیلا پا کر چھری سے حملہ آور ہوا۔ آپ فوراً جنگلی چرواہے کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ وہ مرید حیران و پریشان ہوا اور آپ نے چھری اس کے ہاتھ سے چھین لی اور پھر اصلی حالت میں آ گئے۔ فرمایا کہ اب بتا! تیرا کیا حال کروں، وہ قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے خطا معاف کر کے جو کچھ چھین لیا تھا۔ واپس کر دیا۔

11- آپ کے کچھ خدام ایک دفعہ بازار میں گئے۔ اُن میں سے ایک خادم، ایک صاحب جمال کو دیکھنے لگا تو دوسرے نے منع کیا۔ اُس نے کہا کہ میں بنظرِ شہوت نفس نہیں دیکھتا۔ جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ ''میں تو اب تک نفس کے مکر وفریب سے بے ڈر نہیں ہوا، تم کب سے ہو گئے کہ بغیر شہوت نفس کے دیکھتے ہو؟'' وہ از حد شرمسار ونادم ہوا۔ آپ بہت ہی اشرافِ خواطر رکھتے تھے، جو جو خطرہ کسی کے دل پر گزرتا، آپ اس کو پکڑ لیتے تھے اور فرما دیتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے پاس بیٹھ کر کسی طرح کا خطرہ جی میں لاوے۔

12- ایک عالم آپ کی تعریف سن کر زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اونٹوں پر بہت سا غلہ شہر میں جا رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ غلہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا ہے۔ سخت متعجب ہوئے کہ یہ کیسی فقیری ہے، اس قدر دنیا داری اور امارت ہے۔ دل میں خیال آیا کہ لوٹ جائیں لیکن پھر سوچا کہ اس قدر مسافت طے کر کے آیا ہوں، مل لینے میں کیا حرج ہے، خانقاہ شریف میں پہنچے تو اتفاقاً نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ایک شخص کہ جس کا یہ عالم قرض دار تھا، وہ اس سے قرض کا خواہاں ہے اور چاہتا تھا کہ قرض کے عوض اپنے اعمال دے دے۔ وہ عالم سخت پریشانی اور حیرانی کے عالم میں تھا کہ حضرت خواجہ احرارؒ تشریف لے آئے اور صورتِ حال معلوم کر کے اپنے پاس سے سب قرض ادا کر دیا۔ اتنے میں عالم کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو حضرت خواجہ خانقاہ میں تشریف فرما ہیں اور مسکرا کر فرمایا کہ میں مال اِسی واسطے رکھتا ہوں کہ دوستوں کو قرض سے نجات دلاؤں۔ وہ عالم قدموں میں گر کر معافی کا طلب گار ہوا اور داخلِ سلسلہ ہو گیا۔

13- دو درویش دُور دراز کا سفر کر کے آپ کی زیارت کے لیے جب خانقاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ وہ درویش سخت حیران ہوئے کہ یہ کیسے شیخ ہیں جو بادشاہ کے پاس جاتے ہیں۔ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر کے مصداق ہیں۔ اتفاقاً اُسی وقت دو چور شاہی دربار سے بھاگ نکلے اُن کو تلاش کرتے کرتے سپاہیوں نے ان درویشوں کو آن پکڑا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شریعت کے مطابق ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ، اُس وقت بادشاہ کے پاس جلوہ افروز تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں درویش چور نہیں ہیں بلکہ یہ تو مجھے ملنے کے لیے آئے ہیں، ان کو چھوڑ دو۔ پھر آپ دونوں درویشوں کو ساتھ لے کر خانقاہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں بادشاہ کے پاس اس لیے گیا تھا کہ تمھارے ہاتھ قطع ہونے سے بچاؤں۔ اگر میں وہاں نہ ہوتا تو تمھارے ہاتھ قطع ہو چکے ہوتے بئس الفقیر علیٰ باب الامیر کے مصداق میں جب ہوتا کہ طمعِ دنیا کے لیے جاتا۔ وہ دونوں درویش شرمسار ہوئے اور قدموں میں گر گئے۔

ارشاداتِ قدسیہ

1- پیر کون ہے؟ پیر وہ شخص ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتا ہو یعنی جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا ہے، اُس پر عمل پیرا ہو اور جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے اُس سے مکمل اجتناب واحتراز کرے اور وہ خود اور اُس کی تمام خواہشات اُس سے گم ہو گئی ہوں اور وہ ایسا آئینہ ہو گیا ہو جس میں سوائے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کے کچھ نظر نہ آئے۔ اس مقام میں وہ صفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متصف ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ کے تصرف کا مظہر بن جاتا ہے اور تصرف الٰہی سے اصحاب استعداد کے باطن میں تصرف کرتا ہے۔

از بسکہ در کنار ہے گیر داں نگار
بگرفت بُوئے یار ورع کرد بُوئے طین

2- مرید وہ ہے کہ ارادت کی آگ کی تاثیر سے اُس کی خواہش جل گئی ہو اور اس کی مرادوں میں سے کچھ نہ رہا ہو اور اپنے دل کی بصیرت سے پیر کے آئینہ میں مراد کا جمال دیکھ کر اُس نے سب قبلوں سے منہ پھیر لیا ہو اور پیر کا جمال اس کا قبلہ ہو گیا ہو اور پیر کی بندگی میں آزادی سے فارغ ہو کر سوائے پیر کے آستانہ کے اپنے سرِ نیاز کو کہیں خم نہ کرتا ہو اور سب سے منہ پھیر کر اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں اور اپنی شقاوت پیر کے رد میں سمجھتا ہو۔ بلکہ نیستی کا خط وجود کی پیشانی پر کھینچ کر وجود غیر کے شعور کے تفرقہ سے رہائی پا گیا ہو۔

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

3- ہم درویشوں کی ایک جماعت ایک جگہ بیٹھی تھی۔ دوران گفتگو اس حدیث شریف کا ذکر ہوا کہ جمعۃ المبارک کے

دن ایک ایسی ساعت ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگا جائے مل جاتا ہے۔ اُس ساعت کا تذکرہ ہوا کہ اگر وہ ساعت میسر آئے تو اُس میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے۔ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا۔ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ اربابِ جمعیت[1] کی صحبت مانگنی چاہیئے کیونکہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں حاصل ہیں۔

4- اگر تجھ سے پوچھا جائے کہ توحید کیا ہے تو یہ جواب دے کہ غیر اللہ کی آگاہی سے دل کا آزاد کرنا توحید ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ وحدت کیا ہے تو یہ جواب دے کہ غیر اللہ کے وجود کے علم و شعور سے دل کی خلاصی وحدت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ اتحاد کیا ہے، تو یہ جواب دے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی میں استغراق اتحاد ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ "سعادت" کیا ہے؟ تو یہ جواب دے کہ اللہ تعالیٰ کی دید کے ساتھ خودی سے خلاصی سعادت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ شقاوت کیا ہے؟ تو جواب دے کہ خودی میں رہنا اور حق سے باز رہنا شقاوت ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ وصل کیا ہے؟ تو جواب دے کہ وجودِ حق تعالیٰ کے نور کے شہود کے ساتھ اپنے آپ کو بھول جانا وصل ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ فصل کیا ہے؟ تو یہ جواب دے کہ دل کا غیر اللہ سے جدا کرنا فصل ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ سکر کیا ہے؟ تو جواب دے کہ ایسے حال کا دل پر ظاہر ہونا کہ دل اُس چیز کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جس کا پوشیدہ رکھنا اس حال سے پہلے واجب تھا۔

5- فرماتے تھے کہ اگر تمام احوال[2] اور مواجید[3] ہمیں عطا کئے جائیں اور ہمیں اہلسنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اُسے بجز خرابی کچھ نہیں سمجھتے اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کی جائیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد سے سرفراز فرمایا جائے تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔

6- ہماری زبان دل کا آئینہ ہے، دل روح کا آئینہ ہے اور روح حقیقت انسانی کا آئینہ ہے۔ حقیقت انسانی اللہ تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ حقائق غیبیہ، غیب ذات سے دور دراز فاصلے طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور یہاں صورت لفظی قبول کر کے مستعدان حقائق کے کانوں میں پہنچتے ہیں۔

7- میں جو بعض اکابر کی خدمت میں رہا تو انھوں نے مجھے دو چیزیں عطا فرمائیں۔ ایک یہ کہ میں جو کچھ لکھوں جدید ہوگا نہ کہ قدیم۔ دوسرے یہ کہ میں جو کچھ کہوں مقبول ہوگا۔

8- آیۃ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ (اور سچوں کے ساتھ ہو) (پارہ:11، سورۃ التوبہ، آیۃ:119) کے معنی میں آپ

---

[1] اربابِ جمعیت سے مراد وہ سالکین ہیں جو تمام سے منہ پھیر کر مطلوب حقیقی کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔

[2] احوال جمع ہے حال کی۔ حال وہ معنی ہے جو سالک کے دل پر بغیر تصنع اور اکتساب کے وارد ہوتا ہے۔ مثلاً خوشی یا غم، قبض یا بسط وغیرہ۔ حال جب دائم ہو اور ملکہ بن جائے تو اُسے مقام کہتے ہیں۔ پس احوال مواہب ہیں اور مقامات مکاسب۔ حال عین جود سے آتے ہیں اور مقامات بذل مجہود سے حاصل ہوتے ہیں۔

[3] مواجید جمع ہے وجد کی۔ وجد وہ ہے جو سالک کے دل پر آئے اور بغیر تکلف و تصنع کے وارد ہو۔ مواجید اور اوراد و وظائف پر بفضلِ الٰہی مترتب ہوتے ہیں۔ اکتساب کو ان میں دخل نہیں۔

فرماتے تھے کہ اس کے دو معنی ہیں۔ پہلا یہ کہ صدق کے ساتھ مجالست ومصاحبت کو لازم پکڑے تا کہ ان کی صحبت کے دوام کے سبب سے اُس کا باطن اُن کے صفات واخلاق کے انوار سے روشن ہو جائے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ باطن کی شاہراہ سے اُس گروہ کے ساتھ رابطہ کا طریق اختیار کر لے جو واسطہ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں اور صحبت کو اس امر میں حصر (احاطہ کرنا، گھیرنا) نہ کر لے کہ ہمیشہ آنکھوں کے ساتھ دیکھے بلکہ ایسا کرے کہ صحبت دائمی ہو جائے اور صورت سے معنی کی طرف عبور کر لے تا کہ واسطہ ہمیشہ نظر میں رہے جب اس بات کو دوام کے طور پر ملحوظ رکھے گا، تو اُس کے باطن کو اُن کے باطن کے ساتھ نسبت واتحاد پیدا ہو جائے گا اور اس واسطہ سے اُسے مقصود اصلی حاصل ہو جائے گا۔

9- حدیث شریف میں جو آیا ہے شَیَّبَتۡنِیۡ سورۃ ھود (سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں استقامت کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَاسۡتَقِمۡ کَمَآ اُمِرۡتَ (پارہ:12، سورۃ ھود، آیۃ:112) (پس تو استقامت کر جیسا کہ تجھے حکم ہوا ہے) اور استقامت نہایت دشوار ہے کیونکہ استقامت کے معنی ہیں قائم رہنا حد وسط میں تمام افعال واقوال اور اخلاق واحوال میں، بدیں طور کہ تمام افعال میں ضرورت سے تجاوز صادر نہ ہو اور افراط وتفریط سے محفوظ رہے۔ اسی سبب سے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ضروری کام تو استقامت ہے۔ کرامت وخوارقِ عادات کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں۔

10- لوگوں کے اعمال واخلاق سے جمادات کا متاثر ہونا محققین کے نزدیک ایک ثابت امر ہے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے اس بارے میں بہت تحقیق کی ہے۔ یہ تاثر اس درجہ تک ہے کہ اگر ایک شخص نماز کو جو افضل عبادات ہے، ایسی جگہ ادا کرے جو ایک جماعت کے اعمال واخلاق ناپسندیدہ سے متاثر ہوگئی ہو تو اس نماز کا جمال اور رونق اس نماز کے برابر نہیں جو ایسی جگہ میں ادا کی جائے جو اربابِ جمعیت کی برکت سے متاثر ہو۔ یہی سبب ہے کہ حرم مکہ میں دو رکعت نماز غیر حرم میں بہت سی رکعتوں کے برابر ہے۔

11- ہمارے زمانہ میں توحید یہ ہوگئی ہے کہ لوگ بازاروں میں جاتے ہیں اور بے ریش لڑکوں کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایسے مشاہدہ سے خدا کی پناہ! تفصیل اس ارشاد گرامی کی یوں ہے کہ حضرت سید قاسم تبریزی قدس سرہ اس ولایت (ملک) میں تشریف لائے تھے۔ اُن کے مریدوں کی ایک جماعت بازاروں میں پھرتی تھی اور بے ریش لڑکوں کا نظارہ کرتی اور ان سے تعلق پیدا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ صور جمیلہ (حسین شکل وصورت) میں ہم اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سید قدس سرہ بعض اوقات فرماتے کہ ہمارے سور کہاں گئے ہیں۔ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گروہ حضرت سید کی نظر بصیرت میں سور کی شکل میں دکھائی دیتا تھا۔

12- ایک روز آپ نے ایک شخص سے کہا کہ اگر تمھیں حضرت خواجۂ خواجگاں بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کی صحبت

میں ایک نسبت حاصل ہو جائے اور پھر اس کے بعد تم کسی دوسرے بزرگ کی خدمت میں چلے جاؤ اور اُس کی صحبت میں وہی نسبت پھر حاصل ہو جائے، تو تم کیا کرو گے، کیا خواجہ نقشبندؒ کو چھوڑ دو گے؟ پھر از خود ہی فرمایا کہ کسی دوسری جگہ سے اگر تمھیں وہی نسبت حاصل ہو تو تمھیں چاہیئے کہ اُس نسبت کو حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ ہی کا فیض سمجھو۔ پھر یہ حکایت بیان کہ حضرت شیخ قطب الدین حیدر قدس سرہٗ کے مریدوں میں ایک مرید حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کی خانقاہ میں گیا۔ وہ نہایت بھوکا تھا۔ اُس نے اپنے پیر کے گاؤں کی طرف منہ کر کے کہا ''شیئاً لِللہِ قطب الدین حیدر''، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کو جو اُس کا حال معلوم ہوا تو اپنے خادم کو حکم دیا کہ فوراً کھانا اس کے پاس لے جا کر کھلاؤ۔ جب وہ درویش کھانا کھا کر فارغ ہوا تو پھر اپنے پیر کے گاؤں کی طرف منہ کر کے کہا ''شکراً لِللہِ قطب الدین حیدرؒ'' کہ آپ نے ہم کو کسی جگہ نہیں چھوڑا۔ جب خادم حضرت شیخ کے پاس گیا تو اُنھوں نے پوچھا کہ تو نے اُس درویش کو کیسا پایا؟ خادم نے عرض کیا کہ وہ مہمل شخص ہے۔ کھانا تو آپ کا کھاتا ہے مگر شکر قطب الدین حیدر کا کرتا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مریدی اُس سے سیکھنی چاہیئے کہ ظاہری و باطنی فائدہ جس جگہ پائے اُسے اپنے پیر کی برکت سے سمجھے۔

13- ایک روز تعظیمِ ساداتِ کرام کے بارے میں ارشادات فرما رہے تھے کہ جس بستی میں سادات رہتے ہوں، میں اس میں نہیں رہنا چاہتا کیونکہ اُن کی بزرگی اور شرف زیادہ ہے، میں اُن کی تعظیم و تکریم کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ایک روز امام اعظمؒ قدس سرہ درس کی مجلس میں کئی بار اُٹھے۔ کسی کو اس کا سبب معلوم نہ ہوا۔ آخر کار حضرت امام کے ایک شاگرد نے دریافت کیا۔ حضرت امامؒ نے فرمایا کہ سادات علوی کا ایک لڑکا اُن لڑکوں میں ہے جو مدرسہ کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔ وہ لڑکا جب اس درس کے قریب آتا ہے اور اس پر میری نظر پڑتی ہے تو میں اس کی تعظیم کے لیے اُٹھتا ہوں۔

14- کشف قبور یہ ہے کہ صاحب قبر کی روح مثالی صورتوں میں سے کسی مناسب صورت کے ساتھ متمثّل ہو جاتی ہے۔ صاحب کشف اس کو بصیرت کی آنکھ سے اُسی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے لیکن چونکہ شیطانوں کو مختلف صورتوں اور شکلوں کے ساتھ متمثّل و متشکل ہو جانے کی قوت ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے خواجگان قدس اللہ ارواحہم نے اس کشف کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ اصحابِ قبور کی زیارت میں اُن کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بزرگ کی قبر پر پہنچتے ہیں تو اپنے آپ کو تمام کیفیتوں اور نسبتوں سے خالی کر کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ دیکھیئے کیا نسبت ظاہر ہو۔ اُس نسبت سے صاحبِ قبر کا حال معلوم کر لیتے ہیں اور بیگانوں کی صحبت میں بھی اُن کا یہی طریقہ ہے کہ جو شخص اُن کے پاس بیٹھے وہ اپنے باطن پر نظر ڈالتے ہیں جو کچھ اس شخص کے آنے کے بعد ظاہر ہو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ اُس کی نسبت ہے اور ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں۔ اس نسبت کے مطابق لطف یا

قہر سے اُس سے پیش آتے ہیں۔

-15 محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ موت کے بعد اولیاء اللہ ترقی کرتے ہیں۔

-16 اس سلسلہ (سلسلہ نقشبندیہ) کے خواجگان قدس اللہ ارواحہم ہر ریاکار اور بازیگر کی طرف نسبت نہیں رکھتے۔ اُن کا کارخانہ بلند ہے۔

-17 ہر زمانہ میں رجال غیب میں سے اُس شخص کو صحبت میں رہتے ہیں جو عزیمت[1] پر عمل کرتا ہے۔ یہ گروہ رخصت سے بھاگتا ہے۔ رخصت پر عمل کرنا ضعیفوں کا کام ہے۔ ہمارے خواجگان قدس اللہ ارواحہم کا طریقہ عزیمت ہے۔

-18 جس وقت آپ عزیمت و احتیاط کے طریق سے کوئی کام کرتے تو فرماتے کہ لقمہ و طعام میں احتیاط کرنا ضروریات سے ہے۔ چاہئیے کہ کھانا پکانے والا باوضو ہو۔ وہ شعور و آگاہی سے لکڑی چولھے میں رکھے اور آگ جلائے۔ جس پکانے میں غصہ یا پریشان باتیں ظہور میں آئیں، اس کھانے کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نہ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کھانے میں ظلمت ہے۔ ہمیں اس کا کھانا جائز نہیں۔

-19 چاہئیے کہ مرید کی توجہ پیر کے دو ابرو کے درمیان ہو اور پیر کو تمام اوقات اور احوال میں آگاہ و حاضر سمجھے تا کہ پیر کی بزرگی اور عظمت اُس میں تصرف کرے اور جو چیز پیر کے حضور میں نامناسب ہو وہ مرید کے باطن سے کوچ کر جائے۔ اس امر کے کمال کے سبب سے یہ حال ہو جائے کہ پیر و مرید کے درمیان سے حجاب اُٹھ جائے اور پیر کی تمام مرادیں اور مقاصد بلکہ اس کے احوال و مواجید مرید کے مشاہدہ و معائنہ میں آ جائیں۔

-20 ردی خطرات اور طبعی **مقتضیات** میں گرفتاری سے خلاصی کا طریقہ تین چیزوں میں سے ایک ہوسکتی ہے۔

اول یہ کہ اعمال خیر جو اس گروہ نے مقرر کیے ہیں، ان میں سے ہر ایک عمل اپنے اوپر لازم کر لے اور طریقِ ریاضت اختیار کرے۔

دوسرے یہ کہ اپنی قوت و طاقت کو درمیان سے اُٹھا دے اور جان لے کہ میں ایسا نہیں کہ خود بخود اس بلا سے خلاصی حاصل کر سکوں اور عاجزی و محتاجی کے طور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع و انکساری کرے تا کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اس بلا سے نجات دے۔

تیسرے یہ کہ اپنے پیر کی ہمت و باطن سے مدد طلب کرے اور اس کو اپنی توجہ کا قبلہ بنائے اس تقریر کے بعد آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ ان تین طریقوں میں سے بہتر کون سا ہے پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ پیر کی ہمت سے مدد مانگنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا بہتر ہے کیونکہ طالب اس صورت میں اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے عاجز سمجھ کر پیر کو اس توجہ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں وصول کا وسیلہ بناتا ہے۔ یہ امر حصولِ نتیجہ

---

[1] عزیمت شریعت میں اصل مشروع کو کہتے ہیں اور رخصت اُسے بولتے ہیں کسی عذر کے سبب سے مباح سمجھا گیا ہو حالانکہ اُس کی حرمت کی دلیل قائم ہو۔

کے قریب تر ہے۔ جو کچھ طالب کا مقصود ہے اس تقدیر پر زیادہ جلدی متفرع ہوگا کیونکہ وہ ہمیشہ پیر کی ہمت سے مدد طلب کرنے والا ہوگا۔

-21 عبادت سے مراد یہ ہے کہ اوامر پر عمل کریں اور نواہی سے پرہیز کریں۔ عبودیت سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ توجہ اور اقبال ہے۔

-22 (۱) شریعت، (۲) طریقت اور (۳) حقیقت تین چیزیں ہیں۔ احکام ظاہری کا جاری کرنا شریعت ہے۔ جمعیت باطن میں تعمل وتکلف طریقت ہے اور اس جمعیت میں رسوخ حقیقت ہے۔

-23 سیر دو طرح کی ہے۔ سیر مستطیل اور سیر مستدیر[۱]۔ سیر مستطیل بُعد در بُعد ہے اور سیر مستدیر قرب در قرب ہے۔ سیر مستطیل سے مراد مقصود کو اپنے دائرے کے کارج سے طلب کرنا ہے اور سیر مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو اپنے سے ڈھونڈنا ہے۔

-24 علم دو ہیں۔ (۱) علم وراثت اور (۲) علم لدنی۔ علم وراثت وہ ہے جس سے پہلے کوئی عمل ہو۔ چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لمن عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم — جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو وارث بناتا ہے اُس علم کا جو اُسے معلوم نہیں۔

اور علم لدنی وہ علم ہے جس سے پہلے کوئی عمل نہ ہو، بلکہ بغیر کسی سابق عمل کے اللہ تعالیٰ محض عنایت بے علت سے اپنے پاس سے بندے کو کسی خاص علم کے ساتھ مشرف کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (پارہ:15، سورۃ کہف، ع:9، آیۃ:65) — اور سکھایا تھا ہم نے اُس کو اپنے پاس سے علم

آپ نے فرمایا کہ علم کی طرح اجر بھی دو قسم کا ہے۔ (۱) اجرِ ممنون اور (۲) اجر غیر ممنون۔ اجر ممنون وہ ہے جو کسی عمل کے مقابلہ میں نہ ہو بلکہ محض موہبت (عطا، بخشش) ہو اور اجر غیر ممنون وہ ہے جو کسی عمل کے مقابلہ میں ہو۔

-25 لوگوں نے خیال کیا ہے کہ شاید کمال اناالحق کہنے میں ہے۔نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ انا کو دور کیا جائے اور کبھی اُسے یاد نہ کیا جائے۔

-26 فنائے مطلق کے معنی یہ نہیں کہ صاحب فنا کو اپنے اوصاف وافعال کا شعور نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بطریق ذوق اپنے آپ سے اوصاف وافعال کے اسناد کی نفی کرے اور فاعل حقیقی جل ذکرہ (اُس کے ذکر کی بڑی عظمت اور شان ہے) کے لیے اسناد ثابت کرے۔ وہ جو صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ نفی اثبات کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی، اس کے یہی معنی ہیں۔ آپ نے مثال کے طور پر فرمایا کہ یہ کپڑا جو میں پہنے

[۱] سیرِ مستطیل سے مراد سیرِ آفاقی اور سیرِ مستدیر سے مراد سیرِ انفسی ہے۔ (قصوری)

ہوئے ہوں عاریتی ہے اور مجھے اس کی عاریتی ہونے کا علم نہیں اور اس سبب سے کہ اس کو میں اپنی ملک سمجھتا ہوں اس سے تعلق رکھتا ہوں۔ ناگاہ مجھے اس کپڑے کے عاریتی ہونے کا علم ہوگیا۔ اُسی وقت میرا تعلق اس سے منقطع ہوگیا حالانکہ میں بالفعل پہن رہا ہوں۔ اسی پر تمام صفات کو قیاس کرنا چاہیئے کہ سب عاریتی ہیں تاکہ غیر اللہ سے دل منقطع ہو جائے اور پاک و مطہر ہو جائے۔

27- وصل، حقیقت میں یہ ہے کہ دل بطریق ذوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع ہو جائے۔ جب یہ بات دائم (ہمیشہ) ہو جائے۔ تو اسے دوام وصل بولتے ہیں۔ نہایت یہی ہے وہ جو حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت (انتہا کو ابتدا میں) درج کرتے ہیں۔ اس سے مراد یہی نہایت ہے اور جو آپ نے فرمایا کہ ہم محض قبولیت کا واسطہ ہیں، ہم سے منقطع ہونا چاہیئے اور مقصود سے ملنا چاہیئے یہی واصل ہے۔

28- تجلی کے معنی کشف ہیں۔ اس امر کا ظہور دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ (۱) ایک کشف عیانی جو دارِ جزا میں سر کی آنکھ کے ساتھ مقصود کے جمال کا مشاہدہ ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ غلبۂ محبت کے ساتھ غائب کو کثرت سے حاضر کرنے کے ذریعے سے کہ وہ غائب مثل محسوس کے ہو جائے کیونکہ خواصِ محبت میں سے ہے کہ وہ غائب کو مثل محسوس کے کر دیتی ہے۔ دنیا میں ارباب کمال کے قدم کی انتہا یہی ہے۔

29- اگر ہم شیخی کرتے تو اس زمانہ میں کسی شیخ کو مرید نہ مل سکتا۔ لیکن ہمیں اور کام کا حکم ملا ہے کہ مسلمانوں کو ظالموں کے شر سے بچائیں۔ اس واسطے ہمیں بادشاہوں سے میل جول رکھنا اور اُن کے نفوس کو مسخر کرنا ور اس عمل کے ذریعے سے مسلمانوں کی مطلب برآری ضروری ہے۔

30- اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے مجھے ایسی قوت عطا کی ہے کہ اگر میں چاہوں تو ایک رقعہ سے بادشاہ خطا جو الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے، ایسا کر دوں کہ بادشاہت چھوڑ کر ننگے پاؤں خطا سے خار و خاشاک میں دوڑتا ہوا اپنے آپ کو میرے آستانہ پر پہنچائے لیکن باوجود ایسی قوت کے ہم خدا کے حکم کے منتظر ہیں۔ جس وقت اور جو چاہے وہ حکم دے، وقوع میں آئے گا۔ اس مقام کے لیے ادب لازم ہے اور ادب یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تابع بنائے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادہ کا تابع بنائے۔

31- ہر روز سونے سے قبل اپنے گزشتہ اوقات کو یاد کرو کہ کس طرح گزرے ہیں۔ اگر غیر طاعت سے گزرے ہیں تو توبہ و استغفار کرنا چاہیئے۔

32- منجملہ آداب طریقت سے یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے کیونکہ دوامِ وضو سے فراخئ رزق ہوتی ہے۔

33- جو شخص فقیروں کی صحبت میں آئے، اُسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو نہایت مفلس ظاہر کرے تاکہ اُس پر اُن کو رحم آئے۔

34- رہبر کا سایہ ذکرِ حق کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی مرید کے لیے رہبر کا سایہ اُس کے ذکر حق کرنے سے زیادہ نفع مند ہے کیونکہ مرید کو اُس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہوتی تاکہ براستہ ذکر اُسے مکمل نفع حاصل ہو۔

(20)

حضرت خواجہ محمد زاہد وَخشی قدس سرہٗ

852ھ — 936ھ

وخش نزد حصار علاقہ بخارا ــــــــــــــــ وخش نزد حصار

1448ء — 1529ء

مادۂ تاریخ وفات

"سعادت نشان"

936ھ

"فیضِ الٰہی"

936ھ

"فیضِ ولی"

936ھ

"پیر خواجہ محمد زاہد"

936ھ

(20) حضرت خواجہ محمد زاہد وَخشی قدس سرہٗ

آپ کی ولادت باسعادت قصبہ وخش نزد حصار علاقہ بخارا میں 14 شوال 852ھ بمطابق 11 دسمبر 1448ء کو ہوئی۔ آپ کا انتساب طریقہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ سے ہے۔ آپ حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ کے نواسہ ہیں اور ذکر کی تلقین اُن کے کسی خلیفہ سے حاصل کی تھی۔ جب حضرت احرار قدس سرہٗ کے رُشد و ہدایت کا آوازہ آپ کے کان میں پہنچا تو حصار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر محلّہ وانسرائے میں قیام فرما ہوئے۔ یہاں سے حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی خانقاہ شریف تین کوس چھ میل کے فاصلے پر تھی۔ حضرت خواجہؒ کو بذریعہ کشف معلوم ہوگیا کہ مولانا خواجہ زاہد ہماری ملاقات کے لیے آرہے ہیں۔ اُن کے دل میں آیا کہ استقبال کرنا چاہیئے۔ عین دوپہر کے وقت فرمایا کہ سواری کا اونٹ لاؤ، اس پر سوار ہوکر تمام مریدین کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ آپ نے اونٹ کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چلا جائے۔ جب حضرت خواجہ آپ کی قیام گاہ پر پہنچے تو اونٹ خود بخود رک گیا اور حضرت خواجہ اُتر پڑے۔

آپ کو حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو بے اختیار دوڑے آئے۔ حضرت کا استقبال کیا اور پاؤں کا بوسہ لیا۔ پھر خلوت میں اپنے واردات و معاملات و مقامات حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیے اور بیعت کی خواہش کی۔ حضرت خواجہؒ نے بیعت کر کے اُسی مجلس میں درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور خلافت عطا کر کے وہیں سے رخصت کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہؒ قدس سرہٗ کے بعض اصحاب آتش غیرت سے جلنے لگے کہ مولانا زاہد کو آپ نے پہلی ہی صحبت میں خلافت عطا فرمادی۔ حالانکہ ہم برسوں سے آپ کی خدمت کررہے ہیں۔ مگر ہم پر یہ عنایت نہیں فرمائی۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مولانا زاہد، چراغ اور تیل بتی تیار کر کے ہمارے پاس آئے تھے۔ ہم نے صرف روشن کر کے رخصت کر دیا۔ یہ معاملہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے تصرف عظیم اور آپ (مولانا خواجہ زاہد) کے کمال استعداد اور قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔

آپ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ علم ظاہری و باطنی میں خوب وافر حصہ رکھتے تھے۔ فقر و تجرید اور توحید و ورع میں مقامات عالیہ پر فائز تھے۔ بیعت ہونے سے قبل برسوں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ تھے۔

وفات

آپ کی رحلت یکم ربیع الاول 936ھ بمطابق 1529ء کو وخش میں ہوئی اور وہیں مزار مقدس بنا جو مرجع خاص و عوام ہے۔

(21)

حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ

846ھ	970ھ	استقرار (ماوراء النہر) ترکی
1444ء	1562ء	

مادۂ تاریخ وفات

''مست عشق''	''شیخ اولیاء بود''
970ھ	970ھ

(21) حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ

آپ کو اپنے ماموں محمد زاہد قدس سرہٗ سے اجازت وخلافت ہے۔ بیعت سے پندرہ سال پہلے زہد وریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے اور تجرید وتفرید (خلوت، تنہائی، گوشہ نشینی) کی حالت میں بے خور وخواب (بغیر کھانے پینے کے) ویرانوں میں بسر اوقات کرتے تھے۔ ایک روز بھوک کی شدت میں آسمان کی طرف منہ اٹھایا تو اُسی وقت حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اگر صبر وقناعت مطلوب ہے تو خواجہ محمد زاہد کی خدمت میں جا کر قدم بوسی کرو، وہ تم کو صبر وقناعت سکھا دیں گے۔ یہ سن کر آپ حضرت خواجہ محمد زاہد کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور درجۂ تکمیل کو پہنچے۔ پھر ان کے انتقال پر اُن کے مستقل نائب ہوگئے۔[1]

آپ ورع وتقویٰ، عمل بعزیمت اور حفظ نسبت میں شان عظیم رکھتے تھے۔ طریق گمنامی اور حالات کے چھپانے کا بڑا التزام تھا۔ اسی واسطے آپ بچوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے تاکہ کسی کو آپ کے حال وکمال سے آگاہی نہ ہونے پائے۔ ایک روز کسی ترک درویش کا آپ کے شہر میں گزر ہوا۔ اُس نے کہا کہ یہاں ایک مرد خدا کی بو آتی ہے اور آپ کی طرف اشارہ کیا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میرے والد گرامی قدر کی شہرت کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز ایک درویش نے شیخ نورالدین خوافی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا تذکرہ کیا۔ والد ماجد نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: بیٹا! یہ شیخ بہت بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ جب کبھی اُن کے اِدھر تشریف لانے کا اتفاق ہوا تو میں اُن سے ضرور ملوں گا۔ اس ارشاد کے چند روز بعد شیخ ممدوح کا نواح امکنہ میں گزر ہوا۔ میرے والد نے جب اُن کے آنے کی خبر سنی تو آپ اُن ہی کپڑوں میں جو آپ پہنے ہوئے تھے، کچھ ہدیہ لے کر شیخ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوگئے۔ میں بھی آپ کے قدموں کے ساتھ تھا (یعنی ہمراہ تھا)۔ جب ہم وہاں پہنچے تو انھوں نے میرے والد گرامی قدر سے خوب معانقہ کیا اور کافی دیر تک بغل گیر رہے۔ پھر شیخ دوزانو ہو کر مراقبہ میں بیٹھ گئے اور میرے والد گرامی بھی بیٹھے رہے۔ پھر والد ماجد نے رخصت کی اجازت طلب کی تو حضرت شیخ نے چند قدم مشایعت کر کے رخصت کیا۔ بعد ازاں شیخ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ یہاں کے طالبان خدا اس بزرگ کے پاس کافی آمد ورفت رکھتے ہوں گے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو کوئی شیخ نہیں ہیں جب کہ ایک ملا ہیں جو بچوں کو قرآن شریف پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ سن کر شیخ نورالدینؒ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کیسے اندھے اور مردہ دل ہیں جو ایسے درویش کامل سے فائدہ وفیض حاصل نہیں کرتے۔ جب شیخ کی یہ بات مشہور اور زبان زدِ عام ہوئی تو ہر طرف سے طالبانِ طریقت آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے مگر آپ ہمیشہ گمنامی وگوشہ نشینی

[1] آپ کی ولادت 16 شوال 846ھ بمطابق 6 فروری 1444ء کو ہوئی۔ (قصوری)

کی لذت کو یاد کیا کرتے اور خلقِ خدا کی آمد ورفت کی کثرت سے پریشان ہوا کرتے تھے۔

کرامت

حضرت شیخ حسین خوارزمی کردی قدس سرہٗ اپنے وقت کے مقتدر تھے۔ جہاں کہیں تشریف لے جاتے وہاں کے مشائخ کی اُن کے تصرفات کے سامنے کوئی حیثیت نہ رہتی۔ جو درویش آپ کی ملاقات کو آتا، آپ اُس کی نسبت سلب کر لیتے۔ رفتہ رفتہ حضرت خواجہ مولانا درویش محمد کے شہر میں بھی اُن کا گزر ہوا۔ شہر کے مشائخ اُن کی ملاقات کے لیے گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم کو بھی شیخ حسینؒ کی ملاقات کے لیے جانا چاہیئے۔ یہ فرما کر مولانا نے شیخ موصوف کی نسبت اپنے باطن میں اندر ہی اندر سلب کر لی۔ ادھر شیخ حسین اپنے آپ کو نسبت سے خالی پاکر حیران و پریشان ہوئے۔ جب حضرت مولانا خواجہ درویش محمد ملاقات کے لیے سوار ہوئے تو اس وقت شیخ نے اپنے باطن میں نسبت کی بو پائی، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی بو پائی تھی۔ جب کہ وہ مصر سے روانہ ہوئے تھے۔ شیخ اونٹ پر سوار ہو کر نسبت کی بُو کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جس قدر شیخ، حضرت مولانا خواجہؒ کے قریب ہوتے جاتے تھے، اپنی گم شدہ نسبت کی بُو زیادہ محسوس کرتے تھے۔ جب اثنائے راہ میں شیخ و مولانا میں باہم ملاقات ہوئی تو وہ بُو بھی وہاں منقطع ہوگئی۔ اسی وقت شیخ نے جان لیا کہ میری نسبت، حضرت مولانا خواجہ درویش محمدؒ نے اپنے تصرف سے سلب کر لی ہے۔ شیخ نے نہایت انکسار اور بے حد تواضع کیا اور بصد عاجزی کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ اقلیم آپ کے زیرِ حکومت ہے۔ اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ حضرت خواجہؒ کو شیخ پر رحم آیا اور سلب شدہ نسبت واپس دے دی۔ چنانچہ شیخ نے اسی وقت اپنے آپ کو نسبت سے معمور پایا اور اُسے غنیمت سمجھ کر اُسی سواری پر واپس ہوئے اور اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر وطن کو لوٹ گئے۔

وفات

آپ کی وفات حسرت آیات بروز جمعرات 19 محرم الحرام 970ھ بمطابق 1562ء کو ہوئی۔ مزار مقدس موضع اسقرار (ماوراألنہر) میں واقع ہے۔

ل ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اُسے کافی ہے۔ (پارہ:۲۸، سورۃ الطلاق، آیۃ:۳)

(22)

حضرت خواجہ محمد مقتدیٰ املکنگی قدس سرہٗ

امکنہ نزد بخارا ــــــــ 918ھ / 1512-13ء ــــــــ 1008ھ / 1600ء ــــــــ امکنہ نزد بخارا

مادۂ تاریخ وفات

"شیخ زمان"

1008ھ

"شیخ محمود"

1008ھ

"شیخ الہند جُدا"

1008ھ

(22) حضرت خواجہ محمد مقتدیٰ امکنگی قدس سرہٗ

آپ کا اسم مبارک محمد مقتدیٰ ہے۔آپ موضع امکنہ کے رہنے والے ہیں جو بخارا کے دیہات میں سے ایک گاؤں ہے۔اس گاؤں کی نسبت سے آپ کو امکنگی کہتے ہیں۔آپ کی تربیت ظاہری و باطنی اپنے پدرِ بزرگوار حضرت خواجہ درویش محمد قدس سرہٗ سے ہے اور اُن ہی سے آپ کو خلافت ہے۔

آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے اصل طریقہ نقشبندیہ کی بڑی سختی سے پابندی فرماتے تھے اور اس طریقہ میں جو نئی باتیں بعض نقشبندی بزرگوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھیں مثلاً (۱) ذکر بالجہر اور (۲) جماعت نماز تہجد وغیرہ ان سے پرہیز کرتے تھے۔حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے بالکل قدم بقدم چلتے تھے۔نہایت عابد و زاہد اور صاحب کرامات و خوارق بزرگ تھے۔اپنے حالات کے اخفاء کی بہت کوشش کرتے تھے۔اپنے وقت میں طالبانِ طریقت کے مرجع تھے۔تصرف باطنی کا یہ عالم تھا کہ علماء و فضلاء اور امراء و فقراء مستفید و مستفیض ہونے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتے تھے۔بلکہ مملوک و سلاطین وقت آپ کے آستانہ عالیہ کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔چنانچہ عبداللہ خان والئی توران آپ کا بہت معتقد و مرید تھا۔

آپ نے تیس (30) برس تک مسند خلافت و مشیخیت کو رونق بخشی۔اگرچہ بڑھاپے کی وجہ سے دست مبارک میں رعشہ آ گیا تھا مگر مہمانوں کی خدمت خود کرتے تھے۔خود ہی مہمانوں کے لیے کھانا لاتے بلکہ بسا اوقات اُن کے خادموں اور سواریوں کی بھی خود خبر گیری فرماتے تھے۔آپ کی کشف و کرامات سورج سے زیادہ روشن ہیں۔

کرامات

1- عبداللہ خان والئی توران نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان خیمہ کھڑا ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ایک بزرگ بارگاہ اقدس کے دروازے پر ہاتھ میں عصا لیے عرض بیگی (وہ شخص جو لوگوں کی درخواستیں بادشاہ یا کسی امیر کے حضور پیش کرے) کی خدمت میں بجا لا رہے ہیں اور خلائق کے معروضات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کر کے جواب لا رہے ہیں۔چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بزرگ کے ہاتھ ایک تلوار مجھے ارسال فرمائی اور انھوں نے آ کر میری کمر میں لٹکا دی۔اس کے بعد عبداللہ خان کی آنکھ کھل گئی اور لوگوں کو اُس بزرگ کا حلیہ بتا کر تلاش شروع کر دی اُس کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ اس حلیہ کا بزرگ حضرت خواجہ امکنگیؒ ہیں۔بادشاہ بہت خوش ہوا اور بڑے شوق سے ہدایا و تحائف لے کر حاضر خدمت ہوا۔آپ کا حلیہ مبارک بعینہٖ وہی پایا جو خواب میں دیکھا تھا۔نہایت تواضع اور نیاز مندی سے نذرانہ قبول کرنے کی التماس کی مگر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے قبول نہ کیا اور

فرمایا کہ فقر کی حلاوت وشیرینی، نامرادی اور قناعت میں ہے۔ بادشاہ نے آیہ شریفہ

اَطِیْعُو اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنکُمْ (پارہ:5،سورۂ نساء، ع:8، آیہ:59) — حکم مانو اللہ اور اُس کے رسول کا اور اُن کا جو تم میں اختیار والے ہیں۔

پیش کی، تب آپ نے مجبوراً قبول فرمالیا۔ اس کے بعد بادشاہ ہر روز صبح کے وقت نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا۔

پیر محمد خان والئی ماوراء النہر نے پچاس ہزار سواروں کے ساتھ سمر قند پر چڑھائی کی۔ حاکم سمر قند، باقی محمد خاں کے پاس صرف چودہ ہزار سوار و پیادہ تھے۔ وہ بغرض استمداد حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس پر آپ نے پیر محمد خاں کے پاس تشریف لے جا کر اُسے نصیحت کی مگر وہ صلح وآشتی پر رضامند نہ ہوا اور آپ خفا ہو کر واپس آ گئے۔ پھر باقی محمد خاں سے فرمایا کہ اگر تو دل سے تائب ہو جائے کہ آئندہ خلق خدا پر کبھی ظلم و تشدد نہیں کرے گا اور عدل وانصاف سے حکومت کرے گا تو فتح ونصرت تیرے قدم چومے گی باقی محمد خان نے عہد کیا کہ میں آئندہ ظلم وتشدد نہ کروں گا۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ جاؤ! جا کر حملہ کرو۔ ماوراء النہر کی سلطنت تجھے مبارک ہو۔ یہ فرما کر دستِ شفقت اُس کی پیٹھ پر رکھا اور اپنی تلوار مبارک اس کی کمر پر باندھ کر روانہ کیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے آپ بھی درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کے کنارے پر ایک پرانی مسجد میں روبقبلہ مراقب ہو بیٹھے اور بار بار سر اقدس اٹھا کر پوچھتے تھے کہ کیا خبر ہے؟ دریں اثنا یہ خبر آئی کہ باقی محمد خان نے فتح پائی اور پیر محمد خان مارا گیا ہے۔ اس پر آپ مراقبہ سے اُٹھ کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔

3- آپ کا ایک مرید درویش بیان کرتا ہے کہ ایک رات آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ میں بھی دیگر خدام کے ساتھ ہمر کاب تھا۔ میرے پاؤں ننگے تھے۔ اتفاقاً ایک کانٹا چبھا جس سے میں بے قرار ہو گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر حضرت مجھ کو جوتا عنایت فرماتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپ نے اس خیال سے آگاہ ہو کر فرمایا:

"اے بھائی! جب تک پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا، پھول ہاتھ نہیں آتا۔"

4- ایک دفعہ تین طالب علم مختلف ارادوں سے آپ کی خدمت میں آئے۔ ایک نے نیت کی اگر حضرت فلاں قسم کا کھانا کھلائیں تو بے شک صاحب کرامت ہیں۔ دوسرے نے دل میں کہا کہ اگر فلاں قسم کا میوہ مجھے عطا فرمائیں تو ولی ہیں۔ تیسرے نے خیال کیا کہ اگر فلاں حسین لڑکے کو مجلس میں حاضر کر دیں تو صاحبِ خوارق ہیں۔ حضرت اقدس نے پہلے دونوں کو تو اُن کے خیال وخواہش کے مطابق کھانا اور میوہ عطا کیا۔ مگر تیسرے کو فرمایا کہ درویشوں نے جو کمالات حاصل کیے ہیں وہ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کے اتباع سے کئے ہیں لہٰذا ان سے کوئی کام خلافِ شرع صادر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تینوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ امر مباح کی نیت سے بھی درویشوں کے پاس نہیں آنا چاہیئے کیونکہ بسا اوقات وہ ایسے کاموں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور آنے والے بداعتقاد ہو کر

ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔فقراء کے ہاں کرامتوں کا کوئی اعتبار نہیں، اُن کے پاس خالصۃً لوجہ اللہ آنا چاہیئے کہ فیض باطنی کا کچھ حصہ مل سکے۔

حق گوئی وبیباکی

ایک دفعہ آپ کے قصبہ امکنہ میں دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔آپ تمام معاملہ سے آگاہ تھے۔جب دونوں آدمیوں نے فیصلہ کے لیے قاضی کی طرف رجوع کیا تو قاضی صاحب نے آپ سے شہادت طلب کی۔آپ نے اُس شخص کی حمایت میں شہادت دی جو جائز حقدار تھا۔فریق مخالف نے کہا کہ جب تک آپ قسم نہ کھائیں ہم ان کی شہادت نہیں مانتے۔اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ

''سچی قسم کھانا شریعت مطہرہ میں جائز ہے لہذا میں شرعی کام میں تاخیر نہیں کروں گا۔''

وفات

آپ نے اپنی وفات سے چندروز پہلے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کو ایک خط لکھا تھا جس کے آخر میں دو شعر درج تھے۔

زماں تاز زمان مرگ یاد آیدم
ندانم کنوں تاچہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہرچہ پیش آیدم شایدم

اس خط کے پہنچتے ہی آپ کی وفات ہوگئی۔اُس وقت آپ کی عمر شریف نوے برس کی تھی اور تاریخ وفات 22 شعبان 1008ھ بمطابق 1600ء ہے۔قصبہ امکنہ میں آپ کا مزار مقدس بنا۔

برصغیر پاک وہند کی سرزمین آپ کی احسان مند ہے کہ آپ نے اپنے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کو یہاں بھیجا تاکہ روحانیت کی پیاسی یہ سرزمین بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فیوض وبرکات سے مسفید ہو مستفیض ہو۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔آمین

(23)

حضرت خواجہ مؤیدالدین محمد باقی باللہ قدس سرہٗ

	971ھ	1012ھ
کابل	ـــــــــــ	دہلی (انڈیا)
	1564ء	1603ء

مادۂ تاریخ وفات

''صاحب افضل''	''غیب''	''فخر اسلام''	''ذاکر کامل''
1012ھ	1012ھ	1012ھ	1012ھ
''حبیب ومرشدِ گیتی''	''بحر معرفت بود''	''نقشبند وقت''	''پاک وسخی بادشاہ''
1012ھ	1012ھ	1012ھ	1012ھ

''حبیب سخی شاہ جواد'' 1012ھ

''واعلموا ان اللہ مع المتقین'' (آیت شریف) 1012ھ

(23) حضرت خواجہ مؤید الدین محمد باقی باللہ قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد باقی عرف باقی باللہ قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت 5 ذوالحجہ 971ھ بمطابق 15 جولائی 1564ء کو کابل (افغانستان) میں ہوئی جہاں آپ کے والد گرامی قاضی عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک عرصے سے اپنے قبائل سمیت سکونت پذیر تھے۔ قاضی صاحب، صاحبِ وجد و حال، اربابِ فضل و سخا اور صاحبانِ کشف و کرامت میں سے تھے، کابل ہی میں شادی کر کے مستقل طور پر رہ پڑے تھے۔ آپ کا قلب مبارک اس قدر نرم تھا کہ خوفِ الٰہی سے اکثر گریہ و بکا میں رہتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں بڑے علماء کو شیوخ کے لقب سے سرفراز کیا جاتا تھا اس وجہ سے قاضی صاحب کو بھی شیخ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ ترک خلجی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے بزرگی و ہمت اور تجرید و تفرید کے آثار حضرت خواجہ باقی باللہ کی پیشانی سے ظاہر تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

اُن ایام میں بعض اوقات آپ تمام دن گوشۂ تنہائی میں گزار دیتے تھے۔ مولانا صادق حلوائی[1] جو کابل کے علماء کبار میں سے تھے، سے علومِ رسمی کی تعلیم شروع کی اور اُن کی رفاقت میں کابل سے ماوراء النہر چلے گئے۔ اپنی علوِ فطرت کے سبب سے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے ہم عصروں میں امتیاز حاصل کر لیا۔

علومِ رسمی کا ابھی کچھ حصہ باقی تھا کہ آپ کو درویشی کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس لیے آپ ماوراء النہر کے شہروں میں جو اُن دنوں مشائخ کبار کا مخزن و معدن تھا اولیاء اللہ کی تلاش میں گشت لگاتے پھرے۔ بعضوں سے استفادہ کیا اور بعضوں کے ہاتھ پر توبہ و انابت کی تجدید کی چنانچہ آپ خود یوں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] مولانا صادق حلوائی کا وطن سمرقند تھا۔ جب وہ 978ھ میں حج سے واپس تشریف لائے تو شہنشاہ اکبر کے چھوٹے بھائی مرزا حکیم نے جو کابل کا حاکم تھا، مولانا سے درخواست کی کہ وہ کچھ عرصہ کابل تشریف لا کر انھیں اور وہاں کے لوگوں کو اپنے علمی فیض سے مستفید ہونے کا موقعہ دیں۔ لہٰذا وہ اُس کی فرمائش پر کچھ عرصہ کابل میں درس دیتے رہے۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے بھی اُن سے تعلیم حاصل کی۔ وہ بہت بڑے عالم و فاضل اور خوشگو شاعر بھی تھے۔ اُن کے بھائی ملا علی محدث سمرقندیؒ بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ مولانا صادق حلوائی ہندوستان بھی آئے تھے۔ کچھ عرصہ علم و فضل کے خزانے لٹانے کے بعد واپس وطن تشریف لے گئے اور 981ھ میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو۔

دل گم شد و نمی دہم کس نشان ازو — درخندہ است لعل نو دارم گمان ازو
ضمیر دوست چوں آئینہ در [illegible] — در و معائنہ پیدا ست آنچہ در دل ماست
در عشقت کم ز تو پنہاں در دل و جان داشتم — [illegible] از چہ ام ہر چند پنہاں داشتم



مزارِ مبارک حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ

دھلی۔ بھارت



مزارِ مبارک حضرت خواجہ باقی اللہ علیہ الرحمہ
دھلی۔ بھارت

''پہلے پہل خواجہ عبید اللہ کی خدمت میں گناہوں سے توبہ کی گئی لیکن رجوع کا خیال اور ترک کا عزم باطن میں تھا اور فاتحہ کی التماس ظاہر میں۔ خواجہ عبید اللہ، مولانا لطف اللہ کے خلفاء میں سے تھے اور مولانا لطف اللہ مولانا خواجگی دہیدی علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے مگر جب استقامت کی توفیق حاصل نہ ہوئی تو دوسری بار حضرت بندگان، افتخار شیخ کی خدمت میں توبہ کی گئی جو سمرقند میں تشریف رکھتے تھے اور حضرت خواجہ احمد بسویؒ کے سلسلہ کے اکابر میں سے تھے۔ اگرچہ شیخ سمرقندی راضی نہ تھے اور فرماتے تھے کہ تم ابھی جوان ہو، لیکن چونکہ فقیر کا ارادہ مصمم تھا، ناچار آپ نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ خدا استقامت بخشے۔ ان بزرگوں کی فراست کے مطابق عزیمت درہم برہم ہوگئی اور عجیب خرابی پیدا ہوئی۔ تیسری مرتبہ فقیر کے مقصد و اختیار کے بغیر حضرت امیر عبد اللہ خلجی کی خدمت میں ازسرِ نو توبہ ظہور میں آئی۔ یہ غیر مترقب نعمت تھی۔ اُمید ہے کہ ان بخششوں کی برکتیں قیامت تک رہیں گی۔ القصہ کچھ مدت اور نگہداشت حدود کے مقام میں رہا۔ پھر اسم المضل کی تاثیر نے اس دیوار کو توڑ دیا۔ آخر کار خدائے بے نیاز کی ہدایت سے خواب میں خواجہ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین قدس سرہٗ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور اُن کی خدمت میں صورتِ توبہ منعقد ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف میلان ظہور میں آیا۔ فقیر بموجب

الغريق يتشبث بكل حشيش ڈوبنے والا ایک ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔

ہر طرف ہاتھ مارتا تھا۔ انجام کار مخدوموں میں سے بعض نے فرمایا کہ ذکر وہی نتیجہ خیز ہے جو بطریق عنعنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچے۔ میری تشنگی و بے قراری نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ اُسی بزرگ سے ذکر و مراقبہ کا طریق حاصل کیا جائے۔ چنانچہ دو سال اُسی مخدوم کے بتائے ہوئے ذکر و مراقبہ اور اوراد کی پابندی کی گئی۔ میرے سننے میں آیا تھا کہ سالک جب تک قریباً چالیس سال لا الہ کے میدان کو طے نہیں کرتا، الا اللہ کی منزل پر نہیں پہنچتا۔ اس لیے سادہ لوحی یہ خیال دلاتی تھی کہ عمر ذکر میں گزرنے کو غنیمت سمجھ اور اسی طرح کی عبادت پر قناعت کر۔ اگرچہ اس اثنا میں دوسرے طریقہ کے سلوک کے لیے غیبی اشارے ظہور میں آتے تھے۔ مگر اپنے مضبوط قدم کو جگہ سے نہ اُٹھاتا تھا اور اسی طبقہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کی زمین کرم میں وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ (پارہ: 24 سورۃ حٰمٓ السجدہ، آیت: 31) (اور تمہارے لئے ہے اس میں جو تمہارا جی چاہے) کا بیج بوتا تھا بدیں اُمید کہ ان شاء اللہ العزیز آخر کار کسی بزرگ کا دستِ کرم اس بیج کو ما لا عین رأت ولا اُذن سمعت کی نہر سے سیراب کرے گا آخر کار 999ھ میں فقیر کشمیر میں پہنچا اور حضرت بابا والی قدس اللہ سرہٗ العالی کی ملازمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا

اور اُن کی نظر کی برکتوں سے بہرہ مند ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ان چیزوں سے قبول کا دروازہ کھل گیا۔ چونکہ حضرت شیخ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بھی اجازت تھی اور فقیر طالب کی استعداد اس بزرگوار کے آستانہ کی طرف متوجہ تھی۔ اس لیے اس خانوادہ کی کھڑکی سے فیضانِ الٰہی پہنچنا شروع ہوا۔ جب حضرت شیخ 15 صفر 1001ھ کو انتقال کر گئے تو حضرات خواجگان نقشبندیہ کی غیبت معہودہ جلوہ گر ہوئی اور اُن کی پاک روحیں مبشرات میں نظر آنے اور طرح طرح کی تلقین کرنے لگیں۔ اُن کی توجہ کی برکت سے اس نسبت میں قوت پیدا ہوگئی اور غیبت کا دائرہ وسیع اور راستہ روشن ہوگیا اور ایک قسم کی جمعیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ اُن کی عنایات کی کشش سے مخدومی حقائق پناہی ارشادِ دستگاہی حضرت مولانا خواجہ محمد مقتدیٰ امکنگی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں رسائی ہوگئی اور خوشی و رغبت سے اُن سے بیعت و مصافحہ کر کے خواجگان کا طریقہ حاصل کیا گیا۔ حضرت کی ملازمت خواجہ نقشبندؒ اور ان کے خلفاء کی پاک روحوں کے طفیل سے اس راستے کے چلنے والوں اور اُس درگاہ کے نیازمندوں کے سلسلہ میں داخل ہوگیا۔ یا اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھنا اور مسکینی کی حالت میں موت دینا اور مسکینوں کے زمرہ میں اُٹھانا۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ تلاش مرشد میں دہلی بھی تشریف لائے اور حضرت شیخ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں اُن کے صاحبزادے شیخ قطب العالم کے پاس رہے۔ اُسی زمانے میں شیخ قطب العالم کو کشف سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کو فیض روحانی مشائخ بخارا سے حاصل ہوگا لہٰذا اُنھوں نے اس کا ذکر حضرت خواجہؒ سے کیا اور اُنھیں بخارا روانہ کیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ سے بیعت ہونے سے پیشتر آپ جب ہندوستان تشریف لائے تو یہاں آپ کے ہمسروں میں سے بعض لوگوں نے جو شاہی مناصب پر مامور تھے، آپ کی مادی ترقی کی غرض سے چاہا کہ آپ بھی اربابِ لشکر کے زمرہ میں داخل ہو کر دنیوی دولت و متاع سے تونگری حاصل کریں، لیکن چونکہ آپ کی قسمت میں دولت دین و متاع کی تونگری مقدر تھی، اس لیے اُن کی کوشش رائیگاں گئی۔ ایک درویش جو آپ کے ہمراہ تھا، بیان کرتا ہے کہ آپ نے سالکوں اور مجذوبوں کی تلاش میں اس قدر کوشش کی کہ اُس سے بڑھ کر طاقتِ بشری سے متصور نہیں۔ شہر لاہور میں برسات کے موسم میں کیچڑ کی کثرت سے گلی کوچوں میں گزرنا بہت دشوار تھا۔ مگر آپ باوجود نازک تنی کے بہت سی گزرگاہوں، پہاڑوں، ویرانوں، قبرستانوں، بیابانوں اور باغوں کو ارباب باطن کی ملاقات کے شوق میں روندتے پھرتے تھے۔ ایک روز میرے دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ آپ نے ہر چند منع کیا مگر میں باز نہ آیا۔ جب میں نے چند کوچے آپ کی رفاقت میں طے کیے تو کیچڑ کی کثرت کے سبب سے میں تھک گیا اور

میرے پاؤں میں درد ہونے لگا۔ بپاس ادب وحیا اپنا حال ظاہر نہ کرسکتا تھا یہاں تک کہ خود آپ نے میرے حال سے آگاہ ہوکر مجھے واپس کر دیا۔ اس وقت میں نے جان لیا کہ آپ ظاہری قدموں سے نہیں بلکہ دوسرے قدموں سے یہ راہیں طے کر رہے ہیں۔

قطع ایں راہ بجز پائے جنون نتواں کرد

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا ایک اور رفیق بیان کرتا ہے کہ اُن دنوں شہر لاہور کے ایک باغ وقبرستان کے قریب ایک عجیب مجذوب صاحب احوال تھا۔ آپ کو اس کے حال سے آگاہی ہوئی تو اُس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتے۔ وہ جس وقت آپ کو دیکھتا تو سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتا۔ کبھی آپ پر پتھر پھینکتا اور کبھی آپ سے متنفر ہو کر کسی اور جگہ بھاگ جاتا لیکن حضرت خواجہ قدس سرہٗ طلبِ صدق کے سبب سے اُس کا پیچھا نہ چھوڑتے حتیٰ کہ ایک روز اُس دیوانہ صورت فرزانہ سیرت کی رگ مہربانی حرکت میں آئی اور اپ کو اپنے پاس بلا کر حصول مراد کے لیے توجہات اور دعائیں کیں۔ جن کی برکت سے آپ کو فوائد حاصل ہوئے۔

مولانا محمد ہاشم کشمی اپنی کتاب مستطاب ''زبدۃ المقامات'' میں لکھتے ہیں کہ ایک صادق القول صاحب دل نے جو اُس وقت حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا، مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ابھی ہندوستان سے ماوراء النہر تشریف نہ لے گئے تھے۔ کہ ایک روز لاہور کی ایک مسجد میں نماز فرض ادا کرنے کے لیے تشریف لائے۔ دورانِ نماز آپ کے سینہ سے ایک ہیبت ناک آواز ظاہر ہوئی جس سے تمام نمازی حیران و پریشان ہوئے۔ امام کے سلام پھیرتے ہی آپ نہایت سرعت سے مسجد سے نکل گئے اور اُس دن کے بعد دو تین ساتھیوں کو جمع کر کے اپنے مکان پر جماعت کرالیا کرتے تھے۔

ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ جو لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، اُن میں سے ایک میں بھی تھا۔ ایک روز میں نے اثنائے نماز میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کا رخ مبارک قبلہ کی طرف ہے اور ہماری طرف بھی اور ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر مجھے رعشہ طاری ہوگیا۔ تھرتھراتے ہوئے بڑی دشواری سے میں نے نماز پوری کی اور جو کچھ دیکھا تھا وہ سب آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

مندرجہ بالا دونوں واقعات اس امر پر شاہد حال ہیں کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال تبعیت و مناسبت حاصل تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ روایت ہے کہ نماز میں آپ کے سینۂ انور سے ایک ایسا جوش اُٹھتا تھا کہ جس کی آواز ایک میل تک پہنچتی تھی اور یہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل سے ہے کہ آپ جس طرح سامنے دیکھتے تھے بالکل اُسی طرح پیچھے سے بھی آپ کو ہر چیز نظر آتی تھی کیونکہ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کیفیت وفوقیت ہر وقت حاصل تھی۔ پس حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے اس بزرگ کو اگر نماز میں جو معراج مومن ہے، نبی رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غایت اتباع کے سبب سے کسی وقت یہ دولت حاصل ہو جائے تو محال نہیں۔ کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ تابع کامل کو متبوع کے کمالات سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔

اگرچہ آپ کو یہ حالات و کمالات حاصل تھے اور طالبانِ حق کا رجوع بھی آپ کے آستانہ کی طرف کثرت سے تھے لیکن آپ کی (ا) عالی ہمت، (۲) مشیخیت اور (۳) تعلیم طریقت پر مائل نہ ہوئی۔ بلکہ ہندوستان سے ماوراء النہر اور بلخ و بدخشاں تک کشاں کشاں لے گئی تا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل کے بزرگوں کی صحبت میں پہنچ کر فوائد حاصل کریں اور احوال حاصلہ کی تصحیح فرمائیں۔ اس سفر میں آپ مولانا شیر غانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر وہاں سے سمرقند روانہ ہوئے۔ راستے میں ہندوستان کے بعض دوستوں کو آپ نے ایک خط لکھا جس کا آغاز اس شعر سے کیا۔

من از محیطِ محبت نشاں ہمے دیدم
کہ استخوان عزیزاں بساحل اُفتاد است

اسی سفر میں آپ ماوراء النہر کے ایک شہر کو جا رہے تھے کہ حضرت خواجہ محمد مقتدیٰ امکنگی قدس سرہٗ واقعہ میں آپ پر نمودار ہوئے اور فرمانے لگے۔

''اے فرزند! چشم ما براہِ شما است'' ''اے بیٹے! ہماری نظریں تمھاری راہ پر لگی ہوئی ہیں''

آپ اس واقعہ سے بہت خوش ہوئے اور بے ساختہ یہ شعر آپ کی زبان پر جاری ہو گیا۔

مے گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں	میں غم سے آسودہ جا رہا تھا کہ اچانک گھات میں سے
عالم آشوب نگاہے سرِ راہم بگرفت	ایک جہاں آشوب نگاہ نے مجھے راستے میں گھیر لیا۔

المختصر جب آپ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے آپ پر نہایت عنایات و رعایات مبذول فرمائیں اور آپ کے احوالِ حاصلہ سن کر آپ کو تین دن رات اپنی صحبت میں رکھا اور بعض مزید فوائد کی اطلاع دے کر فرمایا کہ تمھارا کام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کے اکابر کی روحانیت کی تربیت سے انجام کو پہنچ گیا ہے لہذا اب تم پھر ہندوستان چلے جاؤ تا کہ تمھارے ذریعہ سے یہ سلسلہ عالیہ وہاں پوری رونق پائے اور وہاں کے عالی قدر مستفید تمھاری تربیت کی برکت سے کامیابی حاصل کریں۔

آپ نے انتہائی عاجزی و انکسار سے بہت عذر پیش کیے مگر حضرت خواجہ امکنگی قس سرہٗ کا اصرار بڑھتا گیا اور استخارہ کا حکم دیا۔ آپ نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ اگر وہ طوطی شاخ سے اُڑ کر میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ جائے تو میرے لیے اس سفر میں بہت سے فتوح ظاہر ہوں گے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ طوطی اُڑ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھا اور میں نے اپنا لعاب دہن اُس کے منہ میں ڈالا اور اُس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ اگلے دن استخارہ کا سب حال حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ

''وہ طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے اور ہندوستان میں تمھارے دامنِ برکت سے ایک بزرگ کا ظہور ہو گا اور اس سے تم بھی بہرہ ور ہو گے۔''

یہ ارشاد سن کر آپ عازم ہندوستان ہو گئے۔

جب حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کے پرانے خدمت گزاروں کو معلوم ہوا کہ آپ کو صرف چند روز صحبت میں خلافت اور اجازتِ کاملہ عنایت فرما کر ہندوستان کی طرف جانے کا حکم دیا ہے تو انھوں نے غیرت کے مارے شور مچایا۔ یہ خبر جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ

''تم کو معلوم نہیں کہ یہ جوان درجۂ تکمیل کو پہنچا ہوا تھا۔ وہ ہمارے پاس صرف اپنے احوال حاصلہ کی تصحیح کے لیے بھیجا گیا تھا اور یہ لازم وضرور ہے کہ جو شخص جیسا آئے گا، ویسا جائے گا۔''

الغرض آپ بیابانِ ہندوستان کے تشنہ لبوں کے لیے ابرِ رحمت بن کر اس طرف روانہ ہوئے اور زمانہ نے بزبانِ حال یہ شعر پڑھا۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ مے رود

جب آپ ہندوستان پہنچے تو ایک سال شہر لاہور میں رہے۔ وہاں کے بہت سے علماء وفضلاء آپ کی محبت کے گرویدہ واسیر ہو گئے۔ بعد ازاں شہر دہلی میں جو دار الاولیاء اور بیت الفقراء تھا، تشریف لائے۔ روایت ہے کہ جب آپ لاہور سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں ایک عاجز درماندہ، شخص پر نظر پڑی جو کہ پیدل جا رہا تھا آپ نے گھوڑے سے اُتر کر اس شخص کو تو گھوڑے پر بٹھا دیا اور خود منزل تک پیدل سفر کیا۔ اس دوران سر پر چادر ڈالے رکھی تاکہ کوئی جاننے والا آپ کے اس عملِ خیر سے واقف نہ ہو جائے۔ جب منزل کے قریب پہنچے تو گھوڑے پر سوار ہو گئے تاکہ یہ کارِ خیر پردۂ اخفا میں رہے۔

دہلی کا شہر چونکہ سارے ہندوستان میں مرکزی حیثیت کا حامل تھا اور ہمیشہ سے اولیائے کرام کا مستقر رہا ہے اس لیے آپ دہلی پہنچ کر قلعہ فیروز شاہ میں مقیم ہو گئے جو اس زمانہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا اور نہایت دلکش اور پر فضا مقام تھا۔ اس قلعہ کی مسجد بہت شاندار تھی۔ آپ تادم آخریں وہیں سکونت پذیر رہے۔

دہلی پہنچنے کے بعد روحانی حلقوں میں بہت جلد آپ کی شہرت ہو گئی اور دُور دراز سے طالبانِ حقیقت آپ کے پاس رشد و ہدایت کے لیے حاضر ہونے لگے۔ بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے معتقد ہو گئے تھے چنانچہ شیخ فرید بخاری، عبد الرحیم خانخاناں مرزا قلیج خان، صدر جہاں وغیرہ آپ کے معتقد و نیاز مند تھے۔ ان سب امراء کے ذریعہ آپ اکبر بادشاہ کی ملحدانہ پالیسی کے برے اثرات دُور کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات میں ان امراء کو سنت اور شریعت نبوی کی پابندی کی بار بار نصیحت فرمائی ہے اور انھیں اسلامی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ہے۔

ا جب آپ سرہند شریف کی حدود میں پہنچے تو آفتاب کی سی روشنی اُس شہر کے گرداگرد پھیلی ہوئی تھی۔ یہ حال مشاہدہ کر کے کمال حیرت ہوئی۔ رجال الغیب میں سے ایک نے آواز دی کہ مرشد کامل نے جس مرد کی بشارت فرمائی ہے وہ اسی سرزمین میں مشغول خدا پرستی ہے لیکن ازلی فرمان کا مضمون یہ ہے کہ اُس کو دہلی مقام پر آپ کی مصاحبت میں داخل کریں گے۔ لہٰذا اب مزید جستجو کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (گلزار ابرار ص 479)

آپ علماء اور سادات کا بہت احترام کرتے تھے، شرعی معاملات میں بالعموم پرہیزگار علماء وفقہاء سے رجوع فرماتے تھے اور فتویٰ حاصل کرنے والوں کو انھی علماء کی طرف بھیجتے تھے اور تمام درویشوں کو شریعت کی پابندی کی نصیحت فرماتے تھے بلکہ مرید کرنے سے زیادہ آپ شریعت کے احیاء اور تبلیغ پر زور دیتے تھے۔ کسی کو بڑے اصرار اور طویل آزمائش کے بعد مرید کرتے تھے۔

آخر وہ وقت آیا کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی 1008ھ بمطابق 1599ء میں سرہند شریف سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب دہلی پہنچے تو آپ (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کے روحانی بلند مقامات کا علم ہوا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نہایت بشاشت اور مہربانی سے پیش آئے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی درخواست پر اُن کو بیعت کرلیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کو دہلی آنے کے بعد رشد و ہدایت کی تبلیغ کے لیے صرف تین سال میسر آئے۔ پھر بھی ہزاروں انسان آپ سے فیضیاب ہوئے اور اس تھوڑی سی زندگی میں آپ نے بندگان خدا میں ایسا تصرف فرمایا کہ اکثر مشائخ وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ سے تلقین پائی اور آپ کے انوار و برکات تمام روئے زمین میں پھیل گئے۔ جب امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ سے فیض یاب ہوگئے تو آپ نے اپنے تمام مریدوں کی تعلیم و تربیت حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سپرد فرمادی اور آخری سال میں خود بالکل گوشہ نشین ہوگئے تھے۔

آپ کے غلبہ عشق الٰہی کا یہ حال تھا کہ جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتا اور اگر ہوش میں رہتا تو اشکباری کرتا ورنہ بے ہوش ہو جاتا اور اُس کو دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہتی۔ ایک مرتبہ ایک فوجی افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا گھوڑا دروازے کے باہر خادم کے سپرد کر کے اندر آ گیا، آپ اس وقت کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ جب اندر آنے لگے تو آپ کی نظر اس خادم پر پڑ گئی جو گھوڑا سنبھالے ہوئے تھا۔ آپ کی نظر پڑتے ہی اُس پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ گھوڑے کو چھوڑ کر کپڑوں کو پھاڑتا، چیختا چلاتا دیوانوں کی طرح نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے تلاش کیا گیا مگر اُس کا کہیں سے بھی پتہ نہ چلا۔

اسی طرح ایک مرتبہ نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے جب خطیب منبر پر گیا تو اتفاقیہ اُس کے چہرے پر آپ کی نظر پڑ گئی اور نظر سے نظر مل گئی۔ بس وہ اسی وقت کلیجہ تھام کر رہ گیا اور بے قرار ہو کر نیچے گر پڑا، اس کے بعد اُس میں خطبہ پڑھنے کی طاقت نہ رہی۔ دوسرے خطیب نے خطبہ پڑھا اور آپ نے نماز پڑھائی۔

عجز و انکسار کی نسبت آپ پر ایسی غالب تھی کہ اگر کسی طالب سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی تو فرماتے، یہ بیچارے فقیر کیا کریں، یہ تو ہماری ہی بدصفتی کا اثر ہے جو ان پر منعکس ہو رہا ہے۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی طالب آپ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتا تو بہت سے عذر کرتے اور فرماتے کہ میں کس لائق ہوں۔ تم نے جو گمان کیا ہے میں اُس کے شایاں نہیں۔ تم کسی اور جگہ جاؤ۔ اگر کوئی رہبر ملے تو مجھے بھی اطلاع دینا تاکہ ہم بھی اُس کی خدمت میں حاضری کا

شرف حاصل کر سکیں مگر صادق العقیدہ طالب آپ کے آستانہ مبارک کو نہ چھوڑتے اور مقصود کو پہنچتے۔

کہتے ہیں کہ ایک خراسانی جوان حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار مبارک کا مجاور تھا اور حضرت کی روحانیت سے ایک ایسے پیر کامل کا طالب تھا جو قید حیات میں ہو۔ جب حضرت خواجہ باقی باللہ دہلی میں رونق افروز ہوئے تو اُس جوان کو واقعہ میں دکھایا گیا کہ طریقہ نقشبندیہ کا ایک بزرگ اب شہر میں وارد ہوا ہے۔ تم اُس کی خدمت کو لازم پکڑو۔ چنانچہ وہ جوان حسب الامر آپ کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کر کے قبولیت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسکین اپنے آپ کو اس کے شایان نہیں سمجھتا، وہ کوئی دوسرا ہوگا۔ جب آپ نے بطریق انکسار بہت سے عذر کیے تو وہ جوان واپس چلا گیا۔ دوسری رات پھر واقعہ میں اس سے کہا گیا کہ پیر کامل وہی بزرگ ہیں جن کی خدمت میں تم حاضر ہوئے اور ان کی انکساری دیکھی، دوسرے روز وہ آپ کے آستانہ پر ایسا آیا کہ پھر واپس نہ گیا اور شرف قبولیت حاصل کیا اور دیکھا جو دیکھا۔

اسی طرح آپ کے خلیفہ حسام الدینؒ کا بیان ہے کہ میں حسب الارشاد پیر کامل کی تلاش میں آگرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس شہر میں پہنچ کر حیران و پریشان تھا کہ کیا کیا جائے اور دل میں کہتا تھا کہ آپ کے آستانہ پر حاضر ہو کر عرض کروں گا کہ میں نے آپ کے ارشاد کی تکمیل کی تھی، مگر جیسا بزرگ آپ فرما رہے تھے مجھے نہیں ملا۔ اسی اثنا میں ایک راستے سے میں گزر رہا تھا کہ ایک مکان سے راگ کی آواز آئی۔ کان لگا کر بغور جو سنا تو قوال حضرت سعدیؒ کا یہ شعر گا رہے تھے۔

تو خواہی آستیں افشاں و خواہی دامن اندر کش
مگس ہرگز نخواہد رفت از دکان حلوائی

یہ شعر سن کر مجھے مزید اشتیاق پیدا ہوا اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ماجرا بیان کیا اور پایا جو پایا۔

لاہور کے ایک فقیر نے واقعہ میں دیکھا کہ حضرت خواجہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہیں اور بہت سے لوگ آپ کے پیچھے پیچھے ہیں اور کہہ رہے کہ "یہ قطب وقت ہیں بعد ازاں اُس درویش نے حاضر خدمت ہو کر قبولیت کی درخواست کی۔ آپ نے حسب معمول عذر پیش کیا۔ وہ بیچارہ مسجد میں آ کر درویشوں کے مجمع میں رو رو کر کہنے لگا کہ

"یارو! کیا ناز و گداز ہے کہ اپنا جمال دکھا کر میرا دل لے لیا ہے، اب جو نا شاد و خانہ خراب حاضر خدمت ہوا ہوں، تو یوں جواب دیتے ہیں اور آستانہ نکالتے ہیں۔ کیاں کروں اور کہاں جاؤں۔"

اس نے اس ماجرہ کو ایسے انداز و پیرایہ میں بیان کیا کہ بہت سے حاضرین بے ہوش ہو گئے اور عجیب شور برپا ہوا، یہاں تک کہ آپ کے کان تک پہنچا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ شور کیسا؟ عرض کیا گیا۔

کز لب شیریں تو شوریست در ہر خانہ

آپ نے تبسم فرمایا اور اُس درویش کو بلا کر تلقین و ارشاد سے سرفراز فرمایا۔

تا نگرید طفل کے جو شد لبن
تا نگرید ابر کے خندد چمن

صاحبِ ''زبدۃ المقامات'' مولانا محمد ہاشم کشمی کا بیان ہے کہ ایک روز میں ایک مسجد کے گوشہ میں تنہا بیٹھا ہوا تھا مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک فقیر دوسرے فقیر سے شیوۂ اولیاء اللہ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ اسی ضمن میں اُس نے کہا کہ میں نے عمر بھر میں ایک شخص کو دیکھا ہے جو بے نفسی اور بردباری میں اس زمانہ میں مثل ہے اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کا نام لیا۔ پھر بیان کیا کہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار شریف پر تھا کہ ناگاہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہٗ تشریف لا رہے ہیں۔ خدام نے مزار شریف کے قریب آپ کے لیے ایک تخت بچھایا اور اس پر فرش و تکیہ لگایا۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ایک آزاد فقیر آیا، اس کی نظر جو تخت و فرش پر پڑی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس کے لیے ہے۔ خدام نے کہاں کہ فلاں بزرگ کے لیے ہے۔ یہ سن کر وہ آپ کو سخت سست کہنے لگا۔ اسی اثنا میں آپ بھی جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر وہ اور بھی برافروختہ ہوا اور آپ کے سامنے ہرزہ گوئی کر کے کہنے لگا کہ اے شخص! تو ایسی کون سی لیاقت رکھتا ہے کہ یہاں تیرے واسطے فرش بچھایا جائے۔ آپ کے ہمراہ جو درویشوں کی بڑی جماعت تھی۔ وہ یہ سن کر غیض و غضب میں آ گئی اور چاہتی تھی کہ اُس بے لگام فقیر کو تنبیہ کرے۔ مگر آپ نے اپنی خشم آلود نگاہ سے سب کو اس ارادے سے باز رکھا اور خود اس بدزبان فقیر کے پاس جا کر بڑی نرمی سے عذر کیا اور فرمایا کہ میں کسی لائق نہیں، آپ جو کچھ فرماتے ہیں درست ہے۔ یہ سارا تکلف میرے اشارے اور علم کے بغیر ہوا ہے، آپ معاف کیجیے اور مجھ بدنصیب کے پیچھے اپنا مغز خالی نہ فرمائیے۔ آپ زبان مقدس سے یہ فرماتے جاتے تھے اور اپنی آستین مبارک کے ساتھ اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے تھے اور اظہارِ تواضع فرما رہے تھے۔ چند درہم جو اُس نے مانگے تھے، اُسے دے رہے تھے۔

راوی کا قول ہے کہ میں نے کسی طرح کا تغیر و تذبذب حضرت خواجہ کے حال و قال میں نہ دیکھا، اُس وقت مجھے یقین ہو گیا نفس کشی جسے کہتے ہیں وہ اس عالم میں موجود ہے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مخلص اُمرا، آپ کی خدمت میں سیم و زر (روپیہ پیسہ) اس غرض سے بھیجتے تھے کہ آپ کے صوابدید و رائے سے فقراء میں تقسیم کیا جائے۔ خلق اللہ پر شفقت کی وجہ سے وہ رقم خود مستحققین میں تقسیم فرماتے اور اس ضمن میں اپنے ہاں سے بھی کچھ دیتے۔ آپ کی شفقت و ترحم کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ لاہور میں قحط پڑا، تو آپ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔ کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ جس وقت کھانا سامنے رکھا جاتا فرماتے کہ یہ انصاف سے بعید ہے کہ ایک تو گلی کوچہ میں بھوک کے مارے جان دے رہا ہو اور ہم کھانا کھائیں۔ ماحضر کو بھوکوں کے لیے بھیج دیتے۔ آپ نہ صرف انسانوں پر رحمت و شفقت فرماتے بلکہ جانوروں پر بھی بے حد شفیق تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کو تہجد کے لیے اُٹھے تو ایک بلی آ کر لحاف پر سو گئی۔ جب آپ نماز تہجد سے فارغ ہو کر بستر پر تشریف لائے تو بلی کو لحاف پر سوتے دیکھا اُس وقت آپ نے از راہ شفقت بلی کو نہیں جگایا اور صبح تک بیٹھے موسم سرما کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔

آپ بڑے سادہ مزاج تھے۔ کتنی ہی مدت تک غیر مرغوب کھانا ہوتا کبھی نہ فرماتے کہ اسے بدل دو یا اور پکاؤ، اگر کپڑے میلے ہو جاتے تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ آپ کا مکان نہایت تنگ و شکستہ تھا۔ اُس کی صفائی اور درستی کا بھی

خیال نہ فرماتے باوجودیکہ نہایت نحیف ونزار تھے مگر دوام ذکر و کثرت طاعت پر نہایت شغف رکھتے تھے۔ آپ کے زہد و استغناء کا یہ حال تھا کہ آپ کی مجلس میں اُمور دنیا کا ذکر نہ ہوتا تھا۔ ہاں اگر کوئی حاجت مند حاضر ہوتا تو اس کی سفارش فرما دیتے اور ان کاموں میں اپنے اور اپنے درویشوں کے لیے کبھی کوئی تدبیر نہ کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کے لیے سوائے فقر ومسکنت وقناعت کے کچھ نہ چاہتے اور فرماتے کہ جس کو ہم سے مالی امداد پہنچے، وہ یقین کرلے کہ اُس کے ساتھ ہمیں دینی محبت کم ہے۔ آپ کے عقیدتمندوں میں بعضے متمول و مالدار التماس کرتے تھے کہ اگر حکم ہو تو آستانہ شریف کے فقراء کے لیے کچھ روزینہ مقرر کردیا جائے مگر آپ ان لوگوں کے بارے میں اجازت نہ دیتے تھے جنھوں نے آپ کے ساتھ نسبت معنوی درست کرلی تھی۔ ہاں اوروں کے لیے منظور فرماتے۔ آپ متاعِ دنیوی قبول کرنے سے اس قدر متنفر تھے کہ جس وقت آپ نے سفر حجاز کا ارادہ کیا تو مرزا عبدالرحیم خان خاناں نے جو فقراء سے عموماً اور آپ سے خصوصاً کمالِ عقیدت رکھتا تھا ایک لاکھ روپیہ نقد آپ کے اور آپ کے ہمراہیون کے خرچہ کے لیے بھیجا اور عرض کیا کہ اسے قبول فرما کر مجھے ممنون فرمائیں۔ آپ نے یہ سنا تو خفا ہوئے۔ فرمایا حج کرنا ہمارے لیے اس قدر ضروری نہیں کہ مسلمانوں کا اس قدر مال و دولت اپنے صرف میں لاکر ضائع کردیں۔ غرض وہ روپیہ قبول نہ فرمایا اور واپس کردیا۔

اگرچہ ابتداء سے انتہا تک بڑے بڑے عظیم الشان حالات آپ پر وارد ہوئے مگر آپ کی بلند ہمت نے کسی ایک حال وکشف پر قناعت نہ کی مگر باوجود کمال کے آپ ہمیشہ عاجزی وانکسار اور اپنی نایافت کا اظہار فرماتے تھے اور عین بحر وصال میں خشک لب وتشنہ رہتے۔ جیسا کہ آپ کی اس رباعی سے پایا جاتا ہے۔

در راہِ خدا جملہ ادب بائد بود
تاجاں باقیست در طلب بائد بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند
گم بائد کرد و خشک لب باید بود

آپ کے جلیل القدر خلیفہ شیخ تاج الدینؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ عجیب کیفیت کے ساتھ دریا کے ساحل کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۱) قبا کے بند کھلے، (۲) سینہ ننگا، (۳) عمامہ پریشان، (۴) چہرہ مبارک سے شکستگی اور (۵) قلق واندوہ کے آثار نمایاں۔ آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو میرا احساس ہوا۔ نہایت آہ ودرد کے ساتھ فرمایا کہ

"تاج الدین! اس (۱) قدر واردات، (۲) احوال، (۳) فیوضات اور (۴) انوار واسرار مجھ پر وارد ہورہے ہیں کہ اگر یہ دریا سیاہی ہوجائے تو اُن کے لکھنے کے لیے کافی نہ ہو۔ مگر مجھے ان سے کیا کام۔ میرا مطلوب دیدودانش سے دور ہے۔

طلب بے چون و مطلب ہیچ گونہ
نہ آں راہ شبہ و نہ ایں را نمونہ

شیخ تاج الدینؒ مزید بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں صفِ جماعت میں آپ کے پہلو میں تھا۔ نماز کے درمیان آپ پر گریہ و اضحلال کے غلبہ کے آثار محسوس ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اسی حالتمیں حجرے میں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے پیچھے آیا اور آپ کو اُسی حال میں پایا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے خلاف ادب اور گستاخانہ عرض کیا کہ اس بے اختیار رونے اور اندوہ و آشفتگی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: تو اس کو دریافت نہ کر ہم کو اس درد و اندوہ میں رہنے دے۔ کیونکہ بقول حافظ شیرازی۔

تنم از واسطۂ دوریٔ دلبر بگداخت
جانم از آتشِ ہجر رُخ جانا نہ بسوخت!

چونکہ آپ کی عنایت بے پایاں نے مجھے بہت دلیر کر دیا تھا لہٰذا میں نے اصرار کیا تو فرمایا:

''عین نماز میں جو مومن کی معراج ہے میری روح نے مقصود وراء الوراء کی طلب میں عروج کیا اور حتیّ المقدور اُس کی جستجو میں کوشش کی مگر جب کامیابی نہ ہوئی تو ناچار حیران و گریاں اپنے تئیں قفس قالب میں لا ڈالا۔ اُس کا یہ گریہ و اندوہ اسی حسرت کی وجہ سے تھا''

فانی کو یا جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

آپ پر یہ تفرید (تنہائی) اس قدر غالب تھی کہ طالبوں کو اپنی صحبت میں رکھنے اور مشیخیت کا خیال تک نہ تھا۔ صرف دو تین سال درویشوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ کی عنایات سے درجۂ کمال پر پہنچ گئے تو ارباب ارادت کی تعلیم و صحبت سے کنارہ کش ہو گئے اور یاروں کو اُن کے حوالے کر کے خود گوشہ نشینی اختیار کی اور بجز مسجد کے وہ بھی نماز باجماعت کے لیے اور کہیں تشریف نہ لے جاتے تھے۔ جو شخص آپ کو دیکھتا، اُسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث یاد آ جاتی تھی۔

من ارادان ینظر الی میت یمشی علی وجه الارض فلینظر الی ابن ابی قحافة

جو شخص مردہ کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکر صدیقؓ) کو دیکھ لے۔

باوجود حالتِ مذکورہ بالا کے آپ کی ہیبت و دہشت اس قدر تھی کہ غافل و بے خبر لوگ بھی جب آپ کو دیکھتے تو انھیں بمصداق حدیث اِذَرُ وَاُذْکِرَ اللّٰہَ [1] خدا یاد آ جاتا۔ چنانچہ ایک روز آپ کا گزر ہندوؤں کی ایک بستی پر ہوا۔ جہاں کے باشندے کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ جونہی اُن کی نظر آپ پر پڑی، ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ عجیب شخص

---

[1] عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ اِذَارُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ الحدیث یعنی خدا کے سب سے نیک بندے وہ ہیں جنھیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے (مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب۔ باب حفظ اللسان و الغیبتہ والشتم فصل ثالث۔)

ہے، اس کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔

ایک معمر فاضل کا بیان ہے کہ ایک روز میں مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ دیکھا کہ صف جماعت کھڑی ہے اور آپ بھی صف میں تشریف رکھتے ہیں۔ پہلی صف بھر گئی تھی مگر آپ کے پہلو میں دو درویشوں نے بپاس ادب کچھ جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ چونکہ مجھے آپ سے چنداں عقیدت نہ تھی اور میں نے آپ کو بچہ سا دیکھا تھا، اس لیے اپنی نسبت اُن کو کم عمر پا کر رعایتِ ادب کا خیال نہ کیا اور اُس خالی جگہ میں گھس کر نیت باندھ لی۔ کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ آپ کی عظمت وشکوہ نے مجھ پر اثر کیا۔ میں نے ہر چند بچنے کی کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک میں عین نماز میں پیچھے ہٹنے لگا اور ہٹتے ہٹتے نوبت باایں جارسید کہ اگر ایک قدم اور پیچھے ہٹوں تو چبوترے سے نیچے گر پڑوں۔ مگر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور یہ معاملہ دیکھ کر آپ کے مخلصوں اور غلاموں کے سلسلہ میں داخل ہو گیا۔

آپ کی عظمت وعلو رتبہ کی شہادت میں یہی ایک امر کافی ہے کہ صرف دو تین سال مسند مشیخیت پر جلوہ افروز رہے مگر اس قلیل عرصہ میں کس قدر بندگان خدا آپ کے خوان دولت سے بہرہ ور ہوئے اور کیسی کیسی برکتیں آپ کی بدولت برصغیر پاک وہند کے وسیع وعریض علاقہ میں پھیل گئیں۔ سلسلہ نقشبندیہ جو آپ کے زمانے تک برصغیر میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں تھا آپ کے ذریعے سے پورے طور پر رائج ہو گیا۔ اگرچہ اس سلسلہ عالیہ کے بہت سے مشائخ اس سرزمین میں جلوہ آرا ہوئے اور برسوں یہیں رہے مگر آپ کی دو تین سالوں کی برکات ان مشائخ کی سالہا سال کوششوں میں کہاں، شیخ محمد بن فضل اللہ رحمہا اللہ تعالیٰ جو فقر وعرفان میں بلند پایہ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ آپ کی بزرگی کا یہی نشان کافی ہے کہ آپ تین چار سال سے زیادہ بندگانِ خدا کی ہدایت میں مشغول نہیں رہے مگر آج تک اپ کے آثار وبرکات روز افزوں ہے۔

سدا پھولا پھلا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

(۱) سترِ احوال، (۲) دید قصور، (۳) عزلت نشینی اور (۴) گمنامی آپ کا شیوہ تھا، سادات وعلماء کی تعظیم میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے۔ جزوی وکلی عملیات میں فقہائے متورع کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

تمام امور میں آپ کا عمل عزیمت داولٰے پر تھا۔ سماع ورقص ووجد کو آپ کے ہاں دخل نہ تھا، یہاں تک کہ ایک روز ایک درویش نے آپ کے حضور میں بآواز بلند پکار کر کہا ''اللہ'' آپ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ مجلس کے آداب کو ملحوظ رکھ کر ہمارے پاس آیا کرے۔ آپ حنفی مسلک پر عمل پیرا تھے۔ ایک دفعہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ خواب میں امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کو دیکھا جو ایک طرف کھڑے ہوئے اپنی مدح میں ایک قصیدہ پڑھ رہے ہیں جس سے یہ سمجھایا جا رہا تھا کہ میرے مذہب میں بکثرت اولیائے کرام ہوئے ہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا اور کبھی حنفی مسلک سے ایک

انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔کھانے پینے میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ جو ہدیہ آتا اگر چہ اُسے بحکم حدیث شریف صحیح

نحن لا نرد الهدية
ہم ہدیہ رد نہیں کرتے۔

رد نہیں کرتے تھے مگر اسے بعینہ اپنے مصارف میں نہ لاتے بلکہ قرض حسنہ لے کر اُس کے عوض اُسے دے دیتے کیونکہ بحکم فقہاء وہ حلت میں ایک اور درجہ پیدا کر دیتا ہے۔آپ نہایت تاکید فرمایا کرتے تھے کہ کھانا پکانے والا وضو کے ساتھ صاحب حضور و احتیاط بھی ہو اور پکاتے وقت دنیوی بات زبان پر نہ لائے اور فرماتے تھے کہ جو لقمہ بغیر حضور و احتیاط کے کھایا جائے، اس سے ایک دھواں پیدا ہوتا ہے جو فیض کے راستوں کو بند کر دیتا ہے اور ارواحِ طیبہ جو فیض کا وسیلہ ہیں ایسے قلب کے مقابل نہیں ہوتیں۔آپ تمام مریدوں کو اس احتیاط کی ترغیب دیتے تھے۔جو لوگ اس احتیاط میں تساہل سے کام لیتے، آپ اپنی نسبت کی نزاکت و صفائی کی وجہ سے اُس کا نقصان اُن کے حالات میں معائنہ فرماتے۔چنانچہ ایک روز ایک صاحب حال و کشف و درویش آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنے کام میں بستگی اور باطن میں کدورت پاتا ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کیا تقصیر سرزد ہوگئی ہے۔آپ نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ لقمہ میں بے احتیاطی ہوگئی ہے۔اُس نے عرض کیا کہ لقمہ تو وہی ہے جو میں ہر روز کھایا کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ واپس جا کر اچھی طرح دریافت کرو، ہمیں تو اس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔لقمہ کے جز میں ضرور فتور آیا ہوگا۔جب اُس درویش نے اچھی طرح تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ جن لکڑیوں سے کھانا پکایا جاتا تھا اُن میں سے دو تین لکڑیاں ایسی شامل کر دی گئی تھیں جن میں احتیاط سے کام نہ لیا گیا تھا۔

لقمہ کی طرح نماز میں بھی احتیاط کرتے کہ صف جماعت میں اپنی جانب اپنے خالص اصحاب میں سے کسی کو کھڑا کرتے کیونکہ اگر بیگانہ ہوتا تو فوراً اس کی غفلت و نقصان مع خطرات کے آپ کے آئینۂ قلب میں منعکس ہوتا۔ایک روز ایک درویش نے جو لحاف کا محتاج تھا، آپ کے ساتھ نماز پڑھی اس کے دل میں لحاف مانگنے کا خطرہ گزرا۔وہ خطرہ آپ پر ظاہر ہوگیا۔ادائے نماز کے بعد فرمایا کہ جس کو لحاف کی ضرورت ہے اُسے لحاف دے دو۔اس درویش کا بیان ہے کہ میں اُس دن کے بعد ڈرتا رہا کہ مبادا کوئی خطرہ جو آپ کی ملامت کا باعث ہو، میرے دل پر گزرے۔

آپ کا طریق تلقین یہ تھا کہ جس طالب کو اپنے سلسلہ میں داخل فرماتے تھے، پہلے اس سے توبہ کراتے۔پھر اگر اپنی طرف اس کا عشق و محبت زیادہ دیکھتے تو اُسے طریقہ رابطہ و نگہداشت صورت کی تعلیم دیتے۔اس سے طالب کو بہت کشائش حاصل ہوتی۔خواجگان دہبندی میں سے خواجہ برہان نامی ایک بزرگ جس نے اپنے اکابر سے بہت سی نسبتیں اور اجازتیں حاصل کی تھیں، آپ کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوا۔آپ نے اسے اپنی صورت کی نگہداشت کی تلقین کی۔وہ حیران ہوا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ یہ شغل تو مبتدیوں کے حال کے مناسب ہے، مجھے تو آپ ازراہ کرم اس سے اعلیٰ مراقبہ ارشاد فرمائیں۔اس کے دوستوں نے کہا کہ تعمیل ارشاد تو کرو۔چونکہ اس کا عقیدہ درست تھا لہٰذا اس شغل میں مشغول ہوگیا۔دو ہی روز گزرے تھے کہ اس صورت نے اُس پر پرتو ڈالا اور بڑی نسبت اس پر غالب ہوئی اور اس کے سکر کا غلبہ ایسا ہوا کہ باوجود تمکین اور کبرسنی کے زمین سے دو دو ہاتھ اُوپر چلتا تھا اور دیواروں اور درختوں سے ٹکراتا تھا یہاں تک کہ

کئی جوان اُسے سنبھال نہ سکتے تھے لیکن زیادہ تر آپ طالبوں کو ذکر قلب جیسا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں مقرر ہے، تلقین فرماتے اور ایک جماعت کو ذکر نفی و اثبات اور بعضوں کو صرف اثبات یعنی ذکر ذات عز شانہٗ فرماتے۔

آپ کی تعلیم میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آپ جس طالب کو ذکر کی تعلیم فرماتے، اُس تعلیم کے ساتھ اپنی ہمت و توجہ کو اُس کے شامل حال رکھتے اور اُس کی حقیقت جامعہ کے ادراک پر نقوش کونیہ کا راستہ بند کر دیتے" گویا سرچشمۂ نقشبندیہ کو ظہور میں لاتے۔ اسی وقت اُس کا دل ذاکر ہو جاتا اور حضور و جذبہ اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا۔ بعضے مرغ بسمل کی طرح خاک پر لوٹتے اور بعضے بے خود ہو کر حیرت میں چلے جاتے اور بعضوں کو اُسی حال میں عالم مثال یا عالم ارواح یا عالم معانی منکشف ہو جاتا اور کئی دن یہی حال رہتا۔ پھر آپ کی توجہ سے ہوش میں آتے اور الشیخ یحیی و یمیت[1] کا نظارہ دیکھنے میں آتا۔ آپ کی یہ عنایت عام طور پر تھی۔

آپ کی نسبت کا سریان اس درجہ کا تھا کہ بہت سے طالب آپ کو دیکھتے ہی مجذوب و مغلوب ہو جاتے تھے۔ ماہ رمضان کی ایک رات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، نے ایک خادم کے ہاتھ آپ کے لیے فالودہ بھیجا۔ خادم نے سادہ لوحی کے سبب سے دروازۂ خاص جا کھٹکھٹایا۔ آپ نے کسی دوسرے کو نہ جگایا اور بذاتِ خود باہر نکلے اور فالودہ کا برتن خادم کے ہاتھ سے لے کر پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام باما ہے آپ نے فرمایا کہ چونکہ تم ہمارے شیخ احمد کے خادم ہو، ہمارے ساتھ ہو۔ واپس ہوتے ہی اُس خادم پر جذبہ سکر و نسبت غالب ہوا۔ وہ شور و فغاں کرتا ہوا، گرتا پڑتا حضرت مجدد قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پہنچا۔ حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ وہ شوریدگی و مستی کی حالت میں کہتا تھا کہ میں حجر و شجر اور زمین و آسمان میں ہر جگہ ایک نہایت بے رنگ نور دیکھتا ہوں کہ جسے بیان نہیں کر سکتا حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ خواجہ باقی باللہ کے سامنے گیا ہے، اس آفتاب کے مقابلہ سے ایک پرتو اس ذرہ پر پڑ گیا ہے۔ دوسرے روز حضرت مجدد قدس سرہٗ نے یہ قصہ آپ سے عرض کیا تو آپ مسکرا پڑے۔

حضرت میر محمد نعمانؒ بیان کرتے ہیں کہ میری لڑکی کی ایک انا تھی۔ ہم نے اُسے کئی بار کہا کہ حضرت خواجہ کی مرید بن جاؤ مگر اُس نے انکار کیا۔ ایک روز ایک تقریب پر ہم نے لڑکی کو انا سمیت آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے شیر خوار لڑکی کو بغل میں لے کر نہایت شفقت کی۔ لڑکی نے آپ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک بال اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ لڑکی ہم سے یادگار لے رہی ہے۔ عجیب نظر دُور بین تھی کہ اُن ہی ایام میں آپ نے انتقال فرمایا اور وہ موئے مبارک بطور تبرک و یادگار باقی رہ گیا۔

مرا از زلفِ تُو موئے بسند است
فضولی مے کنم بوئے بسند است

جب وہ انا گھر واپس ہوئی تو تھوڑی دیر کے بعد اُس پر مستی اور جذبات کے آثار ظاہر ہونے لگے، وہ سنبھل نہ

---

[1] پیر زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

سکی۔ یہاں تک کہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ اُس کے بائیں پہلو میں دل کی حرکت اس زور سے جاری ہوگئی کہ تمام حاضرین نے بچشم خود دیکھ لیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ ہوش میں آئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھ پر کیا حالت گزری اور تو نے کیا دیکھا۔ اس نے کہا کہ حضرت خواجہ ساعت بساعت عجیب ہیبت ناک شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگئی۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ میرا دل ذاکر ہوگیا ہے۔ حضرت میر محمد نعمانؒ فرماتے تھے کہ ہم نے اُس انا کا حال حضرت خواجہ سے عرض کیا تو آپ نے تبسم فرمایا اور اُس کو ذکر کی تعلیم کی۔ چنانچہ وہ فیروز آباد دہلی میں صاحب حال عورتوں میں سے ہوگئی۔

کرامات

آپ کی کرامات کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں بطور تبرک یہاں صرف چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

1- حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ اپنی تفسیر عزیزی پارہ عم سورہ اقرا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے ہاں چند مہمان آ گئے۔ اتفاقاً اس وقت گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ حضرت خواجہ مہمانوں کی خاطر و تواضع سلسلے میں پریشان ہو کر کسی چیز کی تلاش میں تھے۔ آپ کے گھر کے متصل ایک نانبائی کی دکان تھی، جب اس کو صورت حال کا پتہ چلا تو وہ بڑے تکلف کے ساتھ روغنی روٹیاں بمعہ سالن پکا کر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ اس کی اس خدمت اور سلوک سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنی مثل (مانند) بنا دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس حالت کا متحمل نہیں ہوسکتا کوئی اور چیز مانگ، لیکن وہ اسی پر ہی مصر رہا۔ آپ گریز فرماتے رہے لیکن جب اس کی لجاجت حد سے بڑھ گئی تو ناچار اس کو حجرہ میں لے گئے اور معانقہ فرما کر اُس پر نظر کی۔ جب باہر آئے تو آپ اور نانبائی میں شکل وصورت کے لحاظ کوئی فرق نہ تھا اور لوگوں کے لیے امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ البتہ یہ فرق ضرور رہا کہ آپ صاحب ہوش اور نانبائی بے ہوش اور بے خبر تھا۔ آخر کار تین روز بعد اسی حالت سکر و بے ہوشی میں انتقال کر گیا۔[1]

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خون تپم و گوئی از برائے من است

2- دہلی کے ایک شخص نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی مگر کئی سال تک اس پر قادر نہ ہوسکا۔ اس نے دوا اور دُعا بہت کی مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ایک روز آپ (خواجہ محمد باقی باللہؒ) سوار ہو کر کسی جگہ کو جا رہے تھے کہ اس شخص نے راستے میں گھوڑے کی باگ تھام لی اور نہایت نیازمندی سے اپنا قصہ عرض کیا۔ آپ کو اُس پر رحم آیا۔ گھوڑے سے اُترا اور اُس کو بغل میں لے کر خوب معانقہ کیا اور فرمایا ''جاؤ۔ فتح ہے''۔ اُس شخص نے

[1] اس نانبائی کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مزار مبارک کے قریب ہے اور لوحِ مزار پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے ''مزار حضرت خواجہ حسن، خلیفہ و نانبائی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (قصوری)

اُسی وقت اپنے جسم میں عجیب قوت محسوس کی اور نہایت آسانی سے اپنی عورت پر قادر ہو گیا۔

3- ایک دفعہ ایک فوجی افسر نے آپ کے ایک ہمسایہ پر ظلم کیا۔ آپ وہ ظلم دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور اس افسر کو نصیحت کی مگر وہ بد بخت باز نہ آیا۔ آپ کو اس مظلوم پر نہایت رحم آیا۔ آپ نے اُس افسر سے فرمایا کہ ہمارے حضرات خواجگان (خواجگانِ نقشبند) بہت غیرت مند ہیں۔ یہ انھیں کے پڑوس میں رہتا ہے خبردار رہنا۔ دو تین روز ہی گزرے تھے کہ وہ ایک چور کے خون کے مقدمہ میں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

4- ایک ضعیفہ کا لڑکا قلعہ فیروز آباد کی دیوار سے گر پڑا۔ دیوار کے نیچے سنگین و پختہ فرش تھا۔ گرتے ہی اس کے کانوں سے خون بہنے لگا اور سانس بند ہو گیا۔ گریہ وزاری اور بے قراری کی حالت میں ماں کو اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ سوجھا کہ آپ کے مبارک قدم پر سر رکھ کر اُس کی زندگی کی التماس کی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنی توجہ اور تصرف کو بہت چھپایا کرتے تھے۔ آپ نے طلب کی ایک کتاب طلب کی اور فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا نہ مرے گا۔ حاضرین نے تعجب کیا کہ کون سی کتاب یہ بات بتا رہی ہے۔ آپ ایک لحظہ خاموش رہے، وہ قریب المرگ لڑکا ہوش میں آ کر اصلی حالت پر آ گیا۔ لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

5- ایک بانجھ عورت حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئی کہ میرا خاوند دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے کیونکہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس وقت آپ معجون فلاسفہ نوش فرمار ہے تھے۔ تھوڑی سی کھا کر باقی اس عورت کو دے دی اور فرمایا کہ اس وقت تو یہی مادۃ الحیات ہے۔ اُس عورت نے وہی لے کر کھایا تو اللہ تعالیٰ ین اُس کو اولاد دی اور اُس کے خاوند نے نکاح ثانی کا ارادہ ترک کر دیا۔

6- ایک چشتیہ شیخ زادہ آپ کا مرید ہوا تو اتفاقاً اُس کو ایک مرض لاحق ہوا کہ زندگی کی اُمید باقی نہ رہی۔ کسی نے یہ معاملہ آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ اس طریقہ کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں کی نسبت حاصل کرنی چاہیئے اور یہ بات مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ اس لیے مجھے غیرت آئی اور یہی وجہ عُلالت ہے۔ اُس شخص نے مریض سے بیان کیا تو اُس نے تصدیق کی اور توبہ وندامت ظاہر کی تو فوراً شفایاب ہو گیا۔

وفات

جب آپ کی عمر شریف قریباً چالیس (40) سال کی ہوگئی تو ایک دن آپ نے فرمایا کہ بعض خوابوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عنقریب سلسلہ نقشبندیہ کا ایک بہت بڑا شخص فوت ہوگا۔ یہ کہہ کر ارشاد کیا کہ شہر دہلی کے نواح میں کوئی جگہ اختیار کرنی چاہیئے جہاں تنہائی میں بسر اوقات کروں اور اختتام عمر پر وہیں مدفون ہو جاؤں۔ اس بارے میں آپ نے اپنے بعض مخلص اصحاب کو استخارہ کا حکم دیا۔ جب اجازت معلوم نہ ہوئی تو اس ارادے کو ترک کر دیا۔ بعد ازاں ایک روز فرمایا کہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ کہہ رہے ہیں کہ جس غرض کے لیے تجھے بلایا گیا تھا وہ پوری ہو گئی ہے۔ اب سفر کرنا چاہیئے۔ انتقال سے کچھ پہلے یہ بھی فرمایا کہ کہہ رہے ہیں کہ قطب زمانہ فوت ہو گیا اور میں اس وقت اپنا مرثیہ قصیدہ پڑھ رہا ہوں جس میں عالی

اشارات وکنایات مندرج ہیں۔

غرض 25 جمادی الثانی 1012ھ بمطابق 1603ء میں امراض جسمانی نے آپ پر غلبہ پایا۔ ان دنوں میں آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ پیراہن پہنو۔ یہ خواب بیان کر کے آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ اگر ہم زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے ورنہ کفن بھی ایک طرح کا پیراہن ہے۔ قصہ کوتاہ جمادی الاخر کی پچیسویں (25) تاریخ ہفتہ کا دن تھا کہ احتضار (نزع کا عالم) کے آثار نمایاں ہوئے اسی اثناء میں ایک درویش کی زبان سے کلمہ یا الٰہ العالمین نکلا۔ آپ نے فوراً اس کی طرف منہ پھیر کر دیکھا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت خواجہ کی یہ توجہ نام محبوب کے سننے کا شوق سے ہے۔ اس کلام سے چشم مبارک پر آنسو بھر لائے۔ جب تھوڑا دن باقی رہ گیا تو آپ اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور اُسی روز اللہ اللہ کہتے وصال فرمایا۔ دوسرے روز آپ کے مخلص اصحاب کی قرارداد کے مطابق ایک جگہ قبر شریف کھودی گئی۔ لیکن جب دلریش درویشوں نے جنازہ کو اٹھایا تو اُس دیوانگی کی وجہ سے جو حاملانِ جنازہ پر طاری تھی، تابوت کو اُس مقام پر نہیں اُتارا جہاں قبر تیار کی گئی تھی، بلکہ ایک اور زمین پر جا اتارا۔ اُتارنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ یہ وہی زمین ہے کہ جہاں ایک روز آپ نے وضو کر کے دوگانہ ادا فرمایا تھا۔ اُٹھتے وقت وہاں کی کچھ خاک دامن مبارک پر لگ گئی تھی۔ اس پر زبان اقدس سے فرمایا تھا کہ اس جگہ کی خاک ہماری دامنگیر ہو گئی۔ اس لیے یاروں نے اُسی مکان میں جو جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمگاہ کے جوار میں اور شاہراہ کے متصل ہے، اس شاہ اقلیم ارشاد کے سپرد خاک کیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کا مزار مبارک خواجہ حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ کی کوششوں سے نہایت زینت سے تیار ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق مرقد شریف پر گنبد نہیں بنایا گیا۔ صرف ایک بلند چبوترہ بنا دیا گیا۔ آپ کے تصرف کو دیکھئے کہ اس چبوترے پر سخت گرمی میں بھی پاؤں کو تکلیف وحرارت محسوس نہیں ہوتی۔

بہت سے فاضلوں اور عارفوں نے آپ کے وصال کی تاریخ لکھی ہے، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1)

ذاتے کہ بدوست بُود باقی — از خود ہمہ فانی الصفت بود
بر خالقِ خویش جملگی عشق — بر خلق تمام عاطف بود
وے تشنہ دلم سالِ فوتش — خوش گفت کہ "بحر معرفت بود"

1012ھ

(2)

یہ تاریخ آپ کے روضۂ مبارک کے جنوبی دروازے پر نہایت خوشنما حروف میں کندہ ہیں۔

خواجہ باقی آں امام اولیاء ‌ ‌ ‌ عارف باللہ اسرار نہفت!
نگہت بستاں سرائے انبیاء ‌ ‌ ‌ از نہال جعفری خوش گل شگفت
چونکہ بُد مشرب فنا اندر بقا ‌ ‌ ‌ محوِ حق گشتہ دُرِّ اسرار سُفت
سال تاریخ وصالش خسروی ‌ ‌ ‌ فی البدیہ ''نقشبندِ وقت'' گفت
1012ھ

(3)

قبلۂ ارباب معنی، کعبۂ اصحاب دین ‌ ‌ ‌ مظہرِ فیض الٰہی، صاحب علم الیقین
حامیٔ دینِ نبیؐ، اکمل امام المتقین ‌ ‌ ‌ موردِ فضل گرامی، آلِ ختم المرسلین
کاشفِ اسرارِ مطلق واقف عین الیقین ‌ ‌ ‌ محوِ ذاتِ اقدس و باللہ باقی بالیقین
غوثِ اعظم عروۃ الوثقٰے ز رب العالمین ‌ ‌ ‌ قطب ارشاد جہاں ہم معنی حق الیقین
کامل عالی طریقہ، مہدیٔ راہِ متین ‌ ‌ ‌ بحرِ عرفانِ الٰہی، مقتداء العارفین
راضی و مرضیِ حق بر ذات و شانِ اومبیں ‌ ‌ ‌ ایں کرامت ہست از محبوب رب العالمین
نور بیچوں برجبینش تافت از حق المبین ‌ ‌ ‌ شُد زیمن ہمتش روشن قلوب المومنین
کے تو انم گفت مدح آں خلاصہ و اصلیں ‌ ‌ ‌ ہستِ ذاتِ خواجہ باقی رحمتہ اللعالمین
نعمت اللہ باقی بود، باقی شُد یقین ‌ ‌ ‌ مرجعٔ انس و ملک از فضلِ رب العالمین
خواجگی امکنہ شُد مرشدِ آں شاہِ دیں ‌ ‌ ‌ لیک بُد مشرب اویس وہم بہا احرار دیں
چُوں کمالش وصل دائم بود معنی دلنشیں ‌ ‌ ‌ شُد وصالِ غیب اُوآخر بعمر اربعین
واں ز ہجرت بعد الف اثنا عشر بودہ سنیں ‌ ‌ ‌ از وفاتِ قطبِ دوراں تکیہ گاہِ مسلمیں
ہر کہ آید بر مزارش از سرِ صدق و صفا ‌ ‌ ‌ حاجتش گردد روا ہم مقصدِ دنیا و دیں
عاجز و عاصی بدرگاہش ہمے ساید جبیں ‌ ‌ ‌ تابیابد نظرِ رحمت ہم نجاتِ یوم دیں

باد نازل رحمتِ رضواں رب العالمین
بر محمد خواجہ باقی ز اولیائے مقلبیں

مندرجہ بالا اشعار آپ کے مزار مبارک کے سرہانے پر ایک سنگ مرمر کی لوح پر بہت ہی خوبصورت الفاظ میں

کندہ ہیں۔

آپ کی شان میں یہ قطعہ بھی بہت مشہور ہے:

قبلۂ انفسی و آفاقی
بزمِ خاص شہود را ساقی
خضر جاں بخش راہِ مشتاقی
خواجۂ ما محمدِ الباقی

ارشاداتِ قدسیہ

1- سورۂ اخلاص کے معنی کے بیان میں فرمایا کہ اس کو سورہ اخلاص اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے سننے سے بندہ کا اعتقاد اپنے پروردگار کی نسبت شرک جلی و خفی کے غبار سے خالص و پاک ہو جاتا ہے اور اس کے عمل میں فی الجملہ اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ اعتقاد کا شرک خفی سے پاک ہونا اس طرح ہے کہ الوہیت میں ایسی ذات کا اعتقاد رکھے کہ عرصۂ امکان میں کسی طرح کوئی اس کا مثل نہ ہو ورنہ اُس کا معتقد ممکن ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اکابر نے فرمایا ہے کہ توحید قدیم کو حادث سے الگ کرنے کا نام ہے۔

2- مراقبہ کی حقیقت انتظار کرنا ہے اور انتظار کی صفائی مقصود کی طلب میں ہے۔ ایسی حالت میں کہ طالب اپنی قوت و طاقت سے نکل جائے اور مقصود جل ذکرہ کے دیدار کا مشتاق اور اُس کے عشق کے سمندر میں مستغرق ہو جائے۔ قوت و طاقت کی دید کوشش کا غبار ہے اور آستانہ انتظار کشش ہے۔ اس قسم کا مراقبہ سوائے منتہی اور قریب الانتہاء کے دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی واسطے حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ نے ان دس اصلوں (بنیادوں) کے بیان میں کہ جن پر موت بالا رادہ موقوف ہے۔ اس مراقبہ کو نویں اصل (بنیاد) قرار دیا گیا ہے لیکن مبتدی عاشق کو منتہی کی تقلید کرنی چاہیئے اور اپنے تئیں (اپنے آپ کو) قوت و طاقت کی دید سے نکال کر انتظار محض کرنا چاہیئے۔ باقی مراقبات جو مقصود کو شکل و مثال اور علم و خیال سے مقید کر کے عرصۂ تعقل میں لاتے ہیں، اس مراقبہ سے کم درجہ کے ہیں۔

ہرچہ پیش تو پیش ازاں راہ نیست — تیرے نزدیک وہ جس سے آگے راستہ نہیں ہے وہ تیری
غایت فہم تست اللہ نیست! — سمجھ کی غایت (انتہاء) ہے خدا نہیں ہے۔

3- سلوک کے دس مقاموں کی تحقیق کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص معصیت (گناہ) میں گرفتار ہے یا وہ دنیا سے کچھ رغبت رکھتا ہے یا سبب پر نظر رکھتا ہے یا بقدرِ ضرورت معاش پر اکتفا نہیں کرتا یا لوگوں سے میل جول رکھتا ہے یا اس کے اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور نہیں یا اللہ تعالیٰ سے غیر خدا طلب کرتا ہے یا نفس کے ساتھ مجاہدہ نہیں کرتا یا اپنی ذات اور اپنے آپ کو احکام ازلیہ کے حوالہ نہیں کرتا وہ طریق تحقیق کے سلوک میں

ناقص ہے۔ مخفی نہ رہے کہ بعض منتہی درویش جو اپنی خواہشات وضروریات سے نکل چکے ہیں ضروری معاش پر اکتفا کرنے اور لوگوں سے میل جول نہ رکھنے اور نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنے میں کسی خاص وجہ سے ثابت نہیں رہے ہیں۔ ''ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے۔''

توکل یہ نہیں کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھ رہیں کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ بلکہ سبب مشروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہیئے اور نظر سبب ہی پر نہ رکھنی چاہیئے کیونکہ سبب مثل دروازے کے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسبب پر پہنچنے کے لیے بنایا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کر لے کہ خدا اُوپر سے پھینک دے گا تو یہ اس کے بے ادبی ہے کیونکہ دروازہ خدا ہی کا بنایا ہوا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ کھلا ہے، کھلے ہوئے کو بند نہ کرنا چاہیئے۔ بعدازاں اُسے اختیار ہے چاہے دروازے سے بھیجے یا اوپر سے پھینک دے۔

توحید حاصل کرنی چاہیئے۔ محققین، متکلمین کے نزدیک توحید یہ ہے کہ ''وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز مؤثر نہیں۔'' یعنی اپنی ساری قدرت کو خدا سے منسوب کرنا اور اپنے آپ کو قدرت سے خالی کرنا۔ اگرچہ متاخرین علماء میں سے بعضے قدرتِ موثرہ کو فی الجملہ بندہ میں بھی ثابت کرتے ہیں اور اُن کی توحید یہ ہے۔ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ لیکن زیادہ صحیح مذہب پہلا ہی ہے اور صوفیہ کرام جس طرح فعل وقدرت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں اسی طرح سات صفات میں سے (۱) باقی (۲) علم و (۳) سمع و (۴) بصر و (۵) حیات (۶) وارادہ و (۷) کلام کو بھی اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔

مشائخ جو لوگوں کے ارشاد وتربیت میں مشغول ہوتے ہیں اُس کا باعث ان تین چیزوں میں سے ایک ہوا کرتا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا الہام یا (۲) پیر کا حکم وامر یا بندگانِ (۳) خدا پر شفقت۔ یعنی جب وہ لوگوں کو گمراہی میں دیکھتے ہیں اور گمراہی کو ان کے عذاب وضرر کا سبب جانتے ہیں تو نہایت ترحم سے اُن کے عذاب کا دفعیہ چاہتے ہیں۔ پس شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ شریعت کے رواج دینے کو اپنے اوپر لازم کر کے لوگوں کو وعظ ونصیحت سے حفظِ آداب اور اقامتِ شرائع کا حکم دیں۔ مثلاً فقہ وحدیث کا پڑھنا پڑھانا اور اس کے مطابق عمل کرنا، مگر اُن کو واصل بحق کرنا شفقت کی شرط نہیں بلکہ وہ ایک زائد امر ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ اس طریقۂ تربیت کا ماحصل انجذاب ایمانی (ایمان کا جذب ہونا یا کرنا) ہے۔ جس کی دعوت تمام انبیاء ورُسل دیتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بندہ کا نہایت قرب اور اتصال اس سے زیادہ نہیں کہ دوام آگاہی جو فنا کی طرف کھینچتی ہے اُس کو حاصل ہو جائے۔ جب یہ نسبت حاصل ہوگئی تو سالک اس نسبت کے حصول سے مرتبۂ ولایت سے مشرف ہوگیا اور وہ کمالات جو دوسرے طریقوں کے سالکوں کو حصول مقامات اور تجلیاتِ اسماء وصفات میں بتفصیل حاصل ہوتے ہیں وہ اور شے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب واتصال کی نسبت کا یہ حصول ولایت خاصہ کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اس طریقہ کے طالبوں کا پہلا داخلہ سرحد فنا میں ہے اور اندراج نہایت در بدایت

جس کی طرف ہمارے سلسلہ کے اکابر نے اشارہ کیا ہے، یہی ہے۔

8- ترقی بعد الموت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص نیت صحیح اور اعتقاد درست کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آئے اور شریعت غرا (واضح شریعت) کے آداب کما حقہ بجالائے اور اُس کو عین حیات میں اس گروہ کے اذواق ومواجید (ذوق ووجد) حاصل نہ ہوں۔ تو البتہ موت کے بعد اس کو اس گروہ کے احوال واذواق عطا کیے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اس قول کو نقل کر کے تھوڑی دیر تامل کیا اور فرمایا، بلکہ ایسے شخص کو اسی جہان میں سکراتِ موت کے وقت اس دولت سے مشرف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد کیا کہ اعتقاد درست اور احکام شریعت کی رعایت اور اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں دائمی توجہ سب سے بڑی دولت ہے۔ کوئی ذوق وجدان اس بڑی نعمت کے برابر نہیں۔

این داشتہ باشد گو دگر ہیچ مباش

9- انجذاب اور محبت الٰہی کا طریقہ مقصود تک پہنچانے والا ہے اور اس کا رخ سوائے ذاتِ حق تعالیٰ کے اور کسی طرف نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ اُن کا رخ انوار کی طرف بھی ہے۔ ناچار بعضے ان ہی انوار میں رہ جاتے ہیں۔ یہ انجذاب ومحبت تمام افراد انسانی میں ہے مگر پوشیدہ ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ اسی انجذاب کی تربیت کرتے ہیں۔

10- اللہ تعالیٰ کی رویت (دیدار) آنکھ کے ساتھ موت کے بعد ہوگی کیونکہ رویت انکشافِ تام کا نام ہے۔ جب تک روح کا تعلق اس بدن کے ساتھ ہے۔ انکشافِ تام (مکمل انکشاف) نہیں ہو سکتا کیونکہ روح خواہ کتنی ہی بے تعلق ہو جائے کم سے کم حیات کا علاقہ (تعلق) باقی رہے گا۔ اگر حرافتِ اصلی پر رہے، خودی کا تعلق باقی ہے۔

11- سماع کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے ارشاد کیا کہ صوفیہ صافیہ میں سے جو لوگ راگ سننے کے قائل ہیں انھوں نے اس میں یہ حکمت دیکھی ہے کہ راگ سننے کے بعد طبیعت ساکن وبرقرار رہتی ہے۔ ناچار روح، معانی کا ادراک زیادہ کرتی ہے۔ مجوزین سماع کا مقصود معانی ہے۔ وہ نغمہ کو اُس کے زیور کی مثل سمجھتے ہیں ورنہ وہ نفس نغمہ میں مبتلا نہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے شیخ سعدیؒ کی یہ بیت (شعر) پڑھی۔ کہ۔

آوازِ خُوش بہتر از روئے خوش

کہ آں حظِ نفس است ایں قوتِ روح [1]

آپ نے فرمایا کہ دونوں ایک ہی ہیں یعنی اگر دیکھنے والا اور سننے والا اہل نفس سے ہیں تو وہ دیکھا ہوا اور سنا ہوا دونوں نفسانی ہیں اور اگر اصحاب روح سے ہیں تو دونوں روحانی ہیں اور فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ راگ سننے کی شرطوں سے ایک شرط یہ ہے کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کی

---

[1] خوبصورت چہرے سے خوبصورت اور خوش آواز بہتر ہے کیونکہ وہ حظِ نفس ہے اور یہ قوتِ روح۔ (قصوری)

محبت غالب ہو۔ آپ کے مخلصوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی کیا علامت اور نشانی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا اتباع۔ پھر اُس مخلص نے عرض کیا کہ ممکن ہے کہ متبع (اتباع کرنے والے) کا مقصود بہشت ہو یا عذاب دوزخ سے نجات۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا شیخ متبع تام (مکمل اتباع کرنے والا) کامل نہیں اور اُسے اہل اللہ میں شمار نہیں کرتے۔ اتباع ظاہری تو ظاہر ہے۔ اتباع باطنی یہ ہے کہ اس کے باطن میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلب ومقصود نہ ہو۔

-12 ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) بندہ کے اُس قرب کو کہتے ہیں جو وہ حق سبحانہ سے رکھتا ہے اور ولایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) اُس چیز کو کہتے ہیں جو خلق میں مقبول ہونے کا سبب ہے اور اہل عالم اُس کی طرف گرویدہ ہوتے ہیں اور یہ کمال مخلوقات سے تعلق رکھتا ہے۔ خوارق وتصرفات دوسری قسم میں داخل ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جو برکتیں صاحبانِ استعداد کو پہنچتی ہیں وہ کس قسم میں داخل ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) کا اثر ہیں۔ اس بیان کے اثناء (دوران) میں آپ نے طالبوں کے استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت طالب کا آئینہ مرشد کے آئینہ کے مقابل میں ہوتا ہے تو جو کچھ مرشد کے آئینہ میں ہوتا ہے وہ طالب کے آئینہ پر بقدرِ مناسبت اپنا پرتو ڈالتا ہے۔

اسی موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ بعض کو ولایت کی ان دونوں قسموں میں سے ایک حاصل ہوتی ہے اور بعض کو دونوں قسموں سے کافی حصہ ملتا ہے یا کسی کو دونوں میں سے ایک سے زیادہ اور دوسری سے کم حصہ ملتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ہمیشہ ولایت (واؤ کی زبر کے ساتھ) ولایت (واؤ کی زیر کے ساتھ) پر غالب رہی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی مقتدا اس جہاں سے انتقال کر جاتا ہے تو ولایت (بکسر واؤ) اپنے مخلص کے حوالہ کر جاتا ہے اور ولایت (بفتح واؤ) اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی کسی لغزش کے باعث ولی کے ولایت (بکسر واؤ) چھین لی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ نے پیر بقال کے جنازہ کے امام کا واقعہ بیان کیا ہے جو مولانا جامی قدس سرہٗ کی نفحات الانس نامی کتاب میں مذکور ہے۔

-13 ایک روز فقراء پر بعض منکرین کے اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اولیاء کبیرہ گناہوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اگر اتفاقاً اُن سے اِس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اِس سبب سے اُن کو ولایت سے خارج کر دینا جہالت ہے۔ بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ وہ ہمیشہ یا اکثر کون سی منزل میں رہتے ہیں۔ اس حال میں اگر کبھی بتقاضائے بشریت اُن سے کوئی کبیرہ گناہ صادر ہو جائے تو اُس میں اُن کو معذور سمجھنا چاہیئے۔

-14 محبت ذات ومحبت صفات کی تحقیق میں سلسلۂ سخن شروع تھا۔ زبان اقدس سے فرمایا کہ محبت صفات یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی سے اس لیے محبت رکھتا ہے کہ وہ عالم ہے یا شجاع ہے، تو اُس وقت اُس کی محبت موقوف ہوگی۔ صفتِ علم وشجاعت پر۔ اگر یہ اوصاف اُس سے دُور ہو جائیں تو اُس کی محبت بھی جاتی رہے اور محبت ذاتی یہ ہے

کہ کسی شخص کو بغیر لحاظ کسی صفت کے دوست رکھے۔ یہ نہیں کہ جب وہ کسی صفت کے ساتھ متصف ہو تو اُس وقت محبت میں زیادتی ہو اور جب کسی صفت کے ساتھ متصف نہ ہو تو محبت میں کمی آ جائے۔

-15 ہمارے طریقہ کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔(۱) اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا، (۲) دوام آگاہی اور (۳) عبادت۔ اگر کسی شخص کی ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل وفتور آ جائے تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ ہم عزت کے بعد ذلت اور قبول کے بعد رد سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

-16 پیر کے متعدد ہونے میں کلام شروع ہوا تو زبان مبارک سے فرمایا کہ پیر تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پیر خرقہ، دوسرے پیر تعلیم، تیسرے پیر صحبت۔ واضح ہو کہ پیر خرقہ وہ ہے جس سے خرقۂ ارادت پہنا جائے۔ جس بزرگ سے خرقۂ تبرک واجازت ملے، اُسے اہل تصوف کی اصطلاح میں پیر خرقہ کہتے ہیں۔ پیر تعلیم، ذکر کے معنے ظاہر ہیں۔ پیر صحبت وہ ہے جس سے لوگ صحبت رکھیں اور اس کی صحبت سے منافع وترقیات حاصل کریں۔ اسی موقع پر فرمایا کہ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ وکبرویہ میں دارومدار خرقہ پر ہے۔ ان سلسلوں کے اصحاب کی اصطلاح میں پیر مطلق پیر خرقہ کو کہتے ہیں۔ اسی واسطے ایک شخص کے لیے کئی پیروں کے ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور پیر تعلیم و پیر صحبت کو مرشد کہتے ہیں۔ آپ نے اسی مطلب کے مطابق ایک بزرگ کا نام لے کر فرمایا کہ انھوں نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ پیر خرقہ متعدد ہونا مکروہ ہے اور اسی طرح پیر تعلیم کا تعدد مکروہ ہے لیکن پیر صحبت کئی ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ پہلا پیر اجازت دے دے یا اُس کی صحبت فوت ہو جائے۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ ہاں پیر خرقہ متعدد نہیں ہوتے لیکن پیر تعلیم مثل پیر صحبت کے کئی ہو سکتے ہیں اور یہی سالکوں کا معمول ہے۔

-17 صوفیۂ کرام کے سلسلوں میں لوگوں نے خرقہ کی سند حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریقہ عنعنہ بیان کی ہے مگر ذکر کو بطریق عنعنہ بیان نہیں کیا مگر سلسلہ نقشبندیہ وکبرویہ میں ذکر کی سند بطریق عنعنہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر آج کے دن تک درمیانی راویوں میں کسی طرح کا خلل نہیں پڑا۔ اس موقعہ پر حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ یہ جو کہتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں طریقہ رابطہ حضرت صدیق اکبرؓ سے طریقۂ ذکر حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے پہنچا ہے، کہاں تک درست ہے؟ آپ نے فرمایا جو ذکر ہمارے سلسلہ میں ہے اور جسے وقوفِ عددی کہتے ہیں، مقررہ طریقہ کے ساتھ مثلاً حبس دم اور اُس کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملانا، وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہم تک بطریق عنعنہ پہنچا ہے اور طریق صحبت بھی آپ ہی سے پہنچا ہے کیونکہ آپ سفر وحضر میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے اور بطریق صحبت فیض حاصل کرتے تھے۔ اصل اس کام میں صحبت ہے اور رابطہ اُس کا ظل ہے۔ جب صحبتِ ظاہری مفقود ہو تو اس طریقہ والوں نے رابطہ پر اکتفا کیا جو صحبت معنوی ہے۔

18- ایک روز مولانا جامی قدس سرہٗ السامی کی کتاب ''نقد نصوص'' کی یہ عبارت نظر مبارک میں آئی کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حضور کی حالت میں بغیر اس کے کہ حس سے غائب ہوں امور غیبیہ کے بعض حقائق اس گروہ پر کھل جاتے ہیں اور اسی کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ مکاشفہ کبھی جھوٹ نہیں ہوتا کیونکہ مکاشفہ سے مراد ہے علائق بدن سے مجرد ہونے کی حالت میں روح کا مغیبات کے مطالعہ میں متفرد (تنہا) ہونا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت جامیؒ نے یہ مضمون ترجمہ عوارف سے نقل کیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بعضے مکاشفات جن میں خیال کو کچھ دخل ہے اُن میں خطا بھی ہو جاتی ہے لیکن علومِ یقینی جو کہ مدرکہ (ذہن پر الہام کیے جاتے ہیں) ان میں خطا کو کچھ دخل نہیں۔ اس موقعہ پر ایک درویش نے عرض کیا کہ بعض علوم یقینی میں بھی جو بطریق الہام معلوم ہوتے ہیں، خطا پائی جاتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اُس کا سبب یہ ہے کہ صاحبِ الہام اپنے مقدمات مسلمہ میں سے بعض کو جو اُس کے نزدیک یقینی ہیں، ان علوم یقینی کے ساتھ ملا لیتا ہے، اسی وجہ سے ان میں خطا آ جاتی ہے ورنہ صرف علومِ الہامیہ میں خطا کی گنجائش نہیں۔ علوم عقلیہ کے علماء جو قوانین منطق کی رعایت کرتے ہیں کبھی ان کے فکر میں خطا داخل ہو جاتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ اپنے مقدمات مقررہ کو یقینی خیال کر کے اُس میں ملا لیتے ہیں ورنہ منطق تو وہ علم ہے کہ اُس کی رعایت ذہن کو فکر میں خطا سے بچاتی ہے۔ اگر صرف منطق کا استعمال ایسے مقدمات ملانے کے بغیر ہو تو ذہن کبھی خطا نہ کرے۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اُن کو کشف کی کچھ ضرورت نہیں، کیونکہ کشف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کشفِ دنیوی جو بالکل کسی کام نہیں آتا۔ دوسرا کشف اُخروی جو کتاب وسنت میں بصراحت مذکور ہے اور عمل کے لیے کافی ہے۔ کوئی کشف اس کے برابر نہیں۔

19- اہل اللہ کے بارے میں سلسلۂ کلام شروع ہوا تو فرمایا کہ اہل اللہ تین فرقے ہیں۔ (۱) عباد، (۲) صوفیہ، (۳) ملامتیہ۔ عباد وہ لوگ ہیں جنھوں نے ظاہر عبادت پر اکتفا کیا ہے اور فرائض وسنن کے بعد نفلی عبادتوں اور خیرات پر قیام کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ چاہتے ہیں کہ خیرات میں سے کسی چیز کی فروگزاشت نہ ہو اور صوفیہ کے اذواق مواجید سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ عباد میں سے جو شخص صوفیہ کے اذواق ومواجید سے بہرہ ور ہو گیا وہ گروہ صوفیہ میں داخل ہو گیا اور اپنے مرتبہ سے نکل آیا۔ صوفیہ وہ فرقہ ہے جو مواجید واذواق سے بہرہ ور ہیں اور اپنے خوارق وکرامات کو مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رکھتے۔ تمام کاموں میں ان کی نظر خدا پر ہے اور مخلوق کو مظاہر حق جانتے ہیں۔ اس فرقہ میں ایک طرح کی رعونت ونخوت رہ گئی ہے۔ ملامتیہ وہ لوگ ہیں جو عام لوگوں کے لباس میں رہتے ہیں اور عوام سے کچھ امتیاز نہیں رکھتے اور ظاہر میں فرائض وسنن موکدہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اخلاص کی رعایت میں کوشش کرتے ہیں اور اپنے تئیں اپنے خوارق ظاہر کر کے مشہور وظاہر نہیں کرتے۔ اس امر میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا اتباع کیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ عالم ظہور کا محل نہیں۔ خدا تعالیٰ نے

اپنے تئیں عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اپنے تئیں مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ اُن کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ یہ جماعت رعونت سے بالکل آزاد و پاک ہے وہ مقام عبودیت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ نے اس جماعت کے کئی سردار ٹھہرائے ہیں۔ سب سے بڑے سردار (۱) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتاتے ہیں۔ صحابہ کرام میں سے (۲) حضرت صدیق اکبر اور (۳) سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مشائخ میں سے (۴) حضرت بایزید بسطامی اور (۵) ابوسعید خراز اور (۶) ابوالسعود اور (۷) اپنے آپ کو بتاتے ہیں۔ ان کے سوا اوروں سے ساکت ہیں مگر اُن کی نفی نہیں کرتے۔ شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ کسی خاص وقت میں کشف میں آ گیا اُسے لکھ دیتے ہیں۔ فرقہ ملامتیہ میں سے جو لوگ اپنے تئیں مخلوق پر بعنوان ملامت ظاہر کرتے ہیں اور بعض ایسی چیزوں کے مرتکب ہوتے ہیں جو باعتبار ظاہر ممنوع ہیں مثلاً سفر میں ماہ رمضان میں دن کے وقت بازار میں کھاتے پھرتے ہیں تاکہ مخلوق کی نظروں سے ان کا اعتبار اُٹھ جائے۔ ایسے لوگ رتبہ و مرتبہ میں صوفیہ سے کم درجہ کے ہیں۔ مخلوق اُن کی نظروں سے ساقط نہیں، ہوا ہے۔

-20 (ایام وفات سے پہلے) فرماتے تھے، کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ طریق توحید (وحدتِ وجود) کے سوا ایک اور وسیع راہ ہے اور توحید کی راہ اُس شاہراہ کے مقابلہ میں محض ایک تنگ کوچہ ہے۔

(24)

امام ربانی مجدد الف ثانی

حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

971ھ 1034ھ

سرہند شریف (انڈیا)———سرہند شریف، ریاست پٹیالہ (انڈیا)

1564ء 1624ء

مادۂ تاریخ وفات

"وارث رسول"	"احمد صراطِ مستقیم"	"شیخ بود اہل اللہ"
1034ھ	1034ھ	1034ھ

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ"

1034ھ

(24) امام ربانی مجدد الف ثانی

حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

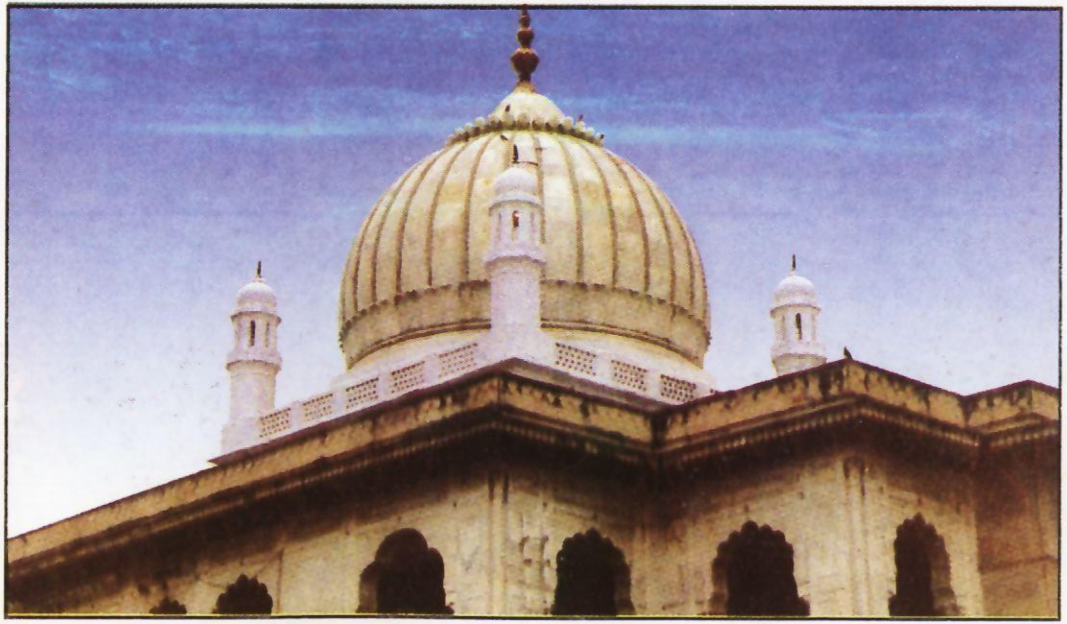
آپ کا شجرہ نسب امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح ملتا ہے۔(۱) شیخ احمد بن (۲) شیخ عبدالاحد بن (۳) شیخ زین العابدین بن (۴) شیخ عبدالحی بن (۵) شیخ محمد بن (۶) شیخ حبیب اللہ بن (۷) شیخ رفیع الدین بن (۸) شیخ نصیر الدین بن (۹) شیخ سلیمان بن (۱۰) شیخ یوسف بن (۱۱) شیخ اسحاق بن (۱۲) شیخ عبداللہ بن (۱۳) شیخ شعیب بن (۱۴) شیخ احمد بن (۱۵) شیخ یوسف بن (۱۶) شیخ شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ بن (۱۷) شیخ نصیر الدین بن (۱۸) شیخ محمود بن (۱۹) شیخ سلیمان بن (۲۰) شیخ مسعود بن (۲۱) شیخ عبداللہ الواعظ الاصغر (۲۲) شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن (۲۳) شیخ ابوالفتح بن (۲۴) شیخ اسحٰق بن (۲۵) شیخ ابراھیم بن (۲۶) شیخ ناصر بن (۲۷) شیخ عبداللہ بن (۲۸) عمر بن (۲۹) حفص بن (۳۰) عاصم بن (۳۱) عبداللہ بن (۳۲) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[۱]

آپ کے اجداد میں سے پندرھویں جد شیخ شہاب الدین الملقب بہ فرخ شاہ کابلی سلاطین کابل کے بڑے امراء و وزراء میں سے تھے۔ شیخ ممدوح پہلے مسلمان امیر ہیں جنھوں نے غزنی و کابل سے ہندوستان آ کر دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کی خاطر کفار سے جہاد کیا۔ بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کا بول بالا کیا۔ بارہا بکثرت مالِ غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے، آخر میں ترک امارت و وزارت کر کے فقر اختیار کیا اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو کر کوہستان کابل میں سکونت اختیار کی۔ بندگانِ خدا کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے مستفید فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا۔ شیخ ضیاء الحق علیہ الرحمہ نے یہاں خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی، آج کل یہ مقام ''درۂ فرخ شاہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مجدد کے چھٹے جد امجد امام شیخ رفیع الدین ہیں جو علمِ ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کو حضرت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس خاندان سے پہلے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ شہر سرہند کی بنا آپ ہی نے رکھی تھی جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا۔ جس میں درندے رہا کرتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی زبان میں سہرند (سہ بمعنی شیر۔ رند بمعنی جنگل) یعنی بیشۂ شیر تھا۔ اس سرزمین کے گرد و نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سامانہ نامی شہر تھا جو

---

[۱] مولانا نور بخش توکلیؒ نے ''تذکرہ نقشبندیہ'' میں شیخ ناصر کے والد شیخ عبداللہ کو حضرت عمر فاروقؓ کا فرزند قرار دیا ہے اور لکھا ہے: ''شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ'' یہ درست نہیں ہے بلکہ یوں ہے شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ (سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی 1983ء ص (44) (قصوری)



روضہ شریف حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرہند شریف، پنجاب۔ بھارت



جامع مسجد فیروز شاہ کے آثار جہاں حضرت مجددؒ الفِ ثانی
نے خواجہ باقی باللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے فیض نقشبندیہ حاصل کیا۔
دھلی۔ بھارت

یہاں سے پچاس میل (80 کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھالوگ خزانہ میں روپیہ پیسہ داخل کرنے کے لیے سامانہ جایا کرتے تھے۔ اس لیے اردگرد کی رعایا بالخصوص رعایائے براس نے جو یہاں سے بارہ میل تھا، اُوچ شریف (بہاولپور ڈویژن) حاضر ہوکر حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے، عرض کیا کہ آپ دہلی تشریف لے جاکر سلطان کو حکم دیں کہ یہاں ایک شہر بنایا جائے تاکہ ہماری مشکلات ختم ہو جائیں۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ دہلی تشریف لائے، سلطان نے پرجوش استقبال کیا اور پہلی ہی ملاقات میں منظوری دے دی کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے۔ حضرت امام رفیع الدینؒ کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ کے وزیر باتدبیر تھے، اس کام کو انجام دینے کے لیے مقرر ہوئے۔ اور دو ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں تعمیر شہر میں مصروف و مشغول ہوگئے۔ پہلے 760ھ میں قلعہ کی بنا اُس ٹیلہ پر رکھی جہاں جنگل تھا مگر ہر روز جتنی دیوار تیار ہوتی، دوسرے دن گری ہوئی نظر آتی۔ جب اس امر کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو اُس نے اِس کا علاج حضرت سید مخدوم جہانیاںؒ کے سپرد کیا۔ انھوں نے اپنے خلیفہ امام نماز شیخ رفیع الدینؒ کو جو سنام میں رہا کرتے تھے کو حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ سے اس قلعہ کی بنیاد رکھو اور اُس شہر میں سکونت اختیار کرو کیونکہ وہاں کی ولایت تمھارے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت امام اس جگہ جلوہ افروز ہوئے اور مکاشفہ سے معلوم کیا کہ شاہی لوگ ایک خدادوست شخص کو زبردستی مزدوروں میں شامل کر لیتے تھے اور وہ رات کو توجہ ڈال کر دیوار گرا دیتا تھا[1]۔ آپ نے منع فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے قلعہ کی بنیاد رکھی اور قلعہ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کے زیر اہتمام انجام کو پہنچی۔ اختتام تعمیر پر حضرت امام نے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار مبارک قصبہ سرہند سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر خوب آباد رہا یہاں تک کہ 1077ھ بمطابق 67-1666ء میں سکھوں نے اسے تاخت و تاراج کیا اور پھر دوبارہ اس کی رونق بحال نہ ہوسکی۔ 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو سرہند سریف (مشرقی پنجاب) ہندوستان کے حصے میں آ گیا اور یہ مقدس سرزمین مسلمانوں کے وجود سے خالی ہوگئی۔ غیر مسلم پناہ گزینوں نے اپنے ڈیرے جمالیے۔ البتہ حضرت مجددؒ کا روضہ مبارک اور ان کی خانقاہ خود حضرت مجدد کی کرامت سے اور بظاہر افغانستان کے احتجاج پر محفوظ رہ گیا اور اس میں کچھ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر وہ بات کہاں۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کے والد ماجد شیخ عبدالاحدؒ آغاز جوانی ہی میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کے مرید ہوگئے اور اُن کی خدمت میں رہنے کی اجازت چاہی مگر انھوں نے اجازت نہ دی۔ فرمایا کہ علوم دین و شریعت حاصل کر کے آجانا کیونکہ علم کے بغیر درویشی بے لطف ہے[2]۔ عرض کیا، مجھے خدشہ ہے کہ علومِ دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کی صحبت کو نہ پاؤں۔ فرمایا، اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے جو کچھ چاہو حاصل کر لینا۔ اتفاقاً تحصیل علوم سے پہلے ہی حضرت شیخ قدس سرہٗ نے وصال فرمایا اور حضرت شیخ عبدالاحدؒ علوم دینیہ کی تحصیل اور مختلف شہروں

---

1. وہ خدادوست شخصیت حضرت بوعلی قلندر قدس سرہ تھے۔ (قصوری)

2. شیخ سعدی نے کیسی سچی بات کہی ہے۔ چوں شمع از پئے علم باید گداخت کہ بے علم نتواں خدارا شناخت (قصوری)

کی سیر وسیاحت کے بعد شیخ رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے والد گرامی قدس سرہٗ کے اشارے کے مطابق آپ کی تربیت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں خرقۂ خلافت مرحمت فرما کر طالبان خدا کی تعلیم وتربیت کا حکم دیا اور تحریری اجازت نامہ عطا فرمایا جو ''زبدۃ المقامات'' میں منقول ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کا انتساب باطنی ہر چار سلاسل سے ہے۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ حضرت باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ ہیں جو حضرت خواجہ محمد مقتدیٰ امکنگی کے مرید وخلیفہ ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں آپ مرید وخلیفہ شاہ سکندر کیتھلیؒ کے ہیں جو مرید وخلیفہ اپنے جد بزرگوار شاہ کمال کیتھلیؒ (المتوفی 921ھ بمطابق 1515ء) کے ہیں اور سلسلہ چشتیہ صابریہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مرید وخلیفہ ہیں جو حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کے ہیں۔ ان چاروں سلسلوں کے علاوہ آپ کو دیگر سلاسل مثلاً شطاریہ، مداریہ، کبرویہ وغیرہ کی تلقین کی اجازت بھی اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی۔

آپ کی ولادت باسعادت شہر سرہند شب جمعہ المبارک 14 شوال 971ھ بمطابق 1564ء کو ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیل گئی ہے۔ سؤر، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ظالموں، زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں اور کوئی شخص بآواز بلند کہہ رہا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (پارہ:15، سورۃ بنی اسرائیل، آیۃ:81)	اور کہہ، سچ آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے۔

اس خواب کی تعبیر حضرت قدس سرہٗ نے شاہ کمال کیتھلیؒ سے دریافت کی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ تمھارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد و بدعت کی تاریکی دُور ہوگی۔ یہ تعبیر بالکل درست نکلی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایام رضاعت میں آپ بہت علیل ہوگئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو شاہ کمال کیتھلیؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دے دی اور آپ اُسے دیر تک چوستے رہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا، خاطر جمع رکھو، یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا اور (۱) عالم، (۲) عامل اور (۳) عارفِ کامل ہوگا اور میرے تیرے جیسے بہت سے اس سے پیدا (فیض یافتہ) ہوں گے۔

جب آپ سن تعلیم کو پہنچے تو آپ کو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑی مدت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں اکثر علوم متداولہ والد بزرگوار سے حاصل کر کے سیالکوٹ تشریف لے جا کر معقولات کی بعض کتابیں حضرت مولانا کمال کشمیری اور حدیث کی بعض کتابیں مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ مولانا یعقوب کشمیریؒ نے جو قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، حرمین شریفین میں جا کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کی ہوئی تھی۔ علاوہ

ازیں حضرت مجدد قدس سرہٗ نے تفسیر واحدی و دیگر مؤلفات واحدی اور تفسیر بیضاوی اور دیگر مصنفاتِ بخاری و مشکوٰۃ المصابیح وشمائل ترمذی وجامع صغیر سیوطی اور قصیدہ بُردہ وغیرہ کی اجازت عالمِ ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی تھی۔ قاضی موصوف کو کتب مذکورہ کی اجازت شیخ عبدالرحمٰن بن مندب سے تھی۔ جن کا گھر آباواجداد سے بیت الحدیث چلا آتا تھا۔ الغرض آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے سب مرحلے طے کر کے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر تدریس میں مشغول ہو گئے اور طلبہ علوم کو اپنی برکات سے بہرور فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ نے عربی فارسی میں متعدد رسالے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ چنانچہ رسالہ (۱) تہلیلیہ، (۲) رسالہ اثباتِ نبوت، (۳) رسالہ ردِ شیعہ ان ہی رسائل میں سے ہیں۔

رسالہ رَدِ شیعہ کی تصنیف کا باعث یہ ہوا کہ عبداللہ خاں اوزبک والئی سمرقند و بخارا نے جو 990ھ میں تخت نشین ہوا تھا، خراسان پر حملہ کیا اور نو ماہ کے محاصرہ کے بعد ہرات کو 993ھ میں فتح کر لیا۔ جب خان مذکور نے خراسان کے مشہور شہر طوس یعنی مشہد مقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو فقہائے مشہد میں سے ایک نے ایک عرضداشت عبداللہ خاں کی خدمت میں بھیجی جس کا ماحصل یہ تھا کہ رعایائے مشہد تو اکثر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے ہے۔ آپ نے کس دلیل سے مشہد کا محاصرہ کیا، وہاں کے باشندوں کا قتل اور اُن کے مال کا لوٹ لینا جائز رکھا ہے؟ عبداللہ خان نے وہ تحریر علمائے ماوراء النہر کی خدمت میں پیش کی جو اُس محاصرہ میں ہمرکاب تھے۔ اس کے جواب میں علمائے مذکورین نے ایک رسالہ بدیں مضمون لکھا کہ شیعہ کافر ہیں اور ان کا مال لوٹ لینا جائز اور مسلمانوں کے لیے مباح ہے۔ اس پر محمد بن فخر الدین علی رستمداری شیعی نے جو مشہد میں روضۂ مقدس کی خدمت اور تدریس کا منصب رکھتا تھا اس تحریر کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جیسا کہ مجالس المومنین میں مذکور ہے۔ جب یہ رسالہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اُس کا نہایت مدلل و معقول جواب لکھا۔ اُن دنوں میں اہل تشیع، ہندوستان میں ارباب حشمت و جاہ تھے اور شاہی دربار میں تقرب تام رکھتے تھے اور بادشاہ وقت بھی دین اسلام اور ارباب دین سے نہایت دشمنی رکھتا تھا۔ ان حالات میں حضرت اقدس کا تردیدِ شیعہ میں قلم اٹھانا آپ کی حمیت و غیرتِ اسلامی کی زبردست دلیل ہے۔

آگرہ کے مشاہیر علماء کا شہرہ سن کر آپ کے دل میں ان حضرات کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہاں تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور کئی دفعہ ابوالفضل کی مجلس میں شرکت کا موقعہ ملا۔ وہ آپ کی خاص رعایت و تعریف کیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے فلاسفہ اور اُن کے علوم کی توصیف میں نہایت مبالغہ کیا۔ جس سے علمائے دین کی توہین لازم آتی تھی۔ آپ سے یہ کب برداشت ہو سکتا تھا۔ فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہٗ العالی نے رسالہ المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ وہ علوم جن کی وضع، فلاسفہ اپنے آپ کو بتاتے ہیں مثلاً ہیئت، نجوم وطب۔ یہ کتب انبیائے سابقین سے سرقہ ہیں اور ریاضی وغیرہ جو فلاسفہ کے طبع زاد ہیں، دین میں کس کام آتے ہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر خفا ہوا اور کہنے لگا کہ غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ آپ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور اُس کی مجلس سے تشریف لے آئے۔ اُٹھتے وقت فرمایا کہ اگر تو ہم سے اہل

علم کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے تو ایسی دور از ادب باتوں سے زبان کو بند رکھ۔ آپ کئی روز اس کی مجلس میں تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اُس نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیج کر معافی مانگ کر تشریف لانے کا کہا۔

ایک روز آپ ابوالفضل کے بھائی فیضی کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ اُن ایام میں اپنی تفسیر بے نقطہ[1] (سواطع الالہام) لکھ رہا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ خوب موقعہ پر تشریف لائے ہیں، ایک مشکل درپیش ہے کہ جس کی تاویل و تفسیر حروفِ غیر معجم میں دشوار ہے۔ میں نے ہر چند دماغ سوزی کی ہے مگر دلخواہ عبارت نہیں سوجھتی۔ یہ سن کر آپ نے قلم برداشتہ اس صفحہ کے مطالب کثیرہ حروف بے نقطہ میں کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ تحریر فرما دیئے کہ جس سے فیضی حیران رہ گیا۔ اس واقعہ سے آپ کی زبردست علمی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔

جب آپ کو آگرہ میں قیام فرما ہوئے کچھ عرصہ بیت گیا تو آپ کے والد گرامی کو فرزند دلبند کی دُوری ناگوار گزری۔ اس لیے وہ شوق دیدار میں آگرہ پہنچے اور آپ کو ہمراہ لے کر وطنِ مالوف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں تھانیسر ٹھہرے جہاں کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا عقد نکاح ہو گیا۔ وطن پہنچ کر آپ نے سلوک طریقہ صوفیہ میں قدم رکھا اور اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں بہت سے فوائد باطنی حاصل کیے۔ چنانچہ آپ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھتے ہیں:

> ''اور اس فقیر کو اس نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد (مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری کیتھلیؒ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کرامات و خوارقِ عادات میں مشہور تھے، حاصل ہوئی تھی، لیکن یہ فقیر اپنی بصیرت کوتاہی اور اس نسبت کے محض گاہے گاہے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے سلوک کی منزلیں طے کر لینے سے پہلے تک اس نسبت کو اپنے اندر نہیں پاتا تھا اور نہ اس بات کا قطعاً کوئی علم تھا کہ یہ نسبت مجھے حاصل ہے۔ نیز اس فقیر کو عباداتِ نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والد ماجد ہی کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔''[2]

ان ہی ایام میں ایک مرتبہ آپ بیمار ہو کر بہت کمزور ہو گئے۔ آپ کی حالت دیکھ کر اہلیہ بے قرار ہو گئیں اور انھوں نے دوگانہ ادا کر کے رو رو کر آپ کی صحت کے لیے دُعا کی۔ اسی حال میں اُسے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتی ہیں کہ ایک شخص کہہ رہا کہ تسلی رکھو ہمیں ان سے بڑے بڑے کام لینے ہیں میں سے ابھی ہزارواں حصہ (ہزار سے ایک) بھی ظہور میں نہیں آیا۔ چنانچہ آپ جلدی تندرست ہو گئے اور اس معاملہ کے تھوڑی مدت بعد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی

1۔ تفسیر غیر منقوط (بے نقط) ''سواطع الالہام'' مُلّا علامہ ابوالفیض فیضی مطبوعہ، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (ہندوستان) کتب خانہ خیریہ دربارِ عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر میں موجود ہے۔ از حضرت صوفی محمد اسرائیل الخیری صاحب ناظمِ اعلیٰ دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور۔ (قصوری)

2۔ مبدأ و معاد (معاردو ترجمہ از سید زوار حسین شاہ) مطبوعہ کراچی 1968ء ص 96)

خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ کو حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضہ مقدسہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق مدت سے دامنگیر تھا مگر اپنے والد کی کبرسنی کے سبب سے اس ارادے کو ملتوی رکھا ہوا تھا۔ آپ کے والد نے 27 جمادی الآخر 1007ھ بمطابق 1598ء میں بعمر شریف اسی (80) سال وصال فرمایا تو اگلے سال ارادۂ حج سے روانہ ہوئے۔ راستے میں جب دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری نے جو آپ کے دوستوں میں سے تھے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی بہت تعریف کی اور اُن سے ملنے کی ترغیب دی۔ چونکہ آپ کو نسبتِ عالیہ نقشبندیہ کا شوق پہلے سے تھا لہذا آپ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مہربانی سے پیش آئے اور آپ کا ارادہ وقصد دریافت کیا۔ آپ نے اپنا عزم ظاہر کیا۔ اگر چہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ شیوہ نہ تھا کہ کسی طالب کو بذاتِ خود اپنے آپ اخذِ طریقہ کا اشارہ کریں یا ایسے سفر مبارک سے روک کر اپنی خانقاہ میں سکونت کے لیے ارشاد فرمائیں مگر چونکہ اس شہباز بلند پرواز کی قابلیت واستعداد بلند پر نظر عالی تھی۔ اس لیے اپنی عادت مبارکہ سے تجاوز کر کے فرمایا کہ اگر چہ تم سفر مبارک کا ارادہ رکھتے ہو لیکن کچھ مدت سے کم سے کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ فقراء کی صحبت میں رہو تو کیا حرج ہے؟ حسب الارشاد آپ نے ایک ہفتہ کا قیام اختیار فرمایا لیکن ابھی دو روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کشف وتصرف سے آپ پر اخذِ طریقہ نقشبندیہ کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ سے عرض کیا۔ حضرت خواجہؒ نے فی الفور بغیر استخارہ کے داخل طریق کر لیا اور خلوت میں لے جا کر توجہ شروع کی۔ چنانچہ اسی وقت آپ کا دل ذاکر ہو گیا اور حلاوت والتذاذ پیدا ہوا اور روز بروز ترقیات وعروجات ظاہر ہونے لگے۔

ان ایام میں ایک روز حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے آپ کے رُشد وارشاد اور بلند استعداد کو دیکھ کر آپ کو خلوت میں طلب کیا اور وہ وقائع بیان کیے جو اس سے چند سال پیشتر آپ کو علو حال وکمال کی نسبت معائینہ کیے تھے اُن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے مخدوم حضرت خواجہ محمد مقتدیٰ امکنگی قدس سرہٗ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہندوستان جاؤ تاکہ یہ سلسلہ شریفہ تمھارے ذریعے سے وہاں جاری ہو جائے تو میں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لائق نہ سمجھ کر عذر کیا۔ آپ نے استخارہ کے لیے فرمایا۔ میں نے استخارہ میں دیکھا کہ گویا ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔ میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر وہ طوطی شاخ سے اُڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے لیے اس سفر میں بہت سے فتوح ظاہر ہوں گے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ طوطی اُڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا اور میں نے اپنا لعاب دہن اُس کے منہ میں ڈالا اور اُس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے روز میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمھارے دامن برکت سے ایک بزرگ کا ظہور ہوگا جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا اور تم بھی اس سے بہرہ ور ہو گے۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے آپ سے فرمایا کہ حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ کا اشارہ تمھاری طرف تھا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب میں حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہٗ سے رخصت ہو کر ہندوستان میں آیا اور تمھارے شہر سرہند میں پہنچا تو خواب میں مجھے بتایا گیا کہ تم قطب کے پڑوس میں اُترے ہو اور اُس قطب کے حلیہ سے بھی اطلاع بخشی گئی۔ صبح کو اُٹھ کر میں شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لیے گیا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہ پایا اور نہ کسی میں قطبیت کے آثار نظر آئے۔ میں نے خیال کیا کہ شہر والوں میں سے کسی میں قطبیت کی قابلیت ہوگی کہ جس کا ظہور بعد میں ہوگا۔ مگر جس روز میں نے تم کو دیکھا تمھارا حلیہ اس حلیہ کے مطابق پایا اور اُس قابلیت کا نشان بھی تم میں دیکھا گیا۔ میں نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلایا ہے جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جاتی ہے اور لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لیے ہیں۔ میں جو سرہند شریف کے نواح میں پہنچا تو وہاں کے جنگل وصحرا کو مشعلوں سے پُر پایا۔ اس بات کو بھی میں نے تمھارے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھا۔

حاصل کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کی تربیت کی برکت سے جو کچھ آپ نے دو تین ماہ میں حاصل کیا وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ ایک طالب کی ترغیب کے لیے خود آپ نے اس کا ذکر بطریق اجمال اپنے مکتوبات شریف (دفتر اول مکتوب 290) میں کیا ہے۔ جسے ہم بخوفِ طوالت یہاں نقل نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ نے کئی بار فرمایا کہ شیخ احمد مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی سرعتِ سیر کا سبب یہ ہے کہ وہ محبوب و مراد ہیں۔ ابھی آپ کو خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں چند دن ہی گزرے تھے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے اپنے ایک مخلص کو خط میں یوں لکھا:

> ''شیخ احمد نام کا ایک شخص سرہند کا رہنے والا کثیر العلم اور قوی العمل ہے۔ وہ چند روز فقیر کی صحبت میں رہا۔ اُس کے بہت سے عجیب حالات دیکھنے میں آئے۔ وہ ایسا نظر آتا ہے کہ ایک چراغ ہوگا جس سے جہان کے جہان روشن ہوں گے۔ الحمد للہ، اُس کے احوال کاملہ میرے نزدیک یقینی ہیں۔ اس شیخ مشارٌ الیہ کے بھائی اور قریبی رشتہ دار سب نیک اور طبقہ علماء سے ہیں۔ اُنھیں جواہر عالیہ سمجھ کر میں نے کئی حضرات سے ملاقات کی ہے، عجیب لیاقت رکھتے ہیں۔ اس شیخ کے بیٹے جو ابھی بچے ہیں، اسرار الٰہی سے ہیں، حاصل کلام شجرۂ طیبہ ہیں۔ فقرائے بابِ الٰہی ہیں اور عجیب دل رکھتے ہیں۔ اللہ اُسے اچھی طرح نشو ونما دے۔''

غرض کہ حضرت خواجہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے ایسا بلند استعداد مسترشد آپ کی خدمت میں بھیجا جو آپ کی نظر تربیت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں درجۂ کمال و تکمیل کو پہنچ گیا اور آپ کو اجازت کاملہ کا خلعت پہنا کر وطن مالوف یعنی سرہند کو روانہ کر دیا اور اپنے طالبوں کی ایک جماعت اُن کی خدمت میں متعین کر دی۔

آپ وطن پہنچ کر حسب الارشاد طالبوں کی تربیت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑی مدت میں ہی ایک بڑی جماعت کو فیوضات کے چشمہ سے شاداب کر دیا۔ اسی اثنا میں آپ کی بلند ہمت حاصل شدہ کمال کو قلیل خیال کر کے عروج کی

خواہاں ہوئی اور طالبوں کی تربیت سے کنارہ کشی کر کے عزلت کی طرف مائل ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے وہ مطلب جسے آپ عزلت میں حاصل کرنا چاہتے تھے محض اپنے کرم سے عطا فرمایا ور پھر طالبان خدا کی روحانی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب گرامی میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''جب حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) نے مجھے کامل مکمل سمجھ کر تعلیم طریقہ کی اجازت دے دی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے سپرد کر دی۔ اُس وقت مجھے اپنے کمال وتکمیل میں کچھ تردد تھا۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ یہ تردد کا محل نہیں کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال وتکمیل کا مقام بتایا ہے۔ اگر اس مقام میں کچھ تردد پیدا ہو جائے تو اُن مشائخ کی کمالیت میں شک لازم آئے گا۔ میں نے حسب الارشاد طریقت کی تعلیم شروع کر دی اور طالبوں کے کام میں توجہات مبذول کیں۔ مریدوں میں بڑے اثر محسوس ہوئے یہاں تک کہ سالوں کا کام گھڑیوں پر آ گیا۔ کچھ مدت اس کام میں سرگرم رہا۔ آخر کار پھر اپنے ناقص ہونے کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو اکابر مشائخ نے نہایت بتایا ہے وہ اس راہ میں پیدا نہیں ہوئی اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا ہے لہٰذا اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت آپ نے ناقص ہونے کا علم دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا۔ طالبانِ خدا جو میرے گرد تھے میں نے اُن کو جمع کر کے اپنے ناقص ہونے کا حال بیان کیا اور سب سے رخصت چاہی مگر طالبوں نے اس بات کو تواضع پر محمول کیا اور استفاضہ سے باز نہ آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت حق سبحانہ نے احوال منتظرہ حاصل کرا دیئے بطفیل اپنے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت و التسلیمات۔'' (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب 29)

کچھ مدت کے بعد آپ پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے پھر دہلی تشریف لے گئے اور دیر تک اُن کی صحبت میں رہ کر بہ نسبتِ سابق درجات ومعاملات بلند حاصل کیئے۔ مگر اس کے باوجود اپنے پیرومرشد کا ادب واحترام اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ چنانچہ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبولین میں سے ایک نے مجھ سے بیان کی اکہ جن دنوں ہمارے خواجہ قدس سرہٗ اس خلیفۂ عالی درجات یعنی تمھارے شیخ میاں احمد (حضرت مجدد) کی طرف نہایت التفات فرماتے تھے اور اُن کی تعظیم وتوقیر میں مبالغہ کرتے تھے ایک روز کسی ضرورت کے لیے مجھے اُنؐ کے بلانے کو بھیجا۔ جب میں نے حاضر خدمت ہو کر کہا حضرت پیردستگیر نے تمھیں بلایا ہے تو یہ سنتے ہی آپ کے رخسار کا رنگ ڈر کے مارے متغیر ہو گیا اور غایتِ خوف سے اضطراب بلکہ بدن میں رعشہ طاری ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ سبحان اللہ! سنا کرتے تھے کہ ؎

نزدیکاں را بیش بُود حیرانی
آج بچشم خود دیکھ لیا

آپ اپنے رسالہ مبدأ و معاد میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہم چار شخص اپنے خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں لوگوں کے نزدیک تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ اور معاملہ جدا تھا۔ یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بعد ایسی صحبت و اجتماع اور ایسی تربیت و ارشاد کبھی ظہور میں نہیں آیا اور اس نعمت کا شکر بجالاتا تھا کہ اگر چہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوا مگر اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت خواجہ اُن تینوں کا حال یوں بیان فرماتے تھے کہ فلاں مجھے صاحبِ تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد نہیں سمجھتا اور اُس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور تیسرے کی نسبت فرمایا وہ ہمارا انکار کرتا ہے۔ ہم سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔''

اس کے بعد جب آپ واپس سرہند آئے تو طالبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ اپنے حالات اپنے یاروں اور پیر بھائیوں کی ترقیوں کا حال بذریعہ عرائض اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کرتے رہے جیسا کہ مکتوبات شریف دفتر اول کے ابتدائی مکتوبات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت خواجہ قدس سرہٗ بھی اپنے اصحابِ موجودین کی ترقیات و قابلیات کا حالِ غائبانہ آپ سے دریافت کیا کرتے تھے اور کبھی عزیز متوقف کے عنوان سے اپنے واسطے بھی حصولِ مقصد کے لیے دُعا و توجہ کی درخواست کرتے تھے۔

جب تیسری بار حضرت شیخ، دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے حد سے زیادہ آپ کا احترام و اکرام کیا۔ چنانچہ آپ کے استقبال کے لیے قلعہ فیروز شاہ سے پیدل روانہ ہوئے اور کابلی دروازہ پر آپ کا استقبال کیا۔ پھر بڑے اعزاز کے ساتھ آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے اور اپنے سامنے آپ کو اپنے اصحاب کا سرِ حلقہ اور صبح و شام کے حلقۂ مراقبہ کا مقتدا بنایا اور خود اس حلقہ میں اپنے مسترشدوں کی طرح داخل ہوتے۔ جب حلقہ یا اُس مجلس سے جس میں آپ ہوتے۔ اُٹھتے تو غایت ادب کی رعایت سے بطور رجعتِ قہقری اُلٹے پاؤں واپس ہوتے۔ اسی طرح تحریر میں بھی نہایت نیاز مندی ظاہر کرتے اور اپنے اصحاب کو بھی تاکید کرتے تھے کہ آپ کی موجودگی میں ہماری تعظیم نہ کرو بلکہ اپنی توجہ بھی ہماری طرف نہ رکھو۔ القصہ آپ نے اپنے تمام مریدوں کو آپ کے حوالہ اور مشیخیت وارشاد کا معاملہ بالکلیہ اُن کے سپرد کر دیا۔ فرمایا کہ ضعف بدن کے آثار بہت زیادہ ظاہر ہو رہے ہیں، اب زندگی کی اُمید بہت کم ہے اور اپنے فرزندانِ گرامی خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ کو جو ابھی بچے تھے، طلب فرما کر اُن کے حق میں آپ سے توجہ کی خواہش فرمائی بلکہ اُن کی والدات (ماؤں) کو بھی غائبانہ توجہ کرائی۔ میر محمد نعمان کا بیان ہے کہ جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے تمام اصحاب کو آپ کے حوالے کر دیا تو اُس وقت مجھ سے بھی فرمایا کہ آپ کی صحبت کو سعادت سمجھ کر اُن کی خدمت میں رہا کرو۔ چونکہ پیر بھائی ہونے کی وجہ سے نفس میں رعونت متمکن تھی میں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا کہ وہ ہر چند بزرگ ہیں مگر میری توجہ کا قبلہ تو

آپ کی درگاہ ہے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے خفا ہو کر فرمایا:

''میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اُن کے ضمن میں گم ہیں۔ کامل اولیائے متقدمین میں سے خال خال اُن کی مثل ہوئے ہوں گے۔'' (زبدۃ المقامات)

اس کے بعد میں درست اعتقاد اور پوری نیاز مندی سے آپ کی خدمت میں پہنچا۔ ایک روز آپ اپنے حجرے میں چارپائی پر سوئے ہوئے تھے کہ ناگاہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ اکیلے آپ کی ملاقات کے لیے حجرے کے دروازے پر پہنچے۔ خادم نے آپ کو جگانا چاہا لیکن حضرت خواجہ نے سختی سے منع کر دیا اور بڑی نیاز مندی اور ادب و احترام سے دروازے کے باہر انتظار کیا۔ ایک لمحہ گزرا ہو گا کہ آپ نے بیدار ہو کر آواز دی کہ دروازے کے باہر کون ہے؟ حضرت خواجہ نے نہایت ادب سے کہا کہ ''فقیر محمد باقی'' ہے۔ یہ سن کر آپ حالتِ اضطراب میں چارپائی سے اُتر کر باہر آئے اور نہایت نیاز مندی و انکساری سے حضرت خواجہ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ غرضیکہ وہ صحبت و معاملہ جوان دونوں (پیر و مرید) کے درمیان ظہور میں آیا ہے، موجبِ حیرت اور عجائب روزگار سے ہے۔ کسی نے دیکھا تو کجا ایسا سنا بھی نہ ہو گا۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جو کلماتِ مدحیہ آپ کی شان میں فرمائے ہیں، وہ تحریر میں نہیں آ سکتے۔ ایک روز فرمایا کہ ''آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔'' دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ ''آج آسمان کے نیچے صوفیۂ کرام میں سے کوئی آپ جیسا نہیں۔'' ایک دفعہ فرمایا کہ ''صحابہ اور کامل تابعین و مجتہدین کے بعد اخص الخواص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ ہی کا ارشاد ہے کہ ان تین چار سالوں میں ہم نے مشیخیت نہیں کی بلکہ چند روز کھیل کھیلا ہے۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ ہمارا یہ کھیل اور یہ دکانداری رائیگاں نہیں گئی کہ جس سے ایسا شخص ظاہر ہو گیا۔ خود آپ کی زبانی سنا گیا کہ ''طالبوں کی تربیت میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی سرگرمی اُس وقت تک تھی جب کہ میرا معاملہ انتہا کو نہ پہنچا تھا۔ جب میرے کام سے فارغ ہو گئے تو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنے تئیں (اپنے آپ کو) مشیخیت کے کام سے ہٹا لیا اور طالبوں کو میرے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ:

''ہم اس بیج کو بخارا اور سمرقند سے لائے اور ہند کی برکت والی زمین میں بو دیا۔''

حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیخ احمد (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کی صحبت کے اثر سے اخیر میں معلوم ہوا کہ توحید تنگ کوچہ ہے اور اس سے اُوپر وسیع شاہراہ ہے۔

تیسری دفعہ جب آپ واپس وطن تشریف لائے تو اُس کے بعد حضرت خواجہ سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سرہند میں آپ چند روز قیام فرما کر لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں کے اصاغر و اکابر نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھا اور خواص و عوام میں بہت سے لوگ داخلِ طریقہ ہوئے اور بڑی سرگرمی اور اہتمام سے ہر جگہ شغل و مراقبہ ہونے لگا۔

قیام لاہور کے دوران میں ایک روز مولانا جمال تلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ جامع علومِ ظاہری و باطنی ہیں۔ مسئلہ وحدت وجود جو ظاہر شرع سے چنداں موافقت نہیں رکھتا اور بہت سے اولیائے کاملین کا مشرب

ہے اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اس پر آپ نے مولانا کے کان میں چند جملے کہے۔ جن کو سن کر مولانا کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور اربابِ حال کی طرح ان کے چہرے پر تغیر پیدا ہو گیا اور مولانا آپ کے زانو پر ہاتھ لگا کر اسی حالت میں بانکسارِ تمام رخصت ہوئے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے کیا ارشاد فرمایا اور مولانا نے کیا سنا۔

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی
کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی

آپ کے اصحاب میں ایک نے صاحبِ زبدۃ المقامات سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ اوائل میں جب نسبت احاطہ و سریان و معیت کا غلبہ تھا، ایک روز کسی نے میرے سامنے قلم پر قط لگایا تو میری انگلی کٹ گئی۔

القصہ جب لاہور میں اربابِ فضل و کمال کے ساتھ صحبت گرم تھی تو ناگاہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ کے وصال کی خبر پہنچی۔ آپ بحالت اضطراب، رنج و غم کی تصویر بن کر دہلی کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر روضۂ مقدس کی زیارت کی۔ صاحبزادگان اور پیر بھائیوں سے اظہار تعزیت کیا۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ آپ کے حلقہ میں حسبِ سابق حاضر ہوتے۔ حسب وصیت پیر و مرشد آپ بھی اُن کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے۔ آپ کی توجہات سے وہی باطنی طراوت و تازگی نظر آنے لگی جو حضرت خواجہ کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ مگر بعض اصحاب نے از راہِ حسد آپ کی مخالفت شروع کی۔ آپ نے اُن کے شکوک و شبہات کو رفع دفع کرنے کے لیے بہت نصیحت کی مگر سود مند نہ ہوئی۔ اس پر آپ نے بعضوں کی نسبتیں بھی سلب فرمائیں مگر وہ راہِ راست پر نہ آئے بلکہ سب جمع ہو کر حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے روضہ پر گئے اور توجہ و التجا بجالائے۔ اُن میں ایک صاحب کشف بھی تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ان درویشوں میں ہر ایک نے چراغ جلایا ہے، ایک چمکتی ہوئی بجلی آئی اس نے سب چراغوں کو گل کر دیا اور وہ چراغ ان درویشوں کی دُعا و توجہ تھی اور چمکتی بجلی آپ کی توجہ عالی تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے آپ کی طرف رجوع نہ کیا اور آپ اپنے وطن مبارک سرہند شریف لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے متنبہ ہو کر آپ سے معافی مانگی۔ آپ نے از راہِ کرم سب کو معاف فرما دیا۔ اس کے بعد آپ ہر سال ماہ جمادی الآخر میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس مبارک پر دہلی حاضر ہوتے اور چند روز وہاں ٹھہر کر سرہند شریف واپس تشریف لے آتے۔ دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ باقی تمام وقت سرہند شریف ہی میں قیام پذیر رہے۔ ہاں آخیر عمر میں کئی سال بادشاہ وقت کی مزاحمت کے سبب سے شاہی لشکر کے ساتھ بعضے شہروں میں جانا پڑا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

آپ کے فضائل و مکاشفات بے حد و حساب ہیں، بخوف طوالت اختصار کے ساتھ چند ایک درج ذیل ہیں:

1- علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے ''جمع الجوامع'' میں یہ حدیث نقل کی ہے۔[1]

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا۔	حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں صلہ بن اشیم کے ترجمہ میں یوں لکھا ہے۔ روی ابونعیم فی الحلیۃ من طریق ابن المبارک عن عبدالرحمن بن یزید بن جابر قال بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا۔

یہ حدیث شریف گویا آپ کے وجود مسعود کی طرف اشارہ ہے اور آپ خود یوں فرماتے ہیں:

''میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہوا ہے وہ میرے علم کے مطابق پورا ہو گیا ہے اور ہزار سالہ تجدید کی دُعا مقبول ہو گئی ہے۔ تمام تعریفیں ہر حال میں اُس پاک ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ (صلہ) اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنایا اور درود و سلام ہو حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے برادرانِ کرام انبیاء و ملائکہ عظام پر۔'' (مکتوب شریف دفتر دوم مکتوب 6)

آپ کے اس ارشاد مبارک میں دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت اور دو گروہوں سے مراد علماء صوفیہ کرام ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

2- صاحبِ حضرات القدس نے لکھا ہے کہ میں نے مقامات شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہٗ میں لکھا دیکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہم نام ہوں گے اور اُن میں آخری شخص بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوگا اور وہ اُن میں سب سے بڑا بزرگ ہوگا۔ یہ پیشن گوئی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر صادق آتی ہے۔

3- آپ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت (خمیرِ جسم اطہر) کے بقیہ سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اس امر کی طرف آپ خود یوں اشارہ فرماتے ہیں:

''سنیئے، سنیئے! اگرچہ اس دولتِ خاصہ محمدی (یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت کا ظہور نفس اسم الٰہی ہونا) میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں، مگر فقیر اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دولت خاصہ سے آپ کی تخلیق و تکمیل کے بعد بقیہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ سخیوں کی ضیافت کی دولت کے خوان میں زیادتیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ جو بصورت اُلش نوکروں کے نصیب ہوتی ہیں وہ بقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے دولت مندوں میں سے ایک کو اُلش عطا کیا گیا ہے اور اس کو خمیر مایہ بنا کر اس اُمتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے اور اُسے وتبعیت و وراثت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولتِ خاصہ میں شریک کیا گیا ہے۔

با کریماں کار ہا دشوار نیست

یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طینت کے بقیہ کی مانند ہے جو درخت خرما کی خلقت کے نصیب ہو گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اکرموا عمتکم النخلة فانها خلقت من طینة آدم.	تم اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی طینت سے پیدا کی گئی ہے۔

ہاں سخیوں کے پیالہ میں سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے۔

نے نے ترا زتربتِ یثرب گرفتہ اند
پنہاں ز شام و رُوم بہ سرہند ہشتہ اند

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اولیاء اللہ بعض پیغمبروں کی طینت کے بقیہ سے پیدا ہوئے ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت کے بقیہ سے بھی پیدا ہوئے ہوں۔ اس کے بعد بعنوان سوال لکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل سے ثابت نہیں ہوتیں مگر شریعت سے ثابت ہوتی ہیں یا کشف والہام سے مثلاً نفس ولایت جس سے مراد قرب الٰہی ہے۔ امام محی السنہ بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر معالم التنزیل میں آیہ کریمہ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى [1] کی تفسیر میں عطائے خراسانی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ نطفہ جو رحم میں قرار پکڑتا ہے فرشتہ کچھ خاک اُس مکان سے لاتا ہے جس میں وہ دفن کیا جائے گا اور اُس نطفہ میں ڈال دیتا ہے۔ پس آدمی خاک ونطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور خطیب بغدادی نے بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مامن مولود الا فی سرته التربة التی یولد منها فاذا مردانی ارذل عمره ردالیٰ تربة التی خلق منها و دفن فیها و انی وابابکر و عمر خلقنا من تربة واحدة و فیها ندفن

نہیں کوئی مولود مگر یہ کہ اُس کی ناف میں وہ خاک ہے کہ جس سے پیدا ہوتا ہے پس جب وہ ارذل عمر یعنی موت کے وقت پہنچتا ہے تو اُسی خاک میں لوٹایا جاتا ہے کہ جس سے پیدا ہوا تھا اور اُسی میں دفن ہوتا ہے اور تحقیق میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔

مرزا محمد بدخشانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے شواہد میں بروایت ابن عمر و ابن عباس، ابوسعید وابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔ شرح صحیح بخاری میں کتاب الجنائز میں ابن سیرین کا یہ قول مذکور ہے کہ اگر میں قسم کھاؤں تو سچا ہوں اور مجھے شک نہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے فرمایا کہ تو میری خاک سے پیدا ہوا ہے اور تیرا باپ فرشتوں کے ساتھ آسمان میں پرواز کرتا ہے اور جائز ہے کہ وہ خاک جو اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے لیے مہیا کی ہو اور آغاز پیدائش سے اس کی

---

[1] ترجمہ: ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔ (پارہ:16، سورۃ طٰہٰ، آیۃ:55)

زمین کو انوارِ برکات و نزول رحمت سے پرورش کیا ہو اُس میں سے کچھ بقیہ رہ جائے جو اولیاء اللہ میں سے کسی شخص کا خمیر مایہ بنے۔ یہ امر از روئے عقل محال نہیں اور شرع سے مستفاد اور کشف سے ثابت ہے اور اس کو اصطلاح میں اصالت کہتے ہیں۔

4- آپ، مجدد الف ثانی تھے یعنی سنہ ہجرت کے حساب سے دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے۔ چنانچہ آپ میر محمد نعمانؒ کو یوں لکھتے ہیں۔

''عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا کہوں۔ اگر کہوں تو کون سمجھے گا۔ یہ معارف ولایت کے احاطہ سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت مثل علمائے ظواہر کے اُن کے سمجھنے میں عاجز ہیں اور اس کی دریافت میں قاصر ہیں۔ یہ علوم انوارِ نبوت کی مشکوٰۃ (فانوس) سے اقتباس کیے گئے ہیں۔ (ارباب نبوت پر درود وسلام وتحیہ ہو) جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کی تجدید کے بعد تبعیت اور وراثت سے تازہ ہوتے ہیں اور تر وتازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں۔ ان علوم ومعارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ جو لوگ اُس کے اُن علوم ومعارف کو دیکھتے ہیں جو ذات وصفات وافعال اور احوال ومواجید وتجلیات وظہورات کے متعلق ہیں، اُن پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف، علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں بلکہ علماء واولیاء کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اُس پوست کا مغز ہیں۔ اللہ پاک ہادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے، لیکن صدی کا مجدد اور ہے الف (ہزار) کا مجدد اور۔ سو اور ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اُس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب واوتاد اور بُدلا ونجبا ہوں۔ اُسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں:

خاص کند بندہ، مصلحت عام را — خدا مصلحتِ عامہ کے لیے کسی بندے کو مخصوص کر دیتا ہے۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر دوم مکتوب 4)

ایک اور مکتوب میں جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام لکھا ہے اپنی تجدید کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

> ''اے فرزند! اب وہ وقت ہے کہ پہلی اُمتوں میں ایسے وقت میں جو تاریکی سے پُر ہے۔ اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت کو زندہ کیا کرتا تھا۔ اس امت میں جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر خاتم الرسل ہیں علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات، علماء کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کے وجود سے صرف علماء کے وجود پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس لیے ہر صدی کے سرے (آخر) پر اس اُمت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین ہوتا ہے جو شریعت کو

زندہ کرتا ہے بالخصوص ہزار سال گزرنے کے بعد جو پہلی اُمتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے مبعوث ہونے کا وقت تھا اور اس وقت ہر پیغمبر پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں ایک عالم عارفِ تام المعرفت درکار ہے جو پہلی امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام ہو۔

فیضِ رُوح القدس ار باز مدد فرماید اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد کر دکھائیں جو حضرت مسیح کیا کرتے تھے۔

حضرت میر محمد نعمان کو ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:

''اس اُمت کی آخریت کا آغاز جنابِ سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف سے دوسرے ہزار سال کے شروع سے ہے کیونکہ ہزار کے گزرنے کو تغیر امور میں بڑی خاصیت اور تبدیل اشیاء میں زبردست تاثیر ہے۔ چونکہ اس اُمت میں نسخ وتبدیل نہیں اس لیے سابقین کی نسبت اُسی تروتازگی سے متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید دوسرے ہزار میں کی گئی ہے۔ اس بات کے سچے گواہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

بھائی جان! یہ بات آج اکثر لوگوں پر ناگوار اور اُن کی سمجھ سے دور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم ومعارف کا مقابلہ کریں اور احوال کے صحت وسقم کو علوم شرعیہ کی کسوٹی سے پرکھیں اور دیکھیں کہ شریعت اور نبوت کی تعظیم وتوقیر کس میں زیادہ ہے تو شاید اس بات کو سمجھنے سے باز آ جائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالات نوبت سے کوئی نسبت نہیں۔ کاش دریائے محیط سے ایک قطرہ کی نسبت رکھیں۔ اس طرح کی باتیں بہت لکھی ہیں۔ خصوصاً اُس مکتوب (دفتر اول مکتوب 260) میں جو میں نے اپنے فرزند محمد صادق کے نام لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس گفتگو سے مقصود حضرت حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار اور اس طریقت کے طالبوں کی ترغیب ہے نہ کہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دینا۔ خدا جل وعلا کی معرفت اُس شخص پر حرام ہے جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے چہ جائیکہ اکابر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

وے چوں شہِ مرا برداشت از خاک
سردگر بگزرانم سر زافلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

(مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب 261)

طبقۂ علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہٗ جن کا تبحر علمی مشہور ہے، پہلے عالم ہیں جنھوں نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدید تصنیف فرمایا۔ واضح رہے 10 ربیع الاوّل 1010ھ بمطابق 1601ء بروز جمعۃ المبارک آپ کو تجدید کا خلعت زیب تن ہوا۔

-5 آپ کو اللہ تعالیٰ نے منصب قیومیت عطا فرمایا چنانچہ روضۃ القیومیہ میں ہے کہ ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعتِ عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام ممکنات کی قیومیت کا ہے جو بوراثت تبعیت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا ہوا ہے۔ اتنے میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی۔ قیومیت کی کیفیت حضرت کے مکتوبات (دفتر ثالث، مکتوب 79، 80) میں درج ہے۔ باعث طوالت یہاں نقل نہیں کی گئی۔ واضح رہے کہ 27 رمضان المبارک 1010ھ بمطابق 1602ء بروز پیر آپ کو خلعت قیومیت عطا ہوا۔

-6 قیومیت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری قدس سرہٗ جو شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے، کیتھل شریف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ جو اُن کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آپ اس وقت یاروں کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کو دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں میرے دادا شاہ کمالؒ نے حکم دیا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچا دو۔ اگرچہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لیے مشکل تھا لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا تو ناچار میں نے تعمیل کی۔ آپ اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو اپنے بعض محرمان اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کے پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کے تمام خلفاء حضرت شیخ کمالؒ تک آ پہنچے۔ حضرت غوث ربانی نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کر لیا اور خاص نسبتوں کے انوار و اسرار سے منور کر دیا۔ ان انوار کے غلبہ میں میرے دل میں یہ بات آئی کہ تو اکابر نقشبندیہ کا تربیت یافتہ ہے اور اب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مشائخ سلسلہ نقشبندیہ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے لے کر خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ تک تشریف فرما ہو گئے اور مشائخ ہر دو سلسلہ کے درمیان میری نسبت مباحثہ ہوا۔ اکابرِ نقشبندیہ نے کہا کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے اور ہماری تربیت سے ذوق

وصال وکمال کو پہنچا ہے۔ اکابر قادریہ نے کہا کہ بچپن سے ہماری نظر اس پر ہے اور ہمارے خوانِ نعمت سے بہرہ ور ہے اور اب بھی ہمارا خرقہ پہنے ہوئے ہے۔ دونوں فریق اسی مباحثہ میں تھے کہ مشائخ کبرویہ و چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے دونوں میں صلح کرادی یعنی تمام اکابر نے آپ کو اپنا مقبول بنانے میں اتفاق کیا اور ہر ایک نے اپنی نسبت سے سرفراز فرمایا۔

-7 آپ کو اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین سے بنایا اور آپ پر اسرار متشابہات قرآنی اور رموز مقطعاتِ فرقانی ظاہر فرمائے۔ چنانچہ آپ حضرت شیخ بدیع الدین قدس سرہٗ کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی جان! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو دو قسم بنایا، (۱) محکمات و (۲) متشابہات پہلی قسم ماخذ ہے علم شرائع واحکام کا اور دوسری قسم مخزن ہے حقائق واسرار کا۔ (۱) الفاظ ید، (۲) وجہ، (۳) قدم، (۴) ساق، (۵) اصابع اور (۶) انامل جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں وہ بھی قسم متشابہات سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات و جو قرآن کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں وہ بھی قسم متشابہات سے ہیں کہ جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے سوا کسی کو آگاہ ہی نہیں دی گئی۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل سے مراد قدرت ہے جو لفظ ید سے تعبیر کی گئی ہے یا ذات ہے جو لفظ وجہ سے تعبیر ہوئی ہے۔ بلکہ اُن کی تاویل پوشیدہ اسرار سے ہے جو اخص الخواص کو بتائی گئی ہے۔ حروفِ مقطعاتِ قرآنی کی بابت کیا لکھوں کہ ان میں سے ہر ایک حرف عاشق ومعشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک موج زن سمندر ہے اور محب ومحبوب کی باریک رمزوں میں سے ایک پوشیدہ رمز ہے۔ محکمات اگرچہ قرآن کے اصول ہیں لیکن اُن کے نتائج وثمرات جو متشابہات ہیں کتاب کے مقاصد سے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) مدتوں تک یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو حوالہ بعلم حضرت حق سبحانہ کرتا رہا اور متشابہات پر ایمان کے سوا علمائے راسخین کا حصہ نہ سمجھتا تھا اور جو تاویلیں کہ علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں اُن کو اُن متشابہات کی شان کے لائق نہ جانتا تھا اور ان تاویلوں کو اُن کے اسرار سے تصور نہ کرتا تھا جو پوشیدگی کے قابل ہوں۔ چنانچہ عین القضاۃ نے بعض متشابہات مثلاً الٓمٓ کی تاویل میں کہا ہے کہ اس سے مراد الم (درد) ہے جو عشق ومحبت کو لازم ہے اور اسی طرح کی کئی اور تاویلیں بتائی ہیں۔ آخر کار جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے متشابہات کی تاویلات کا شمہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس دریائے محیط سے ایک نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین میں نکال دی تو معلوم ہوا کہ متشابہات کی تاویلات سے علمائے راسخین کو بھی حظ وافر حاصل ہے۔'' (مکتوبات شریف دفتر اوّل مکتوب 276)

-8 آپ محدَّث (بفتح دال) تھے چنانچہ آپ خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی صدیق! جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام انسان کے ساتھ کبھی روبرو ہوتا ہے اور اس طرح کا کلامِ آحادہ (احد بمعنی ایک کی جمع۔ اعداد کے چاروں درجوں میں سے پہلا درجہ یعنی ایک سے نو تک کے اعداد)

(قصوری) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے ہے اور ایسا کلامِ آحاد انبیاء کے کامل تابعین کے لیے بھی بطور تبعیت و وراثت ہوتا ہے۔ جب اس قسم کا کلام کامل تابعین میں سے کسی شخص کے ساتھ کثرت سے ہوتا ہے تو اُس کو محدث کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اس قسم کا کلام جُدا ہے الہام سے القاء قلبی سے اور اُس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے، اُس کلام کے ساتھ انسان کامل ہی طے امر و خلق و روح و نفس و عقل و خیال کے مخاطب کیا جاتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے، تکلم بالمشافہ سے لازم نہیں آتا کہ متکلم سامع کو دکھائی دے۔ کیونکہ جائز ہے کہ سامع کمزوری بینائی والا ہو جو متکلم کے انوار کی چمک کو برداشت نہ کرسکتا ہو جیسا کہ جب آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے شب معراج میں روایت باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ نور ہے میں اُسے کیوں کر دیکھ سکتا ہوں اور نیز تکلم بالمشافہ میں حجبِ شہودی کا فرق ہے نہ کہ حجب وجودی کا۔ پس تو سمجھ لے کیونکہ یہ معرفت شریف وہ ہے کہ بہت کم کسی نے اس کے ساتھ لب کشائی کی ہو۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ''۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب 51)

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ وہ جو مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم نے اپنی بیاض خاص میں لکھا ہے کہ آپ کو اپنے جدِ مکرم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وراثت سے محدث بنایا گیا ہے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

9- آپ بطور تبعیت زمرۂ سابقین سے تھے۔ چنانچہ آپ سید عبدالباقی سارنگپوری قدس سرہٗ کو یوں تحریر فرماتے ہیں:
''جان لے، خدا تجھے نیک راستے چلائے کہ بائیں ہاتھ والے ظلمانی پردوں والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ظلمانی پردوں اور نورانی پردوں سے نکل آئے ہیں اور ایک قدم بائیں ہاتھ پر اور دوسرا دائیں پر رکھ کر سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلالِ امکان اور ظلالِ وجوبی سے اوپر چلے گئے ہیں اور اسم وصفت سے اور شان و اعتبار سے اُن کا مقصود سوائے ذاتِ خدا تعالیٰ و تقدس کے نہیں۔ بائیں ہاتھ والے کفر و بدبختی والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے اہل اسلام و ولایت ہیں۔ سابقین بطریق اصالتِ انبیاء ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور اُن کی تبعیت سے جن کو یہ شرف بخشا جائے یہ دولت بطریق تبعیت زیادہ تر انبیاء کے اکابر اصحاب میں ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات اور بر سبیلِ قلت و نُدرت غیر اصحاب میں موجود ہے۔ حقیقت میں یہ شخص (یعنی غیر اصحاب جو اس دولت سے مشرف ہے) بھی زمرہ اصحاب سے ہے اور کمالاتِ انبیاء سے ملحق ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والبرکات۔ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی شخص کے حق میں فرمایا ہے:

مثل امتی کمثل المطر لایدری اولھا خیر ام اخرھا (ترمذی شریف)	میری اُمت کا حال بارش کے حال کا سا ہے معلوم نہیں اُس کا اوّل بہتر ہے یا آخر۔

وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خیر القرون قرنی، وہ باعتبارِ قرون کے فرمایا اور یہ باعتبار اشخاص کے واللہ سبحانہ اعلم۔'' (مکتوبات شریف، دفتر دوم، مکتوب 39)

10- آپ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے خزینۂ رحمت بنایا۔ جیسا کہ مکتوبات شریف دفتر اول کے مکتوب 311 سے ظاہر ہے۔

11- آپ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات تھے جیسا کہ آپ مبداء و معاد ص 103 پر اظہارِ نعمت کے عنوان سے لکھتے ہیں:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. — اور جو کچھ تیرے پروردگار کا (تجھ پر) انعام ہوا اُسے بیان کر دیا کر۔
(پارہ:30، سورۃ الضحیٰ، آیۃ:11)

یہ فقیر اپنے دوستوں کے ساتھ ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ فکر اس حد تک غالب آ چکی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں بہ مصداق حدیث شریف:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ. — جو اللہ کے لیے انکساری کرتا ہے، خدا تعالیٰ اُسے اور بلند فرما دیتا ہے

(کارکنانِ قضا و قدر نے) اس دور اُفتادہ کو ذلت کی خاک سے اُٹھایا (اور مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ

غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. — میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے وسیلے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ

اور یہ بشارت بار بار دی گئی کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور اس نعمت پر

والحمد للّٰہ سبحانہ علی ذلک حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ وکما یحب ربنا و یرضٰی والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہٖ کما یحریٰ — اللہ تعالیٰ کی بے شمار حمد وثنا ہے، ایسی حمد وثنا جو پاکیزہ ہو، جس میں برکت ہو اور جس کے اوپر بھی برکت ہو، جیسی کہ ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو اور درود وسلام ہو اس کے رسول ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر، ایسا درود وسلام جو آپ کی شان کے شایاں ہو۔

اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعہ کو ظاہر کر دوں۔

اگر پادشہ بر درِ پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سلبت مکن

گر آئے پادشہ بڑھیا کے در پر
نہ کر تو عیب جوئی خواجہ اُس پر

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ — یقیناً تیرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔
(پارہ:27، سورۃ النجم، آیۃ:32)

12- آپ کو بشارت دی گئی کہ تم مجتہدینِ علمِ کلام سے ہو۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اس فقیر کو توسط احوال میں حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے خواب میں فرمایا کہ ''تو علمِ کلام کے مجتہدوں سے ہے''۔ اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے وہ مسائل جن میں ماتریدیہ[1] واشاعرہ[2] اختلاف رکھتے ہیں، اُن میں سے اکثر میں سرسری نظر سے حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے مگر جب نورِ فراست سے باریک بینی کے ساتھ غور سے دیکھا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ ہی کی طرف ہے۔ علم کلام کے تمام اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔'' (مبداء ومعاد)

13- آپ پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا غلبہ اس قدر تھا کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا:

آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اس طرح غالب آ گئی ہے کہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس لیے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب ہے۔	محبت آنسرور بہ نہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست مے دارم کہ رب محمدؐ است (مبداء ومعاد)

14- اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے آپ کی دنیا کو آخرت کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ، اس بشارت کی شرح میں یوں فرماتے ہیں:

''ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو بشارت دی گئی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا۔''

اس عبارتِ عالی کی شرح اور اس کا مکاشفہ غیبی کے حل میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں، گوشِ ہوش سے سنیئے۔ معلوم رہے کہ جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی تاب نہیں رکھتی اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے۔ جب حضرت (مجدد) کی دنیا آخرت کے حکم میں ہو گئی۔ تو ناچار آخرت کا موعود اس دنیا میں جلوہ گر ہو گیا اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا نصیب

---

[1] شیخ ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی السمرقندی، فرقہ ماتریدیہ کے سربراہ تھے۔ ماتریدی فرقہ سنی راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو معتزلہ اور دیگر آزاد خیال فرقوں کے مقابلے میں وجود میں آیا تھا۔ شیخ ابومنصورؒ، امام ابوالحسن الاشعری کے ہم عصر تھے۔ 333ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔ آپ سے فقہ حنفی کے لوگ زیادہ متاثر ہوئے۔ (قصوری)

[2] امام ابوالحسن اشعریؒ، فرقہ اشاعرہ کے بانی اور علمِ کلام کے موجد تھے۔ 260ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ 40 سال کی عمر تک آپ فرقہ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں شافعی فقہ کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا، تقریباً تین سو (300) کتابیں لکھیں۔ آپ کے ماننے والوں میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔ مثلاً باقلانی ابن فورق، اسفرائنی، القشیری، جوینی اور امام غزالیؒ 324ھ میں بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔ (قصوری)

حاصل ہو گیا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس فانی دنیا کے بعض تمتعات (منافع) جو آخرت کے درجوں کی کمی کا باعث ہیں وہ حضرت کے حق میں ایسے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمت جس سے بہرور ہونا ترقی کا باعث ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ بہشت کے (۱) درخت، (۲) نہریں اور اسی طرح وہاں کی (۳) حورو (۴) غلمان حضرت حق تعالیٰ کے معانی تنزیہی وتحمیدی (بے عیب، پاکیزگی اور تعریف وحمد) کے مظاہر ہیں۔ وہی معانی اس دنیا میں کلمات کی (۱) صورتوں اور (۲) حرفوں کے لباس میں ظاہر ہو گئے ہیں مثلاً سبحان اللہ اور الحمد للہ۔ جس طرح ان کلمات کا ورد اس دنیا میں ترقی کا باعث ہے اسی طرح بہشت میں ان میوہ جات سے حظ اٹھانا اور ان لذتوں اور نعمتوں سے بہرور ہونا درجات کے بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا باعث ہے۔ جب خدا تعالیٰ کے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا آخرت ہو گئی تو ناچار دنیا کی نعمت سے لذت اٹھانا، آخرت کی لذتوں سے حظ اٹھانے کی مثل ٹھہرا''۔

حضرت خواجہ نے اور احتمالات بھی بیان کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مکتوبات معصومیہ جلد اول مکتوب 189)

15- آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال متابعت کے سبب اس مقام سے مشرف فرمایا جو مقام رضا سے اُوپر ہے اور جسے مقام ذات بحت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ذکر مکتوبات شریف کی جلد ثانی کے مکتوب 33,7 میں ہے۔ آپ نے مرضِ موت میں اس مقام کی توضیح وتصریح فرمائی۔ چنانچہ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''حاصل کلام حضرت شیخ نے فرمایا کہ وصالِ لایزال کے داعی نے میرے باطن میں آواز دی کہ تجھے بادشاہ بلاتا ہے۔ میری ہمت کا بلند پرواز مرغ آشیان قدس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں تک کہ پہنچا جہاں پہنچا۔ اُس بارگاہِ عالی جاہ سے یہ آواز سنی کہ بادشاہ گھر میں نہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حقیقت کعبۂ ربانی کا مقام ہے۔ میں اس سے پرے کی طرف چلا اور چڑھتا گیا، یہاں تک کہ صفاتِ حقیقت کے مقام پر پہنچا، جو وجودِ زاید کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ مقامِ صفات صور علمیہ صفات سے پرے ہے جو تعین علمی کے مرتبہ میں موجود ہیں اور صورِ صفات سے پرے ہے جو تعین وجودی اور تعین حبی ّ کے مرتبہ میں ہیں۔ میں اس مقام سے بھی اُوپر کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں ان صفات کے اصول سے جو شیون ذاتیہ اور عزت عزشانہ میں محض اعتبارات ہیں، داخل ہو گیا اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ساتھ ہو۔ وہاں سے مجھے اُوپر لے گئے اور ذات بحت تک جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہیں پہنچا دیا (چند سطر بعد) اور اسی مرضِ موت میں اُسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں فرمایا کہ اس درجۂ کمال کا حصول اور اس رُتبہ عالی پر وصول کلام مجید سبحانی کے تعلق پر موقوف ہے۔ قرآن کے طفیل وتوسط سے میں اس مرتبہ کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں۔ حروف قرآنی میں سے ہر حرف کو میں ایک دریا پاتا ہوں جو کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔'' (مکتوباتِ

معصومیہ جلد اوّل مکتوب 183)

16- آپ فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں دیکھتا ہوں کہ ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک اور جماعت بھی اسی طواف میں میرے ساتھ شامل ہے لیکن اُس جماعت کی رفتار اس قدر سست ہے کہ جتنی دیر میں طواف کا ایک دور پورا کر لیتا ہوں وہ دو تین قدم فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عرش کے اوپر ہے اور طواف کرنے والی جماعت ملائکہ کرام کی جماعت ہے۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔ ہمارے نبی ﷺ پر اور اُن سب پر خدا کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں) اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے اور اللہ بہت ہی بڑے فضل والا ہے۔ (مبداء و معاد ص 155)

17- آپ نسبت خاصہ مجددیہ کی فوقیت کا اظہار کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

''میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مہدی موعود جن کے لیے اکملیت ولایت کا عہد کیا گیا ہے وہ بھی اسی نسبت پر ہوں گے اور اسی سلسلۂ عالیہ (نقشبندیہ) کی تمیم و تکمیل کریں گے کیونکہ ساری ولایتوں کی نسبت اس نسبتِ عالیہ سے کم ہے۔ وجہ یہ کہ باقی ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات کا کم حصہ ملا ہے اور یہ ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہونے کے سبب اُن کمالات سے حظِ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا''

(مکتوبات شریف، دفتر اوّل، مکتوب 251)

رسالہ مبداء و معاد میں لکھتے ہیں:

''واین نسبت بایں خصوصیت فرد اور حضرت مہدی ظہور خواہد یافت۔ ان شاء اللہ تعالیٰ''۔

حضرت امام مہدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی نسبت و خصوصیت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

18- آپ کو بشارت دی گئی کہ جس جنازے پر آپ شامل ہوں گے وہ میت بخشی جائے گی۔

19- آپ کی دُعا سے سرہند شریف کے قبرستان سے عذاب اُٹھا لیا گیا۔ چنانچہ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے کہ:

''تجدید کے تیرھویں سال ایک روز قیومِ اول (یعنی آپ) قدس رہ اپنے چھٹے دادا سرہند شریف کے بانی حضرت امام رفیع الدین کے مزار پاک کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد اُن کے مزار پر قبرستان کی مغفرت کے لیے جناب الٰہی میں عاجزی و التجا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لیے اس قبرستان پر سے عذاب اٹھا لیا۔ پھر التماس کی کہ اے پروردگار تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ مغفرت اور زیادہ کر۔ پھر الہام ہوا کہ ایک مہینے کے لیے اس قبرستان سے عذاب اٹھا لیا۔ پھر التجا کی تو الہام ہوا کہ اچھا ایک سال کے لیے اس قبرستان سے عذاب اُٹھا لیا۔ پھر التماس کی تو جناب باری سے بفضل و کرم حکم ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس

قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔

اسی سال ایک روز آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مزار پر زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے دل میں اس حدیث شریف کے مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا گزر قبر پر سے ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحبِ قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھالیا۔ آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل و کرم سے بخش دیں گے۔ شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر ہے جس کی بابت آپ کو خوشخبری ملی تھی، اس قبرستان کے مرکز میں آپ کے والد بزرگوار کا مزار مبارک ہے۔

-20 آپ کا ارشاد ہے کہ وہ زن و مرد جو بالوسطہ یا بلاواسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک ہون گے وہ سب ہمیں دکھائیں گئے ہیں اور ہر ایک کا نام نسب و مولد و مسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کر دیں۔

-21 آپ کو مبادی سلوک میں علوم لدنی حضرت خصر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوئے۔ جیسا کہ رسالہ مبداء و معاد کے صفحہ 97 پر آپ فرماتے ہیں:

"اس فقیر کو علوم لدنی کی توفیق حضرتِ خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روحانیت سے حاصل ہوئی۔ لیکن یہ صورت حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا۔ مگر اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں، خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ وہ درمیان میں آسکے۔"

-22 آپ پر ظاہر کیا گیا کہ ہندوستان میں بھی پیغمبر معبوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"پہلی امتوں میں جو فقیر ملاحظہ کرتا ہے تو ایسی جگہ کم پاتا ہے کہ جہاں کوئی پیغمبر معبوث نہ ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ہند کی زمین میں بھی جو اس معاملہ سے دُور معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں جنھوں نے خدا جل شانہ کی دعوت دی ہے اور ہند کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے انوار، شرک کی تاریکیوں میں مشعلوں کی مثل روشن ہیں۔ فقیر اگر چاہے تو ہند کے اُن شہروں کا پتہ بتا سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ان پیغمبروں میں کوئی ایسا ہے کہ اُس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا ہے کہ اس پر ایک شخص ایمان لایا ہے اور کسی پر دو اور کسی پر تین شخص ایمان لائے ہیں۔ یہ نظر نہیں آیا کہ ہند میں تین آدمیوں سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تا کہ چار آدمی ایک پیغمبر کی اُمت ہوں۔" (مکتوبات دفتر اول مکتوب 259)

23- ایک روز صبح کے حلقہ میں حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہم السلام آپ کی خدمت میں بصورت روحانیاں آئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بتلقی روحانی فرمایا، کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہماری رُوحوں کو یہ قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام کرتی ہیں جو جسموں سے وقوع میں آیا کرتے ہیں۔ مثلاً حرکات وسکنات جسمانی اور طاعات وعباداتِ بدنی۔ اُس وقت دل میں خیال آیا ان دونوں بزرگوں سے کچھ مانگوں۔ انھوں نے فرمایا کہ عنایت ایزدی جس شخص کی شامل حال ہو ہمیں اُس میں کیا دخل ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام اس گفتگو میں خاموش رہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب 283)

24- محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ کے سینہ بے کینہ سے خناس ووسواس دُور کیا گیا۔

25- آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے ایک اجازت نامہ لکھا ہے جیسا کہ مشائخ کرام اپنے خلفاء کو لکھ دیا کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجراء میں کچھ تاخیر ہے خادم اُس اجازت نامہ کو گویا دوسری بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس اجازت نامہ کی پشت پر ایک اور اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے اور اُسے اپنی مہر مبارک سے مزین فرمایا ہے۔ اُس دوسرے اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض میں آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت سے نصیب عطا فرمایا ہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھو مکتوبات شریف دفتر ثالث مکتوب 106)

26- اللہ تعالیٰ نے آپ کو طریقہ جدیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغریٰ یعنی قلب میں منحصر تھی اور شاذ ونادر ہی کسی کو ولایت کبریٰ میں ہوا کرتی تھی مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت شیخ پر ولایت کبریٰ، ولایت ملأ اعلیٰ، کمالاتِ نبوت ورسالت والوالعزم، حقیقت ابراہیمیؑ، حقیقت موسویؑ، حقیقت محمدیؐ واحمدی، حب صرفہ ولاتعین اور نیز حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ ومعبودیت مطلقہ سب منکشف فرمائے اور آپ نے ان کمالات کی سیر بالتفصیل اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم کو کرائی اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے خاندان میں آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

27- ایک روز آپ حلقۂ ذکر سے اُٹھے اور فرمایا کہ اس حلقہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاضرین میں سے ایک یار مرتد ہو جائے گا۔ میں نے اُس کی پیشانی پر لفظ شقی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ سن کر تمام یاروں پر ہیبت طاری ہوگئی اور ہر ایک خوف کے مارے کانپنے لگا وہ یار حضرت شیخ طاہر لاہوریؒ[1] تھے۔ جو صاحبزادگان والا تبار خواجہ محمد سعید اور

---

[1] آپ لاہور کے باشندے تھے اور محلہ شیخ اسحاق میں رہتے تھے جہاں اب موتی بازار اور چونہ منڈی اور جمعدار خوشحال سنگھ کی حویلی ہے۔ آپ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ بے شمار لوگوں کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ آپ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مرید وخلیفہ تھے۔ حدیث وتفسیر قرآن نقل کر کے گزارہ کرتے تھے اور تمام وقت شاگردوں کو دینی تعلیم دینے میں صرف فرماتے تھے۔ 5 محرم الحرام 1040ھ بمطابق اگست 1630ء بروز جمعرات فوت ہوئے۔ مزار مقدس لاہور کے تاریخی قبرستان میانی صاحب میں ہے ''نکتہ سنج بلیغ'' 1630ء اور ''نیک سرشت'' 1040ھ سے سال وفات نکلتا ہے۔ (قصوری)

خواجہ محمد معصوم کے استاد تھے۔ چند روز بعد ویسا ہی وقوع پذیر ہوا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ شیخ طاہر ایک کافرہ عورت پر عاشق ہو کر مرتد ہو گئے۔ صاحبزادوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ طاہر کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو جائیں۔ آپ نے بڑے عجز و نیاز سے دُعا کی جو قبول ہوگئی۔ شیخ طاہر عشقِ مجازی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر آپ کی صحبت مبارکہ میں تھوڑے ہی عرصہ میں مراتب عالیہ پر پہنچے۔ آپ نے شیخ طاہر کے اجازت نامہ میں بھی اس قصے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مکتوب 217 جلد اول میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ

"جب میں اس بلا کے دفعیہ کے لیے متوجہ ہوا تو میں نے لوحِ محفوظ میں اس کے دفعیہ کو کسی امر پر معلق نہ دیکھا اور اُسے مبرم سمجھا۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ آثار و اخبار و اجماعِ اُمت سے مجھے معلوم تھا کہ قضائے مبرم میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی اثنا میں مجھے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول یاد آ گیا کہ میرے سوا کسی کو قضائے مبرم میں تصرف حاصل نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ الٰہی! جب تیرے اولیاء میں سے ایک کو یہ دولت حاصل ہے تو میں بھی اُمیدوار ہوں۔ میں نے بہت عجز و نیاز ظاہر کیا اور میری دُعا قبول ہوگئی اور اس راز کی معرفت بھی مجھے عطا کی گئی اور بتا دیا گیا کہ قضائے معلق دو قسم کی ہے۔ ایک معلق تو وہ ہے جس کی تعلیق لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور ایک معلق ایسی ہے کہ اُس کی تعلیق علمِ خدا میں ہے۔ شیخ طاہر کا قضیہ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول دوسری قسم میں داخل ہے جس میں پہلی قسم کی مانند تبدیلی کا احتمال ہے۔ چونکہ یہ قسم ثانی لوحِ محفوظ میں صورت قضائے مبرم رکھتی ہے۔ اس لیے حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ نے اسے مبرم سے تعبیر فرمایا ہے۔

-28 جان محمد جالندھری کا بیان ہے کہ ایک بزرگ درویش نے جسے میں آپ کے ارشاد کے مطابق باغِ حافظ رخنہ سے لایا تھا۔ آپ سے میرے حالات دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ نے اس کو کس سلسلہ میں مرید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ میں۔ اُس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں کہ جان محمد کو حضرت غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت کرا دیں۔ اس پر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر قطب ستارہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس خوب دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ گدڑی والے بزرگ اس میں سے نکلے اور شیر کی طرح ایک لحہ میں اس مقام پر آ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ غوث الثقلینؒ یہی ہیں۔ ان کی قدم بوسی کرو۔ چنانچہ میں نے قدم بوسی کی۔ بعد ازاں حضرت غوث الثقلینؒ رخصت ہوئے اور قطب ستارہ کی طرف متوجہ ہو کر اُس میں غائب ہو گئے۔

-29 جب آپ کے مکتوبات شریف کی جلد اول تیار ہوگئی اور جلد ثانی شروع کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ تمام علوم جو تحریر میں آ چکے ہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ بھی ہیں۔ یا نہیں! دوسرے روز فرمایا:

''کل رات آواز آئی اور ظاہر کیا گیا کہ یہ تمام علوم جو تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آ گیا ہے۔ سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریرات کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا کہ یہ سب ہمارا قول اور ہمارا بیان ہے۔ اُس وقت اُن تمام علوم کو کہ جن میں ایک وقت مجھے کچھ تردد تھا، سب کو میں نے اُسی حکم میں داخل پایا۔ الحمد للہ علی الاحسان''۔ (دیباچہ دفتر سوم مکتوبات شریف) اس کے بعد آپ نے جلد ثانی کے مکتوبات کو لکھنا شروع کیا۔

مکتوبات شریف کی جلد اول مکتوب 234 کے خاتمہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے کہ الہاماتِ رحمانی سے ہوں کہ جن میں وساوسِ شیطانی کی آمیزش کی بالکل مجال نہیں۔ اس امر کی دلیل فقیر کے پاس یہ ہے کہ جب میں ان علوم کو لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ قدس میں ملتجی ہوا تو میں نے دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اُس مقام کے اطراف سے شیطان کو دور کر رہے ہیں اور اُسے اُس مکان کے گرد رہنے نہیں دیتے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ چونکہ بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا اعظم محامد سے ہے، اس لیے ان بڑی نعمتوں کے اظہار کی جرأت کی گئی۔ اُمید ہے کہ خود بینی کے مظنہ (شبہ، گمان) سے خالی ہوگی۔ خود بینی کی گنجائش کس طرح ہوسکتی جب کہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنا نقص و شرارت ذاتی ہر وقت نصب العین ہے اور کمالات سب کے سب اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں۔''

-30 ایک روز آپ نے فرمایا کہ ہم پر ایسا ظاہر کیا گیا کہ ہماری تمام تحریرات حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الرحمتہ والرضوان کی نظر سے گزریں گی اور آپ کے نزدیک مقبول ہوں گی۔

-31 آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم افلاک سکھانے آیا ہوں۔

-32 آپ نے ایام وصال کے قریب فرمایا کہ سوائے نبوت کے جو کمالات نوعِ انسان میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت اور وراثت سے عطا فرمائے ہیں۔

-33 روضہ قیومیہ میں سالِ اول تجدید الف ثانی کے تحت لکھا ہے کہ آپ کو ہمیشہ کعبہ کی زیارت کا شوق رہا۔ لیکن بعض موانع کی وجہ سے زیارت کعبہ میسر نہ ہوسکی۔ اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہوگیا۔ چنانچہ آپ اسی شوق سے بے قرار رہنے لگے۔ ایک روز اسی بے قراری کی حالت میں بیٹھے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ (۱) انسان، (۲) فرشتے اور (۳) جن وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہے اور آپ کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہی ہے۔ جب آپ نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ خود آپ کی ملاقات کے لیے آیا ہے اور آپ کو گھیر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہ آپ ہی کو سجدہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق تھے۔ ہم نے کعبہ کو تمھاری زیارت کے لیے بھیجا ہے۔ تمھاری خانقاہ کی زمین بھی کعبہ کا حکم رکھتی

ہے۔ جونور کعبہ میں تھا، وہی نور ہم نے تمھاری خانقاہ کی زمین میں رکھ دیا ہے۔ بعدازاں کعبہ نے آپ کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ کی زمین کعبہ کی زمین سے مل گئی اور اس مسجد کو بیت اللہ کی زمین سے پوری پوری فناء بقاء حاصل ہوئی اور آپ کی خانقاہ کی زمین میں تمام حقائق کعبہ متحقق ہوگئے۔ فرشتۂ غیب نے آواز دی کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی یہ مسجد تمام مسجدوں سے افضل ہے اور جو ثواب ان تمام مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے ہوتا ہے وہ ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت قیوم ثانی خواجہ معصوم زمانی قدس سرہٗ کے وقت میں اس مسجد کو وسیع کیا گیا اور اس متبرک زمین کو جہاں پر کعبہ نے حلول کیا تھا تبرک کے طور پر حوض مسجد کے مشرقی کنارے کی طرف باقی زمین سے اُونچا رکھا گیا۔ آج کل وہ صفہ خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔ انتہیٰ۔

34- آپ فرماتے ہیں کہ مقام اقطاب پر پہنچنے کے بعد جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے مجھے قطبِ ارشاد کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ بعدازاں بعنایت خداوندی جل شانہ ترقی کرتے کرتے اصل الاصل تک پہنچا۔ اس اخیر عروج میں حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی روحانیت سے مدد پہنچی۔ (رسالہ مبداء و معاد)

غرض کہاں تک لکھا جائے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مُستسقی و دریا ہمچناں باقی!

خوارق و کرامات

آپ کے خوارق بکثرت ہیں، ہم یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

1- آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کے مکتوبات شریف و دیر تصانیف ہیں جن میں وہ نادر علوم و معارفِ الہامیہ درج ہیں، جو سنت و شریعت کے عین موافق ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو لکھتے ہیں:

”اے فرزند! یہ علوم و معارف کہ جن پر اہل اللہ میں سے کسی نے نہ صراحۃً نہ اشارۃً لب کشائی کی ہے اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد منصۂ ظہور پر آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جیسا کہ ممکن و لائق ہے، بیان کرتے ہیں۔ نہ کتاب و سنت کے مخالف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے مخالفت رکھتے ہیں۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا میں جو کہ آپ نے گویا تعلیم امت کے لیے فرمائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَاھِیَ۔ یا اللہ! تو اشیاء کی حقیقتیں ہم کو اس طرح دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

سے مراد یہی حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور مقام عبودیت کے مناسب ہیں اور نقص و ذلت وانکسار پر دلالت کرتے ہیں جو بندگی کے حال کے موافق ہے۔عاجز بندہ جو اپنے آپ کو اپنے مولائے قادر کے عین سمجھے، اس میں کون سی لطافت ہے بلکہ اس سے تو اُس کی کمال بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔"

(مکتوبات شریف، دفتر اول، مکتوب 234)

اسی طرح شیخ محمد چتریؒ کو لکھتے ہیں:

"بھائی جان! سنیئے، خوارق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قسم اول علوم و معارف الٰہیہ ہیں جو ذات و صفات وافعال واجب تعالیٰ سے متعلق ہیں اور نظر عقلی کے طریقہ سے الگ اور عرف و عادتِ جاریہ کے خلاف ہیں۔اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز کیا ہے۔ (۲) قسم دوم، کشف صورِ مخلوقات اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا ہے جو عالم کون سے متعلق ہے۔پہلی قسم اہل حق وار بابِ معرفت کے لیے مخصوص ہے اور دوسری قسم اصحاب حق واصحاب باطل میں مشترک ہے کیونکہ یہ قسم اہل استدراج کو بھی حاصل ہے۔پہلی قسم خدا کے نزدیک شریف و معتبر ہے کیونکہ اس نے اُسے اپنے اولیاء کے لیے مخصوص کیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور دوسری قسم عوام کے نزدیک معتبر اور ان کی نظروں میں معزز اور محترم ہے۔اگر اہل استدراج[۲] سے یہ قسم ظہور میں آئے تو قریب ہے کہ عوام نادانی کے سبب سے اُس کی پوجا کرنے لگ جائیں اور ہر رطب و یابس میں جو وہ اُن کو بتائے اُس کے تابع وفرماں بردار ہو جائیں بلکہ یہ محجوب (عوام) پہلی قسم کو خوارق وکرامات میں شمار نہیں کرتی۔اُن کے نزدیک خوارق دوسری قسم میں منحصر ہیں اور اُن کے گمان میں کرامات صرف صورِ مخلوقات کے کشف و مغیبات کی خبر دینے کا نام ہے۔یہ لوگ کیسے بے عقل ہیں۔وہ علم جو مخلوقات حاضر یا غائب کے حالات سے تعلق رکھتا ہے اُس میں کون سی شرافت وکرامت پائی جاتی ہے بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ جہل سے مبدل ہو جائے تا کہ مخلوقات اور اُس کے احوال سے نسیان حاصل ہو۔واجب تعالیٰ کی معرفت ہی وہ شے ہے جو سزاوار شرافت وکرامت اور شایانِ اعزاز واکرام ہے۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوفت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

"پری تو منہ چھپائے ہوئے ہے اور شیطان کرشمہ اور ناز میں ہے۔عقل حیرت سے جل گئی کہ یہ کیا

---

[۱] اس روایت کو امام غزالیؒ نے "علق مضنون" اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔(قصوری)

[۲] یعنی وہ خوارق عادت امور جو کافر یا فاسق یا مبتدع سے اس کی غرض کے موافق صادر ہوں (قصوری)

عجیب معاملہ ہے۔(مکتوبات شریف' دفتر اول، مکتوب 293)

2- ایک صاحب دل سید رحمت اللہ نام جو آپ کے مریدوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں اور دو تین درویش اطرافِ ملک دکن میں ایک صحرائیں جارہے تھے کہ ایک بت خانہ نظر آیا۔ میں نے آپ سے سنا ہوا تھا کہ مسلمان سے بتوں اور بت پرستوں کی توہین جس قدر ہو سکے، اُس میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے غازی فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے آپ کی نصیحت پر کاربند ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس صحرا میں کوئی اس بت خانہ کا محافظ و نگہبان نظر نہیں آتا لہٰذا آؤ اس بت خانہ کو جہاں تک ہو سکے ویران کردیں۔ چنانچہ ہم نے ایک بت توڑ دیا اور بعض دیواروں کو گرانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ دریں اثنا ایک ہندو کاشتکار نے دُور سے اس بت خانہ کی یہ تذلیل دیکھی تو اُس نے دوڑ کر گاؤں میں جا کر خبر کردی۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک ہزار بت پرست (۱) لاٹھیاں، (۲) پتھر اور (۳) ہتھیار لیے غیظ و غضب کی حالت میں ہماری طرف آرہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہم سب حیرت و دہشت کے دریا میں ڈوب گئے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ ہم نے کمرِ ہمت کو مضبوط کیا اور شہید ہونے کی ٹھان لی کیونکہ

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
(اقبال)

اور اس حال میں میں آپ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی۔

"اے دین کے بزرگ! ہم نے آپ کی نصیحت پر کاربند ہو کر یہ کام کیا تھا، ہمیں کافروں کے ہاتھ سے چھڑائیے۔"

اس تضرع و نیاز میں میرے کان میں آپ کی یہ آواز آئی:

"اطمینان رکھو، تمھاری حفاظت کے لیے ابھی اسلام کا لشکر بھیج رہا ہوں۔"

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ عجیب معاملہ ہے، حضرت کی یہ آواز تو میرے کان میں آگئی مگر لشکر کب آئے گا۔ کفار تو آپہنچے۔ صرف ایک تیر کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک ٹیلہ سے تیس چالیس ہزار سوار ہماری طرف گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نظر آئے جب کفار نے اُن سواروں کو دیکھا تو خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ گھوڑسواروں نے اُن کافروں میں سے بعض کو تازیانے لگائے اور بعضوں کو ڈانٹ پلائی اور ہم کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ سوار مسلمان تھے جو نواحی گاؤں میں کسی تقریب پر آئے ہوئے تھے اور جب وہ کفار ہمارے قتل کے ارادے سے آئے تھے تو ان کے گاؤں کے ایک مسلمان نے اس گاؤں میں جا کر سواروں کو خبر کردی اور وہ سنتے ہی فوراً موقع پر پہنچ گئے اور ہم کو کافروں سے چھڑا لیا۔ بلاشک وشبہ یہ آپ ہی کا تصرف تھا۔

-3 سید جمالؒ جو آپ کے مقبولین میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں اچانک ایک شیر میرے آگے آیا۔ تنہائی کی وحشت اور اُس درندے کی ہیبت سے میں سخت ہراساں ہوا۔ بھاگ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ ناچار میں نے آپ کی طرف توجہ کی کہ بچائیے۔ میں نے اُسی وقت معاملہ میں دیکھا کہ آپ عصا ہاتھ میں لیے دوڑے آ رہے ہیں۔ آپ نے تشریف لاتے ہی نہایت زور سے عصا اُس شیر کے منہ پر مارا۔ جب اس معاملہ سے میری آنکھ کھلی تو میں نے نہ آپ کو دیکھا اور نہ ہی جنگل میں شیر کا کوئی نشان پایا۔

-4 محمد صادق کابلی جو آپ کے بڑے مخلصوں میں سے تھے، مرضِ جذام میں مبتلا ہو گئے۔ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں یارانِ طریقت اس کی شرکت سے پرہیز کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مجلس میں اُس کے ایک خاص یار نے اُس کے ساتھ کھانا کھانے سے اعلانیہ انکار کر دیا۔ وہ بیچارہ نہایت شرمندہ و غمگین ہوا اور آپ سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ مرض کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کے مرض کو اپنے اُوپر لے لیا چنانچہ اُس کا اثر مریض کے بدن سے آپ کے پاؤں مبارک میں منتقل ہو گیا۔ اس سے اگرچہ مخلصوں کی عقیدت میں زیادتی ہوگئی مگر آپ پر مرض کے منتقل ہونے سے سب غمگین و بے چین ہو گئے۔ جب آپ نے صاحبزادوں اور یاروں کی بے چینی دیکھی تو دُعا کی کہ وہ مرض آپ سے بھی دُور ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ بیماری آپ سے بھی جاتی رہی اور سب لوگ خدا کا شکر بجالائے۔

-5 آپ کے عادل اصحاب سے سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ آپ بیابان و جنگل کی سیر کو نکلے۔ اثنائے راہ میں دھوپ کی شدت اور گرد و غبار کی کثرت سے بڑے صاحبزادے اور دوسروں پر جو پیادہ ہم رکاب تھے۔ پیاس نے غلبہ کیا مگر بپاس ادب آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ دریں اثناء آپ نے از خود مولانا محمد یوسف سمرقندیؒ (آپ کے مرید اور پیر بھائی) سے ارشاد فرمایا کہ ''دھوپ کی شدت اور غبار کی کثرت سے یاروں کو تکلیف ہو رہی ہے''۔ مولانا نے عرض کیا، کہ حضور والا کو معلوم ہی ہے، یاروں کے عرض کرنے کی حاجت نہیں۔ اس پر آپ نے مسکرا کر آسمان کی طرف آنکھ اُٹھائی اور زیرِ لب کچھ کہا۔ چند قدم بھی آگے نہ بڑھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور معتدل ہوا چلنے لگی حالانکہ وہ بارش کا موسم نہ تھا۔

-6 ایک سید طالب کا بیان ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے لڑے۔ مجھے اُن سے بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے نفرت اور بدظنی تھی۔ ایک روز مکتوبات شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اُن میں یہ لکھا دیکھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شتم کرنے والے پر جو حد لگاتے تھے، وہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شتم کرنے والے پر جاری کرتے تھے۔ میں نے یہ نقل دیکھ کر غصہ کی حالت میں کہا کہ یہ کیسی بے مزہ نقل ہے جو اس مرد (آپ) نے یہاں کی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے مکتوبات شریف کو زمین پر پھینک دیا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ آپ غصہ کی حالت میں آئے اور اپنے ہاتھوں سے

میرے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے:

''اے طفلِ ناداں! تو بھی ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور زمین پر پھینک دیتا ہے۔ اگر تو میرے قول کو معتبر نہیں سمجھتا تو تجھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے چلوں، جن کی خاطر تو اُن کے بھائیوں یعنی صحابہ کرام کو برا کہتا ہے۔'' چنانچہ آپ مجھے کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے اور مجھے اُس باغ کے کنارے ٹھہرا کر خود ایک محل کی طرف جو اُس باغ میں نظر آ رہا تھا، چلے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک نہایت نورانی شکل وصورت والے بزرگ جلوہ افروز تھے۔ آپ نے بڑی تواضع سے اُن کو سلام کیا۔ وہ بھی بڑی خوشی سے آپ کو ملے۔ اس کے بعد آپ اُس بزرگ کے آگے دوزانوں بیٹھ گئے اور کچھ عرض کیا۔ آپ اور وہ بزرگ دونوں دُور سے میری طرف دیکھتے اور اشارہ کرتے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ نے اُٹھ کر مجھے نزدیک بلایا اور فرمایا یہ بزرگ جو بیٹھے ہیں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ' ہیں۔ سنو! کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام کیا تو حضرت علیؓ نے زبان گوہر فشان سے فرمایا کہ خبردار! حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے کوئی کدورت دل میں نہ رکھو اور اُن کی ملامت زبان پر نہ لاؤ۔ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی کہ کن نیتوں سے ہمارے اور اُن کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور پھر آپ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کی تحریر سے ہرگز سر نہ پھیرنا۔ باوجود اس نصیحت کے میں نے اپنے دل کی طرف جورجوع کیا تو اصحاب کرام کی دشمنی بدستور موجود پائی۔ حضرت علیؓ یہ معلوم کر کے ناراض ہوئے اور آپ سے فرمایا کہ اس کا دل ابھی صاف نہیں ہوا اور تھپڑ مارنے کے لیے اشارہ کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ساری قوت سے میری گدی (سر یا گردن کا پچھلا حصہ) پر ایک تھپڑ مارا۔ اُس وقت میں نے اپنے دل کو کدورت سے صاف پایا۔ اس اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں اسی طرح سینہ کو کینہ سے پاک پاتا ہوں اور آپ کے کلام کے بارے میں میرا حسن اعتقاد سو گنا زیادہ ہو گیا۔

7- آپ کے اصحاب بلکہ آپ کے صاحبزادے بھی روایت کرتے ہیں کہ ایک سوداگر کی ایک بوری نیل چوری ہو گئی۔ سوداگر نے آپ کے رشتہ داروں میں سے ایک جوان کو ملزم ٹھہرایا۔ وہ جوان اپنی اہانت وتکلیف کے ڈر سے بھاگ گیا۔ سرہند شریف کے کوتوال نے جب یہ سنا تو آپ کو طلب کیا۔ آپ نے اُن یاروں کو جن کی نسبت آپ کو معلوم تھا کہ وہ آپ کا اس طرح جانا گوارا نہ کر سکیں گے، کسی نہ کسی طرف کام پر روانہ کر دیا اور خود ایک خادم کے ساتھ پاپیادہ ہی تشریف لے گئے۔ وہ بے ادب کوتوال بڑی سختی اور دُرشتی سے آپ سے باتیں کرتا تھا اور آپ بڑی نرمی سے جواب دیتے تھے۔ دریں اثناء مولانا طاہر بدخشیؒ آ پہنچے اور اُس کوتوال کو ڈانٹ

کر کہنے لگے، ارے، ایسے تیسے! کیا تجھے معلوم بھی ہے کہ تو نے کیسے شخص کو طلب کیا ہے؟ آپ نے مولانا بدخشیؒ کو اس گفتگو سے روکا کوتوال نے آپ کو رخصت کر دیا۔ کوتوال کی اس بے ادبی اور گستاخی کو چند دن نہ گزرے تھے کہ کسی بات پر اُس کی علاقہ کے کروری (سیٹھ) کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ وہ کوتوال اپنے بیس تیس بیٹوں اور رشتہ داروں سمیت ایک بالا خانے پر چڑھ گیا جو بارود سے پُر تھا۔ اچانک اُس بارود میں کہیں سے آگ لگ گئی جس نے کوتوال کو ساتھیوں سمیت جلا کر راکھ کر دیا اور اُن کا نام و نشان تک نہ چھوڑا۔

بے ادب خود را نہ تنہا خوار کرد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

''بے ادب صرف اپنے آپ کو ہی برا نہیں بناتا بلکہ وہ تمام دنیا میں آگ لگا دیتا ہے۔''

-8 بادشاہِ وقت نے ایک امیر زادہ کو کسی تقصیر کے سبب لاہور سے طلب کیا۔ غضب شاہی کے مشاہدے سے حاضرین کو یقین تھا کہ اُس امیر زادے کو آتے ہی ہاتھی کے پاؤں تلے ڈال دیا جائے گا۔ جب وہ سرہند شریف پہنچا تو آپ کی خدمت میں جان بخشی کی درخواست پیش کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خاطر جمع رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ تمھیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی بلکہ سلطانِ وقت تم پر مہربانیاں کرے گا۔ اُس نے نہایت اضطراب میں عرض کیا کہ آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرما رہے ہیں وہ مجھ کو لکھ کر دے دیجئے تاکہ پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ آپ نے اُس کے اصرار پر یہ لکھ کر دے دیا۔ کہ چونکہ فلاں امیر زادے نے غضب شاہی کے خوف سے جو غضب الٰہی کا نمونہ ہے۔ فقراء کی طرف رجوع کیا ہے، اس لیے فقراء نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اس مہلکہ (ہلاکت کی جگہ) سے اُسے رہائی دے دی۔

کئی دن بعد اچانک خبر آئی کہ بادشاہ نے اُسے اذیت دے کر قید خانہ میں بھیج دیا ہے۔ جب آپ نے یہ سنا تو مسکرا کر فرمایا کہ فقیر کی نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ بادشاہ کی طرف سے شفقت و عنایت ہی دیکھے گا اور یہ خبر جو آئی ہے غلط ہے۔ دو تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ بادشاہ اُس امیر زادے کو دیکھتے ہی ہنس پڑا اور نصیحت کے طور پر چند کلمے زبان پر لایا۔ پھر بڑی عنایت سے خلعت دے کر رخصت کیا۔

-9 مولانا محمد امین رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ دیوانہ سورتی قدس سرہٗ کے مریدوں سے تھے مرضِ شدید میں مبتلا ہو گئے اور ایک مدت تک بیمار رہے۔ نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی اور نہ دُعا سے۔ ع

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

آپ کی شہرت سن کر انھوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دُعائے صحت اور جامۂ تبرک کے لیے التماس کی۔ آپ نے ترس کھا کر ایک عنایت نامہ مع پیراہن مبارک تبرک بھیجا۔ اس عنایت نامہ میں مرضِ قلبی کے ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا:

''دوسری بات یہ ہے کہ آپ ظاہری ضعف وکمزوری کا کچھ فکر واندیشہ نہ کریں۔ان شاءاللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت وعافیت سے بدل جائے گا۔فقیر کا دل اس طرف سے مطمئن ہے۔آپ نے فقراء کا جامہ (حضرت مجدد قدس سرہٗ کے پہنے ہوئے کپڑے) طلب کیا تھا۔پیراہن بھیج دیا گیا ہے۔ اسے پہن اور نتائج وثمرات کے منتظر رہیں کیونکہ یہ کثیر البرکت ہے۔

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است!

وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

''جس نے اس بات کو بے اصل حکایت قرار دیا وہ خود بیکار ہے اور جس نے اسے حقیقت جانا وہ مرد ہے۔'' (مکتوبات شریف، دفتر اول، مکتوب 166)

چنانچہ مولانا نے وہ پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی اور حاضر خدمت ہو کر آپ کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

10- علاقہ سرہند شریف کے ایک فاضل مخلص کا بیان ہے کہ آپ سے میری ارادت کا باعث یہ ہوا کہ میرا ایک رشتہ دار تھا جس سے مجھے بہت محبت تھی۔وہ ایک مرض شدید میں مبتلا ہو گیا اور دعا ودوا کے لیے فقراء واطباء کی خدمت میں بہت پھرا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ایک شخص نے مجھ سے آپ کی تعریف کی۔میں نے حاضر خدمت ہو کر توجہ کی التماس کی۔آپ نے فاتحہ پڑھی اور حجرے میں داخل ہوئے۔ایک لحہ کے بعد حجرے سے نکل کر آواز دی کہ فلاں شخص جس نے اپنے مریض کے لیے فاتحہ شفاء کی درخواست کی تھی، کہاں ہے؟ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہم فاتحۂ مغفرت پڑھتے ہیں۔میں حیران وغمگین ہو کر اپنے مکان کی طرف جو سرہند شریف سے چند میل کے فاصلہ پر تھا، روزانہ ہوا۔میں نے راستے میں اپنے دل میں کہا کہ حضرت کی یہ دوسری فاتحہ موت کی صریح خبر ہے۔جب میں گھر پہنچا تو اس مریض کو دفن کر چکے تھے۔میں نے جو حساب لگایا تو ظاہر ہوا کہ جس وقت حضرت نے مجھے بلا کر فاتحہ مغفرت پڑھی تھی وہ اُسی وقت فوت ہوا تھا۔یہ کرامت دیکھ کر میں آپ کا مرید ہو گیا۔

11- نواب عبدالرحیم خانخاناں صوبہ دار دکن فقراء سے محبت کرنے والا اور آپ کا معتقد تھا، اس امر پر مامور تھا کہ ممالک دکن کو تصرف میں لائے، ایک عرصۂ دراز یوں ہی گزر گیا۔معتمدانِ سلطنت نے سلطان سے عرض کیا کہ خانخاناں نے پوشیدہ طور پر دشمن سے صلح کر لی ہے اور بظاہر جنگ میں مشغول ومصروف ہے۔بادشاہ نے فوراً خانخاناں کو معزول کر دیا اور اس بات کا خطرہ ہوا کہ کہیں اُسے قتل ہی نہ کرا دے۔حضرت میر محمد نعمانؒ جو خانخاناں کے واقف اور آشنا تھے یہ معاملہ آپ کی خدمت میں لکھا اور توجہ کے لیے التماس کی۔آپ نے میر موصوف کے عریضہ کو پڑھ کر لکھا کہ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت خان موصوف بہت عالیشان نظر آئے آپ اس کے معاملہ میں مطمئن رہیں۔جب یہ جواب سید صاحب کی خدمت میں پہنچا تو سید صاحب (میر

نعمان) نے بجنسہٖ خانخاناں کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بزرگوں کی توجہ سے ایسا ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ مگر بظاہر بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ بادشاہ وقت میرے حق میں نہایت بدگمان ہو گیا ہے اور حاسد لوگ ہر طرف سے ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ آپ کے مکتوب کو دس بارہ روز بھی نہ ہوئے تھے کہ بادشاہ کا دل خانخاناں کی طرف سے صاف ہو گیا اور ملک دکن کی صوبہ داری پر بحال کر دیا۔

-12 ایک سجادہ نشین بڑی محبت اور اشتیاق سے فاصلہ دراز سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر آپ نے خلاف عادت اس پر چنداں عنایت نہ فرمائی۔ آپ کے بعض مخلصوں نے عرض کیا کہ یہ شخص مشاہیر مشائخ میں سے ہے اور بڑے اخلاص سے فاصلہ دراز سے حاضر خدمت ہوا ہے۔ آپ اس کے حق میں کرم فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا، ہاں، میں بھی ایسا ہی گمان کرتا تھا مگر اس کی پیشانی پر جلی حروف میں لفظ ''انکار'' لکھا ہوا دیکھتا ہوں، کیا کیا جائے۔ یہ سن کر یاروں کو تعجب ہوا۔ کچھ مدت کے بعد آپ کی فراست کے آثار ظہور میں آئے۔ سچ ہے کہ

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (حدیث شریف) مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

-13 شیخ محمد مسعودؒ جو آپ کے برادرِ خورد اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبول مریدوں میں سے تھے۔ تجارت کے لیے قندھار گئے ہوئے تھے۔ اس اثناء میں ایک روز صبح کے وقت آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے، میں ہر چند محمد مسعودؒ کے احوال کی طرف متوجہ ہوا تو اُس کی قبر نظر آئی کہ ابھی فوت ہوا ہے۔ سامعین نے تاریخ اور دن لکھ لیا۔ چند روز کے بعد اُس کے ساتھی واپس آ گئے اور اُنھوں نے اُن (شیخ مسعودؒ) کی وفات کی تاریخ اور دن وہی بتایا جو آپ نے بیان فرمایا تھا۔

-14 جن دنوں میں آپ اجمیر شریف تشریف رکھتے تھے۔ رمضان کا مہینہ عین برسات میں آیا۔ آپ حسب عادت ختماتِ قرآنی میں مشغول ہو گئے۔ پہلی رات نماز تراویح میں بیس یاروں نے ایک مسجد میں جو نہایت تنگ تھی نماز ادا کی۔ تعفن سے آپ کو اور درویشوں کو تکلیف پہنچی۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ جو ختمات ہم نے قرار دیے ہیں اُن کے اختتام تک اگر بفضلِ الٰہی راتوں کو بارش نہ ہوتا کہ مسجد کے باہر تراویح پڑھی جائیں تو یہ بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ستائیسویں رات تک چار ختم ہو گئے اور کسی رات بارش نہ ہوئی اور اٹھائیسویں تاریخ سے رات کو بارش برسنا شروع ہو گئی۔

-15 وہی مسجد جس کا اُوپر ذکر ہوا اُس کی ایک بنیاد کی دیوار کمزور ہو گئی تھی اور وہ ایک طرف کو اس قدر جھک گئی تھی کہ اکثر نمازی اور آنے جانے والے خیال کرتے تھے کہ آج نہیں تو کل گر جائے گی۔ ایک روز آپ نے بطور خوش طبعی فرمایا کہ جب تک فقراء یہاں ہیں ان کی خاطر سے یہ دیوار نہ گرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس روز آپ نے وہاں سے کوچ کیا اور آپ اُس مسجد سے اوجھل ہی ہوئے تھے کہ وہ دیوار یکبارگی گر پڑی۔

16- ایک امیر نے آپ سے عرض کیا کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا مگر کوئی فرزند پیدا نہ ہوا جو میرے بعد صفحۂ روزگار پر میری یادگار رہتا۔ اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں۔ آپ کچھ دیر تک مراقب رہے۔ پھر فرمایا کہ لوح محفوظ میں اس موجودہ بیوی سے تمھاری قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اگر دوسری شادی کرو تو اولاد ہوگی۔ اور تمھارے بعد تمھاری یادگار رہے گی۔ اتفاقاً اس کی بیوی نے وفات پائی اور دوسری بیوی سے اُس کی شادی ہوگئی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دونوں اُس کے بعد یادگار رہے۔

17- شیخ نور محمد اناریؒ جو آپ کے قدیم مرید اور صاحبِ اجازت تھے اور آٹھ بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میرے بھائی کے گھر میں جن رہتا تھا، جو ہمیشہ اُس سے دشمنی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی اذیت سے میرے بھائی نے انتقال کیا۔ میں بھی اُسی گھر میں رہتا تھا۔ بھائی کے انتقال کے بعد ہیبت ناک صورتیں میرے سامنے آنے لگیں اور پھولوں کی خوشبو مہکتی محوس ہونے لگی۔ میرے بھائی کی بھی ابتدائی حالت یہی ہوئی تھی۔ میرے اقرباء یہ سن کر میری زندگی سے مایوس و نااُمید ہوگئے۔ ایک رات میں اپنی بیوی سے ہم بستر تھا اور ابھی فارغ نہ ہوا تھا کہ وہ جن آ گیا اور ہم دونوں کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا اور ہمیں ایسا دبایا کہ ہم ہاتھ اُٹھانے سے عاجز آ گئے۔ لحاف کو بھی اپنے اُوپر سے نہ اُٹھا سکے۔ ہم اسی بے قراری میں تھے کہ آپ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) نمودار ہوئے اور آواز دی کہ ''نور محمد! کچھ خوف نہ کر، یہ جن ابھی بھاگ جائے گا کیونکہ شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے''۔ جن نے آپ کی آواز مبارک سنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا۔ میں اٹھا اور آپ غائب ہوگئے۔ اس کے بعد میرے گھر میں کسی کو جن کا آسیب نہ ہوا اور جنات وہاں سے جلاوطن ہوگئے۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو لے کر میرے گھر سے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے ہم کو جلاوطن کر دیا۔ اب ہم موضع شادی وال میں جا کر ٹھہریں گے۔

18- جب آپ کی عمر گرامی پچاس سال کے قریب ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی عمر کے پچاس اور ساٹھ کے درمیانی زمانہ میں اپنے اوپر ایک حادثۂ عظیم پاتا ہوں اور اُس وقت میری وفات کی نسبت قضائے معلق مشہود ہوتی ہے مگر ساٹھ سال کے بعد جس میں اب بارہ برس باقی ہیں میرے انتقال کی نسبت قضائے مبرم وقطعی محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کیونکہ پچاس اور ساٹھ سال کے درمیانہ زمانہ میں سلطان وقت (جہانگیر) نے آپ کو قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا اور وصال بھی ساٹھ سال کے بعد ہوا۔

19- ایک روز آپ نے اپنے خاص احباب سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ میری عمر کے بارے میں قضائے مبرم تریسٹھ سال ہے۔ ماہ ذی الحجہ 1032ھ بمطابق 1623ء کے پہلے عشرہ میں آپ نے اجمیر شریف سے اپنے صاحبزادوں کو سرہند شریف میں لکھا کہ اس دنیا سے انتقال کے قرب کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک سال تین ماہ اور چند روز بعد آپ کا انتقال وقوع میں آیا۔

20- آپ نے ماہ شعبان 1033ھ بمطابق 1624ء میں شب برات کو خلوت خانہ میں شب بیداری کی۔ ناگاہ آدھی رات گزر جانے کے بعد آپ گھر میں آئے۔ مخدوم زادوں کی والدہ کی زبان عصمت پناہ سے یہ بات نکلی کہ آج آجال وارزاق کے تقدیر کی رات ہے۔ خدا جانے کس کا نام ورقِ ہستی سے محو کیا گیا اور کس کا ثابت رکھا گیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ آپ تو بطور شک وتردد کے کہہ رہی ہیں۔ اُس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اُس کا نام اس دنیا کی زندگی کے صحیفہ سے محو کر دیا گیا اور اشارہ اپنی طرف پایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بات کے قریباً ساڑھے چھ ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔

ہم نے آپ کے خوارق ذکر کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور جو بیان کیے ہیں وہ بھی بطور مشتے نمونہ ازخروار ہیں۔ وجہ یہ کہ کثرتِ خوارق سے کسی ولی کی شان نہیں بڑھتی اور نہ قلت سے کسر شان ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ خود یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ولی جس سے کوئی خوارق ظہور میں نہ آئے دوسرے ولی سے افضل ہو، جس سے خوارق وکرامات ظہور میں آئے ہوں۔'' (مکتوبات شریف، دفتر اول مکتوب 293)

اسی طرح آپ میر محمد نعمان رحمتہ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

''آپ کو معلوم رہے کہ خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ولی ہونے کی شرط نہیں، جس طرح علماء خوارق و کرامات کے حصول کے ساتھ مکلّف نہیں، اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے ساتھ مکلّف نہیں۔ کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے ماسوائے کے نسیان کے بعد اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا کیا جاتا ہے اور اُسے مخلوقات کے مغیبات پر کچھ اطلاع نہیں دی جاتی۔ ایک دوسرا شخص ہے، جس کو قرب بھی دیا جاتا ہے اور مغیبات پر مطلع بھی کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرے شخص کو قرب سے کچھ نہیں دیا جاتا مگر مغیبات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اہل استدراج سے ہے۔ نفس کی صفائی نے اُس کو مغیبات کے کشف میں مبتلا کیا ہے اور گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔

وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (پارہ:28، سورۃ:المجادلۃ، آیۃ:18-19)

اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ خبر دار رہو تحقیق وہی جھوٹے ہیں۔ غالب آیا، اُن پر شیطان۔ پس بھلا دی اُن کو یاد خدا کی۔ یہ لوگ گروہ شیطان ہیں۔ خبر دار رہو گروہ شیطان زیاں پانے والے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے حال میں وارد ہے:

پہلا اور دوسرا شخص جو دولتِ قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ سے ہیں۔ نہ کشفِ مغیبات ان کی ولایت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ عدمِ کشف اُن کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ اُن کا فرق باعتبار درجاتِ قرب کے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے صورِ غیبی کا کشف حاصل نہ ہو قربِ الٰہی کی زیادتی کے سبب سے اُس شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے جسے کشفِ صور حاصل ہو۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب 92)

تبلیغ واشاعت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ نے (آپ نے) سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر درس و تدریس اور تصنیف رسائل کے ذریعہ سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے اجازت ارشاد پا کر تلقینِ طلاب میں مشغول ہو گئے تھے اور حسب اشارہ پیر ومرشد، لاہور میں اشاعت طریقہ فرما رہے تھے کہ حضرت خواجہ نے رحلت فرمائی۔ اُن کے وصال کے بعد اُن کے مسترشدین نے آپ سے تجدید بیعت کر کے استفادۂ باطنی جاری رکھا۔ آپ کے کمالات عالیہ کی برکت اور انوارِ صحبت کے فیض سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔ چنانچہ تجدید وقیومیت کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی ؒ شیخ احمد برکی ؒ، خواجہ یوسف برکی ؒ شیخ حسن برکی ؒ مولانا یار محمد قدیم طالقانی ؒ، مولانا صالح گولابی ؒ، شیخ عبدالحق شادمانی ؒ اپنے اپنے شہروں سے دُور دراز سفر طے کر کے سرہند شریف میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ یہ سب خلافت سے سرفراز ہو کر ذریعہ اشاعت طریقہ بنے۔ تجدید کے بارھویں سال بہت سے جن بھی آپ کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ جنوں کا بادشاہ مع لشکر آپ کا مرید ہو گیا۔

تجدید کے چودھویں سال آپ نے اپنے خلیفے بغرض ہدایت خلق، دنیا کے اطراف واکناف میں روانہ کئے۔ چنانچہ ستر اہل ارادت بسر کردگی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ؒ ملک ترکستان وقبچان کو بھیجے اور چالیس ارادت مندیمن، شام و روم کی طرف بسر کردگی مولانا فرخ حسین ؒ روانہ کیے اور اپنے دس معتبر یار حضرت مولانا صادق کابلی ؒ کے تحت کاشغر کی طرف روانہ کیے اور تین بڑے بڑے خلیفوں کو بسر کردگی شیخ احمد برکی ؒ توران، بدخشاں اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفاء کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر، وزیر اور بادشاہ تک آپ کے خلفاء کے مرید بن گئے۔

خراسان، بدخشان اور توران میں تو طریقۂ عالیہ مجددیہ اس قدر رائج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا، جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں۔ یہاں تک کہ عبداللہ خاں اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا، آپ (مجدد قدس سرہٗ) کا ایسا معتقد ہو گیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرتا تھا۔

خلفاء کرام کے علاوہ آپ کے مکتوبات شریف کے ذریعہ سے بھی تبلیغ و اشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی پہلی جلد 1025ھ بمطابق 1616ء میں تمام ہوئی، جسے آپ کے خلیفۂ خاص شیخ یار محمد جدید طالقانی نے جمع کیا تھا۔ لوگوں نے اُس کی نقلیں حاصل کیں اور ایران، توران، بدخشاں اور ماوراء النہر میں شائع ہوئی اور اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ تجدید کے بائیسویں سال ایک درویش بلخ سے ہندوستان آیا۔ اُس کی وساطت سے وہاں کے اکابر نے مثلاً مشائخ میں سے سیادت پناہ سید میرک شاہ اور شیخ المشائخ کبروی میر محمد اور میر مومن بلخی نے اور علماء میں سے مولانا ربانی حسن، قبادانی اور مولانا نولکؒ نے درخواستیں بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔

اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تجدید و قیومیت کے پندرھویں سال اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوریؒ کو شہنشاہِ ہند جہانگیر کے لشکر کی خلافت دے کر بغرض اشاعتِ طریقہ آگرہ میں بھیجا جہاں اس سلسلہ عالیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا اور اُسے تاکید کر دی کہ مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا۔ چنانچہ شیخ صاحب شاہی لشکر میں تشریف لے گئے اور وہاں اُن کو مقبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ ارکانِ سلطنت میں سے (۱) خانخاناں، (۲) اعظم خاں، (۳) جہانخاں لودھی، (۴) سید صدر جہاں، (۵) اسلام خاں اور (۶) مہابت خاں وغیرہ داخل سلسلہ ہو گئے اور مجلس حلقہ گرم ہونے لگی۔

آپ نے رد روافض میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا گزشتہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے اور اپنی دیگر تحریرات میں بھی روافض کے عقائد باطلہ کی تردید فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے شیعہ آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ جہانگیر کا وزیر آصف جاہ شیعہ تھا۔ اس نے جب خلیفہ بدیع الدینؒ کے ارشاد کا حال سنا، تو بہت پیچ و تاب کھایا اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ آج کل شہر سرہند میں ایک سیاسی شخص شیخ احمد نام ہے، جس کے بہت سے مرید ہیں۔ غیر ممالک کے بادشاہ تک اُس کے نیاز مند و مرید ہیں۔ اُس کا ایک خلیفہ یہاں لشکر میں بھی آیا ہوا ہے اور لشکر کے اراکین اُس کے مرید ہو گئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ شیخ سرہندی آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعے سلطنت ایران پر قبضہ کیا تھا۔ اس اثناء میں خلیفہ بدیع الدین بغرض اصلاح بعضے اُمور وطن چلے آئے۔ آپ کو جو خبر لگی تو بہت خفاء ہوئے کہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں آئے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں پھر بغرض ارشاد آگرہ چلا جاتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وقت وہی تھا، اب اگر تم جاتے ہو تو تم جانو، تمہارا اختیار ہے۔ غرض خلیفہ بدیع الدین دوبارہ آگرہ گئے اور وہاں مخالفین کی ایک جماعت کو خشونت آمیز نصیحتیں کیں اور اپنے بلند احوال گوش گزار کیے بلکہ بعض ایسے وقائع و کشوف ذکر کیے جن کا ظاہر کرنا موجب فتنہ تھا۔ اب مخالفین نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ خلیفہ بدیع الدینؒ کا سرہند شریف جانا اور پھر آنا خالی از علت نہیں اور حضرت

مجدد کے خلاف بہت کچھ کہا۔ جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ آپ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقام ان کے مقام سے اوپر ہے اور انھوں نے اپنے زعم فاسد میں اس کے ثبوت میں آپ کا مکتوب نمبر 11 جلد اول پیش کیا جس میں آپ نے اپنا حال پیر و مرشد کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا ہے:

دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ کرنے سے کچھ اور مقامات اوپر نیچے ظاہر ہوئے۔ عاجزی اور شکستگی کے ساتھ توجہ کرنے کے بعد اس مقام پر جو مقام سابق سے فوق اور اوپر تھا، پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور دوسرے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اسی طرح اوپر کے دو اور مقام بھی جن کا ذکر ابھی ہوگا مقامِ تکمیل و ارشاد ہیں۔ مقامِ ذوالنورینؓ سے اُوپر ایک اور مقام نظر آیا، جب اُس مقام پر رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے اور اُس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ اُس مقام پر بھی پہنچنا نصیب ہوا اور اپنے مشائخ سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو ہر مقام پر اپنے ساتھ پایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام سے عبور واقع ہو چکا ہے۔ فرق صرف (۱) عبور، (۲) قیام، (۳) گزرنے اور (۴) ٹھہرنے کا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں ہوتا۔ سوائے حضرت خاتم المرسلین کے مقام کے علیہ من الصلوٰۃ اتمہا و من التحیات اکملہا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام کے بالکل مقابل اور بہت نورانی مقام ظاہر ہوا کہ کبھی ایسا نظر نہ آیا تھا۔ یہ مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے ذرا بلند تھا جس طرح کہ چبوترے کو زمین سے قدرے بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام، مقام محبوبیت ہے اور وہ مقام رنگین و منقش تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا۔"

القصہ شہنشاہ جہانگیر جو سیر و سلوک صوفیہ کرام سے بالکل بے خبر تھا، مخالفین کے دام فریب میں آ گیا۔ اس نے یہ حکم امتناعی نافذ کر دیا کہ لشکریوں میں سے کوئی خلیفہ بدیع الدین کے پاس نہ جائے اور عقیدت مند ارا کین کو مختلف جگہوں پر تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خانخاناں کو ملک دکن، مہابت خان کو کابل، سید صدر جہاں کو بنگال، خانجہاں لودھی کو ملک مالوہ اور خان اعظم کو گجرات بھیج دیا اور پھر حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ مجدد کو خود لے کر حاضر ہو۔ اس طرح جب آپ بارگاہ سلطانی میں پہنچے تو آپ نے بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہ کیا۔ وزیر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ بادشاہ نے خلاف عادت حضرت پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھتا ہے۔ آپ نے اس کا نہایت معقول و مدلل جواب دیا[1]۔ پھر آپ سے سجدہ تعظیمی کے لیے کہا گیا اور ہر چند کوشش کی گئی کہ آپ ذرا سا سر ہی جھکا لیں مگر آپ نے ہرگز نہ مانا۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ سیرت مجدد الف ثانی از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی 1983ء ص 173 تا 178۔

الغرض بادشاہ نے وزیر کی تحریک پر آپ کے لیے قید کا حکم دیا اور آپ قلعۂ گوالیار میں بھیج دیے گئے۔ بادشاہ نے اس واقعہ کو تزک جہانگیری میں یوں لکھا ہے:

''انہی دنوں (جمادی الاولیٰ 1028ھ چودھویں جلوس شاہی) مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک جعل ساز نے سرہند میں مکروفریب کا جال بچھا کر بھولے بھالے لوگوں کو پھانس رکھا ہے، اُس نے ہر شہر اور ہر علاقے میں اپنا ایک ایک خلیفہ مقرر کیا ہے جو لوگوں کو فریب دینے اور معرفت کی دکانداری کرنے میں پختہ ہیں، اُس نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام وقتاً فوقتاً جو خرافات خطوط لکھے ہیں اُنھیں مکتوبات کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے، اس دفتر بے معنی میں اُس نے بہت سی ایسی لغو باتیں تحریر کی ہیں جو کفر کی حد تک پہنچی ہیں، ایک مکتوب میں اُس نے لکھا ہے کہ مقاماتِ سلوک طے کرتے ہوئے وہ مقام ذوالنورینؓ میں پہنچا جو نہایت عالیشان اور پاکیزہ تھا، وہاں سے گزر کر مقام فاروق اور مقام فاروقؓ سے گزر کر مقام صدیقؓ میں پہنچا، پھر وہاں سے گزر کر مقام محبوبیت میں پہنچا، جو نہایت منور و دل کشا تھا' اس مقام پر اُس پر مختلف الالوان روشنیوں کے پرتو پڑتے رہے۔ استغفر اللہ! بزعم خویش وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا ہے اور اُن سے عالی تر مقام پر فائز ہوا، اُس نے اسی طرح کی اور بھی گستاخانہ باتیں خلفاء کی شان میں لکھی ہیں جن کو تحریر کرنا طوالت اور خلفاء کی شان میں بے ادبی کا باعث ہوگا۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے اُسے دربار میں طلب کیا تھا۔ جب حسب الطلب وہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے اُس سے جتنے سوالات کیے اُن میں سے کسی ایک کا بھی کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ بے عقل اور کم فہم ہونے کے علاوہ مغرور اور خود پسند بھی ہے۔ اس لیے میں نے اُس کے حالات کی اصلاح کے لیے یہی موزوں سمجھا کہ اسے کچھ دنوں کے لیے قید رکھا جائے تاکہ اُس کے مزاج کی شوریدگی اور اُس کے دماغ کی آشفتگی جاتی رہے اور عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے وہ تھم جائے چنانچہ اُسے انی رائے سنگھ ولن کے حوالہ کیا کہ اُسے قلعۂ گوالیار میں قید رکھے۔''[1]

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ بادشاہ نے جو آپ کے مکتوبات شریف اور آپ کے خلفاء کی نسبت دریدہ دہنی کی ہے وہ کسی دوسرے کے کہنے سے کی گئی ہے۔ مکتوب نمبر 11 جلد اول کا جو حوالہ دیا گیا ہے، اگر بنظر انصاف غور کیا جائے تو اُس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے اعلیٰ ہے کیونکہ کسی مقام پر وصول ورسائی اور بات ہے اور اُس مقام کا حصول و یافت اور۔ سلاطین اپنے ادنیٰ خادم کو خدمت کے لیے اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور وہ امراء کے مقام سے گزر کر پیشی میں حاضر ہوتا ہے۔ پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو

[1] تزکِ جہانگیری مطبوعہ لاہور 1960ء ص 563 بحوالہ سیرۃ مجدد الف ثانی از ڈاکٹر مسعود احمد ص 73 تا 172

جاتا ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس نوکر کا رتبہ امراء کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ دیگر یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اُس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اُس مقام پر پہنچ گیا۔ دیکھیے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اُس کا عکس زمین پر روشن ہے مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین مقامِ آفتاب پر پہنچ گئی ہے۔ خود آپ کے ارادت مندوں نے آپ سے عبارت زیر بحث کا حل دریافت کیا ہے اور آپ نے اُن کو کافی جواب دیے ہیں (ملاحظہ ہوں مکتوبات شریف جلد اول 192 '202 '208 جلد ثانی مکتوب 99) بادشاہ کا یہ لکھنا کہ آپ معقول جواب نہ دے سکے بالکل غلط اور لغو ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ جہانگیر کی عبارت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''جہانگیر کا اس شرح وبسط کے ساتھ تزک میں ذکر کرنا خود حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اہمیت مقبولیت اور شہرت پر دلیل قاطع ہے ورنہ اس زمانے میں تو ہزاروں تہہ تیغ کر دیے گئے، ہزاروں جیل میں ڈال دیے گئے اور بیسیوں صحراؤں میں پھینک دیے گئے، کسی کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ آخر شاہِ وقت کو کیا ہوا کہ وہ ایک ''مجرم'' کی فردِ جرم کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی بھی پیش کر رہا ہے، اس تفصیل اور اس صفائی کی کیا ضرورت تھی؟''

جہانگیر کے مندرجہ بالا بیان سے حضرت مجدد کے خلاف یہ فرد جرم تیار ہوتی ہے۔

1- شیخ احمد جعل ساز ہے جس نے سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلا رکھا ہے۔

2- ہر شہر و دیار میں اُس نے اپنے خلیفہ چھوڑ رکھے ہیں جو معرفت کی دکان آرائی میں پختہ کار ہیں۔

3- اس نے مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ خرافات مرتب کرایا ہے جس میں بعض باتیں کفر کی حد تک پہنچی ہیں۔

4- اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ خلفاء کے مقامات سے بھی عالی تر مقام پر فائز ہوا ہے۔

5- وہ بے عقل و کم فہم ہے۔

6- وہ مغرور و خود پسند ہے۔

7- اُس نے عوام الناس میں شورش پیدا کر دی ہے۔

آئیے! اب ہم اس فرد جرم کا تجزیہ کرتے ہیں:

1- جعل سازی کی حقیقت تو صورت دیکھ کر معلوم کی جا سکتی ہے، کیا ایک بادشاہ میں قیافہ شناسی کا اتنا بھی مادہ نہ تھا کہ وہ ایک جعل ساز اور فرشتہ صورت میں تمیز کر پاتا؟

2- دوسرے الزام کا تعلق پہلے الزام کے تحقق پر منحصر ہے، جب یہی متحقق نہیں تو یہ الزام بے بنیاد ہے۔

3- مکتوبات شریف کا تعلق علم معرفت و شریعت سے ہے، اس کو وہی پرکھ سکتا اور اس کے متعلق وہی فیصلہ صادر کرنے کا حق رکھتا ہے جو علم معرفت و شریعت میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔ ایک مبتدی اور نا آشنائے محض کو فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں، اس لیے اُس کے فیصلے ہر حالت میں نا معقول تصور کیے جائیں گے۔

4- اس بے بنیاد دعویٰ سے قطع نظر دربار میں ایسے حضرات بھی موجود تھے جو خلفاء اربعہ پر تبرا اور سب و شتم کو دین و ایمان سمجھتے تھے، آخر اُن کے خلاف کیا کیا گیا؟ جب کچھ نہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ الزام ایک بہانہ ہے۔

5- بے عقل و کم فہم ہونا قابل تعزیر جرم نہیں، پھر اُس ہستی پر یہ الزام جس کی فراست و دانائی کو دنیا کے دانشوروں نے تسلیم کیا ہے۔

6- مغرور و خود پسند ہونا فی نفسہٖ ایک فعل قبیح ہے لیکن یہ الزام اُس بادشاہ کی طرف سے لگایا جا رہا ہے جس کی خود پسندی اور غرور کا یہ عالم تھا کہ اُس نے رعایا سے خود کو سجدے کرائے اور اُس کا نام "زمین بوس" رکھا۔ اس لیے یہ الزام بھی بے بنیاد ہے اور خود جہانگیر کے عجب و خود پسندی کی غمازی کر رہا ہے۔

7- ہاں شورش والی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر اس شورش کی تفصیل نہ بتائی۔ صرف اشارہ ہے کو کافی سمجھا۔ ع

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

یہی وہ شورش تھی جو حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک نے ملک کے طول و عرض میں پیدا کر دی تھی اور جس نے آگے چل کر سلطنت مغلیہ کو ہم آغوشِ اسلام کر دیا، جہانگیر ایسی شورش کو دبانا چاہتا تھا جیسا کہ ہر دور کے عیش پرست حاکموں نے ایسی تحریکوں کو دبایا ہے، اس لیے جہانگیر نے گرفتاری کے دو خاص سبب بیان کیے۔

(ا) تاکہ اُس کے مزاج کی شوریدگی اور اُس کے دماغ کی آشفتگی جاتی رہے۔

(ب) عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے وہ تھم جائے۔

حریت پرستی اور اسلام دوستی کو شوریدگی و آشفتگی سے تعبیر کیا اور اس حریت پسندی اور اسلام دوستی نے فضاؤں میں جو زندگی بھر دی تھی اُس کو شورش سے تعبیر کیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

حضرت مجدد کی قید کی خبر سن کر ارا کین سلطنت میں سخت بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ (۱) خان خاناں، (۲) خان اعظم، (۳) سید صدر جہاں، (۴) اسلام خاں، (۵) مہابت خاں، (۶) مرتضیٰ خاں، (۷) تربیت خان، (۸) خان جہاں لودھی، (۹) سکندر خاں، (۱۰) حیات خاں اور (۱۱) دریا خاں وغیرہ جو آپ کے مرید تھے، باہم خط و کتابت کر کے بغاوت پر آمادہ ہو گئے لیکن آپ نے ان سب کو تسلی و تشفی کے خط لکھ کر بغاوت کرنے سے روک دیا۔ آپ دوران قید بھی تبلیغ فرماتے رہے۔ چنانچہ بہت سے کفار آپ کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوئے اور سینکڑوں کو داخل طریقہ فرما کر آپ نے درجۂ ولایت تک پہنچا دیا۔ ایام قید میں آپ نے کبھی بادشاہ کے لیے بددعا نہ کی بلکہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے نظر بند نہ کرتا تو اتنے آدمی جو فوائد دینی سے مستفید ہوئے، محروم رہ جاتے اور ہماری ترقی مقامات جو نزولِ بلا پر موقوف تھی وقوع میں نہ آتی۔ جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہے جو آپ نے اُن ایام میں صاحبزادگان اور دیگر ارادت مندوں کو لکھے ہیں۔ دو سال کے بعد بادشاہ اپنے کیے پر نادم ہوا اور آپ کو اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بلا کر معذرت کی اور آپ کا ایسا

محبت بن گیا کہ آپ کو لشکر میں اپنے پاس رکھتا تھا اور شہزادہ خرم کو جو ملقب بہ شاہجہان ہوا آپ کے مریدین کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ بعد ازاں اورنگ زیب عالمگیر بھی اسی سلسلہ میں داخل ہوا اور امراء و وزرا کثرت سے سلسلہ مجددیہ میں منسلک ہوئے۔ القصہ آپ لشکری زندگی میں بھی اپنی بے اختیاری کا خوب ذوق ولطف اُٹھاتے رہے اور بدستور تبلیغ میں مشغول رہے۔ 1032ھ بمطابق 23-1622ء میں آپ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو قربِ موت کے آثار محسوس ہوئے۔ آپ کو لشکر سے رخصت مل گئی۔ وطن میں آکر آپ نے گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور ارشاد کا کام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دیا۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے بعد بادشاہ اس امر سے نادم و پشیمان ہوا اور اس نے بہت سے عذر کیے مگر یہ بے ادبی اُس کے لیے نامبارک ہوئی۔ اُس کی سلطنت میں بہت شور وفتور پیدا ہوا۔ اُس کے بعض بڑے علاقوں پر ایرانیوں نے غلبہ پا کر اپنے قبضے میں کر لیا اور وہ خود مہلک کمزوریوں میں مبتلا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُسی حال میں اس دنیا سے چل دیا۔

اخلاق وعادات

(۱) صبر وشکیب، (۲) تسلیم ورضا، (۳) حسبِ حال ہر ایک کی تعظیم، (۴) لوگوں پر شفقت، (۵) صلۂ رحم، (۶) اربابِ حقوق کی رعایت، (۷) مریضوں کی عیادت، (۸) سلام میں سبقت، (۹) کلام میں نرمی آپ کا شیوۂ حسنہ تھا۔ آپ کا طریقۂ عمل برعزیمت تھا۔ عبادات وعادات میں نہایت احتیاط اور سنت کا کمال اتباع ملحوظ تھا۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ معارف کے لکھنے میں مشغول تھے۔ پیشاب کے لیے جو جلدی سے اُٹھے تو بیت الخلا میں داخل ہوئے لیکن فوری طور پر باہر نکل آئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ کیوں اتنی جلدی چلے آئے۔ فوراً پانی منگا کر انگوٹھے کو دھویا اور پھر بیت الخلاء میں گئے۔ جب وہاں سے نکلے تو فرمایا کہ جب میں بیت الخلا میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میرے انگوٹھے پر سیاہی کا داغ ہے جو حروفِ قرآنی کی کتابت کا سامان ہے۔ اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ سیاہی سمیت وہاں بیٹھوں (گو پیشاب کی سخت حاجت تھی لیکن ترکِ ادب کے معاملے میں آپ نے اسے روک رکھا)۔

اسی طرح ایک روز جو بیت الخلا میں داخل ہوئے تو غلطی سے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ اُس روز احوال بند رہے۔

ایک دفعہ مولانا صالح ختلانی علیہ رحمتہ کو فرمایا کہ تھیلی میں سے چند ایک لونگ نکال لاؤ۔۔ وہ چھ دانے نکال لائے۔ آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ دیکھو یہ بھی صوفی ہیں۔ اس نے اتنا بھی نہیں سنا کہ **اللّٰہ و تر یحب الوتر**۔ عدد طاق کی رعایت مستحب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام دنیا وآخرت بھی دے دیں تو بھی سمجھو کہ کچھ نہیں دیا۔

ایک روز آپ اپنے تخت مبارک پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ جھٹ پٹ نیچے اُتر آئے اور فرمایا کہ مجھے تخت تلے ایک کاغذ دکھائی دیا ہے، معلوم نہیں اس میں کچھ لکھا ہے یا نہیں۔ آپ نے اتنی دیر بھی تخت پر بیٹھنا جائز نہ سمجھا کہ کسی کو حکم دیں کہ تخت تلے سے کاغذ نکالے۔ گویا آپ نے ایسی صورت میں تخت پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک حافظ جس کے نیچے فرش بچھا تھا۔ قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہوا۔ جب آپ نے نگاہ فرمائی تو دیکھا کہ جہاں پر خود تشریف رکھتے ہیں وہاں فرش زیادہ ہے۔ فوراً اپنے نیچے سے نکال دیا تا کہ اُس حافظ سے اونچے نہ بیٹھیں۔

وفات

آپ ایام مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرم سرا کی دہلیز میں لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ اس سرما میں جو دو مہینے کے بعد آئے گی ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ شاید خلوت خانہ میں آرام فرمائیں گے فرمایا کہ وہاں بھی نہیں اور نہ ان گھروں میں سے کسی میں۔ عرض کیا کہ پھر کس جگہ۔ فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔ ماہ ذوالحجہ 1033ھ بمطابق 1624ء کے وسط میں عارضہ ضیق النفس (سانس کی تکلیف) نے غلبہ پایا۔ ان دنوں میں لقائے حق سبحانہ (اللہ تعالیٰ کے دیدار) کے شوق میں آپ روپڑتے تھے۔ چند روز صحت بھی رہی۔ اسی اثنا میں خیرات وصدقات بکثرت وقوع میں آئے۔ بتاریخ 12 محرم الحرام 1034ھ بمطابق 1624ء فرمایا کہ ابھی مجھے بتایا گیا کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اس جہان سے اُس جہان میں جانا پڑے گا اور میری قبر مجھے دکھائی گئی۔ بتاریخ 23 صفر بروز جمعرات آپ نے درویشوں میں کپڑے تقسیم کیے۔

اگرچہ آپ پر ضعف غالب آ گیا تھا لیکن عبادات ووظائف کے اوقات میں سرمو فرق نہ آیا۔ بدستور (۱) ذکر، (۲) شغل، (۳) مراقبہ، (۴) دن رات کے اوراد، (۵) نماز باجماعت ادا کرتے رہے اور شریعت وطریقت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ روزِ وصال کی شب کو آپ نے اُن خادموں کو جو راتوں کو آپ کی خدمت کرتے رہے، فرمایا تم نے بہت محنت کی۔ صرف آج کی رات اور محنت ہے کل تمھاری خلاصی ہو جائے گی اور تمام رات یہ ہندی مصرعہ بار بار پڑھتے رہے۔

اج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دیںواں وار	اے محرم! آج وصالِ دوست ہے، میں تمام جہان نثار کرتا ہوں۔

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا ذکر صحیحین (بخاری شریف ومسلم شریف) میں ہے۔ رات کے آخری تیسرے حصہ میں اُٹھ کر وضو کیا۔ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری نماز تہجد ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حسبِ عادت مراقبہ کیا۔ بعد ازاں اشراق بڑی دلجمعی سے ادا کی اور اس وقت کی ادعیہ ماثورہ (وہ دعائیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔) اس کے بعد فرمایا کہ پیشاب کے لیے طشت لاؤ۔ اتفاقاً آپ کے خادم مولانا محمد قاسم نے بغیر ریت والا طشت حاضر کیا اور ریت والا طشت نہ لائے فرمایا اس میں ریت نہیں ہے احتمال ہے کہ کہیں پیشاب کے قطرے اُچٹ کر لباس پر گریں۔ اس لیے پیشاب کا ارادہ ترک فرما دیا۔ آخر ریت والا طشت حاضر کیا، تو فرمایا اب اتنی فرصت کہاں کہ پیشاب کے بعد وضو کر سکوں، اس کو لے جاؤ اور مجھے بستر پر لٹا دو، چنانچہ آپ کو تکیہ کے سہارے لٹا دیا گیا تو آپ نے بطریق مسنون قبلہ رُخ کر کے رخسار کے نیچے اپنا داہنا

ہاتھ رکھ لیا اور ذکر میں مشغول ہوگئے۔ چونکہ آپ نماز فجر سے باطہارت تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ رحلت کا وقت بہت قریب ہے، اس لیے آپ نے پیشاب کا ارادہ ترک فرمایا تا کہ پہلا وضو نہ ٹوٹے اور طہارت کے ساتھ اس دارِ فانی سے انتقال فرمائیں۔ جب صاحبزادہ خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ نے دیکھا کہ سانس تیز آنا شروع ہوگیا ہے تو گھبرا کر پوچھا حضور! مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ

"میں بہت اچھا ہوں، دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی ہے، وہ کافی ہے۔"

اس میں بھی آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اتباع نصیب ہوا کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا آخری کلام نماز کی بابت ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں کی اور ایک لحہ بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے، عالم قدس میں پہنچ گئے، آہ! وہ آفتابِ حقیقت جس کے فیضان کی شعاعوں سے ایک عالم منور تھا، دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ[1] رحمته اللّٰه سبحانه رحمةً واسعةً۔

آپ کا وصال 63 سال کی عمر میں منگل کے دن 28 صفر المظفر 1034ھ بمطابق 10 دسمبر 1624ء بوقتِ اشراق ہوا اور اس قبہ منورہ میں جو خود آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرقد پر تعمیر فرمایا تھا دفن ہوئے۔

اکثر حضرات نے بکثرت آپ کی تاریخ وصال کہیں۔ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے 63 مادے بعددِ عمر شریف آپ کی وفات کے نکالے ہیں جن میں سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔

جس سے آپ کا سن وفات نکلتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ [2]

(1034ھ)

اکثر حضرات نے قطعاتِ تاریخ وفات بھی کہے، چند ایک درج ذیل ہیں:

(1)

(حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ)

زیں جہانِ پُر بلا چوں شاہِ عرفاں نقل کرد
ظلِ را بگذاشت دررہ، رُوباصل الاصل کرد
جسم از تاریخ نقلِ اوزدار الابتلا
گفت ہاتف "احمد الثانی باول نقل کرد"
(1034ھ)

---

[1] ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا۔ (پارہ:2 سورۃ: البقرہ، آیۃ:156)

[2] ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے۔ (پارہ:11، سورۃ: یونس، آیۃ:62)

(2)

(ابوعبداللہ محمد فاضل بن سید احمد بن سید حسین حسینی ترمذی اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

بُود آں شیخ احمد ثانی
طاق آفاق در خدادانی
او بسلخ صفر سفر فرمود
زیں جہاں سوئے حضرت معبود
سالِ ترحیل آں خدا آگاہ
شُد رقم "شیخ بود اہل اللہ"
(1034ھ)

(3)

(علی اکبر اُردستانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب مجمع الاولیاء)

اُو اَعلم اہلِ عصر دور علمِ علم
لوحِ الاسرار و لامع ملک کرم
اُومہر کمال و سرورِ عالم حِلم
گرد رہِ اُو سرمہ دہ اہل حرم

آپ کے روضۂ مقدسہ کی نسبت حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات معصومیہ دفتر ثانی مکتوب 70 میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"مخفی نہ رہے کہ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی کو بھی حضور سرورِ دنیا و دین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ اتباع کے سبب سے یہ بشارت دی گئی تھی کہ روضۂ متبرک جس میں حضرت کی قبر ہے اور اس روضہ مقدسہ کا صحنِ قدیم ریاض الجنۃ میں سے ایک روضہ ہے۔ فرماتے تھے کہ "مجھے بشارت دی گئی ہے کہ اگر اس روضہ مقدسہ کی خاک کی ایک مٹھی کسی شخص کی قبر میں ڈال دی جائے تو اُمید واریاں ہیں۔" پس اس شخص کا کیا حال جو اس روضہ مقدسہ میں مدفون ہے۔"

اس روضۂ مقدسہ کی نسبت حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالغنی مہاجر دہلوی (متوفی 7 محرم الحرام 1296ھ) نے یہ چند ابیات نہایت پُر لطف لکھی ہیں۔

اے خاکِ پاکِ روضہ عبیری و عنبری | کہ اہلِ جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند برتو خوش آبے کہ اہلِ دہر | عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند

سرّے ز خاکِ خلد تو داری کہ اہلِ ارض — یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے تراز تربتِ یثرب گرفتہ اند — پنہاں ز رُوم و شام بسر ہند ہشتہ اند
ایں خاکِ احمدی است بذاتِ احد نگر — نے یک کہ صدہزار زیں خاک جستہ اند
اہلاً و مرحبا پئے زوار تو ہے! — اقفال بُعد بر رُخ اعدات بستہ اند
یارب مکن خلاص ازیں خاکِ درمرا — بدحال آنکساں کہ ازیں خاک رستہ اند
شیرے بخواب نازٔ بہ پہلوے دو شبل — یارب چہ راز ہاست کہ ایں جانہفتہ اند

تنہا غنی نہ نغمۂ مدحِ تو ساز کرد
کروبیانِ عرش ہم اینگونہ گفتہ اند

اس روضۂ مقدسہ کو حاجی سیٹھ ولی محمد و حاجی ہاشم خلف حاجی دارا ساکن دوراجی، کاٹھیا واڑ (انڈیا) نے 1925ء/ 1344ھ میں دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ قبہ قدیمہ کو بحالِ خود رکھ کر اُس کے اُوپر سنگ مرمر کا نہایت عالیشان اور خوبصورت ایسا گنبد بنایا گیا ہے کہ دل کو سرور آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ اس جدید عمارت پر ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے (1,45,000) صرف ہوئے تھے اور پانچ سال میں تیار ہوئی تھی۔ جنوبی دروازے پر یہ عبارت لکھی گئی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
مزارپرُانوار حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی
نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
ایں روضۂ منورہ بتاریخ 1344ھ بمطابق 1925ء
تعمیر یافت

مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ تعمیر بھی کندہ ہے:

بعد از سہ صد سال بنا شد — روضۂ محبوب ربانی
پر تو گنبدِ خضرا گویا — کان مجدّد الف ثانی

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس روضۂ مبارک کی نسبت یوں لکھا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(بالِ جبریل)

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے آپ کو واقعہ میں دیکھا۔ پوچھا کہ منکر نکیر کا سوال کس طرح گزرا۔ فرمایا کہ

''حق سبحانہ نے کمال رحمت سے پہلے مجھے الہام کیا کہ اگر تم اجازت دو، تو منکر نکیر تمھارے پاس آئیں۔'' میں نے عرض کیا کہ بندۂ مسکین کے پاس نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نہایت رحمت و رافت سے میرے پاس نہ بھیجے۔ پھر میں نے ضغطۂ قبر (قبر کی سختی) کی نسبت پوچھا، فرمایا کہ ہوا مگر اقل قلیل (بہت معمولی) خواب ہی میں معلوم ہوا کہا ایک شخص کہہ رہا ہے کہ آپ اقل قلیل بطور تواضع فرما رہے ہیں ورنہ اتنا بھی نہیں ہوا۔

حلیہ ولباس

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ دراز قد، نازک بدن، گندم گوں رنگ، کشادہ پیشانی، پیشانی اور رخسارے پُرنُور درخشاں، آنکھیں بڑی بڑی، ناک مبارک بلند و باریک، دہن مبارک نہ دراز نہ کوتاہ، دندانِ مبارک ایک دوسرے سے متصل اور درخشاں مثل لعلِ بدخشاں، ریش مبارک خوب گھنی اور دراز و مربع۔ ہاتھ مبارک بڑے بڑے، انگلیاں باریک اور پاؤں نہایت لطیف۔

طریقہ کی طرح آپ کا لباس بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سا تھا۔ ایک بڑا عمامہ سر پر مسواک دستار کی کور میں، شملہ دونوں کندوں کے بیچ تک، قمیض کے گریبان کا شگاف دونوں کندھوں پر۔ پاجامہ شرعی ٹخنوں سے اُوپر تک بلکہ نصف پنڈلی تک۔ کفش مبارک پاؤں میں، عصا ہاتھ میں، سجادہ کندھے پر، سجدے کا نشان پیشانی پر۔

تصانیف

(1) مکتوبات شریف کی تین جلدیں ہیں۔ جلد اوّل 1025ھ، دوسری جلد 1028ھ اور تیسری جلد 1031ھ کو اختتام کو پہنچی۔ پاک و ہند، ماوراء النہر اور دیار عرب کے علماء و فضلاء اور اصفیاء و عرفاء نے اسے مرشدِ طریق قرار دیا۔ قریباً پونے تین سو سال تک طالبانِ حق اس کے خطی نسخوں سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے اور دل دادگانِ تصوف و معرفت اور سالکان ہویت۔ بحتہ اپنی عمر عزیز کے قیمتی اوقات اس کی نقول لینے میں صرف کرتے رہے۔ چنانچہ اس کے خطی نسخے بہت جلد عالمِ اسلام میں پھیل گئے۔

مطابع وجود میں آگئے تو مکتوباتِ قدسیہ کو متعدد مطابع نے طبع کر کے شائع کیا اور سب سے بہتر طریق پر حضرت مولانا الحاج نور احمد نقشبندی مجددی امرتسری علیہ الرحمتہ (متوفی 1348ھ) مرید و مجاز شیخ العرفاء حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی قدس سرہٗ (متوفی 1341ھ) نے نہایت تصحیح اور بلیغ تحشیہ کے ساتھ نو حصوں میں منقسم کر کے 1327ھ تا 1334ھ میں امرتسر سے طبع و شائع کیا۔ حق یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دے کر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے اپنی سچی عقیدت اور روحانی تعلق کا حق ادا کر دیا ہے۔

مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مصححہ و محشیٰ یہ مکتوبات 1964ء میں دوبارہ نور کمپنی انار کلی لاہور نے چھاپے۔ شروع میں مولانا نور احمد کے حالات زندگی و خدمات علمی کا اجمالی تعارف حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے لکھا۔ 1972ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے نسخۂ امرتسری کا عکسی ایڈیشن کراچی سے شائع کیا جب کہ 1977ء میں عالم اسلام کے عظیم فاضل حسین حلمی نے استانبول (ترکی) سے نسخۂ کراچی کا شاندار اور آفسٹ پیپر پر عکسی ایڈیشن شائع کر کے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے عقیدت مندوں کو روحانی تسکین کا سامان بہم پہنچایا۔ یہی ایڈیشن اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

مکتوبات شریف کے بے شمار عربی ترجمے بھی ہوئے جو اکناف عالم میں پھیلے۔ دو عربی ترجموں کے خطی نسخے کتب خانہ اوقاف بغداد شریف میں موجود ہیں۔ تیسرا ترجمہ علامہ محمد مراد مکیؒ کا ہے۔ جو 1317ھ میں مکہ مکرمہ میں طبع ہوا۔

پھر اردو تراجم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اردو ترجمہ پیش کرنے کی ایک کوشش مولوی محمد حسین ابن مولوی قادر بخش ساکن احمد آباد ضلع جہلم نے کی، اس ترجمے کا پہلا حصہ ''الطاف رحمانی ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانیؒ'' کے نام سے مولوی امام الدین تاجر کتب راولپنڈی نے 1314ھ میں طبع کیا، جو صرف پہلے بیس مکتوبات کا ترجمہ ہے اس کے اگلے حصے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔

مولوی عبدالرحیم نائب مدیر اخبار ''وکیل'' امرتسر نے مکتوبات کے ترجمے کا کام شروع کیا تھا، پہلا حصہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھے گئے مکتوبات کو چھوڑ کر آگے کے 17 مکتوبات کے ترجمہ اور تشریحی حواشی پر مشتمل تھا، جو روز بازار اسٹیم امرتسر میں 1330ھ میں طبع ہوا مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ ''گنجینۂ انوار رحمانی اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانیؒ'' کے نام سے ابتدائی چالیس مکتوبات کا ترجمہ اسلامی دکان کشمیری بازار لاہور نے 1330ھ میں چھاپا تھا مگر یہ کام بھی یہی رک گیا۔ مکمل مکتوبات شریف کا اُردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت مولانا عالم دین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئی۔ اُن کے مترجمہ مکتوبات اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے دوبارہ شائع ہو کر نایاب ہو چکے ہیں۔

کئی حضرات نے مکتوبات قدسیہ کے فارسی، اردو انتخاب اور خلاصے شائع کیے۔ اس انداز کا سب سے اچھا کام شاہ ہدایت علی نقشبندی مجددی جے پوری (متوفی 1370ھ) کا ہے۔ انھوں نے ''دُرِ لاثانی'' کے نام سے مکمل مکتوب کی اردو تلخیص کی جو 1357ھ بمطابق 1939ء میں معارف پریس اعظم گڑھ (انڈیا) سے طبع ہوئی۔ 1961ء میں اعلیٰ کتب خانہ کراچی نے ''انتخاب مکتوبات'' کے نام سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جب کہ اس کا تیسرا اور آخری ایڈیشن 1976ء میں مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے ''خلاصہ مکتوبات امام ربانی'' کے نام سے چھاپا۔ یہی ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔ القصہ علماء اور صوفیہ نے مکتوبات پر بہت زیادہ کام کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ کے محشی مکتوبات کی اشاعت مسلسل سے عربی اور فارسی کے ماہرین کے ذوق کی تسکین کا سامان تو ہو گیا ہے مگر اردو ترجمے کی نایابی

کی بنا پر فارسی سے ناواقف لوگ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فیوض و برکات علمیہ اور معارفِ لدنیہ سے بہرہ یاب ہونے سے محروم ہیں۔ چنانچہ انھوں نے محنتِ شاقہ سے مکمل مکتوبات کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا، جسے مدینہ پبلشنگ کمپنی بندرروڈ کراچی نے 1971ء میں بڑی آب وتاب سے شائع کیا۔ یہی ایڈیشن اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد خاں نے ''مکتوبات امام ربانی کی دینی و معاشرتی اہمیت'' کے زیر عنوان ''پی ایچ ڈی'' کی ہے۔ اُن کا یہ مقالہ 1976ء میں کراچی سے کتابی صورت میں طبع ہو چکا ہے۔ جو ہمارے پیش نظر ہے۔

''حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات'' کے عنوان سے معروف ادیب آباد شاہ پوری نے بھی تلخیص کی جو 1977ء میں مکتبہ چراغ اسلام۔ 40بی اُردو بازار لاہور نے شائع کی اور ہمارے پیش نظر ہے۔

(2) رسالہ تہلیلیہ

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کی تحقیق کے مطابق یہ رسالہ 1010ھ کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے کلمہ طیبہ سے متعلق مندرجہ ذیل امور سے بحث کی ہے۔ یعنی (۱) لفظ ''اللہ'' کی تحقیق، (۲) لفظ ''اللہ'' کے لطائف، (۳) دلیل توحید (۴) فلاسفہ کی دلیل، (۵) قرآن وسنت کی روشنی میں کلمۂ توحید کے فضائل اور (۶) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل و معجزات وغیرہ۔

اگر چہ ایسی بحث دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی آجاتی ہے لیکن حضرت مجدد قدس سرہٗ نے چونکہ اپنے زمانے کے جابرانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف نہ صرف نظری بلکہ عملی طور پر بھی اعلائے کلمۃ الحق فرما کر ''دار ورسن'' کی اذیتیں جھیلی ہیں، اس لیے یہ رسالہ علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

ہمارے پیش نظر اس رسالہ کا اردو ترجمہ ہے، جسے ادارہ مجددیہ، ناظم آباد کراچی نے 1965ء میں بڑی محنت، تحقیق اور اہتمام سے شائع کیا ہے۔

(3) تائید اہل سنت (ردِّ مذہب شیعہ)

اس رسالہ کی وجہ تصنیف گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ہمارے پیش نظر اس کے تین ایڈیشن ہیں۔ پہلا ایڈیشن فارسی، اردو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مرتبہ ہے جو 1973ء کراچی سے مطبع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن کا عکسی ایڈیشن ہے جسے جناب حسین حلمی نے 1977ء میں استانبول (ترکی) سے شائع کیا جب کہ تیسرا ایڈیشن 1983ء میں فخر المشائخ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ نے شرق پور شریف ضلع شیخوپورہ سے شائع کیا ہے۔ جو دوسرے ایڈیشن کا عکس ہے۔

(4) مکاشفاتِ عینیہ

یہ رسالہ تقریباً 1051ھ میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت محمد ہاشم کشمی رحمتہ اللہ علیہ نے مرتب کیا تھا۔ یہ حضرت مجدد کی تحریروں پر مشتمل ہے۔ 1965ء میں کراچی سے ادارہ مجددیہ کراچی کے زیر اہتمام ڈاکٹر

غلام مصطفیٰ خاں نے شائع کرایا تھا۔ یہی ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔

(5) معارف لدنیہ

اس کتاب کا ایک ایڈیشن مجلسِ علمی ڈابھیل ضلع سورت کے زیر اہتمام مدینہ پریس بجنور سے 1351ھ میں طبع ہوا تھا۔ ایک ایڈیشن حکیم عبدالمجید سیفی نے 1376ھ میں لاہور سے چھپوایا تھا۔ ایک ایڈیشن ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور کے زیر اہتمام حضرت مولانا محبوب الٰہی کا تصحیح شدہ نسخہ 1385ھ میں طبع ہوا تھا۔ ہمارے پیش نظر وہ ایڈیشن ہے جو ادارہ مجددیہ کراچی نے 1388ھ بمطابق 1968ء میں شائع کیا ہے۔

(6) مبداء و معاد

یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے 1019ھ میں مرتب فرمایا تھا۔ اس کا ایک ایڈیشن 1370ھ میں مطبع انصاری دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ ایک ایڈیشن مطبع مجددی امرتسر نے 1330ھ میں شائع کیا جسے حضرت مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح فرمایا تھا۔ ایک ایڈیشن 1376ھ میں حکیم عبدالمجید سیفی نے طبع کرایا تھا۔ ایک ایڈیشن ادارہ مجددیہ سعدیہ لاہور نے 1385ھ میں طبع کیا تھا۔ ہمارے پیش نظر ادارہ مجددیہ کراچی کا شائع کردہ ایڈیشن ہے جو 1388ھ بمطابق 1968ء میں طبع ہوا۔

(7) شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ

ہمارے پیش نظر ادارہ مجددیہ کراچی کا شائع کردہ ایڈیشن 1386ھ بمطابق 1967ء ہے۔

(8) اثباۃ النبوۃ

یہ رسالہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی کوششوں سے 1965ء میں کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔

(9) تعلیقات العوارف
(10) الحاشیہ علی شرح العقاید الجلالی
(11) رسالہ تعین ولاتعین
(12) رسالہ مقصود الصالحین
(13) رسالہ در بیان مسئلہ وحدت الوجود
(14) آداب المریدین
(15) رسالہ جذب وسلوک
(16) رسالہ علم حدیث
(17) رسالہ حالات خواجگان نقشبند
(18) مجموعہ تصوف
(19) کنز الحقائق
(20) المقدمۃ السعیہ فی انتصار الفرقۃ السعیہ
(21) رسالہ در بیان طریقت حضرات خواجگان
(22) رسالہ نصائح وغیرہ
(23) رسالہ معرفۃ النفس ومعرفۃ الرب۔ وغیرہ وغیرہ

ارشاداتِ قدسیہ

(1) قرب بخشنے والے اعمال فرائض ہیں یا نوافل، فرض کے مقابل نوافل کی کچھ حیثیت نہیں۔ فرائض میں سے ایک فرض کا ایک وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل کے ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ نفل خالص نیت سے ادا ہوں اور خواہ کوئی نفل ہوں مثلاً (۱) نماز، (۲) زکوٰۃ، (۳) روزہ، (۴) ذکر، (۵) فکر وغیرہ۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے ایک سنت اور آداب میں سے ایک ادب کی رعایت یہی حکم رکھتی (یعنی ادائے نوافل سے بدرجہا بہتر) ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز فجر با جماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں کی طرف نگاہ کی۔ اس وقت اپنے اصحاب میں سے ایک کو نہ پایا۔ فرمایا کہ ”فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ اکثر شب کو جاگتا رہتا ہے، احتمال ہے کہ وہ اس وقت سو گیا ہو۔ فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سو رہتا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو یہ بہتر تھا۔“

پس ایک ادب کی رعایت کرنی اور ایک مکروہ خواہ مکروہ تنزیہی ہو سے بچنا اور اگر وہ تحریمی تو (۱) ذکر و (۲) فکر و (۳) مراقبہ و (۴) توجہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہاں اگر کوئی ان امور کو رعایت و آداب و مکروہات سے اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو وہ بڑا کامیاب ہے اور بغیر اس رعایت و اجتناب کے کانٹے دار درخت پر ہاتھ ملنا ہے۔ مثلاً جس طرح زکوٰۃ کے حساب میں ایک دانگ (پیسہ، درہم) کا صدقہ کرنا سونے کے بڑے بڑے پہاڑ بطور نفل صدقہ دینے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسی طرح اس دانگ کا صدقہ دینے میں آداب میں سے ایک ادب کی رعایت کرنا مثلاً اُسے رشتہ دار فقیر کو دینا اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ پس نماز عشاء کو رات کے نصف آخیر میں ادا کرنا اور اس تاخیر کو نماز تہجد کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت بُرا ہے کیونکہ حضرات حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اُس وقت نمازِ عشاء پڑھنا مکروہ ہے۔ (مکتوبات، جلد اول مکتوب 29)

(2) جاننا چاہیئے کہ اس دنیا میں جو کہ آزمائش و امتحان کا مقام ہے، دوست دشمن کو رلا ملا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ آیہ کریمہ

وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ ؕ — اور میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے۔

(پارہ:9، سورۃ: الاعراف، آیۃ: 156)

اس مضمون کو ظاہر کرتی ہے اور قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کر دیں گے۔ آیہ کریمہ:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ — اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

(پارہ:23، سورۃ: یٰسین، آیۃ: 59)

اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اُس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا اور دشمنوں کو محروم مطلق اور واضح طور پر ملعون قرار دیں گے۔ اور آیہ کریمہ

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ (پارہ:9، سورۃ: الاعراف، آیۃ:156)

میں اپنی رحمت عنقریب اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس بات پر شاہد ہے یعنی میں اپنی رحمت ثابت کردوں گا اُن لوگوں کے لیے جو کفر و معاصی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے کرم و رحمت کو آخرت میں نیکوں اور نیک کردار مسلمانوں کے لیے مخصوص کردیا ہے۔ ہاں مطلق اہل اسلام کے لیے خاتمہ بالخیر ہونے کی صورت میں رحمت سے حصہ ہے، اگرچہ زمانہ دراز کے بعد عذاب دوزخ سے نجات پائیں گے لیکن گناہوں کی تاریکی اور آسمان سے نازل کیے گئے احکام خداوندی سے لاپروائی کرنے والا کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا سے نور ایمان سلامتی کے ساتھ لے جائے گا۔ علمائے دین نے فرمایا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا گناہِ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔ **العیاذ باللّٰہ سبحانہ۔** (جلد اول مکتوب 96)

(3) بعض مشائخ نے سُکر کی حالت میں کہا ہے کہ ولایت، نبوت سے افضل ہے اور بعض اوروں نے اس ولایت سے مراد نبی کی ولایت لی ہے تاکہ نبی پر ولی کی افضلیت کا وہم دور ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اُس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں تنگی سینہ کے سبب سے خلق کی طرف توجہ نہیں کرسکتے اور نبوت میں سینہ کی کمال کشادگی کے سبب سے نہ توجہ حق سبحانہ کی توجہ خلق کی توجہ کے مانع ہے اور نہ خلق کی توجہ حق تعالیٰ کی توجہ کے مانع ہے۔ نبوت میں تنہا توجہ خلق کی طرف نہیں ہوتی تاکہ ولایت کو جس میں توجہ حق کی طرف ہوتی ہے اُس پر ترجیح دیں۔ العیاذ باللہ سبحانہ۔ تنہا خلق کی طرف توجہ چوپایوں جیسے عوام کا مرتبہ ہے۔ شان نبوت اس سے برتر ہے۔ سُکر والوں کو اس بات کا سمجھنا دشوار ہے، صحو والے اکابر اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔ ع

ھنیئالارباب النعیم نعیمھا ارباب نعمت کو نعمتیں خوشگوار ہوں (جلد اول مکتوب 108)

(4) ارباب تکلیف پر پہلے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی راؤں (رایوں) کے موافق درست کریں۔ کیونکہ نجاتِ اخروی ان بزرگوں کی بے خطا رایوں کی تابعداری و پیروی پر موقوف ہے اور فرقہ ناجیہ یہی بزرگوار اور پیروکار ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں اور وہ علوم جو کتاب وسنت سے حاصل ہوئے ہیں اُن میں سے وہی معتبر ہیں جو ان بزرگوں نے کتاب وسنت سے اخذ کیے اور سمجھے ہیں کیونکہ ہر بدعتی و گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کو اپنے زعمِ فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس اُن کے اخذ کردہ معانی میں سے کسی معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیے [1]۔ (مکتوبات شریف جلد اول مکتوب 193)

---

[1] معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے صرف وہ معنی قابل اعتبار ہیں جو علمائے اہل سنت اور بزرگانِ دین نے بیان کیے ہیں اور یہ ایک ایسا ضابطہ ہے کہ اسے اختیار کرنے سے انسان گمراہ فرقوں کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ (قصوری)

(5) موت کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام کر لینا چاہیئے اور اسے شوق کہتے ہوئے مرنا چاہیئے۔ اوّل عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور جو کچھ بطریق ضرورت و تواتر دین سے معلوم ہے اُس کی تصدیق ضرورت ہے۔ دوم ان باتوں کا جاننا اور عمل کرنا ضروری ہے جن کا تعلق علم فقہ سے ہے۔ سوم طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی درکار ہے نہ اس غرض کے لیے کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور نوروں اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ حسی صورتیں اور انوار کیا کام ہیں کہ کوئی اُن کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کر لے۔ حالانکہ یہ حسی صورتیں اور انوار اور وہ غیبی صورتیں اور انوار دونوں حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ چاند اور سورج کا نور جو عالمِ شہادت سے ہے کئی طرح سے اُن انوار پر فضیلت رکھتا ہے جو عالمِ مثال میں دیکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ دید دائمی ہے اور خاص و عام اس میں شریک ہے۔ اس لیے اس کو نظر اور اعتبار میں نہ لا کر انوار غیبی کی ہوس کرتے ہیں۔ ہاں ع

آبے کہ رود پیشِ درت تیرہ نماید — جو پانی تیرے دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے وہ تجھے گدلا نظر آتا ہے۔

طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ میں یقین زیادہ حاصل ہو جائے۔ تاکہ استدلال کی تنگی سے کشف کی فراخ زمین میں آ جائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف آ جائیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود اور اُس کی وحدت پہلے استدلال و تقلید کے طور پر معلوم ہوا تھا اور اُس کے اندازہ کے موافق یقین حاصل ہوا تھا۔ جب طریق صوفیہ کا سلوک حاصل ہو جاتا ہے تو وہ استدلال و تقلید، کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور یقین اکمل حاصل ہو جاتا ہے۔ باقی سب اعتقادی امور کا یہی حال ہے نیز طریق صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دُور ہو جائے جو نفس کی سرکشی سے پیدا ہوتی ہے اور اس فقیر کا یقین ہے کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی امر۔ فقیر نے اس مضمون کو اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحقیق کیا ہے اور اس غرض کے حصول کے لیے صوفیہ کے تمام طریقوں میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی پیروی و متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کیا ہے۔ (مکتوبات شریف جلد اول مکتوب 210)

(6) جاننا چاہیئے کہ آخر کار صوفیہ کرام کے معتقدات تمام منازل سلوک طے کرنے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہل حق کے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے۔ اگرچہ صوفیہ میں سے بعض کو اثنائے راہ میں سُکر و غلبۂ حال کے سبب سے ان اعتقادات کے خلاف امور ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اُن کو ان مقامات سے گزار کر نہایت کار کو پہنچا دیں تو وہ امور نیست و نابود ہو جاتے ہیں (یعنی وہ مخالف باتیں بے مقدار ذرات کی طرح اڑ جاتی ہیں) ورنہ وہ

اسی مخالفت پر باقی رہتے ہیں لیکن اُمید ہے کہ انھیں اس مخالفت پر گرفت نہیں ہوگی کیونکہ ایسے صوفیہ کا معاملہ خطا کرنے والے مجتہد کا سا ہے کہ جس نے استخراج احکام میں خطا کی اور ان صوفیہ نے کشف میں خطا کی۔

پس سالک کو چاہیے کہ حقیقت کار تک پہنچنے سے پہلے باوجود اپنے کشف والہام کی مخالفت کے علماء اہل حق کی تقلید کو لازم جانے اور علماء کو حق بجانب اور اپنے آپ کو خطا کرنے والا خیال کرے کیونکہ علماء کی دلیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید ہے جو قطعی وحی سے موید اور خطا اور غلط سے معصوم و پاک ہے اور سالک کا کشف والہام جو وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کا مخالف ہو خطا اور غلط ہے پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا درحقیقت نازل شدہ احکام قطعیہ پر مقدم رکھنے کے مترادف ہے اور یہ عین گمراہی اور محض خسارہ ہے۔

جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اُسی طرح اُن کے مقتضاء پر عمل کرنا کہ جس طریقے سے مجتہدین نے کتاب وسنت سے استنباط کیا ہے اور اُن سے احکام نکالے ہیں یعنی حلال وحرام، فرض وواجب سنت ومستحب، مکروہ ومشتبہ اور اُن احکام کا جاننا بھی ضروری ہے اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف قرآن وسنت سے ازخود احکام اخذ کرے اور اُن پر عمل کرے اُسے چاہیئے کہ عمل میں اُس مجتہد کے مذہب سے کہ جس کا یہ مقلد ہے، قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ہوسکے مجتہدین کے اقوال کے جمع کرنے میں بہت کوشش کرے تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو۔ مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں تو پس چاہیئے کہ بغیر نیت وضو نہ کرے۔ اسی طرح امام موصوف اعضاء کے دھونے میں ترتیب اور پے در پے دھونے کو فرض قرار دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ یہ بھی اعضاء کو پے در پے دھونے اور ترتیب کو ملحوظ رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعضاء کو دھوتے وقت اُن کو ملنا فرض جانتے ہیں، تو چاہیئے کہ یہ بھی مل کر دھوئے۔ اسی طرح یہ ائمہ عورت کو چھونے اور ذکر (آلہ مخصوص) کو ہاتھ لگانے کو وضو ٹوٹنے کا سبب قرار دیتے ہیں، تو چاہیے کہ ایسی صورت میں وضو از سر نو کرے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اس دو اعتقادی وعملی بازوؤں کے بعد سالک کو قرب الٰہی جل شانہٗ کے مدارج پر عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور منازل ظلمانی اور مسالک نورانی کے طے کرنے کا طالب ہونا چاہیئے لیکن اُس کے ذہن میں یہ بات موجود رہنی چاہیئے کہ یہ قطع منازل اور عروج مدارج، (۱) شیخ کامل مکمل، (۲) راہ دان، (۳) راہ بین، (۳) راہ نما کی توجہ و تصرف پر موقوف ہے کیونکہ اس کی نظر قلب کی بیماریوں سے شفا بخشنے والی اور اُس کی توجہ ناپسندیدہ اخلاق دفع کرنے والی ہے۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ پہلے شیخ کامل کو تلاش کرے۔ اگر محض فضل خدا جل شانہٗ سے اُسے شیخ کامل کا معلوم ہوجائے تو ایسے شیخ کی معرفت و پہچان کو نعمت عظمیٰ تصور کرتے ہوئے اپنے آپ کو اُس کی صحبت میں حاضر رکھے اور مکمل طور پر اُس کے تصرفات کا مطیع ہوجائے۔ (مکتوبات شریف جلد اول، مکتوب 286)

(7) جب کوئی طالب کسی شیخ کے پاس آئے تو چاہیئے کہ شیخ پہلے اُسے استخارہ کا حکم دے۔ تین بار سے لے کر سات بار تک استخارہ کی تکرار کرائے۔ استخاروں کے بعد اگر طالب میں شیخ کی نسبت کوئی تردد پیدا نہ ہو تو شیخ اُس طالب کی تربیت کے کام کو شروع کرے۔ پہلے اُسے طریق توبہ کی تعلیم دے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کا حکم دے کیونکہ توبہ کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن چاہیئے کہ توبہ کے حصوں میں اجمال پر کفایت کرے اور تفصیل کو کچھ دنوں کے گزرنے پر چھوڑ دے کیونکہ اس زمانہ میں ہمتیں بہت کوتاہ اور پست ہیں لہٰذا اگر پہلے توبہ کی تفصیل حاصل کرنے کی تکلیف دی جائے گی تو لازماً حصول توبہ کے لیے ایک مدت درکار ہو گی۔ تو ہوسکتا ہے کہ طالب کی طلب میں سستی واقع ہو جائے اور وہ طلب سے باز رہے اور مایوس ہو کر توبہ کو بھی سرانجام نہ دے۔ حصولِ توبہ کے بعد طالب کو اس طریق کی تعلیم دے جو اُس کی استعداد کے مناسب ہو اور اُس ذکر کی تلقین کرے جو اُس کی قابلیت کے مناسب ہو اور اُس کے معاملہ میں توجہ کو کام فرمائے اور اُس کے حال پر التفات کو ملحوظ رکھے اور راہ سلوک کے آداب و شرائط اُس سے بیان کرے اور اُسے ترغیب دے کہ قرآن و حدیث اور آثار سلف صالحین کی متابعت کرے اور اُسے معلوم کرا دے کہ اس متابعت کے بغیر مطلوب کو تک پہنچنا محال ہے اور اس کو یہ تاکید لازمی طور پر کرے کہ وہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی آراء کے موافق اپنے عقائد کو درست کرے اور ضروری احکام فقہ سیکھے اور ان کے مطابق عمل کرے کیونکہ اس راہ میں اعتقاد و عمل کے ان دو بازوؤں کے بغیر اُڑنا میسر و حاصل نہیں ہوتا اور تاکید کرے کہ حرام و مشتبہ لقمہ میں احتیاط کا بہت زیادہ خیال کرے اور یہ نہ کرے کہ جو کچھ مل جائے کھا جائے اور جس سے ملے اُسے اُس وقت تک تناول نہ کرے جب تک کہ اُس بارے میں شریعت غرا کا فتویٰ حاصل نہ کرے۔ حاصل کلام یہ کہ تمام امور میں آیہ کریمہ

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پارہ: 28، سورۃ: حشر، رکوع: 1، آیۃ: 7) — اور جو کچھ رسول تم کو دیں، اُسے لے لو اور جس چیز سے تم کو روکیں اُس سے رُک جاؤ۔ کو مدِ نظر رکھیں۔

طالبوں کا حال دو امر سے خالی نہیں۔ وہ یا تو اہل کشف و معرفت سے ہیں یا اصحاب جہل و حیرت سے ہیں لیکن سلوک کی منازل کے طے کرنے اور پردوں کے دُور کرنے کے بعد دونوں گروہ واصل ہیں۔ نفس وصول میں ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں جیسا کہ دو شخص لمبی منزلیں طے کرنے کے بعد کعبہ میں پہنچتے ہیں۔ ایک تو راستے کی منزلوں کو شوق سے دیکھتا گیا اور ہر منزل کی تفصیل کو اپنی لیاقت کے موافق سمجھتا گیا اور دوسرا راستے کی منزلوں سے آنکھ بند کر کے اور تفصیل پر مطلع نہ ہو کہ کعبہ میں پہنچا، دونوں نفس وصول (یعنی کعبہ تک پہنچنے) میں برابر ہیں اور اس وصول میں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگرچہ منازل کی معرفت میں دونوں میں تفاوت ہے اور مطلوب پر پہنچنے کے بعد دونوں کو جہل لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت حاصل

کرنا بھی جہل ہے اور پہچاننے سے عاجز ہونا ہے۔

یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سلوک منزلیں قطع کرنے سے مراد دس مقامات کو طے کرنا ہے۔ ان دس مقامات کو طے کرنا ان تین تجلیات پر موقوف ہے۔ (۱) تجلی افعال، (۲) تجلی صفات، (۳) تجلی ذات اور مقامِ رضا کے علاوہ یہ سب مقامات، تجلی افعال اور تجلی صفات سے وابستہ ہیں۔ صرف مقامِ رضا، تجلی ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس اور محبت ذاتیہ سے وابستہ ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خواہ محبوب کی طرف سے تکلیف پہنچے یا انعام حاصل ہو، محب کے حق میں دونوں چیزیں یکساں ہو جاتی ہیں اس کے بعد لامحالہ رضا حاصل ہو جاتی ہے اور ناپسندیدگی و کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان تمام مقامات میں کمال کی حد تک پہنچ جانا تجلی ذاتی کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے کیونکہ مکمل ترین فنا اسی تجلی کے ساتھ وابستہ ہے لیکن باقی نو مقامات کا صرف حصول تجلی افعال اور تجلی صفات ہی میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً سالک جب اپنے اوپر اور تمام اشیاء پر حق تعالیٰ سبحانہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے اور خائف و حراساں رہتا ہے اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالیتا ہے اور خدا کی تقدیروں میں صبر اختیار کرتا ہے اور بے صبری و ناطاقتی سے چھٹکارا پالیتا ہے اور چونکہ نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے اور عطا کرنا اور روک لینا سب کچھ خدا ہی سے سمجھتا ہے تو لامحالہ مقامِ شکر میں داخل ہو جاتا ہے توکل میں راسخ القدم بن جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو مقام اُمید میں داخل ہو جاتا ہے اور جب خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ پست اور ذلیل دنیا اُس کی نگاہ میں خوار و بے اعتبار ہو جاتی ہے تو چار و ناچار اس دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے، پھر سالک فقر اختیار کر لیتا اور زہد کو اپنا شعار بنالیتا ہے لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اُن مقامات کا تفصیل و ترتیب کے ساتھ حصول سالک مجذوب کے ساتھ مخصوص ہے اور مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طریقے پر طے کرتا ہے کیونکہ عنایت ازلی نے اُسے ایسی محبت میں گرفتار کر لیا ہے کہ ان مقامات کی تفصیل کی طرف مشغول ہونا، اس کے بس میں نہیں رہتا۔ اس محبت کے زیر سایہ اُن مقامات کا لب لباب اور اُن منازل کا خلاصہ مکمل ترین طریقہ پر اُسے حاصل ہو جاتا ہے جو کہ صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی — اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(پارہ:16، سورۃ: طٰہٰ، آیۃ: 47)

(رسالہ مبداء و معاد۔ ص110 تا 114)

(8) جاننا چاہیئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں بلکہ پیر کے حقوق کو دوسروں کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ و آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے احسانات کے بعد پیر کے حقوق کا درجہ ہے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ہیں۔ اگرچہ ظاہری پیدائش والدین سے ہوتی ہے مگر معنوی پیدائش پیر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ولادت

صوری کی حیات تو چند روزہ ہے مگر ولادتِ معنوی کے لیے حیاتِ ابدی ہے۔ پیر ہی تو ہے جو اپنے قلب وروح سے مرید کے نجاساتِ معنوی کی صفائی کرتا ہے اور اُس کے اندرونی حصے (معدہ) کو پاک وصاف کرتا ہے۔ اُن توجہات میں جو کہ بعض مریدوں کی نسبت واقع ہوئی ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی باطنی آلائشوں کی تطہیر میں صاحبِ توجہ کو بھی کچھ آلودگی سرایت کر جاتی ہے اور اُسے ایک عرصے تک مکدر (گدلا) رکھتی ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے لوگ خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اُخروی سعادتوں سے بلند تر چیز ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے نفس امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے خبیث واقع ہوا ہے، تزکیہ حاصل کر لیتا اور پاک وصاف ہو جاتا ہے اور امارگی (سرکشی، بدی کی طرف رغبت) سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے اور جبلّی (طبعی) کفر سے اسلام حقیقی کی رسائی پاتا ہے۔ ع

گر بگویم شرحِ ایں بیحد سود — اگر میں اس کی شرح کروں تو بے حساب ہو جائے۔

لہٰذا اگر پیر کسی مرید کو قبول کر لے تو اُسے یہ اپنی سعادت سمجھنی چاہیئے اور اگر وہ کسی مرید کو رد کر دے تو اُسے اپنی بدبختی شمار کرنی چاہیئے۔ العیاذ باللہ (ہم اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیر کی رضا کے پس پردہ رکھا گیا ہے۔ جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندیوں میں گم نہ کر دے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی سب سے بڑی آفت پیر کو ایذا اور آزار دینے میں ہے۔ ہر لغزش جو اس کے علاوہ ہو اُس کا تدارک کر لینا ممکن ہے لیکن آزارِ پیر کا تدارک کسی چیز سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آزارِ پیر، مرید کے لیے شقاوت اور بدبختی کی بنیاد ہے۔ العیاذ باللہ (اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ) اعتقاداتِ اسلامیہ میں بڑا خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں بڑا فتور آزارِ پیر کا ہی نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے۔ احوال ومواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہوتا ہے اُن میں جس قدر خلل وفتور واقع ہوتا ہے، اُس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اگر باوجود پیر کی ایذا رسانی کے احوال میں کچھ اثر باقی رہ جائے تو اُسے استدراج (اور مہلت) میں سے شمار کرنا اور سمجھنا چاہیئے کہ آخر میں وہ لامحالہ خرابی ہی لائے گا اور سوائے نقصان کے اور کوئی نتیجہ نہیں دے گا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی — سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

(پارہ:16، سورۃ طٰہٰ، آیۃ:47) (رسالہ مبداء ومعاد۔ ص 181 تا 183)

(9) جان لے کہ اس راہِ فقر پر چلنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو مرید ہیں یا مراد اگر مراد ہوں تو انھیں مبارک ہو کیونکہ اُنھیں انجذاب اور محبت کے راستے سے کشاں کشاں لے جائیں گے اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے اور ہر ادب جو درکار ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ اُنہیں سکھا دیں گے۔ اگر کوئی لغزش واقع ہو گی تو انھیں جلدی آگاہ فرما دیں گے اور اُن پر گرفت نہیں کریں گے اور اگر اُنہیں ظاہری پیر کی ضرورت ہو گی تو اُن کی کوششوں کے بغیر اُس دولت تک پہنچا دیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ ازلی ان بزرگوں کے حال کی کفیل ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ اُن کے کام کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں جسے چاہتا ہے برگزیدہ بنالیتا ہے اور اگر مرید ہوں گے تو اُن کا کام کامل اور کامل کرنے والے پیر کے واسطہ کے بغیر دشوار ہے، بلکہ اُن کے لیے پیر ایسا ہونا چاہیئے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرور ہو اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیا باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو۔ اگر اس کا جذبہ اُس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت سے پرورش پائی ہو تو نہایت ہی اکسیر ہے۔ اُس کا کلام دوا اور اُس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دلوں کی زندگی اُس کی توجہ شریف سے وابستہ ہے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اُس کی التفاتِ لطیف کے ساتھ مربوط ہے۔ اگر اس طرح کا صاحب دولت پیر میسر نہ آئے تو سالک مجذوب ہی غنیمت ہے، ناقصوں کی تربیت اس سے بھی ہو جائے گی اور اس کی وساطت سے فنا و بقا کی دولت تک پہنچ جائیں گے۔

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود ‏ ‏ ‏ آسماں عرش کی نسبت تو نیچے ہے
ورنہ بس عالی است پیش خاک تود ‏ ‏ ‏ لیکن تودۂ خاک سے بہت اونچا ہے

اور اگر عنایت خداوندی جل شانہٗ سے کسی طالب کو اس طرح کے کامل اور کامل کرنے والے پیر تک پہنچا دیں تو چاہیئے کہ اُس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اُس کے سپرد کر دے اور اپنی نیک بختی اُس کی رضامندی کے کاموں میں جانے اور بدبختی اُس کی ناراضی میں خیال کرے۔ مختصر یہ کہ اپنی ہر خواہش کو اُس کی رضا کے تابع کر دے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ. (مشکوۃ شریف)

تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنی خواہش نفس کو اس چیز کے تابع نہ کر دے، جسے میں لے کر آیا ہوں (یعنی دین و شریعت کے تابع)

یہ بات بھی مرید کے ذہن میں رہنی چاہیئے کہ آدابِ صحبت اور شرائط کا لحاظ بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ تاکہ فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلے۔ اس کے بغیر صحبت کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی مجلس کا کوئی مقصد اور نتیجہ ہے۔ بعض آداب اور ضروری شرائط بیان کی جاتی ہیں، ذرا گوشِ ہوش سے سنیں:

اے عزیز: تو جان لے کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل کے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی موجودگی میں اُس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اُس کی طرف متوجہ کر کے بیٹھے اور فرض و سنت نماز کے علاوہ کوئی نماز اس کی مجلس میں ادا نہ کرے۔

موجودہ بادشاہ کے متعلق منقول ہے کہ اُس کا وزیر اُس کے سامنے کھڑا تھا کہ اچانک اُس کی نظر اپنے کپڑوں پر پڑی اور وہ اپنے ہاتھ سے اُس کا بند درست کرنے لگا۔ اُس دوران بادشاہ کی نظر اُس پر پڑی تو دیکھا کہ وزیر

اس کی طرف متوجہ نہیں۔ بادشاہ نے زبانِ عتاب سے کہا کہ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا تو میرا وزیر ہو اور میرے سامنے اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لیے باریک آداب درکار ہیں تو جو چیزیں (مرشد وغیرہ) خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں، اُن کی رعایت تو بہت کامل طریقہ پر کرنی لازم ہوگی اور جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں پر یا پیر کے سایے پر پڑتا ہو اور پیر کی جانماز پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضوخانہ میں وضو نہ کرے اور اُس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے اور اُس کے سامنے پانی نہ پیئے اور نہ کھانا کھائے اور نہ کسی سے بات کرے بلکہ کسی اور طرف متوجہ بھی نہ ہو اور پیر کی عدم موجودگی میں اُس طرف پاؤں نہ کرے۔ جس طرف پیر ہو اور نہ اُس طرف تھوکے جو کچھ پیر سے صادر ہو اُسے درست جانے اگر چہ وہ بظاہر درست نظر نہ آئے کیونکہ پیر جو کچھ کرتا ہے۔ الہام اور اذن الٰہی سے کرتا ہے لہذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر بعض صورتوں میں اُس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطاء اجتہادی کے ہے جس پر اعتراض کرنا یا ملامت جائز نہیں۔ نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبت پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور محبوب سے جو کچھ بھی صادر ہو، محب کو اچھا ہی نظر آتا ہے لہذا اعتراض کی گنجائش نہیں اور تمام کلی و جزوی امور میں اپنے پیر کی اقتداء کرے یعنی (۱) کھانے، (۲) پینے، (۳) سونے اور (۴) طاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔ پیر کی طرز پر نماز کو ادا کرنا چاہیئے اور فقہ کو اُس کے عمل سے سیکھنا چاہیئے۔

آنرا کہ درسرائے نگار یست فارغ است	جس کے گھر میں معشوق ہو، وہ باغ و بوستان کی
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار	سیر اور لالہ زار کے تماشے سے فارغ ہے

پیر کی حرکات وسکنات میں اعتراض کو قطعاً گنجائش نہ دے چاہے وہ اعتراض رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے اور کچھ نہیں ہے اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیا کے عیب نکالے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلائے عظیم سے نجات دے اور اپنے پیر سے خوارق وکرامات کا مطالبہ نہ کرے، اگر چہ یہ طلب دل میں وسوسے اور خطرے کی شکل میں ہو۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا ہو۔ کفار اور منکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں۔

معجزات از بہر قہر دشمن است	معجزات دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے ہیں
بوئے جنسیت پئے دل بردن است	اور دل قابو کرنے کے لیے جنسیت کی بو ہے۔
موجب ایماں بنا شد معجزات	معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ
بوئے جنسیت کند جذب صفات	جنسیت کی بُو صفات کو جذب کرتی ہے۔

اگر دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو جائے تو بلا توقف پیر کی خدمت میں عرض کرے، اگر حل نہ ہو تو اپنی کوتاہی اور

قصور سمجھے اور کوئی نقصان پیر کی طرف منسوب نہ کرے اور جو بھی واقعہ پیش آئے، پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اُس سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود طالب پر منکشف ہو وہ بھی عرض کرے اور صواب وخطا کو اُس سے دریافت کرے اور اپنے مکاشفات پر ہرگز اعتبار نہ کرے کیونکہ اس دنیا میں حق، باطل کے ساتھ ملا ہے اور صواب، خطا کے ساتھ ملا ہے اور بے ضرورت اور بلا اجازت اپنے پیر سے جدا نہ ہو کیونکہ غیر کو اُس پر اختیار کرنا عقیدت کے منافی ہے اور اپنی آواز کو اُس کی آواز سے بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ بات نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور جو فیوض وفتوحات حاصل ہوں اُن کو پیر کی وساطت سے تصور کرے اور اگر خواب میں دیکھے کہ اُسے دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے تو اُسے بھی پیر ہی کی طرف سے جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ جب پیر کمالات وفیوض کا جامع ہے تو پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب، شیوخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ افاضہ کی صورت میں اُس سے ظاہر ہوتی ہے مرید تک پہنچا ہے اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اُس فیض سے مناسبت رکھتا ہے، اُس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے لیکن مرید نے بسبب ابتلاء اُس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اُس کی طرف سے سمجھا ہے، جو بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشِ قدم سے بچائے اور پیر کے ساتھ حسن اعتقاد اور اُس کی محبت پر قائم رکھے۔ بحرمت سید البشر علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰت و التسلیمات۔ مختصر یہ کہ ''الطریق کُلہٗ ادب'' (طریقت سب ادب ہے) مثل مشہور ہے۔ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا [1] اور اگر مرید بعض آداب کی رعایت میں اپنے آپ کو کوتاہ جانے اور اُن کی مناسب ادائیگی نہ کر سکے اور کوشش وسعی کے باوجود عہدہ برآ نہ ہو سکے تو اُس کے لیے معافی ہے لیکن اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے۔ اگر عیاذ باللہ سبحانہٗ (خدا کی پناہ) آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی نہ کرے تو ایسا مرید ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ جو فرقے صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور انبیاء واولیاء کے بے ادب اور گستاخ ہیں، آج تک اُن میں کوئی ولی پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ عارف رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے۔

(1)	از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم گشت از فضل رب	ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب انسان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے محروم رہتا ہے۔
(2)	بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد! بلکہ آتش درہمہ آفاق زد	بے ادب انسان صرف اپنے آپ کو ہی برائی میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ سارے جہان میں بے ادبی کے فتنے کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔
(3)	ہر کہ گستاخی کند اندر طریق گردد اندر وادئ حسرت غریق	جو شخص طریقت میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے، وہ وادئ حسرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔
(4)	ہرچہ آمد بر تو از ظلمات و غم آں ز بیباکی و گستاخست ہم	تم پر جو تاریکیاں اور غم چھائے رہتے ہیں اس کی وجہ تمہاری بیباکی اور گستاخی ہے۔ (قصوری)

ہر کرا روئے بہ بہود نبود — جسے اپنے بھلائی کا خود خیال نہ ہو۔
دیدنِ روئے نبی سُود نبُود — وہ اگر نبی کے چہرے کو بھی دیکھ لے تو بے سُود ہے۔

ہاں وہ مرید جو اپنے پیر کی توجہ اور برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے اور الہام و فراست کا راستہ اُس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور پیر بھی اُس کو تسلیم کرے اور اُس کے کمال کی گواہی دے تو اُس مرید کے لیے جائز ہے کہ وہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر کے خلاف کرے اور اپنے الہام کے موافق عمل کرے۔ اگرچہ اس کے پیر کے نزدیک اُس الہام کا خلاف ہو، کیونکہ اُس وقت وہ مرید تقلید کے حلقہ سے نکل گیا ہے اور اب اُس کے لیے تقلید کرنا خطا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے امورِ اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف کیا ہے [1] اور بعض اوقات صواب جانبِ اصحاب میں ظاہر ہوا ہے۔ جیسا کہ اربابِ علم پر مخفی نہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کا اپنے پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے اور بے ادبی سے مبرا اور پاک ہے۔ بلکہ یہاں اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہی ادب ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام صلی اللہ تعالیٰ عنہم جو پورے آداب سیکھ چکے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے سوا کچھ نہ کرتے۔ امام ابو یوسفؒ کے لیے مرتبۂ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنا خطا ہے اور درستی اپنی رائے کی متابعت میں ہے نہ کہ امام ابو حنیفہؒ کی متابعت میں۔ امام ابو یوسفؒ کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مسئلہ خلقِ قرآن میں چھ مہینے جھگڑتا رہا۔ تم نے یہ ضرور سنا ہوگا کہ فن کی تکمیل بہت سے افکار کے ملنے سے ہوتی ہے۔ اگر فن اور علم ایک ہی فکر میں بند رہتا تو اس میں زیادتی اور اضافہ نہ ہوتا۔ علم نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھا، آج نحویوں کے اختلافِ آرا اور بہت سی انظار (نظرین) ملنے سے سوگنا زیادہ اور کامل ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس علم کی بنا امام سیبویہ نے رکھی ہے لہٰذا بزرگی اور فضیلت اُسی کے لیے مسلم ہے۔ فضیلت متقدمین کے لیے ہی ہے اور کمال متاخرین کے لیے۔ حدیثِ نبوی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولها خیر ام اخرها (ترمذی شریف) — میری امت کی مثال بارش کی سی ہے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

اے عزیز! جان لے کہ صوفیائے کرام نے کہا ہے:

اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ — شیخ زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے۔

---

[1] جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں۔ خصوصاً جنگ بدر کا واقعہ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح کا اختلاف محض صورتاً تھا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ صادر ہوتا تھا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فیض اور آپ ہی کی توجہ اور برکت کا نتیجہ تھا۔ (قصوری)

زندہ کرنا اور مارنا پیری کے لوازمات میں سے ہے لیکن اس زندہ کرنے سے مرادرُوح کا زندہ کرنا ہے نہ کہ جسم کا۔اسی طرح مارنے سے مرادرُوح کا مارنا ہے نہ کہ جسم کا اور حیات وموت سے مرادفناوبقاہے جومقامِ ولایت وکمال پر پہنچا دیتی ہے۔شیخ مقتدیٰ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے اِن دو باتوں کا کفیل اور ضامن ہے۔پس شیخ میں اس کے زندہ کرنے اور مارنے کی قوت کا ہونا ضروری ہے اور یحیی ویمیت کے معنی ہیں: یبقی ویفی۔ یعنی بقاعطا کرتا ہے اور فانی کرتا ہے۔یعنی بقاء وفنا کے مرتبہ پر پہنچا تا ہے۔جسم کو زندہ کرنے اور مارنے کے منصب ومرتبہ کو منصب شیخی سے کچھ سروکار نہیں۔

شیخ مقتدا، کہربا (ایک قسم کا زرد گوند۔اگر اُسے اُون کے کپڑے سے رگڑیں تو گھاس کے تنکے اٹھالیتا ہے) کی طرح ہے، جس کسی کو اُس سے مناسبت ہوگی وہ خس وخاشاک کی طرح اُس کے پیچھے دوڑتا آئے گا اور اپنا حصہ اُس سے پائے گا۔خوارق وکرامات مریدوں کو کھینچنے کے لیے نہیں ہیں، مرید معنوی مناسبت سے کھینچ کر آتے ہیں اور جو شخص ان بزرگوں سے مناسبت نہیں رکھتا' وہ اُن کے کمالات کی دولت سے محروم ہے۔اگر چہ ہزار معجزے، خوارق اور کرامات دیکھے۔ابوجہل اور ابولہب کو اس معنی کی دلیل بنانا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَاجَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ. (پارہ:7، سورۃ: انعام، آیۃ:25)	اور اگر یہ لوگ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑیں گے کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے بے اصل قصے کہانیاں ہیں۔

(مکتوبات شریف جلداول مکتوب شریف 292)

(10) مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ کا عرصہ ہورہا ہے کہ باطنی اشغال میں فتور اور سُستی واقع ہوگئی ہے اور وہ ذوق وحلاوت جو پہلے حاصل تھا، اب نہیں رہا۔یارا! غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔بشرطیکہ دو چیزوں میں خرابی واقع نہ ہوئی ہو۔ان دو چیزوں میں سے ایک صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات والتحیات کی متابعت ہے۔دوسری چیز اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص۔ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں تاریکیاں، تیرگیاں، ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہوجائیں تو کچھ غم وفکر نہیں ہے کیونکہ آخر اس کو ضائع نہ چھوڑا جائے گا۔اگر العیاذ باللہ ان دو سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہوگیا تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔اگرچہ حضورو جمعیت کی حالت میں ہی کیوں نہ رہے کہ یہ استدراج ہے اور آخر کار اس کا انجام خراب ہے۔اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کے ساتھ ان دو چیزوں پر استقامت وثبات کی دعا کرتے رہیں کیونکہ یہی دو امر کارِ دین کا مدار اور نجاتِ اُخروی کا انحصار ہیں۔(مکتوبات شریف جلد ثانی مکتوب 30)

(11) جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دُور کرنا ہے جس طرح کہ ہوسکے۔نہ یہ کہ ذکر، کلمۂ نفی واثبات کے تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے جس طرح کہ لوگوں کا گمان ہے۔پس احکامِ شریعت کی بجا آوری اور منہیاتِ

شرعیہ سے باز رہنا، سب ذکر میں داخل ہے۔ حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ خرید وفروخت بھی ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح وطلاق بھی اس رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ کیونکہ رعایتِ مذکورہ کے ساتھ اِن امور کے کرنے کے وقت حکم دینے والا اور روکنے والا (اللہ تعالیٰ جل شانہٗ) اِن امور کے کرنے والے کا نصب العین ہوتا ہے لہٰذا غفلت کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ذکر جو مذکور (یعنی حق سبحانہٗ) کے اسم وصفت کے ساتھ واقع ہو، (۱) جلدی اثر کرنے والا، (۲) محبت بخشنے والا اور (۳) مذکور تک جلد پہنچانے والا ہے بخلاف اُس ذکر کے جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ واقع ہو کیونکہ وہ ان اوصاف سے چنداں بہرہ ور نہیں۔ اگرچہ بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے ساتھ ہوتا ہے یہ اوصاف کمی کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا تاج الدین تابیادی قدس سرہٗ علم کے راستے سے خدا تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔

نیز جو ذکر اسم اور صفت کی شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اُس ذکر کا ذریعہ بنتا ہے جو حدود شرعیہ کی رعایت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے تمام اُمور میں احکامِ شرعیہ کی رعایت کرنی، شرع برپا کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہوسکتی اور یہ کامل محبت اللہ تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لہٰذا پہلے وہ ذکر چاہیئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہو۔ ہاں عنایت الٰہی کا معاملہ ہی جُدا ہے، وہاں نہ کوئی شرط ہے نہ کوئی وسیلہ کی ضرورت۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ اللہ برگزیدہ بنالیتا ہے اپنی ذات کے لیے جسے چاہتا ہے

(پارہ:25، سورۃ:الشوریٰ، رکوع:3، آیۃ:13) (مکتوبات شریف جلد ثانی مکتوب 46)

(12) نور محمد انبالوی کو تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے جو دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں کسی دوسرے شیخ کے پاس چلا جائے اور طلب خدا کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ سو معلوم ہونا چاہیئے کہ مقصود اللہ تعالیٰ حق سبحانہٗ کی ذات گرامی ہے اور پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی طالب اپنا رُشد اور بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اُس کی صحبت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اُس شیخ کے پاس چلا جائے اور اُس سے طلبِ رُشد کرے لیکن اُسے چاہیئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اس کو نیکی سے یاد کرے۔ خصوصاً آج کل کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان وکفر میں تمیز نہیں کرسکتے، وہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی کیا خبر دے سکیں گے اور مرید کو کون سی راہ دکھائیں گے۔

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں
کے خبر دارد از چناں و چنیں

''ماں کے پیٹ کا بچہ جب اپنی خبر بھی نہیں رکھتا تو وہ اور کسی کی کیا خبر رکھے گا۔''

افسوس ہے اس مرید پر جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور راہِ خدا معلوم نہ کرے۔ یہ شیطانی وسوسے ہیں جو ناقص پیر کی زندگی کے ذریعے آئے ہیں کہ وہ طالب کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے روک دیں۔ اُسے چاہیئے کہ جس جگہ اُسے رُشد اور جمعیت خاطر حاصل ہو، بغیر کسی توقف اور تامل کے وہاں رجوع کرے اور شیطانی وساوس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ (جلد ثانی مکتوب 63)

حضرت مجددؒ کے مقامات و معارف پر اعتراضات

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض معارف پر لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں جن کے جوابات خود حضرت نے مدلل اور شافی تحریر فرمائے ہیں اور آپ کے خلیفہ شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے بھی حضرات القدس میں چند شبہات کو بیان کر کے اُن کے مفصل جوابات لکھے ہیں۔ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تمام معارف کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ جن مقامات پر معترضین نے اعتراضات کیے ہیں، خود حضرت نے اُن کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، وہ اہل انصاف کے نزدیک کافی ہیں۔ بہت سے کلمات جن پر ارباب ظاہر نے اعتراض کیے ہیں، اولیائے کرام سے صادر ہوئے ہیں اور وہ بغیر تاویل کے درست نہیں پس جو تاویل (یعنی غلبۂ احوال یا معانی مقصودہ کے ساتھ الفاظ کی عدم مساعدت یا امر الٰہی اُن کے اظہار کا) کہ ان کلمات میں کی جاتی ہے وہ حضرت مجدد کے کلام میں بھی جاری ہے اور شیخ محدث رحمتہ اللہ علیہ[1] نے اگرچہ اوائل حال میں حضرت کے بعض معارف پر اعتراض لکھے ہیں مگر آخر میں اُن سے رجوع کیا اور خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا:

> ''ان دنوں میں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت فقیر کی صفائی حد سے متجاوز ہے اور بشریت و طبیعت کا پردہ بالکل نہیں رہا ہے رعایت طریقہ و انصاف اور حکمِ عقل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں سے بگاڑنی نہ چاہیئے۔ قطع نظر اس سے میرے باطن میں بطریقِ ذوق و وجدان وغلبہ ایسی بات آئی ہے کہ زبان اُس کے بیان سے گنگ ہے۔ پاک ہے اللہ جو دلوں کو پھیرنے والا اور حالات کو بدلنے والا ہے۔ شاید ظاہر بین لوگ بعید سمجھیں۔ میں نہیں جانتا کہ حال کیا ہے اور کس طرح پر ہے۔''

بادشاہ سے آپ کو تکلیف کا پہنچنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی کمال متابعت حاصل ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں معتکف تھے اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محصب میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔

حضرت مجدد کے مخلصوں نے اعتراض و شبہات کی تردید میں رسالے لکھے ہیں اور ردِ شبہات میں سب سے اچھا رسالہ میرزا محمد بیگ بدخشی کا ہے۔ جو آپ نے مکہ شریف میں تحریر فرمایا اور چاروں مذہبوں کے مفتیوں نے اُس پر اپنی مہریں ثبت کیں۔[2]

---

1. حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ۔
2. اُردو زبان میں اسی موضوع پر حضرت شاہ زید ابوالحسن دہلویؒ سجادہ نشین درگاہِ حضرت شاہ ابوالخیر دہلی کی کتاب ''حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین'' خاصے کی چیز ہے۔ (قصوری)

فیضِ الٰہی کی حد نہیں۔ اولیاء میں سے ہر ایک کی استعداد کے موافق ظہور میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متاخرین کو حسبِ اقتضائے حکمتِ بالغہ ایسے کمالات عنایت کیے کہ متقدمین سے وہ تمام علوم وفیوض مروی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں ایک کی فضیلت دوسرے پر ثابت ہے اور اولیاء میں بھی ایسا ہی ہے۔ وہ مقامات کے جن سے حضرت مجدد ممتاز ہیں آپ کے طریقہ کے مستفید کثرت سے اُن درجات وحالات پر پہنچے ہیں اور اُن علوم و کیفیات کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں رہا قیوم کے خبر متواتر صدق ویقین کا افادہ کرتی ہے۔ جو شخص اُن مقامات پر نہیں پہنچا اور اُن کو بعید خیال کرتا ہے وہ اپنی جہالت کے سبب سے معذور ہے۔

خرقِ عادات کا ظاہر ہونا علوِ کمالات کی شرط نہیں ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باوجود علوِ درجات کے کہ جن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، کثرتِ خوارق عادات اور نسبتہائے شوق و ذوق و جذبہ و استغراق صادر نہیں ہوئے۔ حضرت سید نور محمد بدایوانی رحمتہ اللہ علیہ کے پیر حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہٗ، حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی خدمت میں استفادہ کے لیے گئے۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے بزرگ ہمارے بزرگوں کے انکار کرتے ہیں تم انکار کے ساتھ آئے ہو یا اقرار کے ساتھ؟ حضرت حافظ رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ انکار سے عذر کرنے کے لیے آیا ہوں۔ پس وہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی صحبت میں درجۂ کمال و تکمیل پر پہنچ گئے۔“

(ملفوظات حضرت میرزا جان جاناں قدس سرہٗ)

حضرت میرزا شہید قدس سرہٗ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”برخوردار! جو شبہات کہ بے عقلوں کے گمان میں قیوم ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے مقامات کرامت آیات پر وارد ہوتے ہیں۔ آپ نے اُن کے جوابات پوچھے ہیں آپ کو معلوم رہے کہ ان اعتراضات کی بنا جہالت پر ہے یا حسد پر اور یہ رسمِ انکار معمولِ قدیم ہے۔ اہل تعصب نے شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی تکفیر میں رسالے لکھے ہیں اور حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات شریف میں ان تمام شبہات کے جواب بطریق دفع دخل مقدر تحریر فرمائے ہیں اور حضرت اقدس کی اولاد امجاد میں سے حضرت شاہ یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک مفصل رسالہ لکھا ہے اور حضرت مولوی فرخ شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے بطریق اجمال ایک رسالہ موسومہ بہ ”کشف الغطاء عن وجہ الخطاء“ تحریر کیا ہے اور آنجناب کے مخلصوں میں سے مولانا محمد بیگ ترکی ثم مکی رحمتہ اللہ علیہ نے محمد برزنجی تلمیذ شیخ ابراہیم کردی ثم مدنی کے رسالہ کی تردید میں ایک رسالہ موسومہ بہ ”عطیہ الوہاب الفاصل بین الخطاء والصواب“ بطریق سوال و جواب لکھا ہے اور ملک عرب کے علمائے مذاہب اربعہ کی مہروں سے مزین کیا ہے۔“

(مکتوباتِ حضرت میرزا مظہر قدس سرہٗ مکتوب پنجم)

یہ رسالہ "10"×"6 سائز کے 62 صفحات پر مشتمل ہے، 18 ربیع الاول 1094ھ کو لکھا گیا اور مندرجہ ذیل علماء کرام نے اس پر اپنے تصدیقی وتوثیقی دستخط ثبت فرمائے:

(1) شیخ احمد بشیشی مصری ازہری شامی (2) مفتی مکہ عبداللہ آفندی عتاقی

(3)	مفتی سلطانی سید اسعد حنفی مدنی	(4)	مفتی شافعی امام علی طبری
(5)	امام مالکی عبدالرحمٰن بن محمد صالح	(6)	قاضی زادہ شیخ عیدا ام حنفی
(7)	شیخ حسن تونسی مغربی	(8)	شیخ قاسم سقدار حنفی
(9)	قاضی مُرشد حنفی	(10)	سید علی آفندی

ان علماء نے تصدیق کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو بڑے بڑے القاب و آداب سے نوازا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرمین شریفین میں جہاں چند مخالف تھے وہاں بکثرت علماء حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور آپ کی علوِ مرتبت کے دل سے قائل۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مخالفین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات کا موضوع بہت طویل وعریض ہے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تفصیل سے روشنی ڈالی جاسکے۔ مزید دلچسپی رکھنے والے حضرات مندرجہ ذیل کتابوں کی ورق گردانی فرمائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ انھیں گوہر مقصود ہاتھ آجائے گا۔[1]

(1)	حضرت مجدد اور اُن کے ناقدین	از شاہ ابوالحسن فاروقی	مطبوعہ لاہور	1982ء
(2)	سیرت مجدد الف ثانی	از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	مطبوعہ کراچی	1983ء
(3)	عبداللہ خویشگی قصوری	از پروفیسر محمد اقبال مجددی	مطبوعہ لاہور	1972ء
(4)	حضرت مجدد الف ثانی ایک تحقیقی جائزہ	از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	مطبوعہ کراچی	1965ء
(5)	جواہر مجددیہ	از خواجہ احمد حسین امروہوی	مطبوعہ لاہور	سن ندارد

دراصل حسد کا مادہ حضرت مجدد قدس سرہٗ سے معارفِ غیر متعارف کا ظاہر ہونا ہے۔ جو قرونِ اولیٰ میں شائع ہوئے تھے اور قرونِ ثلاثہ مشہود بالخیر کے بعد پوشیدگی کے پردے میں چلے گئے تھے اور چونکہ حضرت قدس سرہٗ کی طینت مطہرہ حضور سید عالم رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت مقدسہ کا بقیہ تھی، لہٰذا اس سبب سے ظاہر ہو گئے ہیں۔ انصاف کا تقاضایہ ہے کہ پہلے ان مقامات کے قائل کی شان میں نظر کریں، اگر وہ کتاب وسنت کا متبع ہے اور اس کے اکثر اعمال واقوال، میزان شریعت میں موزوں ہیں تو اُس کے کلام کے متشابہات کو اس کے کلام کے محکمات کے موافق تاویل کریں یا خدائے عالم السرو العلانیہ پر چھوڑ دیں اور اُس کو معذور سمجھیں۔ کیونکہ اس قوم کو بہت سے عذر عارض (پیش) ہوتے ہیں۔ کبھی غلبۂ حال میں اُن کی عبارتیں، اُن کے مرادات کے ساتھ مساعدت نہیں کرتیں اور کبھی معلومات کشفی میں وہم وخیال کے خلط کے سبب سے خطا واقع ہوتی ہے اور وہ اس خطا میں خطائے اجتہادی کی طرح معذور ہیں اور کبھی اُن کی اصلاح پر آگاہی حاصل نہیں ہوتی۔ پس ان امور کی رعایت سے اعتراض کا ترک لازم ہے۔ بالخصوص حضرت مجدد قدس سرہٗ کے کلام بلاغت نظام پر اعتراض کرنا فضول ہے کیونکہ اُن کے طریقہ کی بنا سنت کے اتباع پر ہے اور اُن کی تصنیفات پر

[1] ان کتابوں میں ماضی تا حال کے ناقدین کے اعتراضات اور اُن کے شافی جوابات موجود ہیں (قصوری)

اسی نصیحت و موعظت سے بھری پڑی ہیں اور اس فتنہ کے برپا ہونے کا سبب زیادہ تر توحید وجودی کا انکار اور توحید شہودی کا اثبات ہے کیونکہ چار سو (400) سال سے یعنی حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد سے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے عہد مبارک تک لوگوں کے کان اور ذہن مسئلہ وحدت وجود سے پُر تھے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کا توحید وجودی سے انکار، علمائے ظاہر کی طرح نہیں بلکہ جس مقام سے کہ وجودیہ تکلم کرتے ہیں، حضرت مجدد قدس سرہٗ اُس کی تصدیق اور تسلیم کرتے ہیں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ مقصود اصلی کو اُس مقام سے اُوپر فرماتے ہیں اور خالق و مخلوق میں فی الجملہ غیریت ایسے طور سے ثابت کرتے ہیں کہ وحدت وجود حقیقی میں مخل نہیں جو خارج حقیقی میں متحقق ہے بخلاف وجودیہ کے جو خالق و مخلوق میں عینیت ثابت کرتے ہیں۔ (مکتوب حضرت میرزا مظہر مکتوب پنجم)

حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید قدس سرہٗ ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ میں جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے جمال جہاں آرائے سے مشرف ہوا۔ گویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو مبارک میں برابر لیٹا ہوا ہوں اور نفس مبارک کی راحت مجھے پہنچ رہی ہے۔ اسی اثناء میں مجھے پیاس لگی، سرہند شریف کے پیرزادے وہاں حاضر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن میں سے ایک کو پانی لانے کا حکم دیا۔ بندہ نے عرض کی 'یارسول اللہ! وہ میرے پیرزادے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ پس اُن میں سے ایک بزرگ پانی لایا اور میں نے سیر ہو کر پیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی مثل میری اُمت میں دوسرا کون ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ان کے مکتوبات آپ کی نظر مبارک سے گزرے ہیں؟ فرمایا، اگر تجھے کچھ یاد ہے تو پڑھو۔ بندہ نے آپ کے کسی مکتوب کی یہ عبارت پڑھی۔ **انہ تعالی وراء الوراء ثم وراء الوراء** ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت پسند فرمائی اور محظوظ ہوئے۔ فرمایا کہ پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ یہی عبارت عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور زیادہ تعریف فرمائی اور محظوظ ہوئے۔ فرمایا کہ پھر پڑھو، میں نے پھر (تیسری بار) یہی عبارت عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور زیادہ تعریف فرمائی اور یہ حالت دیر تک رہی۔ علی الصبح ایک بزرگ نے آکر کہا کہ میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ تم نے ایک اچھا خواب دیکھا ہے۔ وہ خواب کیا ہے۔ فقیر نے یہ خواب اُس سے بیان کر دیا' وہ بہت متعجب ہوئے۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس مبارک اور صحبت سے میں نے اپنے آپ کو سراپائے نور و حضور پایا اور اُس کی کیفیتوں سے جو امر بیدار سے بہتر ہے کئی دن تک مجھے بھوک اور پیاس نہ تھی۔'' (ملفوظاتِ حضرت میرزاؒ)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ، لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے رسالۂ اعتراضات کے اخیر میں لکھا ہے:

""فقیر در بارۂ شما بعالمِ غیب متوجہ بُود۔ کہ تحریر ایں ہمہ معارف و مقامات شما از چہ راہ است۔ اصلے از حق دارد یا محض سخن سازی است۔ ایں آیہ شریفہ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۔ ترجمہ: اور اگر بالفرض وہ غلط کہتے ہیں تو ان کی غلط گوئی کا وبال ان پر۔ (پارہ: 24، سورۃ: مومن، ع: 4، آیۃ: 28) در باطن القا کردند۔""

ف (ترجمہ) فقیر تمھارے بارے میں عالم غیب کی طرف متوجہ تھا کہ آپ کے معارف و مقامات کی یہ سب تحریریں کس راہ پر ہیں۔ انھیں حق سے کوئی نسبت ہے یا سب بناوٹی باتیں ہیں۔ یہ آیہ شریفہ ""اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اُس کے جھوٹ کی شامت اُس پر ہوگی۔"" باطن میں القا ہوئی۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول فرعون اور فرعونیوں کے اشتباہ کے دُور کرنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ہے۔ پس حضرت شیخ دہلویؒ کا انکار سے باز آنا اور آپ کے باطن شریف پر اس آیت کا القا ہونا رفع اعتراضات کے لیے دو دلیلیں ہیں۔[1]

حضرت شیخ محمد فرخ جو عالم کثیر العمل اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کے پوتوں میں سے تھے، حج کے لیے تشریف لے گئے تو سید محمد برزنجی جو حضرت مجددؒ کے انکار میں تشدد رکھتا تھا۔ اُس نے چاہا کہ شیخ کے الزام کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے۔ شیخ نے دُعا کی کہ الٰہی! میں عجمی ہوں اور وہ عربی ہے۔ حرم مبارک میں مجادلہ مناسب نہیں تو مجھے اُس کے شر سے بچا۔ وہ سخت بیمار ہوگیا۔ حضرت شیخ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہوکر ہندوستان کا رخ کیا اور کشتی پر سوار ہوگئے۔ اُس نے صحت و قوت پا کر اُن کا تعاقب کیا اور ایک کشتی میں سوار ہوا تا کہ جہاز

---

[1] مزید تشریح کے لیے، ہم پوری آیہ کریمہ اور اس کی تفسیر و تشریح نقل کرتے ہیں تا کہ قارئین کرام اس کے پس منظر سے بخوبی آگاہ ہوسکیں۔

وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ○ (پارہ: 24، سورۃ: مومن، رکوع: 4 آیۃ: 28)

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر وہ سچا ہوا (اور تم نے اُس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمھیں عذاب جس کا اس نے وعدہ تم سے کیا ہے۔ بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''قبطی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُس نے جب سنا کہ فرعون حضرت کلیم علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اُس نے اُن کو اس ارادہ سے باز آنے کی تلقین شروع کردی پہلے تو انھیں جھڑکا کہ تم موسیٰ کے درپے آزار کیوں ہو؟ اس نے تمھارا کیا جرم کیا ہے؟ اُس نے کون سی قانون شکنی کی ہے، محض اس لیے تم اُسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اُس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کردی ہے۔ تمھارا معاشرہ تو بڑا ترقی یافتہ ہے تم اُن کے ذاتی عقیدہ میں کیوں دخل دیتے ہو۔ اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا۔ ہمیں اپنے ہاتھ اُس کے لہو سے سرخ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (ضیاء القرآن جلد چہارم ص 303) (قصوری)

میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے معارف میں اُن سے بحث کرے۔ شیخ نے یوں دعا کی:

اللھم اکفنیہ بماشئت — یااللہ! تو مجھے اس کے شر سے بچا جس چیز کے ساتھ تو چاہے۔

وہ کشتی دریا میں غرق ہوگئی اور منکر اولیاء کو سزا مل گئی۔ (مقاماتِ مظہری)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ "ناسمجھوں نے حضرت مجدد ؒ کے کلام پر جو اعتراضات کیے تھے اُن کے جواب میں تو خود آپ نے مکتوبات شریف میں تحریر فرمادیے ہیں، دوسروں کو ضرورت ہی نہیں کہ جواب لکھیں، پھر بھی اُن کے صاحبزادگان اور مخلصین نے ان اعتراصات کے جوابات دیے ہیں مثلاً حضرت خواجہ محمد یحییٰ ؒ (ابن حضرت مجدد ؒ) شیخ محمد فرخ (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد ؒ) خواجہ عبدالاحد ؒ (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد ؒ) میرزا محمد بیگ بدخشی (مکہ شریف) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ اور قاضی ثناءاللہ پانی پتی ؒ اور دوسرے بہت سے احباب و مخلصین نے رد لکھا ہے (رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد ؒ (قلمی) بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص 322)

حضرت مجدد قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد

صاحب حضرات القدس لکھتے ہیں:

"امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی دو بڑی کرامتیں صفحہٴ روزگار پر باقی ہیں۔

(1) آپ کا کلام کہ مشائخ و عرفاءِ وقت اُس کے مماثل لکھنے سے عاجز رہے۔

(2) آپ کے فرزندان گرامی کہ اُن کو آپ نے اپنے تصرّف سے علم و عمل اور کمالاتِ باطنیہ عطا فرمائے روئے زمین پر کسی شیخ نے بھی اپنے فرزندوں کو تصرف و توجہ سے اپنا مثل نہیں بنایا۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے۔

آپ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

صاحبزادگان

(1)	خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ	پیدائش	1000ھ	وفات	1025ھ بمطابق 1616ء
(2)	خواجہ محمد سعید قدس سرہٗ	پیدائش	1005ھ/1002ھ	وفات	1070ھ بمطابق 1650ء
(3)	خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ	پیدائش	1007ھ	وفات	1079ھ بمطابق 60-1659ء
(4)	خواجہ محمد فرخ قدس سرہٗ	پیدائش	1014ھ	وفات	1025ھ بمطابق 1616ء
(5)	خواجہ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ	پیدائش	1017ھ	وفات	1025ھ بمطابق 1616ء
(6)	خواجہ محمد اشرف قدس سرہٗ			وفات	بعمر شریف 2 سال
(7)	خواجہ محمد یحیٰ قدس سرہٗ	پیدائش	1024ھ	وفات	1096ھ بمطابق 1685ء

صاحبزادیاں

(1) بی بی رقیہ بانو ؒ، آپ کا شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال ہوا۔

(2) بی بی خدیجہ بانو ؒ[1] حضرت مجدد قدس سرہٗ کے بھتیجے مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں۔ ان کے تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہوئیں۔ تاریخ پیدائش و وفات معلوم نہیں ہوسکی۔

(3) بی بی ام کلثوم ؒ[2]، آپ کا چودہ سال کی عمر میں 1025ھ بمطابق 1616ء میں انتقال ہوا۔

ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ صاحبزادگان عالی شان کے حالات طیبات درج کر رہے ہیں تا کہ قارئین کرام کی تشنگی دُور ہوسکے اور دولت ایمان میں زیادتی ہو۔

(1) خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 1000ھ میں ہوئی۔ بچپن میں اپنے جد بزرگوار کے دامن تربیت میں رہے۔ جب 1008ھ میں حضرت مجدد قدس سرہٗ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی نظر کرم سے ذکر و مراقبہ اور جذبہ و نسبت شریفہ سے شرف حاصل کیا۔ اپنی فطری استعداد، حضرت مجدد ؒ کی نظر کرم کی برکتوں سے اور تربیت کے طفیل وہ وہ روحانی ترقیاں حاصل کیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں۔ آپ پر معاملاتِ عظیمہ وارد ہوئے یہاں تک کہ کبھی وفورِ مستی اور غلبۂ جذبہ میں ننگے سر، ننگے پاؤں جدھر جی چاہتا نکل جاتے اور سبق کی کتابیں بالائے طاق رکھی رہ جاتیں۔

ایک روز حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک درویش حاضر ہوا اُس نے کسی بزرگ کی خدمت میں سلوک تمام کر کے خلافت حاصل کی تھی۔ وہ وطن کو جاتے ہوئے یہاں ٹھہر گیا۔ اُس نے اپنے حالاتِ بلند، حضرت خواجہ قدس سرہٗ سے بیان کیے۔ مطلب و مقصد یہ تھا کہ ایسے حالات مجھے حاصل ہیں، اگر یہاں کچھ زیادہ ہے تو استفادہ کرلوں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے محمد صادق کو طلب کر کے فرمایا، بابا! اپنے احوال بیان کرتا کہ مہمان درویش سن لے۔ آپ نے وہی درویش والے احوال اور کچھ زائد بیان کیے۔ جب اُس درویش نے دیکھا کہ اس آستان کا ایک آٹھ سالہ لڑکا جسے داخلِ سلسلہ ہوئے دو تین ماہ ہوئے ہیں، وہ حالات بیان کرتا ہے جو اُسے پچاس سال میں حاصل ہوئے تو اپنے احوال کی دید کا غرور اُس کے دماغ سے نکل گیا۔

---

[1] آپ نے سلوک باطنی اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد قدس سرہ سے حاصل کیا تھا۔ ولایت کے مرتبہ پر فائز تھیں (قصوری)

[2] صاحبزادیوں کی یہ ترتیب ہم نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کی کتاب ''سیرۃ مجدد الف ثانی'' سے نقل کی ہے۔ سید زوار حسین شاہ نے اپنی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' ص 674 اور مولانا اختر شاہجہانپوری نے ''تجلیاتِ امام ربانی'' کے ص 129 پر صاحبزادیوں کی ترتیب یوں لکھی ہے: (۱) بی بی رقیہ بانو، (۲) بی بی ام کلثوم اور (۳) بی بی خدیجہ بانو رحمۃ اللہ علیہما۔ (قصوری)

بچپن ہی سے آپ کشفِ کون اور کشفِ قبور میں نظرِ صائب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ آپ کے کشف وفراست پر اعتماد کر کے آپ سے امورِ کونیہ غیبیہ دریافت فرمایا کرتے تھے اور قبرستان میں لے جا کر مردوں کے حالات پوچھا کرتے تھے اور آپ کو جیسا نظر پڑتا عرض کر دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے چچا شیخ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے بسلسلہ تجارت خراسان کو رخت سفر باندھا، آپ بطریق مشایعت اُن کے ساتھ جد امجد حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مزار تک تشریف لے گئے اور ایک لمحہ مزار مبارک پر مراقب رہے۔ مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمانے لگے کہ میرے دادا جان نے چچا جان کو اس سفر سے منع کیا ہے چونکہ آپ اُس وقت کمسن تھے، اس لیے شیخ محمد مسعودؒ نے خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ مسعودؒ اسی سفر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ اکثر علوم والد بزرگوار (یعنی حضرت مجدد قدس سرہٗ) کے حضور میں حاصل کیے کچھ مولانا محمد طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ مولانا معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاصل کیے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مشغول ہو گئے۔ معقول ومنقول میں آپ کو اس قدر مہارت تامہ اور شہرت عامہ تھی کہ ایک روز آپ کو شیراز (ایران) کے ایک فاضل کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا جو ہندوستان میں آیا تھا اور معقولات میں عدیم النظیر تھا۔ آپ نے ہیئت وحکمت کے چند دقائق طبعزاد اُس سے ذکر کیے۔ فاضل موصوف کہنے لگا کہ جب تک میں نے اس جوان کو نہ دیکھا تھا تو مجھے یقین نہ تھا کہ طلبۂ ہندوستان میں سے کوئی طالب علم علوم عقلیہ کے مسائل دقیقہ کی قوت ادراک کما حقہ رکھتا ہوگا۔

مہارت علمی کے ساتھ آپ نے سلوک کو بھی درجۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ اکیس (21) برس کی عمر میں حضرت مجدد قدس سرہٗ نے خلعتِ خلافت سے سرفراز فرما دیا تھا۔ جب آپ کی عمر چوبیس (24) سال کی ہوئی تو سرہند شریف میں وبائے طاعون شدت سے نمودار ہوئی۔ ہر روز بکثرت لوگ ہلاک ہونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وبا تر لقمہ چاہتی ہے، جب تک ہم نہیں جائیں گے، تسکین نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کو بخار ہو گیا اور طاعون کی گلٹی آپ کی ران میں نمودار ہوئی اور نو ربیع الاول 1025ھ بمطابق 1616ء بروز اتوار وصال فرمایا۔ ''دوشنبہ نہم ربیع الاول'' سے آپ کی تاریخ وفات 1025ھ نکلتی ہے۔ آپ سے ایک دو دن پہلے آپ کے بھائیوں خواجہ محمد فرخ اور خواجہ محمد عیسیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اور آپ کی بہن ام کلثوم نے اسی مرض میں انتقال کیا اور یہ تینوں اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ کے مزار میں دفن ہوئے۔

خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد وبا ان کے قبیلے میں نہ رہی۔ جو بیمار تھے وہ سب صحت یاب ہو گئے۔ ان مریضوں نے شدت مرض میں دیکھا تھا کہ حضرت مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادق) اُن کو اُس جماعت کے ہاتھ سے چھڑا رہے ہیں جو اس وبا پر مقرر تھی اور اُن سے فرما رہے ہیں کہ اب جب اس بلا کو ہم نے اپنے اوپر لے لیا ہے تو پھر تم لوگوں سے کیوں الجھ رہے ہو۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ جو شخص مخدوم زادہ (خواجہ محمد صادق) کا نام لکھ کر پاس رکھے گا، اس وبا سے رہائی پائے گا۔ چند لوگوں نے اس کا تجربہ کیا اور نام مبارک میں عجیب اثر دیکھا۔

آپ کے انتقال کے بعد رشتہ داروں کی رائے تھی کہ آپ کو جد امجد حضرت خواجہ عبدالاحد قدس سرہٗ کے مقبرہ میں دفن کیا جائے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے مراقبہ کیا تو اُس جگہ کا حکم ہوا جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ اس جگہ کا شرف حضرت مجدد قدس سرہٗ نے یوں تحریر فرمایا:

''شہر سرہند گویا میرے زندہ کرنے کی زمین ہے کہ میرے واسطے تاریک کنویں کو بھر کر ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے اور اکثر شہروں اور جگہوں پر اُس کو رفعت دی گئی ہے اور اس زمین میں ایک نور ودیعت رکھا گیا ہے جو نور بے ضقی اور بے کیفی سے اقتباس کیا گیا ہے اُس نور کی مانند جو بیت اللہ کی پاک زمین سے بلند و روشن ہے۔

میرے بڑے بیٹے کی رحلت سے چند ماہ پہلے یہ نور اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور فقیر کی سکونت کی زمین کے گوشہ میں بتایا گیا تھا۔ ایسا بلند نور دکھایا گیا تھا کہ کسی صفت و شان نے اُس کی بُو کی طرف بھی راستہ نہیں پایا اور کیفیات سے مبرا و منزہ تھا۔ یہ آرزو ہوئی کہ یہ زمین میرا مدفن ہو اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ میں نے اپنے بڑے بیٹے سے جو میرا راز دار تھا یہ بات ظاہر کر دی اور اُس نور اور اس آرزو سے اُسے آگاہ کر دیا۔ اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت کی طرف سبقت لے گیا اور زیر خاک اُس دریائے نور میں غرق ہو گیا۔

هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ.

نعمت والوں کو اُن کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کے لیے وہ درد والم ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

یہ بات بھی اس شہر مبارک کی فضیلت میں سے ہے کہ میرے سب سے بڑے صاحبزادہ جو اکابر اولیاء میں سے ہے، یہاں آسودۂ خاک ہے۔ ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا وہ ودیعت (امانت) رکھا ہوا نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کا ایک لمعہ (ٹکڑا) ہے، جسے یہاں سے لے کر اس زمین میں روشن کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ مشعل سے ایک چراغ روشن کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

(پارہ:18، سورۃ: نور، آیۃ:35)

(مکتوبات شریف جلد ثانی مکتوب 22)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق اور دو چھوٹے صاحبزادوں (خواجہ محمد فرخ اور خواجہ محمد عیسیٰ قدس اسرارہم) کے انتقال کا سخت رنج ہوا۔ چنانچہ آپ مولانا محمد صالح کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی ملا صالح! آپ نے اہل سرہند کے واقعات سن لیے ہوں گے۔ میرے بڑے بیٹے (خواجہ محمد صادق) نے بھی اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ سبحانہ کا شکر ہے کہ پہلے اُس نے پسماندگان کو قوت صبر عطا فرمائی اور پھر اس وبا کے اثر کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
که خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

میں تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا، اگرچہ تو مجھے تکلیف ہی پہنچائے کیونکہ دوستوں کا بوجھ اُٹھانا اور ان کی طرف سے خواری برداشت کرنا بڑی اچھی بات ہے۔

میرا بیٹا مرحوم و مغفور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا اُس نے چوبیس سال کی عمر میں وہ کچھ پایا جو کم ہی کسی نے پایا ہوگا۔ اُس نے مولویت کے پایہ و مرتبہ اور علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کو اس حدِ کمال تک پہنچا دیا تھا کہ اُس کے شاگرد تفسیر بیضاوی، شرح مواقف اور اس طرح کی دیگر کتابوں کو پوری قدرت اور مہارت سے پڑھاتے ہیں۔ اُس کی معرفت وعرفان کی حکایتیں اور شہود وکشوف کے قصے محتاج بیان نہیں۔

آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں ایسا مغلوب الحال ہو گیا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس کے حال کی تسکین کا علاج بازاری کھانوں سے کیا کرتے تھے جو مشکوک و مشتبہ ہوتے ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ جو محبت مجھے محمد صادق سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اس ارشاد گرامی سے اُس کی بزرگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اُس نے ولایت موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچایا ہوا تھا اور اس بلند و بالا ولایت کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ (۱) فروتن، (۲) متواضع، (۳) ملتجی، (۴) متضرع، (۵) متذلل و منکسر رہا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اولیاء اللہ میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ سے ایک نہ ایک چیز مانگی ہے اور میں نے (۱) التجا اور (۲) تضرع (زاری) مانگی ہے۔

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھا جائے، وہ گیارہ سال کی عمر میں کافیہ پڑھتا تھا اور شعور و سمجھ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ ہمیشہ عذابِ آخرت سے (۱) ترساں (ڈرنے والا) اور (۲) لرزاں (کانپنے والا) رہتا تھا اور دعا کرتا تھا کہ بچپن عمر ہی میں اس کمینی دنیا کو الوداع کہہ دے تاکہ عذاب آخرت سے نجات پائے۔ مرضِ موت میں جن دوستوں اور یاروں نے اس کی تیمارداری کی انھوں نے اُس کے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا اور آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے محمد عیسیٰ کی جو کرامات و خوارق دیکھیں اُس کے متعلق کیا لکھوں۔

مختصر یہ کہ میرے یہ تینوں بیٹے نفیس موتی تھے جو بطور امانت ہمارے سپرد کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ ہم نے بغیر کسی ناخوشی واکراہ کے امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیں۔

اللھم لا تحرمنا اجر ھم ولا تفتنا بعد ھم بحرمة سید المرسلین علیه و علیھم الصلوٰت والتسلیمات

اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمیں اُن کے اجر سے محروم نہ کر۔

(مکتوبات شریف جلد اول مکتوب 306)

خواجہ محمد صادقؒ کی قبر پہلے کچی تھی۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اُس پر ایک گنبد

تعمیر فرمایا۔ قبر مبارک اس قبہ کے مرکز سے ذرا مغرب کی طرف تھی۔ جب حضرت مجدد قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو اُن کو بھی اس قبہ میں دفن کیا گیا۔ مگر جب اُن کا جنازہ لے کر اندر گئے تو حضرت خواجہ محمد صادق کی قبر از راہ ادب ایک ہاتھ مشرق کو سرک گئی اور طاق وسط گنبد بین القبرین ہو گیا۔ آپ کی اولاد میں صرف ایک فرزند نرینہ تھا جس سے سلسلہ آگے چلا۔

2- خواجہ محمد سعید خازن قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ بچپن ہی سے آثارِ ہدایت و ولایت آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

آپ کی ولادت باسعادت ماہ شعبان 1002ھ بروایت دیگر 1005ھ میں سرہند شریف میں ہوئی۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہو گئے۔ غلبۂ مرض میں اُن سے پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اُن کی زبان مقدس سے بے اختیار نکلا۔

"میں حضرت خواجہ (باقی باللہ) کو چاہتا ہوں"۔ "حضرت خواجہ رامی خواہم"۔

میں نے یہ بات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے عرض کی تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ

"تمھارے محمد سعید نے رندی اور حریفی کی اور غائبانہ ہم سے نسبت لے گیا (اُچک لی ہے)" "محمد سعید شما، رندی و حریفی نمود و غائبانہ از مانسبت درربود"۔

جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو علوم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور کچھ شیخ محمد طاہر لاہوری اور باقی والد ماجد (حضرت مجدد قدس سرہٗ) سے پڑھا۔ سترہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے اور تصانیف تحریر فرمائیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح پر تعلیقات لکھیں جن میں مذہب حنفی کی دلائل و شواہد سے تائید و حمایت کی۔ حاشیہ خیالی پر ایک حاشیہ متین لکھا اور اس میں اپنے دقائق خلاصہ تحریر فرمائے۔ ایک رسالہ رفع سبابہ کی ممانعت میں تحریر فرمایا۔ مناظرہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مخالف کو ساکت کر دیا کرتے تھے۔ جب کبھی کسی تقریب سے محفل سلطانی میں جاتے تو بادشاہ آپ ہی سے مسائل دریافت کیا کرتا حالانکہ علماء و فضلاء موجود ہوتے۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک جلد مکتوبات کی ہے، جس میں آپ نے بڑے بلند حقائق اور ذات و صفات کے متعلق دقائق بیان فرمائے ہیں۔

آپ نے علومِ ظاہری کی طرح کمالاتِ باطنی مکمل طور پر اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی صحبت مبارکہ میں حاصل کیے، ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے آخیر عمر میں تعلیم طریقہ اور خدمتِ ارشاد آپ کے اور حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دی تھیں اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر

قطب کے واسطے دو امام درکار ہیں۔ محمد سعید اور محمد معصوم دونوں میرے امام ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے آپ کے متعلق بہت سی بشارتیں دی ہیں۔ چنانچہ آپ کو خلعتِ خلّت کی بشارت دی۔ ایک روز فرمایا کہ ہمارے محمد سعید علماءِ راسخین سے ہیں اور ایک اور روز فرمایا کہ محمد سعید زمرۂ سابقین میں سے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مجھ پر میدانِ قیامت اور میرے مریدوں کا پل صراط سے گزرنا، مکشوف ہوا۔ محمد سعید ہم سب سے آگے آگے چل رہے تھے اور کتاب اعمال سیدھے ہاتھ (دائیں ہاتھ) میں لیے ہوئے تھے۔ پس ہم سب بہشت میں داخل ہوگئے۔ نیز فرمایا کہ محمد سعید خازن رحمت الٰہی ہے، قیامت کے دن تقسیم خزائن رحمت اُس کے سپرد ہوگی۔ فرمایا کہ محمد سعید! تم نے دائرہ نفی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطع کرلیا اور اب اس بات میں میرے شریک ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ عروج ونزول کے ہر مقام میں تم میرے ہمراہ رہے ہو۔ ایک روز فرمایا کہ محمد سعید! تم میرے ضمنی ہو اور اس بات سے تنگ دل نہ ہونا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمنی تھے۔

آپ کے برادر اصغر حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مناقب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''بچپن ہی سے آثارِ قبول وکرامت ظاہر اور اطوارِ ولایت ونجابت ہویدا تھے۔ حضرت قطب الولایہ خواجہ محمد باقی باللہؒ کے زمانہ حیات میں آپ چونکہ خورد سال تھے، اس لیے اُن کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ نے اُن کے حق میں فرمایا تھا کہ محمد سعیدؒ ہمارا ہم پیشہ وہم کار ہے۔ اُس نے غائبانہ ہم سے نسبت حاصل کرلی ہے۔

فی المهد ينطق عن سعادة جده. یہ لڑکا اپنے گھوارے میں اپنی سعادت بخت کو بیان کررہا ہے۔

آپ نے ظاہری وباطنی کمالات اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاصل کیے ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ، معقولہ ومنقولہ کی تحصیل کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ والد بزرگوار کی طرح کمال تقویٰ سے آراستہ، متابعت سنت اور ''عمل بعزیمت'' سے پیراستہ ہیں۔ نرمیٔ کلام، تواضع تمام، مہمانوں کی خبر گیری کا اہتمام، بذل موجود (موجود کو خرچ کردینا) اور نفی وجود اُن کا شیوہ اور طریقہ ہے۔ قرآن مجید کو سندِ عالی کے ساتھ تجوید اُسکھا ہے۔

حدیث نبوی علی ''مصدرها الصلوٰۃ والسلام''میں سند جید اور رتبہ اعلیٰ رکھتے ہیں۔ فقہ میں بھی اونچی استعداد ہے۔ حضرت ایشاں (مجدد صاحبؒ) کو اکثر اوقات جب کسی فقہی مسئلے کی تحقیق کرنی ہوتی تھی، تو اُن سے اس مسئلے کی وضاحت طلب کرتے تھے۔

جب یہ ''حلِ مشکلات مسائل'' کردیتے تھے اور بعض پیچیدہ مسئلوں میں راہِ خلاصی نکال دیتے تھے، تو حضرت والا بہت خوش ہوا کرتے تھے اور اُن کے حق میں دعائیں کیا کرتے تھے۔ حضرت والا کی زندگی ہی میں یہ مراتب کمال وتکمیل کو پہنچ گئے تھے اور اُن کی موجودگی ہی میں خلافت حاصل کرکے تعلیم طریقہ اور ارشاد طلبہ کا کام انجام دینے لگے تھے۔ کمال ''عقل معاد،، کے ساتھ ساتھ ''عقل معاش''میں بھی درجۂ کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایشاںؒ اکثر امور میں اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے اور اُن کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ امورِ باطن میں بھی یہ حضرت والا کے رازدار تھے۔ حضرت

مجددؒ جو اسرار اُن کے درمیان رکھتے تھے اُن اسرار میں دوسرا کم شریک ہوتا تھا۔ اُن کو حضرت مجددؒ کے اسرار غامضہ اور معاملاتِ خاصہ کے ذریعے بشارت دی گئی ہے۔ امراضِ ظاہری والے اُن کی توجہ سے شفا پاتے ہیں اور امراض باطنی والے اُن کے تصرف سے جمعیت قلب کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قطب المحققین وارث المرسلین حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ کے اس قول کے مصداق ہیں کہ ہم فضلی ہیں۔ اُن کی بزرگی اور فضیلت میں یہ نقل کافی ہے کہ یہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں اصحاب اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود ہیں اور یہ (محمد سعیدؒ) بھی ہمارے حضرت (مجددؒ) کے چند یاروں کے ساتھ اُس مجلس میں حاضر ہیں۔ اس اثناء میں اصحاب کرام ایک کاغذ طلب کرتے ہیں تاکہ آنسرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض داشت لکھیں۔ چنانچہ کاغذ حاضر کیا گیا تو اُنھوں نے اس مضمون کی عرض داشت لکھی کہ یہ (محمد سعید وغیرہ) اور ہم عنایت الٰہی جل سلطانہ میں برابر ہیں حالانکہ ہم نے یہ سب تکالیف اور ریاضاتِ شاقہ اٹھائی ہیں اور انھوں نے نہیں اٹھائیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ آیت قرآنی تحریر فرمائی:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. (پارہ:28، سورۃ: الجمعہ، آیۃ:4)

یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

یہ (محمد سعید) معارف وحقائق کے بیان کرنے اور اسرار و دقائق کی شرح میں زبان عالی و بیان شافی رکھتے ہیں اور چونکہ اہل باطن کے نزدیک سب سے بڑا کمال اور سب سے ظاہر کرامت دقائقِ ذات اور حقائقِ صفات، تعالت و تقدست میں کلام ہے جو اُن سے جوشِ ذوق اور خروشِ شوق میں صادر ہوا ہے۔ ناچار میں اُن کے کمالات کی شرح اور کرامات کی تفصیل سے زبان کو بند کر کے اُن کے ملفوظات ومکتوبات کا حوالہ دیتا ہوں تاکہ ان سے اُس تک سراغ لگائیں اور معنی سے صورت کی طرف رغبت کریں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

''قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔'' (مکتوبات معصومیہ جلد ثالث مکتوب 3)

آپ زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ وہاں کے حالات و واردات کو آپ کے فرزند پنجم حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں ذکر کیا ہے نقل ہے کہ ایک روز آپ حرم نبوی میں تحیۃ المسجد پڑھ رہے تھے کہ روضۂ مقدسہ سے آواز آئی:

العجل العجل اِنّا اِلَيْكَ مُشتاق

جلدی کیجیے، جلدی کیجیے میں تمھارا مشتاق ہوں۔

کہتے ہیں کہ آپ نے آٹھ مرتبہ اِن ظاہری آنکھوں سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپ صاحب کرامات ہیں۔ آپ کی کرامات اور کلمات قدسیہ کی تفصیل بخوف طوالت یہاں درج نہیں کی جاسکتی۔

آخری عمر میں آپ کو شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی منت وسماجت سے دہلی بلایا۔ آپ بھی بادشاہ کے اخلاص کو مدنظر رکھ کر تشریف لے گئے ابھی وہیں تھے کہ بیماری شروع ہوگئی اور روز بروز بڑھتی گئی۔ بہت علاج

معالجہ کیا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ اب آخری وقت قریب ہے تو بادشاہ سے رخصت لے کر وطن مبارک (سرہند شریف) کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دہلی سے چھتیس میل کے فاصلہ پر سنبھالکہ میں پہنچے تو 27 جمادی الآخر 1070ھ بمطابق 1650ء کو وہیں وصال فرمایا۔ تجہیز و تکفین کے بعد پالکی میں سرہند شریف لائے گئے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ آپ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے قبہ میں دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ قبہ مبارک میں مزید قبر کی گنجائش نہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰؒ نے اصرار کیا۔ لوگوں نے حسب الارشاد کدال زمین پر مارا تو قبہ کی دیوار چاروں طرف سے ہٹ گئی اور فرش غائب ہو گیا اور آپ دفن کیے گئے۔

آپ کی اولاد آٹھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ آپ کے تیسرے لڑکے مولوی فرخ شاہ تھے جو بڑے جید عالم تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اکثر اولاد ان ہی کی شاگرد ہے۔ مخالفین نے کلامِ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر جو اعتراض کیے اُن کے جواب میں آپ نے رسالہ ''کشف الغطاء'' لکھا، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ آپ نے 4 شوال 1118ھ بمطابق 1707ء کو انتقال فرمایا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کے روضہ سے جانب مغرب قبہ میں دفن ہوئے۔

خواجہ محمد سعیدؒ کے پانچویں صاحبزادے شیخ عبدالاحد مشہور بہ شاہ گلؒ اپنے زمانہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ وحدت تخلص تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک دیوان اور مثنوی چار چمن مشہور و معروف ہیں۔ ان کے علاوہ شواہد التجدید، لطائف مدینہ اور جنود اللہ وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ رخساروں کی شگفتگی کی وجہ سے اُن کو گل کہا کرتے تھے۔ جمعۃ المبارک کے دن 27 ذوالحجہ 1127ھ بمطابق 1715ء کو دہلی میں وفات پائی۔ جب قیوم رابع خواجہ محمد زبیرؒ کو آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ ''گل بجنت رسید''۔ پھر نماز جنازہ ادا کر کے نعش مبارک کو سرہند شریف بھیج دیا اور وہاں حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خانقاہ میں حوض کے اوپر صفہ متبرکہ کے جنوب کی طرف دفن کیے گئے۔ شیخ خلیل اللہ حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کے چھوٹے فرزند ہیں آپ علم و حلم، ورع و تقویٰ سے آراستہ اور شریعت و طریقت کے پابند تھے۔ 1131ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے روضہ منورہ میں قبہ کے محاذی مغرب کی طرف مدفون ہوئے، حضرت مجددؒ اور آپ کی قبر میں صرف ایک دیوار کا فرق ہے۔

3- خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے تیسرے صاحبزادے ہیں، آپ کے حالات آگے بیان ہوں گے۔

4- خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے چوتھے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت 1014ھ میں سرہند شریف میں ہوئی اور 1025ھ بمطابق 1616ء میں بعمر شریف گیارہ برس مرضِ طاعون میں وصال فرمایا۔ آپ کے حالات خواجہ محمد صادقؒ کے حالات میں بیان ہو چکے ہیں۔

5- خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے پانچویں صاحبزادے ہیں۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں مرض طاعون میں

1025ھ بمطابق 1616ء میں انتقال فرمایا۔ جب آپ والدہ ماجدہ کے رحم مبارک میں تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مجدد قدس سرہٗ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ تمھارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ اس لیے آپ کا نام محمد عیسیٰ رکھا گیا۔ آپ کے حالات بھی حضرت خواجہ محمد صادق کے حالات میں آچکے ہیں۔

6- خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے چھٹے صاحبزادے ہیں۔ دوسال کی عمر شریف میں رحلت فرما گئے تھے۔

7- خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ مشہور بہ شاہ جیو

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت 1024ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے حضرت مجددؒ پر اس آیت قرآنی کا الہام ہوا۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى [1] حضرت نے اس اشارے کے مطابق اِس صاحبزادے کا نام محمد یحییٰ رکھا۔ آپ کو شاہ جیو اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے پوتے حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ سے التماس کی کہ اپنا ایک بیٹا مجھے عنایت فرمائیے۔ اتفاقاً اس وقت محمد یحییٰ موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اسی کو لے لو۔ حضرت شاہ سکندر کیتھلیؒ نے اُن کو گود میں لے کر اپنی نسبت کا القاء کیا اور فرمایا کہ اِن کو اب ''شاہ'' کے نام سے پکارا کرو۔ اُس روز سے اِن کو ''شاہ جیو'' کہنے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ پر بڑے مہربان تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان کی استعداد بہت بلند ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد بزرگوار (حضرت مجددؒ) کی تربیت کی برکت سے آٹھ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کے وصال کے بعد علومِ ظاہری و باطنی اپنے برادران اکبر حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم سے حاصل کیے۔ پندرہ سال کی عمر میں مطول۔ حدیث شریف کی سند حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ (۱) صاحب تصنیف و تالیف، (۲) پابند شریعت و طریقت اور (۳) عامل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ دو دفعہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے مدِ معاش کے طور پر آپ کو بہت کچھ دیا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے روضہ منورہ سے شمال کی طرف ایک عالی شان مسجد بنوائی جس کے تین گنبد اور دو چھوٹے مینار تھے۔ اس مسجد کے مقابل میں (۱) حوض، (۲) حمام اور (۳) مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ آپ کی شادی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی پوتی یعنی خواجہ کلاں خواجہ عبیداللہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

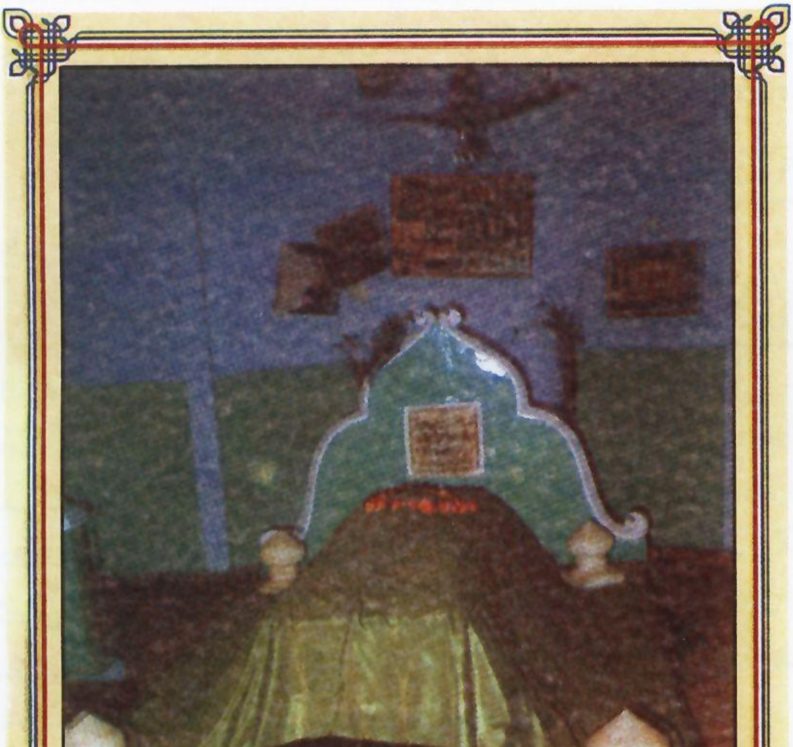
آپ نے 27 جمادی الآخر 1096ھ بمطابق 1685ء کو وصال فرمایا اور حضرت مجدد قدس سرہٗ کے قبہ مبارک کے مغرب کی طرف مدفون ہوئے۔ آپ کے مرقد انور پر ایک عالی شان قبہ بنایا گیا۔ آپ کی اولاد میں سے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

المختصر حضرت مجدد قدس سرہٗ کے صاحبزادگان آسمانِ علم کے درخشاں ستارے اور گلشنِ معرفت کے مہکتے پھول تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہی اُن کی معرفت کے لیے کافی ہے۔

اسرار الٰہی اند، استعداد ہائے عجب دارند
اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں، عجیب استعداد رکھتے ہیں

---

[1] ترجمہ: ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے۔ (پارہ: 16، سورۃ: مریم، آیۃ: 7)



مزارِ مبارک خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ
شہزادۂ حضرت مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
سرھِند شریف ۔ بھارت

(25)

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ

1007ھ - 1079ھ

سرہند شریف ———— سرہند شریف

1599ء 1668ء

مادۂ تاریخ وفات

ازشہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ

''عالم تاریک باشد''

1079ھ

''رفتہ ز جہاں امام معصومؒ''

1079ھ

دیگر

''ز عالم رفتہ معصوم''

1079ھ

''حیاتِ شہنشہ''

1079ھ

''مست باتصوف''

1079ھ

(25) حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ

چراغِ هفت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا رُوم

(ناصر علی سرہندی)

آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت 10 شوال 1007ھ بمطابق 1599ء کو ہوئی۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی آمد ہمارے واسطے بہت مبارک ہوئی۔ کیونکہ اس کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہم حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مستفید و مستفیض ہوئے اور جو کچھ دیکھنا تھا بس دیکھا۔ (کیا بیان کیا جائے)

لڑکپن ہی میں آپ کے والد بزرگوار حضرت مجدد قدس سرہٗ آپ کی بلند استعداد کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لڑکا محمدی المشرب ہے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

از فرزندی محمد معصوم چہ نویسد کہ وے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔	فرزندی محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ تو بالذات اس دولت کے قابل ہے یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ محمد معصوم کی بلند استعداد کی وجہ تھی کہ تین سال کی عمر میں حرف توحید آپ کے زبان سے نکلا اور یوں کہنے لگا کہ:

''میں آسمان ہوں، میں زمیں ہوں، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں، دیوارِ حق ہے''۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے اُس وقت فرمایا کہ:

''اس طریق پر پیر و جوان برابر ہیں اور انوارِ فیوض کے وصول میں عورتیں اور بچے مساوی ہیں۔''

آپ کے آثارِ رُشد کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ آپ پر نظرِ عنایت رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ چونکہ علم مبداء حال ہے لہٰذا اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ بدیں وجہ حضرت نے آپ کو علومِ عقلیہ و نقلیہ حاصل کرنے کی تاکید و ہدایت کی۔ اکثر و بیشتر علوم آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد قدس سرہٗ سے اور کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق اور شیخ طاہر لاہوریؒ سے پڑھے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ میرے بدن سے نُور نکلتا ہے اور اُس سے تمام عالم منور ہے اور وہ نور سورج کی طرح ہر ذرہ عالم میں جاری و ساری ہے۔ کہ اگر وہ غروب ہو جائے تو تمام عالم تیرہ و تاریک ہو جائے۔

آپ نے یہ خواب والد بزرگوار حضرت مجدد قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت نے آپ کو بدیں الفاظ بشارت دی:

تو قُطب وقت خویش مے شوی وایں سخن از من یاددار۔ — میری یہ بات یاد رکھ کہ تو اپنے وقت کا قطب ہوگا۔

(مکتوبات معصومیہ جلد اول مکتوب 86)

چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ ایک زمانہ آپ کے انوار و برکات سے معمور ہوگیا۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:

''بابا! تحصیلِ علوم سے جلدی فارغ ہو جاؤ، کیونکہ ہم نے تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔''

غرض حضرت مجدد قدس سرہٗ کی توجہ سے آپ سولہ (16) سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ بعدازاں ہمہ تن متوجہ بباطن ہوئے اور عنایت الٰہی سے اپنے والد بزرگوار کے احوال و اسرار خاصہ سے حظ وافر حاصل کیا۔

علی اکبر اردستانی اپنی کتاب مجمع الاولیاء (قلمی) میں آپ کے متعلق یوں لکھتا ہے:

''شمعِ جمعِ عرفاء، رُوحِ ابدانِ اولیاء، قدوۂ اہلِ صفا، خلاصۂ مجمعِ صلحاء، گنجینۂ معارف و علوم شیخ محمد معصوم سلمہ ربہٗ، قطب وقت حضرت شیخ احمد (علیہ الرحمہ) کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ سولہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار سے علومِ ظاہری کی تکمیل فرمائی اور علوم عقلی و نقلی کے درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ پورے قرآن کو تیس دن میں حفظ کرلیا، تجوید میں سندِ عالی رکھتے ہیں، حسن خلق اور حقوق العباد کی پابندی آپ کا طریقۂ خاص ہے۔ حضرت مجدد (قدس سرہٗ) کے سامنے ہی خلافت سے سرفراز ہوئے اور طالبان معرفت کی تربیت میں مشغول ہوگئے اور اُن کے بعد بھی مشغول ہیں۔''

صاحب زبدۃ المقامات نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے خود حضرت مجدد قدس سرہٗ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ محمد معصوم کا حال روز بروز میری نسبتوں کے حاصل کرنے میں صاحب شرح وقایہ (صدر الشریعہ عبید اللہؒ) کا سا ہے جو شرح وقایہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ میرے دادا (تاج الشریعہ محمودؒ) ہر روز بمقدارِ سبق تصنیف کرتے تھے، میں اُسی قدر حفظ کر لیتا تھا، یہاں تک کہ جس روز وقایہ کی تصنیف ختم ہوئی اُسی روز میرا حفظ کرنا ختم ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد الاحد وحدتؒ نے اسی مضمون کو اپنی نظم میں بکمال لطافت و نزاکت ادا کیا ہے۔

1- مجدد بتو صیفِ اُولب کشاد
بفرمود کائے پسرِ عرفان نژاد
— حضرت مجدد قدس سرہٗ ان کی تعریف میں یوں لب کشا ہوئے۔ فرمایا کہ اے عرفاں نژاد بیٹے

2- ز عرفاں نوشتم ورق در ورق
ہمہ خواندی از من سبق در سبق
— میں نے علم و عرفاں کو ورق در ورق لکھا ہے اور تو نے وہ سب سبق در سبق مجھ سے پڑھ لیا ہے۔

3- تُو یک نقطہ زیں لوح نگزاشتی — تُو نے اُس تختی پر ایک نقطہ بھی نہیں چھوڑا جو کچھ میں نے
ہر آنچہ نہادم تو برداشتی — رکھا وہ تو نے اٹھالیا۔

4- تو آخر چوں من قطبِ دوراں شوی — آخر کار تو میری طرح زمانے کا قطب ہوگا تو میری اس
زمن ایں بشارت بیاد آوری — بشارت کو یاد رکھو۔

فضائل ومناقب

1- آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو خلعتِ قیومیت کی بشارت دی۔ چانچہ ایک مکتوب میں آپ کو اور خواجہ محمد سعید خازن قدس سرہم کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

"کل نماز فجر کے بعد میں خاموش بیٹھا تھا کہ ظاہر ہوا کہ جو خلعت مجھ پر تھی وہ مجھ سے جدا ہوگئی اور اس خلعت کے بجائے مجھے دوسری خلعت ملی۔ دل میں خیال آیا کہ خلعت زائلہ (اترنے والی خلعت) کسی کو دی جائے گی یا نہیں اور یہ آرزو ہوئی کہ اگر وہ دی جائے تو میرے فرزندِ ارشد محمد معصوم کو دی جائے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے بیٹے کو عطا کی گئی اور اسے پوری پہنادی گئی۔ اِس خلعتِ زائلہ سے مراد معاملۂ قیومیت تھا، جس کا تعلق تربیت وارشاد سے تھا۔ جو خلعت جدید مجھ کو عطا ہوا ہے جب اُس کا معاملہ تکمیل کو پہنچ جائے گا تو اُمید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے فرزند محمد سعید کو عنایت کیا جائے گا۔ یہی میری دعا ہے اور امیدِ قبولیت ہے جس کا اثر بھی محسوس ہوتا ہے اور اس دولت کا مستحق فرزند محمد سعید کو پاتا ہوں۔ ع

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

کریم لوگوں کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے

اگر استعداد ہے تو وہ اُسی (اللہ تعالیٰ) کی داد ہے۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست — میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں تو نے ہی مجھے
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست — سب چیزیں عطا فرمائی ہیں اور میں خود بھی تیری چیز
(مکتوبات امام ربانی جلد ثالث مکتوب 104) — ہوں۔

جب یہ مکتوب حضرات صاحبزادگان کو ملا تو دونوں صاحبزادے بعجلت تمام اپنے والد بزرگوار (حضرت مجدد قدس سرہٗ) کی خدمت میں اجمیر شریف پہنچے۔ حضرت والا مرتبت نے اُن پر بڑی مہربانی فرمائی اور خواجہ محمد معصوم کو خلوت میں بلا کر خلعتِ قیومیت عنایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم اپنے خلیفہ مولانا محمد حنیف کابلی کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سبحانہ سرہٗ الاقدس نے اپنے مخلصوں سے ایک

درویش کو خلعتِ قیومیت سے مشرف فرمایا اور اس بڑے رتبہ سے اُس کو سرفراز فرمایا تو اُس درویش کو خلوت میں بلا کر فرمایا کہ اس مجمع گاہ سے تعلق کا سبب یہی معاملۂ قیومیت تھا جو تجھے عطا کیا گیا اور مخلوقات و موجودات بڑے شوق سے تیری طرف متوجہ ہو رہی ہے۔ اب میں اس جہانِ فانی میں اپنے رہنے (زندہ رہنے) کا سبب نہیں پاتا۔ اس جہان سے میری رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے۔" (مکتوبات معصومیہ جلد اوّل مکتوب 86)

-2 آپ کو اصالت اور محبوبیت ذاتی عطا ہوئی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ جب تک کوئی شخص اصالت سے بہرہ ور نہ ہو اُسے قیومیت کی نسبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عالی حضرت متعالی منقبت (حضرت مجدد قدس سرہٗ) نے جس درویش کو نسبتِ قیومیت کے حصول کی خوشخبری دی تھی اُسے حصول اصالت کی بشارت سے سرفراز فرما کر فرمایا تھا کہ جس قدر اصالت کا حصہ تجھے حاصل ہے اُس کے مطابق ہی خلقت میں تیری محبوبیت ودیعت رکھی گئی ہے یعنی آپ نے اُس کے حق میں محبوبیتِ ذاتی اور کمال انفعالی کا نشان دیا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔"[1] (مکتوبات معصومیہ جلد اوّل مکتوب 86)

-3 آپ کا وجود مبارک حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خمیرِ طینت کے بقیہ سے بنا۔ چنانچہ آپ خود یوں تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت (حضرت مجدد) قدس سرہٗ فرماتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت سے جو بقیہ رہ گیا تھا اُسے بطور اُلش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے دولتمندوں میں سے ایک کو عطا کیا ہے اور اس فرد کی طینت کا خمیر اُس سے کیا ہے اور اسی وجہ سے اُس فرد کو اصالت سے بہرہ ور کیا ہے۔ اس فرد کی طینت کی خمیر کے بعد بھی تھوڑا سا بقیہ رہ گیا تھا۔ وہ بقیہ اُس فرد کے مریدوں میں سے ایک کے نصیب ہوا ہے اور اُس کی طینت کا خمیر اُس سے کیا گیا ہے اور اُس کے اندازے کے موافق اُسے اصالت کا حصہ ملا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ — بیشک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔

(پارہ:27، سورۃ: النجم، آیۃ:32)

(مکتوبات معصومیہ، جلد اوّل مکتوب 192)

-4 آپ زمرۂ سابقین میں داخل ہیں اور اسرارِ مقطعات سے بھی آپ کو حصہ نصیب ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت پیر دستگیر (حضرت مجدد قدس سرہٗ) نے ایک دن فرمایا کہ میں ایک روز زمرۂ سابقین میں

---

[1] اور یہ خدا کو کچھ مشکل نہیں۔ (پارہ:13، سورۃ: ابراہیم، رکوع:2، آیۃ:20)

نظر ڈال رہا تھا کہ جن کی شان میں حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ — اگلوں میں سے ایک گروہ اور پچھلوں میں سے تھوڑے (ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ)

(پارہ:27، سورۃ: واقعہ، آیت:13، 14)

میں نے اپنے آپ کو اس زمرہ میں داخل پایا اور اپنے مریدوں میں سے بھی ایک کو وہاں اپنے ساتھ پایا۔ اسی طرح متشابہات کے اسرار کی بابت بھی آپ نے لکھا ہے کہ متشابہات اشارہ معاملات کی طرف ہے۔ جائز ہے کہ ایک شخص کو معاملہ حاصل ہو اور اُسے اُس معاملہ کا علم نہ ہو۔ اس بات کو آپ نے اپنے مریدوں میں سے ایک فرد میں مشاہدہ فرمایا ہے۔ دیکھیئے دوسروں کو کیا ملے۔

سعادتہاست اندر پردۂ غیب — سعادتیں پردۂ غیب کے اندر ہیں۔
نگہ کن تا کرار یزند درجیب! — تو نگاہ کرتا کہ وہ تیری جیب میں ڈال دی جائیں۔

(مکتوبات معصومیہ جلد اوّل مکتوب 237)

5- حق تعالیٰ نے آپ کو عروۃ الوثقیٰ کا خطاب دیا۔ چنانچہ 1035ھ میں ایک روز آپ نے فرمایا کہ آج میں صبح کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ جناب سرکار کائنات خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو کر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو عروۃ الوثقیٰ کا خطاب دیا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر بجالاؤ۔ اسی اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب فرشتوں اور انبیاء و اولیاء نے آ کر میرے گرد حلقہ بنایا اور کہتے ہیں۔ ''السلام علیکم یا محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ۔'' پھر ہر ایک نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے سنہری خط سے عرشِ مجید کے گرد ''محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ'' لکھا ہوا دیکھا (روضہ قیومیہ)

حالات حرمین شریفین

آپ اپنی قیومیت کے چونتیسویں (34) سال حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں کے بعض حالات آپ کے فرزندِ ثانی مروّج الشریعت خواجہ عبید اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک رسالہ یاقوتِ احمر میں لکھے ہیں جس سے چند واقعات درج ذیل ہیں:

حضرت قیوم ثانی فرماتے ہیں کہ جب ہم ایامِ تشریق میں منیٰ سے شہر مکہ آئے تو طوافِ زیارت سے فارغ ہونے پر ظاہر ہوا کہ فرشتہ نے محض ادائے ارکان پر قبولیت حج اور اجر کا مہر شدہ کاغذ ہمیں عطا کیا۔ ایامِ قیامِ مکہ میں آپ اکثر طواف میں مشغول رہا کرتے۔ اُس وقت اس عبادت کو بہترین عبادت جانتے تھے اور فرماتے کہ عجیب وغریب باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ اکثر اوقات دیکھتا ہوں کہ کعبہ ہم سے گلے ملتا ہے اور بڑے اشتیاق سے چومتا ہے اُنھیں دنوں میں ایک روز ظاہر ہوا کہ مجھ سے انوار و برکات اس کثرت سے نکلتے ہیں کہ انھوں نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے اور جنگل و بیابان اُن سے پُر ہو گیا ہے اور اُن کے مقابلہ میں تمام دیگر انوار چھپ گئے ہیں۔ جب میں اُس کی حقیقت کے دریافت کے واسطے

متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ مجھ سے میری حقیقت دور کر کے کعبہ کی حقیقت سے مشرف فرما دیا گیا ہے۔

محرم کی تیسری تاریخ کو آپ اہلِ معلیٰ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر توقف کے بعد فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے انوار موجزن ہیں۔ پھر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے روضۂ مبارک پر طویل مراقبہ کے بعد فرمایا کہ مائی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قدر عنایات فرمائیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں حضرت فضیل بن عیاض اور سفیان ثوری وغیرہ کے مزارات پر فاتحہ پڑھی اور ان کے حق میں تعریفی کلمات فرمائے۔

ایک رات آپ وتر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ فرمایا، رکنِ یمانی کے نزدیک بہت سے فرشتے موجود ہیں چنانچہ حدیث میں بھی وارد ہے کہ ستر ہزار فرشتے رکنِ یمانی کے نزدیک رہتے ہیں۔ دیکھنے میں آیا کہ وہ اپنی جگہ سے سرک کر میرے گرداگرد جمع ہو گئے اور اُن کے ہاتھوں میں قلم دوات ہے۔ میری حقیقت لکھ کر چلے گئے۔ ایک روز بعد نماز فجر حلقہ میں دیکھا کہ مجھ کو ایک خلعتِ عالی عطا ہوا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ خلعتِ عبودیت ہے ایک روز آپ حلقۂ ذکر میں بیٹھے تھے۔ مراقبہ کے بعد فرمایا کہ آج مجلسِ سکوت میں ارشاد کی نہایت عالی شان خلعت عنایت ہوئی ہے۔ اس مجلس میں فرمایا کہ مجھے قلم و دوات عنایت ہوئی۔ گویا مجھے منصب وزارت عطا ہوا ہے اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت سے مجھے تمام مخلوقات پر وزیر اعظم بنایا گیا ہے۔

جب حرم شریف سے رخصت ہونے کے دن قریب آئے تو الطافِ عظیمہ اور انعاماتِ جلیلہ مرحمت ہوئے اور معلوم ہوا کہ ایک خلعت عالی سبز رنگ مکلل بجواہر عنایت ہوا جو خلعتِ وداع تھا اور بعض صاحبزادگان جو رفیق سفر تھے اُن کو بھی عنایت ہوا۔

مکہ مشرفہ سے روانہ ہو کر آپ مدینہ منورہ پہنچے اور روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو کر آدابِ زیارت بجالائے۔ روضۂ مطہرہ سے کمال عنایات ظاہر ہوئیں۔ تین چار روز کے بعد اہل مدینہ نے داخل طریق ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے بپاسِ ادب اس معاملہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اور مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر مراقبہ کیا۔ چنانچہ اس معاملہ میں کمال رضا معلوم ہوئی اور خلعتِ عنایت ارشاد ہوا اور انوار و عنایاتِ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ظاہر ہوئے۔

فرمایا کہ اگرچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مقدس جنت البقیع میں ہے مگر حجرہ شریفہ ان کا گھر ہے۔ اکثر اوقات ام المومنین کو حجرہ شریفہ میں پاتا ہوں اور مسجد شریف کو اُن کے انوار سے پُر دیکھتا ہوں۔

آپ کو مسجد نبوی میں دو روز کے اعتکاف کی اجازت ہوئی۔ رات کے وقت جب سب کو وہاں سے حسب معمول علیحدہ کر دیا گیا تو آپ مواجہ شریف میں جا کر مراقب ہوئے۔ فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ خاص سے باہر جلوہ افروز ہوئے اور میرے پاس نزول فرمایا۔ اسی طرح تہجد کے وقت محسوس ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مقصورہ سے باہر تشریف لائے اور بکمالِ عنایت مجھ سے بغل گیر ہوئے اس وقت مجھ کو الحاقِ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سے حاصل ہوا۔

فرمایا کہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ مقدس مرکز جمیع عالمیان ہے۔عرش سے فرش تک تمام مخلوقات آپ کی محتاج ہیں اور آپ سے فیضیاب ہیں۔اگر چہ وہابِ مطلق اللہ تعالیٰ ہے لیکن لغاضہ آپ کے توسل شریف سے ہوتا اور مہماتِ ملک وملکومت آپ کے اہتمام سے سرانجام پاتی ہیں۔شب وروز روضۂ مطہرہ سے مخلوقات پر انعام واکرام کی بارش ہوتی رہتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1] کے مصداق ہیں۔باوجود اس عموم رحمت کے، استغناء جو مقامِ محبوبیت کو لازم ہے، بدرجہ اتم واکمل پایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے آپ کے حضور میں عرضِ حاجت کے واسطے توسل کی ضرورت ہوتی ہے اور بلاتوسل مشکل معلوم ہوتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ کل سے ظہورِ اسرار وتلاطم امواجِ انوار ہوتا تھا اور آج ایک ایسا معاملہ اضافہ کیا گیا ہے کہ اشارہ سے بھی ظاہر نہیں کرسکتا اور اگر ظاہر ہو تو قَطْعُ الْبُلْعُومِ وَذَبْحُ الحلقومِ یعنی گلا کٹوانے اور گردن ذبح کروانے کا سزاوار ہوں۔مگر بعض مقامات رمز سے کہتا ہوں اور وہ معاملہ مکون وبروز ہے۔جب شیخ کامل یہ چاہتا ہے کہ اپنے جمیع کمالات کسی مرید صادق میں افاضہ کرے تو اپنے سے غائب ہو کر نفسِ مرید میں ظاہر ہوتا ہے اور اُس وقت وہ مرید بتمامہ مُرشد کے رنگ میں ہوجاتا ہے اور اُس کے جملہ حقائق ولطائف سے متحقق ہوجاتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو اپنی نسبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت کیا کرتے تھے۔اب اس قسم کا معاملہ فقیر کی نسبت جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاتا ہے۔اسی سبب سے بعض معاملات ایسے درمیان میں آتے ہیں کہ

لَا عَيْنَ رَأَتْ وَلَا اُذُنَ سَمِعَتْ نہ آنکھوں نے دیکھے اور نہ کانوں نے سنے۔

اور اسی وجہ سے رات جو اشعار نعت وقصائد مدحیہ حسب رسم قدیم پڑھے گئے، سب کو اپنی طرف منسوب پاتا تھا۔اسی اثناء میں آپ کے صاحبزادہ ثانی (خواجہ محمد نقشبندؒ) نے عرض کیا کہ مکون وبروز بھی فنا وبقا متعارفۂ قوم ہے یا کوئی علیحدہ معاملہ ہے۔فرمایا کہ نہیں۔یہ غیر فنا وبقا ہے اور اُس سے بدرجہا ممتاز ہے۔

ایک روز آپ بقیع میں گئے۔واپسی پر فرمایا کہ جس قبرستان پر میں جاتا تھا، صاحب قبر جس طرح بعنایت پیش آتا تھا اُسی طرح دوسرے اہل قبور کو کہ جن کی قبروں پر جانے کا ارادہ ہوتا تھا منتظر رہتے تھے اور میری ملاقات کے لیے اس طرح جمع ہوتے تھے جیسا کہ کسی نہایت عزیز مہمان کے واسطے ہوتے ہیں۔فرمایا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ پر پہنچا تو وہ میری طرف آکر مجھ سے ملحق ہوگئے۔کبھی میری گود میں لیٹتے تھے اور کبھی گلے سے لپٹتے تھے۔بالکل نور ہی نور تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس جگر گوشہ کے حق میں فرمایا تھا۔

[1] ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔(پارہ:17، سورۃ:الانبیاء، آیۃ:107)

لوعاش لکان نبیاً　　　　اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔

فرمایا کہ بقعات مبارکہ اور مزاراتِ متبرکہ میں میری نسبت نے ظہور عجیب وانجلائے غریب پیدا کیا اور میں نے اپنا قرب ومنزلت بجناب اقدس ادتعالیٰ مشاہدہ کیا۔ محسوس ہوا کہ تمام عالم اس نسبت کے انوار سے بھر گیا ہے اور موجودات عالم صف باندھے ہوئے میرے گرد ہیں اور میں اُن میں امام معلوم ہوتا ہوں اور کافہ مخلوقات کو جوگونا گوں فیوض و برکات پہنچتی ہیں، اس درویش کے توسط سے پہنچتی ہیں اور تمام مخلوق، کیا اولیاء کیا غیر اولیاء اس فقیر سے حصولِ برکات وترقیات کے منتظر ہیں اور اکثر اوقات قلم دوات اپنے پاس تصحیح مہماتِ ملک کے لیے حاضر پاتا ہوں۔ جیسا کہ وزیراعظم کو بارگاہِ سلطان میں نسبت وقدرت ہوتی ہے وہی حالت مجھ کو اپنی نسبت سمجھ میں آتی ہے۔ فرمایا کہ بقیع میں یوں تو سب بعنایت پیش آتے ہیں مگر امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ، سیدنا ابراہیم، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود اور امام اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اوروں سے زیادہ مہربان ہیں۔

فرمایا کہ جس وقت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگا، مسجد شریف میں رخصت کے واسطے حاضر ہوا۔ جدائی کے غم والم کے سبب سے بے اختیار اور بار بار رونے لگا۔ اسی حالت میں حضرت رسالت خاتمیت ﷺ کمال عظمت سے روضہ مطہرہ سے ظاہر ہوئے اور نہایت کرم سے خلعت تاج سلاطین بکمال علو ورفعت (کہ ایسا ہرگز نہیں دیکھا گیا) احقر کو پہنایا اور محسوس ہوا کہ اس تاج پر ایک شہپر لگا ہوا ہے اور اس پر ایک لعل جڑا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعتِ خاص جسمِ اطہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُترا ہوا ہے اور دیگر خلعتوں کی طرح نہیں اور فرمایا کہ خلعت عطا کرنے سے نظر کشفی میں نسبت خاصہ فرمانا، مراد ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت مبارکہ سے وطن کو واپس ہوئے۔

تصرّفات وکرامات

آپ کے تصرف وکرامات بہت ہیں جن میں سے صرف چند بطور اختصار درج ذیل ہیں:

1- ایک جوگی جادو سے آگ باندھ دیتا تھا اور لوگوں کو اس شعبدہ سے فریفتہ کرتا تھا۔ یہ سن کر آپ کو غیرت آئی اور بہت سی آگ روشن کر کے یہ آیت شریف پڑھ کر دم کیا:

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ　　　　اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا)

(پارہ:17، سورۃ: انبیاء، آیت:69)

اور ایک شخص کو فرمایا کہ اس میں بیٹھ کر ذکر کرو۔ چنانچہ وہ آگ میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا اور آگ اس پر گلزار ہوگئی۔

2- ایک روز آپ وضو فرما رہے تھے کہ اچانک خادم سے لوٹا لے کر دیوار پر مارا وہ لوٹا ٹوٹ گیا۔ آپ نے دوسرے لوٹے سے وضو فرمایا۔ حاضرین نے اس امر کو ذہن میں رکھا۔ مدت کے بعد ایک سوداگر آیا اور اُس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں بنگال کے ایک صحرا میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شیر میری طرف غراتا چلا آتا ہے۔ میں

نہایت خوف زدہ ہوا۔ اچانک حضرت (خواجہ محمد معصومؒ) کو دیکھا کہ لوٹا پکڑے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے وہ لوٹا اُس شیر کی طرف بڑے زور سے پھینکا۔ شیر ڈر کے مارے بھاگ گیا اور میں محفوظ رہا۔

3- ایک شخص اپنے بیٹے کو آپ کی خدمت بابرکت میں لایا اور عرض کی کہ یہ کسی عورت پر عاشق ہو گیا ہے۔ نہ دنیا کا کام کرتا ہے نہ عاقبت کا۔ آپ اُس کو سمجھانے لگے تو اُس نے کہا۔

در کوئے نیکنامی مارا گزر نہ دادند	لوگوں نے ہمیں نیک نامی کے کوچے میں جانے نہیں
گر تو نمی پسندی تبدیل کن قضارا	دیا اگر تو (ہماری موجودہ حالت) پسند نہیں کرتا تو
(حافظ شیرازی)	تقدیر کو بدل دے۔ (دیوانِ حافظ)

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہم نے تیری قضا تبدیل کر دی۔ چنانچہ وہ فوراً تائب ہوا اور خیالِ عشق جاتا رہا۔

4- آپ کے ایک عزیز مخلص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوا، ہر قسم کا علاج کیا مگر بے سود۔ ایک شخص نے اُس سے اپنی مجرب دوا کی تعریف کی بیچارے نے اُس کا بھی استعمال کیا مگر دوائی لگاتے ہی بصارت جاتی رہی۔ اسی اثناء میں آپ حج مبارک سے واپس تشریف لے آئے۔ یہ بھی کسی کا ہاتھ پکڑ کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اُس کو دیکھ کر بہت افسوس کیا اور اپنا لعاب دہن اُس کی آنکھوں میں ڈال کر فرمایا کہ اسی طرح گھر چلا جا۔ وہاں جا کر آنکھیں کھولنا۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا گھر جا کر آنکھیں جو کھولیں تو بینائی موجود پائی۔

5- آپ کے ایک داماد نے پوشیدہ طور پر کسی اور عورت کی طرف رجوع کیا۔ صاحبزادیوں نے آپ سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ کی زبان سے نکلا کہ مر جائے گا۔ صاحبزادیوں نے عرض کیا کہ جیتا رہے۔ فرمایا کہ بس اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب ایمان کی دعا کرو۔ چنانچہ تین چار روز کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

6- آپ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ مجھے افلاس نے تنگ کیا تو میں نے گھبرا کر آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ افلاس کے ہاتھوں سخت لاچار ہوں۔ حضرت نے مجھے روپوں کی تھیلی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اسے گننا مت، جس قدر چاہو، خرچ کیے جاؤ میں حسب ضرورت اُس سے وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں ایک لاکھ اُس میں سے خرچ کر چکا لیکن وہ اُتنے کا اتنا ہی تھا۔ ایک روز میری بیوی نے وہ روپیہ گنا تو سات سو نکلا۔ اُس کے بعد جب ہم نے خرچ کیا تو ختم ہو گیا۔

7- ایک روز آپ خانقاہ میں جلوہ افروز تھے کہ ناگاہ آپ کا دستِ مبارک اور آستین پانی سے تر ہو گئے۔ حاضرین تعجب کرنے لگے اور آپ سے سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ایک سوداگر مرید کا جہاز غرق ہونے لگا تھا، اُس نے ہماری طرف توجہ کی اور اپنی نجات کے لیے مدد طلب کی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُس کو غرقاب سے نکال کر ساحلِ نجات پر پہنچا دیا۔ ایک مدت کے بعد وہ سوداگر حاضر خدمت ہوا اور ایک رقم کثیر بطور نذر لایا اور جہاز کے غرق ہونے اور نجات پانے کا قصہ بیان کیا۔

8- آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق پشاوریؒ بیان کرتے ہیں کہا کہ ایک بار میں حضرت (خواجہ محمد معصومؒ) سے اجازت لے کر اپنے وطن کو روانہ ہوا۔ راستے میں سلطان پور کی ندی کے پل کے نیچے کپڑے پاک کر رہا تھا کہ میرا پاؤں پھسلا اور پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ میں تیرنا نہ جانتا تھا۔ پانی مجھ کو کبھی اوپر لاتا اور کبھی نیچے۔ زندگی کی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ یکا یک حضرت نمودار ہوئے اور ہاتھ سے پکڑ کر مجھے باہر لا کھڑا کیا اور خود نظر سے غائب ہو گئے۔

9- خواجہ محمد صدیق پشاری ہی کا بیان ہے کہ میرا ایک مخلص نوروز بیگ نامی جو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے دیدارِ فیض آثار سے مشرف ہوا ہے، یوں بیان کرتا ہے کہ میں ایندھن بیل پر لاد کر لا رہا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا بیل پر سے زمین پر گر پڑا۔ کوئی شخص وہاں نہ تھا جو لدوانے میں میری امداد کرے۔ میں حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اتنے میں میں نے حضرت قدس سرہٗ کو تشریف لاتے دیکھا کہ آئے اور گٹھا لدوا کر نظروں سے غائب ہو گئے۔

10- آپ کے ایک مخلص حاجی نور دین بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں حرمین کی زیارت کو روانہ ہوا اور جہاز پر سوار ہو گیا۔ ہوا کی شدت اور طغیانی کے سبب سے جہاز ڈوبنے لگا۔ اکثر لوگوں نے اپنا سامان دریا میں ڈال دیا تا کہ جہاز ہلکا ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ رہے۔ میں اس حال میں حضراتِ مخدوم زادگان کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت عاجزی سے التجا کی کہ یا حضرت وقت امداد ہے۔ متوجہ ہوتے ہی دونوں مخدوم زادے تشریف لائے اور فرمایا کہ مطمئن رہو، ہم تمھاری امداد کے لیے آ پہنچے ہیں اب جہاز نہیں ڈوبے گا۔ (ان شاء اللہ) میں نے یہ بشارت سن کر لوگوں سے کہا کہ کوئی شخص اپنا سامان دریا میں نہ پھینکے ان شاء اللہ تعالیٰ اب جہاز نہیں ڈوبے گا، کیونکہ بزرگانِ دین نے مجھے بشارت دی ہے۔ چونکہ لوگوں کے خیال میں جہاز کا بچنا دشوار تھا، کسی نے بھی میری بات پر یقین نہ کیا مگر فوراً لہریں بند ہو گئیں اور جہاز ٹھہر گیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حضرت قدس سرہٗ کے معتقد اور اس فقیر کے مخلص ہو گئے۔ ہم بخیریت روانہ ہوئے اور سعادتِ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

11- جب آپ نماز کے وقت قرأت پڑھتے تو آپ کے پیچھے بعض اوقات سو سو صف بھی ہوتی لیکن آواز اس قسم کی تھی کہ جتنی اونچی آواز پہلی صف والوں کو سنائی دیتی، اُتنی ہی آخری صف والوں کو سنائی دیتی تھی۔

12- ایک شخص نے آپ کے حضور میں ایک رافضی کا ذکر کیا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا بھلا کہتا ہے۔ آپ سخت ناراض ہوئے، خربوزہ کھا رہے تھے، آپ نے چھری ہاتھ میں لے کر خربوزہ پر رکھ کر فرمایا کہ لو ہم رافضی کا سر کاٹتے ہیں۔ خربوزہ کے دو ٹکڑے کر دیے اُسی روز رافضی مرگِ مفاجات سے مر گیا۔

13- فارسی کے شہرہ آفاق شاعر ناصر علی سرہندی آپ کے مرید صادق تھے۔ اوائل میں انھیں شعر کہنے کا ازحد شوق تو تھا لیکن کہنا نہیں آتا تھا۔ ایک روز آپ (خواجہ محمد معصومؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُس وقت آپ وضو فرما رہے تھے۔ ازراہ کرم فرمایا کہ علی! جو چاہو مانگو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ زبان چاہتا ہوں۔ فرمایا ارے کم

ہمت۔ اچھا یہ لو میرے وضو کا پانی پی لو، کافی ہوگا۔ انھوں نے حسب الارشاد وضو کا پانی پیا پیتے ہی اُن کا سینہ معرفتِ الٰہی سے منور اور دل مظہر فیض الٰہی ہوگیا اور اُن کی زبان سے اس قدر شعر نکلنے لگے کہ جن سے بڑھ کر وہم وقیاس میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چنانچہ اُن کا شعر ہے۔

بایں شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید	اے علی! تیرے سوا اس طرح شوخی کے ساتھ کوئی بھی
بایران نے فریسم تا کہ می گوید جوابش را	غزل نہیں کہہ سکتا۔ میں اپنی غزل کو ایران میں بھیج رہا ہوں تا کہ کوئی اس کا جواب کہے۔

14- آپ کے ایک مرید کا بیٹا بیمار ہوگیا۔ کافی علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا، ماں باپ اُس کی زندگی سے مایوس ہوکر اُسے آپ کی خدمت میں لائے۔ لڑکا مرگیا اور باپ بھی بے قراری کی وجہ سے زمین پر گر پڑا اور قریب الموت ہوگیا۔ جب آپ نے لڑکے کو مرا ہوا اور اُس کے باپ کو مردوں کی طرح پڑا ہوا دیکھا تو اُس کے حال پر رحم آ گیا۔ اُس لڑکے پر توجہ کی اور دیر تک کھڑے رہ کر اُس پر مراقبہ کیا۔ دیر بعد تھوڑا سا پانی لے کر کچھ آیتیں پڑھ کر دم کیا اور پانی لڑکے پر چھڑکا۔ چھڑکتے ہی لڑکا اُٹھ کر بیٹھ گیا گویا مرض کا نام ونشان نہ تھا۔ حاضرین یہ حال دیکھ کر حیران رہے اور پہلے کی نسبت اُن کا اعتقاد زیادہ ہوگیا۔

اشاعتِ طریقہ

آپ یعنی حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ یکم ربیع الاوّل 1034ھ بمطابق 1624ء کو مسند ارشاد و قیومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اُس روز پچاس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی۔ جن میں سے دو ہزار حضرت مجدد قدس سرہٗ کے خلفاء تھے۔ باقی خلفاء جو مختلف ممالک میں تھے وہ بھی مختلف اوقات میں سرہند شریف میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ماوراء النہر، خراسان اور بدخشان وغیرہ ممالک کے بادشاہوں نے اپنے وکیل مع تحائف بھیج کر غائبانہ آپ سے دوبارہ بیعت کی۔ قیومیت کے تیسرے سال جب شاہجہان تخت پر بیٹھا تو سرہند شریف میں حاضر خدمت ہوکر دوبارہ بیعت سے مشرف ہوا اور تبلیغ وترویج اسلام میں غایت درجہ کوشش کی گئی۔

چوتھے سال خواجہ محمد حنیف کابلیؒ حاضر خدمت ہوکر آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ نے انھیں خلافت دے کر کابل بھیج دیا۔ خواجہ صاحب کو وہاں بڑی قبولیت نصیب ہوئی اور ہزار ہا لوگ اُن کے مرید ہوکر صاحبِ حال ہوئے۔ پانچویں سال خواجہ محمد صدیق پشاوری اور شیخ ابوالمظفر برہانپوری حاضر خدمت ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے خواجہ صاحب کو خلافت دے کر پشاور بھیجا، جہاں اُن کو بڑی کامیابی ہوئی اور شیخ صاحب کو کچھ مدت کے بعد خلیفہ بنا کر دکن روانہ کیا۔ جہاں بہت سے لوگ اُن کے مرید ہوئے چھٹے سال اخون موسیٰ ننگر ہاری اور خواجہ عبدالصمد کابلی شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت پا کر اپنے اپنے وطن میں اشاعتِ طریقہ میں مشغول ہوئے۔ ساتویں سال شیخ بدرالدین سلطانپوری اور شیخ انور نور سرائی بیعت ہوئے اور خلافت دے کر بغرض اشاعت سلطانپور اور نور سرا میں بھیج دیے گئے۔

آٹھویں سال ملک شام کے سات سو علماء و مشائخ اور وہاں کے دیگر ہزار ہا آدمی سرہند شریف میں آکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ نویں سال شاہ روم نے اپنے قاصد کے ہاتھ تحائف و ہدایا بھیجے اور غائبانہ بیعت کی۔ تیرھویں سال عبدالعزیز شاہِ توران غائبانہ بیعت سے مشرف ہوا۔ چودھویں سال شہزادہ محمد اورنگ زیب عالمگیر بیعت سے مشرف ہوئے۔ پندرھویں سال اورنگ زیب کی بہن روشن آرا نے اور سولھویں سال روشن آرا کی بہن گوہر آرا نے آپ کی بیعت کی۔ انیسویں سال سلطان عبدالرحمان شاہ خراسان اور اُس کی بیگم بیعت سے مشرف ہوئے۔ اکیسویں سال ترکستان و دشتِ قبچان کے تمام خان اور سلطان اپنے لشکر سمیت غائبانہ مرید ہوئے۔ بائیسویں سال شاہِ سلیمان بادشاہِ ایران، رفض سے تائب ہوکر غائبانہ مرید ہوئے اور اس کے ساتھ ہزار ہا شیعہ تائب ہوکر مرید ہوئے۔ تیئسویں سال بادشاہ کاشغر غائبانہ مرید ہوا۔ چوبیسویں سال امام یمن غائبانہ مرید ہوا۔ پچیسویں سال شیخ حبیب اللہ بخاری کو جو دسویں سال مرید ہوا تھا، خلافت دے کر بخارا میں بھیجا اور وہاں انھیں قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی۔ چھوٹے بڑے، وضیع و شریف، خوانین و سلاطین اور رعایا مرید ہوئی اور چار سو نے درجۂ تکمیل پر پہنچ کر اُن سے خلافت پائی۔ اُن کے ذریعہ سلسلہ عالیہ خراسان و ماوراء النہر میں بہت پھیلا۔ ستائیسویں سال حضرت نے اپنے خلیفہ خواجہ ارغوان کو خطۂ چین میں بھیجا اور اس کے ہاتھ پر وہاں کا بادشاہ ملقب بہ قاآن مسلمان ہوگیا۔ اٹھائیسویں سال آپ نے شیخ مراد کو خلافت دے کر بغرض اشاعت ملک شام میں بھیجا۔ وہاں وہ دمشق میں مقیم ہوئے اور والئی شام اور تمام امراء اور دیگر لوگ بکثرت اُن کے حلقہ ارادت میں آئے اور سلسلۂ عالیہ اس ولایت میں پورے طور پر رائج ہوا۔ چونتیسویں سال بہت سے ارادت مندوں کے ساتھ آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ چھتیسویں سال واپس آئے جب بندرگاہ سورت میں پہنچے تو ہر روز ہزار ہا آدمی مرید ہونے لگے۔ صبح و شام تقریباً تیس ہزار آدمی حلقہ میں شامل ہوتے۔ ہجوم خلق کی یہ کیفیت ہوئی کہ امراء و سلاطین کو آپ کی زیارت بدقت نصیب ہوتی۔

قصہ کوتاہ آپ کی کثرتِ ارشاد و مشیخیت بیان سے باہر ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے کے بعد کسی ولی اللہ کو اس قدر ارشاد و مشیخیت نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ تاریخ مرأت العالم و جہاں نما۔ جو شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ کے حکم سے لکھی گئی ہیں، میں یوں لکھا ہے کہ مشیخت کی مسند پر کوئی ایسا شخص نہیں بیٹھا جیسا کہ خواجہ معصوم قدس سرہٗ۔ اطراف و اکنافِ عالم کے (۱) بادشاہ (۲) علماء، (۳) مشائخ، (۴) چھوٹے بڑے، (۵) وضیع و شریف، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک آپ کے مرید تھے۔ لاتعداد خاص و عام بندگان خدا صبح و شام پروانوں کی طرح آپ پر جان فدا کرتے۔ (۱) ہندوستان، (۲) توران، (۳) ترکستان، (۴) بدخشان، (۵) دشتِ قبچاق، (۶) کاشغر، (۷) خطا، (۸) روم، (۹) شام اور (۱۰) یمن کے بادشاہ آپ کے مرید ہوئے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں کے لوگ آپ کو خواب میں دیکھ کر اور انبیاء و اولیاء سے خوشخبری پاکر، حاضر خدمت ہوکر شرفِ بیعت سے مشرف ہوتے۔ مختلف ملکوں میں آپ کے خلفاء کی خدمت میں ہزار ہا آدمیوں کا مجمع رہتا۔ ہر روز سینکڑوں نئے مرید حاضر خدمت ہوتے اور فنا و بقا اور پروردگار کا پورا پورا قرب حاصل کرتے۔ آپ کی مجلس کا رعب اور دبدبہ اس قدر تھا کہ مجلس مبارک میں بڑے بڑے بادشاہ آپس میں گفتگو نہ کرسکتے تھے۔ بغیر اجازت بات نہ کرتے۔ اگر بڑا ضروری کام ہوتا تو کاغذ پر لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند پر اگرچہ آپ بدرجۂ غایت مہربان تھے لیکن پھر بھی بسبب غائتِ ادب اُس نے کبھی آپ کے حضور میں کسی سے گفتگو کی اور نہ بغیر اجازت بیٹھا۔

چالیسویں سال خصوصیت سے تمام روئے زمین کے خلفاء مع اپنے مریدوں کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ اور امیر اپنی اپنی سلطنت اور امیری چھوڑ کر آپ کی زیارت کو آئے۔ چنانچہ خانانِ توران وترکستان، والیانِ دشت (۱) قبچان و بدخشان، (۲) فرمانروایانِ خطا وخراسان (۳) تخت نشینیاں کاشغر وطبرستان، (۴) حاکمان قہستان و گرجستان سب کے سب آپ کے دیدار فائض الانوار کے لیے سرہند شریف میں حاضر ہوئے۔ شہر کے گرداگرد ایک ایک میل تک لشکر پڑا تھا۔ اس سے پہلے کبھی ایسا مجمع نہیں ہوا تھا اور بعد میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا۔ نماز کے وقت اس قدر ہجوم ہوتا کہ ایک دوسرے کی پیٹھ پر سجدہ کرتے بلکہ کھڑا ہونے کو بھی پورے طور جگہ نہ ملتی۔

چوالیسویں سال حضرت قدس سرہٗ نے اپنے مریدوں اور خلفاء کو حسب ذیل طور پر اپنے فرزندگانِ گرامی کے سپرد فرمایا۔ حضرت محمد صبغتہ اللہؒ کو کابل اور اس کے گردونواح کے تمام پٹھان اور مغل مرید دے دیے۔ (۱) بدخشاں، (۲) ترکستان، (۳) دشتِ قبچان، (۴) کاشغر، (۵) خطا، (۶) روم اور (۷) شام کے تمام مرید اور ہندوستان کے بعض آدمی حضرت خواجہ حجتہ اللہ محمد نقشبند ثانیؒ کے سپرد کیے۔ حسب ذیل خلفاء بھی اُن کے سپرد ہوئے، خواجہ محمد حنیف کابلی، خواجہ محمد صدیق پشاوری، خواجہ عبدالصمد، اخون موسیٰ ننگرہاروی، شیخ مراد شامی، خواجہ ارغون خطائی وغیرہ، شہزادہ اورنگ زیب بھی ان کے سپرد ہوا۔ جب حضرت حجتہ اللہ، کابل تشریف لے گئے تو کابل کے تمام آدمیوں نے آپ سے رجوع کیا۔ حضرت خواجہ محمد عبیداللہ مروج الشریعت کو (۱) خراسان، (۲) ماوراء النہر، (۳) توران، (۴) دارگنج، (۵) غورسد، (۶) اندراب، (۷) قہستان، (۸) طبرستان اور (۹) بجستان کے علاقے سپرد کیے اور حسب ذیل خلفاء آپ کے ماتحت کیے۔ شیخ ابوالمظفر برہانپوری، شیخ حبیب اللہ بخاری، صوفی پائندہ طلا، شیخ ابوالقاسم بلخی وغیرہ اور ہند کے اکثر امراء اور شہزادہ معظم شاہ بھی آپ کے سپرد ہوئے۔ آخر انہوں نے بھی حضرت حجتہ اللہ سے رجوع کیا۔ دکن اور پنجاب کے اکثر مرید اور خلفاء کو خواجہ محمد اشرف کے حوالہ کیا۔ (۱) سلطان اورنگ زیب، (۲) اعظم شاہ، (۳) جعفر خان، (۴) وزیر شائستہ خان، (۵) مکرم خان، (۶) محتشم خان اور (۷) سلطان عبدالرحمٰن وغیرہ شیخ محمد سیف الدین کے سپرد کیے اور حسب ذیل خلفاء اُن کے حوالہ کیے۔ اخون میر محمد محسن سیالکوٹی، صوفی پائندہ ملاس، شیخ ابوالقاسم بھکری وغیرہ سلطان ہند نے آخر حضرت حجتہ اللہ سے رجوع کیا۔ حضرت خواجہ محمد صدیق کو (۱) عرب، (۲) بحرین اور (۳) مشرقی ہند کے اکثر شہر سپرد کیے۔

بعد ازاں آپ نے اپنے تمام خلفاء کو دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجا۔ ایک ہزار سات سو خلفاء ترکستان اور دشتِ قبچان میں بھیجے اور ان کا سردار خواجہ محمد امین اور خواجہ عبدالرحمٰن کو بنایا۔ پانچ سو خلیفے کاشغر اور خطاء کی طرف بھیجے ان کا سردار خواجہ ارغون کو مقرر فرمایا۔ چار سو خلفاء شام اور روم کی طرف بھیج کر اُن کا سردار شیخ مراد کو بنایا۔ سات سو خلفاء (۱) خراسان، (۲) بدخشاں اور (۳) توران میں شیخ حبیب اللہ کی ماتحتی میں بھیجے۔ ایک سو خلفاء کابل میں اور ایک سو خلفاء نواح پشاور میں بھیجے۔ بیس خلفاء ننگرہار میں بھیجے۔ ان سب کا سردار خواجہ محمد حنیف، خواجہ محمد صدیق اور اخون موسیٰ کو مقرر فرمایا۔ باقی خلفاء کو طول وعرضِ ہندوستان میں پھیلا دیا۔ کہتے ہیں کہ خلفاء اور فرزندوں کی وساطت کے بغیر براہِ راست نو لاکھ آدمی آپ کے

مرید ہوئے۔آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار تھی جو سب کے سب صاحبِ کمالات تھے۔

وفات

آپ کو وجع مفاصل (جوڑوں کا درد) کا مرض تھا آخر میں اس مرض نے بہت غلبہ پایا۔وفات سے دوتین روز پیشتر آپ نے قرب وجوار کے بزرگوں کو ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا کہ وقتِ رحلت آپہنچا ہے۔دُعا فرمائیں کہ خاتمہ بالخیر ہو۔وفات سے ایک روز پیشتر جمعہ کے دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اُمید نہیں کہ کل اس وقت تک اس دنیا میں رہوں۔پھر سب کو پند ونصائح فرما کر خلوت میں تشریف لے گئے۔صبح کو نماز فجر کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی۔ مراقبہ معمولہ کے بعد اشراق پڑھی۔بعد ازاں سکراتِ موت آپ پر شروع ہو گئے۔اُس وقت آپ کی زبان مبارک جلد جلد چلتی تھی۔صاحبزادگانِ والاتبار نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ سورۂ یٰسین شریف پڑھ رہے تھے۔غرض کہ 9ربیع الاوّل 1079ھ بمطابق 1668ء بروز ہفتہ آپ نے وصال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔سرہند شریف میں آخری آرام گاہ بنی۔

آپ کے اکثر عقیدت مندوں،عزیزوں اور پیروکاروں نے قطعاتِ تاریخ وصال لکھے۔بخوفِ طوالت صرف دو قطعات درج ذیل ہیں:

1- حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت قدس سرہٗ نے یہ قطعہ لکھا۔

قیومِ زماں خلیفۂ اللہ! دانندۂ سرہائے مکتوم
در دائرۂ وجود تابود! بُودش بہ جہاں مثال معدوم
تاریخ وصالِ اُوخرد گفت
"رفتہ ز جہاں امام معصوم"

2- فارسی کے مشہور شاعر اور آپ کے مرید صادق ناصر علی سرہندی نے یہ قطعۂ تاریخ وصال لکھا۔

چراغ خاندانِ نقشبنداں فروغِ دین احمد خواجہ معصوم
بسُوئے گلشنِ عقبیٰ قدم زد ازیں ویرانہ آباد کہن بوم
زدل پُر سیدم از سال وفاتش ندا آمد "زعالم رفتہ معصوم"
1079ھ

جہاں پر اب آپ کا روضہ مبارک ہے،وہ جگہ آپ کے صاحبزادے حضرت مروج الشریعت خواجہ محمد عبیداللہؒ کی ملکیت تھی۔جب آپ کا انتقال ہوا تو حضرت مروج الشریعت نے اُن کو اپنی جگہ میں دفن کیا اور شاہجہان بادشاہ کی صاحبزادی روشن آراء نے اس پر عالیشان روضہ تعمیر کرایا۔اُس کی تعمیر کے لیے شہزادی نے ایران سے نہایت اعلیٰ درجہ کے اُستاد معمار طلب کیے تھے اور روضہ شریف پر سنہرا کام کیا گیا تھا جو آئینہ کی طرح چمکتا تھا اور سورج نکلنے پر جگمگا اٹھتا تھا۔

دروازوں کے پردے، شامیانے اور مزار پوش زربخت تھے۔ انقلاب زمانہ سے وہ نقش و نگار مٹ گئے ہیں۔

روضہ شریف کے شمال کی جانب مسجد عالی واقع ہے جو آپ کے صاحبزادے حضرت مروج الشریعتؒ نے 1080ھ میں تعمیر کروائی تھی۔ کہتے ہیں کہ روضہ شریف کی عمارت اور سامانِ فرش فروش پر ایک لاکھ روپیہ سے زائد خرچ ہوا۔ پانچ ہزار اشرفی گنبدوں پر خرچ ہوئی۔ چالیس ہزار روپیہ مسجد پر خرچ ہوا۔ اب اس روضہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1- مرکز میں آپ یعنی خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ

2- مرکز سے ملحق جانب مشرق حضرت مروج الشریعت خواجہ محمد عبید اللہؒ (فرزند سوم)

3- مرقد خواجہ محمد عبید اللہ سے ملحق جانب مشرق حضرت ابوالعلیٰ فرزند اکبر خواجہ حجۃ اللہ محمد نقشبندؒ

4- مرکز سے ملحق جانبِ غرب خواجہ محمد اشرف (فرزندِ چہارم)

5- مرقد خواجہ محمد اشرفؒ سے جانب غرب خواجہ صبغۃ اللہ (فرزند اکبر)

ان پانچ قبروں کی پائنتی کی طرف

6- شیخ محمد ہادی فرزند سوم حضرت مروج الشریعتؒ

7- حضرت محمد شیخ الاسلامؒ فرزند حضرت محمد پارساؒ فرزندِ چہارم حضرت مروج الشریعت خواجہ عبید اللہؒ۔

8- خواجہ نور معصوم فرزند اکبر میر محمد نعمان حق رسا فرزند چہارم حضرت خواجہ محمد پارساؒ

حلیہ مبارک

آپ کا قد خاصا تھا۔ بدن مبارک پر گوشت، رنگ گندمی، ابرو کشادہ، ناک اونچی، آنکھیں بڑی بڑی۔ داڑھی سفید اور تمام اعضاء نہایت متناسب اور خوش شکل تھے۔ آپ کا لباس نہایت لطیف بلکہ الطف ہوتا تھا۔ عمامہ سر پر ہوتا۔ کبھی کبھی ہندی لباس بھی زیب تن فرما لیتے تھے۔

ارشاداتِ قدسیہ

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی طرح مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی بھی تین جلدیں ہیں:

جلد اوّل: اس جلد کو آپ کے فرزند سوم خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعتؒ نے جمع کیا۔

جلد دوم: اس جلد کو شرف الدین حسین حسینی ہرویؒ نے حسبِ اشارہ حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ جمع کیا۔

جلد سوم: اس جلد کو حاجی محمد عاشور بخاری حسینیؒ نے حسبِ اشارہ حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ قیوم ثالث جمع کیا۔

بطور تبرک چند مقامات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

1- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک میں ہے کہ قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ قبر کے باغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ پردہ مسافت جو زمینِ قبر اور بہشت کے درمیان ہوتا ہے، اُٹھ جاتا ہے اور دونوں جگہوں کے درمیان کوئی پردہ مانع نہیں رہتا۔ گویا زمینِ قبر کو جنت کے ساتھ فنا اور بقا حاصل ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کا روضہ اخص خواص کے لیے ہے، ہر مومن کو حاصل نہیں۔ جب مومنوں کی قبریں صفائی اور نورانیت پیدا کرتی ہیں تو اس امر کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ جنت کا پرتو اُن قبروں پر منعکس ہو جاتا ہے اور صاف کردہ شیشہ کی مثل ہو جاتی ہیں۔
(مکتوبات معصومیہ جلد اوّل مکتوب 7)

2- آپ نے لکھا تھا کہ پیر کا مریدوں کے حالات کو نہ جاننا باعث نقص ہے یا نہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ سلوک و تسلیکِ اختیاری میں پیر کو مرید کے احوال کا علم اور اسی طرح مرید کو اپنے احوال کا علم ضروری ہے اور ہمارے طریقہ میں جو اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے، ایسا علم نہ پیر کے لیے درکار ہے اور نہ مرید کے لیے۔ کیونکہ اس طریق میں افادہ واستفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید اپنے شیخ کامل کی صحبت میں محبت وفنافی الشیخ کے مطابق ہر ساعت اُس کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں افادہ میں اور استفادہ میں اُسے علم کی کیا حاجت ہے۔ خربوزہ جو حرارتِ آفتاب سے پکتا ہے کیا ضرورت ہے کہ سورج یا خربوزہ کو پکانے یا پکنے کا علم ہو۔ اس طریق میں مرید اپنے شیخ کے ساتھ وجوہِ مناسبت جس قدر زیادہ پیدا کرتا ہے اُسی قدر اُس کے حق میں انصباغ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ (جلد اوّل مکتوب 142)

3- قیوم اِس عالم میں خدا جل وعلا کا خلیفہ اور اُس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اقطاب وابدال اُس کے ظلال کے دائرہ میں مندرج ہیں اور افراد و اوتاد اُس کے کمال کے محیط میں داخل ہیں۔ عالم کے سب افراد اس طرف متوجہ ہیں۔ وہ جہان والوں کی توجہ کا قبلہ ہے، جانیں نہ جانیں بلکہ جہان والوں کا قیام اُس کی ذات سے ہے۔ اس لیے کہ عالم کے افراد چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات اُن کے درمیان نہیں پائی جاتی۔ وہ سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کے لیے ذات اور جوہر کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُن کا قیام اُس کے ساتھ ہو۔ عادتِ اللہ یوں جاری ہے کہ ازمنہ دراز کے بعد ایک عارف کو ذات سے ایک نصیب عطا کیا جاتا ہے اور اُس کو ایک ذات دی جاتی ہے تاکہ وہ نیابت وخلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہو جائے اور اشیاء اُس کے ساتھ قائم ہوں۔ (جلد اوّل مکتوب 86)

4- موت پر تو انداز ہو رہی ہے اور ''اجل مسمی'' قریب ہے اور مجھ سے کچھ کام نہ ہو سکا، اتنے دور دراز سفر کے لیے سامان درست نہیں کیا گیا۔

جاء الموت بهذا قيره، جاءت الراجفة تتبعها الرادفة
موت آ گئی، اس کے بعد راجفہ اور رادفہ بھی گویا آ ہی گئے۔

ہائے! عمر عزیز کا عمدہ حصہ (شباب) ہوا و ہوس میں بسر ہو گیا، اب ظاہر ہے کہ نکمی عمر (بڑھاپا) میں کیا بن سکے گا، اس وقت کے عمل کا کیا اعتبار ہو گا، خجالت کی وجہ سے پانی پانی ہوا جاتا ہوں اور (آخرت کے لیے کوئی عذر سمجھ میں نہیں آتا) کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

کنوں چہ عذر گناہانِ خویشتن خواہم
کہ شرم، خون چکدم از بدن بجائے عرق
اب میں اپنے گناہوں کا کیا عذر چاہوں، کہ شرم و ندامت کی وجہ سے پسینے کی بجائے بدن سے خون ٹپک رہا ہے۔
(جلد اوّل مکتوب 15)

5- ہمارے طریقہ میں درجۂ کمال تک پہنچنے کا مدار شیخ مقتدا کے ساتھ محبت پر موقوف ہے۔ طالب صادق اس محبت کے ذریعے جو شیخ سے رکھتا ہے، اُس کے باطن سے فیوض و برکات حاصل کرتا ہے اور باطنی مناسبت سے ساعت بساعت اس کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ فنا فی الشیخ فنائے حقیقی کا پیش خیمہ ہے۔

6- اس دارِ فانی میں سب سے بڑا مطلب و مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت دو قسم کی ہے اوّل وہ معرفت ہے جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں، قسم اوّل نظر و استدلال سے وابستہ ہے اور قسم دوم کشف و شہود ہے۔ قسم اوّل دائرہ معمر میں داخل ہے، قسم دوم دائرہ حال میں داخل ہے۔ قسم اوّل عارف کے وجود کے فانی کرنے والی ہے اور قسم دوم سالک کے وجود کے فانی کرنے والی ہے کیونکہ اس طریق میں معرفت سے مراد معرفت میں فنا ہے۔

7- اس طریقہ (نقشبندیہ مجددیہ) کے بزرگوں کا قول ہے کہ

سایۂ رہبر بہ از ذکر حق
رہبر کا سایہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بہتر ہے۔

سایۂ رہبر سے اشارہ طریقۂ رابطہ کی طرف ہے جس سے مراد شیخ کی صورت کا نگاہ میں رکھنا ہے۔

8- فرمایا کہ کامل طور پر اعمال کی قبولیت کمالِ ایمان کے اندازہ کے موافق ہے اور اعمال کی نورانیت کمال اخلاص سے ہے۔ ایمان و اخلاص جس قدر زیادہ ہوں گے اعمال کی (۱) نورانیت، (۲) قبولیت اور (۳) کمال اسی قدر زیادہ ہو گا۔

9- فرمایا کہ اے بھائی! ناجنس اور مخالف طریقہ کی صحبت سے پرہیز کر اور بدعتی کی مجلس سے بھاگ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے دل میں اُس کی طرف میلان پیدا ہو جائے اور وہ تیرے کارخانہ میں خلل ڈال دے کیونکہ وہ مقتداء بننے کے لائق نہیں ہے۔

10- اس وقت اکثر خام صوفی، ملحد اور کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے نہیں ڈرتے اور یہ کہتے ہیں کہ فقیری کا راستہ کسی کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنا نہیں۔ سبحان اللہ!

حضور سرورانبیاء رئیس الفقراء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا قول "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" ان کو حکم ہوتا ہے کہ "اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور اُن پر سختی کر یہ عجیب فقراء ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم نبی، سید الانبیاء اور پیشوائے اعظم کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — جس کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ کے
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید — خلاف راہ پکڑی، وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچ سکے گا۔

خواجہ محمد معصوم کی اولادِ امجاد

(1) خواجہ محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ 1032ھ بمطابق تا 1121ھ بمطابق 1709ء

(2) خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ 1034ھ بمطابق 1625ء تا 1114ھ بمطابق 1702ء

(3) خواجہ محمد عبیداللہ، مروج الشریعت رحمۃ اللہ علیہ 1038ھ بمطابق 1629ء تا 1083ھ بمطابق 1672ء

(4) خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ 1047ھ تا 1117ھ بمطابق 1705ء

(5) خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ 1055ھ تا 1094ھ بمطابق 1685ء

(6) خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ 1057ھ تا 1131ھ بمطابق 1718/1719ء

صاحبزادیاں

(7) امتہ اللہ بیگم علیہا الرحمہ

(8) عائشہ بیگم علیہا الرحمہ

(9) عارفہ بیگم علیہا الرحمہ

(10) عاقلہ بیگم علیہا الرحمہ

(11) صفیہ بیگم علیہا الرحمہ

(1) خواجہ محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 1032ھ میں ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا کہ "محمد معصوم! اس فرزند میں اصلی نور دکھائی دیتا ہے، اس کا نام صبغۃ اللہ رکھو۔"

آپ نے علوم معقول ومنقول انتہائی درجہ تک حاصل کیے بعد ازاں اپنے والد بزرگوار سے علم باطن حاصل کیا۔

آپ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے کمالات کے جامع اور صاحبِ کرامت تھے۔ والد بزرگوار نے آپ کو ولایت کابل وغور کی خلافت دے کر رخصت فرمایا۔ جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ وہاں آپ سے بہت فیض جاری ہوا۔ ہر صبح و شام۔ ہزار ہا آدمی حلقہ میں شامل ہوتے۔ 9 ربیع الثانی 1121ھ بمطابق 1709ء کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے والد ماجد خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے قبہ میں سرہند شریف میں دفن کیے گئے۔

(2) حضرت حجتہ اللہ محمد نقشبند رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے حالات طیبات آگے آرہے ہیں۔ آپ دوسرے صاحبزادے ہیں۔

(3) خواجہ محمد عبید اللہ مروج الشریعت رحمتہ اللہ علیہ

آپ عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ رجب 1038ھ بمطابق 1629ء میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کو ان سے بڑی محبت تھی اور کثرت محبت کے سبب سے ان کو ''حضرت جیو صاحب'' کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے فرزند میری طرح ہوں گے۔ ان فرزندوں سے مراد خواجہ محمد نقشبند اور خواجہ محمد عبید اللہ ہیں۔ حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے آپ کو طینت و اصالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشخبری دی تھی۔

آپ نے 11 ربیع الاوّل 1079ھ بمطابق 1668ء کو مسند ارشاد پر جلوس فرمایا اور خلفائے معصومی کو از سر نو خلافت دی اور باقی مریدوں کو اپنی طرف سے خلافت دے کر روئے زمین کے مختلف حصوں میں بھیج دیا۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ کی خانقاہ کی رونق آپ سے بدستور قائم رہی۔ اسی سال ایک روز نماز فجر کے بعد آپ مراقبہ میں تھے کہ الہام ہوا کہ تمھیں ''مروج الشریعت'' کا خطاب دیا گیا ہے۔

آپ کو تپ دق کا مرض ہو گیا۔ ارشاد کے چوتھے سال شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ اس مرض کے لیے سیر بہت مفید ہے۔ آپ شاہجہان آباد (دلی) تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے بیعت کی اور مرض کے علاج کے لیے دوسری ولایتوں سے اطباء طلب کیے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض کا غلبہ ہو گیا۔ اس لیے آپ نے بادشاہ سے رخصت لی اور سرہند شریف کو روانہ ہو گئے۔ جب سنبھالکہ میں پہنچے تو جمعتہ المبارک کے دن اشراق کے وقت 19 ربیع الاوّل 1083ھ بمطابق 1672ء کو انتقال فرمایا۔ وہاں سے آپ کی نعش کو سرہند شریف لایا گیا اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے قبہ میں دفن کر دیا گیا۔ آپ صاحب کشف و کرامت و تصانیف تھے۔

آپ کی اولاد میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ بیٹوں میں عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم تو بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے محمد ہادی صاحبِ کشف و کرامات و تصانیف تھے۔ اُنھوں نے 12 ربیع الاوّل 1121ھ بمطابق 1709ء کو انتقال فرمایا اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے مزار شریف کے اندر جنوب کی طرف مدفون ہوئے۔ خواجہ محمد پارسا آپ

کے دوسرے صاحبزادے تھے جن کو حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے کمالات کی بشارتیں دیں۔ آپ بروز سوموار 10 ربیع الاوّل 1142ھ بمطابق 1729ء کو فوت ہوئے۔ آپ کا جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق حضرت عروۃ الوثقیٰ کے روضہ کے گرد پھرایا گیا اور چبوترے کے جنوب مغربی کونہ میں جہاں آپ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تھی اور فرمایا تھا کہ یہاں میری قبر بنانا، دفن کیے گئے اور مرقد مبارک پر ایک گنبد بنایا گیا۔

(4) خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ کے چوتھے فرزند ہیں۔ 1047ھ میں متولد ہوئے۔ آپ نے مقامات سلوک اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں طے کیے۔ علوم معقول ومنقول میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ 27 صفر 1117ھ بمطابق 1705ء کو فوت ہوئے اور حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصومؒ کے مرقد کے مغرب کی طرف مدفون ہوئے۔ آپ نزع کے وقت حسبی اللہ و نعم الوکیل بار بار پڑھتے تھے۔ آپ کی اولاد چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ جب کفار سرہند شریف پر چڑھ آئے تو آپ کے بڑے بیٹے شیخ محمد جعفر اُن سے فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے اور حضرت قیوم ثانیؒ کے روضہ (کے بیرونی قبہ) میں مدفون ہوئے۔ آپ کے چوتھے بیٹے شیخ محمد شافی الحال جامع علوم ظاہر وباطن تھے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مکتوبات پر مخالفوں نے جو شبہات کیے ہیں آپ نے اُن کا خوب رد لکھا ہے۔ آپ نے 1150ھ میں رحلت فرمائی اور حضرت قیوم ثانیؒ کے روضہ مبارک (کے بیرونی قبہ) میں مدفون ہوئے۔

(5) خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

آپ عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ کے پانچویں صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 1055ھ میں سرہند شریف میں ہوئی۔ آپ علوم ظاہری وباطنی اور کمالاتِ صوری ومعنوی اور زہد وتقویٰ واتباع سنت کے جامع تھے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ آپ کے علوِ استعداد دیکھ کر ہر دم آپ پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے عین ایام شباب میں اپنے والد بزرگوار سے کمالاتِ مجددیہ کے حصول کی بشارت پائی۔

حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ سے التجا کی کہ میری ہدایت وتوجہ کے لیے اپنا کوئی خلیفہ روانہ فرمادیں تو آپ نے اپنی قیومیت کے پینتالیسویں (45) سال اپنے صاحبزادے خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیجا۔ بادشاہ بے حد اعزاز واکرام سے شہر اور پھر قلعہ میں لایا۔ وہاں آپ نے دو ہاتھیوں کی مورتیاں جن پر فیل بان سوار تھے دروازے پر نصب تھیں توڑنے کا حکم دیا اور دوسرے دن ارشاد فرمایا کہ تمام گویوں اور بے ریش ناچنے والے لڑکوں اور تمام اہل بدعت کو ہندوستان کے ممالک محروسہ سے نکال دیا جائے۔ بادشاہ نے اس ارشاد کی بھی تعمیل کی۔

ایک روز بادشاہ نے آپ کو باغِ حیات بخش کی سیر کی دعوت دی۔ وہاں سونے کی مچھلیاں تھیں کہ جن کی آنکھوں میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ حضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ جب تک مچھلیاں نہ توڑی جائیں میں اس جگہ نہ بیٹھوں گا۔

بادشاہ نے فوراً تڑوادیں اور کہا کہ ارشادِ حضرت کی تعمیل میں زیادہ نفع ہے۔

آپ نے امر معروف و نہی منکر اس طرح کیا کہ اُن سے پیشتر اس قسم کا احتساب کسی نے نہ کیا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار آپ کو ''محتسب اُمت فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی برکت سے بادشاہ و شہزادگان، بیگمات اور جملہ امیر وزیر داخلِ سلسلہ مجددیہ ہوئے اور بعدازاں آپ سرہند شریف واپس تشریف لے آئے۔

آپ اکثر آخرِ شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مزار پرانوار پر حاضر ہو کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

من کیستم کہ با تو دمِ دوستی زنم — میں کون ہوں جو آپ کی دوستی کا دم بھروں آپ کے گلی
چندیں سگانِ کوئے تو یک کمترین منم — کے چند کتوں میں سے ایک کمترین کتا میں بھی ہوں۔

آپ کی خانقاہ میں کم از کم چارصد (400) آدمی ہر وقت جمع رہتے اور ہر شخص کی حسب فرمائش کھانا تیار رہتا اور باوجود اس تنعم (انعام و نعمت) کے سالک مقاماتِ بلند اور کشف و کرامات کے مراتب بالکل تھوڑے عرصہ میں حاصل کرلیتے تھے۔

مرض الموت میں ایک طبیب جس کے عقائد خلاف اہل سنت و جماعت تھے، کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ایں کدام وقت است کہ مخالف مشرب را — یہ کون سا وقت ہے کہ مخالف مشرب کو میرے سامنے لایا
پیشِ من مے آرید دور کنید ایں را — گیا ہے، اسے فوراً دور کردو۔

چنانچہ اس طبیب کو فوراً نکال دیا گیا۔

آپ کی وفات 19 جمادی الاوّل 1096ھ بمطابق 1685ء کو ہوئی اور خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے روضہ مبارک سے جنوب کی طرف دفن کیے گئے اور مرقد انور پر ایک عالی شان گنبد بنایا گیا اور گرداگرد باغ لگایا گیا۔

آپ کی اولاد آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے شیخ محمد اعظم جامعِ علومِ ظاہری و باطنی اور صاحب ارشاد و تصانیف تھے۔

(6) خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ

آپ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے چھٹے صاحبزادے ہیں 1057ھ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی قدر کی رحلت کے چند سال بعد حج کو تشریف لے گئے اور واپس آ کر شاہجہان آباد (دلی) میں سکونت اختیار کی اور آخری دم تک وہیں رہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے۔ حضرت مروج الشریعت خواجہ محمد عبید اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر لوح محفوظ کا انکشاف ہوا وہاں پر میں نے لکھا دیکھا محمد معصوم اور اُسے کے تلے صدیق ولی۔ فرمایا، صدیق ولی سے مراد میرے بھائی محمد صدیق ہیں۔ صاحب کشف و کرامات اور علم و فضل تھے۔ آپ نے 1131ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی نعش مبارک سرہند شریف لائی گئی۔ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک کے شمال کی طرف خانقاہ کے سامنے مدفون ہوئے۔ آپ کے مرقد پر ایک عالی شان گنبد بنایا گیا۔

(26)

حضرت حجتہ اللہ خواجہ محمد نقشبند قدس سرہٗ

1034ھ ——— 1114ھ
سرہند شریف ——— سرہند شریف
1625ء ——— 1702ء

مادۂ تاریخ وفات

''موانقشبند ثانی''	''شرفِ رحیم وکریم''
1114ھ	1114ھ
''خُرشید''	''شیر درت''
1114ھ	1114ھ

(26) حضرت حجۃ اللہ خواجہ محمد نقشبند قدس سرہٗ

آپ عروۃ الوثقیٰ قیومِ ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت با سعادت 7 رمضان المبارک 1034ھ بمطابق 1625ء بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مرض الموت میں حضرت قیوم ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اس سال میرے وصال کے بعد تمھارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو قرب الٰہی کے کمالات میں میرے برابر ہوگا۔

آپ نے علم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد قدس سرہٗ سے حاصل کیا۔ بوجہ علو استعداد تھوڑے عرصہ میں آپ پر وہ اسرار منکشف ہوئے جن کی نسبت حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ یہ حیطہ درکِ عقل و تصویر خیال سے باہر ہیں۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اپنی قیومیت کے اکتالیسویں (41) سال 1074ھ میں آپ کو قطب الاقطابی اور قیومیت کی بشارت دی۔ چنانچہ آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جب بعض علوم و معارف اور اسرار حضرت قیوم ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیے تو فرمایا کہ یہ علوم و معارف جو تم بیان کرتے ہو مقطعاتِ قرآنی کے اسرار ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مجھ سے خلوت میں فرمائے تھے بعد ازاں دوسرے روز مجھے خلوت میں بلا کر منصب قیومیت کی بشارت دی اور فرمایا کہ جو تاج مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سلم نے مجھے عنایت فرمایا تھا اب وہی تاج تمھیں عنایت ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تاج طینت، اصالت، قیومیت اور محبوبیتِ ذاتی پر مشتمل تھا۔ فرمایا بعینہٖ وہی تاج ہے جو مجھے عنایت ہوا تھا۔ اب وہی تمھیں دیا گیا ہے۔

آپ نے 11 ربیع الاوّل 1079ھ بمطابق 1668ء کو مسند ارشاد پر جلوس فرمایا آپ کی کثرت ارشاد کا یہ عالم تھا کہ آپ کی قیومیت کے پچیسویں سال ہر روز چار پانچ سو آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ حاضر خدمت ہو کر مرید ہوتے۔ بڑے بڑے مشائخ اور علماء اپنی مشیخیت اور درس و تدریس کو چھوڑ کر آپ کے مرید ہوئے۔ روئے زمین کے مختلف حصوں سے لوگ ٹڈی دل کی طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۱) توران، (۲) ترکستان، (۳) بدخشان کے بادشاہ اپنی اپنی حدود تک استقبال کے لیے آئے اور اپنے ایلچی مع ہدایا آپ کی خدمت میں بھیجے۔ غرض اس قدر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کابل میں گنجائش نہ رہی۔ مجلس اقدس میں آپ کا اس قدر دبدبہ تھا کہ بادشاہ اور امراء کو بھی بات کرنے کی جرأت نہ تھی۔

شیخ عبدالوہاب مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آدھی رات کو مسجد الحرام میں گیا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع تھے جن میں شیخ فخر الدین عراقی خطیب اور ملک العلماء عرب مولانا شمس الدین بھی موجود تھے اور کسی کے انتظار میں آسمان کی طرف اور بامِ کعبہ پر ٹکٹکی لگائے بیٹھے تھے۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ دریں اثنا تمام آسمان آفتاب کی طرح روشن ہو گیا

اور نورانی لوگ آسمان سے کعبہ کی چھت پر اتر رہے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک مرد بزرگ تخت پر بیٹھے ہوئے نمودار ہوئے اور اُن سے ایک ایسا نور چمک رہا تھا کہ مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ اسی دوران کسی نے منادی کر دی کہ اس تخت مبارک پر امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے پوتے اور جانشین حضرت خواجہ محمد نقشبند تشریف فرما ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انھیں اپنی ذاتی محبوبیت عطا فرمائی ہے۔ آسمانی فرشتو! زمین کے باسیو! تم سب ان کی اطاعت کرو تا کہ تمھاری بھلائی اور بہتری ہو جو شخص ان کا مرید ہوگا وہ نجات پائے گا اور جو ان کے خلاف ہوگا سخت عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ اس کے بعد اُس بزرگ نے ہر ایک پر مہربانی فرمائی اور رخصت کیا اور خود معہ ایک جماعت کے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ اس بشارت کے بعد یہ تینوں علماء و مشائخ، ہزار ہا آدمیوں کو ساتھ لے کر جن میں تین سو (۱) عالم، (۲) حافظ اور (۳) قاری بھی تھے آپ کی زیارت کے لیے سرہند شریف حاضر ہوئے اور سعادت بیعت سے مشرف ہوئے۔

آپ کو حجۃ اللہ کا خطاب بذریعہ الہام عطا ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نماز تہجد کے بعد بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے الہام ہوا ''انت محبوب رب العالمین و رحمة الله فی العالمین'' دریں اثنا کسی نے ندا کی کہ پروردگار نے خواجہ نقسبند کو جہاں میں اپنی حجت بنایا ہے اور انھیں اُن کے باپ دادا کی طرح اولیائے اُمت سے افضل بنایا ہے۔ اے فرشتو! جنو! انسانو! تم سب اُن کی فرمانبرداری کرو تا کہ قیامت کے دن نجات پا جاؤ۔ بعد ازاں میں نے دیکھا کہ فرشتے اور تمام اولیائے امت کی رُوحیں میرے اردگرد تشریف فرما ہیں اور کہتے ہیں "السلام علیکم یا حجة اللّٰہ" اور میرے سر اور منہ کو چومتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

قیومیت کے نویں سال آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اعلان فرمایا کہ جو شخص چاہے ہمارے ساتھ حج پر چلے اور زادِ راہ کی کچھ فکر نہ کرے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ پچیس ہزار آدمی جن میں چار سو بڑے بڑے علماء و مشائخ بھی تھے، سعادتِ حج حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ جب اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کی حج کی روانگی کی خبر سنی تو دہلی سے تیرہ میل باہر آ کر آپ کا شاہانہ استقبال کیا اور تجدید بیعت کی۔ پھر آپ دہلی سے ہوتے ہوئے حجاز مقدس کو روانہ ہوئے۔ دہلی میں آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ اس قدر زر و جواہر، نقد اور جنس اکٹھا ہوا کہ اٹھانا مشکل تھا۔ کہتے ہیں کہ ساحلِ سمندر پر پہنچنے تک آپ کے ہمراہیوں کی تعداد ستائیس ہزار ہو چکی تھی۔ دورانِ سفر آپ کو الہام ہوا کہ تمھارے مریدوں کے علاوہ سات ہزار آدمی جن پر دوزخ کی آگ واجب ہوگی تمھاری سفارش سے بہشت میں داخل ہوں گے۔

آپ کے اس قافلہ میں چند رافضی بھی بطور تقیہ شامل ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام آپ کو مطلع کر دیا۔ اس پر آپ نے ارشاد کیا کہ کئی لوگ ہمارے قافلہ میں ایسے ہیں کہ ان کا ظاہر صاف مگر باطن ناپاک ہے۔ دریں اثناء بادِ مخالف نے جہاز کو دھکیل کر یمن کی طرف ایک کنارے پر لا کھڑا کیا۔ اس جگہ خوارج کا بہت زور تھا روافض نے خوارج کے ساتھ مل کر حسد و عداوت کی آگ کو بھڑکایا حتیٰ کہ قتال و جدال تک نوبت پہنچ گئی۔ جب صورت حال نہایت تکلیف دہ ہو گئی تو آپ نے دعا فرمائی جو فی الفور قبول ہو گئی۔ چنانچہ بارہ علماء کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ، جلوہ افروز ہیں اور سب اقوام خوارج و روافض کو طلب کر کے فرما رہے ہیں کہ "نہایت افسوس کی بات ہے کہ تم لوگ اہل بیت کے ساتھ الفت و محبت اور خلیفۂ پیغمبر سے عداوت رکھتے ہو چند لوگوں کو حکم دیا کہ ان کو مارو۔ چنانچہ جب خواب سے بیدار ہوئے تو زدوکوب کا اثر جسموں پر موجود تھا۔ پس بعد از قدرے گفتگو وہ رافضی علماء وغیرہ تائب ہو کر مرید ہو گئے۔

ایک روز آپ مسجد الحرام میں بیٹھے تھے۔ جب مراقبہ کیا تو دیکھا کہ شیطان ملعون، (۱) ذلیل وخوار (۲) ننگے سر اور (۳) بے رونق ہو کر بیت اللہ شریف کے قریب چوروں کی طرح چھپ چھپ کر پھرتا ہے۔ جب آپ کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دیکھتے ہی مارے خوف کے راہ فرار اختیار کر گیا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

الشیطان یفر من ظل عمرہ ○ شیطان عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

چونکہ آپ بھی اولاد عمرؓ تھے، اس لیے شیطان آپ سے بھاگا۔

جب آپ مدینہ منورہ گئے تو روضہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دیر تک دیوانہ وار روتے رہے۔ بعد ازاں حجرہ شریف کے قریب بیٹھ گئے اور دیر تک یہ کلمہ فرماتے رہے۔

اَفْدَيْتُ نَفْسِي وَرُوْحِي وَاَوْلَادِي عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه. یا رسول اللہ! (۱) میرا نفس، (۲) میری روح اور (۳) میری اولاد آپ پر قربان ہو۔

حضور سید عالم ﷺ نے کمال لطف و کرم سے آپ کو عنایاتِ خاصہ سے ممتاز فرما کر اپنا نائب اتم بنایا اور فرمایا:

اَنْتَ فَخْرُ اُمَّتِي تم میری اُمت کے لیے فخر ہو۔

کرامات

1- مولانا محمد عابد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں میرے دل میں خیال آیا کہ مرشد کو اس قدر کشف ضرور ہونا چاہیئے کہ سالک کے بعض خطرات سے واقف ہو کر ان کا دفعیہ کر سکے۔ آپ نے اُسی وقت مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ محمد عابد سنو!

"اولیاء، اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ انھیں علم غیب کا ہونا اور ان سے کرامات کا صدور واجب نہیں اور ان باتوں کے نہ ہونے سے اُن کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افضل البشر بعد از انبیاء ہیں، میں اس قدر کرامات نہ تھیں جتنی کہ ایک ولی اللہ میں ہوتی ہیں۔"

2- ایک دفعہ سرہند شریف میں بارش نہ ہوئی۔ والئی شہر بہت سے لوگوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ پچیس روز تک بارش نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا فرمان درست ثابت ہوا اور چھبیسویں روز موسلا دھار بارش ہوئی۔

عبادات و عادات

آپ کا (۱) ہر عمل، (۲) ہر فعل اور (۳) ہر قدم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تھا۔ رخصت کو اعمال

میں بالکل دخل نہ دیتے تھے۔ رات کے تیسرے حصے میں بیدار ہوتے اور بارہ رکعت نماز تہجد ادا فرماتے۔ اس نماز میں سورہ یٰسین تلاوت فرماتے۔ بعدازاں مراقبہ کر کے اُونگھ لیتے اور نماز فجر باجماعت ادا کر کے پھر حلقۂ ذکر ومراقبہ کرتے۔ اس سے فارغ ہوکر چار رکعت نماز اشراق ادا کرتے پھر دوستوں کو توجہ باطنی سے نوازتے۔ دن کا تیسرا حصہ گزرنے کے بعد نماز الضحیٰ پڑھ کر درون خانہ تشریف لے جاتے اور دوپہر کا کھانا بمعہ اہل وعیال تناول فرماتے۔ پھر قیلولہ فرما کر چار رکعت فی الزوال پڑھتے۔ نمازِ ظہر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور تفسیر بیان فرماتے۔ نماز عصر کے بعد (۱) فقہ، (۲) حدیث اور (۳) مکتوبات امام ربانی کا درس دیا کرتے۔ نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعت نفل اوابین ادا فرماتے۔ پھر وظائف واوراد کے بعد دوستوں کو توجہ دیتے۔ بعد نماز عشاء گھر میں تشریف لے جاتے، اور تھوڑا سا کھانا کھا کر آرام فرماتے۔ قصہ کوتاہ آپ کا تمام وقت (۱) ذکر و (۲) فکر اور (۳) یاد الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ آپ نہایت متواضع اور خلیق اور مرتاض تھے۔ بیماروں کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے ضرور جاتے، (۱) غرباء اور (۲) مساکین کی دلجوئی کرتے اور اعلیٰ و ادنیٰ میں کوئی تفریق نہ کرتے۔

آپ پر مدت سے عوارضات کا غلبہ تھا۔ خاص کر پاؤں مبارک کا درد شدید ہو گیا تھا۔ ایک روز بعد نماز جمعہ ارشاد فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ تمھاری عمر اَسی (80) سال ہو رہی ہے اور یہ امت کی اوسط عمر ہے۔ اگر اور عمر چاہتے ہو تو دنیا میں رہو ورنہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ میں نے لقائے پروردگار، اختیار کیا ہے۔ تم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے رہنا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے طریقہ پر پوری طرح سے پابند رہنا۔

28 محرم الحرام بروز جمعرات کو آپ پر مرض کا غلبہ شدید تر ہو گیا۔ سانس میں تیزی آ گئی مگر بڑے وقار سے وظائف واوراد پڑھتے رہے۔ رات کو تہجد کی نماز ادا کر کے دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے۔ پھر لیٹ گئے اور شب جمعۃ المبارک 29 محرم الحرام 1114ھ بمطابق 1702ء کو پینتیس (35) سال مسندِ قیومیت وارشاد پر فائز رہ کر سرہند شریف میں رحلت فرمائی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ ترجمہ: ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ (پارہ:2، سورۃ البقرۃ، آیۃ:156)

آپ کو اس مکان میں جو قدیم سے آپ کی ملکیت تھا، حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک سے شمال کی طرف فتح باغ کے قریب دفن کیا گیا۔ مرقد اقدس پر نہایت عالیشان خوبصورت قبہ بنوایا گیا۔ آپ کے مقبرہ میں چار قبریں ہیں۔ (۱) ایک آپ کی، (۲) دوسری آپ کے فرزند کی، (۳) تیسری آپ کی بیٹی کی اور (۴) چوتھی آپ کی زوجہ کی۔

آپ نے اپنی قیومیت کے آخری سال حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے روضہ شریف سے شمال کی طرف ایک عالی شان اور خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ اُس کے تین گنبد اور دو برج تھے۔ صحن میں وضو کے لیے ایک حوض بنوایا تھا اور مسجد کے مقابل ایک محل اور چند حجرے سالکوں کو توجہ دینے اور مراقبہ کے لیے بنوائے تھے۔ جو امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بے نام ونشان ہو گئے ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد چھ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ آپ کے فرزند اکبر حضرت ابوالعلیٰؒ 1064ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ 1107ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے قبہ میں دفن ہوئے۔ حضرت ابوالعلیٰؒ کے بڑے بیٹے قیوم رابع خواجہ محمد زبیر قدس سرہٗ تھے جن کے حالات آگے آ رہے ہیں۔

(27)

حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی قدس سرہٗ

سرہند شریف	1093ھ / 1682ء	1152ھ / 1740ء	سرہند شریف

مادۂ تاریخ وفات

"اظہر ولی"	"مشتاقِ محمد زبیر"	"لبِ بحرِ فضل"
1152ھ	1152ھ	1152ھ
"لبِ خورشید"	"زُہد زاہد شمسِ طریقت"	
1152ھ	1152ھ	

(27) حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی قدس سرہٗ

آپ حضرت حجتہ اللہ خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہٗ کے پوتے اور خلیفہٗ اعظم تھے۔آپ کی ولادت باسعادت 5 ذی قعدہ 1093ھ بمطابق 1682ء بروز پیروار ہوئی۔سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تک یوں پہنچتا ہے۔(۱) خواجہ محمد زبیر ابن (۲) خواجہ شیخ ابوالعلیٰ بن (۳) خواجہ حجتہ اللہ محمد نقشبند ثانی بن (۴) خواجہ محمد معصوم بن (۵) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ۔

آپ ابھی تیرہ برس کے تھے کہ والد گرامی حضرت شیخ خواجہ ابوالعلیٰؒ کا وصال ہو گیا اور آپ کی پرورش جد امجد حضرت خواجہ نقشبند ثانی قدس سرہٗ نے کی اور ظاہری و باطنی علوم میں مالا مال کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کمسنی ہی میں آپ پر استغراق غالب ہو جایا کرتا تھا اور حضرت نقشبند ثانی قدس سرہٗ نے آپ کو قیومیت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ حضرت حجتہ اللہ خواجہ محمد نقشبند ثانی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد بروز ہفتہ یکم صفر 1114ھ بمطابق 1702ء کو مسند قیومیت وارشاد پر متمکن ہوئے۔

آپ قطب دوراں اور قیوم زماں تھے۔آپ کے شب و روز عبادت الٰہی اور خلق خدا کو ہدایت کرنے میں صرف ہوتے تھے۔آپ کا حلقہ بہت وسیع تھا اور زمانے کے بڑے بڑے (۱) علماء و (۲) امراء آپ کے معتقد تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و دنیا کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔جب بھی آپ دولت کدہ سے باہر تشریف لاتے تو امرائے شاہی اپنے دو شالے اور پگڑیاں فرش راہ بناتے تاکہ متبرک ہو جائیں اور آپ کے قدم مبارک زمین پر نہ پڑیں۔اگر آپ کسی جگہ (۱) وعظ، (۲) مجلس یا (۳) عیادتِ مریض کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کی سواری اور جلوس شاہانہ ہوتا باوجود اس ظاہری کروفر کے دل خدا کی طرف لگا ہوا تھا۔آپ ہر امیر و غریب کو ایک نظر سے دیکھتے تھے اور ہر مرید کو درجہ کمال تک پہنچانے کی سعئ بلیغ فرماتے تھے۔(۱) کم کھانا، (۲) کم بولنا، (۳) کم سونا آپ کی زندگی کا خاص اصول تھا۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ فضول اور لغو گفتگو میں بہت سی (۱) مصیبتیں اور (۲) پریشانیاں پنہاں ہیں۔کم کھانے سے جسم میں سستی واقع نہیں ہوتی اور کم سونے سے زیادہ وقت عبادت الٰہی میں گزار سکتے ہیں۔یہ وقت بڑا قیمتی ہے، اس کی قدر کرنی چاہیئے۔

(۱) تقویٰ، (۲) پرہیزگاری، (۳) اتباع سنت اور (۴) کثرتِ عبادت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

آپ نہایت کثیر العبادت تھے۔نماز تہجد میں ساٹھ ساٹھ مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھا کرتے تھے۔نماز فجر کے بعد چاشت تک مراقبہ فرماتے۔بعدازاں قدرے قیلولہ فرماتے اور پھر نماز زوال ادا کرتے۔اس کے بعد تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے اور پھر نماز ظہر سے پہلے حلقہ بنا کر بمع دوستاں ختم خواجگان پڑھتے اور ذکر و فکر کے بعد مریدوں کو توجہ دیتے نماز ظہر ادا کر کے مریدوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، آپ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک بار اسی وقت ہی کھانا کھاتے تھے۔نماز عصر کے بعد کبھی حدیث شریف اور کبھی مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا درس دیا کرتے

تھے۔ نماز مغرب کے بعد نماز اوابین میں قرآن مجید کے دس پارے پڑھتے تھے۔ بعدازاں حلقۂ ذکر ہوتا۔ پھر نماز عشاء پڑھ کر دولت کدہ میں استراحت فرماتے چوبیس ہزار (24000) مرتبہ کلمہ طیبہ، پندرہ ہزار (15000) مرتبہ اسم ذات دن کو اور پھر دس ہزار (10000) مرتبہ کلمہ طیبہ رات کو آپ کا دائمی وظیفہ تھا۔

ایک مرتبہ کسی تقریب میں جامع مسجد کے قریب سے گزرے۔ سواری کے ساتھ عقیدت مندوں کا بے شمار ہجوم نجوم تھا۔ حضرت شاہ گلشن[1] نے مسجد سے آپ کی سواری کی رونق دیکھ کر اپنی پرانی کملی اتار کر پھینک دی اور کہا کہ اسے جلا دو۔ کیونکہ جس قدر نور اس بزرگ کی سواری میں ہے اُس کا ایک شمہ بھی میں اپنی کملی میں نہیں دیکھتا۔ حالانکہ تیس (30) سال سے اس کملی میں ریاضت و مجاہدہ کر رہا ہوں۔ کسی نے بتایا کہ یہ حضرت خواجہ محمد زبیرؒ ہیں۔ اس پر شاہ گلشنؒ کہنے لگے، الحمدللہ! یہ تو ہمارے پیرزادہ ہیں اور ہماری عزت و آبرو ان کے صدقے باقی رہ گئی ہے۔

کرامات

1- ایک شخص نے عرض کیا کہ خاندان مجددیہ کی تمام نسبت مجھ کو ایک ہی توجہ میں عطا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ یہ معمول کے خلاف ہے نیز اگر تمام نسبت ایک ہی توجہ میں کی جائے تو اس کا تحمل و برداشت حوصلۂ بشریت سے باہر ہے۔ مگر سائل اپنے سوال پر مصر رہا اور مزید الحاح وزاری سے عرض گزار ہوا۔ ناچار آپ نے ایک ہی توجہ سے تمام نسبت القاء فرمائی مگر وہ شخص تاب نہ لا سکا اور فی الفور مر گیا۔

2- آپ کا ایک مرید سخت بیمار ہو گیا اور نزع کی حالت طاری ہوگئی۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ اُس کے گھر والے آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے۔ آپ کو اُس کے حال پر رحم آیا اور اسے اپنے ضمن میں لے لیا۔ وہ شفایاب ہو کر عرصۂ دراز تک بقید حیات رہا۔ چونکہ آپ کی روح مبارک اُس کی زندگی کی قیم تھی۔ اس لیے جس دن آپ نے وصال فرمایا وہ شخص بھی دنیا سے چل بسا۔

3- ایک شخص آپ سے بیعت کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا۔ راستے میں اُسے ایک گھڑ سوار ملا۔ اس نے قصد سفر پوچھا تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کی خدمت میں بیعت کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ گھڑ سوار نیچے اترا اور کہا کہ میں ہی خواجہ محمد زبیرؒ ہوں۔ وہ شخص بہت خوش ہوا اور درخواست بیعت کی۔ آپ نے اُسے داخل سلسلہ عالیہ مجددیہ کیا اور اجازت دے دی۔ اُس شخص نے سوچا کہ میں اب تو سرہند شریف کے نزدیک پہنچ گیا ہوں لہٰذا کیوں نہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے روضۂ مقدس کی زیارت بھی کرتا جاؤں۔ جب وہ سرہند شریف میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم تھا جو کسی کو دفن کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جب اس شخص نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ حضرت خواجہ محمد زبیرؒ وصال فرما گئے ہیں۔ جب اس نے زیارت کی تو وہی شکل مبارک تھی جس نے اسے راستے میں بیعت کیا تھا۔

---

1 آپ حضرت خواجہ عبدالاحد مشہور بہ شاہ گل ابن خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ 1153ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار اقدس دہلی میں ہے۔ (قصوری)

4- ایک شخص کابل سے آپ کی زیارت کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ راستے میں اُسے ایک شیر ملا جسے دیکھ کر وہ بہت خوف زدہ ہوگیا۔ اُس شخص نے آپ کی طرف توجہ کی تو آپ فوراً تشریف لائے اور ایک پتھر اٹھا کر شیر پر پھینکا جس سے وہ لومڑی کی طرح دم دبا کر بھاگ گیا اور آپ بھی نظروں سے غائب ہوگئے۔

5- آپ کے مرید خاص شاہ مقیمؒ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ تو مجھے آپ کے دیدار کا بے حد وحساب اشتیاق ہوا۔ میں بیت اللہ شریف کے طواف سے دل کو تسلی دیتا مگر اطمینان نہ ہوتا بلکہ مزید بے چینی ہوتی۔

کعبہ بھی گیا مگر رہا خیال بتوں کا
زم زم بھی پیا، نہ بجھی پیاس جگر کی

اس حالتِ اضطراب میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ طواف فرما رہے ہیں، میں نے بڑھ کر قدم بوسی کرنا چاہی تو آپ نظروں سے غائب ہوگئے۔ میں واپس اپنی جگہ پر پہنچا تو آپ کو پھر طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ میں پھر بڑھ کر قدم بوسی کرنے لگا تو دوبارہ غائب ہوگئے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ میرے علاوہ بہت سے لوگوں نے بھی آپ کو حرمین شریفین میں دیکھا۔

6- آپ کے ایک منظورِ نظر مرید محمد عادل اکبر آبادیؒ فرماتے ہیں کہ شاہجہان آباد (دہلی) جاتے ہوئے دورانِ راہ لٹیروں سے سامنا ہوگیا۔ ایک نے مجھ پر کمند پھینکنا چاہا میں نے گھبرا کر آپ سے التجا کی۔ آپ نے ظاہر ہو کر انھیں ڈانٹا اور وہ بندروں کی طرح بھاگ گئے۔

اڑتیس (38) سال مسند قیومیت پر رونق افروز رہ کر 4 ذیعقد 1152ھ بمطابق 1740ء کو آپ نے دہلی میں وصال فرمایا۔ آپ کی نعش مبارک سرہند شریف لائی گئی اور 11 ذیعقد بروز جمعرات شیخ سعد الدین کی حویلی میں جسے آپ نے شیخ موصوف کے بیٹے سے بعوض چار ہزار روپے خریدی تھا' دفن کیے گئے 1153ھ میں آپ کے مرقد انور پر ایک عالی شان روضہ تعمیر کیا گیا جو رنگا رنگ نقش ونگار سے آراستہ تھا اور جس میں چین اور فرنگ (انگلستان) کی گلکاری کی ہوئی تھی۔

(28)

حضرت سید قطب الدین حیدر قدس سرہٗ

1180ھ

ماوراءالنہر ———— مدینہ منورہ

1766ء

مادۂ تاریخ وفات

"غلامِ اَحَق"

1180ھ

"ظفر"

1180ھ

"خورشید گلّی"

1180ھ

"ظَرف"

1180ھ

"خورشید مجد دجاہ"

1180ھ

(28) حضرت سید قطب الدین حیدر بخاری قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی سید قطب الدین بخاری عرف محمد اشرف اور لقب حیدر حسین ہے آپ کی ولادت باسعادت ماوراء النہر میں ہوئی۔ ماوراء النہر ہی میں مختلف اساتذہ سے حدیث، فقہ، تفسیر اور معقولات و منقولات میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ آپ عالم باعمل اور فاضل بے بدل تھے۔ کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ پیر کامل کی تلاش میں سرہند شریف پہنچے اور حضرت خواجہ محمد زبیر قیوم چہارم قدس سرہٗ، کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے اجازت و خلافت حاصل کی اور اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مسندِ خلافت پر بیٹھے۔

آپ کو امراء و اغنیاء کے اختلاط سے سخت نفرت تھی۔ آپ شب و روز (۱) تلاوتِ قرآن مجید، (۲) ذکر الٰہی اور (۳) درود شریف میں مشغول رہتے تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فنافی الرسول کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے اور زیارتِ روضۂ انور کے لیے دن رات تڑپتے رہتے تھے۔

مسندِ شیخ پر چند سال بیٹھنے کے بعد ایک صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور یہ جھگڑا اور رنجش یہاں تک پہنچی کہ آپ کی غیرت اور رنجیدگی سے سرہند شریف تباہ ہو گیا۔ اسی واسطے حضرت امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بانی سرہند اور آپ کو فانی سرہند کہتے ہیں۔ چھ سال تک سرہند شریف میں لرزہ اور زلزلہ رہا۔[1]

1173ھ میں آپ حضرت حافظ سید محمد جمال اللہ قدس سرہٗ کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر کے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں قدم قدم پر درود شریف پڑھتے اور ہر فرسنگ پر دوگانہ نماز ادا کرتے تھے۔ راہ میں طرح طرح کے عجائبات ملاحظہ میں آئے۔ مدینہ شریف کے قریب پہنچ کر دوگانہ شکریہ ادا کر کے پابرہنہ شہر میں داخل ہوئے اور دیوانہ وار در و دیوار کو چومتے ہوئے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور شرفِ زیارت سے مشرف ہو کر سعادتِ ابدی اور دولتِ سرمدی کو پہنچے۔ پھر آپ کو مدینہ طیبہ کی جدائی گوارا نہ ہوئی اور وہاں کی فضائے جانفزا دل کو ایسی بھائی کہ زبانِ حال سے پکار اٹھے۔ کہ اب یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا، محبوب کے قدموں میں جان دے دوں گا۔ بقول حکیم سنائیؒ

با دو قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست	توحید کے راستے میں دو قبلوں کے ساتھ چلنا درست نہیں ہے
یا رضائے دوست باید یا ہوائے خویشتن	یا دوست کی مرضی کرنا چاہیئے یا اپنی نفسانی خواہش پر عمل

ازاں بعد جنت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے روضۂ مبارک کے قریب جہاں قبۂ مبارک کا پانی گرتا ہے، جا بیٹھے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے کہتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سے لوگوں کو بشارت ہوئی کہ سید قطب الدین میرا فرزند اور میرا مہمان ہے۔ اس سے باطنی فیوض و برکات حاصل کرو۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں بصد ادب و احترام حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہو کر دین و دنیا،

[1] سرہند شریف سے دہلی میں آ کر آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے آستانے پر کچھ عرصہ حاضر رہے تھے۔ (قصوری)

عقبیٰ و آخرت اور ظاہر و باطن کی نعمتوں کے سزاوار ٹھہرے۔

وفات

آپ نے 11 رجب 1180ھ بمطابق 1766ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار پرانوار حضرت خواجہ آدم بنوریؒ[1] (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اور خواجہ محمد پارساؒ[2] (مرید و خلیفہ حضرت خواجۂ خواجگان نقشبند بخاری قدس سرہٗ) کے مزارات کے قریب جنت البقیع مدینہ منورہ میں واقع ہے اور یہ تینوں مزارات حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارک کے شمال مغربی گوشہ میں واقع ہیں اور دوسری قبروں سے ممتاز ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مقدس کی چھت کا پانی آپ کے مرقد انور پہ گرتا ہے۔[3]

---

[1] حضرت خواجہ سید آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپ کی وفات 13 شوال 1053ھ کو ہوئی۔ جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ (قصوری)

[2] خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ 739ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کر کے روحانی منازل طے کیں اور حضرت خواجہ کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوئے۔ آپ نے طریقہ نقشبندیہ پر بڑی جامع تصانیف کی اشاعت کی جو آج تک سلسلہ نقشبندیہ کے اصول و احوال پر بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کا وصال 822ھ میں بعمر شریف تراسی (83) سال مدینہ منورہ میں ہوا۔ (قصوری)

[3] ترک دور حکومت تک جنت البقیع میں تمام مزارات مقدسہ بڑی شان کے ساتھ موجود تھے۔ مگر نجدی دور حکومت میں ہل چلا کر تمام مزارات کو منہدم کر دیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے شورش کاشمیری کی کتاب ''شب جائے کہ من بودم'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ (قصوری)

(نوٹ) دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر کے کتب خانہ خیریہ میں ''جناب ابراہیم رفعت باشا'' کی تالیف ''مرآۃ الحرمین'' الجزُ الاوّل (طبع اولیٰ) مطبوعہ قاہرہ 1344ھ؁ 1925م اور ''محمد لبیب البتونی'' کی تصنیف ''الرحلۃ الحجازیہ'' (طبع ثانی) مطبوعہ مصر 1329ھ کی کتابوں میں جنت البقیع، شہدائے اُحد، مدینہ منورہ کا قدیم قبرستان، مقبرۃ المعلیٰ، مکہ معظمہ اور جدہ میں حضرت حوّا کے مزارات مقدسہ، گنبد اور پرانی مساجد وغیرہ کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ حکومت مصر کے امیر الحج جناب رفعت باشا قومندان حرص المحمل فی 1318ھ بمطابق 1901ء امیر الحج فی 1320ھ بمطابق 1903ء و 1321ھ بمطابق 1904ء و 1325ھ بمطابق 1908ء تھے۔ کتاب کے شروع میں ان کا متشرع فوٹو بھی موجود ہے جس کے اوپر امیر الحج 1907ء بھی لکھا ہوا ہے گویا کہ مصنف نے کئی سال جا کر اپنی آنکھوں دیکھا منظر اور تاثرات کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں موجود ہے اور ''الرحلۃ الحجازیہ'' بھی ایک ضخیم جلد میں موجود ہے۔ مؤخر الذکر کتاب میں عکس کچھ زیادہ نمایاں ہیں۔ از۔ حضرت صوفی محمد اسرائیل الخیری صاحب ناظمِ اعلیٰ دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر۔ (قصوری)

(29)

حضرت حافظ سید محمد جمال اللہ رامپوری قدس سرہٗ

1137ھ 1209ھ

گجرات (پاکستان) ـــــــــــــــــــ رامپور (انڈیا)

1724ء 1794ء

مادۂ تاریخ وفات

صدرِ بزم سید محمد جمال اللہ صاحب رامپوری''	''جانِ رفیق سید محمد جمال اللہ رامپوری''
1209ھ	1209ھ
''منظر حیا''	''وہو العلی العظیم''
1209ھ	1209ھ

(29) حضرت حافظ سید محمد جمال اللہ رامپوری قدس سرہٗ

آپ کا اسم مبارک سید محمد جمال اللہ اور والد گرامی کا نامِ نامی سید سلطان شاہ المعروف بہ محمد روشن شاہ تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت 11 ربیع الاول 1137ھ بمطابق 28 نومبر 1724ء کو گجرات (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی۔ سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کے واسطہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تک پہنچتا ہے۔

آپ ابھی بچے ہی تھے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے خواب میں اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ آپ کی روحانی تربیت فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر شروع سے ہی بیخودی کی حالت طاری تھی اور چہرۂ اقدس سے آثار ولایت ہویدا تھے۔ کچھ عرصہ بعد آپ وزیر آباد (ضلع گوجرانوالہ) تشریف لے آئے اور ایک درویش صفا کیش کی خدمتِ کیمیا خاصیت میں ایک مدت رہ کر 1146ھ میں قرآن مجید حفظ کیا اور پھر پنجابی، فارسی اور عربی زبان پر دسترس حاصل کی۔

ایک روز اُس درویش نے آپ سے فرمایا کہ یا جمال اللہ تمھاری امانت ملک ہندوستان میں ہے لہٰذا اُس کے حصول کے لیے سعیٔ کامل بجالاؤ کیونکہ عنایت ایزدی سے خلق کثیر تجھ سے نعمتہائے باطنی اور فوائد دینی و دنیاوی حاصل کرے گی۔ چنانچہ آپ استاذ گرامی کے ارشاد کے مطابق 1151ھ میں دہلی پہنچے اور ایک درویش صفت عالم دین جو حضرت شاہ قطب الدین محمد اشرف حیدر حسین قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور بہت بڑے فقیہ تھے، سے فقہ و حدیث کی کتابیں پڑھیں اور جلد ہی علومِ متداولہ میں کامل و اکمل ہو گئے۔

اُس زمانے میں آپ نے مجاہدۂ نفس شروع کر دیا تھا اور روزانہ دو قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔ رات کو چکی پیسنے کی خدمت بجالاتے۔ جب تین دن گزر جاتے تو ایک مشت جوار تناول فرماتے۔ چونکہ آپ کے استاد محترم قطب الدین محمد اشرف حیدر قدس سرہٗ سے بیعت تھے لہٰذا وہ اکثر و بیشتر آپ کو بیعتِ مُرشد کی رغبت دلاتے مگر آپ کو یہ باتیں ناگوار گزرتیں اور آپ کہتے کہ اس ریاضت، محنت و مشقت سے زیادہ اور سیری کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے کسی کی مریدی و بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی طرح کئی روز گزر گئے۔

ایک رات تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے کہ غیب سے آواز آئی:

"اے جمال اللہ! اگرچہ تلاوتِ قرآن مجید فرقانِ حمید بہت بڑی عبادت ہے، لیکن عبادت میں لذت و سرور اُسی وقت ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ کسی شیخ سے بیعت کر لی جائے۔"

یہ سنتے ہی آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی اور آپ اُفتاں و خیزاں اپنے استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ خدارا مجھے جلد اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں لے چلیں۔ استاد صاحب نے کہا کہ اب رات کا وقت ہے ان شاء

اللہ صبح چلیں گے۔ یہ سن کر آپ کی طبیعت میں بے قراری غالب ہوگئی اور رات گزارنا مشکل ہوگئی۔ صبح ہوتے ہی استاد محترم کے ہمراہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مزار مقدس پر حاضر ہوئے کیونکہ حضرت سید قطب الدین حیدر قدس سرہٗ اُس وقت وہاں گوشہ نشین تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ تم آج کی رات استخارہ کرو جو کچھ ظاہر ہوگا اُس پر عمل کیا جائے گا۔ آپ دربار فیض آثار سے رخصت ہو کر اپنی جگہ پر آئے اور رات کو استخارہ کیا۔ ایک خواب دیکھا مگر بوجہ غلبۂ مدہوشی و ازخود فراموشی یاد نہ رہا۔ جب صبح حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے بلا دریافت کیفیتِ خواب آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا۔

شرفِ بیعت حاصل کرنے کے بعد دُنیا و جہاں سے منہ موڑ کر پیر و مرشد کی خدمت میں رہنے لگے۔ صبح سے شام تک برابر پیر و مرشد کے سامنے کھڑے رہتے، جب مراقبہ کا حکم ہوتا تو مجبوراً بیٹھتے تھے۔ پیر و مرشد کے الطاف صوری و الطافِ معنوی آپ پر اس قدر مبذول تھے کہ دورانِ مراقبہ بھی حجاب غیر باقی نہیں رہتا تھا اور اگر کچھ بے صبری وقوع پذیر ہوتی تو شیخ زبانِ حق بیان سے ممانعت فرمادیتے تھے۔ غرض بارہ برس تک شیخ کی صحبت کیمیا اثر میں اسی طرح حاضر رہے۔

ایک روز حضرت سید قطب الدین حیدر قدس سرہٗ نے حالت تنہائی میں آپ سے فرمایا کہ یا جمال اللہ! تمھاری حق شناسی اور خدارسی اب اعلیٰ درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ تم کو کوئی عمل دستِ غیب یا طریقۂ کیمیا تعلیم کر دیا جائے تاکہ تم فکر معاش سے آزاد ہو جاؤ اور بفراغ خاطر اپنے شغل کے شاغل اور اپنے عمل کے عامل رہو۔ آپ نے برجستہ جواب عرض کیا کہ میری خواہش سوائے آپ کی غلامی کے اور کچھ نہیں ہے اور میری روزی کے لیے توکل علی اللہ کافی و وافی ہے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

میں نے حضور والا کی تمنا میں اپنے آپ کو خاک کر دیا ہے۔ آپ کی نظر توجہ میرے لیے اکسیر و کیمیا ہے۔ جس وقت حضور کی نظر کیمیا اثر اس ناچیز ذرہ خاک پر پڑے گی تو بہترین کیمیا بنا دے گی آپ کی یہ انکساری و خاکساری حضرت سید قطب الدین حیدر قدس سرہٗ کو بہت پسند آئی اور جوش میں آ کر اپنی جگہ سے جست کر کے آپ کو اپنے سینہ فیض گنجینہ سے لگالیا اور آن کی آن میں نعمت ہائے باطنی سے مالا مال کر دیا۔ پھر اپنے خلعت ملبوس خاص سے آپ کو مخلع کر کے ارشاد کیا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں''۔ پھر تمام خلفاء کو بلا کر آپ سے تعارف کرایا اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ واقعہ 1163ھ کا ہے۔

حضرت قطب الدین حیدر قدس سرہٗ ایک مدت سے مدینہ شریف جانے کا ارادہ فرما رہے تھے لیکن اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا رہے تھے۔ چنانچہ 1173ھ میں مکمل تیاری فرما کر آپ سے فرمایا کہ اب تک تمھارا ابامِ امانت مانع و مزاحم رہا۔ اب میں فارغ ہو چکا ہوں لہٰذا مدینہ شریف جا رہا ہوں۔ آپ سے بھلا اُن کی جدائی کیسے برداشت ہو سکتی تھی، پیر و مرشد کے قدموں کے ساتھ ہی مدینہ شریف پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ قلب الدین حیدر قدس سرہٗ کو حضور سید عالم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ملا کہ حافظ سید جمال اللہ کو واپس ہندوستان بھیج دو، وہاں ہزاروں لوگ اُن سے مستفید ہوں گے۔

مدینہ طیبہ سے واپس تشریف لاکر آپ سرہند شریف میں مقیم ہو گئے اور تین سال تک اپنے پیرومرشد کے حکم سے بحسن وخوبی سجادگی کے فرائض انجام دیے اور مجددی، فیوض وبرکات کی دولت سے مالا مال ہوئے اس کے بعد رامپور تشریف لے گئے اور نواب فیض اللہ خان کی فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہو کر اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ عرصہ تک کسی کو آپ کے مقام ومرتبہ کا علم نہ ہوسکا۔ ایک روز سہ پہر آپ نواب صاحب کے دروازہ کے سامنے کھڑے تھے کہ ناگاہ کسی ''نے نواز کے نالۂ نے'' کی آواز سن کر جوش میں آ گئے چونکہ طبیعت میں جذب ومستی کی فروانی تھی لہٰذا ''اللہ اللہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنی قیام گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس حال میں جو انسان یا حیوان آپ کے سامنے آتا تھا وہ مست ومدہوش ہوجاتا تھا اور بعض تو مرغ بسمل کی طرح خاک پر لوٹتے تھے۔ سارا بازار مستوں اور مدہوشوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہ واقعہ آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گیا، ایک شور عظیم برپا ہو گیا اور ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ ہر شخص کی زبان پر آپ کا نام اور ہر ایک مقام پر آپ ہی کا ذکر تھا۔ آپ کی شہرت اطراف واکناف میں پھیل گئی اور سب لوگ آپ کو پہچان گئے اب سوائے اظہار مشیخیت کے کوئی چارہ نہ رہا اور خلق کثیر حاضر ہو کر مستفید ومستفیض ہونے لگی۔ پھر آپ تادمِ واپسیں رامپور میں جلوہ افروز رہ کر خلق خدا کی رُوحانی تربیت فرماتے رہے۔

آپ اتباع سنت کا نہایت التزام واہتمام فرماتے تھے۔ اعمال ظاہری وباطنی میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ دل عشق الٰہی سے معمور اور حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چور تھا۔ ایک کثیر خلقت نے آپ سے استفادہ کیا۔ کثرتِ اذکار آپ کا معمول تھا۔ نگاہ میں اس قدر تاثیر تھی کہ جو ایک دفعہ دیکھ لیتا گرویدہ ہو کر غلام بے دام بن جاتا۔ بڑے بڑے امراء ورؤسا آپ کے مرید ومعتقد تھے۔ نواب فیض اللہ خان والی رامپور اور حافظ رحمت خان والئی روہیل کھنڈ آپ کے مرید اور معتقد تھے۔ مؤخر الذکر کی بیٹی خدیجہ بھی آپ کی مرید تھیں۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ بھی رامپور تشریف لاکر آپ سے ملے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں ''گرمی محبت اور حرارت مودت کی طلب میں آپ کے پاس آیا ہوں''۔ آپ نے شاہ صاحب کو تربوز عطا فرمایا تھا۔

آپ کا لنگر شاہی تھا جہاں سینکڑوں لوگ روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ جُود وسخا اور خوش اخلاقی آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا۔ بلکہ آپ سائلوں کے منتظر رہتے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے جس کے اثر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی بڑی بڑی مشکلیں آسان فرمادیتے تھے۔

آپ کو سیر وسیاحت اور شکار کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں کئی شیروں کا شکار کیا۔ ایک دفعہ بسلسلہ شکار دہلی سے واپس رامپور بمع دوستان تشریف لے جارہے تھے کہ اثنائے راہ شکار کرنے کی خواہش ہوئی۔ اپنے ایک خادم شاہ درگاہیؒ کو ایک جگہ کھڑا کر کے فرمایا کہ تم اس جگہ ٹھہرو، ہم واپسی تمہیں ساتھ لے کر رامپور چلیں گے اور خود ایک جنگل

کی طرف تشریف لے گئے۔ شکار کرتے کرتے شام ہوگئی اور آپ ایک نواحی گاؤں میں شب بسری کے لیے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے عازمِ رامپور ہوگئے کہ شاہ درگاہیؒ خود بخود رامپور پہنچ جائیں گے لیکن شاہ درگاہیؒ رامپور نہ پہنچے۔

قریباً ایک سال بعد آپ پھر دہلی تشریف لے جاتے ہوئے اسی راستے سے گزرے تو شاہ درگاہیؒ کو اُسی مقام پر غمگین، پریشان حال اور گرد آلود دیکھا۔ بکمال شفقت پوچھا کہ اس جگہ کب سے کھڑے ہو! شاہ درگاہیؒ نے عرض کیا کہ جب سے آپ نے حکم دیا ہوا ہے، اسی جگہ پر ہی کھڑا ہوں۔"

مٹا دیا میرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مے لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُو

یہ حال دیکھ کر حضرت سید جمال اللہ قدس سرہٗ جوش میں آگئے اور شاہ درگاہیؒ کو سینے سے لگا کر نُورٌ علیٰ نُور کر دیا۔ آنِ واحد میں سلوک و تصوف کی اعلیٰ منازل طے کرا دیں اور فرمایا کہ "جو شخص تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے گا، اُس کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوگی"۔

نواب فیض اللہ خان والیٔ رامپور و دیگر والیان ریاست آپ کے خادم، جانثار اور دل و جان سے معتقد تھے۔ نواب کلب علی خاں تو آپ کے ساتھ اس درجہ کی عقیدت رکھتے تھے کہ وصیت فرما گئے کہ مجھے آپ کے مزار مقدس کے جوار میں دفن کیا جائے۔

کرامات

آپ کی بے شمار کرامات ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

1- ایک قوی ہیکل، سنگدل اور زاہد خشک مولوی اذکر نامی شخص درویشوں کا منکر تھا اور حلقۂ درویشاں میں بطور تماشائی جا کر تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ آپ کی مسجد میں آیا جہاں آپ حلقۂ ذکر منعقد فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے نور فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ ایک (۱) بے ادب، (۲) گستاخ اور (۳) بدبخت آدمی ہے۔ آپ نے اس سے نام پوچھا تو بڑی بلند، کرخت اور مکروہ آواز سے کہنے لگا "ملا اذکر"۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا جسم اور اسم دونوں سخت ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس زور سے اللہ کا نعرہ مارا کہ وہ سنتے ہی صاعقہ زدہ کی طرح گر کر بے ہوش ہوگیا اور اس طرح تڑپنے پھڑ کنے لگا کہ ابھی مر جائے گا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر آپ کو رحم آگیا اور اپنا دست مبارک اُس کے دل پر پھیرا۔ اُس کی ساری سختی اور غرور زائل ہوگیا اور معافی مانگ کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل ہوگیا۔

2- جب آپ کا روضہ مبارک تیار ہو رہا تھا تو معماروں کا انچارج آپ کا مرید صادق تھا وہ گنبد مبارک پر گلکاری کا کام کر رہا تھا کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے کی طرف گرا ابھی زمین پر نہیں پہنچا تھا کہ اس نے آپ کو یاد کیا۔ آپ فوراً تشریف لائے اور اس کو فضا سے پکڑ کر آغوش میں لے کر زمین پر صحیح اور سالم کھڑا کر دیا۔ اُسے

کسی قسم کی چوٹ نہ آئی۔لوگ یہ منظر دیکھ کر بہت متحیر ہوئے۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ کسی کام کی غرض سے کام ختم ہونے سے پہلے بریلی چلا گیا اور چند روز وہاں رہا۔ایک دن تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے ظاہر ہو کر فرمایا کہ شکر و احسان کے بدلے طریق نسیان اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ فرما کر آپ غائب ہو گئے معمار اپنی غفلت اور کوتاہی پر سخت نادم ہوا اور فوراً واپس آ کر کام میں مصروف ہو گیا۔

3- شاہ غلام حسین خان رسالدار رامپور کے ساتھ آپ کو غایت درجہ محبت تھی یہاں تک کہ آپ اُن کو حافظ جی کہہ کر پکارا کرتے تھے یعنی آپ اپنے خطاب (حافظ) سے مخاطب فرماتے تھے۔ جب اُن کے صاحبزادہ حضرت شاہ کمال الدین عرف بھورے میاں دو برس کے تھے کہ یکا یک ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی بالکل اُمید نہ رہی۔ ایک روز شاہ غلام حسین خان نے اُن کو قریب المرگ دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی۔آپ تشریف لے گئے اور شاہ غلام حسین خان کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''حافظ جی! یہ تو اچھا خاصا ہے تم مطلق اندیشہ نہ کرو یہ ابھی نہیں مرے گا بلکہ اپنی عمر طبعی کو پہنچے گا اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہوگا اور میری بھی ایک عمدہ خدمت اس سے انجام پائے گی۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت شاہ کمال الدین اُسی وقت اچھے ہو گئے، اپنی عمر طبعی کو پہنچے اور انھوں نے آپ کا روضہ مبارک تیار کرایا۔

4- نواب کلب علی خاں والیٔ رامپور نے 27 جمادی الاخریٰ 1304ھ بروز چہارشنبہ وفات پائی۔ چونکہ اُن کو آپ سے غایت درجہ عقیدت تھی لہٰذا اُن کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے روضہ مبارک اور حضرت شاہ محمد عمر رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کے درمیان جو کسی قدر خالی جگہ ہے۔اُس میں مدفون ہوں تا کہ بعد مرگ بھی آپ کی قربت نصیب رہے۔اگر چہ وہ خالی جگہ قبر کے لیے ناکافی تھی لیکن جب قبر کھودی جانے لگی تو حضرت شاہ محمد عمرؒ کی قبر اپنے مقام سے کسی قدر ہٹ گئی اور نواب صاحب کی قبر تیار ہوگئی۔

آپ نے تمام زندگی مجردانہ بسر کی لہٰذا کوئی اولاد نسبی باقی نہ چھوڑی۔ البتہ روحانی اولاد میں سے حضرت فیض بخش شاہ درگاہیؒ[1]، سید بادشاہ میاں بخاری، الحاج محمد عمر سیدنا حسین شاہ مولانا فدا علی لکھنوی، شیخ صحرائی، میاں سیف اللہ،

[1] حضرت فیض بخش شاہ درگاہیؒ مادرزاد ولی تھے۔آپ کی ولادت 1160ھ میں تخت ہزارہ ضلع سرگودھا (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی۔ بچپن میں یہ جذبہ میسر آیا تھا اور وہاں سے نکل کر صحرا میں گشت کرتے رہے۔ جب سن تمیز کو پہنچے تو قدرے افاقہ حاصل ہوا تو کسی سے قرآن شریف کے ایک جز کا چوتھا حصہ پڑھا اور نماز صحیح کی۔ پھر مغلوب الحال ہو گئے اور درختوں کے پتوں پر قناعت کرنے لگے مگر نماز کے وقت انھیں، افاقہ ہو جاتا پھر بے ہوش ہو جاتے۔ آخر بلدۂ بدایون کے صحرا میں ''سلطان العارفین'' کے مزار پر پہنچے اور بدایون ہی میں حضرت شاہ جمال اللہ رامپوری قدس سرہٗ، سے بیعت ہو کر مقاماتِ سلوک طے کیے۔ امراء سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ اگر سوتے وقت کوئی اُن کی چادر میں روپیہ باندھ جاتا تو اُنھیں نجاست کی بدبو آتی۔ پھر جا کر اُسے دریا میں اس طریقہ سے ڈال دیتے تھے کہ اُسے ہاتھ نہ لگے۔

آپ کا انتقال 1226ھ بمطابق 1811ء میں رامپور میں ہوا۔ مادۂ تاریخ وفات ''مات قطب الوریٰ عن امر اللہ'' ہے جس سے 1226ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ (مقامات مظہری ص 600 '636 '637) (قصوری)

قصبہ سرسی تحصیل سنبھل ضلع مرادآباداور خواجہ سید محمد عیسیٰ گنڈاپوری قدس اسرارہم خلفاء یادگار چھوڑے۔

آپ کی وفات حسرت آیات 3 صفر المظفر 1209ھ 1794ء کو ہوئی اور رامپور شہر متصل دروازہ عیدگاہ مزار مقدس بنا جو آج تک مرجع خلائق ہے۔ آج کل آپ کے مزار مقدس کے ارگرد کی آبادی آپ کی نسبت سے جمال نگر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

بہت سے حضرات نے قطعات تاریخ وصال کہے۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

1- حضرت شاہ امام الدینؒ مؤلف ''مجمع الکرامات'' نے یہ قطعہ کہا۔

وقت رحلت یکے ہمیں پُرسید — سالِ تاریخ و نام پاک شاہ
ناگہاں ملہمے زغیب بگفت — ''سید حافظ جمال اللہ''

1209ھ

2- مزارِ مقدس کے جنوبی دروازہ پر قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔

آں شاہِ جمال قطب عالم — خوش رفت بجلوہ گاہے وحدت
تاریخ فنائے با بقائش — ''سیرِ علم مقام حیرت''

1209ھ

3- ایک اور صاحب نے یہ تاریخ کہی۔

حضرت حافظ جمال اللہ شاہ — بُود فخرِ اوّلین و آخرین
رہنمائے خلق و محبوب اِلٰہ — ذاتِ پاک آنجناب قطب دیں
مظہر دین بُود آں بدر کمال — ''مظہر دین'' ہم شدہ سالِ وصال

1209ھ

(30)

حضرت خواجہ سید محمد عیسیٰ قدس سرہٗ

علاقہ گنڈاپور موضع چودھواں تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحد)	1220ھ / 1806ء	موضع چودھواں ضلع ڈریہ اسمعیل خاں

مادۂ تاریخ رحلت

"والا ہمت قبلہ سید محمد عیسیٰ گنڈاپوری" 1220ھ

"مظفر" 1220ھ

"آہ ولی یکتا قبلہ سید محمد عیسیٰ گنڈاپوری"

1180ھ

(30) حضرت خواجہ سید محمد عیسیٰ قدس سرہٗ

آپ کی ولادت باسعادت موضع چودھواں علاقہ گنڈاپور تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔ ظاہری تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی اور پھر تصوف کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے اور ہر روز اُن سے ملاقات کرتے تھے بلکہ آپ کی ابتدائی باطنی تربیت حضرت خضر علیہ السلام نے ہی کی تھی اور اُنھی کے اشارے پر ہی رام پور جا کر حضرت حافظ شاہ محمد جمال اللہ قدس سرہٗ کے دستِ حق پر سعادتِ بیعت حاصل کی اور عرصۂ دراز تک اُن کی خدمتِ بابرکت میں حاضر رہے۔ سفر و حضر میں رہ کر فیوض و برکات کے خزانے لُوٹے پیر و مرشد کے محبوب اور راز دار خلیفہ تھے۔ اتنے منظورِ نظر اور بااعتبار تھے کہ آپ کے شیخ بعض مریدوں کو آپ کے حوالے کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت سید محمد جمال اللہ قدس سرہٗ نے اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ آج ہم سب لوگ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر شاہی قلعہ اور شاہی باغ کی سیر کو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ و دیگر خلفاء و مریدان کے ہمراہ شاہی قلعہ کے نزدیک پہنچے تو اُس وقت وہاں حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی قدس سرہٗ بطور سپہ سالار متعین تھے اور دیوارِ قلعہ پر پہرہ کی نگرانی فرما رہے تھے جب اُن کی نظر حضرت شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ پر پڑی تو بے خود ہو کر حاضر خدمت ہو گئے۔ قدموں پر گرے، تڑپے اور بے ہوش ہو گئے۔ دو تین گھنٹے بعد ہوش میں آئے تو بیعت کے لیے عرض کیا۔ آپ نے کشف سے معلوم کر لیا کہ ان کا فیض باطنی حضرت خواجہ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ کے پاس ہے۔ چنانچہ آپ کو اُن کے حوالے کر کے فرمایا کہ اس کی بیعت اگرچہ میری طرف سے ہے مگر اس کی تکمیل تمہارے ذمہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔

آپ صاحب کشف و کرامات تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہیؒ آپ کی قدمبوسی کے لیے حاضر خدمت ہو رہے تھے کہ راستے میں سخت علیل ہو گئے یہاں تک کہ زندگی کی اُمید نہ رہی۔ ایک مسجد میں قیام پذیر ہو کر ہر وقت رو رو کر آپ کو یاد کرتے تھے۔ اُن کی آہ و زاری آپ تک پہنچی تو خواجہ فیصل اللہ کو دیکھنے کے لیے اپنے درِ دولت سے روانہ ہوئے۔ جب اُس مسجد میں پہنچے جہاں خواجہ محمد فیض اللہ مقیم تھے تو نماز مغرب سے فارغ ہو کر حجرہ میں داخل ہوئے۔ خواجہ محمد فیض اللہ آپ کو دیکھ کر وجد میں آ گئے اور قدمبوسی کر کے قدموں سے لپٹ کر تڑپنے لگے آپ نے انھیں اُٹھا کر سینے سے لگایا اور نورٌ علیٰ نور کر دیا۔ چونکہ خواجہ محمد فیض اللہؒ بہت کمزور ہو چکے تھے اور کافی دنوں سے کچھ بھی کھایا پیا نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی چیز کو دل چاہے تو تیار کریں۔ خواجہ محمد فیض اللہ نے عرض کیا کہ حضور!

''جو نعمت مجھے اس وقت نصیب ہو چکی ہے، یہی کافی ہے۔''

یعنی آپ کا دیدارِ فیض بار ؎

گر خوری یک لقمہ از نانِ نور
خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور

اگر تو نور کی روٹی کا ایک لقمہ ہی کھالے۔ تو تُو تنور کی روتی پر خاک ڈالے گا۔

پھر آپ نے ایک پیالے میں سے تھوڑا سا ہریسہ (ایک قسم کھانا جو گندم کے آٹے، گوشت کی یخنی اور دودھ سے پکایا جاتا ہے) نکالا اور ارشاد کیا کہ یہ تھوڑا سا کھالو ان شاء اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ نصیب ہوگی۔ آپ نے حسب الحکم دو تین لقمے تناول فرمائے تو تمام حجابات اُٹھ گئے۔ بعد ازاں آپ کو سخت بھوک لگی اور نے بقیہ تمام ہریسہ کھالیا اور سو گئے۔ دوسرے دن صبح بیدار ہوئے تو آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے تھے۔

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کرامات

1- ایک دفعہ آپ اپنے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہیؒ سے ملاقات کے لیے تیراہ شریف تشریف لے گئے۔ ایک دن مجلس میں خواجہ محمد فیض اللہ کے تمام صاحبزادگان کو طلب کیا اور دعائے خیر فرمائی۔ جب خواجہ نور محمد سامنے آئے تو خواجہ محمد فیض اللہ نے عرض کیا کہ حضور میرے دوسرے بیٹے تو علومِ ظاہری سے فارغ ہو چکے ہیں مگر اس کا ذہن ابھی تک رسائی نہیں کر سکا یہی وجہ ہے ابھی تک صرف نصف قرآن پاک ہی ختم کیا ہے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سینہ بے کینہ کو روشن کر دے۔

آپ کو صاحزادہ نور محمد کے حالِ زار پر بہت رحم آیا اور اُسے فوراً گلے سے لگالیا اور خصوصی توجہ سے نوازا۔ چنانچہ ان کا شرح صدر ہوگیا اور جلد ہی بڑی بڑی دقیق کتابوں پر حاوی ہو گئے اور دقیق سے دقیق مسائل بیان فرمانے لگے۔

2- حضرت خواجہ فیض اللہ ہر سال آپ کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عرس شریف کے موقعہ پر سخت بیمار ہو گئے اور پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضری نہ دے سکے اور دوسرے ساتھیوں کے ذریعے پیغام بھیجا کہ:

”آپ کے غلام بے دام کو آپ کے دیدار کا بے حد شوق تھا مگر کیا کرے علالت کی وجہ سے مجبور ہے، بستر سے ہل نہیں سکتا، معذور ہے۔“

ساتھیوں سے یہ بھی کہا کہ جب تم لوگ واپس آؤ تو حضرت قدس سرہٗ کے مبارک قدموں کے نیچے سے تھوڑی سی خاکِ پاک اٹھاتے لانا۔ جب سب ساتھی آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ فیض اللہ دیوانہ تمھارے ساتھ نظر نہیں آ رہا۔ وہ کہاں ہے! ساتھیوں نے سب ماجرا عرض کیا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے دیوانے کو سلام کے بعد کہنا کہ فقیر خود تمھاری ملاقات کے لیے آنا چاہتا ہے۔ غم و فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ملاقات ہوگی اور سب لوگوں کو دعائے خیر کے بعد اجازت رخصت دے دی۔

ساتھیوں نے حسب وعدہ آپ کے قدموں کی خاک حاصل کی اور وطن واپس آ گئے خواجہ محمد فیض اللہ کو اپنے

دوستوں اور ساتھیوں کی آمد کی خبر ملی تو بہت خوش ہوئے اور زبانِ حال سے ارشاد فرمایا:

مژدہ اے دل کہ دگر بادِ صبا باز آمد
ہُدہُد خوش خبر از شہر سبا باز آمد

اے دل مبارک ہو کہ بادِ صبا واپس آگئی ہے ملکہ سبا کے شہر سے ہُدہُد بڑی اچھی خبر لایا ہے۔

دوستوں سے ملاقات کے بعد آپ نے اپنی امانت طلب کی۔ انھوں نے خاکِ پا آپ کے حوالے کر دی اور یہ مژدہ بھی سنایا کہ آپ بنفس نفیس تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ پھولے نہ سماتے تھے اور بار بار یہ شعر دیوانہ وار پڑھتے تھے کہ۔

قاصد رسید نامہ رسید و خبر رسید
در حیر تم کہ جان بکدامی کنم نثار

''قاصد پہنچ گیا، خط پہنچ گیا اور خبر بھی پہنچ گئی میں حیران ہوں کہ اپنی جان کس کس پر نثار کروں۔''

اُسی وقت خاکِ پا کو پانی میں حل کر کے نوش فرمایا اور اپنے شیخ کامل سے محبت کامل اور عقیدے کی صحت و پختگی کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو تین روز میں مکمل شفا عطا فرما دی۔

یہ اللہ والے دیتے ہیں سب کچھ
مگر اِن سے لینے کا چاہیئے ڈھب کچھ

3- ایک مرتبہ خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ایک بچپن کے دوست اور ہم سبق مسمی ''حضرت جی''[1] سے ملاقات کے لیے دل بہت بے قرار ہے جو پشاور شہر کے قرب و جوار میں رہتے ہیں اور ایک عرصہ سے اُن کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ دعا فرمائیں کہ ملاقات ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جنگل میں چل وہاں پہنچ کر آپ مراقب ہو کر بیٹھ گئے اور حضرت خواجہ کو بھی مراقبہ کرنے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ دُور سے دو آدمی چلے آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے نزدیک آ کر بڑے ادب سے ملاقات کی اور وہیں بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ نے بغور دیکھا تو اُن میں سے ایک اُن کے دوست

---

[1] حضرت جی صاحبؒ کا اسم شریف شاہ میاں غلام محمد لقب فضل احمد معصومی مشہور بہ حضرت جی (جیو صاحب) ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 1151ھ میں بمقام سرہند شریف ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالرزاق تک پہنچتا ہے نیز دادی صاحبہؒ کی طرف سے حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد سے ہیں۔ اپنے نانا شاہ محمد رساؒ سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ جب سرہند شریف پر سکوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے سرہند شریف سے ہجرت کی اور آپ بھی بمعہ اہل و عیال ہجرت کر کے پشاور تشریف لائے۔ آپ کی وفات 1233ھ میں ہوئی۔ مزار پرانوار محلہ حضرت صاحبزادہ فضل حقؒ متصل منڈی بیری اندرون یکہ توت دروازہ پشاور شہر میں مرجع خاص و عام ہے۔ قصوری۔ بحوالہ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد' جلد اوّل مولانا سید محمد امیر شاہ قادری

''حضرت جی'' تھے جن کی ملاقات کے لیے مشتاق اور منتظر تھے۔ چنانچہ مل کر بہت خوش ہوئے۔ دریں اثنا حضرت خواجہ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ نے ارشاد کیا کہ اے دیوانے! کیا تو دوسرے شخص کو پہچانتا ہے! خواجہ فیض اللہ نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے ارشاد کیا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ ان سے ملاقات کرو اور جس چیز کی ضرورت ہو ان سے طلب کرو۔ خواجہ محمد فیض اللہؒ نے عرض کیا کہ حضور!

''مجھے جو کچھ ملنا ہے آپ ہی سے ملنا ہے، اگر خضر علیہ السلام بھی ملے ہیں تو آپ ہی کی کرم نوازی سے ملے ہیں لہذا آپ کے درِ اقدس کو چھوڑ کر کسی اور کے دروازے سے کیوں مانگوں۔''

زمانہ چھوٹ جائے لیکن تیرا در نہ چھوٹے گا
کہ ساقی تیرے میخواروں کو غداری نہیں آتی

آپ کو یہ بات بہت پسند آئی اور خواجہ محمد فیض اللہ کو گلے لگالیا اور سینہ روشن کردیا۔

وفات

آپ کی وفات حسرت آیات 7 ذی الحجہ 1220ھ بمطابق 26 فروری 1806ء کو ہوئی۔ مرقدِ انور موضع ''چودھواں'' علاقہ گنڈہ پور تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحد) میں زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے یادگار چھوڑے۔

(1) خواجہ پیر محمد

(2) خواجہ جان محمد

(3) خواجہ علی محمد

جب وقتِ وصال قریب آیا تو دو صاحبزادے خواجہ جان محمد اور خواجہ علی محمد بقیدِ حیات تھے۔ آپ نے دونوں کو وصیت فرمائی کہ تم میرے بعد خواجہ محمد فیض اللہ سے تجدید بیعت کرنا اور اُس وقت تک اُن کی خدمت بابرکت میں رہنا جب تک کہ تصوف کی تمام منازل طے نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حسب وصیت دونوں صاحبزادے حضرت خواجہ محمد فیض اللہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور تجدید بیعت کر کے چھ ماہ تک وہاں قیام فرما رہے اور اکتسابِ فیض باطنی کرتے رہے۔

جب مراحل تصوف طے ہو گئے تو دونوں صاحبزادوں کو خرقۂ خلافت دے کر بعد ادب واحترام اور اعزاز و اکرام سے واپس وطن بھیجا گیا۔ بعد ازیں تاحیات تیزئی شریف (تیراہ) میں حاضر ہوتے رہے دونوں ہی صاحب باطن، صاحبِ کشف وکرامات اور صاحبِ حال تھے۔ بے شمار لوگوں نے اُن کے فیض سے استفادہ کیا۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد صاحبزادہ جان محمد سجادہ نشین ہوئے۔

(31)

حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی قدس سرہٗ

تیزئی شریف علاقہ تیراہ	1143ھ	1245ھ	تیزئی شریف علاقہ تیراہ
(افغانستان)	1730-31ء	1829ء	(افغانستان)

مادۂ تاریخ رحلت

''درِ منظومہ''	''چراغِ بابرکت''
1245ھ	1829ھ

(31) حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی کی ولادت باسعادت تیزئی شریف علاقہ تیراہ (افغانستان) میں ہوئی۔ تاریخ ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکی۔ کہتے ہیں کہ جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر پہلا حملہ کیا تو اُس وقت آپ بھرپور جوان تھے۔ اگر اُس وقت آپ کی عمر کا تعین اٹھارہ برس کیا جائے تو آپ کی پیدائش 1143ھ بنتی ہے کیونکہ احمد شاہ ابدالی نے 1161ھ میں حملہ کیا تھا، تو گویا ہم آپ کی ولادت کا سال 1143ھ (کسی حد تک) تعین کر سکتے ہیں۔

آپ کا شجرۂ نسب 34 واسطوں سے خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے اس طرح ملتا ہے۔ محمد فیض اللہ بن خان محمد بن علی محمد بن شیخ سلیمان بن سلطان شیخ الاسلام بن عبدالرسول بن عبدالحئی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ امام رفیع الدین بن شیخ نصیرالدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیرالدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ (الواعظ الاصغر) بن شیخ عبداللہ (الواعظ الاکبر) بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عبداللہ بن سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

آپ کے والد ماجد حضرت قاضی خان محمدؒ موضع شادی خیل نزد شہر کوہاٹ (سرحد) میں درس دیا کرتے تھے فتویٰ نویسی میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ فن تحریر میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ عالمِ اجل اور فاضلِ بے بدل تھے۔ حلقہ درس و تدریس اتنا وسیع تھا کہ دُور دُور سے لوگ آ کر استفادہ کرتے تھے۔ آپ نے بھی علوم متداولہ کی تعلیم والد ماجد سے حصال کر کے اکیس (21) سال کی عمر میں فراغت حاصل کر لی۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد علومِ باطنی کے حصول کے لیے پیر کامل کی تلاش ہوئی۔ چونکہ آپ شریعت مطہرہ کے سختی کے ساتھ پابند تھے اور خلاف شرع ذرہ برابر بھی بات گوارا نہ تھی لہٰذا

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
دیکھیے اب ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

پرعمل پیرا ہو کر تلاش میں نکلے۔ ایک بزرگ کی شہرت سن کر اُن کی زیارت کو گئے، وہ اُس وقت نماز میں مشغول تھے اور اُن کے پاؤں کا درمیانی فاصلہ حد شرع کے خلاف تھا۔ آپ یہ دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور اُلٹے پاؤں واپس آ گئے اور فرمایا کہ جس فقیر میں شرع کی پابندی نہیں ہے وہ مجھے کیا فیض پہنچائے گا۔

بعد ازاں ایک اور بزرگ کا شہرہ سن کر وہاں گئے تو دیکھا کہ مرید بھنگ رگڑ رہے ہیں اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ''آؤ بابا! خوب وقت پر آئے۔'' وہ فقیر صاحب کشف تھے، یہ سن کر مریدوں سے کہنے لگے کہ بھائی ان کو مت پلاؤ۔ یہ تو

نماز میں پاؤں کے خلافِ شرع معمولی فاصلہ سے بھاگ ہیں۔ یہاں تو فرسنگوں اور کوسوں کا فاصلہ ہے یہاں یہ کیونکر آنے لگے ہیں۔ان کا حصہ تو حافظ محمد جمال اللہ رامپوری صاحب کے پاس ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی کے حملے کی خبر سن کر آپ نے فنون سپہ گری کی تربیت حاصل کی اور احمد شاہ ابدالی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ نہایت ہی قلیل عرصہ میں سپہ سالاری کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر قلعہ رام پور میں تعینات ہو گئے۔ ماہانہ تنخواہ کا اکثر حصہ فقراء وصلحاء کی خدمت میں نذر کر دیتے تھے۔اپنی گوناگوں خوبیوں اور قدسی صفات کی بدولت ادب واحترام کے مستحق گردانے جاتے تھے اور ہر کوئی دیدہ ودل فرشِ راہ کرتا تھا۔

جیسا کہ شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ کے حالات طیبات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک دن حضرت اقدس (شاہ جمال اللہ) قلعہ کی سیر کو نکلے تو اُن کے ساتھ بہت سے خلفاء وحاضرین تھے۔ جب آپ نے حضرت اقدس شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ کو ایک نظر دیکھا تو دل کا دروازہ کھل گیا۔ دل کا دروازہ کھلنا ہی کرم کی علامت ہوتی ہے۔ کرم کا ہاتھ اُٹھا اور صدا مقبول ہوئی۔ فوراً قلعہ کی دیوار سے اُترے اور حاضر خدمت ہو کر سر قدموں میں رکھ دیا۔ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو عجیب کیفیت تھی۔

دل سے تیری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کرنے کی استدعا کی۔ میخانہ مرشد سے ایک لازوال نشہ اور سرشاری عطا ہوئی۔ بیعت کرنے کے بعد شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ نے آپ کو حضرت شاہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا کہ اس کی تکمیل تمھارے ذمے ہے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ اپنے وطن مالوف واپس ہوئے تو خواجہ محمد فیض اللہ ؒ کو حضرت شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر باشی پر مامور کر دیا۔ آپ نے ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور ہمہ تن مرشد گرامی کی خدمت میں کمربستہ ہو گئے۔ چار سال خدمت میں رہنے کے بعد حضرت شاہ محمد جمال اللہ نے آپ کو وطن واپس جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس طرح آپ قریباً اٹھارہ سال بعد وطن واپس آئے تو کوہاٹ شہر کے نواحی گاؤں ڈوڈہ (داور شریف) میں تشریف لائے جہاں آپ کے بزرگوں کے واقف کار لوگ رہتے تھے اُن دنوں وہاں تپ شدید کی وبا پھیلی ہوئی تھی بدین وجہ خلقت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعویذات ودَم کرانا شروع کر دیا۔ جو کہ بہت اثر پذیر ثابت ہوا۔ آپ وہاں چھ ماہ ٹھہرے اور خلق خدا کو ظاہری وباطنی فیض سے نوازا۔

دورانِ قیام قاضی عبدالحمید مفتی علاقہ کوہاٹ نے اپنی صاحبزادی آپ کے نکاح میں دینے کی خواہش ظاہر کی جو علم فقہ وحدیث میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتی تھی۔ آپ نے ارشاد کیا کہ میں آج استخارہ کروں گا اور مجھے جو کچھ حکم ہوگا، اُس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ کو استخارہ میں اشارہ ہوا کہ یہ نکاح سرزمین ہند کے لیے باعث برکت و رحمت ہوگا اور اس کے نور سے اردگرد کے ملکوں میں روشنی پھیلے گی چنانچہ استخارے کی یہ خبر سن کر مفتی صاحب بہت خوش

ہوئے اور آپ سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا پھر آپ اپنے گھر تیزئی شریف علاقہ تیراہ (افغانستان) تشریف لے گئے۔

آپ کی پہلی بیوی جو کہ آپ کے والد مکرم کی حیاتِ مبارکہ میں نکاح میں آئی تھیں کے بطن سے ایک لڑکی بھی تھی جواب انیس (19) برس کی ہو چکی تھی۔ جب آپ اپنے مکان پر پہنچے تو پہلی بیوی نے اٹھارہ برس کی طویل مدت کے بعد آپ کو دیکھا تو پہچاننے سے انکار کر دیا کہ آپ جوانی کے عالم میں لباسِ سپہ گری میں گھر سے روانہ ہوئے تھے ڈاک کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے اپنی خیریت کی کوئی اطلاع گھر نہ دے سکے تھے۔ پہلی بیوی نے کہا کہ میں کیسے یقین کروں کہ آپ میرے خاوند ہیں۔ میں غیر محرم کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔

اس طرح تین ماہ تک آپ اپنی چھوٹی بیوی صاحبہ کے ہمراہ دوسری جگہ اُسی گاؤں میں رہے اتفاقاً ایک دن ایک جنازہ پر مولوی شیر محمد رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی جو ایام تعلیم میں آپ کے ہم درس رہے تھے آپ نے مولوی صاحب کو تمام ماجرا سنایا کہ قدرت الٰہی ہے کہ کوئی شخص مجھے پہچان نہیں رہا ہے اور تو اور بیوی نے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا اور مجھے غیر محرم گردانتے ہوئے گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اب اپنے ہی گاؤں میں ایک مسافر کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

مولوی شیر محمد رحمتہ اللہ علیہ اپنے گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور بتایا کہ یہ خواجہ محمد فیض اللہ ہی ہیں۔ میں نے عرصہ تک ان کے والد بزرگوار کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا ہے اور یہ میرے ہم سبق رہے ہیں۔ یہ سن کر سب لوگوں کو تصدیق اور اطمینان ہوا اور آپ کی پہلی بیوی نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی اور سب خوش و خرم رہنے لگے۔ دونوں بیویاں باہم شیر و شکر ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ فرزندوں سے نوازا جو سب کے سب برگزیدہ اور صاحبِ باطن تھے۔

خواجہ نور محمد، خواجہ گل محمد، خواجہ جان محمد، خواجہ صالح محمد، خواجہ محمد نور، رحمتہ اللہ علیہم۔

آپ کی بہت سی کرامات زبان زدِ عام ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں:

1- ایک دفعہ دورانِ سفر آپ تھک کر بیٹھ گئے۔ چند مسافر اور بھی آ کر وہاں ٹھہر گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ اُن میں سے ایک نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کون شخص ہے! دوسرے نے کہا کہ کوئی فقیر درویش ہوگا! تیسرے نے کہاں کہ اگر یہ فقیر ہوتا تو وہ سامنے والا خشک درخت، سرسبز نہ ہو جاتا۔ یہ سن کر آپ نے دعا فرمائی تو وہ درخت اُسی وقت سرسبز و شاداب ہوگیا۔ پھول پھل بھی لگ گئے۔

2- تیزئی شریف میں مسجد کے قریب ایک بلند چبوترے پر زیتون کے دو بڑے موٹے موٹے درخت تھے جو کہ عرصہ دراز سے خشک ہو گئے تھے۔ آپ ان درختوں کے سہارے بیٹھ کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی پانی نوش فرماتے تو باقی ماندہ پانی ان کے دامن میں ڈال دیتے تھے۔ آپ کی برکت سے دونوں درخت ایک ماہ کے اندر اندر سرسبز و شاداب ہو گئے اور اب تک اُسی حالت میں موجود ہیں ہزاروں لوگ زیارت کر چکے ہیں۔

3- پانی کی سخت قلت و تکلیف کی وجہ سے تیزئی شریف کے لوگوں نے عرض کیا کہ دُعا فرمائیے کے اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم سے کہیں سے چشمہ نکل آئے۔ آپ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ کھودو۔ حسب الحکم عمل کیا گیا۔ ابھی چند گز ہی زمین کھودی گئی تھی کہ آبِ شیریں کا ایک چشمہ نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ آپ کے کشف و کرامات کے قائل ہو گئے اور بہت سے مخالف لوگ بھی حلقہ میں داخل ہو کر سعادتِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ وہ چشمہ تا حال جاری و ساری ہے۔

4- ایک دفعہ آپ کوہاٹ میں حضرت خواجہ آدم بنوری قدس سرہٗ کے خلیفہ حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حوض کے کنارے جلوہ افروز تھے کہ پاس سے ایک شخص شہزادہ میاں نامی نے ٹھنڈی آہ بھر کر آواز بلند کہا۔ آہ! افسوس! کہ کوئی مردِ کامل نظر نہیں آتا۔ تین مرتبہ یہی کلمہ کہا۔ چوتھی مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میاں! کامل تو بہت ہیں طالب کوئی نہیں۔ تب شہزادہ میاں نے اپنے زخمی پاؤں کے اُوپر سے کپڑا کھول کر عرض کی کہ حضرت! طالب تو میں ہوں جو تیس سال کسی کامل شیخ کی تلاش میں جنگلوں، پہاڑوں اور بیابانوں میں سرگرداں رہ کر اور خاک چھان کر پتھروں کی ٹھوکروں سے اپنے پاؤں کو زخمی کر چکا ہوں۔ آپ کو اس حالت زار پر رحم آ گیا اور حجرے میں لے جا کر اُس کے پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار پڑھا کر ذکر کی تلقین کی۔ پھر وہی شہزادہ میاں آپ کی محبت کی برکت سے ایسے کامل ہوئے کہ ہزارہا مخلوقِ خدا اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوئی۔

حضرت بابا جی فقیر محمد چوراہی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے بچپن میں شہزادہ میاں کو دیکھا، اُن کی یہ حالت تھی کہ عشاء کی نماز پڑھ کر حبسِ دم کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور تہجد کی نماز کے وقت دم چھوڑتے۔ اس حبسِ دم کی وجہ سے اُن کی پسلیوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ جب وہ سردی کے دنوں میں اپنا کرتہ اتار کر دھوپ میں ڈالتے تھے تو اُن کے سوراخ دیکھ کر ہم انگلیاں ڈال کر خوش طبعی کیا کرتے تھے۔

آپ نے اپنی زندگی مبارک کا بیشتر حصہ دور دراز کے سفر میں گزارا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر سعادتِ دین و دنیا سے مشرف ہوئے۔ آخری عمر میں کافی کمزور ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے پالکی میں سوار ہو کر سفر فرمایا کرتے تھے زبان اقدس میں اتنی تاثیر تھی جو کچھ بھی ارشاد فرماتے پورا ہو جاتا اور جو صاحب حاجت دُعا کرواتا تھا، اُس کی دُعا بفضل خدا پوری ہوتی تھی۔ آپ کی زبان مبارک نہایت شیریں اور شخصیت جاذبِ نظر تھی۔ اکثر لوگ تو روئے انور کو دیکھ کر ہی بیعت کر لیتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات 8 ربیع الاوّل 1245ھ بمطابق 1829ء میں ہوئی۔ مزار مقدس تیزئی شریف علاقہ تیراہ (افغانستان) میں ہے۔ جہاں آج بھی عقیدت مند حاضر ہو کر روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

(32)

حضرت خواجہ نُور محمد چوراہی قدس سرہٗ

تیزیٔ شریف (افغانستان)	1179ھ	1286ھ	تیزیٔ شریف علاقہ تیراہ
	1765-66ء	1869ء	(افغانستان)

مادۂ تاریخ رحلت

''غفور''

1286ھ

''فروغ''

1286ھ

''خورشید مجدّدی''

1286ھ

(32) حضرت خواجہ نُور محمد چوراہی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ نور محمد المعروف بابا جیو کی ولادت باسعادت 1179ھ میں موضع تیزئی شریف مضافات تیراہ (افغانستان) میں ہوئی۔ آپ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ قدس سرہٗ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ فیضِ باطنی والد گرامی سے ہی حاصل کیا تھا آپ کا شجرۂ نسب 35 واسطوں سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ مادرزاد ولی تھے۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ قدس سرہٗ کی دو بیویاں تھیں بڑی سے صرف ایک صاحبزادی تھی جب کہ دوسری بیوی کی ابھی تک کوئی اولاد نہ تھی۔ پہلی بیوی نے بارگاہ ایزدی میں منت مانی تھی کہ اگر ہمارے گھر فرزندِ ارجمند پیدا ہوا تو میں تادم واپسیں روزانہ ایک سو نوافل ادا کیا کروں گی جب کہ چھوٹی بیوی نے یہ وعدہ کیا اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اولادِ نرینہ عطا فرمائی تو میں بڑی بیوی کو پیش کر دوں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دُعا قبول فرمائی اور چھوٹی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام والد بزرگوار نے نور محمد رکھا اور فرمایا کہ یہ لڑکا امام ربانی مجدد الف ثانیؒ قدس سرہٗ کا متبع ہوگا اور اس سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو فروغ حاصل ہوگا۔

آپ نے علوم دینیہ کی اکثر کتابیں حضرت مولانا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور اُنہیں سے ہی تکمیل کی۔ اپنی والدہ ماجدہ سے بھی ابتدائی کتب و کتب فقہ پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد امین آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ محمد فیض اللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز بھی تھے لہٰذا آپ نے تصوف میں بھی اُن سے استفادہ کیا۔ پھر والد گرامی قدر سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ چونکہ علوم ظاہری و باطنی میں مہارت تامہ اور شہرت عامہ حاصل تھی لہٰذا لوگ اپنی الجھنیں لے کر حاضر ہوتے اور آپ آن کی آن میں تمام گتھیاں سلجھا دیتے۔ اسی دوران میں آپ نے اپنے قلم سے قرآن مجید کا ایک نسخہ مکمل کیا جو آج بھی دربار عالیہ چورہ شریف میں پیر سردار شاہ صاحب کے پاس موجود ہے۔ اور اس کے آخر میں یہ الفاظ رقم ہیں:

"قرآن مجید بدست خواجہ نور محمدؒ 2 ربیع الثانی 1237ھ از شاگردِ آں میاں نصر اللہ نور اللہ مرقدہٗ ساکن کھودو پور۔"

جب آپ سجادہ نشین ہوئے تو سب سے پہلے آپ کی خدمت میں دو افغان بھائی اللہ نور اور عجب نور حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے اور آپ کی خصوصی توجہ کے باعث سلوک و معرفت کی تمام منزلیں جلد طے کر کے منصبِ اجازت و خلافت پر بھی فائز ہو گئے۔ اُن کا فیض اتنا عام ہوا کہ لوگ گروہ در گروہ داخل سلسلہ ہونے کے لیے آتے تھے اور ان کو فرصت نہ ملتی تھی۔ یہ دونوں بھائی صاحب کشف و کرامات تھے۔

حضرت خواجہ نور محمد قریباً اسی (80) سال تیزئی شریف میں فرد کش رہے اور ہزاروں تشنہ لوگوں کو فیض و کرم، رُشد و ہدایت اور عشق و محبت کے چشموں سے سیراب کیا۔ آج بھی اُن کے فیض کا ڈنکا بج رہا ہے۔ جب آپ کے رُوحانی کمالات کا شہرہ عام ہوا تو بعض لوگ حسد و بغض کی آگ میں جل کر درپئے آزار ہو گئے آپ تمام باتوں کو خندہ پیشانی سے

برداشت کرتے رہے مگر حاسدین کی معاندانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ چپری نامی گاؤں کا ایک حاسد مولوی ولی خان بغض و عناد کی آتشِ کا شکار ہو کر جگہ جگہ لوگوں کو آپ کے خلاف ورغلاتا اور بہکاتا پھرتا تھا کہ "آپ کی خدمت میں کوئی نہ جائے کیونکہ آپ کا طریقہ (سلسلہ نقشبندیہ) اچھا نہیں ہے"۔

ولی خان کی ان خرافات سے ناواقف وسادہ لوح افغان مشتعل ہو کر آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور پنجاب سے آنے والے آپ کے عقیدت مندوں کو پریشان کرنے اور لوٹنے لگے۔ جب صورت حال انتہائی بگڑ گئی تو آپ نے ولی خان کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ "اگر میرے عقیدہ، عمل اور قول وفعل میں کوئی شرع سقم ہے تو مجھے آگاہ کرو ورنہ اس فضول اور بلاوجہ مخالفت سے باز آؤ۔" ولی خان تو محض حسد کا مارا ہوا تھا، عقیدے اور قول وفعل کی خرابی کیا بیان کرتا۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ آپ کے مریدوں کو تنگ کرنے لگا۔ آخر کار احباب واعزہ کی تکالیف برداشت کرنا مشکل ہو گیا تو آپ موضع دراوڑ (تیزئی شریف سے 15 میل دعور) تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے 247ھ میں 75 میل دُور چورہ شریف ضلع اٹک (پنجاب) میں قدومِ میمنت لزوم فرما کر مستقل رہائش اختیار کر لی اور یہیں 12 شعبان 1284ھ بمطابق 17 نومبر 1869ء کو رحلت فرمائی۔ خلیفہ مولوی مست علی ساکن متراں والی ضلع سیالکوٹ نے یہ قطعہ تاریخ وصال کہا۔

رفت نورِ محمد از دنیا
کہ ہم عمر خود نگفتہ دروغ
مست مسکین کہ ہست خادمِ اُو
سال تاریخ اُو بگفت "فروغ"
1286ھ

آپ کے چاروں صاحبزادے خواجہ احمد گل، خواجہ فقیر محمد، خواجہ دین محمد اور خواجہ شاہ محمد قدس اسرارہم باکمال تھے۔ یہ ہر چہار حضرات آپ کی رحلت کے بعد مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ فقیر محمدؒ موجود تھے اور سرِ مبارک آپ کا اُن کے زانو پر تھا اور انھوں نے بدستِ خود تجہیز و تکفین کی اور مبارک ہاتھوں سے آپ کو لحد شریف میں لٹایا اور آپ کا جو کچھ فیض باطنی اور خزانہ مخفی تھا وہ اُسی وقت اُن کو عطا کیا گیا۔

یوں تو آپ کے تمام خلفاء ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر خواجہ انور خٹکی، خواجہ شاہ نامدار ھنتیالیوی المعروف ہادی نامدار خواجہ محمد منیر ہوشیار پوری اور حافظ عبداللطیف قصہ خوانی رحمتہ اللہ علیہ آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور ایک عالم نے اُن سے روحانی فیض پایا:

آپ کی کرامات بے حد وحساب ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1- آپ کے ایک مخلص عقیدت مند مستری جان محمد موضع کنٹ کے ہاں اولاد نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ نہایت پریشان رہتا تھا۔ ایک روز خیال آیا کہ میرا یہ تمام ساز وسامان، آلاتِ آہنگری اور مال ودولت کس کام کے ہیں جب کہ

میرے بعد ان کو کام لانے والا میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ خیال آتے ہی اپنے قدیمی یارِ طریقت میاں نیک محمدؒ کی معیت میں بمہ آلات ہنگری آپ کی خدمت میں دراڈر شریف حاضر ہوا اور حالِ دل عرض کیا اور روئے ہوئے کہا۔

رحم کن برما کہ ناکارہ ایم

چارہ ماکن کے بے چارہ ایم

ہم پر رحم کر کہ ہم ناکارہ ہیں۔ ہمارا چارہ کر کے ہم بغیر چارہ کے ہیں۔

1- آپ نے بکمال شفقت اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اللہ رب العزت عنقیرب تمھیں اپنی عنایات، نوازشات اور کرم نوازیوں سے مشرف فرمائے گا۔" بوقتِ پھر دُعا فرمائی اور ارشاد کیا کہ "اللہ تعالیٰ تمھیں دو بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائے گا۔ پہلے بیٹے کا نام سلیمان، دوسرے کا غلام محمد اور بیٹی کا نام عائشہ بی بی رکھنا۔ لیکن افسوس کے سلیمان تمھیں داغ مفارقت دے جائے گا جب کہ غلام محمد صاحب اولاد ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

2- مذکورہ بالا مستری جان محمد کو اُس کے گاؤں کا ایک شخص ناجائز تنگ کرتا تھا اور نقصان پہنچاتا تھا۔ آپ نے خواب میں چند مخلفین کو مشرف بزیارت کر کے تاکید فرمائی کہ فلاں آدمی ہمارے جان محمد کو تنگ کرتا ہے۔ اُسے منع کرو ورنہ اُس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ سب لوگوں نے اُس شخص کو باری باری سمجھایا لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ جان محمد کے درپئے آزار ہو گیا۔ چند دن بعد گاؤں کے بہت سے لوگ ایک جگہ تماشہ دیکھنے جارہے تھے، وہ شخص بھی اپنی گھوڑی پر سوار تھا کہ راستے میں گھوڑی نے اُسے ایسا گرایا کہ اُس کا تمام جسم چکنا چور ہو گیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ گیا۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن!

کہ در شریعتِ ماغیر ازیں گناہے نیست

تو جو کچھ چاہتا ہے کر مگر کسی کے درپئے آزار نہ ہو کہ ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں ہے۔

3- ایک دفعہ آپ پنجاب کے مختلف مقامات کا دورہ فرما کر واپس تشریف لے جارہے تھے۔ جب دریائے سندھ کو عبور کرنے کے لیے دوڑا۔ دریں اثنا کشتی چل پڑی تو اُس نے ملاح کو آواز دی کہ ذرا کشتی روکنا۔ ملاں نے کشتی کھڑی کر دی تو بابا جمال کنارے پر کھڑا ہو کر روپیہ نذر کرنے لگا۔ جلدی میں اُس کے ہاتھ سے روپیہ دریا میں گر گیا اور وہ پریشان ہو کر رونے لگا کہ وائے قسمت میری نذر قبول نہیں ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آہ و زاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خلوصِ دل سے دیا ہوا نذرانہ بارگاہِ ایزدی میں قبول ہو چکا ہے تلاش کرو روپیہ ضرور مل جائے گا۔

بابا جمال نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو پہلی مرتبہ ہی روپیہ اُس کے ہاتھ لگا اور آپ کی خدمت اقدس میں بطور نذر پیش کیا۔ یہ آپ کی زبان سے نکلی ہوئی بات تھی کہ روپیہ مل گیا ورنہ کہاں دریائے سندھ کی طوفانی موجیں اور

کہاں اُس کی گہرائی میں روپیہ کی تلاش۔

یہ منظر دیکھ کر تمام حاضرین متعجب و ششدرہ رہ گئے اور طوقِ غلامی سے مشرف ہو کر داخل طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ہوئے۔ فقیر بابا جمال کو اُسی روز جذب و مستی کی حالت وارد ہوگئی اور وہ تمام وقت اسی سرشاری میں زبانِ حال سے کہتا پھرتا۔

ہر ایک نے تجھے اپنی نظر سے پہچانا
جدا جدا ہے تیرا انداز دلبریائی کا

4- ایک مرتبہ محمد شاہ نامی شخص صحبتِ بداں میں گرفتار ہوا۔ آپ کی صاحبزادی کا زیور اور تلوار چوری کر کے لے گیا۔ آپ کی خدمتِ عالیہ میں اطلاع کی گئی تو آپ نے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ محمدؒ کو فرمایا کہ ''محمد شاہ کا پتہ لگاؤ''۔ اُنھوں نے پتہ کر کے عرض کیا کہ وہ موضع ''چنگی'' چلا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ ''صبح سے پہلے پہلے اُس سے ملو اور کہو کہ زیور اور تلوار واپس دے دے اور ان شاء اللہ اُس کی زندگی میں کل کا دن آخری دن ہے۔''

حضرت شاہ محمدؒ حسب الحکم تلاش میں نکلے اور نماز ظہر سے قبل ہی اُس سے زیور اور تلوار واپس لے گئے آپ کے ارشاد کے مطابق عصر کی نماز کے وقت اُس کی گردن پر ایک سرخ رنگ کی ذرا سی علامت ظاہر ہوئی۔ وہ اُسی وقت کہنے لگا کہ یہ آپ کی بددُعا کا اثر ہے اور یہ میری موت کی نشانی ہے۔ چنانچہ وہ نماز عشاء سے پہلے ہی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

5- ایک دفعہ آپ تیزئی شریف کے نواحی گاؤں ''لحاظ'' میں تشریف لے گئے گاؤں کے لوگوں نے پینے کے پانی کی قلت و تکلیف کا ماجرا عرض کر کے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اچھا آج ہم استخارہ کریں گے تم لوگ بھی استخارہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوگا اُس پر عمل کریں گے۔ سب لوگ نماز فجر کے بعد حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے کہ حضور! آپ کی طرف سے ہماری مشکل حل ہونے کا اشارہ ہے۔ ہم حاضر ہیں۔ جیسا آپ حکم فرمائیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اور دوستوں کو ساتھ لے کر مسجد سے پہاڑ کے دوسرے گوشے کی طرف تشریف لے گئے۔ قریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رک گئے اور ارشاد فرمایا کہ بس اسی جگہ ٹھہرنے کا حکم ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اسی جگہ سے ہی ہمارا مقصد و مدعا حاصل ہوگا۔

آپ نے اُس جگہ دو نفل ادا کیے اور کدال دستِ مبارک میں پکڑ کر زمین کھودنا شروع کر دی، نیچے سے ایک پتھر نکلا۔ آپ نے بسمہ اللہ پڑھ کر تین ضربیں لگائیں، پتھر اپنی جگہ سے ہلا۔ اتنے میں عقیدت مندوں کے ہجوم نجوم نے کھدائی کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور آدھ گھنٹہ کی سعی بلیغ کے بعد پتھر کو باہر نکالا اور اس جگہ سے نہایت ہی عمدہ، شیریں اور شفاف پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق کھدائی کر کے پانی آبادی کی طرف لے جانے کا کام شروع کر دیا گیا۔ آپ نے اس جگہ پر تین گائے کی قربانی دی۔ نماز عصر تک پانی موضع ''لحاظ''

تک پہنچادیا گیا اور اسی پانی سے وضو کر کے نماز ادا کی گئی۔

مسجد سے آگے پانی کے گزرنے میں ایک بہت بڑا پتھر حائل تھا۔ پانی کو دوسری طرف سے گزارنے کے لیے ایک زمیندار سے کہا گیا کہ وہ اپنی زمین سے پانی کو گزرنے دے مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ سب حاضرین حیران و پریشان تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ غم وفکر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ خود ہی پانی گزرنے کا راستہ بنادے گا۔ چنانچہ نصف شب ایک بہت بڑا آوازہ آیا جس سے لوگوں کے دل دہل گئے۔ سب لوگ پیر و جواں اور خورد و کلاں جاگ اُٹھے اور پھر تمام شب انھیں نیند نہیں آئی۔ صبح نماز کے لیے مسجد میں گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس پتھر میں تین گز مربع (مدور شکل) کا سوراخ ہو چکا ہے اور اُس سے پانی گزر رہا ہے۔ سچ ہے کہ ؂

اولیاء راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

(رومی)

اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت بخشی ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے تیر کو راستے سے واپس لا سکتے ہیں۔

یہ چشمہ اب تک جاری و ساری ہے اور بے شمار لوگ اس کی زیارت کر چکے ہیں۔ حضرت خواجہ پیر محمد شفیعؒ سجادہ نشین چورہ شریف کا ارشاد ہے کہ جب وہ 1951ء میں چند احباب کے ہمراہ تیراہ شریف تشریف لے گئے تھے تو وہ چشمہ بدستور موجود تھا۔

-6 ایک مرتبہ آپ دریائے اٹک (دریائے سندھ) کو عبور کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے۔ اتفاق سے اُس کشتی میں سولہ سکھ سپاہی بھی سوار تھے۔ سکھ سپاہیوں میں سے ایک سپاہی بڑی گستاخی سے بولا اور کہا کہ "حضرت آپ تختہ کے نیچے کھڑے رہیں تاکہ ہمارے کھانے کی چیزیں آپ سے نہ چھو جائیں"۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو چُھو جانے کی تکلیف سے بچائے۔ دریں اثنا کشتی روانہ ہوئی تو دورانِ سفر چند مسائل پر گفتگو ہوئی۔ آپ نے اپنے خاص اندازِ محبت سے سکھوں کو مسائل سمجھائے ابھی آپ کی کشتی کنارے نہ پہنچی تھی کہ آپ کی کرامت سے تمام سکھ سپاہی مشرف با اسلام ہو گئے۔ دریا کے کنارے موضع "خوشحال گڑھ" میں پہنچ کر سب نے حجامت بنوا کر نماز ظہر ادا کی۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

عارفِ کامل حضرت میاں محمد جہلمی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی کیا خوب کہا ہے ؂

مرد ملے تے درد نہ چھوڑے او گن دے گُن کردا
کامل پیر محمد بخشا لعل بناون پتھر دا

ارشاداتِ قدسیہ

1- ایک دن ایک درویش نے عرض کیا کہ حضور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ دوسرے لوگ صدہا ریاضات و مجاہدات کر کے بھی اس قدر جوش عشق و محبت اور جذب و فیض حاصل نہیں کر پاتے جس قدر آپ کے غلام و خدام چندروز میں حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''دوست یا اولاد اُس شخص کی تنگ دست ومحتاج ہوتی ہے جن کا باپ یا رفیق غریب و مفلس ہو اور جن کا باپ، رفیق مالدار ہو اُن کو زیادہ تر خلوص و محبت کی ضرورت ہے، محنت کی چنداں حاجت نہیں۔''

2- فرمایا کہ آدمی کو دو چیزیں درست اور دو چیزیں شکستہ چاہئیں۔ درست چیز یہ کہ (ا) دین درست (ب) یقین درست، شکستہ چیزیں یہ کہ (ج) دست شکستہ (د) پا شکستہ۔

(ا) دین درست سے مراد یہ ہے کہ قولاً فعلاً اعتقاداً شریعت کے موافق ہو۔

(ب) یقین درست کے معنی مواعید الٰہی پر پورا پورا یقین ہو۔

(ج) دست شکستہ کا مطلب یہ کہ اشارۃً یا صریحاً کسی سے کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

(د) پا شکستہ کا مطلب یہ کہ کسی کے پاس کسی غرض سے نہ جاوے یعنی محتاجی نہ کرے۔

3- فقر و فاقہ کمال طریقہ ہے۔

4- فقیر کے ''ف'' سے مراد ''فاقہ''، ''ق'' سے مراد ''قناعت''، ''ر'' سے مراد ''ریاضت'' ہے اور ''ی'' سے مراد ''یادِ الٰہی'' ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اُمور بجا لاوے تو ''ف'' سے ''فضل الٰہی''، ''ق'' سے ''قربِ مولا''، ''ی'' سے ''یاریٔ خدا'' اور ''ر'' سے ''رحمت الٰہی'' مراد ہے۔ حاصل ہو۔ ورنہ ''ف'' سے ''فضیحت''، ''ق'' سے ''قہر الٰہی''، ''ی'' سے ''یاس'' اور ''ر'' سے ''رسوائی'' ملے۔

5- طالبِ ذوق و شوق اور کشف و کرامت طالبِ خدا نہیں۔

6- جس طرح طلبِ حلال مومنوں پر فرض ہے اسی طرح ترکِ حلال عارفوں پر فرض ہے کیونکہ درویشوں کی فاقہ کی رات معراج کی رات ہے۔

7- جو مخدوم بننا چاہتا ہے، اُس کو چاہیئے کہ پیر کی خدمت کرے کیونکہ۔

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد
ہر کہ خود را دید اُو محروم شُد

جس کسی نے خدمت کی وہ مخدوم بن گیا اور جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ محروم رہا۔

8- رضائے پیرو مرشد سببِ قبولیت خلق و خالق ہے۔ آزردگئ پیر سببِ نفرتِ حق اور خلق ہے۔

9- پیر کی رضا سے وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کسی مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

10- ہر روز پچیس ہزار (25000) مرتبہ اسم ذات کا ذکر ضروری ہے۔

11- فقیر دل کی مراد سے خالی ہونے کو کہتے ہیں نہ کہ ہاتھ کے خالی ہونے کو۔

12- لوگوں کے عیب کو نیکی کی طرف تاویل کرو اور اپنی اچھی باتوں کو عیب کی طرف تاویل کرو۔

13- میں تو ہر ایک کو نیک ہی جانتا ہوں۔ جیسا کہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

مرا پیرِ دانائے مُرشد شہاب

دو انداز فرمود بر روئے آب

میرے دانا پیرو مرشد حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ نے دریا کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں فرمائیں۔

یکے آں کہ برخویش خود بیں مباش

دوم آنکہ بر غیر بدبیں مباش

پہلی یہ کہ تو خود پسند اور خود بین نہ بن۔ دوسری یہ کہ غیر کو بری نظر سے نہ دیکھ۔

14- طالبانِ حق کو چاہیئے کہ ایک لمحہ جناب الٰہی سے غافل نہ ہو تا کہ توجہ الی اللہ بے مزاحمتِ اغیار ہو کہ اسی کو دوامِ حضور بھی کہتے ہیں اور کوئی مقصود سوائے اللہ تعالیٰ دل میں نہ رہے۔

15- جو شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے آخرت سے محروم رکھتا ہے کیونکہ دوستانِ الٰہی کے لیے دنیا راحت کی جگہ نہیں۔ راحت کی جگہ تو آخرت ہے۔

16- ترکِ دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ اسباب سے۔

17- طلابِ مولا کو سوائے ذاتِ باری کے کسی اور سے محبت نہیں ہونی چاہیئے۔

18- سب سے بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔

19- ذکرِ اسم ذات سے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نفی اثبات سے سلوک۔

20- جس قدر طالب میں شکست و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر فیض اُس پر زیادہ وارد ہوتا ہے۔

21- سالک کو چاہیئے کہ نیچی نظر رکھ کر چلا کرے۔

خوئے سگاں ہست بہر سُو نگاہ

شیر سر افگندہ رود سوئے راہ

کتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر طرف دیکھتے ہیں۔ جب کہ شیر سر کو جھکا کر راستہ میں چلتا ہے۔

-22 زیادہ بولنا اور ہنسا غفلت سے ہے۔

-23 سلوک حاصل کرنے کی چند شرطیں ہیں۔ استعداد کامل، پیر کامل اور فیض الٰہی۔

-24 ایک مراد ہوتے ہیں ایک مرید۔ مراد وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچے اور مرید وہ ہے جو خود محنت و ریاضت کر کے مقام حاصل کرتے ہیں۔

-25 مدارِ کار دو چیزوں پر ہے۔ اوّل، محبتِ پیر۔ دوم، اتباعِ شریعت۔

-26 رُستگاری عبادت میں نہیں گناہوں سے بچنے میں ہے۔

-27 فقر بڑی دولت ہے یہ دولت جس قدر ہو سکے پوشیدہ رکھنی چاہیئے۔

-28 خواہ دوست ہو یا دشمن سب سے اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔

(33)

حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی قدس سرہٗ

تیزئ شریف (افغانستان)	1213ھ / 1798-99ء	1315ھ / 1897ء	چورہ شریف ضلع اٹک

مادۂ تاریخ رحلت

"غفرلہ"

1315ھ

"برحمت خداوند"

1315ھ

"بلبل زِباغِ ارم"

1315ھ

(33) حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ فقیر محمد المعروف بابا جی تیراہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت خواجہ نور محمد تیراہی چوراہی قدس سرہٗ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت 1213ھ میں اُن کے جدامجد حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی (م 8 ربیع الاوّل 1240ھ) کی زندگی میں تیزئی شریف نزد تیراہ (افغانستا) میں ہوئی تھی۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے۔ جس کی تفصیل آپ کے جدامجد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی قدس سرہٗ کے حالات میں دی جا چکی ہے۔

آپ پیدائشی ولی اللہ تھے۔ جس دن آپ کی ولادت ہوئی، اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ نہ پیتے تھے۔ یہ معاملہ سن کر جدامجد خواجہ محمد فیض اللہ تشریف لائے تو آپ کے روئے انور کو دیکھ کر فرمایا کہ:

"یہ تو ابھی سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے"۔

چنانچہ انھوں نے اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں ڈال دی جسے آپ دیر تک چوستے رہے اور پھر والدہ ماجدہ کا دودھ پینا بھی شروع کر دیا۔ اسی طرح سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی مبارک واعظم نسبت روزِ اوّل سے ہی آپ کو عنایت فرمادی گئی۔ جدامجد نے ارشاد فرمایا کہ یہ لڑکا بڑا نیک بخت ہوگا اور اس کے وجود سے خلق خدا کو بہت فیض پہنچے گا۔ آپ کا چہرہ مبارک اُسی روز سے انوارِ الٰہی کی تابانیوں سے آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکتا تھا۔

آپ نے علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت خواجہ نور محمدؒ سے ہی حاصل کی تھی۔ ایام صغرسنی سے ہی ذکر وفکر و مراقبہ واتباعِ شریعت میں مصروف و مشغول رہتے تھے اور تمام امور میں والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

بچپن سے ہی آپ کے سراقدس پر بلندی کا ستارہ چمکتا تھا۔

قطع ماسویٰ اللہ کا طریق آپ کو پہلے ہی مرغوب تھا۔ والد ماجد کے ساتھ ابتدا ہی سے صحب و رابطہ حاصل تھا جس کی وجہ سے آپ کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے، طریق کلام اور اخلاق و اعمال وغیرہ میں بالکل متحد الاوصاف ہوگئے تھے۔ غریبوں، مسکینوں اور مفلسوں کی مجلس وصحبت میں زیادہ خوش رہتے تھے۔ پابندیٔ شریعت میں بے مثال تھے۔ آپ کی علمیت کا یہ حال تھا کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف کے جدا جدا اسرار و رموز بیان فرماتے تھے جسے سن کر بڑے بڑے علماء انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ اپنے وقت کے ابدال شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کو وہ کمالات حاصل تھے جو دوسروں کو عشرِ عشیر بھی نصیب نہ ہوئے تھے۔

آپ کی انہی ظاہری و باطنی کمالات کے پیش نظر آپ کے والد گرامی قدر نے بیس سال کی عمر میں خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور آپ اپنے برادرِ اصغر حضرت خواجہ دین محمد چوراہی (ف 1325ھ) کے ہمراہ پنجاب کے تبلیغی سفر پر روانہ ہوئے تو باؤلی شریف ضلع گجرات تشریف لے گئے۔ خلیفہ حضرت محمد خان عالم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی قدر حضرت خواجہ غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ و دیگر بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور کئی صد لوگوں آپ سے بیعت کی۔ غرض دو ماہ تک پنجاب کے طول و عرض میں دورہ کیا تو ہزاروں لوگ آپ کے دامن عقیدت سے وابستہ ہو گئے۔ کشف و کرامات کا ظہور بھی ہوا۔

آپ کا قد مبارک دراز، چہرہ گندم گوں، بینی سرخ و دراز، ریش مبارک سفید، چشم مبارک موزوں، گیسو مبارک شانوں تک معلق رہتے، پیشانی کشادہ، انگشت مبارک نرم اور لمبی، سینہ فراخ اور باوجود ضعیف العمری کے بینائی اور سماعت میں فرق نہ تھا۔ رات کو سرمہ طاق سلائیاں لگاتے۔ بالوں میں حنا (مہندی) لگاتے۔ جب باہر تشریف لے جاتے تو سر پر لنگی رکھ لیتے۔ پیرانہ سالی کے باوجود رفتار کافی تیز ہوا کرتی تھی بلکہ بہت سے آدمیوں سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

نمازِ تہجد کے بعد ذکر میں مشغول رہتے۔ پھر بعد از نمازِ فجر طلوعِ آفتاب تک مراقبہ میں رہتے۔ پھر تلاوتِ قرآن پاک دو تین سیپارہ کے بعد ختم شریف پڑھتے۔ طعام قبل از دوپہر تناول فرما کر قیلولہ فرماتے۔ اکثر و بیشتر نماز ظہر کے وضو سے عشاء تک نمازیں ادا کرتے۔ ظہر کے بعد تلاوتِ قرآن فرماتے۔ اس کے بعد احباب کی حاجات کی طرف متوجہ ہوتے۔ حاضرین کو حسبِ ضرورت دُعا اور تعویذ دیتے۔ نمازِ عصر کے بعد ختم شریف حضرت خواجہ محمد معصومؒ پڑھا کرتے۔ نماز با جماعت ادا کرنے کے عادی تھے۔ بعد از نماز مغرب طعام تناول فرماتے۔ نماز عشاء اوّل وقت میں ادا فرماتے۔ جہاں کہیں بھی تشریف لے جاتے آپ کا قیام مسجد میں ہی ہوتا۔ تعویذ نویسی زیادہ پسند نہ تھی لہٰذا اکثر دعا فرماتے اور اسی سے لوگوں کے اکثر مسائل حل ہو جاتے۔ بفضلِ ایزدی آپ چاروں سلاسل طریقت کے صاحبِ مجاز و ارشاد تھے لیکن صرف نقشبندیہ طریق میں بیعت فرماتے۔ آپ کو اشعار سے بھی کسی قدر دلچسپی تھی۔ بعض اوقات صرف بیعت فرما کر خلفاء سے حلقہ کراتے۔ کبھی کبھی خود بھی توجہ فرماتے اور یہ اشعار پڑھتے۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا	"اے اللہ کے رسول! میرے حال پر نظر فرمایئے
یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا	اے اللہ کے حبیب! میری عرض سنیئے
اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ غَمٍّ مُّغْرَقٌ	میں غموں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں
خُذْ یَدِیْ سَهِّلِ لَنَا اَشْکَالَنَا	میری دستگیری فرمایئے اور مشکلیں آسان کر دیجئے

ہر دم خدارا یاد کن و لہائے غمگین شاد کن
بلبل فریاد کن مشغول شو در ذکرِ ہُو

"ہر وقت خدا کو یاد کر، افسردہ دلوں کو خوش کر، بلبل کی طرح فیاد کر اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہ۔"

غافلی کفر است پنہاں در وجودِ آدمی

این چنین کافر شدن راحاجتِ زنار نیست

''غفلت کفر ہے جو آدمی کے وجود میں چھپا ہوا ہے۔ اس طرح کافر ہونے کے لیے زنا کی ضرورت نہیں ہے۔''

آپ عموماً سادہ نیلگوں لباس پہنتے۔ شرعی سفید پاجامہ، سر پر کلاہ اور اُس پر لُنگی خط دار یا سبز دستار پہنتے۔ بدن پر کبھی نیلگوں لُنگی یا چادر اوڑھتے۔ پوٹھوہاری جوتا استعمال فرماتے۔ ہمیشہ اپنے دست مبارک میں عصار کھتے۔ آپ کی طبیعت میں تصنع ودریا وتکلف بالکل نہ تھا۔ غرور وتکبر، فخر وخود پسندی آپ کے نزدیک نہ پھٹکا تھا۔ مسکنت، وتمکنت ووقار آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ صدیقی انوار وبرکات آپ کے چہرۂ اقدس سے عیاں تھے آپ کی طبیعت میں جمالیت اس قدر تھی کہ سالہا سال تک کسی پر غصہ نہ فرماتے اور نہ کبھی آپ سے کسی کو ضرر ونقصان پہنچا کیونکہ جلالی فقراء سے ضرور بر ضرر زیادہ اور نفع بہت کم ہوتا ہے اور جمالی فقراء سے نفع زیادہ نقصان کم ہوتا ہے۔ آپ کسی دوست کے متعلق شکایت سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ تحمل و بردباری میں اپنی مثال آپ تھے۔ کبھی کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو فوراً معاف فرما دیتے تھے۔ امراء سے زیادہ خوش نہ ہوتے تھے بلکہ مخلص دوست کو (خواہ وہ انتہائی غریب ہی کیوں نہ ہو) پسند فرماتے تھے۔ سکون وخاموشی کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس میں بڑے بڑے علماء وامراء حاضر رہتے تھے مگر آپ کی زی وقار اور بارعب شخصیت کے سامنے کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی صحبت کی برکت وکشش تھی جو بیٹھ جاتا پھر اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا ہمیشہ صاف ستھرے رہتے اور پاکیزہ اشیاء کو پسند فرماتے تھے کیونکہ۔

اَللّٰہُ جَمِیۡلٌ وَّیُحِبُّ الۡجَمَالَ — اللہ تعالیٰ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔

آپ کی خوراک نہایت سادہ تھی جو خمیری روٹی اور کھچڑی پر مشتمل تھی۔ کسی خاص چیز کے عادی نہ تھے جو کچھ حاضر ہوتا برضا ورغبت تناول فرما لیتے تھے۔ آپ کی اصل غذا ذکرِ حق تھی۔ آپ حتی الامکان کسی کا احسان نہ اُٹھاتے تھے۔ لیکن اگر کوئی احسان کرتا تو آپ اُسے یاد رکھتے حتیٰ کہ اُس کا دس گنا بدلہ عنایت فرماتے۔ جس کسی کی ایک دفعہ دعوت قبول کر لیتے دوبارہ مشکل سے ہی قبول کرتے۔ آپ شہروں میں کم از کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن قیام فرماتے اور جیسی جگہ ہوتی ویسا ہی مقیم ہوتے آپ کے ساتھ ہمیشہ چند خلفاء اور درویش سفر میں رہتے۔ آپ زاہد خشک یا محض ظاہر پرست نہ تھے بلکہ لوگوں کی دستیِ باطن کا خیال زیادہ رکھتے اور کبھی بھی اتباعِ سنت سے قدم باہر نہ رکھتے۔ آخیر عمر میں احبابِ راولپنڈی کے اصرار پر چائے پینا شروع کر دی تھی۔ ایامِ سرما میں تین تین ماہ تک پانی نہ پیتے تھے۔ اکثر شب بیدار رہتے تھے۔ جب لیٹتے تو سر سے پاؤں تک سیاہ لنگی اوڑھ لیتے۔ جن لوگوں کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے آپ انھی میں سے ہی مجذوبِ سالک تھے۔

آپ جب عام لوگوں کو نصیحت فرماتے تو ارشاد کرتے کہ اپنے باطن درست کرو کیونکہ مرنے کے بعد اعمالِ باطنی ہی سے نجات مل سکتی ہے مگر ظاہری احکامِ شرعیہ کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اعمالِ باطنی کی صحت ودرستگی کی علامت بھی ظاہری اعمال وافعال ہیں۔ اَلظَّاھِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ (ظاہر باطن کا عنوان ہے) اور وہ ظاہر بھی سنت وآثارِ صحابہ کے موافق ہو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کو خدا کے لیے پیار کرو اور یاد کرو کیونکہ مقصد کے لیے یاد کرنا صرف مقصد کی یاد ہے۔ خدا کی یاد بغیر کسی نفسانی خواہشات کے کرنی چاہیئے اور جب کبھی خاص احباب اور خلفاء کو مخاطب کرتے تو یہ حدیثِ قدسی بیان فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے ہیں کہ:

مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَائِیْ وَلَمْ یَقْنَعْ بِعَطَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ. (حدیث قدسی)

"جو شخص میرے حکم پر راضی نہیں اور میری بلا پر راضی نہیں اور میری نعمتوں پر شاکر نہیں اور میرے عطیہ پر قانع نہیں تو وہ بے شک میرے سوا کسی اور کو اپنا رب بنالے۔"

اس کے علاوہ یہ حدیث شریف بھی بیان فرماتے۔

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ. بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

آپ کے پاس اگر کوئی زاہد خشک یا باتونی شخص بیٹھتا تو آپ فرماتے کہ مجھے باتیں نہیں آتیں۔ آپ اپنے خلفاء اور اجازت یافتوں کی بھی توقیر کرتے اور اُن کی قدر ومنزلت زیادہ ہی کرتے تاکہ وہ اپنے عقیدت مندوں کی نظر میں وقیع اور ذی اقتدار ہی رہیں۔ جس خلیفہ کے حلقہ میں تشریف لے جاتے وہاں پر اُسی کے مشورہ وصلاح سے ہر کام کرتے یہاں تک کہ اکثر تعویذات اور وظائف وغیرہ بھی اُنھی کی تحویل میں رکھتے۔ آپ کے دل میں دنیاوی شان وشوکت اور وقعت وعزت مچھر کے برابر بھی نہ تھی۔ آپ کبھی کبھی خاص احباب سے معانقہ فرماتے ورنہ اکثر مصافحہ پر ہی اکتفا فرماتے آپ کو جس طریقہ پر سلف صالحین نے مقرر کیا تھا۔ آخر تک اُسی پر ثابت قدم رہے۔

آپ اپنے غلاموں کو لفظ مرید سے نہ پکارتے تھے بلکہ لفظ یار یا دوست سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن آپ کے نبیرہ نے کہہ دیا کہ فلاں شخص تو ہمارا مرید ہے، اس پر آپ اُن پر سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ کلام بھی نہ کیا۔ صاحبزادہ نبیرہ نے اوراد ووظائف اور نفلی نماز وغیرہ ترک کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے سب کچھ ترک کر دیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے جواب دیا کہ جب حضرت باباجی قبلہ وکعبہ ناراض ہیں تو ان چیزوں کا کیا فائدہ؟ کیونکہ عبادات کی قبولیت تو آپ کی رضا کے ساتھ ہے۔ جب آپ ناراض ہیں تو پھر ضرورت نہیں۔ جب باباجی کو یہ خبر پہنچی تو صاحبزادہ کو بلوا کر ارشاد فرمایا کہ نہ میرے باپ دادا نے کسی کو لفظ مرید سے پکارا اور نہ میں نے کسی کو مرید کے نام سے بلایا، پھر تم اس قابل کہاں کہ مرید کے لفظ سے پکارو۔ جاؤ! آئندہ توبہ کرو اور پھر کسی کو لفظ مرید سے نہ پکارنا۔

آپ کی کرامات بے شمار وقطار ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

1- آپ سیدوں کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے جس میں ایک دو گھروں کے سوا سب لوگ شیعہ تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے خدا نے سب کو ایسی ہدایت دی کہ وہ سب لوگ سنی العقیدہ ہو گئے اور عاشق صادق بن گئے۔ آپ کی برکت سے وہ ایسے صوفی بن گئے کہ نماز، روزہ کے علاوہ صاحب ذکر اور تہجد گزار بن گئے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہو سکتی ہے۔

2- آپ جب بھی راولپنڈی تشریف لے جاتے تو محلہ ملیار مسجد میاں وارث میں قیام فرماتے تھے۔ ایک دن اتفاقاً مسجد کو آگ لگ گئی۔ مسجد کا دروازہ بند تھا مسجد کا سارا فرش جل گیا مگر وہ جگہ جہاں آپ تشریف فرما ہوتے تھے محفوظ و مامون رہی۔

3- ایک دفعہ آپ امرتسر میں مسجد خیر دین میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک بیوہ حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا لڑکا علی محمد، بی۔ اے میں پڑھتا تھا کہ اس کا والد فوت ہو گیا۔ میں نے گھر کا ساز و سامان فروخت کر کے، مصائب و آلام برداشت کر کے اُسے امتحان دلوایا مگر بد قسمتی سے وہ فیل ہو گیا ہے۔ اب میرے لیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگی۔ آپ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ "جاوہ تو پاس ہے"۔
جب وہ عورت گھر واپس آئی تو اُسے ایک تار ملا کہ علی محمد پاس ہے اور اُس کے بجائے ایک سکھ کا لڑکا فیل ہوا پہلے اطلاع غلط دی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ عورت خوشی سے پھولے نہ سماتی تھی اور سب کو بتاتی تھی کہ میرا لڑکا حضرت خواجہ فقیر محمد کی دعا و توجہ سے پاس ہوا ہے۔
وہ لڑکا وہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوا اور کافی مدت تک راولپنڈی میں سینئر جج کے عہدے پر فائز رہا اور سیشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔

4- راولپنڈی صدر میں گرجا سے متصل آپ کا ایک مخلص صادق یہاں پیر بخش رہتا تھا اُس کا بیان ہے کہ ہمارے آبائی گاؤں میں پانی نہیں تھا کیونکہ زمین بہت سنگلاخ تھی۔ لوگ بہت دور و دراز سے پانی لاتے تھے۔ آپ کی خدمت میں اس دِقت اور تکلیف کے ازالہ کے لیے عرض کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ کنواں کھودو۔ پیر بخش نے چار سو روپیہ خرچ کر کے کنواں کھدوایا مگر پانی نہ نکلا۔ پھر اُس نے حکومت سے امداد لے کر مزید کھدوائی کرائی مگر پانی نہ نکلا۔ لوگ پیر بخش کو لعن طعن کرنے لگے کہ تیرے پیر نے تجھے برباد کر دیا جب آپ دوسرے سال تشریف لائے تو یہ تمام باتیں آپ کی خدمت میں عرض کی گئیں۔ آپ نے نہایت خاص حالت میں اُٹھ کر فرمایا کہ "پیر بخش کے حق میں دُعا کرو"۔ پھر فرمای "میاں پیر بخش جاؤ، خدا تعالیٰ پانی دے دے گا گھبرانے اور غم و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔"
میاں پیر بخش اتفاقاً باہر نکلے تو دیکھا کہ بچے کنویں پر جمع ہیں اور ایک شور و غوغا ہو رہا ہے۔ ایک بچے نے چلا کر کہا کہ بابا! پانی آ گیا ہے۔ پیر بخش نے دیکھا تو نیچے سے بڑے زور سے پانی اُوپر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ گویا غیب سے ایک نہر آ رہی ہے۔ پیر بخش کا بیان ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کنویں کے کنارے تک آ گیا۔ پانی بھی ایسا میٹھا اور سرد تھا کہ شاید ہی ایسا پانی کسی نے دیکھا اور پیا ہو۔ لوگ پانی استعمال کرتے تھے اور خوشی کے شادیانے بجاتے تھے۔

انھی دنوں محمد بخش نامی ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ باباجیؒ تیراہ شریف (افغانستان) سے وہ پانی لا رہے ہیں اور کنویں میں گراتے جاتے ہیں۔ سچ ہے کہ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

''اس کا کہا ہوا، اللہ ہی کا کہا ہوا ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ادا ہوتا ہے۔ (رومیؒ)

5- ایک دفعہ حضرت باباجیؒ موضع نارنگ ضلع سیالکوٹ (غالباً نارنگ منڈی حال ضلع شیخوپورہ) کی مسجد میں قیام فرما تھے۔ وہاں بڑ کا ایک بہت بڑا درخت تھا جو نماز مغرب کے بعد ہلنے لگا۔ آپ نے لوگوں سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے عرض کیا کہ یہ ہر روز اسی وقت اور اسی طرح ہلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت لوگ یہاں نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے۔ آپ اُسی وقت مراقب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا ''وَت نہ ہلسی''، یعنی ''اب یہ کبھی بھی نہیں ہلے گا''۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا کہ اس درخت کے دامن میں ایک جن کا ڈیرہ تھا۔ وہ شام کو پرندوں کو اُڑانے کے لیے درخت کو ہلاتا تھا۔ اب میں نے اُس کو کہہ دیا ہے کہ اس حرکت سے باز آ جاؤ اور پرندوں، جانوروں اور نمازیوں کو پریشان نہ کرو۔ وہ چلا گیا ہے اس لیے آئندہ درخت نہ ہلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تو ہم گردن از حکمِ داور نہ پیچ
کہ گردن نہ پیچ ز حکم تو ہیچ

''تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر تا کہ کوئی بھی تیرے حکم سے گردن نہ پھیرے۔

6- ایک مرتبہ آپ موضع بن علاقہ پنڈی گھیپ کی ایک مسجد میں تشریف فرما تھے وہاں عقیدت مندوں کے جم غفیر کی وجہ سے بہت اژدھام تھا جو گردونواح سے زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ بڑی پرلطف اور پرکیف مجلس ہو رہی تھی کہ آپ اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سب دوست فوراً باہر نکل جاؤ۔ لوگ پریشان و حیران ہو گئے اور فوراً باہر نکل گئے۔ جب تک سارا سامان اور دوست باہر نہ نکل آئے آپ مسجد کے اندر ہی ٹھہرے رہے۔ جونہی آپ نے اپنا قدم باہر رکھا، مسجد کی چھت گر گئی۔

7- ایک دفعہ حسن دین نامی ایک صوبیدار نے عرض کی اکہ میری عمر حد شباب سے تجاوز کر گئی ہے اور اب تک میرے

گھر میں اولاد نہیں ہوئی۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس آخری وقت میں ہی اولاد نرینہ عطا فرما دے۔ آپ نے ایک تعویذ عنایت فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہمارا مالک و خالق تم کو ایک لڑکا عطا کرے گا اُس کا نام عبداللطیف رکھنا۔ چنانچہ دوسرے سال جب آپ دوبارہ تشریف لائے تو اُس صوبیدار نے بچے کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور! یہی وہ بچہ ہے جو آپ کی دُعا سے خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے۔

-8 ایک دفعہ آپ موضع ڈیریانوالہ ضلع سیالکوٹ کی مسجد پٹھاناں میں جلوہ افروز تھے کہ یار ولی داد خان نے حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! میرے ہاں چھ بیٹیاں ہیں مگر لڑکا ایک بھی نہیں ہے۔ آپ نے قند سیاہ (گڑ) پڑھ کر دیا اور فرمایا کہ اپنی بیوی کو کھلا دو اور دُعا فرما کر کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں لڑکا عطا فرمائے گا، اُس کا نام محمد شریف رکھنا۔ چنانچہ جب آپ اگلے سال تشریف لائے تو ولی داد خان نے بچہ حاضر کر کے عرض کی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کا نام آپ نے محمد شریف رکھا تھا۔

-9 امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ نے اپنے گاؤں علی پور سیداں شریف میں ایک کنواں کھدوایا تو اُس سے پانی نہ نکلا، لوگوں کو بڑی پریشانی ہوئی۔ انھی ایام میں حضرت باباجی تشریف لائے تو لوگوں نے پانی کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اب کنواں کھدواؤ، اللہ تعالیٰ پانی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب کنواں کھدوایا گیا تو بفضل کدا اس قدر پانی آیا کہ کبھی خشک نہ ہوا حالانکہ اس کے اردگرد کے کنویں خشک پڑے تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ حضرت خواجہ گل نبیؒ، حضرت خواجہ محمد نبیؒ، حضرت خواجہ احمد نبیؒ، حضرت خواجہ سید شاہؒ اور حضرت خواجہ قادر شاہؒ۔ سب صاحبزادگان کامل و اکمل تھے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، بطور اختصار صرف پنجاب کے چند خلفاء کرام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس آفتاب معرفت سے کیسے کیسے باکمال لوگوں نے روشنی حاصل کر کے ایک عالم کو منور کیا۔

(1) سنوسئ ہند امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ

یہ آپ کے بڑے محبوب مرید اور خلیفہ تھے۔ ایک دفعہ آپ کے دیگر خدام میں سے ایک نے شکایت کی کہ ہم برسوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور حتی الامکان ریاضت و مجاہدہ بھی کرتے ہیں مگر جس قدر آپ کی نظرِ کرم حضرت حافظ جماعت علی شاہ صاحب پر ہے ویسی اوروں پر نہیں۔ آپ نے صرف ایک ہفتہ میں ہی انھیں صاحب ارشاد بنا دیا ہے۔ اس پر حضرت باباجیؒ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے مگر ہر ایک کی قسمت اور مقدر جدا جدا ہے۔

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ کے حالات مبارک اور خدماتِ جلیلہ سے متعارف ہونے کے لیے "مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں ضلع قصور" سے مفت لٹریچر طلب فرمائیں۔

اِک باپ کے دو بیٹے قسمت جُدا جُدا ہے
اِک تخت کا ہے وارث اِک خاک چھانتا ہے
اِک تھان کے دو ٹکڑے قسمت جُدا جُدا ہے
اِک نازنیں کے سر پر اک لاش پر پڑا ہے
اک سیپ کے دو موتی قسمت جُدا جُدا ہے
اِک پس گیا کھرل میں اِک تاج میں جڑا ہے

سنو! حافظ جماعت علی شاہ صاحب کے پاس چراغ بھی تھا، تیل بھی تھا، بتی بھی تھی اور دیا سلائی بھی تھی۔ میں نے تو صرف سلگانے کی محنت کی ہے۔ خدا تعالیٰ نے روشن چراغ کر دیا۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(آپ کے تفصیلی حالات آئندہ صفحات میں آ رہے ہیں (قصوری)

(2) حضرت حافظ عبدالکریمؒ صاحب راولپنڈی
(3) حضرت خلیفہ محمد خان عالمؒ باؤلی شریف ضلع گجرات
(4) حضرت خلیفہ صاحب زادہ غلام محی الدین صاحبؒ باؤلی شریف ضلع گجرات
(5) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی علی پوریؒ
(6) حضرت مولوی غلام نبی قریشیؒ چک قریشیاں ضلع سیالکوٹ
(7) حضرت مولوی محمد حسن گجراتی رحمتہ اللہ علیہ
(8) حضرت مولانا غلام محمد بگویؒ امام شاہی مسجد لاہور۔
(9) حضرت صاحبزادہ نواب الدین علیؒ ساکن بشندور
(10) حضرت حافظ فتح دینؒ، رنگپورہ۔ یالکوٹ
(11) راجہ شیر بار خانؒ موضع بڑکی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی
(12) حضرت مولانا مست علیؒ موضع مترانوالی ضلع سیالکوٹ
(13) حضرت سید غلام قادر شاہؒ کوٹلی سیداں
(14) حضرت حافظ جیؒ جوڑی والہ
(15) حضرت سید چنن شاہؒ آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ

آپ کی وفات حسرت آیات 29 محرم الحرام 1315ھ بمطابق 30 جون 1897ء کو بعمر شریف ایک سو دو سال

چورہ شریف ضلع اٹک میں ہوئی۔ مزار مقدس آج بھی مرجع خاص وعام ہے۔ مادۂ تاریخ وفات غفرلہ 1315ھ ہے۔

وصال فرمانے سے قبل احباب کو جو وصیت فرمائی، وہ یہ تھی:

(1) جس جگہ جاؤ تو یاروں میں حمد و شکر نہ چھوڑ جاؤ، یعنی یاروں کو بوجہ تکلیف یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ خدا کا شکر ہے کہ پیر صاحب چلے گئے۔

(2) یاروں کو آپس میں حسد و کینہ نہیں ہونا چاہیئے جس کو خدا خیر و برکت دے، اُس سے مستفید و مستفیض ہونا چاہیئے۔

(3) سفر میں ذکر کو ہر حال میں مقدم رکھنا چاہیئے۔ اگر کسی جگہ ذکر میں کچھ قصور واقع ہو تو اُس جگہ نہ رہیں کیونکہ وہاں کے لوگ فیض سے محروم رہیں گے۔

(4) یاروں کے ساتھ سیر کو نہ جانا چاہیئے۔ جب تک وہ خود خواہش مند نہ ہوں۔

(5) پیر کو چاہیئے کہ انتظار کے بغیر ہی چلا جائے تاکہ لوگوں کو کسی طرح کی بدگمانی یا بدخیال پیدا نہ ہو۔

ارشاداتِ قدسیہ

1- اپنا باطن درست کرو کیونکہ بعد از مرگ اعمالِ باطن ہی سے نجات مل سکے گی۔ مگر ظاہری احکامِ شرعیہ کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے کیونکہ ظاہری درستی کے بغیر باطنی اعمال کی درستی ناممکن ہے۔

2- خدا سے خدا کے لیے پیار کرو اور یاد کرو۔ کیونکہ مقصد کے لیے یاد کرنا صرف مقصد کی یاد ہے خدا کی یاد بلا اغراضِ نفسانی ہونی چاہیئے۔

3- خصوصی احباب سے اکثر یہ حدیث قدسی بیان فرمایا کرتے کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ جو شخص میرے حکم پر راضی نہیں اور میری بلا پر صابر نہیں اور میری نعمتوں پر شاکر نہیں اور میرے عطیہ پر قانع نہیں تو وہ شخص میرے سوا کسی اور کو رب بنالے"۔

4- اور یہ حدیث شریف بھی بیان فرماتے کہ "بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔"

(34)

حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم قدس سرہٗ

راولپنڈی	1264ھ / 1848ء	1355ھ / 1936ء	عیدگاہ راولپنڈی

مادۂ تاریخ رحلت

"تاریخِ وصالِ زاہد"

1355ھ

"بے مثال مبارک طلعت"

1355ھ

"جوہرِ دینِ محمدؐ باخُدا عبدالکریم"

1355ھ

(34) حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم قدس سرہٗ

حضرت خواجہ حافظ محمد عبد الکریم کی ولادت باسعادت 7 جمادی الاول 1264ھ بمطابق 11 اپریل 1848ء بروز سہ شنبہ (منگلوار) کو محلہ شاہ چن چراغ راولپنڈی میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی حضرت نذر محمد تھا جن کا شجرہ نسب مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر تک پہنچتا ہے۔

حضرت نذر محمد نیک صفت، درویش صورت، حلیم الطبع بزرگ اور اخلاق حمیدہ کے مالک تھے۔ آپ مہینے میں ایک بار کھانا پکا کر حضرت شاہ چن چراغ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر غرباء میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک گرد آلود مجذوب نے ایک لقمہ کھانے کے لیے دیا مگر آپ نے اُسے کراہت کی وجہ سے نہ کھایا۔ اُس مجذوب نے فرمایا:

''سخی مرد تو نے میری عطا کو قبول نہ کیا۔ اچھا اگر تو نہیں تو تیری اولاد کو ضرور حصہ ملے گا۔''

چنانچہ اس مرد مجذوب کی پیش گوئی حضرت حافظ عبد الکریم رحمتہ اللہ علیہ پر پوری ہوئی۔

حضرت حافظ عبد الکریمؒ کی عمر بمشکل تین ماہ ہوگی کہ والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں اور داغِ یتیمی سے گئیں اور ابھی صرف دو برس کے ہی ہوئے تھے کہ والد ماجد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ کے چچا میاں پیر بخش اور پھوپھی محترمہ حیات بی بی صاحبہ نے آپ کی پرورش کی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کی کرامات سے پھوپھی صاحبہ کو بڑھاپے میں دودھ اُتر آیا اور انھوں نے آپ کو ڈیڑھ سال تک دودھ پلایا۔ بچپن میں آپ جب پھوپھی صاحبہ کو نماز پڑھتے دیکھتے تو عرض کرتے کہ:

''مجھے بھی ایک جائے نماز دو تا کہ نماز پڑھ سکوں۔''

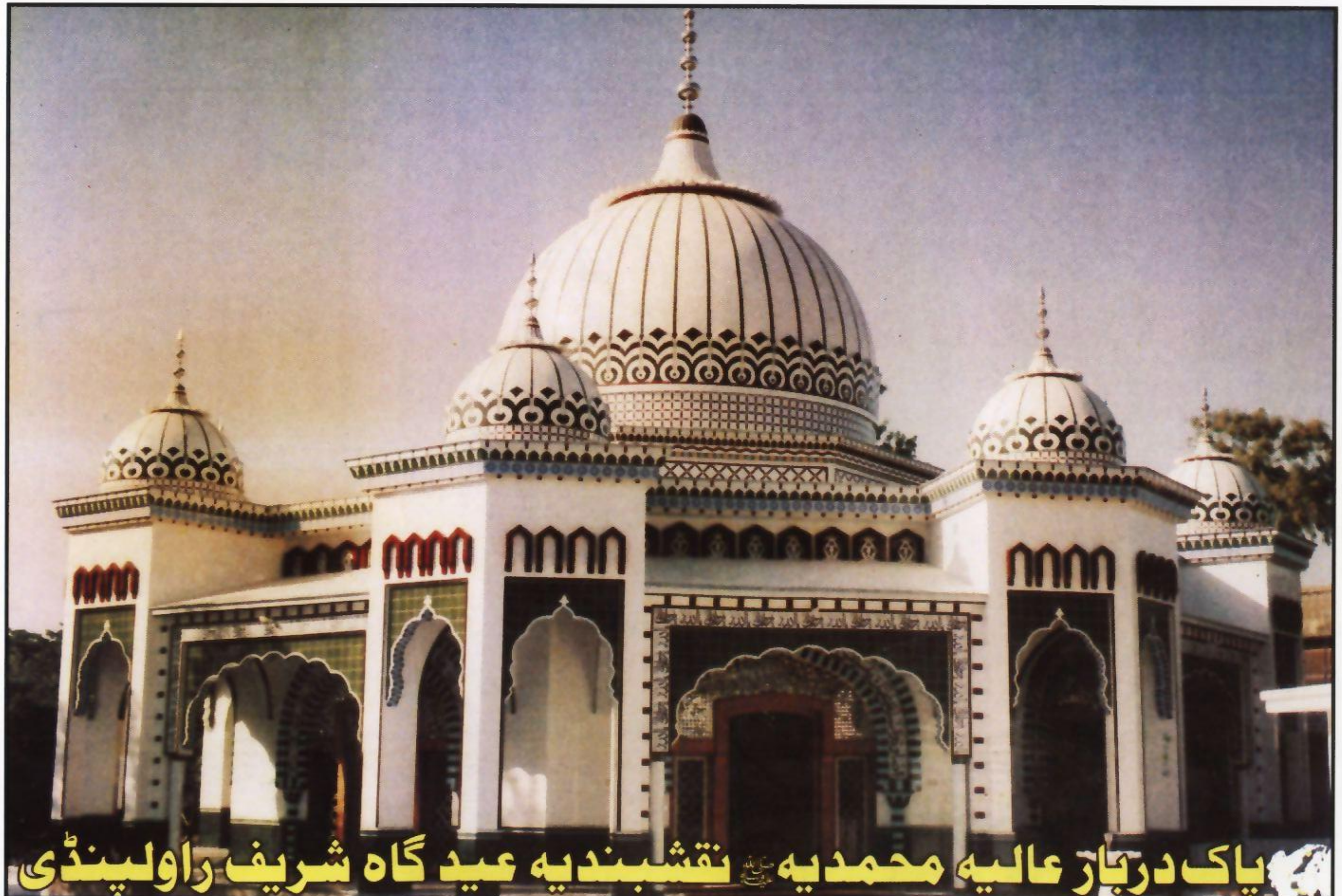
پھوپھی صاحبہ نماز تہجد کے بعد آپ کے لیے دعا فرمایا کرتی تھیں۔

''اے اللہ! اس بچے کو اپنا بندہ بنا اور دین و دنیا میں اس پر برکت نازل فرما۔''

چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اُس دُعا کی ٹھنڈک اور سرور اب بھی محسوس کرتا ہوں اور یہ سب اُسی دُعا کا نتیجہ ہے۔

جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی تو آپ کو محلے کی مسجد کے امام قاضی محمد زمانؒ کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ مختصر عرصہ میں آپ نے قرآن مجید پڑھ لیا۔ بعد ازاں کتب درسیہ فقہ و حدیث و تفسیر بھی انھی سے پڑھیں جن میں مشکوٰۃ شریف، احیاء العلوم اور مثنوی شریف خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں دوران تعلیم آپ پر اکثر و بیشتر بے خودی سی طاری رہتی تھی۔ آپ کے استاد نے آپ کو اکثر آسمان کی طرف دیکھتے رہنے کی وجہ سے آپ کا نام ''آسمانی'' رکھ دیا تھا۔ تمام طلباء آپ کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ بچپن کی حالت میں میں اکثر اپنے آپ کو گم پاتا تھا۔

سولہ برس کی عمر میں آپ کو قرآن مجید کے حفظ کا شوق پیدا ہوا اور اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے اپنی غیر معمولی


پاک دربار عالیہ محمدیہ ﷺ نقشبندیہ عید گاہ شریف راولپنڈی

ذہنی استعداد کی بنا پر قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فنِ قرأت میں آپ مولانا محمد حسین مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے جو کہ اُس وقت اس فن میں یگانہ اور استاد زمانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرأت کا لب ولہجہ بھی دلکش عطا فرمایا تھا۔ تلاوتِ قرآن مجید اس عمدہ ترتیل اور خوش الحانی سے کرتے کہ سامعین فریفتہ ہو جاتے رمضان المبارک میں جس مسجد میں آپ نماز تراویح میں قرآن پاک سناتے تھے وہاں لوگ نمازِ مغرب کے بعد ہی سے اپنی جگہ مخصوص کر لیتے تھے۔ کیونکہ عشاء کی نماز کے وقت خلقت کا بے پناہ ہجوم ہو جاتا تھا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

''یہ خوش نصیبی اپنے بازوؤں کی طاقت سے حاصل نہیں ہوتی یہ تو خدا کی دین ہے جسے وہ عطا فرمادے۔''

مسلمان تو مسلمان غیر مسلم یعنی ہندو اور سکھ بھی آپ کی قرآن خوانی پر فریفتہ ہو جاتے اور آپ کے حسن قرأت سے محفوظ ہونے کے لیے مسجد سے متصل گلی میں جمع ہو جاتے۔ سچ ہے کہ ؎

ہر کجا چشمۂ شیریں بود
مردم و مُرغ و مور گرد آئیند

''ہر کہیں جہاں بھی میٹھے پانی کا چشمہ ہوتا ہے۔ آدمی، جانور اور چیونٹیاں اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔''

بیس برس کی عمر میں آپ کے دل میں محبت الٰہی کے جذبات موجزن ہوئے، سوچا کہ کسی مردِ خدا کی غلامی اختیار کی جائے تا کہ قربِ الٰہی کی دولت میسر ہو۔ حضرت باباجی فقیر محمد چوراہی قدس سرہٗ کے ایک مرید مستری علیم اللہؒ آپ کی خوش الحانی پر فریفتہ تھے۔ اور اُن کی دلی تمنا تھی کہ آپ اُن کے پیر بھائی بن جائیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت باباجی فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی تشریف لائے تو مستری صاحب آپ کو اُن کی مجلس میں لے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر 21 برس کی تھی۔ حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی صورت، سیرت اور خوش الحانی پر عاشق ہو گئے۔ آپ کو بیعت فرما کر نسبت خاص سے نوازا اور ذکر قلبی سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی حالت متغیر ہوگئی اور جذبۂ بے خودی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے اس قدر محبت تھی کہ ہفتہ میں ایک دفعہ بار ضرور چورہ شریف حاضر ہوا کرتے۔ ایک مرتبہ تو آپ بے خودی میں راولپنڈی سے چورہ شریف پاپیادہ تشریف لے گئے۔ حالانکہ گرمی کا مہینہ تھا اور سفر سخت پُر آشوب ؎

من تُو شُدم تُو من شُدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

''میں اور تو ایک ہو جائیں، میں جسم ہوں تو تُو جان ہو۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تُو اور ہے اور میں اور۔''

عالمِ بے خودی میں دل پر ذکر و فکر کا غلبہ بے انداز ہو گیا۔ آپ صبح و شام خلوت نشینی کے لیے ''سرداراں باغ'' (ایک باغ کا نام) میں تشریف لے جاتے اور حالتِ مراقبہ میں مشغول رہتے۔ کئی کئی راتیں آپ نالہ لئی کے کنارے

عبادت وریاضت میں گزار دیتے اور کبھی قبرستان پیر ودھائی میں جو کہ نالہ لئی کے بیرونی کنارے پر ہے تنہائی میں ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ آخر مدارجِ سلوک کو طے کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ گئے کہ حضرت باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو خرقۂ خلافت واجازت سے نواز دیا۔

جب آپ کو اجازت وخلافت عطا ہوئی تو حضرت باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا خاص ملبوس آپ کو عطا فرمادیا۔ آپ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور عرض کیا کہ حضور غلام کو تو جناب کی محبت ہی کافی ہے۔ حضرت باواجیؒ نے فرمایا: ''میں حکم بندہ ہوں اور اس امانت کو آپ کے حوالے کرنے پر مامور ہوں۔ یہ میرا نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے''۔ پھر نصیحت فرمائی کہ ''بیٹا! دُنیا کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اس کو پیٹھ پیچھے ڈال کر ہمہ وقت اور ہمہ تن یادالٰہی میں مصروف رہنا۔ دل کو غیر اللہ سے الگ رکھنا اور سب کچھ اللہ ہی کر طرف سے سمجھنا۔'' یہ سب کچھ سن کر آپ کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک اُٹھی جس نے ماسویٰ اللہ کو جلا کر راکھ کردیا۔

مٹا دیا میرے ساقی نے من و تُو
پلا کے مجھ کو مئے لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوْ

''میرے ساقی نے مجھے کلمۂ وحدت کی شراب پلا کر من وتُو کا فرق مٹادیا اور ہم دونوں ایک ہوگئے''۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وِچ لائی ھُو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ھُو
اندر بُوٹی مُشک مچایا جاں پُھلن تے آئی ھُو
جیوے مُرشد کامل باھو جس ایہہ بُوٹی لائی ھُو

آپ دو دفعہ حج مبارک کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں حاضری دینے کی تیاری کی تو بعض وجوہات کی بنا پر حکومت نے حاجیوں کو وہاں جانے سے روک دیا۔ طبیعت سخت بے قرار ہوئی۔ خیال آیا کہ شاید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر پر ناراض ہیں۔ اسی پریشانی میں نیند اُڑ گئی۔ ہروقت گریہ وزاری رہتی۔

حیرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دست برسینہ نظر برلبِ بامے دارم

''مجھے اُس ماہِ کامل کے جلوے کی حسرت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہاتھ سینے پر اور نظریں لبِ بام رہتی ہیں''۔

ایک رات تہجد کے وقت حالتِ مراقبہ میں دیکھا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور بڑی مہربانی اور شفقت سے ارشاد فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب! گھبرایئے نہیں۔ اس وقت جانا ہی مناسب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو پھر بلائیں گے۔'' اس سے طبیعت کو سکون وآرام نصیب ہوا اور حسب ارشاد نبوی ﷺ آپ واپس

آ گئے۔ 1911ء میں دوبارہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ شریف پہنچ کر یہ حالت ہوگئی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی روضہ مبارک کی جدائی گوارا نہ تھی۔ روزانہ یہی دُعا مانگتے تھے کہ ''الٰہی! میری موت یہیں واقع ہوتا کہ روزِ قیامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی اُٹھوں''۔ ایک رات نماز عشاء کے بعد ایک نورانی شکل والے بزرگ تشریف لائے اور فرمایا کہ حافظ صاحب! کیا آپ نے ہی یہیں رہنے کی دُعا کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ''جی ہاں''۔ اُنھوں نے فرمایا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب سے کہہ دو کہ واپس ہندوستان تشریف لے جائیں کیونکہ وہاں اُن کے وجود سے بہت سی مخلوق خدا کو فیض ہوگا اور اُن کی قبر بھی وہیں ہوگی۔ چنانچہ آپ کو قبر کی جگہ بھی دکھا دی گئی۔ جب آپ واپس راولپنڈی تشریف لائے تو اپنی قبر کے لیے وہ جگہ وقف کی اور بعد میں اُس جگہ چبوترہ بنوا دیا آپ کی رحلت کے بعد مزار مبارک اُسی جگہ ہی بنا۔

آپ کثیر الکرامات بزرگ تھے، آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے ہزاروں افراد کو ذکر وفکر کی لذت سے آشنا کر دیا۔ بے شمار بے نمازی آپ کے فیضِ صحبت سے تہجد گزار بن گئے۔ شیعہ، مرزائیہ، وہابیہ کا مدلل رد فرمایا کرتے تھے۔ متعدد افراد آپ کے دستِ حق پرست پر عقائد باطلہ سے تائب ہوئے۔ تاہم چند کرامات درج ذیل ہیں تاکہ قارئین کرام کی ذہنی تسکین ہو سکے۔ کیونکہ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفرین، کار کشاد و کارساز

(1) سید عثمان شاہ سٹور کیپر کراچی بیان کرتے ہیں کہ میرا لڑکا جو کہ آٹھ نو برس کا تھا کہیں گم ہو گیا اور تلاش بسیار کے باوجود اُس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آخر کار میں انتہائی پریشانی کے عالم میں آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا اور اپنی مصیبت کا احوال بیان کیا۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا کہ وہ لڑکا زندہ ہے اور ایک شخص کے قبضے میں ہے۔ خُدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اُس کا دل پھیر دے۔ چنانچہ جب میں رخصت ہو کر کراچی واپس پہنچا تو میرا لڑکا خود بخود گھر آ گیا تھا۔

(2) حافظ محمد اکبر کریمی مرحوم سابق خطیب نیویں مسجد لاہور بیان فرماتے تھے کہ میں ایک رات سویا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے میرا دایاں ہاتھ دبایا ہو لیکن میں نے خیال نہ کیا۔ پھر کیس نے بایاں ہاتھ دبایا مگر میں نے پھر بھی توجہ نہ دی اور سو گیا۔ اچانک آپؒ خواب میں تشریف لائے اور میرے ہاتھ کو ایسا پکڑا کہ مجھے سخت گرمی محسوس ہوئی اور میں بے تاب ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو فرش کی چٹائی کو آگ لگی ہوئی تھی۔ الحمد للہ کہ اپنے مُرشد کامل کے باطنی تصرف اور روحانی مدد سے ہم بال بال بچ گئے۔

(3) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حافظ میاں محمد صاحب سکنہ ڈھوک نزد ٹبی بنگلہ گجرات آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور دُعا فرمائیں کہ میری منزل قرآن پاک بھول گئی ہے دوبارہ یاد ہو جائے۔ آپ نے

بڑخوش ہوکر فرمایا کہ ''فقیر کو آج دُعا کرنے کا مزہ آیا ہے۔ آگے کوئی آتا تھا کہ میرے گھر میں لڑکا ہو۔ کوئی کہتا تھا کہ فلاں رشتہ مل جائے۔ آج دُعا کرنے کے لیے اصل بات کا موقعہ ملا۔ سب دوست دُعا مانگو۔'' نچانچہ آپ نے دُعا فرمائی۔ حافظ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس دُعا کے بعد منزل بھی یاد ہوگئی اور میری وجہ سے کئی لوگ حافظ قرآن بن گئے اور ٹبی بنگہ ضلع گجرات میں ''ٹبی حافظوں'' کی بڑی مشہور ہے۔

(4) گوجرانوالہ کے شیخ دین محمد مرحوم راولپنڈی میں وکالت کرتے تھے۔ وہ اکثر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے۔ ''حضرت جی! دُعا فرمائیں، میں ہائی کورٹ کا جج بن جاؤں۔'' آپ نے دُعا فرمائی اور بعدازاں شیخ دین محمد ہائی کورٹ کے جج بن گئے اور جسٹس دین محمد کے نام سے مشہور ہوئے۔

(5) جناب فضل احمد مرحوم ساکن موضع جل بھائی خاں تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں میں فجر کی نماز کے بعد مراقبہ کی حالت میں تھا کہ اچانک آپ کی آواز کان میں آئی۔ ''فضل احمد جلدی پنڈی پہنچ''۔ میں نے آواز پہچانی۔ آنکھ کھولی۔ چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی نہ تھا میں نے فوراً راولپنڈی جانے کا پروگرام بنایا۔ وہاں پہنچا تو آپؒ نے فرمایا ''فضل احمد تمھیں میں نے بلایا ہے''۔ پتہ چلا کہ کوئٹہ سے ایک عزیز پیر بھائی تشریف لائے ہوئے تھے اور مجھے ضرور ملنا چاہتے تھے۔ اُن کے اصرار کے پیش نظر آپ نے اُن سے وعدہ کیا کہ وہ اُنھیں مجھ سے ضرور ملوادیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(6) حاجی شہادت علی خان محلہ اقبال پارک شیخوپورہ رقمطراز ہیں کہ 1926ء میں میں فیصل آباد میں اپنے سسرال والوں سے ملنے گیا تو اُنھوں نے بندہ کو فیصل آباد میں محکمہ پولیس میں بھرتی ہونے کے لیے مجبور کیا۔ میری طبیعت پولیس کی نوکری پر آمادہ نہ تھی۔ چنانچہ میں نے آپؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بیٹا! چندروز انتظار کرو۔ اللہ کریم کوئی نیک اسباب پیدا کردے گا۔

اس بات کو صرف چند دن گزرے تھے کہ محکمہ زراعت کا ایک انسپکٹر بندہ کو گھر سے بلا کر اپنے دفتر لے گیا، کیونکہ محکمہ زراعت میں چند آسامیاں خالی تھیں۔ بندہ کے ساتھ دیگر امیدوار بھی تھے اور وہ زیادہ تعلیم یافتہ بھی تھے۔ متعلقہ افسر انگریز تھا۔ اُس نے باقی دو امیدواروں سے کہا کہ وہ محکمہ زراعت کا کورس پاس کرکے آئیں اور بندہ کو بلا کورس پاس کیے بھرتی کرلیا جس کا بظاہر کوئی جواز نہ تھا۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ کی شب و روز کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ تاہم ''ھدایت الانسان الی سبیل العرفان'' تصوف و اخلاق پر آپ کی نہایت اہم کتاب ہے۔ جس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں۔ ہمارے پیش نظر 8 جون 1981ء بمطابق 5 شعبان المعظم 1401ھ کو شائع ہونے والا ایڈیشن ہے جو

کہ 18×8/22 سائیز کے 208 صفحات پر مشتمل ہے اور آفسٹ کتابت وطباعت پر چھپا ہے اس کے علاوہ آپ نے اپنے مرید وخلیفہ قاضی عالم الدین سیالکوٹیؒ سے مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اُردو ترجمہ کروا کر شائع کیا جو آپ کی علم وادب اور تصوف کے میدان میں بہت بڑی خدمت ہے۔ کیونکہ اس طرح علوم ومعارف کے اس بحرِ ذخار سے عام لوگ بھی مستفید ومستفیض ہوئے۔ اس کے علاوہ دُعائے حزب البحراز حضرت امام ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ کو از سرِ نو مرتب فرما کر شائع کیا۔ اس ترتیب کے دوران برصغیر پاک وہند کے اطراف واکناف بکہ مصر اور بیروت سے دعائے حزب البحر کے نسخے منگوائے اور اُنھیں سامنے رکھ کر ایک قابل وثوق نسخہ مرتب فرمایا، عیدگاہ راولپنڈی کی موجودہ عمارت بھی آپ کی توجہات کا نتیجہ ہے۔

معاصرین میں مندرجہ ذیل حضرات سے آپ کے گہرے اور خصوصی روابط تھے:

(1) سنوسئ ہند امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ (ف 1951ء)

(2) حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ (ف 1937ء)

(3) شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہٗ (ف 1938ء)

(4) حضرت سائین توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ (ف 1315ھ)

آپ نے بہت سے حضرات کو خرقۂ خلافت سے نوازا چند ایک خلفاء کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(1) حضرت خواجہ صوفی محمد نواب الدینؒ موہری شریف ضلع گجرات (ف 1965ء)

(2) حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن عیدگاہ شریف راولپنڈی (فرزند گرامی قدر) (ف 1961ء)

(3) حضرت مولانا قاضی عالم الدینؒ سیالکوٹی (مدفون بڑا قبرستان گوجرانوالہ)

(4) حضرت مولانا حکیم خادم علیؒ سیالکوٹی (ف 1971ء)

(5) فقیہ اعظم حضرت مولانا محمد شریفؒ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ (ف 1951ء)

(6) حضرت سائیں کریم بخشؒ (مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ)

(7) حضرت بابو کرم الدینؒ لالہ موسیٰ ضلع گجرات (ف 1351ء)

(8) حضرت مولوی حاجی فیروز الدینؒ موہڑہ پیکاں ضلع راولپنڈی

(9) حضرت حاجی نظام الدینؒ موضع کٹاریاں متصل نور پور شاہاں ضلع راولپنڈی

(10) حضرت سید غلام شبیرؒ جالندھری (ف 31 مئی 1935ء کوئٹہ)

(11) حضرت سائیں نور الحسنؒ پنڈ جھاٹلہ ضلع راولپنڈی (مدفون موضع کھگر متصل امیٹھی ضلع لکھنوانڈیا)

(12) حضرت الحاج صوفی عبدالرحمٰن مظفرنگری ثم سہارنپوری (ف 28 نومبر 1950ء)

(13) حضرت مولانا الحاج صوفی محمد ثناء اللہؒ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

(14) حضرت الحاج صوفی محمد نیاز الدین کوٹی لوہاراں ضلع سیالکوٹ (ف 1942ء باوڑہ کلکتہ)

(15) حضرت مولوی فضل احمدؒ صاحب (ف 1977ء)

(16) حضرت میاں محمد عبداللطیف ریٹائرڈ سیشن جج آف لاہور۔

(17) حضرت حاجی رحمت اللہ کاٹھیاواڑیؒ

(18) حضرت سید فضل شاہؒ موضع ڈھریالہ جالپ ضلع جہلم

(19) حضرت حافظ دین محمد موضع گاڑ ضلع راولپنڈی

(20) حضرت حاجی صوفی میراں بخشؒ (خادم خاص حضرت قدس سرہٗ)

(21) حضرت سید راجن شاہؒ کمانوالہ متصل سیالکوٹ شہر (ف 26 اپریل 1945ء)

(22) حضرت حافظ مولوی محمد اکبر کریمیؒ آف ضلع گجرات (مدفون لاہور)

(23) حضرت سید حاکم شاہؒ موضع وڑائچانوالہ ضلع گجرات (ف 12 دسمبر 1949ء)

(24) حضرت صوفی حاکم دینؒ موضع تنگلیاں متصل پسرور ضلع سیالکوٹ

(25) حضرت مولوی نور حسین موضع موسیٰ ضلع اٹک

(26) حضرت الحاج مولوی محمد یوسف میر پوریؒ (آزاد کشمیر)

(27) حضرت الحاج مولوی دیوان علیؒ موہری شریف ضلع گجرات

(28) حضرت الحاج مولانا محمد سعید کاشغریؒ (مدفون کاشغر، ترکستان)

آپ کی وفات حسرت آیات 28 صفر 1355ھ بمطابق 20 مئی 1936ء بروز بدھ وار ہوئی۔ عیدگاہ راولپنڈی میں مزارِ پرانوار بنا۔ فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا

قبلۂ دین و کعبۂ ایماں ناصرِ دین و مذہب نعماں
وارثِ علمِ مصطفویٰ قطبِ دہر و غوثِ زماں
چشمۂ فیض و عارفِ کامل مطلعِ نور و معدنِ عرفاں
یعنی شیخ عبد کریم واقف علم و حافظ قرآں
در شب بستم ماہِ مئی گشت از چشمِ ما پنہاں
ہاتف گفتہ سالِ وصلتس ''پیر عظیم زیب جناں''
1355ھ

ارشاداتِ قدسیہ

1- اعمال کی صحت وقبولیت اخلاص نیت پر منحصر ہے۔ ہر ایک آدمی اپنے عمل سے اُسی نتیجہ کا حق دار ہوتا ہے جس کی

اُس نے نیت کی ہو۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا ارشاد بھی نیت میں خلوص پیدا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

-2 شریعت حقہ کی بڑے ذوق وشوق اور احتیاط سے پابندی کرو اور اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہو کیونکہ شریعتِ حقہ ہی حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے۔ نیز شریعتِ حقہ کی پابندی امراض باطنی کا ازالہ کرتی ہے۔

-3 طالبِ صادق کے لیے ضروری اور لازمی ہے کہ ہر حال میں روئے دل اپنے شیخ و مرشد کی طرف رکھے اور جو کچھ کہیں سے بھی حاصل ہوا اپنے شیخ کی توجہ سے جانے۔

-4 مرید کا رابطہ اپنے شیخ کے ساتھ جس قدر قوی ہوگا اُسی قدر اُس پر فیوض و برکات کا فیضان ہوگا اور معرفت زیادہ ہوگی۔ ذکر وعبادت میں سستی نہ آئے گی۔ فنافی الشیخ ہونا ہی عین فنافی الرسول اور فنافی اللہ ہے۔ مگر یہ نعمت کسی قمت والے کو ملتی ہے۔ جو معرفت اور ترقی رابطہ سے ہوتی ہے وہ کسی اور شے سے نہیں ہوتی۔ رابطہ شرک نہیں۔ رابطہ مرید کے لیے زینہ ہے، جس کے ذریعے سے وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ پس شیخ کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا چاہیئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

رابطہ کیا ہے یہ عینک ہے پسر
نُورِ وحدت جس سے آتا ہے نظر

-5 مبتدی کو فرض نمازوں کے سوا باقی اوقات ذکر الٰہی میں بسر کرنا چاہیئے جب تک ذکر ملکہ راسخہ اور سلطان الاذکار تک نہ پہنچ جائے نوافل ومستحب میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔

-6 نماز تہجد کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ اس نماز سے راہِ راست پر آ جاتا ہے۔

-7 طریقہ علیہ نقشبندیہ دوسرے طریقوں پر اس لیے فضیلت رکھتا ہے کہ اس میں سنت کا اتباع ہے اور بدعت سے اجتناب اور اس کی بنا شیخ کی محبت اور صحبت پر ہے۔

-8 امراضِ قلبی میں سے دو مرضیں اس قسم کی ہیں جو تمام امراض کی جڑ ہیں۔ اگر ان کا علاج ہو جائے تو باقی تمام امراض دُور ہو جاتے ہیں۔ ایک خود بینی، دوسرے بدبینی۔

مرا شیخ دانائے مُرشد شہابؒ
دو اندر ز فُرمود بر روئے آب
یکے آں کہ برخویش خوش بیں مباش
دِگر آں کہ برگیر بدبیں مباش
(سعدیؒ)

(ترجمہ): میرے داتا پیر و مرشد حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے دریا کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں فرمائیں۔ پہلی یہ کہ تو خود بین نہ بن، دوسری یہ کہ غیر کو بُری نظر سے نہ دیکھ۔

9- دُعا مانگنا اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک قوی رابطہ ہے۔اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

10- جوگزر چکی وہ واپس آنے کی نہیں اور جو آئندہ آنے والی ہے اُس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پس یہی وقت جو موجود ہے اسی میں جو کچھ کرنا ہے کرلو۔

11- جو لوگ بیگانی عورتوں کی محبت کو عشق مجازی کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں بلکہ یہ فسق و فجور اور شیطانی کام ہے۔اس سے کبھی عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا ہے عشق مجازی اپنے پیشوا کی محبت اور عشق ہے۔اس میں جس قدر ترقی کرے گا اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا عشق حاصل ہوگا۔

12- کم از کم آدمی اتنا ہی کیا کرے کہ سحری کے وقت اُٹھ کر رویا کرے اور کہے الٰہی! میں ناواقف ہوں اپنی تھوڑی سی محبت مجھے بھی عطا فرما۔

13- اللہ کریم کی رضا پر راضی نہ رہنا اور شاکی ہونا گویا اللہ کریم کے ساتھ جدال کرنا ہے۔

14- اصل توکل اللہ کریم پر ہی ہونا چاہیئے ورنہ یہی شرکِ خفی ہے۔

15- خاصوں سے گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوتے۔خدا اُنھیں بچائے رکھتا ہے۔معمولی لغزشوں کا سرزد ہو جانا اور بات ہے۔

(35)

حضرت خواجہ محمد نواب الدین موہروی قدس سرہٗ

موضع کھمباہ	1319ھ	1385ھ	موہری شریف
ریاست جموں کشمیر	1901ء	1965ء	ضلع گجرات

مادۂ تاریخ رحلت

"غوثِ مہتدی" — 1965ء

"پیرِ بے نظیر" — 1385ھ

"ایزد شناس صوفی خواجہ نواب الدین نقشبندی مجددی"

1965ء

"سلطان العلماء پیر موہری شریف" — 1385ھ

"نواب الدین خیرِ شیخ کامل" — 1965ء

(35) حضرت خواجہ محمد نواب الدین موہروی قدس سرہٗ

حضرت خواجہ صوفی محمد نواب الدین کی ولادت باسعادت 28 صفر المظفر 1319ھ بمطابق یکم فروری 1901ء بروز جمعۃ المبارک موضع کھمباہ، ریاست جموں وکشمیر میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک بابا احمد دینؒ تھا۔ آپ کی ولادت کے وقت بابا احمد دین سیر کرنے کے لیے جنگل میں گئے تھے۔ ناگاہ ایک شیر اُن کے سامنے آیا اور اپنا سر اُن کے قدموں میں رکھ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر بابا جی حیران رہ گئے۔

واپسی پر راستے میں اُس علاقہ کے مشہور مجذوب بزرگ نے بابا احمد دین کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سعید وصالح فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ہوگا اور ایک جہان کو نور ایمان سے منور کرے گا۔ چنانچہ آپ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ بچپن میں یہ حالت تھی کہ گھنٹوں آسمان کی طرف دیکھتے رہتے اور کبھی تفکرات میں ایسے کھو جاتے کہ ماحول کی کچھ خبر نہ رہتی۔ چھ سال کی عمر میں آپ کی ملاقات ابدالِ زماں حضرت سید ولایت شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی جنھوں نے آپ کی باطنی تربیت فرمائی اور اس طرح بچپن ہی م یں آپ سے آثارِ ولایت رونما ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ؎

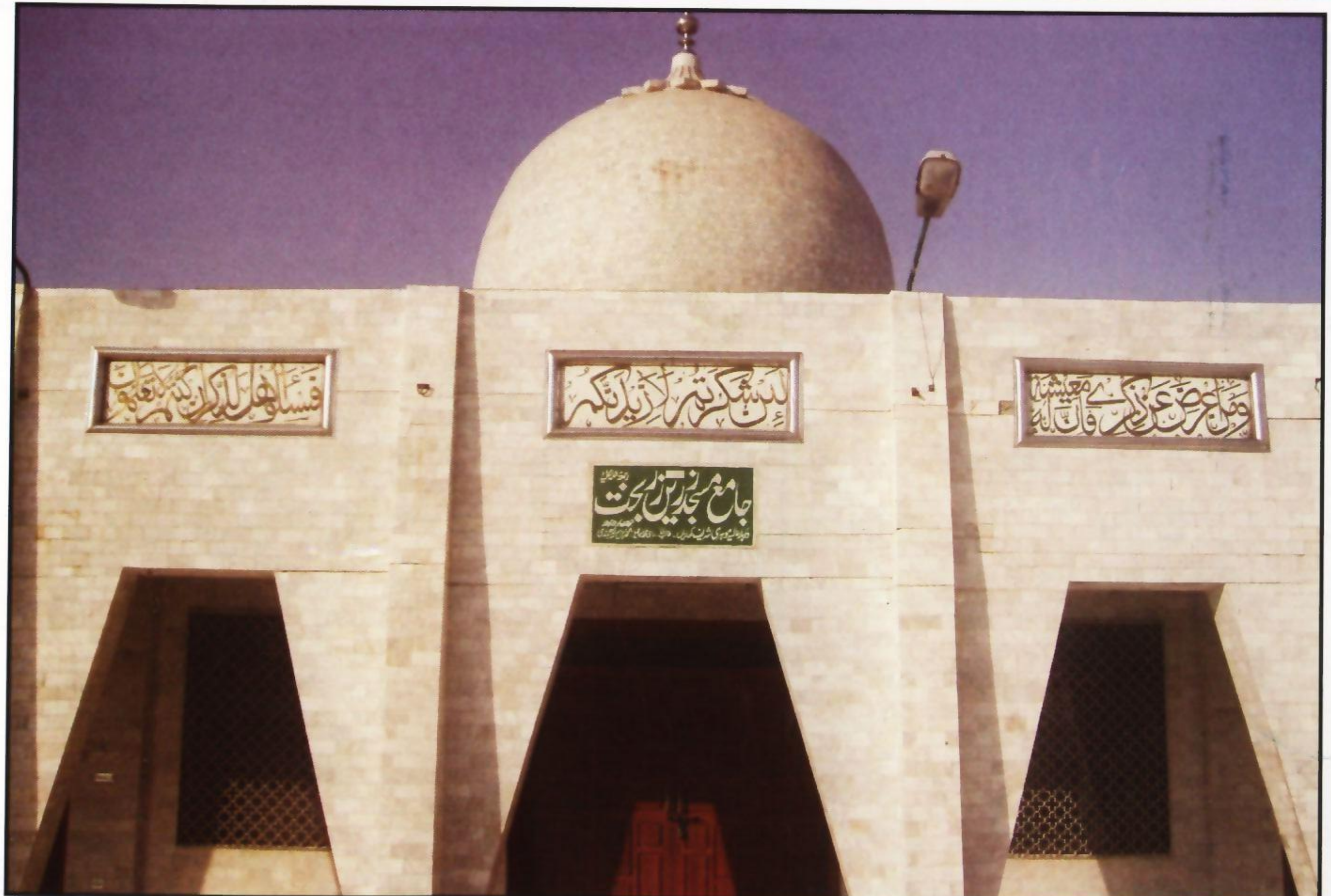
بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارهٔ بلندی

آپ کی ولادت مبارک کے کچھ عرصہ بعد آپ کے والد ماجد بابا احمد دینؒ نے موضع کھمباہ ریاست جموں وکشمیر سے نقل مکانی کر کے قصبہ موہری شریف تحصیل کھاریاں گجرات (پنجاب) میں سکونت اختیار کر لی اور پھر یہیں کے ہی ہو کر رہ گئے اور پھر آپ کے وجودِ مسعود سے موہری شریف کو جو شہرت وعزت ملی وہ اظہر من الشمس ہے۔

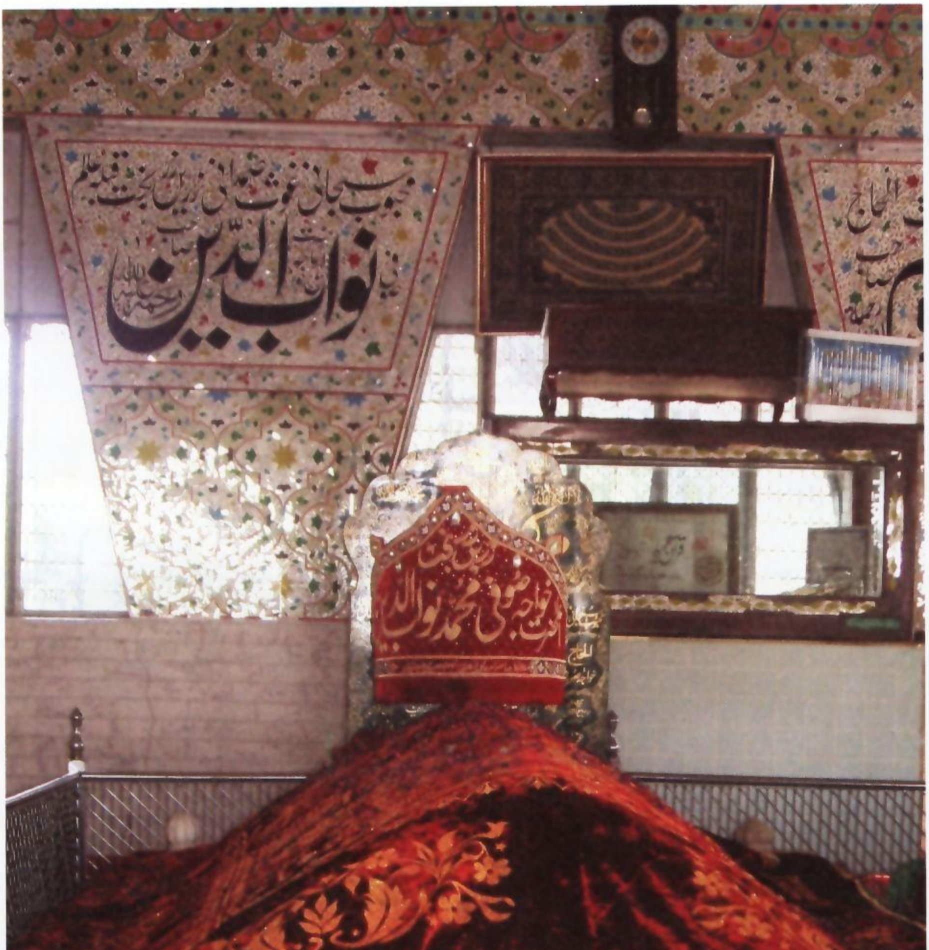
29 سال کی عمر مبارک میں آپ نے آفتابِ ولایت غوثِ زماں قطب دوراں حضرت حافظ محمد عبدالکریمؒ روالپنڈی والوں کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ یہ 15 اپریل 1929ء کا واقعہ ہے۔ حلقۂ ارادت میں آتے ہی آپ کی قلبی کیفیت بدل گئی۔ چونکہ طالبِ صادق تھے، اس لیے مرشدِ کامل کی برقی توجہ نے آپ کا کام بہت جلد بنا دیا۔ ؎

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل
التفات اُن کی نظروں نے دوبارہ نہ کیا

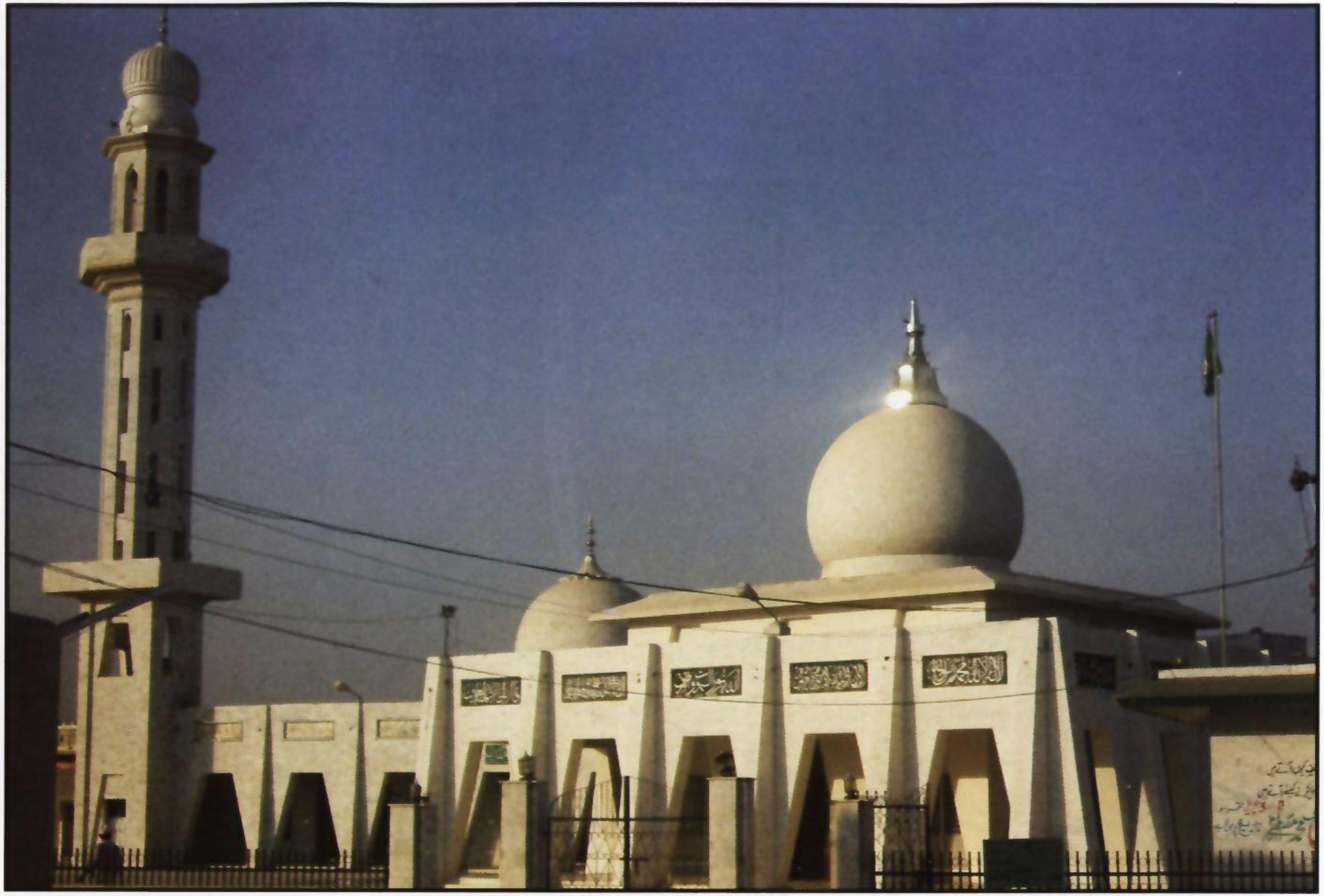
آپ حضرت حافظ محمد عبدالکریمؒ کے گروہِ خاص میں شامل ہو گئے اور جلوت وخلوت میں 9 ماہ تک حاضر خدمت رہ کر منازل سلوک طے کیں۔ 7 مارچ 1931ء کو مرشد کامل نے آپ کو اجازت وخلافت سے نواز کر خلقِ خدا کی روحانی



قبلہ عالم خواجہ نواب الدین صاحبؒ کے مزار شریف سے متصل جامع مسجد زریں زربخت کا منظر



قبلہ عالم خواجہ نواب الدین صاحبؒ کی مرقد انور کا منظر



قبلہ عالم خواجہ نواب الدین صاحبؒ کے مزار شریف کا اندرونی منظر



قبلہ عالم خواجہ نواب الدین صاحبؒ کے مزار شریف کا صدر دروازہ (کھاریاں)

صوفی نواب الدین صاحب سلمہٗ ربہٗ

صوفی نواب الدین صاحب موضع موہری تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں۔ فوجی ملازم تھے۔ قسمت نے یاوری کی اور دل میں حق تعالیٰ کی طلب پیدا ہوئی۔ حق کی طلب ان کے رفیق حال ہوگئی۔ جس نے دردو عشق اور سوز و گداز عطا فرمایا۔ پیر خدا آگاہ اور واقف راہ کی تلاش میں کمر ہمت باندھ کر مدتوں پھرے اور اکثر فقرا کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے۔ مگر کہیں دلجمعی اور اطمینان میسر نہ ہوا۔ آخر کار جذب الٰہی کی زبردست کشش نے جناب قبلہ عالم حضرت صاحب قدس سرہٗ کے آستانہ عالیہ پر لا حاضر کیا۔ جناب قبلہ عالم حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت فیص بشارت سے ہی ان کی حالت دگرگوں ہوگئی کہنے لگے کہ بس مطلوب و مقصود یہیں سے ملے گا۔ قبلہ عالم جناب حضرت صاحبؒ نے ان کو داخل طریقہ فرما کر ذکر قلبی کی تعلیم سے مشرف فرمایا اور اپنی توجہ پاک کی برکت سے ان کا کام بہت جلد بنا دیا۔ صوفی صاحب مذکور بھی کمال ذوق وشوق اور عاجزی و اطاعت گزاری کے ساتھ جناب قبلہ عالم حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت بجالاتے رہے اور خداداد سعادت سے جناب قبلہ عالم حضرت صاحبؒ کے خواصان کے گروہ میں داخل ہو گئے اجازت و خلافت عطا ہوئی۔ جناب حضرت صاحبؒ کی برقی توجہ کی تاثیر سے ان پر ایسا اثر ہوا کہ فوجی ملازمت کے زمانہ میں ان سے بعض خوارق عادات کا ظہور ہوا جن کی بنا پر فرنگی افسر اُن کو مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ جناب حضرت صاحب نے ان کو ملازمت ترک کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ جو کہ وہ فوراً بجا لائے اور ملازمت فوجی سے علیحدہ ہو گئے۔ پنجاب میں اور بالخصوص علاقہ یاغستان میں ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو فیض پہنچا ہے۔ تیراہ شریف اور سوات نبیر کے علاقہ میں بکثرت لوگ ان کے ذریعہ سے داخل طریقہ ہو کر فیض یاب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

عکس خلافت نامہ حضور قبلہ عالم جناب خواجہ صوفی نواب الدین رحمتہ اللہ علیہ

تصویر از ''آثار الکریم'' شائع کردہ 1926ء

بشکریہ دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور شہر

رہنمائی کا حکم دیا تو آپ نے دست بستہ عرض کیا کہ ''حضور! بندہ اس مقصد (خلافت واجازت) کے حصول کے لیے قدموں میں نہیں آیا تا۔ مجھے آپ کی غلامی میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہی کافی ہے''۔ صدق واخلاص سے لبریز اور عقیدت ومحبت سے بھرپور ان الفاظ نے جامِ محبت کو چھلکا دیا اور حضرت حافظ صاحبؒ جوش میں آ گئے۔ تین بار دستِ اقدس زمین پر مارا اور فرمایا ''بیٹا! تمھاری سعادت اسی میں ہے، سب تجھے بخشتا ہوں اور فرمایا کہ تمھارا دوست میرا دوست اور تمھارا دشمن میرا دشمن ہے اور جہاں تم ہو گے وہاں میں ہوں گا، تمھاری اور میری توجہ میں کوئی فرق نہ ہوگا''۔ حضرت قبلہ حافظ صاحبؒ کے ان مشفقانہ اور پیار بھرے الفاظ اور الطافت واکرام نے آپ کے قلب کو روحانیت اور نورِ ولایت کی عظیم دولت سے منور کر دیا۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہو گئے
تم ہمارے اور ہم تمھارے ہو گئے

قیامِ راولپنڈی کے دوران میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہوا کہ عیدگاہ شریف کے قریب گندگی اور کوڑا کرکٹ کے بہت بڑے ڈھیر تھے۔ کسی شخص نے بلدیہ راولپنڈی کو رپورٹ کی کہ عیدگاہ کے قریب گندگی اور کوڑا کرکٹ دس پندرہ ٹرالی کے قریب پڑا ہوا ہے، جس سے بیماریاں پھیلنے کا اندیشہ ہے بلدیہ کے افسران نے اگلے دن موقعہ دیکھنا تھا کہ رات کو حضرت حافظ محمد عبدالکریم رحمتہ اللہ علیہ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ آپ نے حاضر خدمت دوستوں سے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی ایسا بندہ ہے جو راتوں رات ہی تمام گندگی اُٹھا کر باہر پھینک دے۔'' تمام دوست خاموش رہے۔ آپ (خواجہ نواب الدین) نے موقع کو غنیمت جان کر دست بستہ عرض کی کہ حضور!'' مجھے ہی بندہ بالیا جائے اور پھر ایک دوست کو ساتھ لے کر کہا کہ تم گندگی، کوڑا کرکٹ ٹوکری میں ڈال کر میرے سر پر رکھواتے جاؤ اور میں باہر جا کر پھینکتا جاؤں گا۔

آپ نے راتوں رات تمام گندگی اُٹھا کر باہر پھینک دی اور جگہ بالکل صاف کر دی۔ صبح بلدیہ کے افسران نے معائینہ کیا تو جگہ بالکل صاف تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت حافظ صاحبؒ کا دریائے جودوکرم جوش میں آ گیا اور گھر سے نہانے کے لیے لسی اور صابن لا کر دیا اور فرمایا کہ ''اچھی طرح نہا لو''۔ آپ (حضرت خواجہ نواب الدینؒ) فرمایا کرتے تھے کہ ''جب میں غسل کر کے فارغ ہوا تو تعمیل حکم شیخ اور نگاہِ کریمی کے انوارات کچھ ایسے تھے کہ اُسی وقت میرے جسم سے عطر، عنبر وحنا کی بھینی بھینی خوشبو آنے لگی اور مجھے جسم کا ہر حصہ گوشت و پوست عطر وگلاب سے معطر محسوس ہونے لگا۔

اجازتِ خلافت کے بعد آپ نے برصغیر پاک وہند کا تبلیغی اور روحانی سفر شروع کر دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے حلقہ میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ جو بھی آپ کی مجلس میں آتا، اُٹھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ بقول حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے خلیق

پاکستان کے طول وعرض اور اطراف واکناف میں آپ کی روحانیت کے ڈنکے بجے اور لوگ جوق در جوق آپ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہونے لگے۔ ہر وقت مریدوں کا ہجوم نجوم رہنے لگا۔ جو شخص بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسیر ہو جاتا کیونکہ آپ کی زیارت سے تجلیاتِ الٰہیہ کا ظہور ہوتا تھا جن کا اظہار ان اشعار سے ہوتا ہے۔

رحم فرما از طفیلِ ہادیٔ دین متیں
صاحب نُور بصیرت خواجۂ نواب دیں
جن کا سینہ دولتِ توحید کا گنجینہ ہے
قلب صافی جن کا، حسن طور کا آئینہ ہے
جن کی پیشانی کتاب اللہ کی تفسیر ہے
جن کا آئین خودی میں گرمیٔ شبیرؓ ہے

طالبوں کی تربیت کرنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی شفقت اور مہربانی عنایت فرمائی تھی۔ کند ذہن اور بے ہمت لوگ بھی آپ کی خصوصی توجہ سے معرفت کی بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے اور ہر ایک دست کی ہدایت میں یوں محنت فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دوستوں کی بڑی قدر کرتے اور انھیں اپنی اولاد اور جان کی طرح عزیز جانتے تھے۔

1375ھ بمطابق 1956ء میں آپ بذریعہ ٹرانسپورٹ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ جب قافلہ لاہور پہنچا تو آپ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار پر انوار حاضر ہوئے۔ پھر جب قافلہ بصرہ پہنچا تو آپ نے زبیر نامی گاؤں میں پہنچ کر اصحابِ رسولؐ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت انس بن مالکؓ کے مزارات پر حاضری دے کر فیوض و برکات کے خزانے لوٹے۔ پھر حضرت حسن بصریؒ کے مزار مقدس پر بھی حاضر ہوئے۔ بصرہ سے روانہ ہو کر کویت، مدینۃ القریہ، ماقلہ، روماہ اور مرات ہوتے ہوئے سہل پہنچے۔ جہاں پر تمام قافلہ نے احرام باندھا۔ اس یک رنگی سے آپ کے دل پر عجب رقت طاری ہوئی۔ جس طرف نگاہ اٹھتی یہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج آسمان و زمین والوں نے احرام باندھا ہوا ہے۔ دوسری صبح روانگی ہوئی تو جوں جوں مکہ معظّمہ قریب آتا تھا۔ طبیعت میں رقت بڑھتی جاتی تھی۔ بیعت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی لطائف اپنے اپنے مقام پر جگمگ جگمگ کرنے لگے۔ آپ نے ہر ایک لطیفہ کا نور علیحدہ علیحدہ مشاہدہ کیا۔ مناسکِ حج کے دوران جب آپ میدانِ عرفات میں پہنچے تو نماز ظہر کے بعد نماز تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ جب بدن مبارک میں تھکاوٹ محسوس ہوئی تو استراحت کے لیے لیٹ گئے۔ خواب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معہ انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام جبلِ رحمت پر جلوہ افروز ہیں۔ اور فرما رہے کہ:

''نواب الدین! آپ کو غوثیت اور قطبیت مبارک ہو۔ اس سال تمھارا اور دوسرے سب حاجیوں کا حج قبول ہے۔''

''مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر مدینہ شریف پہنچے تو گنبدِ خضریٰ پر نظر پڑتے ہی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی زبان میں بے ساختہ پکار اُٹھے۔

مراں از در کہ مشتاقِ حضوریم
ازاں دردے کہ دادی ناصبُوریم

''میرے آقا! میں آپ کی دید کا مشتاق ہوں۔ مجھے اپنے در سے دُور نہ کیجیے کیونکہ آپ نے جو درد دیا ہے اُس کی سرشت ناصبوری ہے۔''

بہ فرما ہر چہ می خواہی بجز صبر
کہ ما از دی دو صد سنگ دوریم

''آپ ہر حکم دیں، بجز صبر۔ کہ اس کی تلقین عاشقِ جنوں پیشہ کے لیے پہاڑ سے کم نہیں ہے۔''

جب روضۂ اطہر کے قریب پہنچے تو آپ کی حالت دیدنی تھی۔ زبان سے درود و کلام کے نذرانے پیش کیے جا رہے تھے۔ دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا اور ایسا ہوتا بھی کیوں ناں کہ۔

هاتيك روضة تفوح نسيما ''یہ ہے وہ روضہ جو خوشگوار نسیم پھیلا رہا ہے
صلوا عليه وسلمو اتسليما اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجو۔''

اور آنسو کیوں نہ بہتے کہ۔

وان شفائى عبرة مهراقة ''بہتے ہوئے آنسو ہی میری تسکین وتشفی کا ذریعہ ہے۔''

دیوانوں کی طرح مجمع کو چیرتے پھاڑتے روضے کے قریب پہنچے اور رک گئے اور آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کبھی کہتے اللهم صلى علىٰ الخ اور کبھی کہتے صلى الله عليك يا رسول الله پھر شوق نے جو کہلوایا کہا، جو کچھ کرایا، کیا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ سیلابِ گریہ وبکا کے بند ٹوٹ گئے ہیں۔ جب بھی زور سے چیخ نکلی تو لا ترفعوا اصواتكم الخ نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ شوق اور ادب میں ایک کشمکش جاری تھی اور آپ دونوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، کبھی اِدھر جاتے اور کبھی اُدھر۔ زائرین کے دھکوں کا بھی مزہ لوٹتے رہے اور روحانی دھکوں کا بھی لطف لیتے رہے۔ ایک طرف نامۂ اعمال سامنے تھا اور دوسری طرف لَا تَقْنَطُوْا کی پکار۔ اِدھر شرم وندامت سے گردن جھکی ہوئی اور اُدھر بالمؤمنین روف رحیم کی آغوشِ رحمت کھلی ہوئی۔ روئے، چیخے، تڑپے، آنکھیں اشکِ ندامت سے تر کر کے صلوۃ وسلام کی ڈالی پیش کی۔ کیا بتایا جائے کہ اُن پر کیا کیفیت طاری تھی؟ تو اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اس بے خودی کے عالم میں کس کس طرح گئے، یاد نہیں۔ کیا دعائیں کیں یہ بھی یاد نہیں۔ یہ ایک کیف تھا جس نے اُنہیں سب کچھ بھلا دیا تھا۔

کچھ ہوش نہیں کہ ہوں میں کس عالم میں
ساقی نے یہ کیا پلا دیا ہے مجھ کو!

آپ کا یہ درد، تڑپ، سوز وساز، آہ وزاری، عاجزی وانکساری اور عشق ومحبت میں تڑپنا پھڑ کنا رنگ لایا اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (گنبد خضریٰ) سے آواز آئی مَرْحَبًا اَھْلًا وَّسَھْلًا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیا اور آپ نے جو کچھ لیا، وہ دینے والا جانے یا لینے والا ہم کون ہیں جو اس کی تشریح وتفصیل میں جائیں۔

کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
کیا کہوں میں کہ کیا دیا تُو نے
بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا، دیا تُو نے
(داغ)

جب وصل ودیدار کے پاس ایام پورے ہوئے تو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ یہ قافلہ بروز ہفتہ 4 اگست 1956ء کو واپس روانہ ہوا۔ راستے میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزاراتِ مقدسہ کی بھی زیارت کی۔ پھر آپ نے جمعتہ المبارک کی نماز سے پہلے حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ کے مزار پاک کی زیارت کی۔ نماز جمعہ کے بعد کاظمین شریف تشریف لے گئے اور حضرت امام موسیٰ کاظمؒ، حضرت امام تقیؒ، حضرت ابو یوسفؒ، حضرت جنید بغدادیؒ سری سقطیؒ کے مزارات کی زیارات بھی کیں۔ پھر یہ قافلہ ایران پہنچا (29 اگست کو) جہاں بہت سے شیعہ لوگ آپ کے حلقہ میں داخل ہو کر تائب ہوئے اور پھر یہ قافلہ شاداں وفرحاں دربار عالیہ موہری شریف پہنچ گیا۔

آپ کی تمام زندگی عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ اور عشق ومحبت سے عبارت ہے۔ پنج گانہ نماز باجماعت کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین اور صلوٰۃ التسبیح سے بھی خاص رغبت تھی۔ حزب البحر، ختم خواجگان، صبح وشام مراقبہ اور قرآن خوانی آپ کے عزیز ترین مشاغل تھے۔ رمضان المبارک میں پورے ماہ کا جامع مسجد میں اعتکاف کرنا آپ کا معمول تھا۔ گویا آپ کا ہر قول وفعل سنت نبوی کا آئینہ دار تھا۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمایۂ حیات تھا اور راتوں کو دردِ ہجر میں تڑپ تڑپ کر اور فریاد کرنا اُن کو وظیفۂ زندگی ۔

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کر تیرا دیوانہ وار رویا

آپ کی وفات حسرت آیات 12 ربیع الاوّل 1385ھ بمطابق 12 جولائی 1965ء بروز پیروار بروز سعید عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کے وقت کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے ہوئی۔ موہری شریف میں آخری آرام گاہ بنی۔

مزار مقدس مرجع خاص وعام ہے۔

بہت سے شعراء حضرات نے آپ کی وفات پر قطعاتِ تاریخ لکھے۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1) (از جناب چوہدری صوفی فضل کریم فضل ایئر ہیڈ کوارٹرز پشاور)

صد افسوس آں خواجہ نواب دیں — سُپرد د جانش بجا آفریں
ہوا پیر کو پیر کا انتقال — ربیع الاوّل کی تھی بارھویں
پچاسی برس ہونے پائے نہ تھا — چلی جا رہی تھی صدی چودھویں
تریسٹھ برس تھی عمر آپ کی — چہ خوش نسبتے با شہنشاہِ دیں
تھا فضلِ خدا اُن پہ بے انتہا — کہ مُحکم ہوا اُن سے دینِ مُبیں
تھی نظرِ کرم خواجہؒ کونین کی — کہ اُن کی نظر ہو گئی دل نشیں
تھی صدیق اکبرؓ سے نسبت اُنھیں — مُرید اپنے خواجہؒ کے تھے بہتریں
وصال آپ کا باعثِ رنج ہے — زباں کو بیاں کا بھی یارا نہیں
جو کام اُن کا تھا وہ مکمل ہوا — بحمداللہ دِل میں خلش کچھ نہیں
پشاور کو ایسا خلیفہ دیا — کہ ممنون اُن کی ہے یہ سر زمیں
جواں سال خواجہ عبداللہ جاں — ہے بارِ امانت کے شایاں امیں

رہے تا ابد جاری فیض آپ کا
رہیں اعلیٰ حضرت بھی جنت مکیں

(2) (از حضرت مرزا صابر براری صاحب مدظلہ، کراچی)

اُٹھے بزمِ تصوف سے وہ عامل — مجدد الف ثانیؒ کے تھے بسمل
شہِ عبدالکریم نقشبندیؒ — تھے اُن کے مقتدا، پیر سلاسل
وہ فیضِ پیر و مرشد کی بدولت — شریعت اور طریقت کے تھے حامل
ہے اُن کے ہجر میں ہر شخص غمگین — ہے پژمردہ ہر اک کا غنچۂ دل
ہے اُن کے دم قدم سے کتنی رونق — ہے سُنساں کس قدر اب اپنی محفل
ہوئے معصوم اب سجادہ اُن کے — اُنھی کے حسن صورت کے مماثل
عطا ہو ان کو عمرِ خضر یا رب — ہوئے بزمِ مشائخ میں یہ شامل

ملیں گے اب تو صابر حشر کے دن
''نواب پارسا یاں شیخ کامل''
1385ھ

(3) (از محمد صادق قصوری، بُرج کلاں ضلع قصور)

گئے جب جنت کو وہ بدر منیر
خواجہ نواب الدین روشن ضمیر
کہاں صادق نے یہ سالِ وصال
''غوثِ مُہتدیٰ'' پیر بے نظیر

آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم[1] صاحب قبلہ آپ کے سجادہ نشین تھے جو آسمانِ شریعت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

ارشاداتِ قدسیہ

1- سب سے بڑی کرامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہے۔
2- اپنی قدر کرو، خدا تعالیٰ تمہاری قدر کرے گا۔ قدر سے مراد یہ ہے کہ معمولی معمولی گناہوں پر اپنے آپ کو نہ بیچ دیا جائے۔
3- کرامت کی خواہش نہ کرو بلکہ خود کار آمد بنو۔
4- استقامت حاصل کرو، تمھارا کام کرامت بن جائے گا۔
5- مجلس میں صفائی، پاکیزگی اور طہارت کو مدنظر رکھیں تاکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح توجہ مبارک سے فیض یاب ہوں۔
6- دنیا میں جس کا کسی ولیٔ کامل سے تعلق نہیں ہے، اُس کو صحیح اطمینان قلب حاصل نہیں ہوسکتا۔
7- یادِ خدا سے کبھی غافل نہ ہو۔
8- نفسِ امارہ کی مخالفت پر ڈٹے رہو۔
9- تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر ہمیشہ قائم رہو۔
10- اگر جلد ہی منازلِ تصوف طے کرنا چاہتے ہو تو مخلصین کے دل میں ڈیرے ڈال دو۔

اب خواجہ محمد معصوم مدظلہ سجادہ نشین کے ارشادات گرامی بھی ملاحظہ ہوں۔

---

[1] نومبر ۱۹۹۳ء کو حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ کا انتقال ہوا۔

(1) دوستو! ذکر خدا بہت بڑی دولت ہے۔

(2) اپنی پہچان کرو، اپنی پہچان سے تمہیں خدا کی معرفت نصیب ہوگی۔

(3) خدا کے مقبول بندوں کی مجلس میں از راہِ تنقید نہ آنا چاہیئے۔

(4) ولی کامل کو دیکھنے کا تصور نہ کیا جائے بلکہ یہ خیال کیا جائے کہ ولی کامل ایک نظر ہمیں دیکھ لے۔

(5) لوحِ قلب کو غیر اللہ کے نقوش سے صاف رکھو۔

(6) کرامت کی خواہش نہ کرو بلکہ خود اسوۂ حسنہ کا عملی نمونہ اور عزیمت و استقامت کا پیکر بن کر مجسم کرامت بن جاؤ۔

(7) ہمیشہ سنتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل پیرا رہو۔

(36)

حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدین مدظلہٗ العالی

پشاور شہر	1356ھ / 1938ء	الحمدللہ حیات ہیں

(36) حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان محی الدّین مدظلہٗ العالی

چودھویں صدی کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ (1208ھ --- 1313ھ) نے ایک روز اپنے خاص مرید وخلیفہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (1262ھ---1346ھ) سے پوچھا کہ تم نے کوئی عشق کی دکان بھی دیکھی ہے اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا ہم نے دو دکانیں دیکھی ہیں۔ ایک حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ (1158ھ --- 1240ھ) اور دوسری حضرت شاہ محمد آفاق نقشبندیؒ (1160ھ...... 1251ھ) کی کہ اِن دکانوں میں عشق کا سودا بکا کرتا تھا۔ حضرت مولاناؒ کو چونکہ اپنا حصہ انھی دکانوں سے مل گیا تھا، اس لیے آپ کو مزید تلاش کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ ورنہ اُسی زمانے میں ہندوستان کے دل پنجاب میں عشق الٰہی کی ایک بہت بڑی دکان ایک فاروقی شہزادے نے بھی کھول رکھی تھی۔ جہاں سے طالبانِ حق دولتِ عشق سے جھولیاں بھر بھر کے لے جاتے تھے۔ اس شہزادے کا نام نامی اسمِ گرامی حضرت خواجہ باباجی فقیر محمد نقشبندی چوراہی رحمتہ اللہ علیہ (1213ھ---1315ھ) تھا۔ علی پور سیداں شریف (سیالکوٹ) سے سنوسئی ہند امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہؒ (1246ھ 1256ھ--- 1370ھ) راولپنڈی سے حضرت خواجہ حافظ محمد عبدالکریم رحمتہ اللہ علیہ (1264ھ---1355ھ) بگّہ (جہلم) سے حضرت مولانا غلام محمد بگوی (1255ھ--- 1318ھ) جیسے لوگ آئے تھے اور اسی دکان سے عشق کا سودا خرید کر کامیاب وکامران واپس گئے تھے۔

آج اگرچہ "سودائے عشق" اور "دوائے دل" بیچنے والوں کی دکانیں سونی پڑی ہیں اور ہر طرف "مادی اجناس" اور "متاعِ مکروفن" کے لین دین کی گرم بازاری ہے تاہم عشق ومحبت اور سوز وگداز کی جنس کمیاب ضرور ہے، لیکن ابھی بالکل نایاب نہیں ہے اس گئے گزرے دور میں بھی "متاعِ گراں مایہ" کے مخازن کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ تلاش شرط ہے۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

ایک ایسی ہی دکان مُرشد آباد شریف، پشاور میں موجود ہے۔ جہاں سے اکناف واطراف کے لوگ "عشق ومستی" کا سودا خرید کر لے جاتے ہیں۔

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے آباد میخانہ رہتا ہے
ساقی کی نوازش جاری ہے مہمان بدلتے رہتے ہیں

اِس دکاندار کا نام نامی اسمِ گرامی عبداللہ، کنیت ابوالخیر لقب محی الدین اور جان اپنے والدِ ماجد کی نسبت سے ہے۔ جن کا روحانی سلسلہ موہری شریف ضلع گجرات سے ہوتا ہوا حضرت خواجہ حافظ محمد عبدالکریمؒ (1264ھ---1355ھ) آف راولپنڈی کی وساطت سے حضرت باباجی خواجہ فقیر محمد چوراہیؒ (1213ھ---1315ھ) تک جا پہنچتا ہے۔

حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان کی ولادت باسعادت غالباً 15 ذوالحجہ 1356ء بمطابق 17 فروری 1938ء بروز جمعرات پشاور شہر کے محلہ بھانہ ماڑی میں ہوئی والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت حاجی محمد جان اور عرف باباجی تھا[1] اور صاحب دل تھے۔ اسی لیے موصوف نے اپنا مال اور اپنے عزیز صاحبزادے (حضرت خواجہ محمد عبداللہ جان مدظلہ

[1] حضرت باباجی سرکار رحمتہ اللہ علیہ 10 مارچ 1989ء بمطابق یکم شعبان المعظم 1409ھ کو انتقال فرما گئے۔

العالی) کو تبلیغ وارشاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضرت باباجی صاحب قبلہ ایک فیکٹری کے مالک تھے لیکن مزدوروں پر ایسے رحیم وکریم کہ اس دورِ جدید میں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

حضرت خواجہ ابوالخیر کی پیشانی سے آثارِ ولایت بچپن ہی سے ہویدا وآشکارا تھے لہٰذا سن شعور کو پہنچتے ہی نامور اساتذہ کے سپرد کر دیا گیا جن سے آپ نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی اور ساتھ ہی ساتھ ایڈورڈ ہائی اسکول پشاور میں ظاہری علوم بھی حاصل کرتے تھے اور ہر امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ گھر کے خالص دینی ماحول کی آپ کی زندگی پر گہری چھاپ رہی۔

دورانِ تعلیم ہی آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت خواجہ صوفی نواب الدین موہرویؒ کے دستِ حق پرست پر اپنے گھر میں سالانہ دورے کے موقع پر بیعت کرا دیا اور یوں آپ بیعت کے بعد ہمہ وقت ذکر وفکر میں مشغول رہے ''میکدۂ نوابی'' میں پہنچنے کے بعد چشم ساقی نے ایسا مست کیا کہ اپنے تن من کا بھی ہوش نہ رہا، معرفت وحقیقت کے وہ بے خود کر دینے والے جام پیئے جس نے از خود رفتہ کر دیا، محبوب کی جلوہ طرازیوں نے ایسا مدہوش کیا کہ سوائے ''عالمِ حسنِ ازل'' کے کسی عالم کی خبر نہ رہی ۔

عالم سے بے خبر بھی ہوں عالم میں بھی ہوں!
ساقی نے اس مقام کو آساں بنا دیا

چنانچہ ایک وہ وقت آیا کہ جب نہ ہوش اکل وشرب تھا نہ احساسِ حزن وطرب نہ ذکرِ اہل وعیال نہ فکرِ جاہ ومال، نہ خیالِ طور سینا نہ شوقِ جام ومینا، نہ کسی کا ہوش تھا نہ فکرِ دوش، نہ وہ بزم آرائیاں تھیں اور نہ ہی نواسنجیاں۔ ''ایک سکوتِ پیہم تھا اور ایک مسلسل خاموشی جو ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ ایک عالم کیف ومستی تھا اور عالمِ جذب وبے خودی، جس کا سلسلہ منقطع ہی نہ ہوتا تھا، ایک کیفِ دیدار تھا اور لذتِ قربِ یار جس سے ایک آن صرفِ نظر کو جی نہ چاہتا تھا، ایک گریۂ پیہم کی لذتیں تھیں اور آہ وفغاں کی سرمستیاں جن کے چھوڑنے کو طبیعت نہ چاہتی تھی ۔

اللہ! شب کے گریۂ پیہم کی لذتیں
تارے ٹوٹ کے دامن میں آگئے

اس عالمِ کیف ومستی میں گریہ وبکا کی یہ تاثیر تھی کہ بعض دفعہ سننے والوں کو اس درد بھری آواز کی تاب نہ ہوتی تھی، اس رونے والے کی آواز کو سن کر دل تڑپ جایا کرتے تھے اور اس عالم بے قراری کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔ ۔

آج اِس بزم میں طوفان اٹھا کے اُٹھے
یاں تلک روئے کہ اُس کو بھی رلا کے اُٹھے

''بے خودی ومدہوشی'' کا یہ عالم تھا کہ تمام تمام دن اور تمام تمام رات ''مراقبہ'' (ذکر وفکر) میں گزر جاتی تھی، صبح بیٹھتے تو ایک ہی نشت میں شام ہو جاتی تھی، شام بیٹھتے تو استغراق میں صبح ہو جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کا حال یہ تھا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر معہ یارانِ طریقت، (مجلس ذکر) میں مصروف ہو جاتے تھے، جب صبح کی اذان کی آواز آتی تھی تو یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ دوسری مسجد سے اذانِ عشاء ہی کی آواز ہے، کیونکہ اتنی جلدی فجر تو ہو نہیں سکتی۔

اللہ اکبر! دیدارِ جمالِ یار میں کیا استغراق تھا، اور اس عالم بے خودی میں کیا لذتیں تھیں کہ اتنا لمبا وقت ان تجلیات کے مشاہدے میں محو ہو کر ایک لمحہ کی طرح گزر گیا۔ شاید امیر مینائیؒ (ف 1310ھ) نے اسی لیے ہی کہا ہے۔

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

القصہ مُرشدا نے جب مرید باصفا کو کمال کی منزلوں پر پہنچا دیکھا تو ''صوفی صاحب'' کا لقب عطا فرمایا اور تکمیل سلوک کے بعد ''محمد'' آپ کے اسم شریف کے ساتھ ''تبرکا'' رکھا۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ جن مشوروں میں اس نام کا آدمی شریک ہو اس میں برکت رکھی جاتی ہے۔

یکم رجب المرجب ۱۳۷۳ھ بمطابق ۷ مارچ ۱۹۵۴ء بروز اتوار سالانہ عرس مبارک دربار عالیہ موہری شریف کے بابرکت موقع پر علماء و مشائخ اور مخلوقِ خدا کے جمِ غفیر کی موجودگی میں آپ کو خلعت وخلافت سے نوازا گیا۔

خلافت نقشبندیہ مجددیہ موہریہ کے بعد ۱۳۸۵ھ بمطابق ۱۹۶۵ء کو خواب میں حضرت سیدنا غوث الاعظمؒ کی زیارت ہوئی۔ اس کے بعد ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ بمطابق ۳۰ جنوری ۱۹۷۳ء کو تیسرے حج بیت اللہ شریف کے موقع پر مدینہ منورہ میں اعلیٰحضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ اجل شیخ العرب والعجم قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی القادریؒ نے سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اجازت وخلافت عطا فرما کر سند مرحمت فرمائی۔

شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ بمطابق ستمبر ۱۹۷۳ء کو المجاہد آباد عمر زئی ضلع چارسدہ کے بزرگ پیرِ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا میر اگلؒ نے سلسلۂ عالیہ قادریہ غفوریہ، چشتیہ، صابریہ، مجددیہ، سہروردیہ مجددیہ، بنوریہ، نقشبندیہ، علویہ، مجددیہ میں اجازت وخلافت عنایت فرما کر سند عطا فرمائی۔ حضرت ممدوح فخرِ کشمیر، عاشقِ رسول صوبہ سرحد کے مشہور روحانی پیشوا اور مبلغ اسلام حضرت خواجہ محمد امینؒ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ قرابت داری کے علاوہ دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو تین واسطوں سے شیخ الاسلام والمسلمین زبدۃ العارفین حضرت اخوند عبدالغفور المعروف سیدو باباؒ سیدو

ا حضرت قبلۂ عالم خواجہ صوفی محمد نواب الدین موہروی رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ مبارک میں حضرت خو حضرت قبلہ خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی کا وہ مقام تھا، جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ دربارِ عالیہ موہری شریف سے 14 فروری 1963ء کے ایک مرسلہ مکتوب شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''یوں تو میرے لاکھوں مرید اور سینکڑوں خلفاً طول وعرض اور اکناف واطراف میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب میرے ایک اشارۂ ابرو پر جان نچھاور کرنے کے منتظر ہیں اور میری مرضی چاہتے ہیں مگر ان میں ایک خلیفہ ایسا بھی ہے جن کی مرضی میں چاہتا ہوں۔ میں جب بھی ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے خدا یاد آ جاتا ہے اور میں شکرِ الٰہی بجالانے کے لیے سربسجدہ ہو جاتا ہوں اور وہ حضرت خواجہ صوفی محمد عبداللہ جان صاحب مرشد آباد شریف پشاور والے ہیں۔''

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

''میرا دل ان پر بہت راضی ہے میں ان سے بہت خوش ہوں کیوں کہ درحقیقت طریقت کا کام صرف یہی کر رہے ہیں۔''

شریف سوات سے نسبت حاصل ہے۔

۷ محرام الحرام ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز جمعرات حضرت امیر خسروؒ دہلی (ہندوستان) کو عرس مبارک کے موقع پر شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ دہلی نے سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ، فخریہ، سلیمانیہ، مہریہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرما کر سند اجازت وشجرۂ عالیہ قبلۂ عالم گولڑویؒ بھی عنایت فرمایا۔

ماہ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۱ء کو دوسری بار سرہند شریف (ہندوستان) میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے عرس مبارک کے موقع پر شیخ طریقت حضرت مولانا محمد اللہ خانؒ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ عنایتیہ رامپور شریف (ہندوستان) نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ عنایتیہ میں اجازت وخلافت عنایت فرمائی۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۸ مارچ ۱۹۹۲ء عمرہ شریف وزیارت حرمین شریفین کے موقع پر مکۃ المکرمہ میں العالم الفاضل فضیلۃ الشیخ حضرت العلامہ السید محمد بن علوی المالکی الحسنیؒ الاستاذ الحدیث بالبلاد الحرام مکۃ المکرمہ حجاز مقدس نے علمی سند عطا فرمائی۔

۱۲ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ بمطابق جون ۱۹۹۹ء متحدہ عرب امارات کے تبلیغی روحانی دورے کے موقعے پر دبئی میں فضیلۃ الشیخ حضرت یوسف السید ہاشم الرفاعی دامت البرکاتہم العالیہ نے سلسلہ عالیہ رفاعیہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

ماہ ذیقعد ۱۴۲۷ھ بمطابق ماہ دسمبر ۲۰۰۶ء کے اواخر میں کراچی کے تبلیغی روحانی دورے کے موقع پر شیخ طریقت مسعود ملت حضرت العلامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ قادریہ، رضویہ، چشتیہ، اویسیہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۰۷ء کو باقاعدہ خلافت نامہ تحریر فرما کر بذریعہ رجسٹری ڈاک ارسال فرمایا۔

علاوہ ازیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، عراق، شام، ترکی، متحدہ عرب امارات اور ہندو پاک وغیرہ کے مشاہیر اور اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام کی صحبت سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ اگرچہ آپ کو بارہ (۱۲) سلاسلِ فقر کی اجازت و خلافت حاصل ہے لیکن زیادہ تر سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت فرماتے ہیں۔

حصولِ خلافت کے بعد آپ نے اندرونِ ملک اور بیرون ملک طوفانی دورے کر کے سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے گراں قدر کام کیا۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ، شہر شہر، نگر نگر توحید ورسالت کا پیغام پہنچایا۔ اس سلسلے میں اتنا سفر فرمایا کہ اگر ایک شہر میں دن کو ٹھہرے ہیں تو رات کو اگلے شہر میں۔

ایک جا ٹھہرتے نہیں عاشق بدنام کہیں
صبح کہیں، دن کہیں اور شام کہیں

ہزاروں گم گشتگانِ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ کئی صد غیر مسلموں کو دولتِ اسلام سے مالا مال کیا، اگرچہ اس

سلسلہ میں گوناں گوں مصائب و آلام سد سکندری بن کر حائل ہوئیں مگر آپ نے اپنی ہمت کو لوہا کر کے کمال عزم واستقلال سے حالات کا مقابلہ کیا اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی پریشانی کو خاطر میں نہ لائے اور کبھی تھکاوٹ محسوس نہ کی۔

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد

دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُجالا کرنے کے لیے آپ کی خدمات قابل قدر ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اتباعِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہر غلام کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ''اعجازِ نظر'' عطا فرمایا ہے کہ جس پتھر دل انسان پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ ''گرمی عشق'' سے پگھلا جاتا ہے اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھل کر ایک مومنِ کامل بن جاتا ہے۔

تیری نگاہ سے پتھر کے دل پگھل جائیں!
جو آنکھ اٹھائے تو شام و سحر بدل جائیں

''نگاہ'' کیا ہے ''برق خاطف'' ہے، کسی کافر پر پڑتی ہے تو شرک وکفر کے خس وخاشاک کو جلا کر اُس کے دل میں ''عشقِ الٰہی'' کی ایک آگ لگا دیتی ہے، کسی عاصی ورُوسیاہ پر پڑتی ہے تو گناہوں کی نجاست سے اُسے پاک کر کے ''آتشِ شوق'' اُس کے قلب میں بھڑکا دیا کرتی ہے اور کسی سالک وعارف پر پڑتی ہے تو تصوراتِ ماسوا اللہ کو مٹا کر ''یادِ محبوب'' میں اُسے مست وبے خود کر دیا کرتی ہے۔

تیری نگاہ ناز نے مست مجھے بنا دیا
فرش سے لے کے عرش تک سارا جہاں دکھا دیا

1977ء میں آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے عرس مبارک پر سرہند شریف (ہندوستان) تشریف لے گئے تو حضرت مجدد قدس سرہٗ کے والدین کریمین رحمتہ اللہ علیہم کے مزاراتِ مقدسہ پر جلوس کی شکل میں ''اللہ ھو'' کا ذکر کرتے ہوئے پہنچے تو چاروں طرف ''اللہ ھو'' کی مسحور کن گونج سنائی دینے لگی آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلی ہوئی ذکر الٰہی کی آواز جہاں جہاں پہنچتی گئی۔ اکناف واطراف کے مسلمان جوق در جوق آپ کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے گئے اور شرفِ بیعت حاصل کر کے اپنے قلوب کو صیقل کرا کے لوٹتے تھے۔ حتیٰ کہ کئی غیر مسلموں نے بھی آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا اور سعادتِ دارین سے مشرف ہوئے۔ حضرت سید میراں بھیکھؒ (ف 1131ھ) نے آپ جیسے مرد کامل کے بارے میں ہی کہا ہے۔

ست گر ایسا چاہیئے جو صقلی گرسا ہو
جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھو

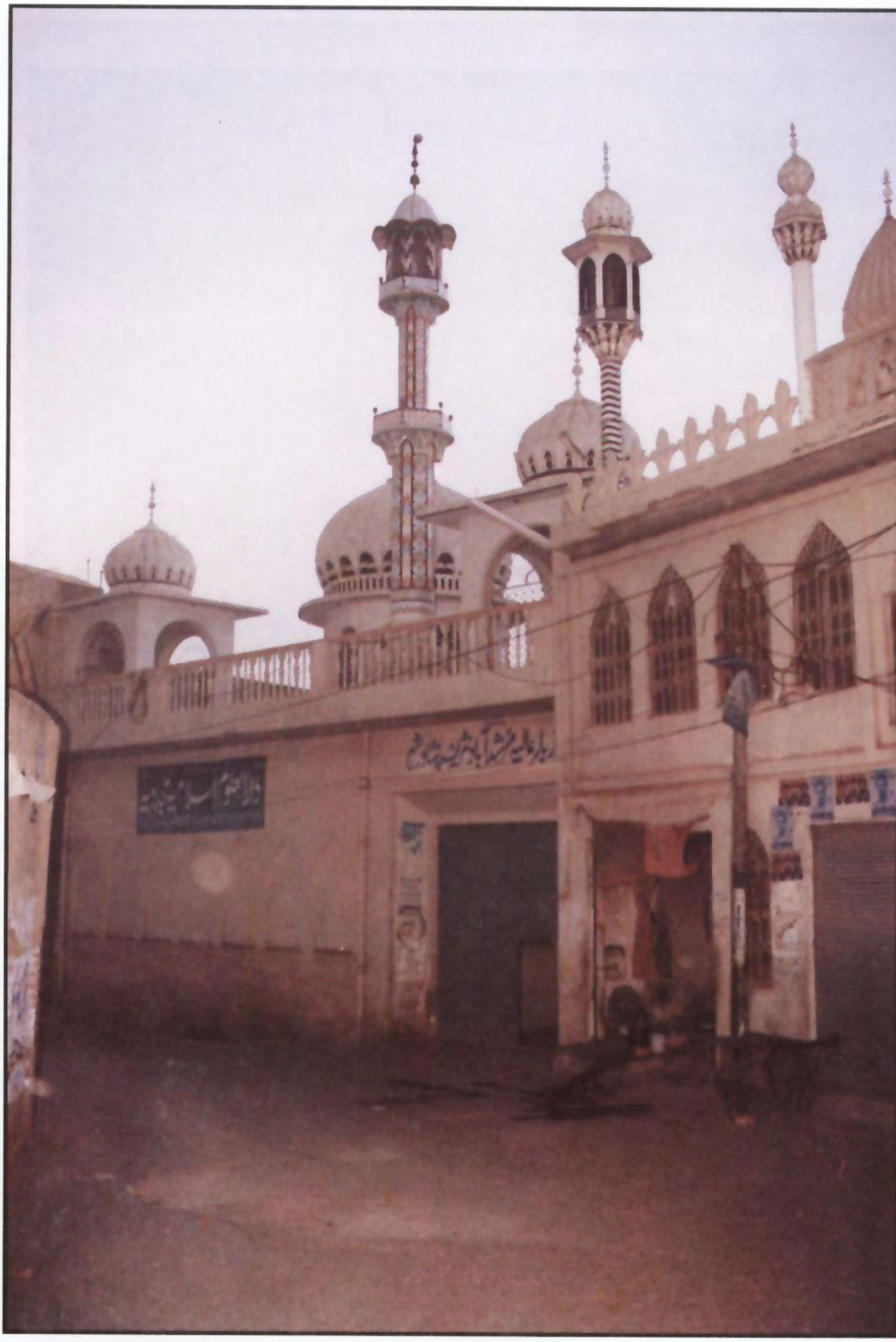
آپ متعدد بار ہندو پاکستان، عراق، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ مشائخ اور مزاراتِ مقدسہ کی زیارت



دربار عالیہ مرشد آباد شریف کا ایک منظر



دربار عالیہ مرشدآباد شریف کا اندرونی منظر



حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کے مزار شریف کا بیرونی منظر



حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کے مزار شریف کا اندرونی منظر



حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کے مزار شریف کا دلکش منظر

576-E



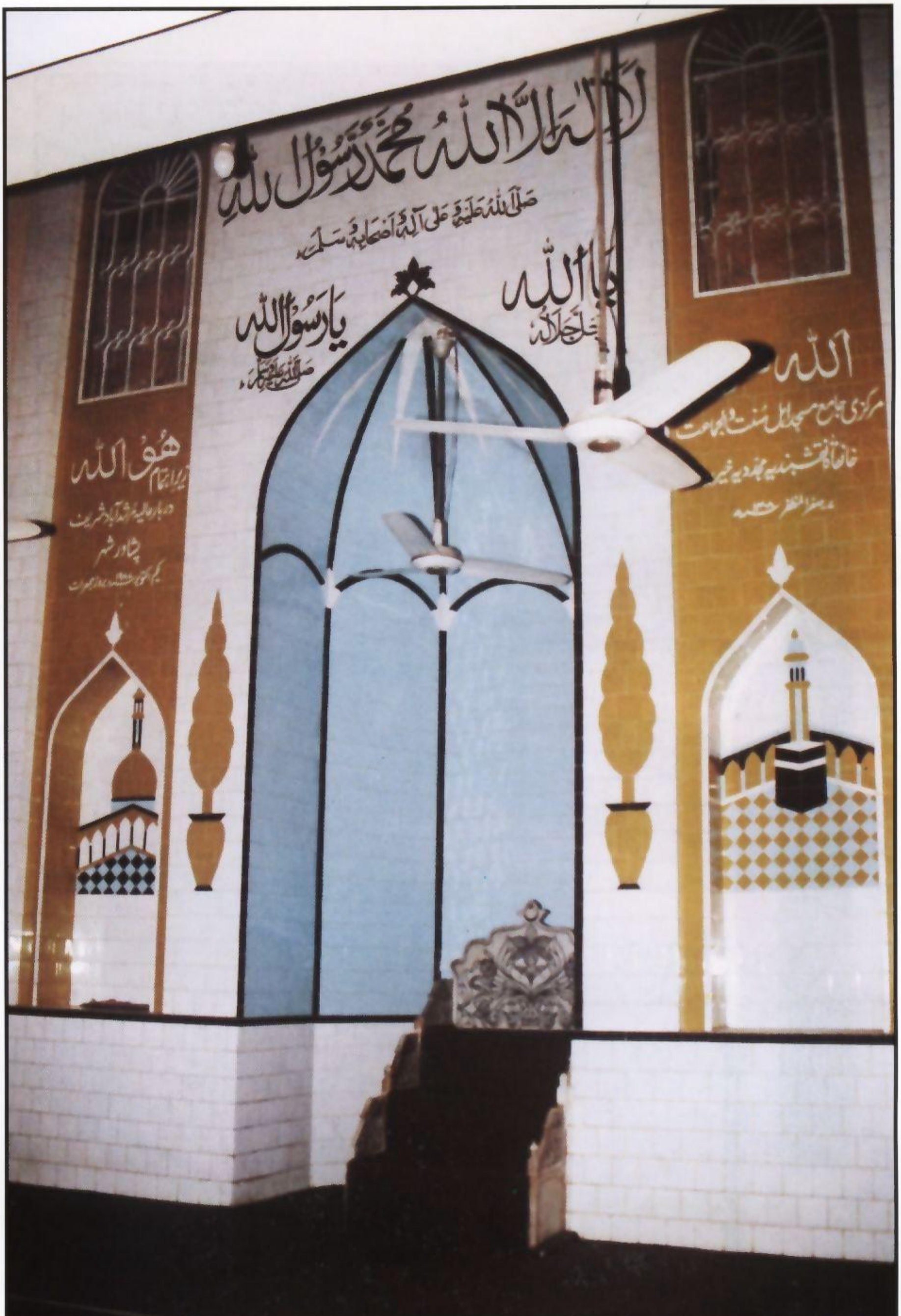
حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کی مرقد انور کا ایک منظر



قبلہ مائی صاحبہؒ کا مزار شریف (والدہ ماجدہ حضرت خواجہ ابوالخیر پیر عبداللہ جان صاحب)



حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کے مزار شریف سے ملحقہ جامعٔ مسجد خیریہ کا ایک منظر



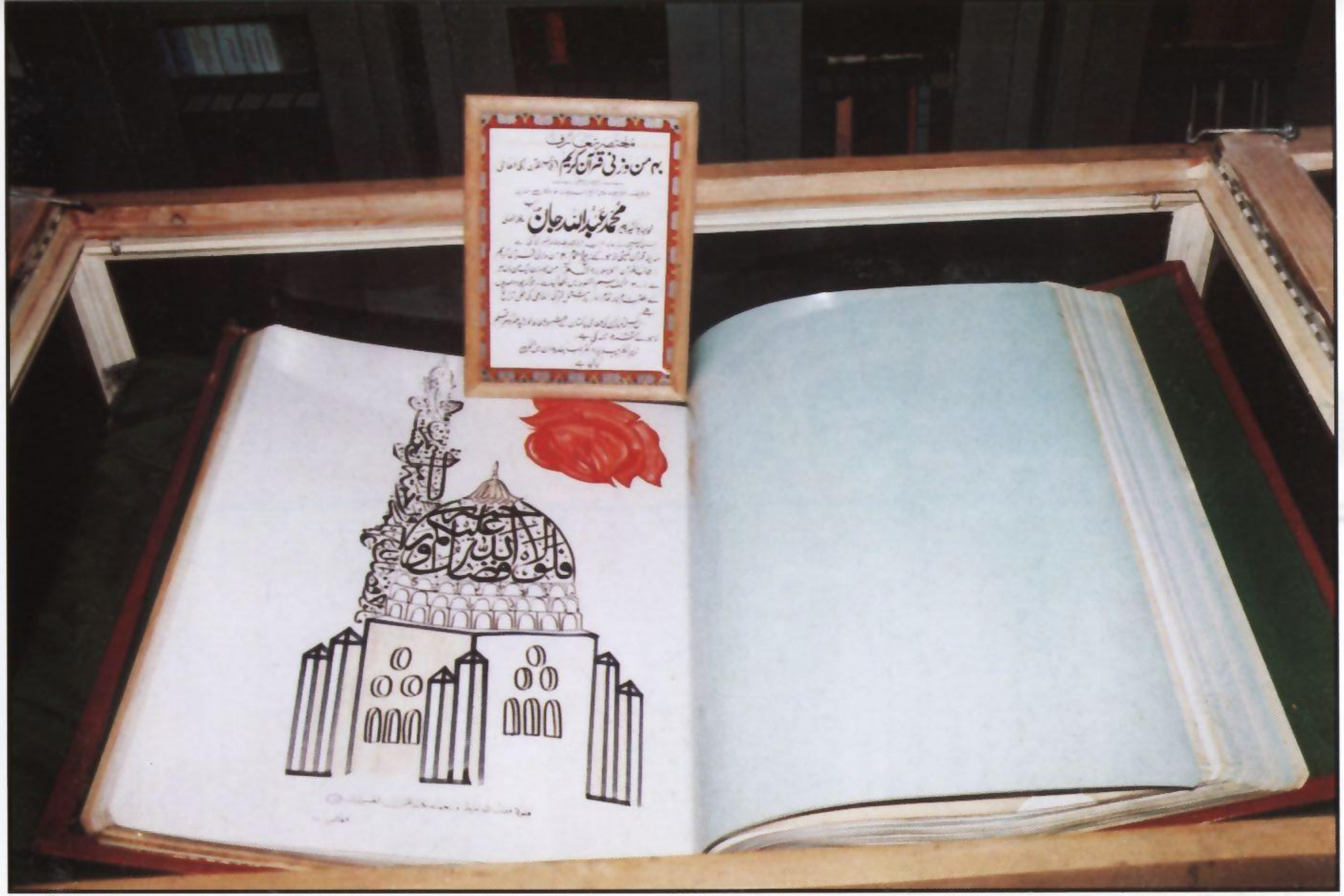
حضرت قبلہ باباجیؒ پشاور شہر کے مزار شریف سے ملحقہ جامعٔ مسجد خیریہ کا اندرونی منظر



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم مکتبہ خیریہ کا بیرونی منظر



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم عظیم الشان لائبریری کا اندرونی منظر



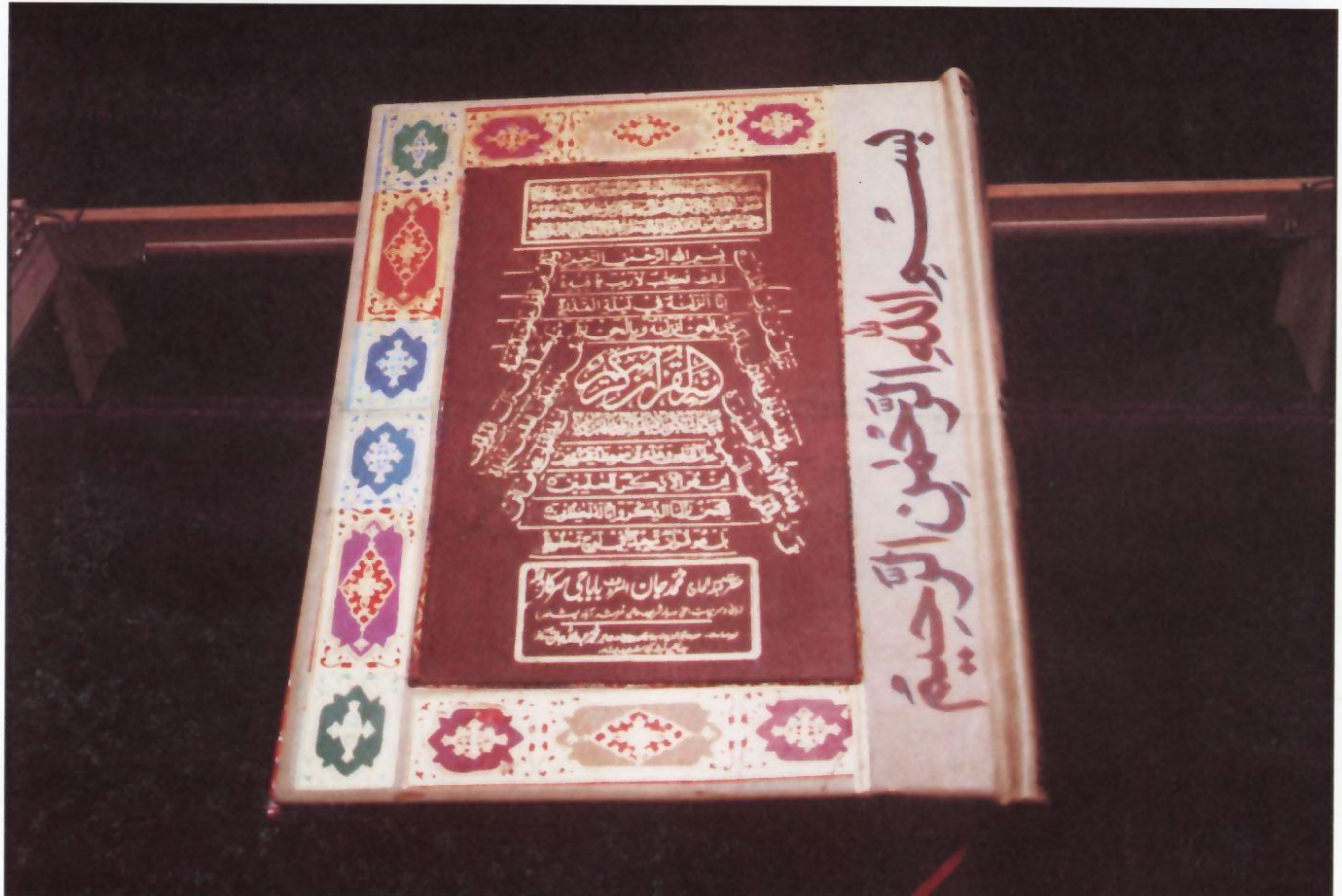
دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



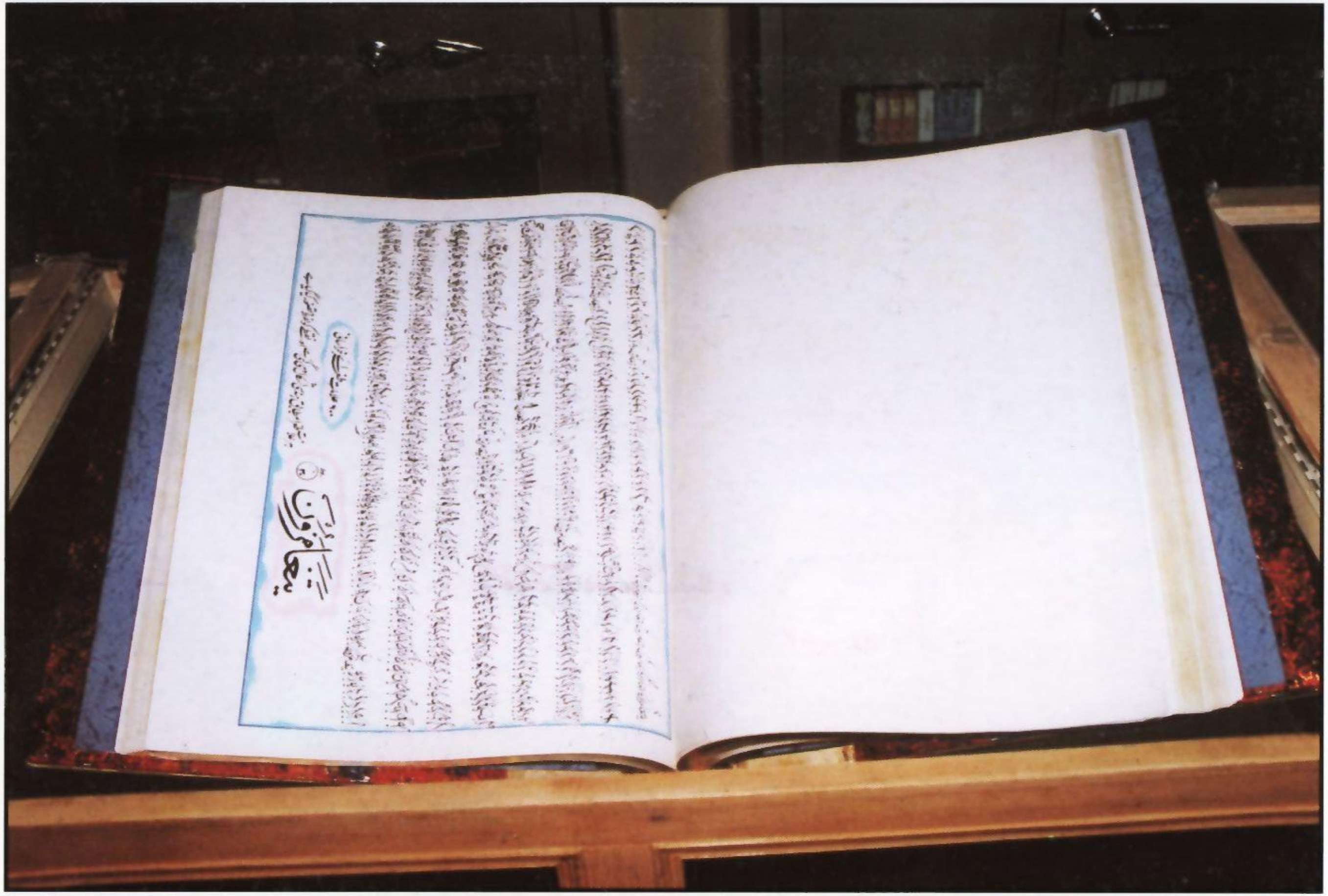
دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



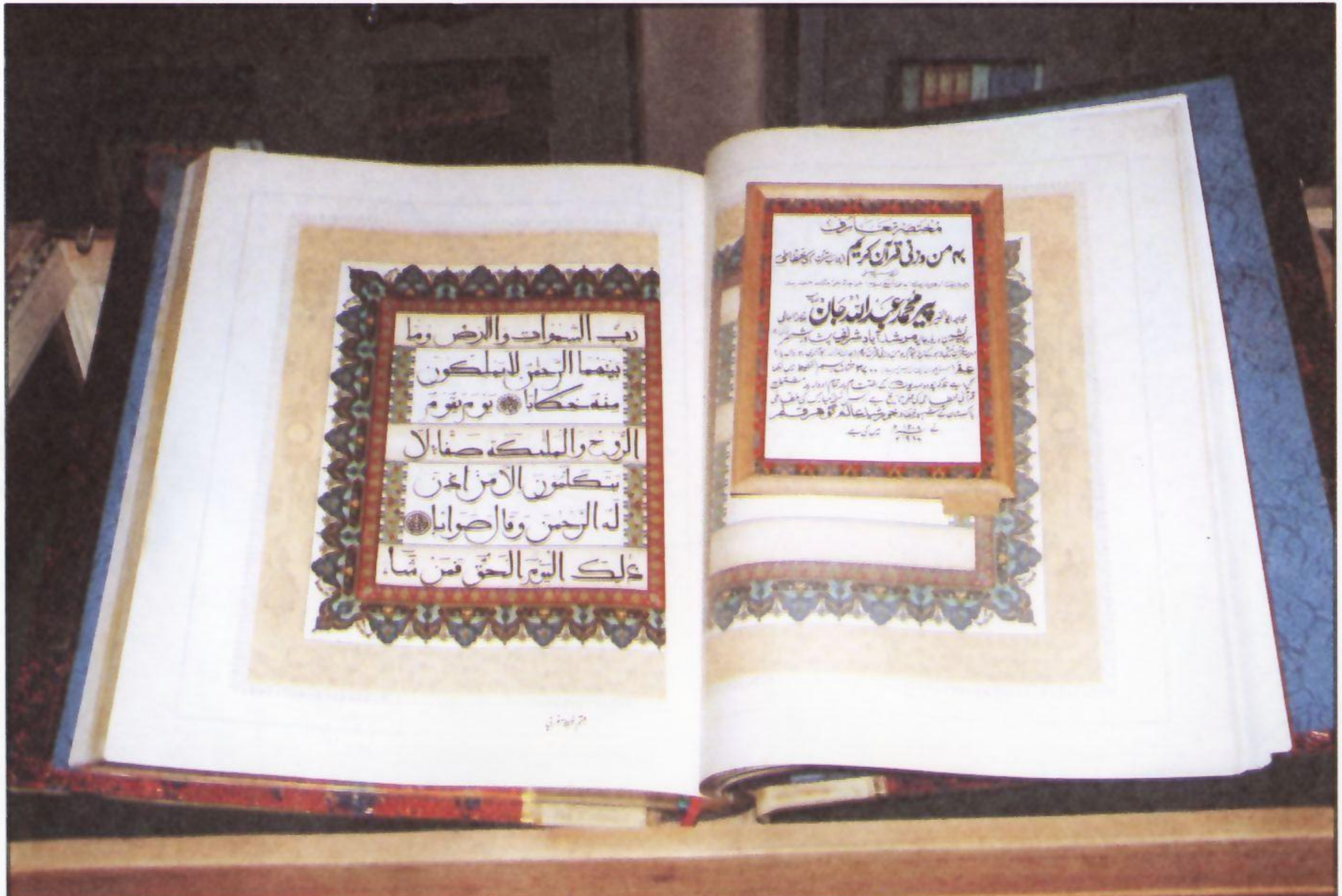
دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



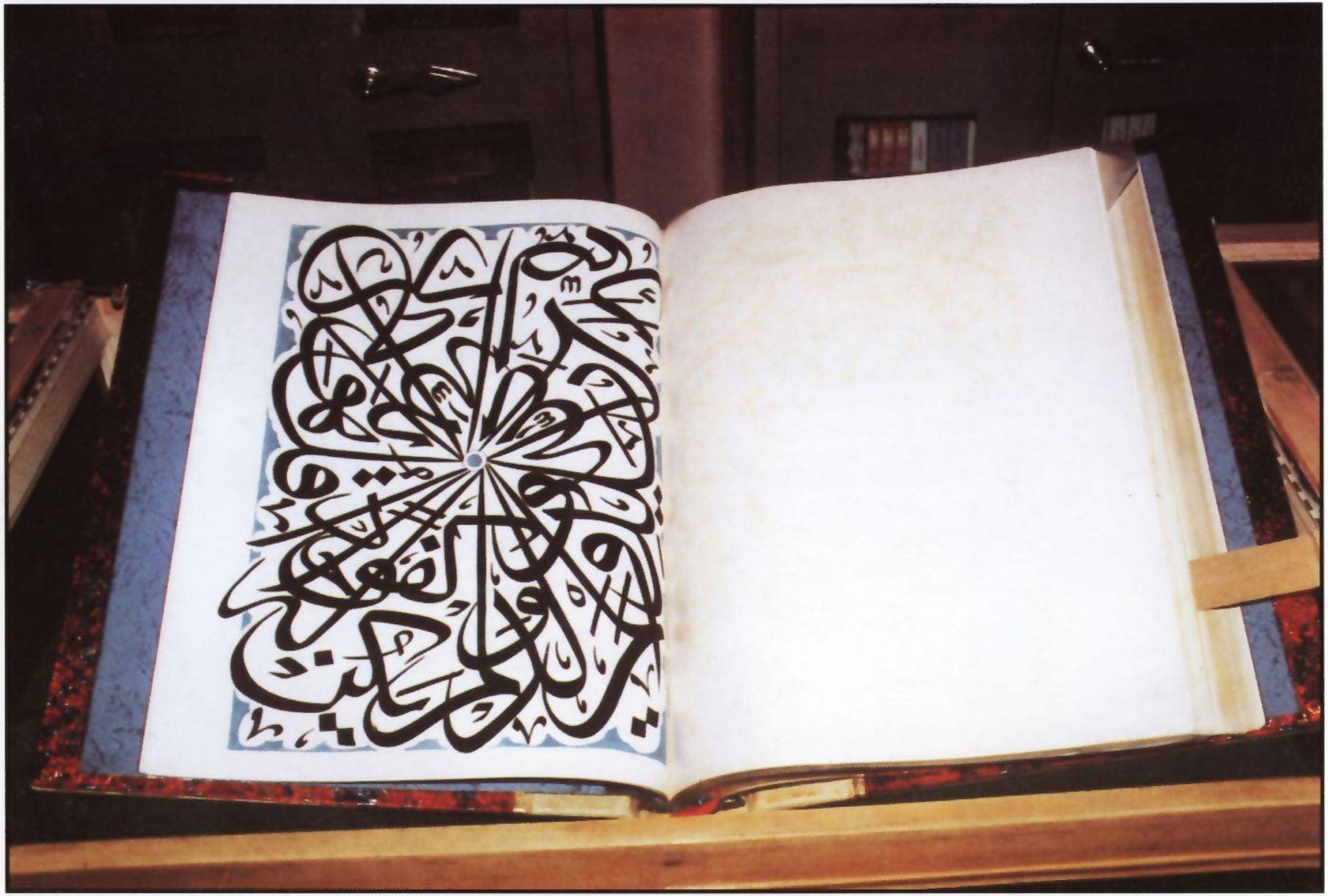
دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات



دربار عالیہ مرشد آباد شریف، پشاور میں قائم لائبریری کے اندر رکھے گئے تبرکات

سے مشرف ہوئے ہیں ان میں امام ربانی شہبازِ لامکانی حضرت مجدد الف ثانیؒ (ف 1034ھ) حضرت مخدوم پاک علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کلیر شریف (ف 690ھ) محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (ف 725ھ) حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (ف 757ھ) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ف 1076ھ) حضرت شیخ عبدالحق محقق و محدث دہلویؒ (ف 1052ھ) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (ف 635ھ) حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ (ف 1012ھ) حضرت شاہ مفتی اعظم محمد مظہر اللہؒ مسجد فتح پوری دہلی (ف 1386ھ) خانقاہِ مظہریہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ مارگ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (ف 1195ھ) حضرت شاہ غلام علیؒ دہلوی (ف 1240ھ) حضرت شاہ ابوسعیدؒ (ف 1250ھ) حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدینؒ (ف 1341ھ) حضرت ہرے بھرےؒ حضرت سرمد شہیدؒ (ف 1070ھ) خواجہ غریب نواز حضرت سلطان الہند معین الدین اجمیریؒ (ف 643ھ) اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارات کے علاوہ ہندوستان کے تاریخی مقامات کی سیاحت شامل ہے۔

عراق میں بصرہ موصل، نینوا، سامرہ، بغداد، کوفہ، کربلا، نجف اشرف، اعظمیہ اور کاظمیہ کے مزارات جن میں چند انبیائے کرام ابوالانبیاءؑ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ (مزار و مقامِ پیدائش) حضرت ایوبؑ (ف بعمر شریف 400 سال) حضرت یونسؑ (ف بعمر شریف 180 سال) حضرت شیثؑ (ف بعمر شریف 912 سال) حضرت دانیالؑ اور حضرت جرجیسؑ اور امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ (ف 40ھ) حضرت سیدنا امام حسینؓ (ف 61ھ) حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ (ف 33ھ) حضرت سیدنا طلحہؓ، حضرت سیدنا زبیرؓ کے علاوہ 30000 تیس ہزار صحابہ کرام شہدائے جنگ جمل، شہدائے کربلا، حضرت خواجہ حسن بصریؒ (ف 111ھ) حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ (ف 150ھ) حضرت امام محمد ابن سیرینؒ (ف 110ھ) حضرت امام موسیٰ کاظمؒ (ف 181ھ) حضرت معروف کرخیؒ (ف 281ھ) حضرت جنید بغدادیؒ (ف 301ھ) حضرت امام غزالیؒ (ف 505ھ) حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (ف 562ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (ف 632ھ) وغیرہ کے مزارات پر حاضری نصیب ہوئی۔ بصرہ کی بندرگاہ اور دیگر خاص مقامات کی سیر و سیاحت بھی فرمائی۔

10 بار حج بیت اللہ دو بار عمرہ رمضان شریف کے علاوہ کئی عمرے اور ایک مرتبہ خصوصی طور پر جدہ سے مدینہ شریف کی حاضری کی سعادت حاصل کی۔

آپ اپنی مجالس میں ذکر جہر کراتے ہیں جو تاثیر سے خالی نہیں ہے۔ دورِ جدید میں جب کہ شیطانی آوازوں نے فضاؤں کو مسموم کر رکھا ہے، یہ رحمانی آوازیں فضاؤں کو معطر کرتی ہیں اور انسان خود کو ایک نئے جہان میں محسوس کرتا ہے اور اصلاح حال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کی مجالس میں امیر سے لے کر فقیر تک، شاہ سے لے کر گدا تک، مخدوم سے لے کر خادم تک اور افسر سے لے کر چپڑاسی تک سب آتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زُلفوں کے سب اسیر ہوئے

دربارِ عالیہ مُرشد آباد شریف (پشاور) اور آستانہ خیریہ[1] (اسلام آباد) خصوصی مراکز ہیں۔

آپ کے بڑے بلند اخلاق ہیں، شیخ وقت ہیں مگر مزاج میں عاجزی وانکساری ہے۔ طبیعت میں برداشت ہے۔ ناگوار باتوں کو اس طرح سہہ لیتے ہیں جو اہل اللہ کے شایانِ شان ہے، بے نیاز ہیں مریدوں کے مال پر نظر نہیں بلکہ اُن کے دل پر نظر ہے۔ دیتے ہیں اور لیتے بھی ہیں تو دینے کے لیے' کلام میں اثر ہے، صحبت میں تاثیر، متانت وسنجیدگی چہرے سے مترشح ہے۔ عارفانہ وعالمانہ کلام کرتے ہیں، دوسروں کا کلام توجہ سے سنتے ہیں۔ متکبر وخود پسند نہیں۔ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا بہترین نمونہ ہیں۔ مطالعہ کا بڑا شوق ہے۔ دربار عالیہ میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ علمی ذوق کا مظہر ہے۔ آپ کے دربارِ گہربار میں دولت کی نہیں محبت کی پوچھ ہے، علم ودانش کی پوچھ ہے، یہاں علماء کے گلوں میں روپوں

---

[1] آستانہ عالیہ خیریہ اسلام آباد میں اکابر علماء ومشائخ تشریف لاتے رہتے ہیں اور حضرت خواجہ ابوالخیر مدظلہٗ کی دین حق کے لیے خدماتِ جلیلہ کے چشم دید مناظر دیکھ کر داد وتحسین کے ڈونگرے برساتے رہتے ہیں۔ چنانچہ نومبر 1983ء میں صوبہ سرحد کی نامور علمی، ادبی، سیاسی مذہبی اور روحانی شخصیت حضرت پیر سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 27 اکتوبر 2004ء بمطابق 12 رمضان المبارک 1425ھ) سجادہ نشین یکہ توت پشاور نے اپنے صاحبزادے سید محی الدین اسد گیلانی سلمہٗ کے ساتھ قدوم میمنت لزوم فرمایا تو ان کی زبان مبارک سے بے ساختہ مرحبا صد مرحبا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اُن کی تشریف آوری کے موقع پر بسلسلہ یوم شہادت سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک خصوصی مجلسِ ذکر وفکر حضرت خواجہ ابوالخیر مدظلہٗ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ علماء ومشائخ کے جم غفیر اور عقیدت مندوں کے ہجوم نجوم نے اس مجلس کو ایک تاریخی اور یادگار مجلس بنا دیا۔ حضرت پیر سید محمد امیر شاہ صاحب قبلہؒ نے عدیم النظیر رُوحانی اجتماع سے ولولہ انگیز اور فکر خیز خطاب فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روحانیت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آسمان سے قدسی اتر کر شریکِ محفل ہیں اور عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ ابوالخیر مدظلہٗ کی کرامت تھی کہ ہر شریکِ محفل پاک دل اور پاکباز ہو چکا تھا۔

اس عدیم المثال اجتماع کے اختتام پر حضرت سید محمد امیر شاہ صاحب قبلہؒ نے آستانہ عالیہ کی رفیع الشان عمارت کو دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے، خصوصی دُعا فرمائی اور مہمانوں کی کتاب پر اپنی قلبی واردات کو یوں بکھیرا:

''باسمہٖ تعالیٰ''

آج مورخہ 2 نومبر 1983ء بروز بدھ آستانہ خیریہ اسلام آباد حاضر ہوا۔ ذکر الٰہی کی مجلس جو کہ آج کل ناپید ہے، دیکھ کر روح زندہ ہوگئی۔ حضرت عزت مآب الحاج خواجہ محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ العالی کا وجود باجود یہاں پر نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں پایا۔

ع مردے دیدم دریں قحط الرجال

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل خواجہ صاحب مدظلہٗ کی سرپرستی میں اس آستانہ عالیہ خیریہ کو سلامت تا قیامت رکھے۔ آمین ثم آمین (فقیر محمد امیر شاہ قادری گیلانی) یکہ توت پشاور حال وارد اسلام آباد'

یہ تو صرف ایک مایہ ناز شخصیت کے تاثرات ہیں، اگر دیگر اکابر کی آراء بھی درج کی جائیں تو کئی دفتر بن جائیں۔

دامانِ نگاہ تنگ وگلِ حُسن تو بسیار گلچین تو ز تنگی داماں گلہ دارد (قصوری)

کے ہار ڈالے جاتے ہیں۔ آپ کی تربیت یافتہ بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں کیونکہ ؂

جہانِ آرزو میں دلربا تجھ سا نہیں پایا
جہاں تیرا قدم دیکھا وہیں نقشِ جبیں پایا

آپ کی ذات تواضع اور انکساری کا ایک حسین مرقع ہے۔ آپ کے ہر ہر فعل اور ہر ہر ادا میں تواضع کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، حتیٰ کہ چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے کلام و گفتگو فرمانے، غرض ہر چیز میں تواضع کی ایک شان نظر آتی ہے۔ آپ کی متواضعانہ چال ''وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا'' (پارہ ۲۱، سورۃ لقمان، آیت: ۱۸) (ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل) کی عملی تفسیر ہے۔ آپ کی نرم اور پست آواز میں گفتگو کرنے کا انداز دل کو لبھاتا ہے اب ایسے اللہ والے کہاں ملتے ہیں جو اسلاف کا عملی نمونہ پیش کریں۔ ؂

پھرتے تھے دشت دشت، دیوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

''شانِ استغنا اور بے نیازی'' جو حقیقت میں ایک مردِ خدا کی علامت اور نشانی ہوتی ہے وہ آپ میں کامل طور پر موجود ہے مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی تمام زندگی عجز و انکسار، بے نیازی اور استغنیٰ کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ فقیری میں شاہی کرنے والے گلیم پوش اور بوریا نشین ہیں۔ آپ ہر وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہیں۔

''نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ''

اچھا ہے وہ امیر جو فقیر کے آستانہ پر آئے اور بُرا ہے وہ فقیر جو کسی امیر کے دروازے پر جائے۔

شاید بے نیازی کی ایسی شان رکھنے والے فقیرانِ باخُدا کے لیے اقبالؒ نے کہا تھا ؂

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

ایک وہ لوگ ہیں جو ''فقیری و پیری'' کا لبادہ اوڑھ کر اغنیاء کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ایک یہ فقیرِ راہ نشین ہے جو ہزار دعوتوں پر بھی ان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ حقیقت میں ''شانِ فقر'' ہی یہ ہے اس لیے کہ ؂

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

؂

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسدؒ اللّٰہی

آپ کی گفتگو کا مرکزی نقطہ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے۔ آپ مولانا رومیؒ کے ان اشعار کی عملی تفسیر ہیں ؂

عاشقان راشش نشان ست اے پسر	اے بیٹے! عاشقوں کی چھ نشانیاں ہیں وہ سرد آہیں بھرتے
آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر	ہیں اُن کا رنگ زرد اور آنکھ نم رہتی ہے۔
گر ترا پُر سند پس دیگر کدام	اگر تجھ سے دوسری نشانیاں پوچھی جائیں تو وہ یہ ہیں کہ کم
کم خورو کم گفتن و خفتن حرام	کھاتے اور کم بولتے ہیں اور اُن کے لیے سونا بالکل حرام ہے

آپ نے دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے دربار عالیہ مرشد آباد شریف میں دینی درس گاہ وہ بنام دارالعلوم اسلامیہ مجددیہ قائم فرمائی ہے اور آستانہ خیریہ اسلام آباد میں بھی ابوالخیر فاؤنڈیشن کے تحت دو مدرسے طلباء اور طالبات کے لیے قائم فرمائے ہیں جن میں حفظ و ناظرہ اور دینی تعلیم دی جاتی ہے۔

دربار شریف میں ایک خوب صورت بڑے ہال پر مشتمل لائبریری بنام کتب خانہ خیریہ بھی موجود ہے۔ جس میں قرآن مجید، تجوید، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، فتاویٰ، صرف و نحو، منطق، حکمت، اصول، میراث، لغت، عقائد، نظم و ادب، طب، تاریخ و سیرت، وعظ و نصیحت اور متفرقات کے علاوہ مختلف ماہنامے و رسائل ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں جن میں بعض کتب نادر و نایاب اور اکثر کمیاب ہیں۔

کتب کا یہ ذخیرہ مختلف زبانوں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی، براہوی، ہندی، ترکی اور روسی وغیرہ پر مشتمل ہے اور یہ کتابیں وطنِ عزیز پاکستان کے علاوہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ (حجاز مقدس) دمشق، (شام) بغداد شریف (عراق)، ایران، افغانستان، ہندوستان، ترکی، جرمنی۔ امریکہ، لندن، انگلینڈ اور کینیڈا وغیرہ سے لائی گئی ہیں۔ کتب خانہ خیریہ میں نادر و نایاب، قدیم و جدید مطبوعات کے علاوہ گراں قدر اور نادر الوجود مخطوطات کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ علاوہ ازیں عجائب القرآن (۴۰ من وزنی قرآن مجید) جس کے دو پارے پہلا پارہ الٓمٓ (اس میں تین سو ۳۰۰ مختلف رسم الخطوط ہیں) اور آخری تیسواں پارہ عَمّ (اس میں تین ہزار سات سو ۳۷۰۰ مختلف رسم الخطوط موجود ہیں) کتب خانہ خیریہ میں موجود ہیں۔ ایک پارے کا وزن قریباً ایک من دس سیر ہے جو کہ چودہ صدیوں کے اختتام پر تمام ادوار پر مشتمل قرآنی خطاطی کی عملی تاریخ اور ایک عظیم شاہکار ہے۔ عجائب القرآن قبلہ حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب مدظلہٗ العالی کی سرپرستی میں پاکستان کے مشہور خطاط خورشید عالم گوہر قلم لاہور نے لکھا ہے۔ پاکستان کے مشہور دانش ور رئیس التحریر شیخ طریقت مسعودِ ملت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے قبلہ حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کی فرمائش پر عجائب القرآن پر ایک مبسوط مقدمہ بنام ''آخری پیغام'' تحریر فرمایا ہے۔ یہ مقدمہ کتاب کی صورت میں کراچی سے کئی بار شائع ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ کتب خانہ خیریہ کے ہال میں مختلف مقامات مقدسہ اور عظیم ہستیوں کے تبرکات محفوظ ہیں۔ اس ذخیرۂ کتب سے استفادہ کرنے کے لیے ملک بھر سے یونیورسٹیوں کے طلباء، پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والے، مصنفین اور ریسرچ کرنے والے حضرات اور مناظر قسم کے علماء کرام حوالہ جات دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور بحمد اللہ مطمئن و مستفیض ہو کر جاتے ہیں۔ ریسرچ اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری

حاصل کرنے والے حضرات قبلہ حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کے مشورہ سے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

تصوف وطریقت اور دینی ومذہبی خصوصاً مسلک حقہ اہل سنت والجماعت کے لیے گراں قدر خدمات کے علاوہ ذخیرۂ کتب کا یہ عظیم علمی سرمایہ رہتی دنیا تک قبلہ حضرت خواجہ ابوالخیر مدظلہٗ العالی کی عظیم یادگار اور صدقہ جاریہ ہوگا۔ ایسے کارنامے انسان کو زندۂ جاوید رکھتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ذکرِ باقی را حکمیاں عمرِ ثانی گفتہ اند

ایں ذخیرہ پس ترا کالباقیات الصالحات

آپ کا حلقۂ ذکر عجیب روحانی کیف وسرور کا مرقع ہوتا ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جن خوش نصیبوں کو اس مبارک محفل میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے انھوں نے بارہا دیکھا کہ جب آپ توجہ دیتے ہیں تو کوئی نیم بسمل ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ہیں۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

بیعت کا مقصد چونکہ اصلاح احوال اور تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور یہ مقصد ذکر الٰہی، مراقبہ، رابطہ اور صحبتِ شیخ ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کے دربار عالیہ مرشد آباد شریف میں طالبانِ حق کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات گم کردہ راہ انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے توحید ورسالت کی اشاعت آپ کا مشغلہ اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو سوئے منزل تک پہنچانا آپ کا مقصد حیات ہے۔ اس کفر والحاد، بے راہ روی وبے دینی اور مادہ پرستی کے دور میں آپ کا وجودِ مسعود غنیمت ہے۔ عرصہ بعد ایسے لوگ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملیں گے۔

ہمارے دم سے ہیں آباد کتنے ویرانے

ہمارے بعد ملیں گے نہ ایسے دیوانے

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے آپ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

شجرہ شریف

مشائخ نقشبندیہ مجددیہ خیریہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

یاالٰہی! خیر کر خیرالوریٰ کے واسطے — اور پیارے یارِ غارِ مصطفےٰ کے واسطے
شیخ سلمان پارسا اور خواجہ قاسم باصفا — جعفر صادق رئیسِ اصفیاء کے واسطے
بایزید برگزیدہ بوالحسن شیخ بزرگ — بو علی فاریمدی مردِ خدا کے واسطے
یوسف ہمدان و عبدالخالق اہل غجدوان — ریوگر کے خواجہ عارف پُر ضیا کے واسطے
خواجہ محمود فغنی اور علی رامیتنی — حضرت بابا سماسی مقتدا کے واسطے
سید میر کلال اور صدر بزم نقشبند — شاہ بہاء الدین سراپا اتقا کے واسطے
خواجگاں عطار و یعقوب و عبیداللہ غنی — زاہد و درویش محمد اولیاء کے واسطے
خواجہ امکنگی و حضرت باقی باللہ مردِ حق — احمد سرہند مجدد باخدا کے واسطے
خواجہ معصوم اور ابوالقاسم محمد نقشبند — شاہ زبیر و خواجہ اشرف اتقیا کے واسطے
شاہ جمال اللہ و شاہ عیسیٰ محمد باوفا — خواجہ فیض اللہ غلام مجتبےٰ کے واسطے
خواجہ نور محمد اور فقیرِ مصطفےٰ — حافظ عبدالکریم خوش ادا کے واسطے
قبلۂ عالم جناب خواجہ نواب الدین — جاں نثار ہادیٔ دینِ ہُدا کے واسطے
صورت و سیرت میں یکتا خواجہ ابوالخیرِ ما — دین و دنیا میں ہمارے رہنما کے واسطے
کر عطا نورِ بصیرت اس جواں کے واسطے — واقفِ اسرارِ ہُو عبداللہ جان مدظلہٗ کے واسطے

تا ابد آباد رکھ یارب مرشد آباد کو
بابا جی کے دائمی جودوسخا کے واسطے



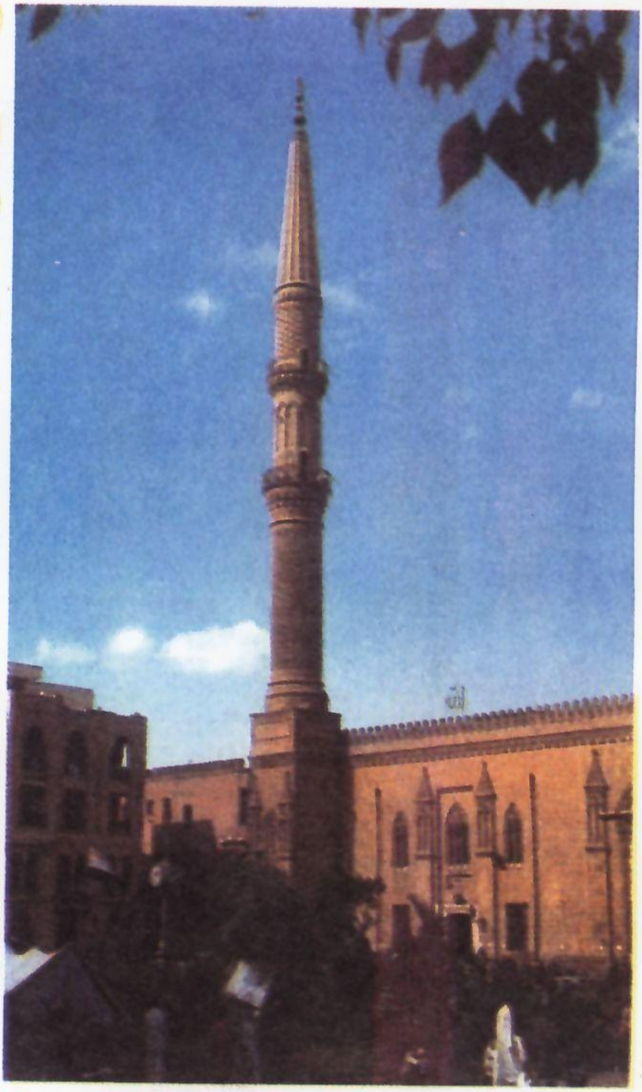
روضہ شریف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم

نجفِ اشرف۔ بغداد شریف

576-W



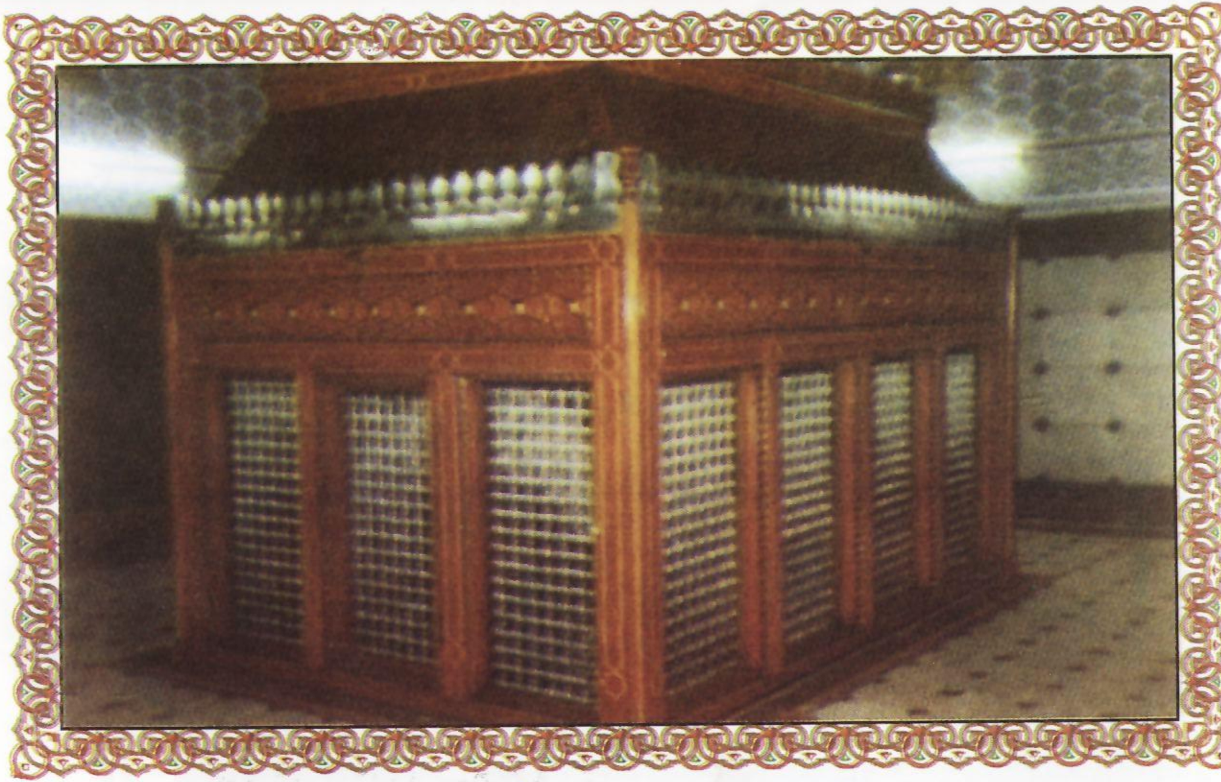
حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
سرِ مبارک کے مزار اقدس کا دروازہ دمشق۔شام



مسجد شریف امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قاھرہ۔ مصر

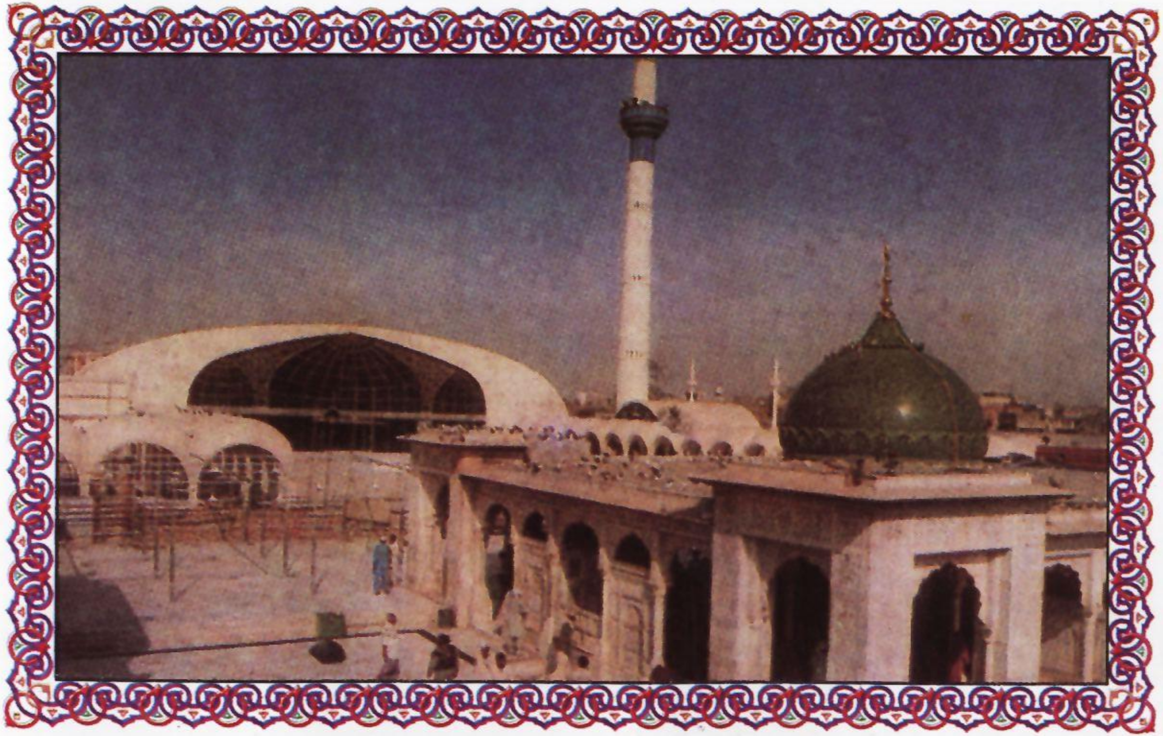
576-Y



مزارِ شریف حضرت امام ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بغداد شریف۔عراق

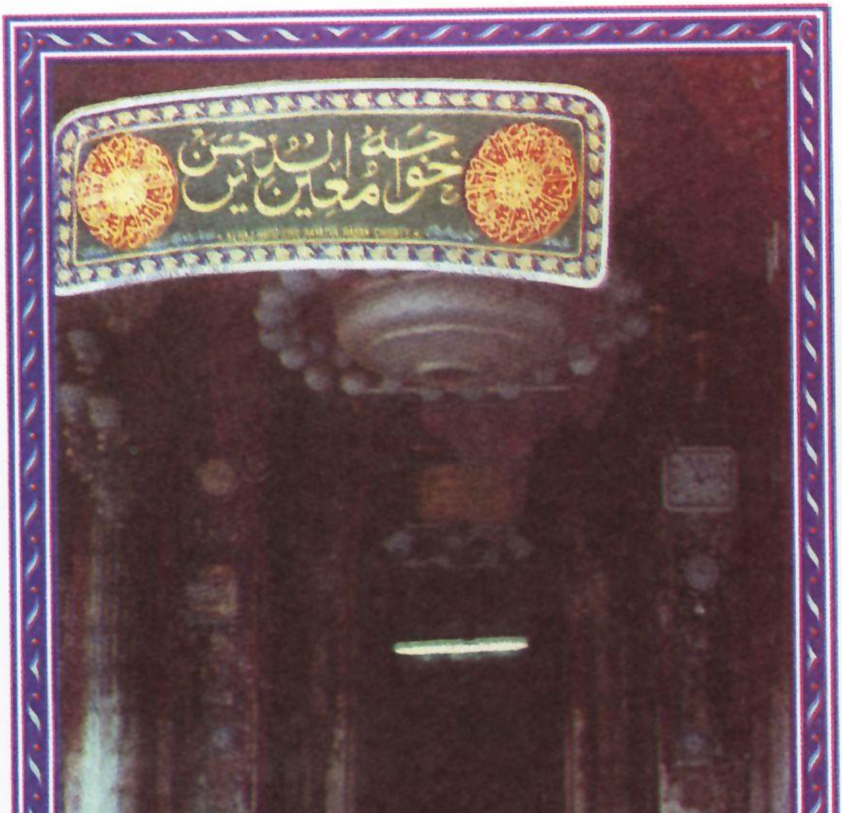
576-Z



مزارِ مبارک حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الرحمہ

المعروف بہ داتا گنج بخش مع مسجد شریف
لاہور۔ پاکستان

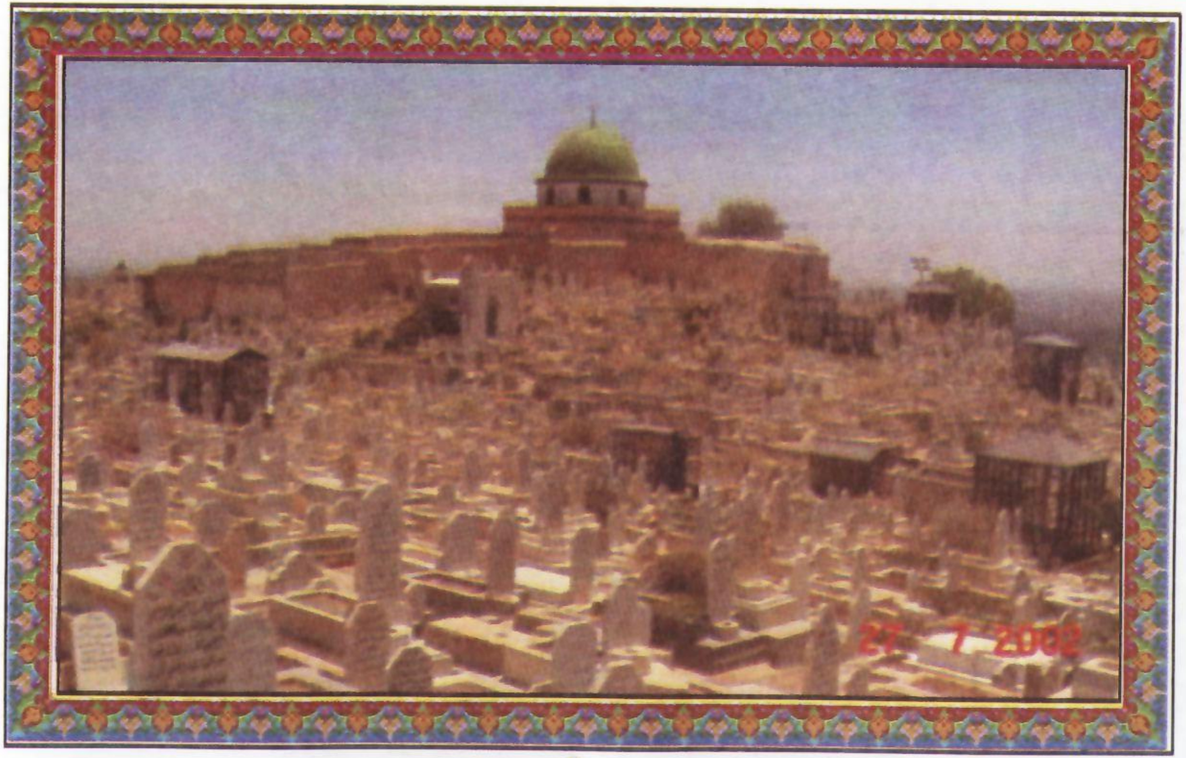
576-Z1



دربار عالیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اجمیر شریف۔ بھارت

576-Z2



بیرونی منظر گنبد شریف مزار مبارک شیخ خالد نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ
دمشق۔شام



مزارِ پُرانوار حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بغداد شریف۔ عراق

576-Z4

ماخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	جائے طباعت	سن طباعت
1	القرآن الحکیم	ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی ؒ	لاہور	
2	آخری پیغام	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	کراچی	1986ء
3	النبی الخاتم	سید مناظر احسن گیلانی	لاہور	1392ھ
4	ارمغانِ حجاز	حکیم الامت اقبال	لاہور	970
5	اسلامی مذاہب	ابوزہرہ مصری (عربی)	فیصل آباد	طبع سوم
6	انسانیت موت کے دروازے	ابوالکلام آزاد	لاہور	1976ء
7	اذکارِ درویش (قلمی)	پاشا بیگم	لاہور	
8	اقبال اور علمائے پاک و ہند	اعجاز الحق قدوسی	لاہور	1977ء
9	اقبال کے محبوب صوفیا	اعجاز الحق قدوسی	لاہور	1976ء
10	ارشادِ امیرِ ملت	محمد صادق قصوری	برج کلاں قصور	1983ء
11	انساب الخلافت	سید محمد ابراہیم شاہ	لاہور	1922ء
12	ازگلستانِ عجم	ڈاکٹر عبد الحسین زرکوب اردو ترجمہ مہر نور خان	اسلام آباد	1985ء
13	اخبار الطلوال	احمد داؤد الدنپوری اردو ترجمہ پروفیسر محمد منور مرزا	لاہور	1967ء
14	اوراقِ غم	مولانا ابوالحسنات قادری	لاہور	1398ھ
15	انقلاب الحقیقت	صاحبزادہ محمد عمر بریلوی	لاہور	1967ء

16	انوار الکریم	پروفیسر انیس احمد شیخ	لاہور	1979ء
17	ابن السبیل	پروفیسر انیس احمد شیخ	لاہور	1980ء
18	ارشاداتِ مجدد	میاں جمیل احمد شرقپوری	لاہور	1981ء
19	احوال و آثار سید میر کلال	سید شاہد حامد	راولپنڈی	سن ندارد
20	انیس الطالبین (فارسی)	خواجہ صالح بن مبارک بخاری	لاہور	1323ھ
21	برکات علی پور شریف	پیر خیر شاہ امرتسری	امرتسر	1329ھ
22	برکات علی پور شریف	پیر خیر شاہ امرتسری	راولپنڈی	1967ء
23	بال جبریل	علامہ اقبال	لاہور	1947ء
24	بزرگانِ لاہور	پیر غلام دستگیر نامؔی	لاہور	1966ء
25	بانگِ درا	علامہ اقبال	لاہور	1965ء
26	بزمِ جاناں	صاحبزادہ محمد زبیر	حیدرآباد سندھ	1980ء
27	تذکرہ اولیائے پاک و ہند	مرزا محمد اختر دہلوی	لاہور	1986ء
28	تواریخ آئینہ تصوف	شاہ محمد حسن رامپوری	قصور	1971ء
29	تاریخ مشائخ چشت جلد چہارم	پروفیسر خلیق احمد نظامی	اسلام آباد	1975ء
30	تصوف	ڈاکٹر اللہ دتہ کنجاہی	کنجاہ، گجرات	1980ء
31	تذکرہ	ابوالکلام آزاد	لاہور	طبع دوم
32	تاریخی مقالات	پروفیسر محمد اسلم	لاہور	1970ء
33	تذکرہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی	مولانا ابوالحسن علی ندوی	لکھنؤ	طبع دوم
34	تفسیر الآیات	ڈاکٹر غلام ربانی	راولپنڈی	1970ء
35	تاریخ و تعارف ضلع یار خاں	پروفیسر سعید احمد سعید	ضلع رحیم یار خاں	1981ء
36	تاریخ پیش رفتِ اسلام	وکتر شہید خت کامران	اسلام آباد	1985ء
37	تائید اہل سنت	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	استانبول (ترکی)	1977ء
38	تائید اہل سنت	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	شرقپور (شیخوپورہ)	1983ء

39	تائید اہل سنت	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	حیدرآباد سندھ	1973ء
40	تقویم تاریخ	عبدالقدوس ہاشمی	کراچی	1965ء
41	تذکرہ اکابر اہلِ سنت	مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری	لاہور	1976ء
42	تذکرہ علمائے پنجاب	اختر راہی	لاہور	1980ء
43	تجلیاتِ امام ربانی	اختر شاہجہان پوری	لاہور	1978ء
44	تذکرہ مجدد الف ثانی	محمد منظور نعمانی	لکھنؤ	1970ء
45	تذکرۃ الاولیاء	شیخ فریدالدین عطار اردو ترجمہ	کراچی	1973ء
46	تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی (فارسی) اردو پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی	1961ء
47	تذکرہ اولیائے پاک و ہند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب	لاہور	1980ء
48	تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان	مفتی ولی حسن ٹونکوی	کراچی	مطبع سعیدی
49	تاریخ الخلفاء	علامہ سیوطی اردو ترجمہ شمس بریلوی	کراچی	1976ء
50	تذکرہ نقشبندیہ	مولانا نور بخش توکلی	لاہور	1976ء
51	تذکرہ نقشبندیہ مجددیہ	محمد حسن نقشبندی	لاہور	طبع سوم
52	تفسیر ضیاالقرآن جلد اوّل	پیر محمد کرم شاہ	لاہور	1398ھ
53	تفسیر ضیاالقرآن جلد چہارم	پیر محمد کرم شاہ	لاہور	1399ھ
54	تذکرہ کاملانِ رام پور	حافظ احمد علی خاں شوق	دہلی	1929ء
55	تاریخ دعوت و عزیت جلد چہارم	ابوالحسن ندوی	کراچی	1980ء
56	جمال زریں زر بخش	صاحبزادہ محمد حفیظ الرحمان معصومی	لاہور	1393ھ
57	جواہر مجددیہ	خواجہ احمد حسن امرہوی	لاہور	نولکشور پریس

58	جمال نقشبند	صلاح الدین بی اے	لاہور	1380ھ
59	جامی	علی اصغر حکمت اردو ترجمہ عارف نوشاہی	لاہور	1983ء
60	جواہر نقشبندیہ	محمد یوسف نقشبندی	فیصل آباد	1979ء
61	حدیقۃ اولیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	لاہور	1976ء
62	حضرت مجدد الف ثانی	سید زوار حسین شاہ	کراچی	1972ء
63	حضرت مجدد کا نظریہ توحید	ڈاکٹر برہان احمد فاروق	لاہور	1974ء
64	حضرت مجدد الف ثانی ایک تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	حیدرآباد سندھ	سن ندارد
65	حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات	آباد شاہ پوری	لاہور	1977ء
66	حیات باقی	سید رشید احمد ارشد	کراچی	1969ء
67	حدائق الحنفیہ	مولانا فقیر محمد جہلمی	لاہور	1981ء
68	حیات مجدد	پروفیسر محمد فرمان	لاہور	1958ء
69	حضرت مجدد اور ان کے ناقدین	شاہ زید الحسن فاروقی	لاہور	1982ء
70	محسنِ اعظم اور محسنین	فقیر سید وحید الدین	کراچی	1970ء
71	حیات محی الدین غزنوی	ریاض احمد صمدانی	گوجرانوالہ	1978ء
72	حیات حافظ رحمت خاں	سید الطاف علی بریلوی	کراچی	1963ء
73	حدیقۂ معرفت	حکیم محمد عظیم حجازی	لاہور	سن ندارد
74	حسنات الحرمین	خواجہ محمد عبید اللہ سرہندی اردو ترجمہ پروفیسر محمد اقبال مجددی	لاہور	1983ء
75	خلاصۃ جواہر القرآن	ابوبکر اسحاق ملتانی	اسلام آباد	1985ء
76	خلاصہ مکتوبات مجدد الف ثانی	شاہ ہدایت علی جے پوری	لاہور	1976ء
77	خزینۂ کرم	چودھری نور احمد مقبول	لاہور	1978ء

78	دین الٰہی اور اس کا پس منظر	پروفیسر محمد اسلم	لاہور	1970ء
79	دین الٰہی اور اس کا پس منظر	مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی	دہلی	1974ء
80	مجدد اعظم	محمد حلیم	لاہور	1968ء
81	دہلی اور اس کے اطراف	مولانا عبدالحی لکھنوی	دہلی	1958ء
82	دیوانِ حافظ	حافظ شیرازی	لاہور	1971ء
83	دلیل الحیران فی کشف عن آیات القرآن	حافظ شیرازی	لاہور	1983ء
84	دُرِ معارف (فارسی)	شاہ رؤف احمد	استانبول (ترکی)	1973ء
85	دی نقشبندیہ (انگریزی)	سردار علی احمد خاں	شرقپور شریف	1982ء
86	دعوتِ حق	سید محبوب الٰہی عرف نور اللہ شاہ	منٹگمری	1962ء
87	رحمۃ اللعالمین جلد اوّل	قاضی محمد سلیمان منصور پوری	لاہور	1972ء
88	رسالہ انسیہ	حضرت یعقوب چرخی	اسلام آباد	1983ء
89	رسالہ ابدالیہ	حضرت یعقوب چرخی	اسلام آباد	1978ء
90	رسائل نقشبندیہ	علامہ اقبال احمد فاروقی	لاہور	1981ء
91	رسالہ قدسیہ	خواجہ محمد پارسا/ مرتب ملک محمد اقبال	اسلام آباد	1975ء
92	رفیق السالکین (فارسی)	ملفوظات سید امیر کلال	لاہور	1325ھ
93	رسالہ تہلیلہ	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	1965ء
94	تصرف	امام ابوبکر بن ابو اسحاق ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن	لاہور	1391ھ
95	زبدۃ المقامات (فارسی)	محمد ہاشم کشمی	استانبول (ترکی)	1977ء
96	سرِ دلبراں	سید محمد ذوقی شاہ	کراچی	1400ھ
97	سوویت یونین میں مسلمان	سفارت خانہ سوویت یونین پاکستان	کراچی	1972ء

98	سیرت مجدد الف ثانی	پروفیسر محمد مسعود احمد	کراچی	1983ء
99	سفینۃ اولیا	داراشکوہ/ اردو ترجمہ محمد وارث کامل	لاہور	سن ندارد
100	سکینۃ اولیا	داراشکوہ/ اردو ترجمہ مرزا مقبول بدخشانی	لاہور	1971ء
101	سیرت رسولِ عربی	مولانا نور بخش توکلی	کراچی	1957ء
102	سیرت النبی جلد اوّل	شبلی نعمانی	لاہور	1983ء
103	سیرت الصدیق	مولانا حبیب الرحمان شروانی	لاہور	1978ء
104	سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی	احسان اللہ عباسی	رام پور	1926ء
105	سلسلہ خیریہ	پروفیسر خالد امین مخفی الخیری	لاہور	1981ء
106	شائق النعات	شائق دہلوی	کراچی	1961ء
107	شواہد نبوت (جامی)	اردو ترجمہ بشیر حسین ناظم	لاہور	1974ء
108	شمس المعارف	شاہ محمد سلیمان پھلواری	کراچی	1969ء
109	شاہ حسین حقیقت اور ان کا خاندان	مشرف احمد	کراچی	1977ء
110	شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ	خواجہ باقی باللہ	کراچی	1967ء
111	شیخ احمد سرہندی	محمد استقلال خان و محمد اقبال صلاح الدین	لاہور	1968ء
112	شان حبیب الرحمٰن	مفتی احمد یار خاں نعیمی	گجرات	سن ندارد
113	شریعت وطریقت	مولانا محمد دین چشتی اشرفی	لاہور	1981ء
114	شب جائے کہ من بودم	شورش کاشمیری	لاہور	1971ء
115	شجرہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ	عبدالرحمٰن بی اے	لاہور	فیض عام پریس
116	شریف التواریخ جلد اوّل	مولانا شرافت نوشاہی	ساہنپال گجرات	1979ء

117	صدیق اکبر	سعید احمد اکبر آبادی	کراچی	1975ء
118	''ضیائے حرم'' ماہنامہ (صدیق اکبر)	پیر محمد کرم شاہ	لاہور	جون 1979ء
119	علمی اردو لغت	وارث سرہندی	لاہور	1977ء
120	عبداللہ خویشگی قصوری	پروفیسر محمد اقبال مجددی	لاہور	1972ء
121	علمائے ہند کا شاندار ماضی !	مولانا محمد میاں	لاہور	1977ء
122	غائتہ التحقیق	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	لاہور	1393ھ
123	فیض الکریم	قاضی عالم دین سیال کوٹی	لاہور	طبع چہارم
124	فیض تراہی	پیر خادم حسین چوراہی	چورہ شریف	1983ء
125	فیوضاتِ مجدد	مولانا غلام رسول گوہر قصوری	قصور	1977ء
126	فضائل صدیقِ اکبر	میاں جمیل احمد شرقپوری	شرقپور	سن ندارد
127	فیروز اللغات اردو جدید	مولانا فیروز الدین	لاہور	1957ء
128	قصص الانبیا	مولانا عبد المنان	کراچی	1973ء
129	کریم اللغات (فارسی)	مولوی کریم الدین	لاہور	1891ء
130	کشف المحجوب (فارسی)	داتا علی ہجویری	لاہور	1978ء
131	کشف المحجوب (اردو)	ترجمہ مولانا ابو الحسنات	لاہور	1396ھ
132	کشف المحجوب (اردو)	ترجمہ مولوی فیروالدین	لاہور	طبع دوم
133	کشف المحجوب (اردو)	ترجمہ تشنہ جالندھری	لاہور	1968ء
134	تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جلد اوّل (اردو)	مولانا سید محمد امیر شاہ	لاہور	سن ندارد
135	مرآۃ الحرمین (عربی)	ابراہیم رفعت باشا	قاہرہ	1344ھ
136	گلزارِ ابرار	محمد غوثی مانڈوی	لاہور	1395ھ
137	مدارج النبوت (شیخ عبد الحق محدث دہلوی	ترجمہ شمس بریلوی	کراچی	سن ندارد

138	مضامینِ قرآن	زاہد ملک	راولپنڈی	1983ء
139	معیار السلوک	شاہ ہدایت علی جے پوری	کراچی	سن ندارد
140	مکتوبات امام ربانی (فارسی)	حضرت مجدد الف ثانی	استانبول (ترکی)	1977ء
141	مکتوبات امام ربانی (اردو)	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	1973ء
142	مجدد الف ثانی	محمد یوسف بی اے	فیصل آباد	1402ھ
143	مجدد الف ثانی	سید زوار حسین شاہ	سیالکوٹ	1977ء
144	مقالاتِ یوم مجدد	میاں جمیل احمد شرقپوری	لاہور	1979ء
145	معارف لدنیہ	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	1968ء
146	مبداء ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	1968ء
147	مکاشفاتِ عینیہ	حضرت مجدد الف ثانی	کراچی	1965ء
148	مسلک امام ربانی	مولانا محمد سعید نقشبندی	لاہور	1970ء
149	مقاماتِ خیر	شاہ زید ابو الحسن	دہلی	1392ھ
150	مقالاتِ سرسید حصہ شانزدہم	شیخ محمد اسماعیل پانی پتی	لاہور	1965ء
151	مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی	تلخیص وترجمہ نسیم احمد امروہی	لکھنو	1960ء
152	مخزن اخلاق	رحمت اللہ سبحانی	لاہور	1968ء
153	مقالات	شاہ محمد جعفر پھلواری	لاہور	1967ء
154	مکاتیب شاہ غلام علی دہلوی (فارسی)	حکیم عبد المجید سیفی	استانبول (ترکی)	1976ء
155	مصباح اللغات	عبد الحفیظ بلیاوی	کراچی	1982ء
156	مقاماتِ مظہری	شاہ غلام علی دہلوی ترجمہ محمد اقبال مجددی	لاہور	1983ء
157	ماثر الاجداد	پروفیسر منظور الحق صدیقی	لاہور	1964ء

158	ماثر العارفین	جان محمد	لاہور	سن ندارد
159	مکتوبات امام ربانی بحیثیت ماخذِ ایمانیات	پروفیسر عبد الباری صدیقی	کراچی	1985ء
160	نفحات الانس (جامی)	اردو ترجمہ شمس بریلوی	کراچی	1982ء
161	نور اسلام ماہنامہ اولیائے نقشبند نمبر	میاں جمیل احمد شرقپوری	شرقپور شریف	مارچ اپریل 1979ء
162	ہمارا اسلام	مفتی محمد خلیل برکاتی	لاہور	1985ء
163	ہندوستان میں پہلی وہابی تحریک	ڈاکٹر قیام الدین احمد	کراچی	1972ء
164	ہدایت الانسان الی سبیل العرفان	حافظ محمد عبد الکریم	راولپنڈی	1981ء
165	خلاصہ قانون تصوف حصہ اوّل	حاجی ذاکر علی رہتکی	کراچی	1976ء
166	خلاصہ قانون تصوف حصہ دوم	حاجی ذاکر علی رہتکی	کراچی	1978ء
167	خلاصہ قانون تصوف حصہ سوم	حاجی ذاکر علی رہتکی	کراچی	1978ء
168	استحکام پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد	لاہور	1986ء
169	گنبدِ حضراء	محمد معراج الاسلام	لاہور	1976ء
170	مسجد نبوی	محمد معراج الاسلام	لاہور	1986ء
171	سیاستِ شرعیہ	رئیس احمد جعفری	لاہور	1959ء

اللہ ھو

عبد اللہ جان حق آگاہ مرد خلیق و فیض وجود

جن کے درِ زنجیر سے علم پیری شناآموز

قبلۂ طالبانِ حق، خستہ نواز و عقدہ کُشا

مہرباں فیضِ بابا[۱] جمال[۲] کی روشن نمود

نذر

بحضور حضرت قبلہ پیر عبداللہ جان صاحب مدظلہ العالی

مرشد آباد شریف پشاور

۱؎ حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ

۲؎ حضرت بابا جمال سماسی اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

خطاطی کلام: خورشید گوہر قلم لاہور

۱۴۲۸ھ

۲۰۰۷ء

حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب (مدظلہ العالی)

آپ کا ہر لمحہ دین متین کی اشاعت، ترویج و ترقی کیلئے وقف ہے

اور دور حاضر میں حضرت صاحب کی نگاہ فیض نے ہزاروں نوجوانوں کی زندگیوں کو بدل ڈالا اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی لذت سے آشنا کیا۔

آپ کی تبلیغی خدمات ہمیشہ سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔

(نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ